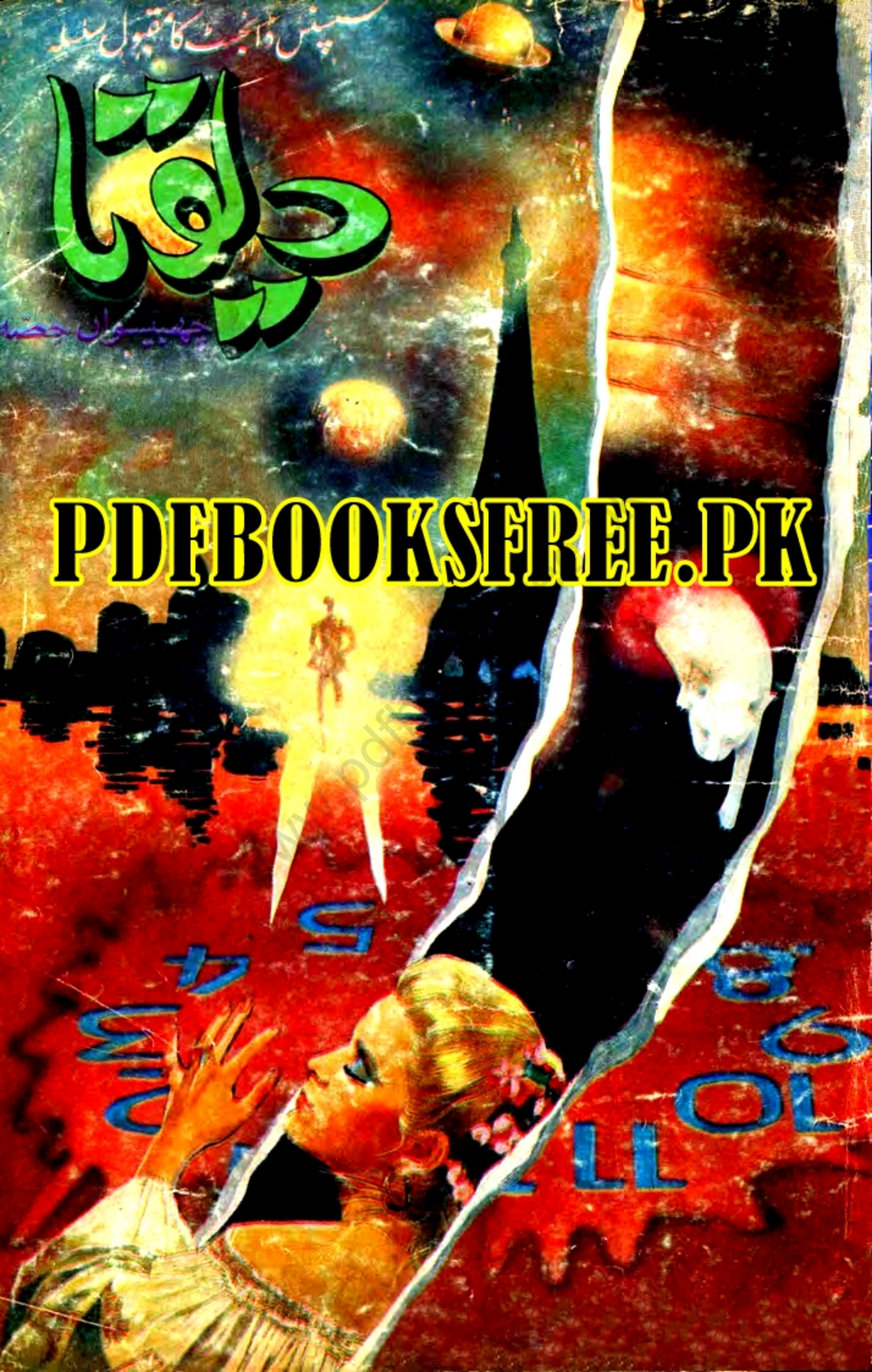


سینس ڈائجسٹ کا مقبول نسخہ

دلہا

جہیز خان حصہ

PDFBOOKSFREE.PK



سپنس ڈائجسٹ میں سلسلے وار شائع ہونے والی مقبول ترین کہانی
سوچ نگر کے شہزادے فرہاد علی تیمور کی سرگزشت

PDFBOOKSFREE.PK

دیوتا

چھبیسواں حصہ

داوی: — فرہاد علی تیمور

مُصَنَّف: — محی الدین نواب



کتابیات پبلی کیشنز ۰ پوسٹ بکس نمبر ۲۳-کراچی-۱

ایک دراز دست
شخص کی سرگزشت۔ ایک
طلسماتی اور سحرانگیز آدھ ٹکڑی و روز
اس نے جسے چاہا فتح کر لیا اور جب چاہا
کسی کو مات دے دی۔ خیالِ خوابی میں ایک
نیا جہان معنی متعارف کرانے والے شخص کی
جولانے طبع کی فسوسے کاری۔ اس کی
شہرت چار دانگ پھیل
چکی ہے۔



لیلیٰ اور سلطانہ کے ہوش اڑ گئے۔ پہلے لیلیٰ نے علی کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی تھی۔ اس مقصد کے لئے جان کا رول کی آواز اور لہجے کو گرفت میں لیا تھا لیکن اس لہجے والا کم ہو چکا تھا۔ اس نے دو چار بار کوششیں کیں پھر خیال آیا، تنہی عمل میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہوگی۔ علی تیور کی شخصیت تبدیل نہیں ہو پائی ہے، یہ سوچ کر اس نے علی کے لہجے کو گرفت میں لے کر خیالِ خوانی کی پرواز کی۔ پھر بھی وہ نہ ملا۔ تب کیجا دھک سے رہ گیا۔ پتنا خیال کیا آیا کہ وہ خدا خواست دنیا سے اٹھ گیا ہے۔ اسی لئے مردہ دماغ سوچ کی لہروں کو قبول نہیں کر رہا ہے۔

وہ سلطانہ کے پاس آئی۔ اسے ساری روداد سنائی۔ سلطانہ نے بھی خیالِ خوانی کے تمام حربے استعمال کئے۔ لیکن علی نہ ملا۔ اس نے کہا: ”لیلیٰ! یہ کیا ہو رہا ہے؟ کہیں سونیا ثانی کے ساتھ بھی کوئی گڑبڑ نہ ہوئی ہو۔“

دونوں بہنوں نے ثانی کے دماغ کی طرف پرواز کی۔ وہ مل گئی۔ خیریت سے تھی۔ ماضی کو بھول کر خود کو سلوانا جوزف سمجھ رہی تھی۔ سلطانہ نے اس پر عمل کرنے کے دوران کہا تھا کہ وہ شکا کو جانے کی دہاں اسے مستقبل کا جیون سامھی جان کارلوئے گا۔ اس عمل کے مطابق وہ شکا کو پہنچ گئی تھی۔

لیکن اس شہر میں علی کہاں تھا؟ ذمہ بھی تھا یا نہیں؟ آگے کچھ سوچ کر کیجا جانتہ کو آ رہا تھا۔ وہ دونوں ثانی کے دماغ سے آگئیں۔

اس کے پاس بعد میں جاسکتی تھیں۔ انہوں نے سونیا کے پاس آکر یہ باتیں بتائیں۔ اسے بھی تشویش ہوئی۔ اس نے کہا ”ابھی علی کے بارے میں رسوئی سے کچھ نہ کہنا۔ وہ رو رو کر اپنا برا حال کر لے گی۔ تم دونوں کچھ اپنی عقل سے بھی کام کیا کرو۔“

”کیا ہم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے سسر؟“

”مدمہ نکتا ہی بڑا ہو، بد خواص نہیں ہونا چاہئے۔ تم میں سے ایک کو کنگ فرمائو کہ اس خاص ملازم کے پاس جانا چاہئے تھا جو شکا کو میں ایک پروجیکٹ کا انچارج تھا اور جہاں علی انجینئر کی حیثیت سے گیا تھا۔“

”واقعی ہم نے ادھر دھیان نہیں دیا۔ میں ابھی جاتی ہوں۔“

”ابھی طرح انکو انری کو کہ علی پروجیکٹ میں کب سے کب تک ڈیوٹی اینڈ کرتا تھا، کن افراد سے اس کا رابطہ رہتا تھا اور آخری بار وہاں کب دیکھا گیا تھا۔“

لیلیٰ اس پروجیکٹ کے انچارج کے پاس گئی۔ ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کے خیالات پڑتے ہوئے پتا چلا، ایک حسین اور نوجوان لڑکی صبح ملنے آئی تھی۔ اس سے ملاقات کے بعد علی ڈیوٹی پر واپس نہیں آیا۔ سر داز نے شام کے وقت اسے کینن سے باہر جاتے دیکھا۔ اس کے بعد ہی وہ دونوں سے لاپتا ہے اس حسین اور نوجوان لڑکی کا تعلق انٹیلی جنس والوں سے تھا اور اب وہ سرکاری سرانگرمیں بھی تھی سے یہ پوچھتے پھر رہے تھے

تھے کسی طرح مجرموں کی بوسہ جھٹکتے ہوئے ان کے سروں پر پہنچ جاتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ وہ کتا قانون کے محافظوں کو اس کے پاس لانا وہ بہت دور بھاگ جانا چاہتا تھا۔

ان حالات میں فوری طور پر بچاؤ کے لئے جو اقدامات کئے جاتے ہیں وہی اس نے کیا۔ سب سے پہلے ریڈی میڈ میک اپ کا سامان خریدا۔ ایک رستوران کے ہاتھ دھو دم میں جا کر اپنے چہرے پر داڑھی مومچوں کا اضافہ کیا۔ اس کی آنکھیں نیلی تھیں اس نے دھڑکنے لگی گٹھن سے آنکھیں سیاہ نظر آنے لگیں۔ ایک سیلون میں جا کر اپنے سر پر سیاہ بالوں کو بھی سیاہ کرالیا۔

وہ جو کچھ کر رہا تھا اس میں اس کی ذہانت کا دخل نہیں تھا۔ اس نے جاسوسی ناولوں میں جو کچھ پڑھا تھا اس پر عمل کر رہا تھا۔ میری داستان کا یہ مشہور واقعہ ہر ملک کی اٹلی جنس کی قانون میں ہے کہ جب سونیا میری دشمن بھی اور ایک کتیا کی طرح میری بوسہ گر میری ہر بنا گاہ تک پہنچ جاتی تھی جب میں نے بچاؤ کا انوکھا طریقہ اختیار کیا تھا۔ اپنے جسم پر خوشبو اسپرے کر لیا کرتا تھا جس سے میرے بدن کی مخصوص بو کم ہو جاتی تھی اور سونیا مجھے تلاش کرنے میں ناکام رہتی تھی۔

اٹلی جنس کی بہت سی قانون کی غیر معمولی باتیں رانٹوں تک پہنچتی ہیں پھر وہ جاسوسی ناولوں میں لکھی جاتی ہیں۔ ایسے ہی کسی ناول میں راجر میت نے پڑھا تھا کہ پلٹنے کے ذریعے عارضی

ہیک ملق میں اتارنے کے بعد ہوٹل کے کمرے میں آیا۔ اسے کہیں میں ایک الماری سے ساڑھے چار ہزار ڈالر ملے تھے۔ وہ ایک ماہ تک دوسری چوری کے بغیر گزارا کر سکتا تھا۔ لٹرا فیصلہ کیا کہ کہیں سے بڑی رقم ہاتھ لگنے کا چانس ہوگا تو وہ واردات کرے گا۔ رن مینے بھر آرام کرے گا۔

دوسرے دن اس کا اطمینان ختم ہو گیا۔ کچھ ماسٹرم لوگ ایک خوشخوار کتے کے ساتھ ہوٹل کے کمرے میں آئے تھے۔ وہ وجود نہیں تھا۔ ہوٹل کے مالک نے ماسٹر کی کے ذریعے اس کا کرا لہول کر ان ایتنی لوگوں کو اندر جانے دیا۔ کرا لہولے ہی کتا جھپٹ کر ایک کمرے میں گیا جہاں علی کے اتارے ہوئے بڑے بڑے تھے۔ چور انہیں پتہ نہ چلا کہ علی کے اتارے ہوئے بڑے بڑے کمرے میں جھپٹ کر بھول گیا تھا۔ انہیں صبح ہی لاٹری میں دے دیا تو کوئی کتا ان پرلوں کی بوسہ لگتا ہوا دھنوں کو دہاں تک نہ لانا۔ اب وہ ایتنی لوگ اسے ڈھونڈ رہے تھے اس کا اصل نام ملوم ہو گیا تھا۔ ہوٹل میں اس نے اپنا نام راجر میت لکھوایا تھا۔ اب اس کے کمرے کی تلاشی لی جا رہی تھی تو وہ ایک بار میں بیٹھنا پڑا تھا۔ اس کے ایک ساتھی نے آکر کہا کہ تم یہاں مومج کر رہے ہو ہر جاسوس لوگ ایک کتا کے کمرے میں گھسے ہوئے ہیں۔ تاہم جاسوس لوگ اسے کتا کے کمرے میں گھسے ہوئے ہیں۔ ل پتچے میں دیر نہیں لگے گی۔

وہ فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر باہر آیا۔ یہ جانتا تھا کہ پولیس کے

کوئی اور خیال خواتین کرنے والا خانی کے خیالات پڑھ کر جان کارلو بن کر اسے دھوکا دے سکتا ہے۔

سلطان نے تائید کی "ٹھیک کتہی ہو۔ خانی پر تم نے عمل کیا تھا۔ پھر عمل کرو" اس کے ذہن سے کارلو کا نام مٹا دیا اور یہ بات نقش کر دیا کہ وہ اپنے مزاج کے مطابق کسی مومج سے متاثر نہیں ہوگی۔

پہلی نے اس رات خانی کے مزاج میں تھوڑی تبدیلی کر دی۔ پہلے جو عاشق مزاجی بھاری کتہی تھی اسے ختم کر دی۔ پہلی اور سلطان نے ٹھیک ہی سوچا تھا کہ خانی کو دھوکا دینے کے لئے کوئی دوسرا جان کارلو بن کر اس کے پاس آسکتا ہے۔

واقعی دوسرا جان کارلو پیدا ہو گیا تھا۔ وہ خانی یا سلطان کو جانتا نہیں تھا۔ جان کارلو نے والے علی کو بھی نہیں جانتا تھا۔ وہ نہ کسی کا دوست تھا نہ دشمن۔ وہ ایک معمولی چور تھا۔ اس کے پاس چوری کا حوصلہ تھا مگر متعل نہیں تھی۔ اس کی شامت آتی تھی کہ چوری کرنے کے لئے جان کارلو (علی) کے کہیں کالا ک توڑ کر اندر گیا تھا۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب علی ایڈی فٹنر بن گیا تھا اور رانٹا کے ساتھ ایک نئی زندگی گزارنے کے لئے اپنا کہیں چھوڑ کر گیسٹ ہاؤس میں چلا گیا تھا۔ چور کو کہیں میں کچھ نقد رقم ملی۔ پہننے کے لئے چار جوڑے ملے۔ وہ چاروں جوڑے علی نے استعمال کئے بعد ایک باکس میں ڈال دیے تھے۔ میرے جان کارلو کے نام سے ڈرائیو تک لائنس اور دوسرے ضروری کاغذات تھے۔ وہ یہ ساری چیزیں سیٹ کر کے گیا۔

وہ کہیں سے نکلا تو اس کے ایک ہاتھ میں ایتھی تھی۔ جب میں کافی رقم تھی۔ وہ جیسی میں اس ہوٹل کی طرف جانا چاہتا تھا جہاں ایک کمرے میں کرایہ دار کے طور پر رہتا تھا۔ راستے میں جیسی سے پہلے پڑونگ پولیس کی گاڑی نے اس کا راستہ روک لیا۔ افسر نے پوچھا۔ "تمی رات کو کہاں جا رہے ہو؟"

اس نے جواب دیا "ٹھیک تو تھ جا رہا ہوں۔ جیسی یا بس کا انتظار ہے۔"

"کہاں سے آ رہے ہو؟"

اس نے لگ فرمائندہ کے بلڈنگ پر دو جھپٹ کا پتا کر کہا "میں اس پر دو جھپٹ میں اٹھتا ہوں۔ میرا نام جان کارلو ہے۔"

اس نے وہ کاغذات دکھائے جن کے ذریعے جان کارلو کی تقرری انجینئر کی حیثیت سے کی گئی تھی۔ وہ کاغذات دیکھ کر پولیس والے مطمئن ہو گئے۔ اپنی گاڑی میں چلے گئے۔ وہ خوش ہو کر بڑھایا "واہ! کیا بات ہے۔ ان کاغذات نے مجھے ایسا انجینئر بنا دیا ہے کہ پولیس والے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ آئندہ میں بھی کاغذات اور یہی نام استعمال کروں گا۔"

وہ خوشی منانے کے لئے ایک بار میں آکر بیٹھ گیا۔ وہ چار

کہ وہ لڑکی کہاں ہے؟ جو جان کارلو سے ملنے آئی تھی۔ اس طرح یہ خیال قائم ہو رہا تھا کہ جان کارلو اس لڑکی کو ساتھ لے کر کہیں گیا ہے۔ پہلی نے سپروائزر کے خیالات پڑھ کر معلوم کیا تھا۔ شام کو جان کارلو کہیں سے نکل کر جاتے وقت سپروائزر سے یہ کہہ گیا تھا کہ وہ اپنی سلوان سے ملنے جا رہا ہے۔

سلطان مختلف ذرائع استعمال کرتی ہوئی سرکاری سرگرمیوں کے پاس پہنچی۔ ان کے خیالات نے بتایا وہ جان بڑاؤ کے تحت ہیں۔ ان کے ساتھ جو لڑکی تھی وہ ٹیلی ویژن پر جاتی تھی اور اس کا نام رانٹا جانا تھا۔

دونوں ہمیشہ کڑی سے کڑی ملاتی ہوئی سونیا کے پاس آئیں۔ وہ تمام باتیں سن کر پہلی "اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ علی سلامت ہے۔ اسے رانٹا کیسے لے گئی ہے۔"

پہلی نے کہا "یہ بات کچھ میں آ رہی ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ رانٹا نے علی کو اپنا نام سلوان کیا بتایا؟ اس لئے کہ وہ علی عرف جان کارلو کے خیالات پڑھ کر معلوم کر چکی تھی کہ کارلو کو کسی سلوان کا انتظار ہے اور آئندہ اپنی زندگی میں آئے والی سلوان کو وہ صورت سے نہیں پہچانتا ہے۔ اپنی بات سے رانٹا نے فائدہ اٹھایا ہے۔"

سونیا نے کہا "اور یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اس لڑکی نے علی پر عمل کر کے اس کے دماغ سے جان کارلو کی شخصیت اور لب و لہجہ بھلا دیا ہے۔ اس پر پختہ شخصیت کی چھاپ لگائی ہے۔ اس کا لہجہ بدل چکا ہے اسی لئے وہ تمہاری سوچ کی لہروں کو نہیں مل رہا ہے۔"

سلطان نے کہا "میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ خانی اور علی کی شادی کرانے کے لئے یہ چکر چلائیے گئے تو کوئی دوسری خیال خانی کرانے والی خود سلوان بن کر اسے لے جائے گی۔"

سونیا نے کہا "جج پھو تو میں نے بھی اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ علی کی سلامتی کا یقین ہو رہا ہے۔ اب وہ جہاں بھی ہے اسے تم دونوں ثانیہ کے ذریعے تلاش کر سکتی ہو۔ بہتر ہے اس کے پاس جاؤ۔"

پہلی اور سلطان نے سونیا خانی کے حلقے پر پروگرام بنایا تھا کہ وہ سلوان کی حیثیت سے ٹھیک کو پہنچے گی تو وہ خیال خانی کے ذریعے اس کی معقول رہائش کا انتظام کریں گی۔ اور خانی ایک ہوٹل کے کمرے میں ایک رات گزارنے آئی تھی۔ اس نے شام کے اخبار سے کچھ ایسے پتے نوٹ کئے تھے جہاں کرایہ کا بیج، پٹلے اور ایک کراکس لڑکی یا عورت کے ساتھ مشترکہ رہائش کے لئے مل سکتا تھا۔ بیٹنگ گیسٹ ہاؤس اور ہوٹل کے کمروں کے اشتہارات سے بھی پتے لکھ کر رکھ لئے۔ دوسری صبح وہ موقوف رہائش کی جگہ حاصل کرنے کے لئے ان جہاں پر جانے والی تھی۔

پہلی نے سلطان سے کہا "میں ایک ٹھکر سے سبق حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ رانٹا نے خیال خانی کے ذریعے جان کارلو کے خیالات پڑھ لئے اور اسے حاصل کرنے کے لئے سلوان بن گئی۔"

آزمائش کی کڑی دھوپ میں ایک پاکستانی جان باز کا سفر

جب آنکھیں آہن پوش ہوئیں..... جب خون جگر برفاب ہوا

جاسوسی ڈائجسٹ میں سلسلہ وار شائع ہونے والی مقبول کہانی

علی یار خان کی سرگزشت

مجاہد

کہانی قتل میں چار حصے شائع ہو چکے ہیں

قیمت فی حصہ = ۲۵ روپے ڈاک خرچ ۱۰ روپے

چاروں حصے ایک ساتھ منگائے پر ڈاک خرچ معاف

کتابیات پبلی کیشنز - پوسٹ بکس نمبر ۲۳ - کراچی نمبر ۴۲۰۰

”مس! ابھی تم نہیں جانتی تھی۔ پولیس کو بیان دینا ضروری ہے۔“
”میں پولیس کو بیان دینے کے لئے ایسے ہوٹل میں نہیں رہوں گی جہاں چور ڈاکو روپو اور لے کر لوٹتے آتے ہیں۔“

”دوسرے کمروں کے سامنے کھڑے ہوئے لوگ تائید کرنے لگے ”بالکل ٹھیک کتنی ہے یہ لڑکی! ہم بھی یہاں خلو محسوس کر رہے ہیں۔ ہم کسی دوسرے ہوٹل میں شفٹ ہو جائیں گے۔“
ہوٹل کی انتظامیہ کے لوگ پریشان ہو گئے تھے اس قدر کے تمام لوگ ہوٹل چھوڑنے کی باتیں کر رہے تھے ان کی دیکھا دیکھی دوسرے عورتوں کے لوگ بھی خود کو غیر محفوظ سمجھ سکتے تھے وہ سب لوگوں کو سمجھاتے لگے۔ مینجر نے انچارج سے کہا ”مس سلوانا جاری ہے۔ اسے دو کوہ اور وہ یہاں بھر قیام کرنے پر رضامندی ہو جائے گی تو دوسرے لوگ بھی رک جائیں گے۔ ہمیں کسی بھی قیمت پر ہوٹل کو بدنامی سے بچانا ہے۔“

ہر کمرے میں فون کے ذریعے کہا جا رہا تھا کہ آپ حضرات ہوٹل چھوڑنے کا فیصلہ جلد ہی نہ کریں۔ یہاں کوئی چور ڈاکو آنے کی جرات نہیں کرتا ہے۔ حقیقت یہ کہ وہاں ہے ہم آگے بڑھنے کے اندر حقیقت پیش کریں گے۔ بلیر آپ تھوڑی دیر کے لئے فیصلہ بدل دیں۔“

انچارج نے ثانی سے کہا ”بلیر آپ پانچ منٹ کے لئے ہمارے پاس سے ملاقات کریں۔ پھر آپ کی مرضی ہو تو چلی جائیں۔“
مینجر نے اس کا ٹیکہ کاؤنٹر کے پیچھے رکھ دیا۔ اسے ساتھ لے کر لفٹ کے ذریعے بیسمنٹ میں لے آیا۔ وہ بیسمنٹ کا دروازہ پارکنگ کے لئے تھے۔ اس کے نیچے ایک بے خانہ تھا جہاں دوسرے طرح طرح کا جوا کھیلنے والے نظر آ رہے تھے۔ اس بے خانے کے نیچے ایک اور بے خانہ تھا وہاں جوئے خانے کا بیگ اور ہوٹل وغیرہ کے اکاؤنٹ اور انتظامیہ کے دفاتر تھے وہیں ایک شاندار کینین میں ہوٹل کا مالک موجود تھا۔ اس نے ثانی سے کہا ”مس سلوانا! ہوٹل کو بدنامی سے بچانے کے لئے ہمارا ساتھ دو۔ یہ کہہ دو کہ وہ چور ڈاکو نہیں تھا۔“

”پھر مجھے کیا کہنا چاہئے؟“
”یہ کہ وہ تمہارا ایک سر پرہر عاشق تھا۔ تمہیں جڑا اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ تم نے انکار کیا تو اس نے تم پر گولیاں چلائیں۔“

”سوری مس! میرا کوئی عاشق نہیں ہے اور میں عشق کے معاملے میں بدنام نہیں ہونا چاہتی۔“

”تمہاری ذرا سی بدنامی سے اتنے بڑے ہوٹل کی نیک نامی بحال ہو جائے گی۔ یہ تمہارے سامنے میرا ٹیکہ رکھا ہوا ہے اسے آن کر کے بعد تمہاری آواز پورے ہوٹل میں سنائی دے گی۔ ہوٹل میں قیام قائم کرنے والوں کو مخاطب کر کے تمہیں جو کچھ ہے وہ اس کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔ اسے پڑھو اور کتنی جاؤ۔“
”کیا زبردستی ہے؟“

کینین کے دروازے پر دو باڈی بلڈر پولوان نظر آئے ان کی صورت اور آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ خالیم ہے رحم اور جلاہ ہیں۔ سب اس نے ریو اور نکالا کر دکھاتے ہوئے کہا ”یہ تمہاری بڑیاں تو زوریں گے۔ اگر چاہنا چاہو گی تو میں گولی مار دوں گا۔“
ثانی نے مسکرا کر کہا ”اس احسن نے بھی مجھے ریو اور دکھا کر دھمکی دی تھی۔“

”کس کی بات کر رہی ہو؟“
جس کی بات کی جارہی تھی وہ راجر بیٹ بھانگا ہوا ہوٹل سے دور نکل آیا تھا۔ پھر ایک رستوران کے ٹوائٹ میں جا کر اپنے چہرے سے داڑھی مونچھیں ہٹائے والا تھا تاکہ ہوٹل والے نہ پہچان سکیں اور وہ کتنے والوں سے چھپنے کے لئے پھر کوئی نیا ٹیکہ اپ کر لے۔

بہر حال کتا اس کے پیچھے نہیں تھا۔ ہوٹل کے کمرے میں جا کر تلاش کرنے والوں کو جان کارلو کے کپڑوں کے علاوہ راجر بیٹ کی ایک تصویر ملی تھی۔ وہ تصویر جان لیوڈا کے پاس پہنچائی گئی تھی۔ لیوڈا نے تصویر کی آنکھوں میں بھانک کر دیکھا۔ اسے راجر بیٹ کے داغ میں جگہ ملی تھی۔ اس وقت وہ ہوٹل کے کمرے میں ثانی کو ریو اور دکھا کر دھمکیاں دے رہا تھا۔

لیوڈا نے پہلے راجر کے خیالات پڑھے۔ پتا چل گیا کہ وہ ایک معمولی چور ہے اور جان کارلو یا رانا کے متعلق کچھ نہیں جانتا ہے۔ ثانی راجر کو جتنی ذہانت سے بے وقوف بنا رہی تھی اس نے لیوڈا کو متاثر کیا۔ وہ ثانی کے پاس آکر اس کے خیالات پڑھنے لگا۔ پتا چلا اس کا نام سلوانا جو زف ہے۔ اس نے سٹریٹجک کے اختتامات پاس کئے ہیں۔ کینیڈا زور کس بھی عمل کر چکی ہے۔ کرائے میں بلیک ہیلٹ حاصل کر چکی ہے۔ اس کے خیالات پڑھنے کے دوران ہوٹل کا انچارج اسے بے خانے میں اس کے پاس لے گیا تھا۔

جب باس نے ریو اور نکالا اور دروازے پر دو باڈی بلڈر راز روکنے آئے تو جان لیوڈا کی دلچسپی بڑھ گئی۔ اب وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آگے ریو اور اور پیچھے زبردست فائز ہیں۔ یہ لڑکی سلوانا اس پوزیشن میں کیا کر سکتی ہے؟ وہ درہم تھی کہ مسکرا کر ریو اور دکھانے والے پاس سے کہہ رہی تھی ”اس احسن نے بھی مجھے ریو اور دکھا کر دھمکی دی تھی۔“

باس نے پوچھا ”کس کی بات کر رہی ہو؟“
ثانی نے کہا ”وہی جو چوری کرنے میرے کراہے کر سکتا ہے۔“
سات میں آیا تھا۔ اس نے دوبارہ مجھ پر گولیاں چلائیں۔“
باس نے کہا ”اس سے بھول جاؤ اور میرے ہوٹل والوں کے سامنے بیان دینے کے لئے اپنے سامنے والے ٹیکہ کے ٹکڑے دباؤ۔“

ثانی نے پوچھا ”تم چاہتے ہو کہ میں ہوٹل میں قیام کرنے والوں کے سامنے اسے چور نہ کہوں؟“

”ہاں۔ یہ بیان دو کہ وہ تمہارا عاشق تھا۔ تمہیں مگن پوچھنا پڑے گا۔“
یہاں سے جڑا لے جانا چاہتا تھا۔ مین وقت پر ہوٹل کے سیکورٹی گارڈز پہنچ گئے اور وہ بھاگ گیا۔“

”یہ میرا کوئی عاشق نہیں تھا۔ چوری کرنے آیا تھا۔ تم اپنے ہوٹل کو بدنامی سے بچانے کے لئے مجھے بدنام کرنا چاہتے ہو۔“
”لڑکی! میں جو کہہ رہا ہوں وہ اس کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔ تم ٹیکہ کے سامنے اسے پڑھتی جاؤ۔“
”اگر میں انکار کروں تو؟“

”تو یہ دونوں باڈی بلڈر تمہاری بڑیاں تو زوریں گے اور اگر شور مچاؤ گی تو میں گولی مار دوں گا۔“
وہ ہنسنے لگی اور پھر بولی ”پتا نہیں تم مجھے احتیوں کو ریو اور کا لاشنس کیسے مل جاتا ہے۔ کیا تمہیں پتا ہے کہ ہماری یہ مشکوک تمام ہوٹل والے سن رہے ہیں۔“

اس کی بات سن کر جان لیوڈا چونک گیا۔ وہ اس وقت پاس کے داغ میں تھا تاکہ اسے سلوانا فائز نہ کرنے دے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ لڑکی اس قدر ذہین ہوگی۔ خطرے کے وقت بھی حواس قابو میں رکھ کر دشمنوں کی خوش فہمی اور غفلت سے فائدہ اٹھا کر اس نے ٹیکہ کے ٹکڑے کو آن کر دیا ہوا کہ وہ ہوٹل میں قیام کرنے والے لوگوں کو اس کے ٹیپ کئے جانے کی خبر مل رہی ہوگی۔ جان لیوڈا نے بے ساختہ کہا ”شاباش! اسے کتنے ہیں غیر معمولی ذہانت۔“

باس اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ بے چینی سے ٹیکہ کے ٹکڑے کو دیکھنا چاہتا تھا۔ ثانی نے ٹیکہ اٹھا کر کہا ”دور سے خاک نظر آئے گا۔“

یہ کتنے ہی اس نے ٹیکہ کو ریو اور پر مارا۔ پاس اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ ریو اور ہاتھ سے نکل کر باڈی بلڈر کے قدموں کی طرف چلا گیا۔ ایک نے جبکہ کراسے اٹھانا چاہا تو تھپ کر ٹھوکر لگی۔ دوسری طرف الٹ گیا۔ دوسرے نے اس پر چلا ٹک لگائی۔ وہ اچھل کر ایک طرف ہو گئی۔ چھلانگ لگانے والا میز سے گر گیا۔ میز کے دوسری طرف پاس تھا۔ وہ باڈی بلڈر سے ٹکرائے والی میز سے ٹکرا کر کرسی سمیت الٹ گیا۔ جب وہ تینوں اپنی اپنی جگہ سے اٹھے تو ثانی کے ہاتھ میں ریو اور کیچہ کر کھنڈے پڑ گئے۔

دوسری طرف جان لیوڈا واہ واہ کر رہا تھا۔ ہولی مین نے پوچھا۔ ”کس بات پر جھوم رہے ہو؟“

”میں ایک ایسی لڑکی کے داغ میں ہوں جو قیامت ہے قیامت! باقی گاؤں میں نے ایسی ذہانت، ایسی پھرتی، چالاکی اور فائنٹ کا ایسا انداز آج تک نہیں دیکھا۔ ذرا ٹھہرو۔ میں آتا ہوں۔“

وہ پھر ثانی کے پاس آیا۔ وہ ہوٹل کے خزانے مالک سے کہہ رہی تھی ”ٹیکہ اٹھا کر دیکھو۔ میں نے جن آن نہیں کیا تھا۔“

تمہارے ہاتھ سے ریو اور لینے کے لئے میں نے تمہیں الزام دیا تھا۔ پاس نے ٹیکہ کو فرش سے اٹھا کر دیکھا۔ واقعی وہ آن نہیں ہوا تھا۔ ایک لڑکی کو بے خانے میں لا کر اس پر جبر کرنے والی بات ابھی کسی کو معلوم نہیں ہوئی تھی۔ ثانی نے کہا ”اس اپنی سلامتی چاہتے ہو تو ٹیکہ آن کو اور اعلان کرو کہ یہ ہوٹل خنزروں اور بد معاشوں کا اڈا بن گیا ہے۔ یہاں شریف لوگوں کو اپنی جلی کے ساتھ قیام نہیں کرنا چاہئے۔“

وہ بے بسی سے بولا ”جو ہو گیا اسے بھول جاؤ۔ میں اپنے ہوٹل کی نیک نامی کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ مجھ سے جتنی رقم چاہو لے لو اور یہاں سے چپ چاپ چلی جاؤ۔“
”ٹیکہوں میں بات کر دو۔ کتنی رقم دو گے؟“
”یہ زیادتی ہے۔“

”میری بڑیاں تو زورنے والی زیادتی سے کم ہے۔“
”ٹیکہ ہے۔ ایک لاکھ ڈالروں کا۔“
”اس رقم کو دینا کر دو اور سرکاری خزانے میں جمع کر دو۔“
”کیا تم کوئی سرکاری ملازمہ ہو؟“

”میں ایک عام شہری ہوں۔ مجھے اپنے وطن سے بے انتہا محبت ہے۔ میرا بس چلے تو تمہارے جیسے بے ایمان سواہیہ والوں سے دولت چھین کر اپنے ملک کے خزانے کو بھردور کرنا محال ہو گیا۔“

”میں ایک عام شہری ہوں۔ مجھے اپنے وطن سے بے انتہا محبت ہے۔ میرا بس چلے تو تمہارے جیسے بے ایمان سواہیہ والوں سے دولت چھین کر اپنے ملک کے خزانے کو بھردور کرنا محال ہو گیا۔“
”میں ایک عام شہری ہوں۔ مجھے اپنے وطن سے بے انتہا محبت ہے۔ میرا بس چلے تو تمہارے جیسے بے ایمان سواہیہ والوں سے دولت چھین کر اپنے ملک کے خزانے کو بھردور کرنا محال ہو گیا۔“

”میں ایک عام شہری ہوں۔ مجھے اپنے وطن سے بے انتہا محبت ہے۔ میرا بس چلے تو تمہارے جیسے بے ایمان سواہیہ والوں سے دولت چھین کر اپنے ملک کے خزانے کو بھردور کرنا محال ہو گیا۔“
”میں ایک عام شہری ہوں۔ مجھے اپنے وطن سے بے انتہا محبت ہے۔ میرا بس چلے تو تمہارے جیسے بے ایمان سواہیہ والوں سے دولت چھین کر اپنے ملک کے خزانے کو بھردور کرنا محال ہو گیا۔“

وہ ثانی عرف سلوانا کے بارے میں تفصیل بتانے لگا۔ وہاں ہولی مین کے علاوہ فوج کا کرنل، اٹھلی جس کا ڈاکٹر کینر جنرل اور دو مشیر خاص بیٹھے ہوئے تھے۔ ہولی مین کی خدمات کو سراہتے ہوئے اسے سپر ماسٹر کا عہدہ دیا گیا تھا۔ اس طرح جان لیوڈا کو ملا کر وہاں چھ اہم افراد تھے جو اپنے ملک کے اہم اور خفیہ معاملات سے نمٹنے کے ذمہ دار تھے۔ وہ سب ثانی عرف سلوانا کی باتیں دلچسپی سے سن رہے تھے۔

کرنل نے کہا ”بے شک یہ غیر معمولی لڑکی ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ محب وطن ہے۔“
سپر ماسٹر ہولی مین نے کہا ”مسٹر لیوڈا! اسے اپنی سرپرستی میں

لے آؤ۔ مٹری بیڑ کو اڑنے کے ٹینک سینٹین میں اسے رکھ دو سری ٹرانزائر میں تیار ہونے تک اس کی ٹینک مکمل کرو۔ ہم اس لڑکی کو ٹیلی جیٹھی سکھائیں گے۔

اٹلی جنس کے اعلیٰ افسر نے کہا ”میں تائیر کرتا ہوں۔ دوسری مشین تیار ہونے تک نہیں سلوانا جیٹھی لڑکیوں اور لڑکوں کو تلاش کرنا چاہئے اور انہیں ٹیلی جیٹھی سکھانے سے پہلے ان کی ٹینک مکمل کرنا چاہئے صرف اتنی نہیں ڈنڈا تو فنان کی وفاداریوں کو بھی آزمانے رہنا چاہئے۔ اور یہ بھی کرنا چاہئے کہ ان کی وفاداریاں بھی تبدیل نہیں ہوں گی اور وہ دشمنوں کی چال میں نہیں آئیں گے۔“

جان لیڈوانے کہا ”میں سلوانا کو ہوئی سے ٹینک سینٹین پختانے جارہا ہوں۔ وہ محب وطن ہے“ اعتراض نہیں کرے گی۔ اب ہم خوب سوچ سمجھ کر وفاداراؤں کا انتخاب کریں گے۔“

وہ ثانی عرف سلوانا کے داغ پر قبضہ جمارا اسے سینٹر کی طرف لے گیا۔ اسے پورا یقین تھا کہ وہ خوب سمجھ کر ایک وفادار لڑکی کو آئندہ ٹیلی جیٹھی سکھانے کے لئے منتخب کر چکا ہے۔

لیڈوانے اس وقت ثانی کے پاس آئی تھی جب وہ ہوئی کے کمرے میں تھی اور شام کے اخبار میں کرائے کے مکانات کے اشتہار پڑھ کر ارادہ کر چکی تھی کہ دوسری صبح کوئی چھوٹا سا کاج کرائے پر حاصل کرے گی یا کسی کے ہاں پیٹنگ گیسٹ بن کر رہے گی۔ لیڈوانے اس پر دھوکا دیا کہ اس کے پاس پہنچی تو وہ مٹری بیڑ کو اڑنے کے ایک ٹینک سینٹین تھی۔ اس کے خیالات پڑھنے سے چا چلا کہ حکومت کے چند بڑے اور اہم لوگ اس کی ذہانت اور دے آف ایکشن سے بے حد متاثر ہیں۔ ایک ٹیلی جیٹھی جاننے والا جان لیڈوانے اسے سینٹین لایا۔ پہلے تو ثانی پریشان ہوئی تھی کہ بے دھیانی میں یا غفلت میں کہاں آگئی ہے۔ پھر اسے اپنے اندر جان لیڈوانے کی آواز سنائی دی ”سلوانا! اگھراؤ نہیں۔ تم دشمنوں میں نہیں دوستانوں میں ہو۔ یہ تمہارے وطن عزیز کا فوجی بیڑ کو اڑنے ہے۔ کیا تم فوج میں نہ کہ وطن کی خدمت نہیں کر سکتی؟“

وہ سینٹر کے برآمدے میں آئی۔ سادہ فوج کے جوان اور افسران آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ مطمئن ہو کر بولی ”میں بہت خوش ہوں۔ یہاں راضی خوش آگئی تھی پھر مجھے غافل بنا کر لانے کی کیا ضرورت تھی۔“

”ہم فوجی بیڑ کو اڑنے کی اہم باتیں باہر نہیں کرتے۔ ہمیں راز دار بنا کر لایا گیا ہے۔ اگر منظور نہ ہو تو تم ابھی جا سکتی ہو۔“

”مجھے منظور ہے۔ میں اپنے ملک کی خدمت کرنے کے لئے اپنے مزاج کے خلاف ہونے والی باتیں بھی برداشت کر سکتی ہوں۔“

”شباب! تمہارے ایسے ہی سچے اور کمرے خیالات نے ثابت کیا ہے کہ تم سچائی اور وفاداری سے ملک اور قوم کی خدمت کر رہی ہو گی۔“

”کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تم کون ہو؟ اگر تمہارا راز میں رہنا

ضروری ہے تو مجھے بتا دو۔“

”میں جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔ تم میری بیٹی جیسی ہو۔ میری اپنی بیٹی کا ڈوٹا اسی سینٹین میں ہے۔ تم دونوں کو ٹینک کے بعد ٹاپ پر دیکھنا چاہتا ہوں۔ ٹاپ رنگ میں آنے والی لڑکیوں اور لڑکوں کو آئندہ ٹرانزائر میں سینٹین سے گزار کر ٹیلی جیٹھی سکھائی جائے گی۔“

لیڈوانے خیال خوانی کی پرواز کی پھر سونیا کے پاس اگر ثانی کے متعلق تمام باتیں بتائیں۔ سونیا نے کہا ”یہ تو کہاں ہو گیا۔ ہم نے ثانی اور علی کو ازودادی زندگی کے راستے پر لے جانے کی کوشش کی تھی۔ قدرت کو کچھ اور منظور ہے۔ ثانی کے مقدور میں ٹیلی جیٹھی کا علم ہے تو یہ علم اسے حاصل کرنے دو۔ فراہم کے پاس جاؤ۔ یہ کہو وہ کیا کہتا ہے۔“

لیڈوانے میرے پاس آئی۔ میں نے تمام دوادوسن کر کہا ”یہ ایک خوشی کی بات ضرور ہے۔ لیکن ٹیلی جیٹھی کیلئے کے مرحلے تک پہنچنے میں ایک عرصہ لگے گا۔ چاہیں دوسری مشین کہیں چھپا کر رکھی گئی ہے یا دوبارہ تیار کی جارہی ہے۔ اگر ہم نے ثانی کو دشمنوں کے پاس چھوڑ دیا تو کبھی اس کی اسلیٹ بھی مکمل نہیں ہو سکتی ہے۔ اسے خطرات پیش آسکتے ہیں۔“

لیڈوانے تائیر کی ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم اس کی برابر عمرانی کرتے رہیں گے؟“

”تو بات بن سکتی ہے۔ سب سے زیادہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ ہماری دلا علی میں ثانی پر تنویجی عمل کیا جائے گا۔ اس کے داغ میں مزاجب الوطنی بھری جائے گی اور ہمارے خلاف فتنیں پیدا کر دی جائیں گی۔“

”یہ تو ہماری ساری تدبیریں الٹ جائیں گی۔“

”میں پاکستان میں بہت مصروف ہوں۔ تم اس سلسلے میں سونیا سے بات کرو۔ کوئی بات نہ رہے تو میں کوئی مقتول مشورہ دے سکوں گا۔ شادہ پھر سونیا کے پاس آئی۔ اس نے میری باتوں کے جواب میں کہا ”ثانی کو ٹیلی جیٹھی کا علم حاصل کرنے کے لئے کچھ تو خطرات سے دو چار ہونا پڑے گا۔ یہ دستور ہے۔ خطرہ مول لے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔“

”کب درست کہتی ہیں۔ اگر ہم ٹیلی جیٹھی جاننے والے اس کی عمرانی کرتے رہیں تو جان لیڈوانے اس پر تنویجی عمل نہیں کر پائے گا۔“

”مسلمان“ سلطانہ اور جو سے ملے کہ وہ باری باری ثانی کی عمرانی کے لئے کنسروقت نکال سکیں گے۔“

لیڈوانے ان تینوں سے رابطہ کیا۔ تینوں نے کہا ”ہم آپہں میں چھ چمکنے کا وقت مقرر کر لیں۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی ذہنی کے مطابق ثانی کے پاس چھمکنے ہا کرے گا۔“

سلطانہ نے کہا ”ہم زیادہ توجہ رات کو دیا کریں گے۔ کیوں کہ ثانی پر تینہ کی حالت میں تنویجی عمل کیا جاسکتا ہے۔“

سلطانہ نے کہا ”ہم ثانی سے غافل نہیں رہیں گے۔ لیکن

میرے ہونے والے داد کو تو تلاش کرو۔ آخر وہ کہاں گم ہے؟“

وہ جزیرہ ہوائی میں تھا۔ یہ جزیرہ جنوبی امریکا سے بہت زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ رانا کو اندیشہ تھا کہ دشمن وہاں بھی پہنچ سکتے ہیں۔ وہ آخر اپنے اندر پرانی سوچ کی لمبوں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیا کرتی تھی۔ یقیناً جان لیڈوانے بار بار آتا ہو گا۔ اگر اسے چند سیکنڈ کے لئے بھی اس کے داغ میں جکھلتی تو وہ اس پاس کے ماحول سے سمجھ لیتا کہ وہ کہاں ہے یا چور خیالات بڑھ کر جان لیتا کہ وہ کس نام سے کس روپ میں خود کو چھپائی ہوئی ہے۔

وہ محفوظ نہیں تھی۔ اگر وہ بیمار پڑ جاتی کسی حادثے کا شکار ہو جاتی یا کسی طرح زخمی ہو جاتی اور دماغی توانائی کے کم ہونے سے سانس روکنے کے قابل نہ رہتی تو جان لیڈوانے آکر اسے روج لیتا پھر وہ پیشہ کے لئے خیال خوانی کی پرواز بھول جاتی۔

خوبصورت جزیرے میں علی تینور کے ساتھ زندگی میں و آرام سے گزار رہی تھی۔ آزادی لیبب تھی۔ بس ایک لیڈوانے کاٹنے کی طرح چھہ رہا تھا۔ اس سے محفوظ رہنے کی ایک ہی تدبیر تھی کہ اپنی آواز اور لہجے کو بھول جائے اور نیا لہجہ اختیار کرے۔ یہ سب کچھ تنویجی عمل سے ہو سکتا تھا۔ لیکن وہ کسی عامل پر بھروسہ کیسے کرتی؟ اگر عامل اندر سے شیطان ہوتا اور عمل کے ذریعے اپنی معمول بنالیتا تو وہ پیشہ کے لئے اس کی تیز بین کر رہ جاتی۔

علی کو پہلے جان کارلو بنایا گیا تھا۔ رانا نے جان کارلو کی شخصیت نکلا کر اسے ایڈی فٹرن بنایا۔ لیکن رانا کو اصل ریڈی فٹرن کی پور ہنری معلوم نہیں تھی۔ اس نے جگت میں فٹرن کے نشانی

کاغذات حاصل کئے تھے اور جگت میں ہی علی کی شخصیت تبدیل کی تھی۔ اس کے نتیجے میں علی تینور اکثر انجمن میں پڑ جاتا تھا اور سوچتا تھا میں کون ہوں؟ میرا نام ایڈی فٹرن ہے تو میں کہاں سے آیا ہوں؟ میرے والدین اور رہنے دار کہاں ہیں؟ پامپلا (رانا) سے میری شادی کب اور کہاں ہوئی تھی؟

ایسے بہت سے سوالات اسے الجھاتے رہتے تھے۔ رانا غما سے خاموش اور پریشان دیکھ کر راکواری سے کہتی تھی ”ایک تو میں فکر اور پریشانی میں رہتی ہوں اس پر تم ایسے منہ ٹٹکاتے رہتے ہو جیسے میں تم پر بوجھ بن گئی ہوں جب کہ میں تمہارے اخراجات برداشت کرتی ہوں۔ تمہارے لئے کسی طرح بھی بوجھ نہیں ہوں۔“

”میں میں سوچتا ہوں کہ تم کہاں سے اتنی دولت لے آتی ہو؟“

شکاگو سے مایا بھر مایا سے اس جزیرے تک تقریباً ساڑھے اڑھار خراج کر چکی ہو۔ منگے ہوئی میں رہتی ہو۔ منگی شاپنگ کرتی ہو۔ لیکن آمدنی کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا۔“

”فٹرن! میں تمہیں کہہ چکی ہوں کہ ایک حادثے میں تمہاری یادداشت گم ہو گئی ہے۔ تمہیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ ہماری شادی کب ہوئی تھی۔ پھر میرے بارے میں تمہیں کیسے یاد ہو گا کہ میری آمدنی کا ذریعہ کیا ہے۔ میں ٹیلی جیٹھی جانتی ہوں۔“

”ٹیلی جیٹھی جانتی ہو؟ کیسے جانتی ہو؟“

”جیسے بھی جانتی ہوں۔ تم جان لو کہ دوسروں کے داغوں میں پہنچ کر انہیں غائب داغ بناتی ہوں۔ وہ اپنی تجویزوں سے یا پینک

جن کی کہانیاں آنکھوں نہیں دلوں سے پڑھتی
جاتی ہیں ان کی بہترین کہانیوں
کا دوسرا مجسمہ
شائع ہو گیا ہے

محی الدین نوٹ کی کہانیوں کا پہلا مجسمہ
”ایک ایلان کا سفر“
بھی دستیاب
ہے

ملنے کا پتہ

کتابیات بلیکسٹرن روڈ جسٹس ہائی وے لاہور

سے میری مطلوبہ رقم نکال کر لاتے ہیں پھر مجھے دے کر چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے گھر یا دفتر پہنچ کر دانی طور پر حاضر ہوتے ہیں تو ان کی کچھ میں نہیں آتا کہ وہ وہاں کھائے تک کھائے تھے اور کیا کرتے رہے تھے۔

علی نے پاپیلا سے کہا "لیکن پاپی! یہ تو دیکھتے ہیں ہم حرام کی کمانی کھا رہے ہیں۔"

"ہم حرام کی نہیں، میرے علم کی کمانی ہے۔"

"علم اچھا ہے۔ تم اسے حرام بنا رہی ہو۔ تم گمراہ لوگوں کے دماغوں میں رہ کر انہیں راہِ راست پر لا سکتی ہو۔ اپنے ملک اور قوم کے دشمنوں کی سازشوں کو پڑھ کر ان کے غلط عزائم کو ناکام بنا سکتی ہو۔"

"کیا میں بھوکے پیاسے رہ کر ملک اور قوم کی خدمت کروں! ہمیں زندگی گزارنے کے لئے رقم کہاں سے ملے گی؟ کیا ملک کے عمران دیں گے؟"

"بے شک۔ حکومت کے لئے کارنامے انجام دے گی تو۔۔۔۔۔"

وہ بات کٹ کر بولی "گے نہ بولے۔ تم سے شادی کرنے اور تمہارے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے میں نے حکمرانوں سے غدار کی کہ ہے۔ وہ مجھے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ اسی لئے ہم شکار سے یہاں چھپنے آئے ہیں۔ اگر میں پکڑی گئی تو وہ مجھے کوئی مار دیں گے۔ تم سمجھ نہیں سکتے کہ میں موت کو پیچھے لگا کر تمہارے ساتھ رہتی ہوں۔ تمہارے لئے جان کی بازی لگاتی آ رہی ہوں۔"

"تمہیں اتنا بڑا خطرہ مول لینا نہیں چاہئے تھا۔"

"میں خطرہ مول نہ لیتی تو ابھی حکمرانوں کی پابندوں میں رہتی۔ ان کے جائز و ناجائز احکامات کی تعمیل کرتی رہتی۔ مجھے غلامی سے نفرت ہے۔ خواہ وہ غلامی اپنے ہی ملک میں کیوں نہ ہو۔ میں ذخیریں توڑ سکتی تھی اس لئے توڑ دیکر چلی آئی۔"

"ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ میرے لئے جان کی بازی لگا رہی ہو جب کہ حقیقتاً جس غلامی سے نفرت ہے۔ تم آزادی کے لئے خطرے سے کھیل رہی ہو، میرے لئے نہیں۔"

"تم تو بال کی کھال نکالتے ہو۔ آزادی میری نفرت میں ہے۔ لیکن محبت بھی تو کوئی چیز ہے۔ میں تم سے مرے کی حد تک محبت کرتی ہوں۔"

"تم میرے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہو؟"

"ہاں، کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ ٹیلی بیسی کے ذریعے ساری دنیا کو الوباسکتی ہوں۔"

"مجھے بھی الوباسی ہو۔"

"کیا بکواس ہے؟"

"مجھے ایسا لگتا ہے کہ میری یادداشت گم نہیں ہوئی ہے۔ تم نے ٹیلی بیسی کے ذریعے مجھے غائب دماغ بنا دیا ہے۔"

راٹا نے اسے گھور کر دیکھا اور سوچا "مجھے سے غلطی ہوئی۔ اسے ایڈیٹ کرنا ہے۔ پہلے اصل ایڈیٹنگ فٹری پوری لائف ہسٹری معلوم کر لیں اور وہ ہسٹری اس کے دماغ میں نقش کر دیتی تو اسے یہ نہ

کہتا پڑا کہ اس کی یادداشت گم ہو گئی ہے اور یہ مجھے الزام نہ دیتا کہ میں اسے غائب دماغ بنا کر رکھتی ہوں۔"

وہ بولا "کیا سوچ رہی ہو؟ انفرادی کر کے اپنے حکمرانوں سے تم نے آزادی حاصل کی اور مجھے غلام بنایا ہے۔"

"تم میری محبت پر شبہ کر رہے ہو۔"

"اگر تمہیں بھی محبت ہے تو میرے دماغ کو کھنا۔ میرے اندر سے تم شدہ یادوں کو ابھارو۔ یہ علم خدا کا بہترین عطیہ ہے۔ اس علم کے ذریعے مجھ سے شکی کرو۔"

"میں کر چکی ہوں۔ دن رات یہی کوشش کرتی رہی ہوں کہ مٹ جانے والی یادوں کو تمہارے دماغ کی تختی پر پھر سے لکھ دوں۔ لیکن جو نقش مٹ جاتا ہے اسے پھر کسی طرح ابھارنا نہیں جاسکتا۔ مجھے افسوس ہے کہ تم اپنی پچھلی زندگی بھی یاد نہیں کر سکو گے۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بولا "میں جا رہا ہوں۔"

وہ اٹھ کر بولی "کہاں؟"

"محنت مزدوری کروں گا۔ ٹیلی بیسی کی کمانی نہیں کھاؤں گا۔"

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ اس جزیرے میں ہمیں روزگار کمانے لے گا؟"

"مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں ماضی میں بہت سی مصلحت اور ایک کامیاب انسان تھا۔ میرے اندر جذبے اور حوصلے بھرے ہیں۔ میں اس جھوٹے سے جزیرے میں بھی بہت کچھ کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"میں فٹنر اس طرح تم لوگوں کی نظروں میں آؤ گے۔ جان لیوڑا ایک خطرناک ٹیلی بیسی جانتے والا شیطان ہے۔ وہ اپنے آدمیوں کے ذریعے تمہارے اندر پہنچے گا تو وہ بھی تمہیں شہ کرے گا کہ میں نے تمہاری یادداشت گم کی ہے۔"

"جو بچ ہے، وہی جان لیوڑا سمجھے گا۔ ہو سکتا ہے وہ میرے دماغ کو کھنا کر میری پچھلی زندگی معلوم کر لے اور اس طرح مجھے بھی معلوم ہو جائے لہذا مجھے جانا چاہئے۔"

وہ تیزی سے چلا ہوا۔ دروازے تک گیا۔ پھر لپٹ کر آیا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ راٹا نے بیٹھے ہوئے کہا "کیا تم نہیں جانتے، میری محبت پہنچا لاتی ہے۔"

وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ایک بار دروازے کی جانب دیکھا پھر راٹا نے پوچھا "میں واپس کیسے آ گیا؟"

"میں کہہ چکی ہوں یہ محبت کی کشش ہے۔"

وہ پھر تیزی سے چلا ہوا گیا۔ راٹا پھر اس کے دماغ پر قبضہ جمائے واپس لے آئی۔ وہ صوفے پر بیٹھ کر بولا "تم آج نے ثابت کر دیا ہے کہ میرا دماغ تمہارے کنٹرول میں ہے۔ تم محبت نہیں کرتی ہو، مجھ سے غلامی کراتی ہو۔"

"تم فضول باتیں میں میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔ مجھے سوچنے دو کہ ہمیں کس ملک میں جا کر نئی زندگی شروع کرنا چاہئے۔ ہم امریکا واپس جائیں گے تو وہاں کے جاسوس بوسو گھسنے والے کتوں کے ذریعے ہم تک پہنچ جائیں گے۔"

"تم نے ملک سے غدار کی ہے اس لئے وہ تمہارے پیچھے آئے گئے ہیں۔ مجھے کم از کم اتنا تو یاد دہ کرنا چاہئے کہ میرا جرم کیا ہے؟ کیا وہ مجھے بھی گرفتار کر لیں گے؟"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے علی کو دیکھا پھر کہا "تم پر عین الزام ہے کہ تم یہودی ہو۔ اسرائیلی حکومت کو ٹیلی بیسی جانتے والوں کی ضرورت ہے اس لئے تم مجھے میری رضامندی سے بھاگ کر اسرائیل پہنچانا چاہتے ہو۔"

"تو پھر تم نے بھاگنے کے لئے اسرائیل کا رخ کیوں نہیں کیا۔ اس جزیرے میں کیوں آئی ہو؟"

وہ دل میں بولی "تمہارے یہودی ہونے اور اسرائیل میں پناہ لینے کا آئیڈیا ابھی دماغ میں آیا ہے۔ اگر میرا شرمیں یہ تدبیر سوچتی تو میں اسرائیل پہنچنے کا کوئی ذریعہ پیداکرتی۔"

پھر وہ بولی "میں شکاری کتوں سے خوفزدہ ہو کر کوئی معتقل پلاننگ نہ کر سکتی۔ بدحواسی میں یہاں آئی۔"

اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر ایک انزالٹن سے رابطہ کیا پھر پوچھا "جنوبی امریکا کے کسی بھی بڑے شہر میں جانے کے لئے فلائٹ کب ملے گی؟"

جواب ملا "دو گھنٹے بعد امریکا کے جنوب مغربی شہر چلے گئے ایک جہاز روانہ ہوگا۔"

"کیا دو سٹیٹن مل جائیں گی؟"

"ضرور آپ تشریف لے آئیں۔"

وہ ریسیور رکھ کر بولی "فٹنر! آن۔ سامان بیک کرو۔"

علی خاموشی سے اپنی میں ضروری سامان رکھنے لگا۔ وہ آسانی سے پوچھا "میں جہاز کسے گا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ وہ بڑے مبرا اور عمل سے مناسب موقع دیکھ کر نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔"

وہ شام کو چلی پہنچ گئی۔ راٹا سیدھی امرائیلی سفیر کی رہائش گاہ میں پہنچی۔ سیکرٹری نے کہا "سوری میڈم! صاحب معصوف ہیں۔ آپ کو ملاقات کا وقت مقرر کر کے آنا چاہئے۔"

راٹا نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ اس کے اندر پہنچ گئی۔ وہ محکمہ کے اندر گیا۔ سفیر سے بولا "ایک میاں یہودی آپ سے ملنے آئے ہیں۔"

وہ سیکرٹری کو گھور کر بولا "تم جانتے ہو۔ میں اپنا فائلنگٹ کے بغیر کسی سے نہیں ملتا۔"

راٹا سیکرٹری کو چھوڑ کر سفیر کے اندر پہنچ گئی۔ وہ تیزی سے چلا ہوا۔ پہلی دروازے پر آیا پھر بولا "سوری۔ آپ کو انتظار کی زحمت ہوئی۔ تشریف لائیں۔"

سیکرٹری حیرانی سے دیکھنے لگا۔ سفیر راٹا اور علی کو اپنے ڈرائنگ روم میں لایا۔ سیکرٹری سے بولا "بابر جاؤ اور کسی کو اندر نہ آئے دو۔"

سیکرٹری کے جانے کے بعد راٹا نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ چونک کر بولا "تم۔۔۔۔۔ تم کون ہو؟ میری اجازت کے

بغیر کیوں آئے ہو؟"

وہ بولی "مجھے تم نے ملاقات سے انکار کیا تھا۔ میں نے ٹیلی بیسی کے ذریعے تمہیں ملاقات پر مجبور کر دیا ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "تم کون ہو؟ مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"یہ میرا شوہر ایڈیٹنگ فٹری ہے۔ یہودی ہے۔ میں اس کی عیسائی بیوی ہوں۔ چونکہ میں نے ٹرانسفا ر مشین کے ذریعے ٹیلی بیسی کا علم حاصل کیا ہے اس لئے یہاں کے عمران مجھے اپنی جاگیر سمجھتے ہیں لیکن میں اپنے شوہر کے ساتھ اسرائیل میں رہنا چاہتی ہوں۔"

سفیر نے خوش ہو کر کہا "یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ تم میں دونوں کو اسرائیل پہنچانے کا انتظام کر سکتا ہوں۔"

"کر سکتا ہوں نہیں، فوراً کرو۔ جاسوس، خونخوار کتوں کے ذریعے ہماری بوسو گھٹتے پھر رہے ہیں۔"

وہ ریسیور اٹھا کر فٹنر ڈائل کر کے ہوئے بولا "کتوں کی پروانہ کرو۔ ان سے محفوظ رہنے کا نسخہ میرے پاس ہے۔"

پھر اس نے رابطہ قائم ہونے پر اپنی زبان میں کہا "ایک انتہائی اہم پیغام ہے۔ اسے اسرائیلی حکام تک پہنچاؤ۔"

راٹا وہاں پہنچا۔ زبان نہیں سمجھتی تھی۔ مگر اس کے دماغ سے ترجمہ سمجھ رہی تھی۔ "سفیر نے ایک اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ سے رابطہ کیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ اسرائیلی حکام کو خوش خبری سنائے کہ ایک ٹیلی بیسی جانتے والی لڑکی اسرائیل میں پناہ لینا چاہتی ہے۔ اس کا شوہر یہودی ہے۔ دونوں میاں یہودی کو یہاں سے لے جانے کے لئے فوراً انتظام کریں۔"

علی نے راٹا سے پوچھا "یہ کون سی زبان بول رہا ہے؟"

"یہ سیکرٹ ایجنٹوں کی خاص زبان ہوتی ہے۔ اسے دوسرے نہیں سمجھ سکتے۔ اگر امریکی جاسوس سفیر کے فون کو ڈیکٹ کر رہے ہوں گے تو یہ زبان ان کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہی ہوگی۔"

"تم اس زبان کو سفیر کے خیالات سے سمجھ رہی ہوگی۔"

"ہاں۔ یہ ہمارے یہاں سے جانے کے خفیہ انتظامات کر رہا ہے۔"

علی تیمور نے پوچھا "کیا واقعی میں یہودی ہوں؟"

"تم مجھ پر بہت زیادہ شبہ کرنے لگے ہو۔ جب میں کہہ چکی ہوں کہ تم یہودی ہو تو پھر مجھ کو تمہاری پچھلی زندگی کے بارے میں جاننے والا اتنی بڑی دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ صرف میں ہوں۔"

علی نے سوچا "یہ بہت بڑا دعویٰ کر رہی ہے کہ اتنی بڑی دنیا میں میرے متعلق کوئی کچھ نہیں جانتا ہے۔ کیسے نہیں جانتا ہے؟ خدا تو جانتا ہے۔"

علی نے آنکھیں بند کر لیں۔ راٹا نے اسے کن آنکھیں سے دیکھا پھر سوچا "پتا نہیں ہے آنکھیں بند کر کے کیا سوچ رہا ہے؟ مجھے معلوم کرنا چاہئے۔"

اس نے خیال خوانی کی پروا نہ کی۔ اس کے دماغ میں پہنچنا چاہا مگر سوچ کی لہر واپس آئیں۔ یہ حیرانی کی بات تھی جسے وہ ایڈیٹنگ فٹری کر رہی ہوئی تھی وہ سانس روکنا نہیں جانتا تھا۔ یہ پریشان

کرنے والی بات تھی کہ اس نے سانس کیسے روک لی ہے۔

علی نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا اس نے صرف یہ سوچنے کے لئے آنکھیں بند کی تھیں اور چند لمحوں کے لئے سانس روکی تھی کہ خدا مجھے جانتا ہے اور جب وہ جانتا ہے تو مجھے میری بچکان ضرور بتائے گا۔ آج نہ سہی، کل بتائے گا۔ اس کے بتانے کے ڈھنگ نرالے ہیں۔ وہ نرالے انداز میں آنکھیں دتا ہے۔

وہ مجبور حقیقی کے متعلق جتنی دیر سوچ رہا تھا اتنی دیر خود بخود سانس رکی ہوئی تھی۔ لیکن اسے خود بخود نہیں لگا جانے گا۔ یہ وہ مشق تھی جو بچپن سے جیسے مٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ کبھی رسوئی نے متا سے اسے سانس روکنا سکھایا۔ کبھی اٹھو روکی نے اسے سانس روک کر مارا تھا۔ روتا اور ہر دانت کرتے رہتا سکھایا۔ کبھی بابا صاحب کے ادارے میں سانس روک کر روحانیت کے عمل سے گزارا کیا۔

اور جب کوئی روحانیت کے عمل سے گزرتا ہے تو بخوبی عمل سے لاکھ بار تبدیل کیا جائے، روح تبدیل نہیں ہوتی۔ سانس خود بخود رکی ہوئی تھی تو اس کے پیچھے روحانیت کا رقبہ بھی۔ اور یہ حقیقت راتما کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ آنے والا کوئی دن، کوئی لمحہ جو تے مار کر سمجھانے والا تھا۔



ایلا بیچریت فل ایب پتنگی وہاں کے اکابرین نے اس کا بارڈا زبردست استقبال کیا۔ جب وہ چل کر بائیں ایب آئی تھی تو اس کی رہائش کے لئے ایک شاندار محل مخصوص کیا گیا تھا۔ اس محل میں رہائش کے دوران پارس اس کی زندگی میں بڑی گمراہی تک اتر گیا تھا۔

دوسری بار شرمدر میں پھر پارس اس کے قریب آتے آتے دور ہو گیا تھا۔ یہودی اکابرین خوش تھے کہ ان کے تین ٹیلی بیٹھی جانے والوں نے ایلا کو کشتوں کے توہمیں عمل سے بچالیا ہے اور یہ خوش فہمی تھی کہ وہ بچ گئی ہے۔

نی الحال پارس اور سونیا بھی خوش فہمی میں تھے کہ جو جو نے ایلا پر کامیابی سے عمل کیا ہے اور وہ معمول بن کر اسرائیل گئی ہے اب وہاں نہ کر وہ جو کچھ دشمنی کرے گی، اس کا علم انہیں ہونا رہے گا۔ ایلا بھی خوش تھی کہ وہ کسی کے زیر اثر نہیں ہے۔ اس بھڑ میں ایک دانیال تھا جو بڑی رازداری سے اسے اپنی معمول بنا کر ایک خاموش قماشانی بنا ہوا تھا۔ ایلا کے دماغ میں نہ کر دیکھ رہا کہ اعلیٰ حکام، فوج کے اعلیٰ افسران اور دیگر اکابرین کو اس سے متعارف کرایا جا رہا تھا۔ وہ خشن تھا کہ تین ٹیلی بیٹھی جانے والوں کو بھی اس سے متعارف کرانے کی باری آئے گی۔ ایسے وقت ایلا سامنے آکر دانیال کا نام سننے کی تو بے اختیار اس میں کشش محسوس کرے گی۔

لیکن ایسا وقت نہیں آیا۔ وہاں صرف اہم عہدیدار ایلا کو گھیرے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا، "مس ایلا! جب

جھیں یہاں سے اغوا کیا گیا تو ہمارے پاس صرف ایک ٹیلی جی۔ تھی جاننے والا ہے مورس کہ کیا تھا۔ اب ہمارے پاس تین اور ٹیلی بیٹھی جانے والوں کا اضافہ ہو چکا ہے۔"

ایلا نے پوچھا، "یعنی ہے مورس کو لاکھ چار ہو گئے ہیں؟"

"خود کو کیوں بھول رہی ہو؟"

سب ہنسنے لگے۔ وہ بولی رہا ہے کہ فرادی ٹیلی میں چھ ٹیلی بیٹھی جاننے والے ہیں۔ ہمارے ہاں مجھے شرمک کے پانچ ہیں۔ میں کو شش کر دیں گی کہ ہماری قوم میں بھی خیال خوانی کرنے والوں کی تعداد بڑھتی رہے۔"

اعلیٰ فوجی افسر نے کہا، "یقیناً۔ اب ہمارا بنیادی مقصد یہی ہو گا۔ ہم ٹیلی بیٹھی کے زیادہ سے زیادہ ہتھیاروں کے ذریعے خود کو تیار و متواضع کرے۔"

ایک مقرر خاص نے کہا، "ہمیں خوب سوچ سمجھ کر اپنے تمام ٹیلی بیٹھی جاننے والوں کو اس طرح تربیت دینا ہو گی کہ آئندہ کوئی دشمن انہیں ٹپ نہ کر سکے۔"

اعلیٰ افسر نے کہا، "اس کے لئے رازداری شرمک کے حکمران برائیش کے بعد بدلتے رہتے ہیں۔ فوج کے افسران بھی ریتا بدلتے رہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ ٹیلی بیٹھی جاننے والوں سے واقف ہوں گے تو یہ۔ اندیشہ رہے گا کہ ان کے ذریعے ہمارا راز

دوسروں تک پہنچ رہا ہے۔ لہذا یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ہمارے تمام ٹیلی بیٹھی جاننے والے پھر ایک بار گولڈن ریفر کے پابند رہیں گے۔ ماضی میں گولڈن ریفر کے کارناموں نے سہرا تھیں کو اپنی آنکھوں پر نہایا تھا۔ کینت سونیا اور فرادی نے ہمارے اتنے اہم اور بنیادی شیعہ کو نیست و نابود کر دیا تھا۔ آئندہ ایسے انتظامات کئے گئے ہیں کہ کوئی ان کے ناموں اور خفیہ ٹھکانوں کو نہیں جان سکے گا۔"

ایلا نے پوچھا، "کیا رازداری بی بی دی اور کپیڈن کے ذریعے سے ان سے رابطہ رہا کرے گا؟"

"ہاں بھی رابطے کے ذرائع ہیں۔ تم میں سے کوئی ٹیلی بیٹھی جاننے والا ایک دوسرے سے ملاقات نہیں کرے گا۔ ہمارے گولڈن ریفر تمام سب کو گائیڈ کریں گے کہ ملک کے اندرونی اور بیرونی معاملات میں ہمیں کیا کرنا چاہئے اور خاتئیں سے شے کا کون سا طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے۔"

وہ بولی، "کیا کسی گولڈن برین کی رائے سے یا رہنمائی سے ہمارا اختلاف نہیں ہو گا؟"

"ہو سکتا ہے۔ جھیں کسی بات پر اعتراض ہو تو تم اس پر بحث کر سکتی ہو۔ گولڈن ریفر کو اپنے دلائل سے قائل کر سکتی ہو۔ اگر قائل کرنے میں ناکام رہو تو پھر ان کے طریقہ کار پر عمل کرنا ہمارا فرض ہو گا۔"

ایلا نے کہا، "میرا مشورہ ہے کسی ایک ٹیلی بیٹھی جاننے والے کو بھی گولڈن برین بنانا چاہئے۔"

برنزی نیم میں شامل کر دیا جائے گا۔"

"پھر تو میں چاہوں گی کہ مجھے جلد سے جلد کوئی غیر معمولی کارنامہ انجام دینے کا موقع دیا جائے۔"

"سب سے بڑا کارنامہ یہی ہو سکتا ہے کہ ناقابل شکست دشمنوں کو قتل کر دیا جائے۔ آج تک اس زمین کی کوئی بڑی طاقت سونیا اور فرادی کو نہ مار سکی نہ محفوظ رہ سکی۔ لیکن ان کی اولاد کو اور ان کے ٹیلی بیٹھی جاننے والوں کو کسی حکمت عملی سے ختم کیا جا سکتا ہے۔"

"ہاں۔ یہ کو شش کی جاسکتی ہے۔ یہ لوگ ایک ایک کر کے مرے گے تو سونیا اور فرادی کو کوئی کمر توئی رہے گی میں اس سلسلے میں گولڈن ریفر سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"فرادی گولڈن ریفر تم سے باتیں کرنے کے خشن ہیں۔"

ایک افسر نے بی بی اسکرین کو آن کیا پھر کپیڈن کو آپرٹ کرنے لگا۔ دوسرا افسر انہیں پر گولڈن ریفر کو خطاب کر کے کہہ رہا تھا، "پلیز اینڈ اور ایمر جی مینگ، مس ایلا! از اٹنک اس۔"

یہی الفاظ کپیڈن کے ذریعے اسکرین پر نظر آ رہے تھے۔ پھر وہ الفاظ مٹ گئے۔ دوسرا گولڈن ریفر کے کپیڈن کے ذریعے تحریری جواب اسکرین پر موصول ہوا تھا، "ہم اینڈ کر رہے ہیں اور مس ایلا! راتما کی سرزمین پر خوش آمدید کہتے ہیں۔"

پھر وہ الفاظ بھی مٹ گئے۔ اسکرین پر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ وہ سب ماسک پہنے ہوئے تھے۔ ان کے چادروں طرف کمری تاریکی تھی۔ دھیمی دھیمی سی روشنی میں صرف اتنا ہی دکھائی دے رہا تھا کہ وہ چھ افراد ہیں۔ ایک کرسی خالی ہے اور وہ ایک میز کے اطراف بیٹھے ہوئے ہیں۔ اسکرین پر دیکھنے سے یہ اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ کون سی جگہ ہے؟ وہ چھ گولڈن ریفر کی عمارت میں ہیں یا کسی محلے کے دروازے میں ہیں۔

ان کا خیال تھا کہ پچھلے بار سونیا اور فرادی نے چار گولڈن ریفر کے اس خفیہ کمرے کو کسی نشانی سے پہچان لیا تھا پھر اس نشانی کے ذریعے اس عمارت کو چادروں گولڈن ریفر کے ساتھ تہہ کر دیا تھا۔ اب احتیاطی تدابیر کے باعث کوئی موجودہ گولڈن ریفر تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ایسے چادروں مست تاریکی رکھی گئی تھی اور ہلکی روشنی میں چھ گولڈن ریفر کے ماسک لگے ہوئے چہرے سے نئے سے نظر آ رہے تھے۔

ایک گولڈن برین نے اپنے سامنے رکھے ہوئے کپیڈن کو آپرٹ کیا تو اسکرین پر الفاظ ابھرے لگے، "مس ایلا! تمہارے اغوا ہوجانے کا بہت صدمہ ہوا تھا۔ آج تمہاری باذیابی سے جتنی سہولتیں حاصل ہو رہی ہیں انہیں ہم الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے۔ ہم تمہیں اپنے وطن میں تھبتہ واپس آئے پر مبارکباد دیتے ہیں۔"

ایلا نے مسکرا کر شرمک ادا کیا۔ دوسرے گولڈن برین نے اپنے سامنے رکھے ہوئے کپیڈن کو آپرٹ کیا۔ اسکرین پر تحریر

ابھرے لگی، "مس ایلا! تمہاری آواز اب ہم تک پہنچ رہی ہے۔ لیکن احتیاطاً ہم اپنی آواز نہیں سنائیں گے۔ تمہارے آس پاس ہمارے ملک کے اہم افراد موجود ہیں کوئی بھی دشمن ان میں سے کسی کے دماغ میں چھپ کر ہماری آواز اور لہجہ سن سکتا ہے۔ اس لئے ہم کپیڈن کے ذریعے جواب دیتے ہیں۔"

وہ بولی، "میں ایسی احتیاطی اور حفاظتی تدابیر دیکھ کر بہت خوش ہو رہی ہوں۔"

تیسرے گولڈن برین نے اپنے کپیڈن کے ذریعے کہا، "میں ہم چھ ہیں، ساتویں کرسی خالی ہے۔ اور یہ تمہاںوں خیال خوانی کرنے والوں میں سے کسی ایک کے لئے ہے۔ اگر کسی ایک نے یہ کرسی حاصل کر لی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہو گا کہ باقی چار خیال خوانی کرنے والے کم تر ہیں۔ ہماری نظروں میں سب برابر ہیں۔ ساتویں کرسی کے پر ہونے کے بعد آٹھویں کرسی خالی رکھی جائے گی اس طرح ہر خیال خوانی کرنے والے کو گولڈن برین بن کر اس حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کا موقع دیا جائے گا۔"

ایک اور گولڈن برین نے اپنے کپیڈن کے ذریعے کہا، "ہمارے پیش نظر بہت سے مسائل ہیں۔ یہ مسائل کچھ آسانی سے کچھ دشواری سے حل ہو سکتے ہیں۔ اگر فرادی علی تیمور کی طاقت ختم کر دی جائے۔"

پانچویں گولڈن ریفر نے کہا، "فرادی ٹیلی کے ایک ایک ممبر کو الگ الگ ٹپ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے ہم گولڈن ریفر نے زبردست منصوبے بنائے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے فرادی علی تیمور کو پاکستان سے نکالنا بہت ضروری ہے۔ وہ جب تک پاکستان میں رہے گا وہاں ہمارے خفیہ مفادات کو نقصان پہنچاتا رہے گا۔"

ایک اور گولڈن برین نے کہا، "پاکستان میں ہماری خفیہ تنظیم آہستہ آہستہ اپنی جڑیں مضبوط کر رہی تھی۔ وہاں کے ذرائع ابلاغ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات وغیرہ کے بڑے اور اہم لوگوں کو اپنے کنٹرول میں رکھ کر ہر جگہ تک کر لیا تھا۔ منشیات اور کھیل تفریح میں مسلمانوں کو مست بنا رہے تھے۔ لیکن راجا حفصہ علی کی ایک حمایت سے فرادی وہاں پہنچ گیا ہے۔ اس نے جس انداز میں اپنے ہونوں کے قاتل کو سزا دی ہے اور آئندہ ہماری تنظیم کا پول کھولنے والا ہے اس کے پیش نظر ہم نے اپنی لائن آف ایکشن میں تبدیلی کی ہے۔"

اسکرین سے وہ تحریر مٹ گئی۔ دوسری تحریر نمایاں ہونے لگی وہاں لکھا تھا، "جب تک فرادی وہاں کا رخ نہیں کیا تھا۔ ہمیں اس حجاز پر ٹیلی بیٹھی جاننے والوں کی ضرورت نہیں تھی۔ اب ضرورت ہے تم میں سے ہر ایک کی ضرورت ہے۔ تم پانچوں پاکستان کے اہم شعبوں کے اہم عہدیداروں کے دماغوں میں بڑی خاموشی سے رہا کر کے اور ان کی نوازش میں انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرو گے۔"

اس تحریر کے بعد پھر دوسری تحریر ابھرے لگی، "تمہاںوں خیال خوانی کرنے والے اپنے ملک سے اپنے شہر سے باہر نہیں جاؤ گے۔"

میں محفوظ رہ کر خیال خوانی کے ذریعے فرائض کے خلاف عاز آ رہا، میں مصروف رہو گے تم اپنی جگہ کی بھی کوئی شے ہوگی کہ فرائض کو کسی کے دماغ میں جھماکی موجود کیا شہ نہ ہو۔ اسے یہ سمجھنے دو کہ ہمارا کوئی خیال خوانی کرنے والا اس کے مقابل پاکستان میں نہیں ہے۔

دانیال الیہ کے دماغ میں تھا۔ یہ تمام باتیں سن رہا تھا۔ ویسے الیہ کی آمد سے قبل یہ تمام باتیں ان چاروں ٹیلی ویژن جاننے والوں سے مورس، جنرل پارکس، میری ہوکن اور دانیال کو بتادی گئی تھیں۔ لیکن انہیں دانیال کی دلچسپی الیہ سے تھی۔ یہ سن کر اسے باہمی ہوئی کہ آئندہ ہاتھوں ٹیلی ویژن جاننے والوں کو ایک دوسرے سے ملایا نہیں جائے گا۔

یہ کوئلن رینز کا فیصلہ تھا کہ ہاتھوں کی بہتری ایک دوسرے سے دور رہنے میں ہے۔ دشمن ٹیلی ویژن جاننے والے ایک کے ذریعے دوسرے کے پاس نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اگر کسی مسئلے پر دو تین ٹیلی ویژن جاننے والوں کی ایک جگہ ضرورت ہوگی تو کوئلن رینز ایسے وقت کوئی مناسب طریقہ کار اختیار کرنے کے لئے مناسب رہائشی کریں گے۔

لیکن دانیال کی بے چینی بڑھ گئی تھی۔ کوئی اپنی چیز ہاتھ آتے آتے دور ہو جائے تو بے چینی بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ اس بے چینی کا علاج جلد و موثر لیتا چاہتا تھا۔



میں اپنی بہن شاپین کی کو بھی میں زیادہ دیر نہ سکا۔ دل تو کتا تھا وہ صدائے تپو رہے اسے چھوڑ کر نہیں جانا چاہئے۔ یہ پھر ساتھ لے جانا چاہئے۔ لیکن ہر دو صورتوں میں بہن کا ہی نقصان ہو سکتا تھا۔ میں کو بھی میں ایک دن بھی نہ جانا تو دشمن بڑی آسانی سے گھیر کر پوری کو بھی کو بہن کے پورے خاندان کے ساتھ ہم کے دھاکوں سے اڑا دیتے۔ اگر میں اور اس کے بچوں کو ساتھ لے جاتا تو کہاں لے جاتا؟ دشمن تو قدم قدم پر حاضر ہو جاتے ہیں۔

میں نے کہا ”شاپین! آفراس میں میرے نام سے ایک ہستی آباد ہے“ اسے فرادوچ کہتے ہیں۔ تم بچوں کو لے کر وہاں رہائش اختیار کرو۔ وہ ایسی جگہ ہے جہاں کوئی دشمن قدم رکھنے کی جرات نہیں کرتا ہے۔“

”ہی! بھائی جان! مجھے خبر ہے کہ میرا بھائی دنیا کا سب سے شہ زور انسان ہے۔ میں باقی ہوں یہاں میرے اور بچوں کے دشمن پیدا ہو گئے تھے۔ وہ آپ کے ہاتھوں مر گئے۔ ان کے بعد دوسرے پیدا ہوں گے لیکن میں یہاں سے جانا نہیں چاہتی۔“

”آخر کریں؟“

”اگر ہم فخریوں، بد معاشوں، اسکولوں اور تانوں کے ڈر سے یہ ملک چھوڑ دیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم پاکستان کو مجرموں کے حوالے کر کے جارہے ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے آگ اور خون کے دریا سے گزر کر یہ ملک بنایا تھا۔ میں اسے مجرموں کے حوالے کرنے کا جرم نہیں کروں گی۔ آپ مجھ سے دور رہ کر حوصلہ

دیتے رہیں، میں یہاں بچوں کے ساتھ رہ کر دشمنوں سے لڑتی رہوں گی۔“

میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا ”خوش رہو بیوہ! ہتھاری بھی بیٹیاں سلامت رہیں گی تو دشمن اس ملک کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ دیسے میں تم سے زیادہ دور نہیں رہوں گا۔ جب تک یہودی تنظیم کو ناکام نہیں کروں گا، پاکستان ہی میں رہوں گا۔“

صبح ہوئے والی تھی۔ میں نے بچوں کو پیار کر کے دلا سوا۔ انہیں بتایا کہ ان کا بھائی پارس اور ان کی ممانی سونا یہاں بیٹھے والے ہیں۔ وہ بھی اسی شہ میں رہ کر دوسری دور سے ان کی عمرانی کریں گے۔ میں نے شاپین کے آنسو پونچھے پھر پھر آیا۔

باہر ساری رات عوامی عدالت لگتی رہی تھی۔ قاتل اور اس کے ایک بیٹے کو اسی کو بھی کے احاطے میں سرائے موت ملی تھی۔ اس علاقے کے لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے قاتل کو جہنم میں پہنچایا تھا۔ دریاں پن کر قانون کے محافظ کھلانے والے اور قانون سے کھیلنے والے وہاں سے بھاگ گئے تھے۔ پھر بھی وہاں ابھی خاصی تعداد میں لوگ جمع تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی کے اندر فرائض علی تیمور موجود ہے۔

وہ فراد زہد باد کے فخرے لگا رہے تھے۔ مجھ سے ملاقات کرنے کے لئے بے چین ہو رہے تھے۔ میرا فرض تھا کہ ان سے ملاقات کرنا لیکن پتا نہیں میں کب تک پاکستان میں رہوں گا۔ اس لئے اپنے بھائیوں، بہنوں اور بزرگوں کو اپنی بے مجبوری سمجھانا چاہتا ہوں کہ میں بھی کسی سے براہ راست ملاقات نہیں کر سکتوں گا۔ کیونکہ دوستوں کے درمیان دشمن لڑائی ہو رہی ہے۔

یہ بات سمجھی نہیں رہی کہ میں کہاں ہوں اور کن حضرات سے ملاقات کر رہا ہوں۔ دشمن مجھے نشانہ بنانے سے پہلے یقین کرنا چاہتے ہیں کہ میں ہی اصل فراد ہوں۔ اور جب میری قوم کے لوگ مجھ سے دالمانہ محبت اور عقیدت سے ملیں گے تو دشمنوں کو میرے فراد ہونے کا یقین کسی شہ کے بغیر ہو جائے گا۔

لہذا میں محذرت خواہ ہوں۔ میں طوں کا بے شمار بھائیوں اور بہنوں سے طوں کا لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہوگا کہ ابھی ابھی میں ان سے مل کر گیا ہوں۔ شاپین کی کو بھی سے باہر آکر میں نے لوگوں سے ملاقات کی، انہیں بتایا کہ میں شاپین کے دور کے دشمن سے بھائی لگتا ہوں۔ پُرسے کے لئے ذریعہ آبا، سے آیا ہوں اور اب واپس جا رہا ہوں۔

ایک نے پوچھا ”کیا فراد صاحب سے آپ نے ملاقات کی؟“

میں نے کہا ”بھائی صاحب! وہ یہاں موجود نہیں ہیں۔ دشمنوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے انہوں نے کہا تھا کہ ابھی بہن کی حفاظت کے لئے رہیں گے لیکن کوئی بھی قانون اندر جا کر تعہد کر سکتی ہیں۔ شاپین بیکم اور ان کے بچوں کے سوا کوئی دوسرا کو بھی میں نہیں ہے۔“

میں انہیں یقین دلاتا تھا۔ ان سے ملاقات بھی کرنا رہا پھر وہاں سے ریلوے اسٹیشن آیا۔ اسٹیشن کے پاس ایسی سرائے ہیں

نوجوان کو روزگار دلانا تھا تو میری مرکز رہا جسے لیکن یہ مسئلہ ختم نہیں ہوگا۔ لہذا میں تم سب کی خاطر مختلف شعبوں سے رابطہ کروں گا۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ باصلاحیت افراد کو نااہل افراد کے مقابلہ میں نظر انداز نہ کیا جائے اور حقدار کو اس کا حق ضرور ملتا رہے۔“

میں نے ایک اور بے روزگار جوان کے خیالات دہرے۔ اسے گزرا کے کے لائق ملازمت مل جاتی تھی۔ لیکن وہ کسی ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا جس کے والدین لاکھوں روپے کا جینز کا دہار کے لئے نقد رقم فراہم کریں۔

میں نے ایسے غیرت مند نوجوان کے بھی خیالات دہرے۔ جس نے ایسی لڑکی سے شادی کی جس کے والدین جینز دینے کے قابل نہیں تھے۔ ایک بہت بڑی ٹیکسٹی میں اس نے سینئر کینیک کی حیثیت سے اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا لیکن ایک بڑے سرکاری عہدے دار کی سفارش پر اسے جونیئر اور ایک نااہل شخص کو سینئر بنا دیا گیا تھا۔

میں نے اس عہدے دار کے دماغ میں پہنچ کر پوچھا ”جب دماغ میں کسی دوسرے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں تو جانتے ہو وہ آوازیں کہاں سے آتی ہیں؟“

اس کی سہمی ہوئی سوچ نے کہا ”یہ آوازیں ٹیلی ویژن کے علم سے آتی ہیں۔ میں نے سنا ہے“ فراد علی تیمور ہمارے ملک میں ہے۔“

”تو پھر فراد پوچھ رہا ہے، تم لوگوں کو ذرا بھی شرم اور غیرت ہے یا نہیں؟“ قاتل اور باصلاحیت جوانوں کو پس پشت ڈالتے ہو ”ان کے جذبات اور حوصلوں کو کچلتے ہو اور اپنے نااہل عزیزوں اور دوستوں کو ایسی اہم ذمے داریاں سونپتے ہو جن سے ملک اور قوم کو ناقابلِ حلی نقصان پہنچتا ہے۔“

اس نے انجان بن کر پوچھا ”جناب! مجھ سے کیا غلطی ہوئی ہے؟“

”میں تمہارے دماغ کے اندر ہوں۔ انجان بن کر مجھے دھوکا نہیں دے سکو گے۔ میں ایک گھنٹے بعد آؤں گا۔ اتنی دیر میں نوجوان ملک ارشاد کو سینئر کینیک کا عہدہ دو اور اپنے نااہل عزیز کو وہاں کام سیکھنے والا مجوزہ بنا دو۔ اس کے علاوہ مجھے غلط سفارشیوں کی ہیں ان سب کی غلطی کرنا اور حقداروں کو ان کے حقوق دو۔ ورنہ ایک گھنٹے بعد تمہی اپنی تمام ناصلاحیوں سمیت اس دنیا سے اٹھ جاؤ گے۔“

میں نے وارننگ دینے کے آدھے گھنٹے بعد اس نوجوان ملک ارشاد کے پاس جا کر دیکھا۔ ٹیکسٹی کا مالک اسے سینئر کینیک کا عہدہ دینے کی خوشخبری سن رہا تھا۔ اگر اس اعلیٰ عہدے دار کو میں موت کی دھمکی نہ دیتا تو وہ بھی ایک قابل نوجوان سے انصاف نہ کرتا۔ گویا ہر بڑے عہدے دار اور ہر بڑے ذمے دار کے سر پر موت منڈلاتی رہے تو وہ ایماندار رہے۔ گاہ ورنہ یہ سوچ کر بے ایمانی کرنا رہے گا کہ سنا ہے موت آتی ہے کوئی ضروری نہیں کہ

میں نے وہ فون نمبر معلوم کر کے بے روزگار جوان سے کہا ”بیٹے! بے روزگار پورے ملک کا مسئلہ ہے۔ اگر میں ہر

سوال پیدا ہوتا ہے کہ میں ٹیلی بیسی کے ذریعے کتنے بے ایمانوں کو موت کا یقین دلاؤں گا کہ وہ ایماندار پر مجبور ہو جائیں۔ لاکھوں روپے کی لاشی کا ٹکٹ ہر شخص بسم اللہ کر کے خریدتا ہے۔ ایک غریب ایک وقت کا چائے نہ جلا کر ٹکٹ خریدتے ہوئے دعا کرتا ہے۔ خدایا! بڑا گناہ ہے۔ میں نے اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر تیری رحمت پر بھروسہ کیا ہے۔ ایک جوان لڑکی کا باپ ٹکٹ خرید کر خدا سے جیز کے لئے گزرگاہا ہے۔ ایک کسیر کا مریض اسے علاج کے لئے وہ ٹکٹ خریدتا ہے۔ لاکھوں دکھ ہیں، لاکھوں پیاریاں اور لاکھوں مسائل ہیں۔ دنیا کے تمام مصائب زدہ لاشی کا ٹکٹ لئے کر خدا کو پکارتے ہیں۔

چار جوار یوں میں تھن کی ہار اور ایک کی جیت خدا کو منظور نہیں ہوتی۔ لاکھوں گھروں سے دس دس روپے لئے کر کسی ایک شخص کو دس لاکھ دینا خدا کو منظور نہیں ہے۔ وہ معبود دلس کے گھوڑے سے کسی کو لکھتی نہیں بناتا ہے۔ انسانوں کی اپنی نورساز اور افادہ طبع ہے۔ خدا دیتا ہے تو خدا کو ضرور دیتا ہے۔ اسی معبود نے مجھے ٹیلی بیسی کا علم دیا۔ لیکن اس علم کی وسعت کو محدود رکھا۔ میں سب کو سب کچھ نہیں دے سکتا کیونکہ سب کچھ دینے والا وہ مالکِ حق ہے۔

میں پاکستان آکر یہ الزام اٹھانے والا تھا کہ میں نے اپنے ملک اور اپنی قوم کے لئے کچھ کیا ضرور ہے مگر بہت کچھ نہیں کیا۔ میں اپنی داستان کی طرف آنے سے پہلے صرف اتنا کہ دوں کہ ہمارا ملک آئین کے بہت برے دور سے گزر رہا ہے۔ آپ سب کچھ کی امید خدا سے کریں۔ میں کچھ نہ کچھ گوں گا۔ کم از کم خیالِ خدائی کے خیال ہی خیال سے اپنی قوم کی آنکھیں کھول دوں گا اور یہ تاریخی سچائی ہے کہ جو قوم آنکھ کھول دیتی ہے، وہ مردہ بھی نہیں کھلتی۔

سونیا اور ہارس ایک ساتھ پاکستان آنا چاہتے تھے لیکن انہیں ایک ہی فلاح میں سٹیج نہیں ملیں۔ دوسری بات یہ کہ الپا برکتے جانے والے تو بھی عمل کی ناکامی ہو گیا۔ جو جو نے انکر بتایا "میں نے دوبار الپا کے داغ میں جانے کی کوششیں کیں لیکن اس نے سانس روک لی۔"

سونیا نے پوچھا "تمہارا عمل ناکام کیسے ہو گیا؟"

"مما! کوئی اسرائیلی خیال خدائی کرنے والا الپا کے داغ میں چھپا ہو گا۔ جس کی مجھے خبر نہ ہوئی۔"

"کیا تو پوچھ رہی ہو۔ تمہیں خبر کیسے نہیں ہوئی؟ دیکھو جو تمہارا سارا دھیان اور تھکا کہ الپا تمہارے پاس سے بیٹھ کے لئے دور ہو جائے تمہارے قابو میں رہے تاکہ تم اسے کبھی پاس کے قریب جانے نہ دو۔ اسی دشمن میں تم نے دوسرے پہلوؤں پر غور نہیں کیا۔ اگر ذرا چالاکی سے کام لیں تو الپا کے اندر چھپے ہوئے دشمن کا سر اٹھ لگتی تھی۔"

"آپ درست کہتی ہیں۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ آپ مجھے سزا

"سزا ضرور ملے گی۔ میں تمہیں علی تیور کو تلاش کرنے کی ذمہ داری سونپ رہی ہوں۔ جب تک اسے ڈھونڈ نہ نکالو تب تک پاس کے کسی معاملے میں مداخلت نہ کرو۔"

جو جو نے پاس سے کہا "تا مئے" ممانی سخت سزا دے رہی ہیں۔"

سونیا جو جو کی سوچ کی لہروں کا جواب زبان سے دے رہی تھی بے پاس رہنا تھا۔ اس نے کہا "جو جو! ممانی دی ہوئی سزا کے پیچھے ایک سبق ہوتا ہے۔ ہمیں ان کی طرف سے جو بھی سبق ملتا رہے ہم اسے سیکھتے رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے" میں جاری ہوں۔ تمہارے پاس آنے کے لئے جلد سے جلد علی تیور کو ڈھونڈ نکالوں گی۔"

وہ چلی گئی۔ پاس نے کہا "ممانا! وہ آپ کے حکم کی قیل کے لئے گئی ہے۔ ویسے ایک ناکامی کا مطلب ہے آئندہ بھی ناکامیوں کے راستے ہمارے ہو چکے ہیں۔ جس دشمن خیال خدائی کرنے والے نے الپا کو جو جو کے عمل سے بچایا ہے۔ اس نے الپا کے ذریعے وہ مکان دیکھا ہو گا جہاں میں تو بھی عمل کے لئے اسے لے گیا تھا۔"

سونیا نے کہا "اس دشمن خیال خدائی کرنے والے نے کسی کو آزاد کرانہ کر تمہارا قاتل کیا ہو گا۔ تم اپنا کو تو ہی نیند سونے کے لئے چھوڑ کر میرے پاس ہو گئی میں آئے تھے۔ اس طرح میں بھی دشمنوں کی نظروں میں ہوں۔"

"ہمارا کھیل بگڑ رہا ہے، ممنا! جھپٹے بارہ ٹھنڈوں میں انہوں نے ہماری مصروفیات پر نظر رکھی ہے۔ انہیں معلوم ہو گا کہ ہم پاکستان جا رہے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہو چکا ہے کہ میں پاس ہوں۔ شاید آپ بھی ان کی سمجھ میں آگئی ہیں۔"

"بیٹے! دشمنوں کے پاس بھی عقل ہے۔ جب ان کی عقل کام کر رہی ہے تو کام کرنے دشمن ان کی توقع کے مطابق سڑکوں کی پھراستہ پٹیج کر ان کی نظروں سے اوچھل ہو جائی گی۔"

"ٹھیک ہے ممنا! آپ اپنی فلاح سے جائیں۔ میں اسی شر میں گھرائی کرنے والوں کو ذرا بے کر روپوش ہو جاؤں گا۔ پھر وہ مجھے نہ دوسرے میں نہیں پہچان سکیں گے۔"

دونوں ماں بیٹے نے اٹلی میں یودی تنظیم کے بڑے بڑے عہدے داروں کو ختم کر دیا تھا لیکن عہدے داروں کے ختم ہونے سے تنظیم ختم نہیں ہوئی اس کا عمل کچھ وقت کے لئے رکتا ہے۔ پھر نئے عہدے دار اسے جاری رکھتے ہیں۔ سونیا اور ہارس کی موجودگی کے باعث ٹیلی بیسی جانے والے یودی سرگرم عمل تھے۔ انہوں نے ماں بیٹے کے آس پاس اپنے آزاد کار چھوڑ کر تھے جن کے ذریعے ماں بیٹے کی ایک ایک حرکت کا پتا چلتا تھا۔

اور سونیا اور ہارس نے سمجھ لیا تھا کہ ہوٹل کے بیروں، چکیں، ڈرائیو ریں اور انٹر لائن کے ٹکٹ ریزرو کرانے والے ایجنٹوں کو آزاد کار بنایا جا رہا ہے اور دشمن ایسے لوگوں کے داغ میں نہ کران ماں بیٹے کی مصروفیات پر نظر رکھ رہے ہیں۔

سونیا کی فلاح سے روانہ ہو گئی۔ دشمن مطمئن رہے کہ ہر کام پلاننگ کے مطابق ہوا ہے۔ اسرائیلی خیال خدائی کرنے والے جنرل پارکن کو ایک انٹر لائن کے ایجنٹ سے پتا چلا کہ پاس دوسری صبح کی فلاح سے پاکستان جانے گا۔ وہ حسن پرستی کے معاملے میں بدنام تھا۔ تنظیم کے نئے عہدے داروں نے فیصلہ کیا کہ پاس کے برابر والی سیٹ ایک لڑکی کے نام ریزرو کرائی جائے۔ وہ دوران سڑیا پاس سے دوستی کرے گی اور پاکستان میں بھی اس کے ساتھ رہے گی تو جنرل پارکن خیال خدائی کے ذریعے اس لڑکی کے اندر رہ کر پاس کی تمام مصروفیات سے آگاہ ہوتا رہے گا۔

اس لڑکی کا نام روزینہ تھا۔ وہ پاکستانی تھی۔ لندن میں تعلیم حاصل کرتی رہی تھی۔ باپ کا نام شہزاد تھا۔ وہ یودیوں کا میں برس سے وفادار ایجنٹ تھا۔ اس کی بیٹی روزینہ اور بیٹا راجیل یودیوں کی سرپرستی میں تعلیم اور تربیت حاصل کرتے رہے تھے۔ ایسے کی دلال ہوتے ہیں جو بیرون کی طور پر پاکستانی ہوتے ہیں لیکن عملی اور نظریاتی طور پر یودی یا امریکی ایجنٹ ہوتے ہیں۔ ان کے بچے یورپ اور امریکا میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے پاکستان آکر اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے ہیں پھر یودی امریکی بائیسوں کے مطابق ہمارے ملک کی خارجہ اور داخلہ بائیسوں میں من مانی تبدیلیاں کرتے ہیں جن کا فائدہ بڑے ہی چھپے چھپے انداز میں یودیوں کو پہنچتا ہے۔

ہمارے ہاں یہ انکارانی نہیں ہوتی کہ جو شخص ایک برس پہلے ایک بد وقت کے فائدے کر آتا تھا آج وہ اپنے بچوں کو لندن میں بیٹے رکھاتا ہے؟ انہیں امریکا کا گرین کارڈ آسانی سے کیسے مل جاتا ہے۔ اگر ہمارے احساب کا شعبہ ایماندار ہو تو بے شمار جرائم سے پردے اٹھ سکتے ہیں۔ لیکن پردہ نہ اٹھانے سے ملازمت اور عہدہ بحال رہتا ہے اور یہ بہت بڑا انعام ہوتا ہے۔

دوسری صبح روزینہ انٹرویو آئی۔ اس کے داغ میں رہنے والے جنرل پارکن نے احتیاطاً کاؤنٹر کل کے داغ سے معلوم کیا کہ حیدر علی (پاس) نے طیارے میں سوار ہونے کے لئے پورٹنگ کارڈ لیا ہے یا نہیں؟ چلا وہ طیارے میں موجود ہے۔ روزینہ بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ طیارے میں سوار ہو گئی۔ جنرل پارکن سوچ کے ذریعے کہہ رہا تھا "اپنی سیٹ پر بیٹھے سے پہلے آگے پیچھے بیٹھنے والوں سے باتیں کرو۔ تاکہ میں ان کے اندر پہنچ سکوں۔"

وہ سوچ کے ذریعے بولی "یہ اچھا ہے کہ میرے داغ سے چلے جاؤ گے میں بھی بوجھ محسوس کرتی ہوں۔"

"میں تمہارا بوجھ ہلکا کرنے نہیں جا رہا ہوں۔ دراصل پاس کے پاس بیٹھنے والے کسی بھی مسافر کو اس کے خیال خدائی کرنے والے چیک کریں گے، تمہارے داغ میں بھی کوئی آتا چاہے گا۔ ایسے وقت میں تمہارے پاس موجود رہوں گا تو تم پرانی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کر سکو گی۔"

"میں سانس نہیں روکوں گی۔ صرف بے چینی محسوس کروں گی۔ دشمن یہی سمجھیں گے کہ میرا داغ حواس ہے مگر میں سانس

نہیں روک سکتی ہوں۔ پھر میرے خیالات پر میں گے تو میں ایک غیر متعلق لڑکی ثابت ہوتی رہوں گی۔"

روزینہ کے داغ پر ایسا عمل کیا گیا تھا کہ وہ تنظیم کے آزاد کار نہ سمجھی جاتی۔ اس کے چور خیالات یہ بتاتے کہ وہ لندن میں زیر تعلیم ہے، شہر روم کے تاریخی عجائبات دیکھنے آئی تھی، اب پاکستان اپنے باپ جان شہزاد سے ملنے جا رہی ہے۔

وہ اپنی سیٹ کے پاس آئی۔ برابر والی سیٹ پر ایک لڑکچہ بیٹھا ہوا تھا۔ روزینہ نے پچھلی سیٹ کے مسافر سے کہا "پلیز، میرا یہ سامان اوپر کی خانے میں رکھ دیں۔"

مسافر نے مسکرا کر کہا "ضرور" اس خانہ میں میرا بھی سامان ہے۔"

وہ روزینہ کا بڑا سا ایک اٹھارہ اوپر رکھنے لگا۔ جنرل پارکن اس کے اندر پہنچ گیا۔ اس کے ذریعے اس نے دوسرے مسافر سے باتیں کیں "اس طرح آس پاس کے لوگوں کے اندر جگہ بھالی تاکہ ہر طرح سے پاس پر نظر رکھ سکے۔ وہ لڑکچہ خاتون بیٹ باندھے اپنی سیٹ پر سوتا تھا۔ اسے خبر نہ تھی کہ ایک حسین لڑکی اس کے پاس آکر بیٹھ گئی ہے وہ اس بات سے بھی بے خبر تھا کہ طیارہ پرواز کر رہا ہے۔

روزینہ اسے ناگوار اور بے چینی سے دیکھ رہی تھی۔ اسے سمجھایا گیا تھا کہ وہ سفر کے دوران اس سے دوستی کرے لیکن جو قیامت کی نیند سورا ہو اُس سے بھلا دوستی کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ سوچنے لگی "اس کے بہانے سے ڈنگایا جائے۔ اس نے لڑکچہ کو ہاتھ پر ہاتھ کر لیا پھر اسے ہلایا۔ وہ نیند میں کسما کسما پھر سو گیا۔

روزینہ کو برا طیش آیا۔ ایسی بھی کوئی نیند ہوتی ہے اس نے آخر اسے جھجھوڑ ڈالا۔ وہ ہڑبڑا کر بولا "تس؟ ہاں، کیا پاکستان آگیا؟"

وہ بولی "ابھی تو سفر شروع ہوا ہے۔"

وہ پھر آنکھیں بند کرنے لگا۔ وہ جلدی سے بولی "ٹھہرو! ابھی نہ سونا۔ میں کافی دینا چاہتی ہوں۔"

"ہی! نو" اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ روزینہ اس پر جھک کر بولی "مجھے بتا دینا تمہیں لگتا۔ پلیز میرا ساتھ دو۔"

"میں کافی نہیں لی سک۔"

"کیوں نہیں پیئیں گے؟"

"میرا روزہ ہے۔"

وہ پھر سو گیا۔ روزینہ اپنی بیٹھائی پر ہاتھ مار کر بولی "کس گدھے سے پالا پڑا ہے۔ لائف انجوائے کرنے کی عمر ہے اور روزہ رکھتا ہے۔"

ایسے ہی وقت روزینہ نے پرانی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا۔ مگر سانس نہیں روکی۔ اس کے چور خیالات کسی کو بتا رہے ہوں گے کہ وہ سانس روکنا نہیں جانتی ہے اور ایک عام ی لڑکی ہے۔ ایک گھنٹے بعد مسافروں کے درمیان سے کھانے کی زالی گزرنے لگی۔ ہر مسافر کے سامنے کھانے کے ٹرے رکھی جانے

گلی۔ دوزینہ نے ہوش سے کہا "یہ صاحب جو سو رہے ہیں، کھانا نہیں کھائیں گے۔ دوزہ دار ہیں۔"

یہ بات سن کر پیچھے پیٹھے ہوئے مسافر نے کہا "میں بھی مسلمان ہوں۔ دوزہ رکھا کرنا ہوں لیکن یہ رمضان کا مہینہ نہیں ہے۔ آج اس جوان نے دوزہ کیوں رکھا ہے؟"

دوزینہ بھی مسلمان تھی لیکن دوزہ نماز کے متعلق کچھ نہیں جانتی تھی۔ قری میمنوں کا بھی حساب نہیں معلوم تھا۔ جب پتا چلا کہ یہ دوزہ رکھنے کا مہینہ نہیں ہے تو اس نے گھور کر جوان کو دیکھا پھر اسے سمجھوڑا اٹھایا۔ وہ چونک کر آنکھیں کھولتے ہوئے کچھ بولنا چاہتا تھا، اس سے پہلے وہ بولی "تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم نے دوزہ نہیں رکھا ہے۔"

وہ حقائق ٹکٹ کھول کر کھڑا ہو گیا۔ میارے کو جیرانی سے دیکھ کر چیخے ہوئے بولا "یہ... یہ تو بوائی جواز ہے۔ میں یہاں کیسے آیا؟"

لوگ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ وہ ایک ازہوش کا ہاتھ پکڑ کر بولا "اے جواز دو! مجھے اتارنے دو۔"

وہ ہاتھ چمڑے کی کوشش کرتی ہوئی بولی "ایزی مسز! ایزی! ایزی! مسرت سے بات کرو۔ اب یہ جواز انتہول میں رکے گا۔"

"لیکن میں جواز کے اندر کیسے آیا؟"

ایک اسٹوڈنٹ نے آکر کہا "مسز! تمام مسافر ڈسٹرب ہو رہے ہیں۔ انہیں آرام سے کھانے دیں۔ آپ اپنے گاغذات لے کر میرے کین میں تشریف لے چلیں۔"

نوجوان نے اپنی جیب سے جواز کا ٹکٹ اور بورڈنگ کارڈ نکالا پھر ٹکٹ پر حیدر علی (پارس) کا نام پڑھ کر بولا "یہ حیدر علی کون ہے؟ اس کا ٹکٹ میری جیب میں کیسے آیا؟"

جزل پارکن ایک مسافر کے ذریعے یہ تشاؤ دیکھ رہا تھا۔ یہ سمجھ میں آیا تھا کہ وہ پارس نہیں ہے۔ کسی نوجوان کو ٹپ کر کے پارس کی جگہ میارے میں بیٹھ دیا گیا ہے۔

پارکن اپنی تسلی کے لئے نوجوان کے اندر پہنچا۔ اس کے خیالات اچھی طرح پڑے۔ پتا چلا "اس کا نام پیڑڈوزا ہے۔ وہ اعلیٰ سے پاکستان جا رہا تھا۔ دم کے ازہوش پراس نے اسے ایگریکیشن کاؤنٹر سے اپنے پاسپورٹ و فیوچر مرس لگوا دی تھی۔ اس کے بعد ہی ایک جوان نے اسے خطاب کیا تھا۔ پیڑڈوزا اس سے مصافحہ کرتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا۔ اس کے بعد پھر اسے ہوش نہ رہا کہ وہ کہاں ہے؟ میارے کے اندر پہنچ کر پرواز کے ایک گھنٹے بعد تک وہ غائب داغ رہا تھا۔

جزل پارکن نے دوزینہ سے کہا "ہم دھوکا کھائے۔ یہ پارس نہیں ہے۔ پارس کے کسی خیال خوانی کے لئے اسے اسے ٹپ کر کے یہاں پہنچا دیا ہے۔ اس کا اصل پاسپورٹ اس کے بیک میں ہے۔"

دوزینہ نے اسٹوڈنٹ سے کہا "اس کا ایک دیکھو۔ کچھ پتا تو پلے یہ کون ہے؟"

اسٹوڈنٹ کی تلاش لینے لگا۔ پیڑڈوزا رہا تھا "میرا نام پیڑڈوزا ہے۔ میں پاکستان جانے والا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں تھا کہ میں اس جواز میں کیسے آیا؟"

اسٹوڈنٹ نے بیک میں سے پاسپورٹ، ٹکٹ اور بورڈنگ کارڈ دیکھ کر کہا "بھئی پریشان کیوں ہوتے ہو۔ تمہارا ٹکٹ اسی فلائٹ کا ہے اور یہ پاکستان جا رہا ہے۔"

وہ حیرانی سے بولا "لیکن میں تو ازہوش کے ایگریکیشن ڈیپارٹمنٹ میں تھا۔ اس جواز میں خود بخود کیسے آیا؟"

ایک مسافر نے پیڑڈوزا پر پوچھا "بھئی کون سا شے کرتے ہو کہ داغ بالنگ ہی آؤٹ ہو جاتا ہے؟"

جزل پارکن نے کہا "دوزی! یہ بڑے مکار لوگ ہیں۔ ابھی بے مورکنے لے آیا ہے کہ پچھلے روز کی فلائٹ میں جانے والی عورت (سونیا) انتہول پہنچ کر غائب ہو گئی ہے۔"

"کیا وہ عورت بہت اہم تھی؟"

"ہاں، ہمیں یقین کی حد تک شبہ تھا کہ وہ سونیا ہے۔ دیے ہم دھوکا کھا کر بھی نقصان میں نہیں رہے۔ پارس شہر دوم میں دگیا ہے اور سونیا انتہول میں رگ کی ہے۔ دونوں ماں بیٹے پاکستان نہ جاسکے اور نہ ہی ہم آئندہ انہیں جانے دیں گے۔"

"اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"تم پاکستان جاؤ۔ ابھی میں گولڈن ریفر سے مشورہ کر کے بتاؤں گا کہ تمہیں آئندہ کیا کرنا ہے؟"

پیڑڈوزا نے اچانک قہقہہ لگایا۔ دوزی نے اسے چونک کر دیکھا۔ وہ بولا "ہم سب گدھے ہیں۔ تقدیر کو نہیں مانتے۔ میں نبوی ہوں۔ میرے ستاروں نے بتایا تھا کہ اس شہر میں میرے ساتھ کچھ ہونے والا ہے۔ مگر میں نے خود نبوی ہو کر یقین نہیں کیا اب بتاؤ ہم سب گدھے ہیں یا نہیں؟"

وہ بولی "سب کو شامل نہ کرو۔ صرف تم گدھے ہو اور بہت بڑے فراڈ ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی حیدر علی کا پاسپورٹ تمہارے پاس آجائے اور تم اس کی سیٹ پر سز کرو؟ آخر وہ فلائٹ کے وقت کے مطابق کیوں نہیں آیا؟ اگر آیا تھا تو تمہارے خلاف کارروائی کیوں نہیں کی۔ مجھے شبہ ہے کہ تم اسے قتل کر کے آئے ہو۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ یہ ممکن ہے، کسی نے حیدر علی کو قتل کر کے اس کا پاسپورٹ میری جیب میں رکھ دیا ہو۔ لیکن مجھے خبر کیوں نہ ہوئی؟ میں غافل کیوں رہا؟ کیا مجھ پر کالا جادو کیا گیا ہوگا؟"

وہ بولی "خاموش بیٹھے رہو۔ دوم سے انتہول تک حیدر علی کے متعلق تحقیق ہو رہی ہوگی۔ اگر اسے قتل کیا گیا ہو گا تو تمہارے لئے مرقیدہ بنی ہے۔ واقعی تم بچے نبوی ہو۔ تمہارے ستاروں نے بتایا تھا کہ تمہارے ساتھ کچھ ہونے والا ہے مگر اب بہت کچھ ہونے والا ہے۔"

"تم مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کرو۔ میرے ستاروں نے بتایا

ہے کہ زندگی میں کچھ انجینس ضرور ہیں لیکن جان و مال کا نقصان نہیں ہوگا۔ مقدّر نے وارننگ دی ہے کہ کسی بھی حسین لڑکی سے بچ کر رہو۔ خدا کا شکر ہے کہ تم حسین نہیں ہو۔"

دھم سے بولی "میں ایمان سنس! کیا میں حسین نہیں ہوں؟ کیا تم حسن کا مطلب سمجھتے ہو۔ میں مرس یورپ کے مقابلہ حسن میں شرکت ہونے والی ہوں۔"

"شرحت دے کہ مقابلہ جیت سکتی ہو۔"

دھم سے پھٹ پھٹا ہوا تھی، جزل پارکن نے ڈانٹ کر کہا "کیا حماقت ہے؟ فصدہ براشت کرو۔ اگر تم اسے حسین نظر نہیں آتی ہو تو کیا جزا خود کو حیدر مناؤ گی۔"

"پہلے مجھے اس پاگل سے نجات دلاؤ۔ میں سیٹ بدلنا چاہتی ہوں۔"

"جسے تم پاگل کہہ رہی ہو، وہ بہت اہم ہو گیا ہے۔ ابھی میں نے تفصیل سے اس کے خیالات پڑھے ہیں۔ اس کی رہائش گاہ گبرگ لاہور میں ہے۔ فراہم کی بہن جس کو بھی میں رہتی ہے، ٹھیک اس کے سامنے والی کو بھی میں اس کے والدین رہتے ہیں۔ یہ بھی جیڑیں رہے گا۔ تم اس سے دوستی کرو۔"

"مہارے گاڑا! یہ لاہور پہنچے پہنچے مجھے بھی پاگل بنادے گا۔ لیکن ڈیوٹی از ڈیوٹی۔ دوستی کرنی ہی ہوگی۔"

دوزینہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ کھانے میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ بولی "مسز! سوزا! اس نے مجھے نہیں سنا۔ خاموشی سے کھا تا رہا۔ وہ بولی "مسز پیڑڈوزا! میں تم سے خطاب ہوں۔"

وہ قہقہہ چراتے ہوئے بولا "سوزی! میں اس وقت پیڑڈوزا نہیں ہوں۔"

"مگر کون ہو؟"

"میں حیدر علی کی سیٹ پر سز کر رہا ہوں۔"

"اچھا کچھ کچھ۔ میں تمہیں حیدر رکوں گی۔"

"مولا تو میں کتنا چاہتا۔ اس سیٹ نے بڑی گریڈ کوئی ہے؟"

"کوئی گریڈ نہیں کی ہے۔ یہاں بیٹھ کر ہم دوست بن رہے ہیں۔ مجھ سے دوستی کرو گے حیدر؟"

"تم مجھے حیدر کہہ رہی ہو۔ میں عیسائی ہوں، میرا مذہب بدل رہی ہو؟"

وہ گریڈ والی پھر سنبھل کر بولی "ابھی تو تم نے کہا تھا کہ پیڑڈوزا

حیدر کھلائے گا۔"

"مجھ وہ حیدر کھلائے سے کیوں انکار کر رہا ہے؟"

"اس لئے کہ وہ عیسائی ہے اور تم اس کے عیسائی ہونے سے انکار نہیں کر سکتیں۔ دوزینہ! یہ نوجوان بہت ذہین ہے۔ ہمیں بھی اپنی ذہانت کا ثبوت دے کر دوستی کرنا چاہئے۔ اس سے ہمیں نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ یہ ہمارا آئندہ کاربن کرے گا۔"

دوزینہ نے پیڑڈوزا کو دیکھ کر ایک گہری سانس لی۔ پھر مسکرا کر بولی "تم اپنی باتوں سے الجھادیے ہو۔ بچ پوجو تو تمہارا یہ انداز مجھے جیت رہا ہے۔ میں تمہیں کسی نام یا کسی مذہب کے حوالے سے نہیں پکاروں گی۔ دوستی کے رشتے سے دوستی کون کی، ٹھیک ہے؟"

وہ بولا "ٹھیک تو لگ رہا ہے۔ لیکن میں نے پہلے کبھی کسی لڑکی سے دوستی نہیں کی۔ اس مسئلے پر غور کرنا ہوگا۔"

"اس میں غور کرنے کی کیا بات ہے؟"

"وہ بات کیوں نہیں ہے! میں اپنے ایک دوست کے سامنے لباس بدل لیتا ہوں۔ تمہارے سامنے بدلے بدل سکوں گا؟"

وہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ پیڑڈوزا کہا "تو لڑکی کی دوستی مسئلہ بن جاتی ہے۔ اب تو قیامت ہوتا؟"

"تمہارے ساتھ بائیں کرنے کے لئے مجھے بھی چنا ہرے گا۔"

"سیدھی سی بات ہے۔ جس دوستی پر دنیا والے بھی اعتراض کرتے ہیں، ہم وہ دوستی نہ کریں۔ بلکہ رشتے داری کر لیں۔"

"کیسی رشتے داری؟"

"میں تمہیں عزت اور احترام سے آنی کھوں گا۔"

ایک حسین اور جوان لڑکی کے لئے یہ شرط تھا کہ اس بار وہ آتش فشاں کی طرح پھٹنے والی تھی لیکن جزل پارکن نے اس کے داغ کو کنٹرول کیا۔ وہ چند لمحوں تک ساکت بیٹھی رہی۔ اپنی جگہ سے ہل نہ سکی۔ اگر کچھ کاموقع تھا تو شاید وہ پھر کھڑی ہو جاتی۔

پارکن نے کہا "دوزینہ! تم اپنے مشن میں ناکام ہو رہی ہو۔ خود کو قابو میں رکھو۔ ورنہ یہ جوان ہاتھ سے جانے گا تو تمہاری لندن کی شہرت جہنم لی جائے گی۔ ہزاروں یوٹیو بیس اور انٹرنیٹ ویڈیو جانے گی۔ تمہارا باپ بھاری جہیز کا ایک اہم رکن ہے، وہ بھی تمہیں سزا سے نہیں بچا سکے گا۔"

وہ ٹھنڈی پڑتی، پیڑڈوزا نے کہا "میں نے تمہیں فصدہ دلائے کے لئے آنی کہا لیکن تمہیں غصہ نہیں آیا۔ مجھے ایسی ہی ٹھنڈ لگائیں پندہ ہیں۔ تم بے حد حسین ہو! اتنی کم سن ہو کہ آنی کئے سے تمہیں ہنسا جائے۔"

وہ ٹھنڈا کر ہنسنے لگی۔ پیڑڈوزا ہاتھ بڑھا کر پوچھا "دوستی؟"

وہ ہاتھ ملا کر بولی "بھئی دوستی۔"

"تو پھر ایک دوسرے کو اپنے اپنے بارے میں بتائیں۔ میرا نام تمہیں معلوم ہو چکا ہے۔ میرے ڈیوٹی کا نام آئندہ سوزا ہے۔ ڈیوٹی اور کمی ایک انگلش میڈیم اسکول کے مالک ہیں۔ میں لندن میں کرائے پر کاربن چلائی کرتا ہوں۔ دس برس بعد پاکستان جا رہا

”میں بھی دس برس بعد جاری ہوں۔ لندن میں مئی اور بڑے بھائی کے ساتھ رہتی ہوں۔ لاہور کے بڑے دولت مندوں میں میرے ڈیڑی کا شمار ہوتا ہے۔“

”وہ یقیناً بہت بڑے کاروباری ہوں گے۔“

”ہاں نہیں کیا ہیں؟ پاکستان میں یہ ایک اچھی بات ہے کہ کسی سے یہ نہیں پوچھا جا سکے کہ اس کے پاس دولت کہاں سے آ رہی ہے۔“

”تم نے ڈیڑی سے پوچھا ہوگا؟“

”ہاں پوچھا تھا۔ انہوں نے جواب دیا ’دنیا میں دولت سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے لہذا بہتر چیز جہاں سے بھی آئی ہے۔ بہتری کے لئے آئی ہے‘ بہتری کو بے شمار ہونا چاہئے اس کا حساب نہیں کرنا چاہئے اور نہ کسی کو حساب دینا چاہئے۔“

جنرل پارکین، روزینہ کے داغ میں رہ کر پینڈو ڈیڑو کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کے دوسرے خیال خوائی کرنے والے بے مورگن اور بیری ہوگن یہ تصدیق کر رہے تھے کہ شاید یہ کسی کو غمی کے سامنے واقعی کوئی آئینہ ڈیڑو رہتا ہے یا نہیں؟ انہوں نے لاہور میں مختلف ذرائع اعتبار کر کے آئینہ ڈیڑو کے داغ میں جگہ بھائی تھی پھر یہ تصدیق ہو گئی کہ پیراس کا بیٹا ہے اور وہ اپنے بیٹے کی آمد کا انتظار کر رہا ہے۔

پینڈو ڈیڑو کوئی فراڈ نہیں تھا لیکن فراڈ تھا۔ مسلمان نے اپنے عمل کے ذریعے اسے پیرا پیرا رکھا تھا۔ پینڈو ڈیڑو کے نام سے پاسپورٹ اور ضروری کاغذات تیار کرنے میں چند گھنٹے لگے تھے۔ پیراس کے پاس حیدر علی کے نام کا بھی پاسپورٹ اور ٹکٹ وغیرہ رہتے دیا تھا۔ ان دشمن پوری طرح چکس آجائیں اور وہ بری طرح قریب میں جلا ہو گئے تھے۔

دوسری طرف میں نے آئینہ ڈیڑو اور اس کی وائف کو اپنا معمول بنایا تھا۔ دشمن خیال خوائی کرنے والے ان کے خیالات پڑھ کر مطمئن ہو رہے تھے۔

میں نے ان تمام مصروفیات سے منٹ کر روزینہ کے خیالات پڑھے۔ اس کے باپ جان شیراز کا چاچا اور فون نمبر معلوم کیا۔ اس کی رہائش اسلام آباد میں تھی۔ میں نے فون کیا تو اس کے سیکرٹری نے بتایا وہ لاہور گیا ہوا ہے۔ ظاہر ہے اس کی بیٹی آ رہی تھی اسے لاہور ہی جانا تھا۔ میں نے سیکرٹری سے کہا ”مسٹر شیراز لاہور میں کہاں مل سکتے ہیں؟“

”وہ بلا“ پہلے آپ اپنا تعارف کرائیں۔ ان سے ملاقات کیوں کرنا چاہتے ہیں؟“

”میں لندن سے آیا ہوں“ ان کی وائف کا ایک پیغام پہنچا تھا۔

”آپ آ رہے تھے بعد فون کریں۔“

میں ریسپونڈ کر کے اس کے خیالات پڑھنے لگا۔ وہ لاہور کا ایک نمبر واکل کر رہا تھا۔ تو ڈیڑی دیر میں جان شیراز سے رابطہ قائم

ہو گیا۔ سیکرٹری نے میرے متعلق بتایا۔ اس نے کہا ”وہ دوبارہ فون کرے تو کہنا میری وائف کا پیغام تمہیں سناوے“ تم مجھے سنا دو گے۔“

اس نے ریسپونڈ کر رکھا دیا۔ وہ ایک بہت بڑے ڈرائنگ روم میں چند افراد کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص نے کہا ”مسٹر جان! تمہیں سختی سے یہ بتا دیا کہ تمہیں عرصے تک براہ راست فون اینڈ نہ کرو اور صرف ہمارے لوگوں سے ملاقات کرو۔ جہاں تک ممکن ہو خود کو گوشہ نشین رکھو۔ اس طرح فراڈ سے محفوظ رہ سکو گے۔“

دوسرے شخص نے کہا ”اب کیا بتاؤں کس کا فون تھا۔ اکثر فون اجنبی حضرات کے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ مختلف برائوں سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ میرے ہونے چلنے کا حوالہ دے کر مجھ سے کچھ قائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ ایسے کسی شخص کا فون تھا۔ ہمارے ملک میں لوگوں کے پاس سرمایہ بہت ہے اور کئی سرمایہ داروں کو معلوم ہو چکا ہے کہ میں بچ کا دلال ہوں۔ بیرونی ممالک کی کمپنیوں کے اشتراک سے یہاں میں سرمایہ داروں کی بہت بڑی فیکٹریاں اور پٹریں قائم کر چکا ہوں۔ اندر کی بات کوئی نہیں جانتا کہ بیرونی ممالک کی کمپنیوں کے پیچھے یہودیوں کا خام مال اور سرمایہ ہے اور ہم سب مل کر اس ملک کو اسرائیلی پروڈکٹس کی منڈی بن رہے ہیں۔“

میں خاموشی سے باتیں سن رہا تھا۔ یہودی سیاست کو تو میں خوب سمجھتا ہوں لیکن یہ بات میرے علم میں نہیں تھی کہ انہوں نے پاکستان کو بھی ٹارگٹ بنایا ہوا ہے۔ دراصل پاکستان میں اکثر اس قدر جوش اور جذبات کے ساتھ فلسطین کی آزادی کے حق میں مظاہرے ہوا کرتے ہیں کہ ہم بیرونی ملکوں میں رہنے والے بھی سمجھتے ہیں کہ پاکستانی قوم بیدار ہے اور وہ یہودیوں کے قریب میں نہیں آئے گی۔

یہاں آکر رتنہ رتنہ بھید کھل رہا ہے کہ اسرائیلی ایجنٹ بڑی صفائی سے بڑی راز داری سے اپنا کام کر رہے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ جس کا نام جان شیراز ہو وہ مسلمان ہو۔ ہالی ووڈ کا مشہور مصوف اور اداکار عمر شریف عیسائی ہے۔ یہ دنیا جانتی ہے کہ مصداق حسین کا درست راست طالع عزیز بھی عیسائی ہے۔ اس طرح بیشتر یہودیوں کے نام مسلمانوں جیسے ہوتے ہیں۔

اسی طرح بین الاقوامی شہرت حاصل کرنے والی مصنوعات کی صنعتیں پاکستان میں قائم کی گئی ہیں لیکن یہ وضاحت نہیں ہے کہ پیچھے کیا کون ہیں اور جان شیراز جیسے ایجنٹ کس طرح انہیں مناج پہنچاتے ہیں۔

میں باقی باتیں بعد میں بھی جان شیراز کے ذریعے معلوم کر سکتا تھا۔ اس وقت یہ سوچنے کی بات تھی کہ ایسے کاروبار کے لئے امپورٹ لائسنس کیوں جاری کئے جاتے ہیں۔ میں امپورٹ اور ایکسپورٹ کے شعبے کے ناخدا کے پاس پہنچا۔ اسے مخاطب کیا تو وہ دونوں باتوں سے سرعام کر سوچنے لگا ”کیا یہ میرے اندر سے آواز آ رہی ہے؟“

”ہاں“ میں فریاد علی تیور بول رہا ہوں۔ ذرا دیکھ لیجیجی کس طرح کتنی کاناچ بچائی ہے۔“

میں نے اسے اٹھایا بٹھایا۔ اُدھر سے اُدھر دوڑایا پھر صوفے پر بٹھا کر پوچھا ”میری موجودگی کا یقین ہو گیا؟“

”جی ہاں۔ میں جانتا ہوں“ آپ فریاد صاحب ہیں۔“

”تم یہ جانتے ہو کہ یہودی دنیا کے کتنے کاروبار پر چھائے ہوئے ہیں؟“

”جی ہاں جانتا ہوں۔“

”چند کاروباروں کے نام بتاؤ؟“

”پہلے وہ متحرک اور ساکت قلموں کے کاروبار پر چھائے ہوئے تھے“ آج کل جان وولڈز راکٹ پر چھاپا ہے۔ یہودیوں کے پاس فولاد کا کاروبار ہے۔ صابن، کرم، میک اپ کا جملہ سامان اور کیا کیا بتاؤں جناب! آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“

”ان کی مصنوعات پاکستان میں آتی ہیں اور تم امپورٹ لائسنس جاری کرتے ہو اور پاکستانی سرمایہ داروں کے اشتراک سے انہیں یہاں کاروبار کی مکمل چھٹی دیتے ہو۔“

”میرے چاری کردہ لائسنس میں اور معاہدوں میں کسی یہودی کمپنی کا نام نہیں ہے۔ اسرائیل سے ہمارا براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تو امریکا، یو کے اور جرمنی وغیرہ سے صنعتی تعلقات رکھتے ہیں۔ اگر آپ کسی بھی معاہدے سے یہ ثابت کریں کہ دہرہ کوئی یہودی ہے تو جو چوری کر سزا دے گا۔“

”میں ٹیلی فنی کے ذریعے ثابت کر سکتا ہوں۔“

”جادو اور ٹیلی فنی کو دنیا کی کوئی عدالت تسلیم نہیں کرتی۔ خیال خوائی کے ذریعے معاہدے تبدیل کئے جاسکتے ہیں۔ گواہوں کی زبان بدلی جاسکتی ہے۔ آپ سمجھو دار ہیں، میری مجبوریوں سمجھیں۔ میں تو یہی کر رہا ہوں جو قانون کی کتابوں میں لکھا ہے۔“

”میک ہے“ میں تمہاری مجبوریوں سمجھ گیا ہوں۔ یہ بات کسی کو مطمئن نہ ہو کہ میں تمہارے پاس آیا تھا۔“

میں دافنی طور پر حاضر ہو گیا۔ واقعی وہ مجبور تھا۔ امریکا اور برطانیہ کے صنعت کار یہودیوں کو اپنے پیچھے چھپا کر پاکستان میں عینی منتفی قائم کر رہے تھے۔ اور یہ دعوے کرتے تھے کہ انہوں نے یہودیوں سے تمام حقوق خرید لئے ہیں۔ لہذا مسلمان سرمایہ داروں کا اسلام خطرے میں نہیں پڑے گا۔

یہ بھی درست تھا کہ میں لائسنس جاری کرنے والے تمام افراد کو ایسی سزا میں دتا کہ وہ سرکاری ملازمتیں چھوڑ کر بھاگ جاتے لیکن وہ یہ تصور تھے ان کے پاس کارروائیوں کے لئے جو کاغذات آتے تھے ان میں کسی یہودی شخص یا یہودی کمپنی کا نام نہیں ہوتا ہے۔

اور یہ بھی درست ہے کہ ٹیلی فنی کو دنیا کی کوئی عدالت تسلیم نہیں کرتی کیونکہ اس علم کے ذریعے عدالت میں جھوٹ کو بچا کر رکھ دیا جاتا ہے۔ خیال خوائی کے ذریعے فاضل منصفوں کے فیصلے جرمِ زندان میں بدلے جاسکتے ہیں۔ میں اپنے ملک کے فاضل

جج صاحبان، جج سر حضرات اور دیگر قانون کے محافظوں کا دل سے احترام کرتا ہوں۔ اس لئے ان کے داغوں سے کیلئے کی گئی غمی نہیں کروں گا؟ اور پھر کیوں کروں جبکہ وہ قانون کے عین مطابق ثبوت اور چشم دید گواہوں کے بیانات کی روشنی میں انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہیں۔

ٹیلی فنی کا سب سے بڑا قائدہ یہ ہے کہ جو مجرم قانون سے مکمل کر عدالت کو دھوکا دے کر صاف بچ کر نکل آتے ہیں، ہم صاف طور سے ان کا مقابلہ کر دیتے ہیں۔

میں پھر جان شیراز کے پاس آیا۔ وہ یہودی مشیروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے ایک خیال خوائی کرنے والے نے جان شیراز سے آکر کہا تھا ”تم یا تمہارا کوئی بندہ روزینہ سے ملنے انزپورٹ نہیں جائے گا۔“

اس نے پوچھا ”یہ پابندی کیوں ہے؟“

”تمہاری بیٹی ایک ایسے نوجوان کو پھانس کر لارہی ہے جس کی کوئی فریاد کی نہیں کی کوئی کے سامنے ہے۔ تم میں سے کوئی اسے ریسپونڈ کرنے نہیں جائے گا تو روزینہ کو اس نوجوان کے گھر سمان بن کر جانے کا موقع مل جائے گا۔“

”یہ آئینہ اچھا ہے۔ لیکن میں ایک برس بعد بیٹی سے ملنے والا تھا۔ آپ ایک باپ کی بے چینی سمجھ سکتے ہیں۔“

”ہم اپنا مشق پورا کرنے کے لئے باپ بیٹی ہاں بیٹے کے جذبات نہیں دیکھتے۔ پہلے ہمارے مشن کی کامیابی کی بھرپور کوششیں کرو۔ ہم تمہاری بیٹی کے ذریعے شاید کی کوئی کے اندر اور پورے خاندان کے اندر پہنچنے والے ہیں۔“

”ایسا ضرور ہوگا۔ میری بیٹی بہت ذہین ہے۔ مجھے اتنی اجازت دو کہ میں دوسرے اس کی صورت دیکھ لوں۔“

”اجازت ہے۔ ضرور دیکھو۔ لیکن وہ تمہیں دیکھ کر انجان بن جائے گی۔“

میں نے مسلمان کے پاس جا کر اسے یہاں کے حالات بتائے پھر پیراس کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا ”وہ ٹھیک جا رہا ہے۔ دشمنوں کو شبہ نہیں ہے۔ میں نے صرف چوبیس گھنٹوں کے لئے اس کی اصلی شخصیت بھلا دی ہے۔ یہ وقت گزرتے ہی وہ خود کو پیراس کی حیثیت سے پہچان لے گا۔“

”وہ کب پہنچ رہا ہے؟“

”فریاد بھائی! وہ تو پہنچ گیا ہے۔“

”کیا؟ لیکن جان شیراز کو ایک خیال خوائی کرنے والے نے بتایا ہے کہ فلاٹ چار گھنٹے لٹ ہے۔“

”میرا خیال ہے“ ابے دھوکا دیا کیا ہے تاکہ وہ بیٹی کے قریب نہ جائے۔“

”ہاں ان لوگوں کو اندیشہ ہو گا کہ باپ بیٹی انزپورٹ پر ایک دوسرے کو دیکھ کر جذبات سے مغلوب ہو سکتے ہیں۔ کوئی غلطی کر سکتے ہیں۔“

میں پھر جان شیراز کے پاس آیا۔ اس کے پاس بیٹھنے والے

شیر رخصت ہو گئے۔ وہ بیٹی کی صورت دیکھنے کے لئے بے چین تھا۔ اس لئے اہم کھول کر ایک برس پہلے والی تصویر دیکھ رہا تھا۔ سوچ رہا تھا ایک برس بعد وہ اور کتنی باری لگتی ہوگی۔ آخر وہ کس مفقود کے لئے بیرون کا ایجنٹ بنا ہوا تھا؟ اپنی بیٹی اور بیٹے کو لندن کی اونچی سوسائٹی دینے کے لئے اپنی بیوی کو دنیا کے ہر ملک اور ہر شہر کی شاپنگ کرنے کے لئے پورا سترلنگ میں اپنی دولت برباد کرنے کے لئے آخر میں سب کچھ پالنے کے بعد اور پاکستان کی (خدا نخواست) ایسی بیٹی کرنے کے بعد وہ بیوی بچوں سمیت بیت المقدس جانے کا جہاز کسی پاکستانی کو بانٹ کی اجازت نہیں ہے مگر ہر دو غنٹے مسلمان کو اجازت ہے۔ وہ جانتے ہیں وہاں نمازیں پڑھتے ہیں، سجدے پر سجدے کرتے ہیں۔ کمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو (خود بابت) قریب دیتے ہیں۔ جان شیراز کا بھی برباد ہے میں کی ارادہ تھا۔

میں نے کہا ”چلو بیٹے! میں تمہارے ارادے پورے کرتا ہوں۔“ وہ اہم کو ایک طرف رکھ کر اٹھ گیا۔ باہر آکر اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ میں نے اس کے دل میں یہ بات پیرا کی کہ بیٹی کے انتظار میں وقت نہیں کر رہا ہے۔ لہذا ایک لمبی ڈرائیو... کے بعد انزپورٹ جائے گا۔

دوسری طرف اس کی بیٹی پارس کے ساتھ آنرڈیو کے ہاں پہنچ گئی تھی۔ ڈیوڈ اور اس کی وائف نے پارس کو اپنا بیٹا پیٹر ڈیوڈ سمجھ کر گھٹے لگایا اور اسے پارک۔ روزینہ کا استقبال بڑی گرم جوشی سے کیا۔ پارس نے کہا ”مم! یہ برسوں بعد یہاں آئی ہے۔ کوئی اسے رسیو کرنے نہیں آیا۔ بے چاری پریشان تھی۔ میں ساتھ سے آیا ہوں۔“

مہم نے کہا ”ہماری بیٹی کے رشتے دامدوں کو کسی طرح کا مخالفت ہوا ہوگا۔“ ڈیوڈ نے کہا ”میں بات ہے۔ کوئی بات نہیں بیٹی! اسے اپنا ہی گھر سمجھو اور یہاں سے رابطہ کرو۔“

روزینہ نے کہا ”مشکل یہ ہے کہ جس ڈائری میں ڈیڈی کا پتا اور فون نمبر لکھے ہوئے تھے وہ لندن میں، بھول آئی ہوں۔“ ”تم فکر نہ کرو۔ ہمارے بیٹے کی پسند ہو۔ یہاں مینیوں برسوں رہو۔ تمہارے ڈیڈی بھی مل جائیں گے۔“

وہ بولی ”آپ لوگوں کا بہت بہت شکریہ۔ میں یہاں سے لندن فون کروں گی۔ مہم نے ڈیڈی کا پتا اور فون نمبر معلوم کروں گی۔“ پارس نے پوچھا کیا مجھ سے کچھ چیزاں جانتی ہو؟

وہ ہنسنے لگی۔ پھر بولی ”تم جب تک نہیں کھو گے یہاں سے نہیں جاؤں گی۔“

روزینہ نے مجبوراً ہنسنے ہوئے ایسا کہہ دیا۔ اس کے اندر جنرل پارکس اسے ایسا کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ ورنہ اس کا دل بھی باپ سے ملنے کے لئے بے چین تھا۔ وہ باپ کو اپنا آئیڈل سمجھتی تھی اور سوچتی تھی، کسی ایسے جوان سے شادی کرے گی جس میں اس

کے باپ جیسی خوبیاں ہوں۔ اپنے باپ کے قریب آکر بھی وہ اس سے مل نہیں پاری تھی۔ مہم نے اس کے لئے ایک کمرہ مخصوص کیا۔ وہ غسل کرنے کے لئے باجہ روم میں آئی پھر پارکس نے بولی ”کچھ تو شرارت سے کام لو۔ میں غسل کرنے آئی ہوں۔ تمہیں ایک گھنٹے تک نہیں آنا چاہئے۔“

وہ بولا ”ایک گھنٹہ بہت ہوتا ہے۔ ہم جنہیں یہاں وقت ضائع کرنے نہیں لاتے ہیں۔ میں صرف تین منٹ کے لئے جا رہا ہوں۔ فوراً غسل کرو۔ ورنہ میں تمہاری شرم دیا کاپاس نہیں رکھوں گا۔ ہماری نظروں میں عورت کا بدن اور اس کی حیا فضول سی چیزیں ہیں۔ کام کی اہمیت ہے کام کی۔“

وہ چلا گیا۔ روزینہ اسے گالیاں دیتے ہوئے جلدی جلدی غسل کرنے لگی۔ وہ چاہتی تھی کہ کوئی شیطانی حرکت نہ ہو اس لئے وقت سے پہلے ہی لباس بدل لیا اس نے آکر حیرانی سے کہا ”عجب ہے! اتنی جلدی تم نے غسل بھی کر لیا اور لباس بھی تبدیل کر لیا؟“

”اور مجھے تمہاری شیطانی حرکت پر تعجب نہیں ہے۔ میں منٹ سے پہلے آئے ہوں۔ اپنی ماں کے پاس کسی ایسے ہی جاتے۔“ ”میوٹ اپٹان سن! میں کھوپڑی تمہا کر دوں گا۔“

”کھوپڑی تمہا کو تو کام کس سے لوگے؟“

”اچھا بکواس مت کرو۔ کام کی بات سنو۔“

”میں نہیں سنوں گی۔“

”کیا تم میرے حکم سے انکار کر رہی ہو؟“

”اس کا جواب میں دوسرے خیال خوانی کرنے والوں کو دوں گی۔ اگر اچھی مجھ سے کام لینا چاہتے ہو تو ان سب کو بلا دو۔“

دو دنوں میں توڑی دیر تک بحث ہوئی ری۔ جنرل پارکس اسے دفاعی ڈٹو نہیں پہنچا سکا تھا کیونکہ اچھی بڑے اہم کام اس سے لینے تھے اور وہ اس کی بات نہیں مان رہی تھی۔

آخر اس نے مجبور ہو کر گولڈن برنز کو رپورٹ دی۔ ایک گولڈن برنز نے پوچھا کیا تمہاری رپورٹ بالکل درست ہے کہ وہ خواہ مخواہ کام کرنے سے انکار کر رہی ہے؟

”جی ہاں۔ میں بالکل درست کہہ رہا ہوں۔“

”کیا تم گولڈن برنز کو اتنا مجبور اور محدود سمجھتے ہو کہ ہم تمہارے بیچ اور جھوٹ کو نہیں پکڑ سکتے۔ تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ گولڈن برنز کی ٹیم میں جاسوس خیال خوانی کرنے والے ہیں۔“

دوسرے گولڈن برنز نے کہا ”تم نے روزینہ کو غسل کرنے اور لباس تبدیل کرنے کے لئے تین منٹ کی مہلت دی تھی اور چندہ منٹ میں پہنچ گئے تھے کیا اس شیطانی حرکت پر کسی بھی جوان لڑکی کو فہم نہیں آئے گا؟“

تمام گولڈن برنز ایک ایک کر کے بول رہے تھے۔ جنرل پارکس اور روزینہ کے درمیان ہونے والے مکالمے سنا رہے تھے۔ جنرل پارکس کو حلیم کرنا پڑا کہ یہ آج کے گولڈن برنز داغوں میں کسی

جاسوس خیال خوانی کرنے والے کہہ دینے پہنچ جاتے ہیں۔ ایک گولڈن برنز نے کہا ”مسٹر پارکس! تمہیں جھوٹ اور قریب کی بڑا ضرور ملے گی۔ تم اپنے کمرے سے آٹھ ماٹھی باہر نہیں نکل سکتے۔ باہر قدم رکھتے ہی سیکورٹی گاؤڈز تمہیں گرفتار کر کے تاجریل میں پہنچا دیں گے۔ تم سے تمنا جانے گا۔ اچھی جاؤ۔“

وہ چلا گیا۔ گولڈن برنز نے ٹیلی جیٹھی جاننے والے بھری ہو کر حکم دیا کہ وہ روزینہ کے پاس جا کر کمرے ہوئے حالات کو سنجالے اور معلوم کرے کہ شاپنگ کے گھر میں دن رات کتنے افراد آتے جاتے ہیں اور وہ کون لوگ ہوتے ہیں اور ان کے ملے اور خاص پیمانہ کی ہوتی ہے؟

بھری ہو گئی نے آکر کہا ”میں روزینہ! جنرل پارکس نے جو حرکت کی ہے، اس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔ جنرل پارکس کو سزا کے طور پر نظر بند کر دیا گیا ہے۔ تمہارے ساتھ انصاف ہوا ہے۔ کیا تم مطمئن ہو؟“

”میں بہت خوش ہوں۔ مجھے کام تھا۔“

وہ بولا ”ہمارے والی کو بھی میں فرما دیں شاپنگ اپنی ایک جوان بیٹی، ایک جوان بیٹے کا مران اور دو چھوٹے بچوں لڈو اور پچ کے ساتھ رہتی ہے یعنی اس گھر میں کل پانچ افراد ہیں۔ تم کسی بہانے چھت پر دروہین لے کر جاؤ۔ ان کی کڑکیوں سے جو بھی نظر آئے“ اسے اچھی طرح پہچان لو۔ جب انہیں کو ان کے چروں سے اچھی طرح پہچان لو کی تو کسی چھنے! یعنی کی آمد سے معلوم ہو سکے گا کہ اور کن آتا جاتا ہے۔“

”ان کے پاس ملازم بھی تو ہوں گے؟“

”نہیں! ملازم کو احتیاطاً نکال دیا گیا ہے تاکہ ہم ان کے داغوں میں جک نہ سکیں۔“

”تم لوگ شاپنگ اور اس کے بچوں کے داغوں میں جا سکتے ہو۔“

”بے شک جا سکتے ہیں۔ لیکن وہ فرما دیں کہ میں اور بھانجے اور بھانجیاں ہیں۔ کوئی دشمن خیال خوانی کرنے والا صرف اس خوف سے ان کے اندر نہیں جاتا کہ پھڑ جائے گا اور بے موت مارا جائے گا۔“

”لیکن کیسے پھڑ جائے گا؟“

”یہ ابھی تم نہیں سمجھو گی۔ تم خود نہیں سمجھ پاتے کہ فرما اور اس کے ملے جی جانے والے کس طرح انہیں کے اندر دشمنوں کی یوسنگ لیتے ہیں۔ ایسے انڈیشوں سے بچنے کے لئے ہمیں آڈ کارنا بنایا گیا ہے اور ہمیں بھی ان سے دور رکھا گیا ہے۔“

وہ اپنی اچھی سے دور بین نکال کر شاپنگ پر لٹکتے ہوئے بولی۔ ”میں چھت پر جاؤں گی۔ کیا مجھے گائیڈ کرتے رہو گے؟“

”میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ کوئی اعتراض ہو تو کہہ دیتا۔“

”شکریہ! تم بہت مہذب انسان ہو۔“

وہ کمرے سے باہر آئی۔ پھر پارس سے بولی ”ہائے بڑا اہم ایسی تک مہم سے باتیں کر رہے ہو۔ میں ذرا چھت پر جا کر آس پاس کا ماحول دیکھنا چاہتی ہوں۔ چلو گے؟“

”تم اور چلو میں غسل کر کے لباس بدل کے ابھی آتا ہوں۔“

مہم نے اسے چھت پر پہنچایا پھر بولی ”بیٹی! بڑی دھوپ ہے۔ برداشت نہیں کر پاؤ گی۔“

”اوہ مم! میں جوان ہوں اور جوانی دھوپ اور گرمی سے سی جیتی ہے۔ آپ بیچے جا کر آرام کریں۔“

وہ بے چاری چلی گئی۔ روزینہ نے دو دن میں سنبھال۔ پھر سامنے دیکھتے ہوئے زہر لب بولی۔ ”کوئی بڑی شائد ارہے۔ آخر میں کس کی ہے۔“

اور میرے اور سلمان کے درمیان رابطہ قائم تھا۔ سلمان نے بتایا۔ ”وہ دور بین سے دیکھ رہی ہے اور ایک گائیڈ کرنے والا

جاسوس خیال خوانی کرنے والے کہہ دینے پہنچ جاتے ہیں۔ ایک گولڈن برنز نے کہا ”مسٹر پارکس! تمہیں جھوٹ اور قریب کی بڑا ضرور ملے گی۔ تم اپنے کمرے سے آٹھ ماٹھی باہر نہیں نکل سکتے۔ باہر قدم رکھتے ہی سیکورٹی گاؤڈز تمہیں گرفتار کر کے تاجریل میں پہنچا دیں گے۔ تم سے تمنا جانے گا۔ اچھی جاؤ۔“

وہ چلا گیا۔ گولڈن برنز نے ٹیلی جیٹھی جاننے والے بھری ہو کر حکم دیا کہ وہ روزینہ کے پاس جا کر کمرے ہوئے حالات کو سنجالے اور معلوم کرے کہ شاپنگ کے گھر میں دن رات کتنے افراد آتے جاتے ہیں اور وہ کون لوگ ہوتے ہیں اور ان کے ملے اور خاص پیمانہ کی ہوتی ہے؟

بھری ہو گئی نے آکر کہا ”میں روزینہ! جنرل پارکس نے جو حرکت کی ہے، اس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔ جنرل پارکس کو سزا کے طور پر نظر بند کر دیا گیا ہے۔ تمہارے ساتھ انصاف ہوا ہے۔ کیا تم مطمئن ہو؟“

”میں بہت خوش ہوں۔ مجھے کام تھا۔“

وہ بولا ”ہمارے والی کو بھی میں فرما دیں شاپنگ اپنی ایک جوان بیٹی، ایک جوان بیٹے کا مران اور دو چھوٹے بچوں لڈو اور پچ کے ساتھ رہتی ہے یعنی اس گھر میں کل پانچ افراد ہیں۔ تم کسی بہانے چھت پر دروہین لے کر جاؤ۔ ان کی کڑکیوں سے جو بھی نظر آئے“ اسے اچھی طرح پہچان لو۔ جب انہیں کو ان کے چروں سے اچھی طرح پہچان لو کی تو کسی چھنے! یعنی کی آمد سے معلوم ہو سکے گا کہ اور کن آتا جاتا ہے۔“

”ان کے پاس ملازم بھی تو ہوں گے؟“

”نہیں! ملازم کو احتیاطاً نکال دیا گیا ہے تاکہ ہم ان کے داغوں میں جک نہ سکیں۔“

”تم لوگ شاپنگ اور اس کے بچوں کے داغوں میں جا سکتے ہو۔“

”بے شک جا سکتے ہیں۔ لیکن وہ فرما دیں کہ میں اور بھانجے اور بھانجیاں ہیں۔ کوئی دشمن خیال خوانی کرنے والا صرف اس خوف سے ان کے اندر نہیں جاتا کہ پھڑ جائے گا اور بے موت مارا جائے گا۔“

”لیکن کیسے پھڑ جائے گا؟“

”یہ ابھی تم نہیں سمجھو گی۔ تم خود نہیں سمجھ پاتے کہ فرما اور اس کے ملے جی جانے والے کس طرح انہیں کے اندر دشمنوں کی یوسنگ لیتے ہیں۔ ایسے انڈیشوں سے بچنے کے لئے ہمیں آڈ کارنا بنایا گیا ہے اور ہمیں بھی ان سے دور رکھا گیا ہے۔“

وہ اپنی اچھی سے دور بین نکال کر شاپنگ پر لٹکتے ہوئے بولی۔ ”میں چھت پر جاؤں گی۔ کیا مجھے گائیڈ کرتے رہو گے؟“

”میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ کوئی اعتراض ہو تو کہہ دیتا۔“

”شکریہ! تم بہت مہذب انسان ہو۔“

وہ کمرے سے باہر آئی۔ پھر پارس سے بولی ”ہائے بڑا اہم ایسی تک مہم سے باتیں کر رہے ہو۔ میں ذرا چھت پر جا کر آس پاس کا ماحول دیکھنا چاہتی ہوں۔ چلو گے؟“

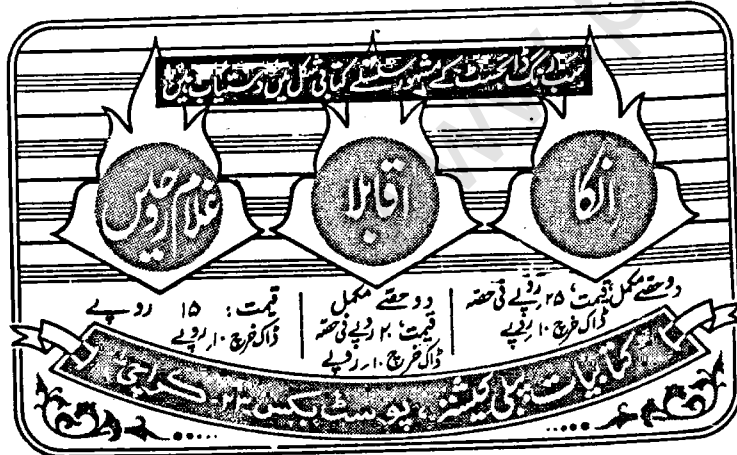
”تم اور چلو میں غسل کر کے لباس بدل کے ابھی آتا ہوں۔“

مہم نے اسے چھت پر پہنچایا پھر بولی ”بیٹی! بڑی دھوپ ہے۔ برداشت نہیں کر پاؤ گی۔“

”اوہ مم! میں جوان ہوں اور جوانی دھوپ اور گرمی سے سی جیتی ہے۔ آپ بیچے جا کر آرام کریں۔“

وہ بے چاری چلی گئی۔ روزینہ نے دو دن میں سنبھال۔ پھر سامنے دیکھتے ہوئے زہر لب بولی۔ ”کوئی بڑی شائد ارہے۔ آخر میں کس کی ہے۔“

اور میرے اور سلمان کے درمیان رابطہ قائم تھا۔ سلمان نے بتایا۔ ”وہ دور بین سے دیکھ رہی ہے اور ایک گائیڈ کرنے والا



اس کے اندر موجود ہے۔
 "ٹھیک ہے۔ واپس جاؤ۔ کوئی خاص بات ہو تو آکر بتانا۔"
 وہ چلا گیا۔ میں نے جان شیراز سے کارا اشارت کرائی اسے
 آگے بڑھایا۔ شاہین کی کوٹھی سے صرف سو گز کے فاصلے پر میں نے
 اس کی کار روکی تھی۔ وہ آدھے منٹ میں کوٹھی کے سامنے رک
 گیا۔
 چھت پر کھڑی ہوئی روزینہ نے سوچ کے ذریعے کہا "ایک کار
 اگر رک گئی ہے۔"
 میری ہوکن نے کہا "غور سے دیکھو۔ جو بھی اندر جائے اس
 کی خاص پہچان بیان کرتی جاؤ۔"
 کار کا دواڑہ کھلا تو بیٹی کو باپ کی صورت نظر آئی۔ پہلے تو یقین
 نہیں آیا پھر اس نے دور بین کے نیس کو ایڈجسٹ کر کے دیکھا تو
 خوشی سے بولی "مسٹر ہوکن! یہ تو میرے ڈیڈی ہیں۔"
 ہوکن نے حیرانی سے پوچھا "تم خوش ہو رہی ہو؟ یہ پریشانی کی
 بات ہے۔ تمہارا باپ یہاں مرنے کیوں گیا ہے۔"
 "میرے باپ کے بارے میں زبان سنبھال کر لو۔"
 "میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج رہی ہے۔ میں ابھی مسٹر
 شیراز سے معلوم کرتا ہوں معاملہ کیا ہے؟"
 اس نے جان شیراز کے دماغ میں چلا گیا۔ لگائی۔ میں نے
 پوری طرح اس کے دماغ پر قبضہ جمار کا تھا۔ ہوکن نے اس سے
 پوچھا "مسٹر شیراز! تم یہاں کیوں آئے ہو؟"
 جان شیراز نے میری مرضی کے مطابق پوچھا "تم کون ہو؟"
 "میں عظیم کا ایک خیال خوانی کرنے والا ہوں۔ میرا سامنی
 ہے مورگن تم سے رابطہ رکھتا ہے۔"
 شیراز نے کہا "وہ رابطے کے وقت کوڈورڈ استعمال کرتا
 ہے۔"
 "میں ابھی ہے مورگن کو بھیج رہا ہوں۔ مگر یاد رکھو، تم نے
 یہاں اگر بڑی گریز کر دی ہے۔"
 وہ چلا گیا۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی ہے مورگن نے آکر کوڈورڈ
 ادا کیے۔ پھر پوچھا۔ "یہاں کیوں آئے ہو؟"
 وہ بولا "تم نے جھوٹ کہا تھا کہ فلاش جارہے ہیں۔
 تمہارے جھوٹ کی وجہ سے میں اپنی بیٹی کی صورت نہیں دیکھ
 سکا۔"
 "جی کو نہ دیکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم دشمن کی کوٹھی
 کے سامنے آ جاؤ۔"
 جان شیراز نے کہا "اے خود بولتے ہو۔ خود بھول جاتے ہو۔
 تم نے بیٹی کا تھا کہ میری بیٹی ٹھیک شادی کے سامنے والی کوٹھی میں
 ٹھہرے گی۔ پھر میں اسے دیکھنے یہاں نہیں آؤں گا تو قبرستان جاؤں
 گا کیا؟"
 ہے مورگن نے کہا "میں سمجھ چکا ہوں۔ تمہیں فریاد یہاں
 پکڑ کر لایا ہے۔"

اس بار میں نے اپنی آواز میں پوچھا جس اتنا ہی سمجھ پائے
 یا آگے پیچھے بھی سمجھ میں آ رہا ہے؟
 وہ بولا "آخر تم ظاہر ہو گئے؟"
 "تم لوگوں کو ظاہر کرنے کے بعد ظاہر ہو رہا ہوں۔ اور میرا
 والی چھت پر بیٹی کے دماغ میں میری ہوکن ہے۔ اس سے پہلے
 پارکن تھا۔ اپنے کچھ اور بندوں کو بلا لو تاکہ وہ ایک ایک پل
 رپورٹ کوڈنڈن برنز تک پہنچاتے رہیں۔"
 وہ بولا "ہا ہمارا معاملہ ہے۔ تم خواہ خواہ جان شیراز
 یہاں کیوں لاتے ہو؟"
 "پہلے تم لوگوں نے کی ہے تم بیٹی کو لائے ہو میں باپ کو
 ہوں۔ اور دونوں باپ بیٹی نام نداد مسلمان اور پاکستانی ہیں۔
 تجارت کے شعبے میں یہ جان شیراز جس طرح میرے ملک یا
 نہیں منافع کمانے کے مواقع دے رہا ہے اس قدر ہی اور وہ
 فروشی کی سزا موت ہے۔"
 "تم پچھتاؤ گے فریاد!"
 "اس کی موت کے بعد میں تمہیں پچھتانے کے سچے سکھاؤں
 گا۔ میں اعلان کر چکا تھا کہ میری بیوی بچن کا دواڑہ عوامی عدالت
 دواڑہ ہے۔ جب قانون ہے بس ہو جائے گا اور عدالت کو شور
 اور گواہ نہیں ملیں گے تب میری بچن کے دواڑے پر عدالت
 کی۔"
 جان شیراز نے کوٹ کے اندر سے رپورٹ نکال کر ایک ہوا
 فائر کیا۔ میں نے اس کے ذریعے بلند آواز سے کہا "سو گریڈ
 افسوس ہے، میں بیٹھی اطلاع نہ دے سکا۔ یہاں ایک ہنگام
 عدالت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔"
 اس نے دوسرا ہوائی فائر کیا۔ بار بار فائرنگ ہو اور لوگ
 آئیں؟ ایسا ہوتا نہیں ہے۔ اس لئے بھڑکتے گئی۔ اس بار بار
 شیراز میری مرضی کے مطابق اپنی آواز میں بولنے لگا۔
 "سو گریڈ نام نداد مسلمان ہوں۔ یہودیوں کا دلال ہوں۔ تم
 تک مجھے کوئی قانون کا محافظ کرنا نہ کر سکا۔ لیکن فریاد علی تیرور
 موت کے دواڑے پر پہنچا رہا ہے۔ میں اپنے جرائم کا اعتراف
 کرتے ہوئے خود کو موت کی سزا دے رہا ہوں۔"
 اس نے رپورٹ کی بال کو اپنی کینچی سے لگایا۔ سامنے
 چھت سے بیٹی کی چیخ سنائی دی۔ "شیں ڈیڈی! نہیں۔"
 وہ آگے کچھ نہ کہ سک۔ غامض کی کوٹھی ہوئی آواز میں
 کی آواز گم ہو گئی۔ جس دور میں سے میرے گھر میں جھانکے
 تھے وہ آنکھوں سے سرک کر گھر میں بھول گئی۔ کسی کی جا
 موت دیکھنے کے لئے دور بین ضروری نہیں ہوتی، دور بین لازمی
 ہے۔
 اب ان کی باری ہے، جو یہودی مصنوعات پاکستان
 فروخت کر رہے ہیں۔

"مائنٹن پلر انشیں!"
 (توجہ فرمائیں! توجہ فرمائیں!)
 اسے ڈنجر میں ہیروز تاشپ ان دی ہارٹ آف
 نیل۔"
 (ایک خطرناک محض ملک اسرائیل کے قلب میں اپنے قدم
 والا ہے۔)
 یہ آواز نیوارک سے تل ابیب تک گونج رہی تھی یہ اطلاع
 رائیڈ کے ذریعے سنائی دی۔ سول اور فوج کے سرانجاموں
 نی۔ اعلیٰ حکام اور اعلیٰ فوجی افسران نے پہلے تو اسے چکانہ سی
 سمجھ کر نظر انداز کیا پھر ان کی راتوں کی نیڈس حرام
 رات کے ایک دو بجے بیٹی فون کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ ان
 مددگار ان کے تمام سیکرٹریز فون انڈیکس کرتے تھے اور جو اپنے
 در اعلیٰ آفیسر کو نیند سے بیدار نہیں کرنا چاہتا تھا اس کے دماغ
 نزل پیدا ہو جاتا تھا۔
 ان حالات میں تمام اعلیٰ مددگار ان کو فون اور ٹرانسپیر انڈیکس
 دیا کیونکہ تمام سیکرٹریز کے اندر ڈزٹرل پیدا ہونے سے اس نے
 لے کی اہمیت کو تسلیم کرنا لازمی ہو گیا تھا اور یہ تصدیق ہو گئی تھی
 ڈنجر میں آ رہا ہے اس کا تعلق ٹیلی فنی ہے۔
 امریکی اور اسرائیلی وزارت خارجہ کے درمیان ایک ایک
 میں رابطہ ہو رہا تھا دونوں ممالک کے متعلقہ افسران اطلاع
 والے سے پوچھ رہے تھے "تم کون ہو؟ اسرائیل کے قلب
 ریم رکھنے والا وہ ڈنجر میں کون ہے؟ اسرائیل کے قلب
 رادیت المقدس سے یا تل ابیب؟"
 اطلاع دینے والے نے جواب دیا "اس کا جواب کل لے
 یہ خوف اور پریشانی میں جھلا کرنے والی بات تھی۔ اب انہیں
 انتظار کرنا تھا۔ دونوں ملکوں کے بڑے شہروں میں بڑے بڑے
 اردوں کے ہنگامی اجلاس ہونے لگے۔ امریکا کا کافی الجال کوئی
 نا نہیں تھا لیکن وہ اسرائیل کے لئے فکر مند تھا کہ وہاں کون
 ہے اور اس ملک میں کیا ہونے والا ہے؟
 پراسٹروٹلی میں نے کہا "میں تو یہودیوں کے بہت سے دشمن
 خود ہم ان سے پریشان رہتے ہیں لیکن مصطفیٰ دشمنی نہیں
 نہ کل کو دشمنی کرنے والے صرف مسلمان ہیں۔ کیا آپ
 لستے ہیں؟"
 اجلاس کے حاضرین نے تائید کی۔ پراسٹروٹلی نے کہا "وہ
 ان میں ٹیلی فنی جاننے والوں سے تعلق رکھتا ہے اور فریاد کے
 ٹیلی فنی جاننے والوں کی فوج ہے۔"
 جان لیوڈا نے کہا "میں خیال خوانی کے ذریعے اس اطلاع
 والے کے دماغ میں پہنچنے کی ناکام کوششیں کر چکا ہوں۔ وہ

سامن روک لیتا ہے اس ٹیم میں سب سے ڈنجر میں فریاد
 ہے کیا فریاد اسرائیل کی زمین پر اطلاع دے کر قدم رکھنے کی
 حماقت کرے گا؟"
 ایک اعلیٰ افسر نے کہا "اس سے پہلے فریاد اپنی کئی ڈی
 اسرائیل پہنچا چکا ہے۔ ایک اور پہنچا رہا ہے۔ اگر اس ڈی کو مار ڈالا
 گیا تو فریاد کا کچھ نہیں بکے گا۔"
 پراسٹروٹلی میں نے کہا "فریاد کی ڈی جہاں بھی دواڑہ کی گئی
 اس کی پہلے اطلاع نہیں دی گئی۔ کبھی یہ نہیں کہا گیا کہ کوئی
 خطرناک بلا آ رہی ہے۔ اگر ہمارے اعلیٰ افسر کے خیال کے مطابق
 اسرائیل پہنچنے والی ڈی کو مار ڈالا گیا تو پھر وہ ڈنجر میں تو نہ رہا وہ
 تو کوئی چڑا ہو گا۔"
 ایک نے پوچھا "پراسٹروٹلی ہمارا کیا خیال ہے؟"
 وہ بولا "جب تک بات کی نہ کہ نہ پتھوں کچھ یقین سے نہیں
 کہ سکا۔ یہ ضرور کہوں گا کہ وہاں فریاد نہیں جائے گا۔"
 دوسرے نے کہا "تو پھر اس کے دو بیڑوں میں سے کوئی جائے
 گا۔"
 پراسٹروٹلی نے کہا "آج تک فریاد کی فیملی میں کسی نے یہ دعویٰ
 نہیں کیا کہ وہ قیامت ہے۔ طوفان ہے اور ڈنجر میں ہے۔ نہیں
 وہ دعویٰ نہیں کرتے جو کرنا ہوتا ہے کہ گزرتے ہیں اس لئے فریاد
 کا کوئی بیانیہ اسرائیل نہیں جائے گا۔"
 "تو پھر؟"
 "پھر کاروبار کل ہی لے گا۔"
 دوسرے دن تمام عہدیدار ٹیلی فون ٹرانسپیر اور ٹیکس مشین
 کے پاس بیٹھے ہوئے تھے لیکن اطلاع دینے والے نے دماغی رابطہ
 کیا اور کہا "میں تمہارے پاس ہوں۔"
 ایک یہودی افسر نے اعلیٰ حکام اور افسران سے کہا "سرا! وہ
 میرے اندر بول رہا ہے۔"
 سب نے اسے توجہ سے دیکھا۔ اطلاع دینے والے نے افسر
 کی زبان سے کہا "ہاں میں خیال خوانی کی قوت سے بول رہا ہوں۔
 وہ ڈنجر میں آ رہا ہے۔"
 ایک نے سوال کیا "بیٹھی اطلاع کا مطلب کیا ہے؟"
 "مطلب یہی ہے جو پورا ہوا ہے تمہارا سکون اور تمہاری
 نیڈس حرام ہو گئی ہیں۔"
 "گواہیں دھمکیوں سے پریشان کیا جا رہا ہے؟"
 "ایک گڈرڈا روز چننا تھا، شیراز آیا۔ لوگوں نے اسے
 دھمکی یا شرارت سمجھ لیا۔ پھر ایک دن جی جی شیراز آیا اس لئے
 دھمکی محض دھمکی نہیں ہوئی۔ دھماکین جاتی ہے تو سوچنے کا وقت
 گزر چکا ہوتا ہے۔"
 "تم خواہ خواہ خود کو پراسٹروٹلی رہا ہے ہو۔ ایک احتیاج بھی یہ

کہہ سکتا ہے کہ تم فرماؤ۔
”بے شک! اس حق پر کیس گے“

وہ جھینپ گیا، پھر بولا ”چلو اچھا ہوا کہ فرما نہیں ہے۔ وہ
ڈیجریس میں ہماری زمین پر قدم رکھتی ہی حرام موت مرے گا۔“
”اس کے قریب کوئی جائے گا تو وہ خود مرے گا اور اس کے
قریب جانے کا مطلب ہی اپنی زندگی ہارنا ہے۔“
”تمہارا خیال ہے اسرائیل میں فوج، ہتھیار اور یکمونی جیسی
کوئی چیز نہیں ہے؟“
”ضرور ہے لیکن سب چیزیں بے اثر ہو جائیں گی۔ وہ آئے تو
آزاد لیتا اور ہاں وہ خائن نہیں“ اپنی شریک حیات کے ساتھ آ رہا
ہے۔

”آخر بات کھل گئی؟ سوچنا اور فرماؤ آ رہے ہیں۔“
”سوچ سوچ کر پاگل ہو جاؤ پھر بھی کچھ نہیں پاؤ گے۔ ویسے
خدا گواہ ہے فرماؤ اور اس کی ٹیلی کافر وہاں قدم نہیں رکھے گا۔
میں جا رہا ہوں۔“
”ایک منٹ“ اتنا بتا دو وہ کب آ رہا ہے؟“
”اس کا جواب کل ملے گا۔“

یہ پھر جھنجھلاہٹ میں مبتلا کرنے والی بات تھی۔ کئی دنوں سے
سکون نہ تارت کیا جا رہا تھا کہ کوئی خطرناک شخص آ رہا ہے جب آئے
والے کو اہمیت دی جانے لگی تو ایک دن میں ایک ہی سوال کا
جواب دیا جانے لگا۔ دوسرے سوال کا جواب دوسرے دن پر مثال
دیا جاتا تھا اور یہ شخص اور بے کسی میں مبتلا کرنے والا انداز تھا۔
ایک گولڈن برین نے کہا ”دشمنوں کی چالوں سے کچھ سیکھا
کر۔ وہ گالیاں دے تو پیش میں نہ آؤ، وہ پیش دلائے تو برداشت
کو تب ہی تم ٹھٹھوے دماغ سے ہر پہلو پر غور رکھتے ہو۔“
دوسرے گولڈن برین نے کہا ”ہم سوال یہ ہے کہ وہ ہمارے
ملک میں کیوں آ رہا ہے؟ آئے والے کی دلچسپی ہمارے ملک سے کیا
ہے؟“

”آئے والا چیلنج کے انداز میں آ رہا ہے لہذا وہ دوست نہیں
ہو گا مگر اسے ہم سے دشمنی کیا ہے؟“
”ہمارا خیال محوم پھر کفراد کی طرف جاتا ہے۔ پاکستان
میں ہماری تجارتی منافع خوری کا غم ہو گیا ہے۔ اس نے ہمارے
سب سے بڑے ایجنٹ جان شیر یاز کو مار ڈالا ہے۔ اب وہ اپنے کسی
ڈیجریس مین کو یہاں بھیجنا ہے گا اور اس کے ذریعے ہماری خارجہ
و تجارتی پالیسی پر نظر رکھے گا اور معلوم کرے گا کہ اسرائیل کا
کتنا مستحق مال پاکستان میں فروخت ہونے کے لئے نام بدل کر جانا
ہے۔“

”وہ تو خیال خواتی کے ذریعے بھی ایسی معلومات حاصل کر سکتا
ہے پھر ہمارا مال امریکا اور یو کے کے تاجروں کے ذریعے بھی جاتا
ہے۔ فرما دے کسی ایجنٹ کو اسرائیل صرف اس مقصد کے لئے
نہیں بھیجے گا۔“

”مقتصد کچھ بھی ہوں، دشمن نے آئے والے کو معما
ہے۔“
”وہ بھی آئے والا ایک نہیں دو ہیں۔ اور وہ کیفیت
یہاں ہی من مٹانے آ رہے ہیں۔“
”ہو سکتا ہے آپکے ہوں۔“
”جب اعلیٰ نے آپ سے ہیں تو پمپ کر نہیں آئیں گے۔“
”جیسی آئے دو ہو سکتا ہے ہم کھوسیں ہاؤ اور نکلے چاہ۔“
”ہاں اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کسی چیز کی بڑی دھوم دھام سے
ہوتی ہے پھر پتا چلتا ہے کہ اونچی دکان اور پیکا بکوان ہے۔“
”ہمارے اطمینان کے لئے یہ بہت ہے کہ فرماؤ اور اس
بیٹہ نہیں آ رہے ہیں۔“

دوسرے دن اطلاع دینے والے نے پھر رابطہ کیا اور کہ
آ رہے ہیں۔ اگلے دن ٹھیک بارہ بجے جب سورج سر پر ہو
تمہارے سرد پرموجود ہوں گے۔“
ایک اعلیٰ حاکم نے پوچھا ”کیا تم یہ توقع کرتے ہو کہ
بلائے ممالکوں کا استقبال کریں گے؟“
”میں کئی دنوں سے اطلاع دے رہا ہوں، کسی طرح کی
ظاہر نہیں کر رہا ہوں۔ تمہاری عقل جو کبھی ہے وہ کرو۔“
”وہ سب ملک سے آ رہے ہیں؟“
”افق کے اس پار سے۔“

”میں الا قوامی پرواز کے قوانین کے مطابق پہلے سے
کیا جاتا ہے کہ کسی بھی ملک کا طیارہ کتنے ممالک سے گزرے؟
دوٹ لائن کے ہر ملک کو پیشگی اطلاع دی جاتی ہے۔“
”وہ دن بلائے ممالک آجائیں تو ان سے پوچھ لیا کہ
الا قوامی قوانین کی پابندی انہوں نے کیوں نہیں کی؟“
”ہم اس طیارے کو کھانا نہیں بنا رہے کہ گرا کر کتنے ہیں۔“
”ایسی غلطی نہ کرنا۔ اسرائیل کا نقشہ اس دنیا سے
جانے گا۔“

اطلاع دینے والے نے رابطہ ختم کر دیا۔ بین الاقوامی
کے اداروں کے درمیان رابطے ہونے لگے۔ خلائی ایجنٹ
جاسوسی کیمبرے زمین کے ہر حصے سے پرواز کرنے والی چار
تصویریں اُتارے لگے۔ دوسرے دن صبح ساڑھے نو بجے
سیارے سے رپورٹ ملی کہ یونان کے جنوب مشرقی ساحل سے
طیارے نے پرواز کی ہے اور وہ افریقہ کے شمالی سمندروں پر
گرا ہوا اسرائیل کی طرف آ رہا ہے۔

پورے اسرائیل میں سنسنی پھیل گئی۔ ہنگامی حالات کا
پہلے ہی گویا گیا تھا۔ مل ایب اور حوض میں شہروں کو کھول
پارہ نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ پہلے سرکاری لوگ ان مقامات
دیکھنا چاہتے تھے اور یہ توقع کر رہے تھے کہ کوئی غیر متوقع بات
بھی ہو سکتی ہے جس سے شہروں کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔
ٹھیک بارہ بجے وہ طیارہ مل ایب پہنچا۔ انرپورٹ میں نہ

بک فوجی جوان اپنی گنتی کے ساتھ مستند کھڑے ہوئے تھے۔ وہ
ایک چھوٹے سائز کا طیارہ تھا اس میں دس بارہ مسافر بڑا کر سکتے
تھے اس کی ساخت بتاری تھی کہ وہ کسی خاص کمپنی کا تیار کردہ
نہیں ہے بلکہ چند لوگوں نے خفیہ طور سے کیس تیار کیا ہے اور
دی۔ منبھوٹی سے تیار کیا ہے۔

وہ ایک دن دسے پر آکر ٹھہر گیا۔ چند سیکنڈ کے بعد اس کا انجن
نڈ ہو گیا۔ ہزاروں فوجیوں کی نظریں اس طیارے پر مرکوز تھیں وہ
یک بند مٹھی کی طرح تھا۔ پتا نہیں اس کے اندر سے نکلے والے
لوں ہوں گے ویسے یہ اندیشہ تھا کہ پنڈورا کھلنے والا ہے۔
پنڈورا کھلنے کی وضاحت ہو جائے تو بہتر ہے، اللہ تعالیٰ نے
ب یہ ارضی دنیا آباد کی تو یہاں سرسبز ہی سرسبز تھیں۔ کوئی
لکھ دو کا مطلب سمجھتا ہی نہیں تھا، کسی کی آنکھ میں آنسو نہیں آتا
ماہر طرف ہتے مسکراتے انسانی چہرے تھے۔

ایک دن ایک شیطان مفت بوڑھے سے ایک ہنسی مسکراتی
کی کو ایک خوب صورت سی صندوقچی لا کر دی اور اس سے کہہ
اسے اپنے پاس رکھو لیکن اسے کبھی نہ کھولنا۔“

وہ بوڑھا صندوقچی دے کر چلا گیا۔ لوگ اس لڑکی کے ہاں
سے دیکھنے آتے آتے اور کہتے تھے۔ جو صندوقچی باہر سے اتنی خوب
درت ہے وہ اندر سے نہ جانے کتنی خوب صورت ہوگی۔
یہ انسان کی فطرت ہے اس سے کوئی چیز چھپاؤ تو وہ اسے دیکھنے
لے لے بے چین ہو جاتا ہے۔ ہزار منع کرنے کے باوجود وہ اسے
پہ کر ہی دم لیتا ہے۔ اس لڑکی نے وہ صندوقچی کھول دی اس کے
لے ہی چیخیں اُٹھیں اور کراہوں کی آوازیں اندر سے ابھرنی
لگی تھیں اور ہنسی ہنسی دیا میں دکھوں اور بیاریوں کا آغاز ہو گیا۔
وہ صندوقچی پنڈورا کھلنے کے نام سے مشہور ہے اور یہ شخص
بہنچانہ قصہ نہیں درس عبرت ہے کہ انسان خود اپنی نازانی یا کم
لی سے مصیبتوں کو دعوت دیتا ہے۔ ہم نے اسرائیلی حکام کو بار بار
بھانپا ہے کہ پنڈورا کھول نہ کرو، پنڈورا کھلنے سے کھول لیکن انہوں نے
فراس بکس کو اپنے انرپورٹ پہلوایا۔

اب اس پنڈورا کھلنے کو تو کھانا ہی تھا اس کے اندر سے دکھوں
رمبھیتوں کا طوفان کھانا ہی تھا قیام اس طیارے کا کوئی دروازہ
ن تھا۔ پہلے تو سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کدھر سے نکلے گا اور
بزرگ میں کمال سے نمودار ہو گا۔ پھر سمجھ چکے تھے وہ طیارہ لڑ
چاہیے تھیہ شیر خوار بچے کو نکریں مار کر لڑا رہا ہو۔ ایک منٹ
اندروں طیارے کی بہت زوردار آواز سے الگ ہو کر اوپر اٹھ
ہاں فلائی ہو چھت کو دونوں ہاتھوں سے اٹھانے والا جبرائیل
انت قصہ وہاں جیسا تھا تو شخص انسان کم اور دیوتا زیادہ
ہا تھا۔ اس نے سالم چھت کو اٹھا کر دور پھینک دیا۔ فوجی
ان دوڑتے ہوئے دور چلے گئے اور اپنی گنتی کے ساتھ خنی
بش سنبالنے لگے۔ ان کے سینئر افسران انہیں کسی وقت بھی

ناگزرت کا حکم دے سکتے تھے۔

چھت کے کھلنے ہی سوسانہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی وہ بھی قد اور
جسامت میں جبرائیل گرانٹ کے برابر تھی۔ کھینچنے والوں کو سمجھانے
کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ دیوتا کی شریک حیات شی دیوتا
ہے اور غیر معمولی طاقت میں جبرائیل سے کسی طرح کم نہیں
ہے۔ اس نے ایک زوردار بڑک لگا کر طیارے کی دیوار کو لٹات
ماری۔ فلائی دیوار لرزتی ہوئی ایک طرف جھکنے لگی پھر سوسانہ کی
دوسری کھپکھپ دیوار ٹوٹ کر ٹکڑوں کے فرش پر اُتر گئی۔

کسی چشمِ حیرت نے یہ تماشا بھی دیکھا نہ ہو گا جو دکھائی دے رہا
تھا۔ اس تماشے کو قصہ کہانی بھی نہیں کہا جاسکتا تھا کیونکہ موجودہ
سائنسی دور میں فلائی دیوتا ایسی حیرت انگیز خرابی کا رونا ہوا
نہیں کر سکتے ہیں۔ سوسانہ اور جبرائیل بھی ایسے ہی سائنسی تجربات
سے گزرا ہے تھے۔ فلائی دیوتا بنانے والوں نے یہ نیا تجربہ
کیا تھا کہ غیر معمولی قد اور انسانوں کے اندر اگر فلائی ہڈیاں بنائی
جائیں اور اوپر سے گوشت پوست کا ہی جسم رہے تو یہ آدھے
انسان اور آدھے دیوتا کیسے متاثر ہو جائیں گے؟

بڑی تلاش کے بعد سوسانہ اور جبرائیل گرانٹ کا جوڑا ایسے
تجربات کے لئے ملا تھا۔ وہ یوں بھی قدرتی طور پر نہایت ہی شہ زور
تھے۔ امریکا کی ایک ایئر گراؤنڈ لیبارٹری میں ان پر کئی طرح کے
تجربات کئے گئے۔ جیسے جیسے کامیابیاں حاصل ہوتی گئیں، مزید نئے
تجربات بھی ہوتے رہے اس داستان میں ان دونوں کا تفصیلی ذکر
پہلے ہو چکا ہے۔ آئندہ بھی واقعات کے تسلسل کے ساتھ ان کے
ماضی کی اہم باتیں پیش ہوتی رہیں گی۔

میری پہلی کو نیت و بناؤ دیکھنے کے لئے سوسانہ اور جبرائیل
گرانٹ کو پیرس بھیجا گیا تھا۔ یہ دشمنوں کی بدعت تھی کہ سوسانہ
حسن اتفاق سے پارس کے پیکر میں آگئی اور پارس نے اسے اپنی آپا
جان بنالیا تھا۔ پھر یہ رشتہ دائمی اثری گہری اور مضبوط ہو گئی کہ پارس
کے مشورے کو وہ تسلیم کر کے روپوش ہو گئے۔ دونوں کو بڑی
رازداری سے بلا صاحب کے ادارے میں پہنچایا گیا۔ پھر کسی
دوست دشمن نے نہیں دیکھا کہ وہ کہاں ہیں اور انہیں کیسی زندگی
دی جا رہی ہے۔

امریکی سائنس دانوں کے لئے یہ چونکا دینے والی خبر تھی کہ ان
کے تجربات کا جوڑا انسانی دیوتا سوسانہ اور جبرائیل زندہ ہیں اور
برسوں بعد اسرائیل میں نمودار ہوئے ہیں۔

قل ایب کے انرپورٹ پر کئی مقامات پر دی وئی کیمبرے نصب
تھے۔ انرپورٹ پر جو کچھ ہوا تھا اسے سیٹلائٹ کے ذریعے امریکا
میں بھی دیکھا جاتا تھا پھر تمام ممالک کے اخباری رپورٹر زور و فونو
گرا فرزدہاں موجود تھے۔ پہلے کہا جا رہا تھا کہ وہ دونوں یونان یا آس
پاس کے کسی ملک سے آئے ہیں۔ اب امریکا پر الزام عائد کیا جا رہا
تھا۔ ماضی میں سب جانتے تھے کہ دونوں انسانی دیوتا امریکا کی

سپر اسٹروہولی میں اسرائیلی حکام کو یقین دلایا تھا کہ پارس نے سوسانہ اور جازرا کو اغوا کیا تھا اس سلسلے میں بھڑکی وقت بحث ہو سکتی ہے، فی الحال ان دونوں کو نقصان پہنچانے کی تاواہی نہ کی جائے۔ ان پر بندوبست کر لیا جائے بھی اثر نہیں کرتی ہیں۔

وہ دونوں طیارے پر سے چلتا نہیں لگا کر نوے کے فرش پر آگئے تھے اور شانہ بہ شانہ چلتے ہوئے ایئر پورٹ کی عمارت کی سمت بڑھ رہے تھے۔ افسران کے حکم سے فوجی جوان پیچھے ہٹ کر انہیں گزرنے کا راستہ دے رہے تھے۔ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے کہا جا رہا تھا "مسٹر گرانٹ اور مسز سوسائٹ گرانٹ! آج ہم بلائے مہمان ہو۔ ہمارے ملک میں تمہاری آئینہ فراقی قانونی ہے اس کے باوجود ہم امن و امان بحال رکھنے کے لئے تمہیں وہی آئی ٹی بی لاؤنج تک محدود رہنے کی اجازت دیتے ہیں۔ شہروں کی جان و مال کی حفاظت تم پر بھی لازم ہے لہذا ہمارے احکامات کی تعمیل کرو۔"

وہ دونوں چلتے چلتے رک سمیٹنے پر اس گرائنڈ نے منہ اٹھا کر بولنا شروع کیا تو اس کی آواز اسپیکر کے بغیر دور تک گونجنے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا ”ہمیں دیووت ضرور بنایا گیا ہے لیکن ہم انسان ہیں انسانوں کی عزت کرتے ہیں۔ ہم میاں کے برعکس کی جان و مال کی حفاظت اس وقت تک کریں گے جب تک ہمارے اپنے لئے کوئی خطرہ پیدا نہیں ہوگا۔“

سوسائٹ نے بلند آواز سے کہا ”تمہارے بیان کے مطابق
ہمیں ہماری آمد غیر قانونی ہے، جب ہماری آمد غیر قانونی ہے تو
تمہارے احکامات کی تعمیل ہم پر لازم نہیں رہی۔“
وہ کہتے کہتے کہی بھر خطا میں گتے ہوئے ہوئی ”کوئی ٹیل جیسی
جانتے والا میرے دماغ میں آنے کی کام کو ختم کر رہا ہے۔“
جرا مکمل نے کہا ”میں بھی محسوس کر رہا ہوں اور یہ واضح
کرونا چاہتا ہوں کہ تمہارے دماغ حساس بنائے گئے ہیں اور تم نے
غیر مدد تک سانس روکنے میں مہارت حاصل کر لی ہے۔“

سومانہ نے کہا ”ہمیں افوس ہے کہ ہم تمہارے حکم کے مطابق میاں دی آئی لاؤنج تک محدود نہیں رہیں گے۔ یہ ہمارے کھانے اور پھر کچھ دیر آرام کرنے کا وقت ہے لہذا ہم فائو اسٹار ہوٹل جارہے ہیں۔“

وہ عمارت کے اندر سے گزرتے ہوئے ایئر پورٹ کے احاطے سے باہر آئے۔ دور تک کوئی شہری نظر نہیں آ رہا تھا۔ صرف مسلح فوجی اور ان کی گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ جرائل نے ایک انفر سے کہا ”یہ ٹرک خالی کرنا اور ہمیں ہولٹ پھانڈا۔“

”انہیں ہو مل چنچاؤ“ ابھی ان کے متعلق کچھ اہم فیصلے ہو رہے ہیں۔“

تمام اعلیٰ عمدیداران اور اعلیٰ فوجی افسران ایک بڑے ہال میں موجود تھے ان کے سامنے اور دائیں بائیں رکھے ہوئے ٹی وی

اسکرین پر گولڈن برنز نظر آرہے تھے اس کے علاوہ ہال میں اور بھی بے شمار ٹی وی تھے جن کی اسکرین پر سوسائٹ اور جبرائیل وقتاً فوقتاً دکھائی دیتے تھے۔

ایک گولڈن برن نے کہا ”جو طیارے کی چھت اور دیوار توڑ سکتے ہیں وہ ہمارے خونیں کومارزوں سمیت اٹھا کر پھینک سکتے ہیں گولیاں ان پر اثر نہیں کریں گی لہذا جب تک ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچے انہیں اپنی من مانی کرے دو۔“

ایک حاکم نے کہا ”لیکن یہ ہمارے ملک کی اور ہمارے قوانین کی کھلی توہین ہے۔ یہاں ہونے والے تماشے ساری دنیا دیکھ رہی ہے۔“

’کولڈن برسن نے کہا ”دنیا ہمارا مبرا اور امن پسندی بھی دیکھ رہی ہے۔ ہماری توہین نہیں ہو رہی ہے،“ آپ یہ بات دماغ سے نکال دیں۔“

ایک اعلیٰ فوجی افسر نے کہا ”ماضی میں یہ دیکھا گیا ہے کہ تیزاب کے ذریعے دونوں انسانی رگوں کا گوشت اور پوست مٹل جاتا ہے ان سے نجات کا آخری طریقہ یہی ہوگا۔“

دوسرے گولڈن برین نے کہا "یہ نہ بھولو کہ دونوں کو برسوں روپوش رکھ کر طرح طرح کی تربیت دی گئی ہے ان کے داغوں کو حساس بنایا گیا ہے۔ پہلے ایسا نہیں تھا اب وہ چندہ منٹ تک سانس روک لیتے ہیں جب ان کی حفاظت کے ایسے انتظامات کئے

حمے میں ہو گیا انہیں تیزاب کا کوئی توڑ نہیں سکھایا گیا ہوگا۔“

تیسرے گولڈن برن نے کہا ”ان تیزاب ضرور آزما جائے گا لیکن آزما نے کا طریقہ ایسا ہوگا کہ ہم پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔ ابھی ہم ممبر کریں گے ان سے غذا کرات کے لئے اپنے روپے میں لگ بدمار کرتے رہیں گے۔“

ایک اور گولڈن برین نے کہا ”ہم نے کپیٹرڈ ڈسک میں چند اہم سوالات فیڈ کئے ہیں۔ آپ لوگ ان سوالات کے مطابق ان سے مذاکرات کریں۔“

دوسرے ٹی وی اسکریں پر سوسائٹ اور جبرائیل نظر آ رہے تھے وہ ہوٹل کے کچن میں تھے اور کھانے کی جو چیز ہاتھ لگ رہی تھی اسے کھاتے جارہے تھے وہاں کے ملازمین خاموش تماشا ہی بنے ہوئے تھے۔ فوجی افسر نے نیچرے کمرہ کھاتا تھا کہ وہ دونوں جس کمرہ میں رہتا پسند کریں اس کا دروازہ ان کے لئے کھول دیا جائے۔ کچھ پاگل اور خطرناک لگ رہے ہیں لیکن نارمل ہیں، ہوٹل کے مسافروں کو نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔

فوجی افسر کو پیغام ملا کہ وہ دونوں کو نذر اکرات کے لئے آنا کہے اور انہیں آؤ بیڑ میں لے آئے۔ افسر نے ان سے درخواست کی۔ جہاز کے لئے کہا "سوری"، ہم کھانے کے بعد آرام کرتے ہیں۔ دو گھنٹے بعد ہی کسی سے مل سکیں گے۔"

سوماند نے کہا "ملاقات کی بھی ایک شرط ہے جب ہم دمچے

مدد ہوئی سے نکلیں تو شہری بدلتی مجال ہو جائے، دکانیں کھلی جائیں، ٹرانزیک جاری رہے اور لوگ آزادی سے گھومتے پھرتے نظر آئیں۔ ہم انسانوں کے شہر میں آئے ہیں اور تم لوگوں نے اس شہر کو قبرستان کی طرح دیران کر دیا ہے۔“

افسر نے یہ شرط اپنے اوپر والوں تک پہنچا دی۔ اور ایک نئی جلی جیتی جانے والی رانا آرسی تھی۔ یہودی اکابرین اسرائیل پر اس کا استقبال کرتے آئے تھے۔ یہ ان کے لئے دنیا کی ہر خوشی سے دھ کر خوشی کا موقع تھا کہ ان کے نئے جیتی جانے والوں میں ایک رو کا اضافہ ہو رہا تھا اور یہ حساب کر کے وہ خوش ہو رہے تھے کہ زیادہ فیصلی میں چھ خیال خوانی کرنے والے ہیں 'اب ان کے پاس مئی چھ عدد ہو گئے ہیں۔

خوشیاں بھی تھیں اور پریشانیاں بھی۔ اے سوچنے پر سوسانہ
 درجہ کا مصیبت نہ کر آجکے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ رانا کی
 اہم شہزادہ اور رے کا تو وہ کواری محسوس کرے گی۔ شہ بھی
 کر سکتے تھے کہ اس کی آمد پر کسی کوئی خوشی نہیں ہوگی ہے پھر
 دوسانہ اور جبرائیل کے دوتے تھے، تو یہ کہ شہزادہ امان و امان
 ائم رہے گا لہذا انہوں نے ریٹو اور بی بی کے ذریعے ہندوستان ختم
 لہوں اور حکم دیا کہ تمام دکانیں کھولیں جائیں تاکہ شہر کی رونق
 نہ آئے۔

اور اٹھ اٹھ آئے۔ پہلے انہوں نے اپنے ہاتھوں خیال خانی
کے والوں کو ان کی رہائش گاہوں تک محدود کر دیا تھا کہ کسی
سے اور اٹھا سا مان نہ ہو۔ گولڈن بریڈز نے یہ طے کیا تھا کہ اسراہیلی
یال خانی کے والوں کو ایک دوسرے سے نہیں ملنا چاہئے۔ دشمن
کی ملاقات سے فائدہ اٹھا کر انہیں ایک ساتھ ٹرپ کر سکتے
ہے۔

سوسائٹ اور جبرائیل کی آمد کے باعث پانچوں بھائی بیٹی جانے لے اسرائیل کے مختلف شہروں میں رائلز کے لئے چلے گئے تھے۔ صرف رائلز ایب ہیٹی بھی اس کے ساتھ ایڈری فز (علی ہوں) تھا۔ سوسائٹ اور جبرائیل نے آکر تو صرف حیارے کی چھت ڈرائی تھی۔ یہودی اکابرین کو یہ معلوم ہوا کہ سرزمین اسرائیل پر نے قدم رکھا ہے تو ان کے پیروں سے زمین نکل جاتی۔

ہم باقاعدہ پلاننگ سے کام کر رہے تھے لیکن ہماری پلاننگ میں شامل نہیں تھا کہ علی تیمور اسرائیل جائے گا۔ ہم تو علی کے خالق جانتے بھی نہیں تھے کہ وہ کہاں ہے؟ جس اس کی زندگی اور لامتناہی کا یقین تھا۔ اس کے جھٹکنے رہنے اور اسرائیل پہنچنے کا علم کسی کو نہیں تھا۔ یہ سراسر قدرت کا کھیل تھا۔

تھے تاکہ لانے کے لئے صرف ایسے عہدیدار جن میں جو بھگت کے ماہر
ان کے ہم کسی کو آواز نہ کرنا یا ایڑی فشرک نہ بنیں۔ ان
ایک خیال خوانی کرنے والے اعلیٰ تہذیب کے داغ میں چپ چاپ
نچا ہوا تھا اور اس کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ رائے کے بیان کے

مطابق اس کے چور خیالات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایڈمی فشر ہے
نسلا سودی ہے اور اپنی یادداشت کھوجکا ہے۔

خیالات پر جننے والے نے علی کے داغ میں سوال پیدا کیا کہ وہ اپنی بچلی زندگی بھول چکا ہے تو اسے اپنا نام اور مذہب کیسے یاد ہے؟

علی کے دماغ سے جواب ملا ”راٹما اے شادی سے پہلے جانتی تھی۔ شادی کے بعد ایک حادثے میں اس کی یادداشت ختم ہو گئی ہے۔“

ٹیلی پتھی جانے والے جے مورگن نے ایڈری فشر کے متعلق یہ تمام باتیں گولڈن بریڈ کو بتائیں۔ ایک گولڈن بریڈ نے کہا ”راٹنا ہماری پناہ میں آئی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہماری وفادارین کر رہی ہے۔“

دوسرے نے کہا ”بے شک، حب وہ اپنے وطن میں اسنے حکام کی پابندیاں بھڑا دے نہ کر سکی تو ہماری پابندیاں بھی اسے گوارا نہیں ہوں گی اور پھر نہیں یہ ایسی نشر حقیقتا کون ہے جسے اپنا یہودی شوہر بنا کر لائی ہے۔“

تیسرے گولڈن برین نے کہا "حقیقت چھپ نہیں سکے گی۔
جے مورگن، تم آج رات رٹنا کو دماغی کنزروی میں بٹھانے دو
اس کے چور خیالات پر صومہ-دودھ کا دودھ اور پانی کا باپا، مہا نئے
گاہ۔"

ایم اے راحت کے سنسنی خیز ناول

عمران، نامہ افریڈی اور پیو فیرواری
دی تین ہنگامے
طنز و مزاح سے دھریور

کتاب گزین

قیمت فی کتاب
۱ روپے

بابا مگروٹا

ڈاکٹر پی ٹی کتب
۲ / ۱۰ روپے

ادب و صحرا

دکان دار علی

چاروں کتبہ بی ایک ساتھ منگائے پورے اکسیرج معاف
کتابیات پبلی کیشنز۔ پوسٹ بکس ۳۳ کراچی

سے مرگئے تھے کہا "ہی ہاں" رانما کے چور خیالات دہننے کا موقع ملا تو وہ اپنے ساتھی ایڈی فشر کی حقیقت بھی اگل دے گی۔" سلطان اور سلمان خیال خوانی کے ذریعے سوسائٹ اور جبرائیل کے پاس موجود رہتے تھے۔ ان دونوں کے ساتھ جو فوجی افسر گائیڈ کے طور پر رہتا تھا، سلمان نے اس کے خیالات سے معلوم کیا کہ آج رانما نامی ایک ٹیلی بیٹھی جاننے والی آئی ہے اور اس کے ساتھ اس کا شوہر ایڈی فشر بھی ہے۔

سلمان نے بہت کوششیں کیں کہ کسی طرح ایسے عہدیدار کے پاس پہنچے جو رانما کے قریب رہ سکیں تاکہ اس کی ٹیلی بیٹھی جاننے والی کے پاس یاں ہو گا کہ ماہر عہدیدار موجود ہیں اس نے سونا کے پاس آکر تمام روادار سناٹی۔ سونا نے سننے کے بعد کہا "اب وہ لوگ بہت محتاط ہو گئے ہیں۔ تم لوگوں کو اپنے سے اور پرانے ٹیلی بیٹھی جاننے والوں تک پہنچنے نہیں دیں گے۔"

"جی ہاں" اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ٹیلی بیٹھی جاننے والی رانما بھی حساس داغ رکھتی ہوگی اور پرانی سوچی کلموں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیتی ہوگی۔"

"ہاں وہ ایسا کرتی ہوگی لیکن اس کا ساتھی ایڈی فشر شاید یوگا کا ماہر نہ ہو اور ایک بات یاد رکھو یہ یہودی اپنے باپ پر بھی مجبوراً نہیں کرتے ہیں نہ رانما پر بھی مجبوراً نہیں کریں گے دھوکے سے اس کا برہنہ وارث کر کے اسے اپنے ملک و قوم کی وراثت دینا نہیں گے۔ اس وقت تم میں سے کوئی رانما کے پاس رہے تو بازی پلٹ جائے گی۔ رانما ہماری آواز کارن جائے گی۔"

"اس مقصد کے لئے ہمیں ایڈی فشر کے داغ میں ضرور پہنچنا چاہئے میں پھر کوشش کرتا ہوں۔"

جو جو نے سونا کے پاس آکر کہا "مما! میں نے رانما اور ایڈی فشر کی باتیں سمجھ لی ہیں۔ میں فشر تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہوں۔ انکل ثانی کے داغ میں میری ڈیوٹی ختم ہو چکی ہے اور آپ کی شروع ہو چکی ہے۔"

ہمارے چار خیال خوانی کرنے والے چھ چھٹھوں کے لئے ثانی کے داغ میں موجود رہتے تھے اور وہ جان لیوذا کے زیر سایہ ایک ٹرننگ سینٹر میں بیٹھ گئی تھی۔ پراسٹر بولی میں وغیرہ فیصلہ کیا تھا کہ آئندہ سلاوا جوزف (سونا ثانی) کو ٹرانزفارمر مشین سے گزرا جائے گا۔

یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ دوسری ٹرانزفارمر مشین کیسے موجود ہے یا نئی تیار کی جا رہی ہے۔ یہ اندیشہ تھا کہ ثانی پر توجہ عمل کر کے اس کا برہنہ وارث کیا جاسکتا ہے اور ایسا کسی وقت بھی کیا جاسکتا ہے اس لئے ہمارے چاروں ٹیلی بیٹھی جاننے والے باری باری چھٹھوں کے لئے اس کے داغ میں آتے جاتے رہتے تھے۔ سلمان نے جو جو کو اس فوجی افسر کے داغ میں پہنچا دیا جو سوسائٹ اور جبرائیل کا گائیڈ بنا ہوا تھا۔ لیکن باری باری ان دونوں کے اندر موجود تھی اور وہ دونوں اس آؤٹوٹیم میں موجود تھے جہاں چند

اعلیٰ حکام اور اعلیٰ فوجی افسران ان سے مذاکرات کے لئے آتے تھے۔ سوسائٹ اور جبرائیل آؤٹوٹیم کے درمیان اسٹیج پر بیٹھتے ہوئے بہت آہستہ آہستہ گول گولتھا تھا اور چاروں طرف آؤٹوٹیم پر بیٹھنے والے اس گردش کے باعث اسٹیج پر بیٹھنے والوں کو واضح طور پر دیکھتے رہتے تھے۔

ایک اعلیٰ افسر نے اپنے ڈیسک پر رکھے ہوئے ٹائیک ڈریپے کہا "سز سوسائٹ گرانٹ اور مسز جبرائیل گرانٹ! ہم تمہارا لائف سزئی جانتے ہیں۔ تم دونوں امریکی سائنس دانوں کا پیداوار ہو جب تمہیں منظر عام پر لایا گیا تو دنیا تمہارے ذہل اور دیوانہ جیسی غیر معمولی شہ زوری دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ تم دونوں اچانک ہی کہاں بد پوش ہو گئے؟ اور اچانک ظاہر ہو کر ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو؟"

پہلے دونوں خاموش رہے پھر جبرائیل نے کہا "سوسائٹ! یہ پوچھ رہے ہیں۔"

سوسائٹ بولی "نہیں! یہ تم سے سوال کر رہے ہیں۔"

"میں کتا ہوں تم سے سوال کر رہے ہیں۔"

"اور میں کہتی ہوں تم سے پوچھ رہے ہیں۔"

وہاں بیٹھے ہوئے تمام لوگ بھی سوسائٹ اور جبرائیل دیکھ رہے تھے۔ ایک اعلیٰ حاکم نے اپنے ڈیسک پر رکھے ہوئے ٹائیک ڈریپے کہا "ہم نے یہ سوال تم دونوں سے کیا ہے جبرائیل تم ہی جواب دے دو۔"

وہ بولا "آپ کا پہلا سوال ہے کہ ہم کہاں بد پوش ہوئے تھے؟ اگر میں بتاؤں کہاں بد پوش تھے تو بد پوشی کا مقصد فوج ہو جائے گا۔ کوئی جھوٹے والا بھی یہ نہیں بتا کہ جھپٹنے کی جگہ کون تھی اور جھپٹنے کی وجہ کیا تھی؟"

سوسائٹ بولی "دوسرا سوال ہے ہم اس ملک میں کیوں آئے ہیں؟ اس لئے کہ بیت المقدس یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے لئے یکساں مذہبی اہمیت کا حامل ہے ہم اپنے ایمان اور ایمانیت کے باعث یہاں قیام کرنے آئے ہیں۔"

"لیکن تمہیں باقاعدہ پاسپورٹ حاصل کر کے آنا چاہئے تھا۔"

"کیا تم نے مسلمانوں سے یہ ملک چھیننے کے لئے پاسپورٹ حاصل کیا تھا؟"

ایک حاکم نے کہا "مسلمانوں اور عیسائیوں سے پہلے یہودی مذہب آیا۔ یہاں کی زمین یہودیوں سے ہمارا حق ہے۔ جبرائیل نے کہا "عیسائیت آئی تو یہاں یہودیت کمزور پڑ گئی؟ اسلام آیا تو عیسائیت کمزور پڑ گئی؟ آخر کار امریکا یہودیوں کا ملک بن گیا تو نے عربوں سے یہ زمین چھین کر تمہیں دے دی۔ انسانی اور تاریخی کیا ہے؟ طاقت کا ٹھیکل ہے۔ جس شہ زور نے جہاں قدم چاہا وہاں سے کوئی کمزور اسے ہٹا نہ سکا۔"

سوسائٹ بولی "میں نے اور جبرائیل نے بھی شہ زوری سے پہلے

مزم جلیا ہے۔ تمہاری پٹ پر ہر یاد ہے۔ اگر تم شہ زور ہو تو میں ختم کروں اگر کمزور ہو تو میں اسی طرح برداشت کو جیسے مسیحی مسلمان تمہیں برداشت کر رہے ہیں۔"

"کیا تم چنچ کر رہی ہو؟"

"ہمارا یہاں آہی ایک چنچ ہے۔ دیر سے کیوں بگھتے ہو؟"

ایک نے کہا "ہم جانتے ہیں تم دونوں ناقابل شکست ہو۔ ہمارے جیسوں کی توڑ پھوڑ نہیں کی جاسکتی۔ تم یہ ہندو کی گولیاں پھینک کر تمہیں لیکن تیزاب سے تمہاری کھال اور گوشت کو گھایا جاسکتا ہے۔ کیا تم ایذا دتے آئے ہو؟"

"کوئی ایسا ویذا دت نہیں لانا؟ خود تو آتا ہے اور خود کھڑا ہے۔ آئے والے کوئی وقت بتائے گا کہ تیزاب سے ہمارا کچھ بگڑتا ہے یا نہیں دے ہمارے جسم کے کسی ایک حصے کو نقصان پہنچے گا تو ہماری ایک ہستی تباہ ہوگی۔ اگر ہمارے پورے جسم کو نقصان پہنچے گا تو تمہارا پورا ملک کھنڈر بن جائے گا، جب بھی آزمائے کا حوصلہ ہو ہمیں آزمائے گا۔"

ایک اعلیٰ افسر نے کہا "تم دونوں جبرائیل آئے ہو ہمارے لئے ایک بوجھ، ایک مسئلہ ہو اس کے باوجود ہم تمہارے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے تمہارے درمیان ایسا سمجھوتا ہونا چاہئے جس سے دوستانہ ماحول پیشہ قائم رہے۔"

ایک حاکم نے کہا "ہم تمہاری کچھ شرائط ہوں جنہیں ہم تسلیم کریں تو تم دونوں یہ ملک چھوڑ کر جانے پر راضی ہو جاؤ۔"

سوسائٹ نے کہا "ابھی تو ہم رہے آئے ہیں اس لئے جانے کی بات نہ کرو۔ پہلے یہی کہہ چکے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں کہ جب تک ہم محفوظ رہیں گے تب تک یہاں کسی فرد کو ہماری طرف سے نقصان نہیں پہنچے گا اور تمہاری خواہش کے مطابق دوستانہ ماحول قائم رہے گا۔"

"ہم چاہتے ہیں کہ تم دونوں ہمارے نکلی معاملات میں بھی مداخلت نہ کرو۔"

جبرائیل نے پوچھا "کیا تم دوسرے ملکوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے ہو؟"

"ہم سیاسی حالات کی بنا پر ایسا کرتے ہیں۔"

"ہم بھی سیاسی حالات سے مجبور ہو کر ایسا کریں گے۔"

"تم دونوں کو کس ملک کے سیاسی حالات سے دلچسپی ہے؟"

"انی الحال پاکستان سے ہے۔"

سب نے جیسے کسی سانس لی۔ ایک نے کہا "بات صاف ہوگی! فرمادے تم دونوں کو ہم پر مسلط کیا ہے؟"

جبرائیل نے پوچھا "یہ بات کیسے سمجھ میں آئی؟"

ایک اعلیٰ حاکم نے کہا "فرماؤ کہ شکایت ہے کہ پاکستان میں ہماری ختمہ تسلیم سرگرم عمل ہے۔"

سوسائٹ نے پوچھا "کیا یہ شکایت ہے یا ہے؟"

پہلے شکایت بجا تھی اب ہے یا ہے۔ جب سے فرما دے

پاکستان میں رہائش اختیار کی ہے۔ ہماری تنظیم کے تمام لوگ وہاں سے نکل آئے ہیں اب وہاں ہماری کوئی سرگرمی نہیں رہی ہے۔"

جبرائیل نے کہا "اگر یہ سچ ہے تو پھر اطمینان رکھو! ہم سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا لیکن یورپ اور امریکا میں تمہاری تباہ کردہ مصنوعات میں سے کوئی بھی مال نام بدل کر یا لیبل بدل کر پاکستان جانے کا تو ہم یہاں تمہاری مصنوعات کو تباہ کریں گے۔ ٹل ایب! جسے اور سے یہ وہم کی ملوں اور ٹیکسٹوں کی کوئی مشین سلامت نہیں رہے گی۔"

تھوڑی دیر کے لئے بالکل ہی خاموشی چھا گئی پھر ایک نے کہا۔ "میرا تعلق اسرائیل کے محکمہ خارجہ سے ہے میں وعدہ کرتا ہوں بالواسطہ یا بلاواسطہ ہمارا کوئی تجارتی تعلق پاکستان سے نہیں رہے گا۔"

جبرائیل نے کہا "یورپ اور امریکا کا کوئی بھی صنعت کار جو یہودیوں سے کسی طرح کا تعلق رکھتا ہے اس کا کال بھی پاکستان سے نہیں جائے گا۔"

"ٹھیک ہے" وہ تمام صنعت کار یا تو ہم یہودیوں سے تعلق ختم کریں گے یا پھر پاکستان میں اپنی مٹی مشینیں قائم نہیں کریں گے لیکن انہوں نے ہمیں دھوکا دے کر ہمارا مال وہاں فروخت کرنا چاہا تو ہم کیا کر سکیں گے؟"

سوسائٹ نے کہا "دھوکا دینے والوں سے فریاد علیٰ بیورو پاکستان میں خود نمٹے لے گا۔ اس کے پاس جھوٹ اور قریب کو بگھٹنے کے بہت سے ذرائع ہیں۔"

"اس کے پاس بہت سے ذرائع ہیں پھر تم دونوں کا یہاں رہنا کیا ضروری ہے؟"

سوسائٹ نے کہا "ہم صرف اس لئے ہیں کہ تم موت کو یاد کرتے رہو یہاں سمجھو میں سونا ہوں۔"

جبرائیل نے کہا "اور میں فراد ہوں ہمیں دیکھتے رہو گے تو غلطیوں سے پرہیز کرتے رہو گے۔ دہنے والوں کے سامنے استاد موجود نہ ہو مگر اس کا ڈنڈا رکھا ہو تو وہ دہنے والے سم کر شرارتیں نہیں کرتے! اپنا سبق پڑھتے رہتے ہیں۔"

جو جو یہ باتیں سن رہی تھی اور اعلیٰ عہدیداروں کی بے بسی دیکھ رہی تھی۔ وہ سب حاکم بن کر بول رہے تھے مگر ان دونوں کو کسی طرح حکوم نہیں بنا سکتے تھے وہ سچ بچ استاد کے ڈنڈے کی طرح ان کے سامنے تھے۔

جو جو خاموشی سے خیال خوانی کرتی رہی تھی وہ پانچ عہدیداروں کے داغوں میں بیٹھ چکی تھی، باقی سات عہدیداروں نے اس کی آمد پر سانسیں روک لی تھیں۔ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ سوسائٹ اور جبرائیل کے پاس جو ٹیلی بیٹھی جاننے والے موجود رہتے ہیں وہ ان کے داغوں میں بھی آئے گی کی کوشش کریں گے۔ ان میں سے دو چارے جبرائیل سے کہا "تمہارے خیال خوانی کرنے والے ہمارے اندر آتا چاہتے ہیں لیکن ہم نے اپنے داغوں کو فولادی قلعہ

بنالیا ہے اب یہاں کوئی داخل نہیں ہو سکے گا۔“

ایسے دعوے کے باوجود جو جو نے ایک اعلیٰ حاکم کے خیالات پڑھ کر معلوم کر لیا کہ رانما نامی ایک نئی ٹیلی ویجی جاننے والی اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہے اور اب مختلف اسرائیل میں ٹیلی ویجی کا علم رکھنے والے چھ عدد ہو گئے ہیں۔

جو جو نے میرے پاس آنکر یہ رپورٹ دی پھر کہا ”پاپا! ہم سب ثانی کے دماغ میں رہنے کے لئے پاری پاری چھ کھٹے کے لئے جاتے ہیں جس میں ثانی کے پاس بھی تو اس کے ذریعے دوسرے فوجیوں کے دماغ میں جاتی رہی۔ ایک افسر کے خیالات سے پتا چلا کہ ان کی ایک ٹیلی ویجی جاننے والی کس قسم ہو گئی ہے۔ اس ٹیلی ویجی جاننے والی کی ڈیوٹی ان سرانفرانوں کے ساتھ تھی جو تک فرنا خدو پر کڑی نظر رکھتے تھے۔“

یہ باتیں سن کر میں سوچ میں پڑ گیا لیکن اور سلطانہ نے بتایا تھا کہ علی تیمور کی شخصیت بدل کر اسے جان کارلو یا کر ایک انجینئری حیثیت سے کنگ فرنا خدو کے ایک پروجیکٹ میں بھیجا گیا ہے۔ میں نے جو جو سے کہا ”بیٹی! اس افسر کے خیالات سے معلوم کر دو کہ ان کی ٹیلی ویجی جاننے والی کس دن اور کس تاریخ کو تم کو ملے گی۔“

جو جو چلی گئی۔ میں نے سلطانہ کے پاس آکر پوچھا ”علی جان کارلو کی حیثیت سے پروجیکٹ میں کام کر رہا تھا وہ کس دن اور کس تاریخ کو لاپا ہوا تھا؟“

سلطانہ نے دن اور تاریخ بتائی۔ اور میرے جو جو نے آنکر وہی دن اور وہی تاریخ بتاتے ہوئے کہا ”یہ رانما اسی دن سے غائب ہے۔“

بات سمجھ میں آنے لگی۔ رانما اپنے سرانفرانوں کے ذریعے کنگ فرنا خدو کے پروجیکٹ میں گئی ہوگی۔ وہاں علی سے سامنا ہوا ہوگا۔ اس نے جان لیوذا وغیرہ سے نجات حاصل کرنے کے لئے توہمی عمل کے ذریعے جان کارلو (علی) کی شخصیت بدل دی ہوگی۔ اسی لئے اب تک نہ ہم جان سکے تھے نہ ہمارے دشمن کہ ایسی فشر کے پیچھے رانما نے علی کو پھینچا ہے۔

میں نے جو جو سے کہا ”سونا! سلطانہ سلطانہ اور علی سے کہ دو مجھے یقین ہے کہ رانما کے ساتھ جو جو ان ہے وہ ہمارا علی ہے۔ کسی بھی طرح اس کے دماغ میں پہنچو ورنہ وہ یودیوں کا قیدی بن جائے گا۔“

وہ چلی گئی میں سوچنے لگا کہ کس طرح اپنے بیٹے کے دماغ میں پہنچوں۔ رانما نے اس کی شخصیت اور اس کا بوجہ بدل دیا تھا۔ جب تک ہم اس کی آواز اور لہجہ نہ سنے ”اس کے پاس پہنچ نہیں سکتے تھے۔“

میں نے مختلف بیودی اکابرین کے ذریعے رانما تک پہنچا دیا۔ پتا چلا کہ اس نئی ٹیلی ویجی جاننے والی کی سختی سے عمرانی اور حفاظت کی جارہی ہے اس کے پاس صرف وہی افسران جاتے ہیں جو لوگا کے ماہر ہیں۔ رانما کا ٹیلی فون اینڈکس کرنے والی سیکریٹری بھی حساس دماغ

کی حامل تھی اور پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیتی تھی۔

میں نے باا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھنے والے ایک جاسوس سے رابطہ کیا۔ وہ فلی ایب میں ایک عیسائی ڈاکٹر کی حیثیت سے رہتا تھا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچا تو مجھ سے پہلے سلمان وہاں پہنچا ہوا تھا اور ہمارے اس ڈاکٹر جاسوس سے کہہ رہا تھا ”مسٹر! سونپا نے دہلیت کی ہے کہ پانی کی سلائی لائن میں اعصابی کڑوری کی دوا کر لو، ہم جس ٹیلی ویجی جاننے والی کو ٹریپ کرنا چاہتے ہیں اسے جینر کی فوجی چھانڈی میں رکھا گیا ہے، وہیں کی پاپ لائن میں دوامانی جائے اور یہ کام کھتے دو کھتے کے اندر ہو جانا چاہئے۔“

میں جس مقدمہ کے لئے جاسوس کے پاس آیا تھا، سونپا نے اس کے پاس پہلے ہی سلمان کو پہنچا دیا تھا۔ وہ بھی وہی طریقہ اختیار کر رہی تھی جو میں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے انہیں اس طریقہ پر عمل کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ وہاں سے میں دوسرے جاسوس کے پاس آیا۔ وہ اپنے ایک قرینیت یافتہ کے ساتھ کارلو میں بٹھائے جینر کی طرف جا رہا تھا۔

وہ ایک بہت ہی چھوٹے سے قد کا تھا۔ سفید ریشم جیسے بالوں میں اس کا پورا جسم چھپا رہتا تھا۔ وہ جاسوس کے ایک ایک اشارے کو خوب سمجھتا تھا۔ میں اس سے کہنے آیا تھا کہ وہ اپنے کتے کے گلے میں ایک پاؤز فل انجیکٹر فون پنے کی طرح باندھ دے، یوں بھی کہتے کہ کتے بالوں کی وجہ سے چھوٹا سا ٹانگ نظر نہیں آنے گا۔ کتے کو اس رہائش گاہ میں جانے کے لئے چھوڑا جائے جہاں رانما اور علی کا قیام تھا۔ دوسری طرف کارلو میں بیٹھا ہوا ہمارا جاسوس اپنے ریسیونگ سیٹ کے ذریعے ٹانگ سے آنے والی آوازیں سن رہا تھا۔ وہ سوکتا ہے وہ کتا علی کے پاس سے گزرے اور ہمیں اس کا موجودہ لب و لہجہ سنائی دے۔

لیکن دوسرے جاسوس کے پاس بھی سونپا نے مجھ سے پہلے علی کو پہنچایا تھا اور جاسوس کو وہی ہدایات دی تھیں جو میں سوچ کر آیا تھا۔ میں مسکرا کر کہہ گیا، کبھی کبھی بھی ٹیلی۔ اوہ میری سوچا تھا اور وہ کرگزرتی تھی میں نے اس کے پاس آکر کہا ”کمال کرتی ہو! میں وہی کہنے لیا تھا جو تم سلمان اور علی سے عطا کر رہی ہو۔ ایسا لگتا ہے تم میرے خیالات پر متنی ہو اور مجھ سے پہلے وہی کرگزرتی ہو۔“

وہ بولی ”تمہیں پاکستان میں اپنا کام کرنا چاہئے۔ اسرائیل میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے میں نمٹ لوں گی۔ خدا نے چاہا تو ہمارے علی کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔“

میں نے کہا ”پریشانی صرف اتنی ہی ہے کہ علی خود کو بھولا ہوا ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو پہچان لے تو پھر اسے ہم میں سے کسی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“

”پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے، علی نے توہمی عمل کے ذریعے صرف اس کی چھٹی زندگی بھلائی تھی لیکن اس کی تمام ذہنی صلاحیتیں اور جسمانی شہ دوزی بدستور موجود ہے۔ اپنی شخصیت کو

بھولنے کے باوجود وہ بے گناہ ہے کوئی اسے چبا نہیں سکے گا۔ تم اپنے معاملات کو دیکھو۔“

میں مطمئن ہو کر وہاں سے چلا آیا۔

جاسوس نے رانما کی رہائش گاہ سے ذرا دور اپنی کار روکی۔ اپنے کتے کو مخصوص اشاروں کے ذریعے سمجھایا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ پھر اس نے کار کے دروازے کو کھول کر کتے کو باہر چھوڑ دیا۔ وہ دوڑا ہوا اس رہائش گاہ کے باؤنڈری گٹ کے پاس پہنچا۔ احاطے کے اندر اور باہر کی سڑک گارڈز نظر آ رہے تھے وہ کنگ کیٹ کی جالیوں کے درمیان سے گزر کر احاطے کے اندر چلا گیا۔ ایک گاڑی نے دوسرے گاڑی سے کہا ”وہ دیکھو کتہ نہیں کتا کہاں سے آگیا ہے؟“

دوسرے نے کہا ”یہاں آس پاس کی کتہوں میں اعلیٰ فوجی افسران رہتے ہیں ان میں سے کسی کا ہوگا۔“

”کچھ بھی ہو، میں اسے باہر بھاگ کر آتا ہوں۔“

وہ گاڑی کتے کو تلاش کرنے کے لئے بچلے کے اندر جانے لگا۔ جاسوس کار اشارت کر کے وہاں سے دور چلا گیا۔ کار کے ڈرائیو بورڈ میں ریسیونگ سیٹ آن رکھا گیا تھا۔ اس میں سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے کتے کو پکڑنے کے لئے کئی گاڑی بھاگتے پھر رہے ہوں۔ ان کی ادھوری باتیں سنائی دیتی تھیں کیونکہ کتا باتیں پوری ہونے سے پہلے کتا بھاگ کر دور کیس چلا جاتا تھا۔

پھر ایک عورت کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی ”یہ کیا تماشا ہے تم لوگ! ایک کتے کو نہیں پکڑ سکتے؟“

علی جاسوس کے دماغ میں وہ کراس عورت کی آوازیں سن رہی تھی۔ وہ وہاں کی گورنس بھی اس رہائش گاہ میں آنے والے فون اینڈکس کرتی تھی۔ سلطانہ نے علی کو بتایا تھا کہ وہ گورنس پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیتی ہے اس لئے علی اس کے دماغ میں نہیں گئی۔

یوں بھی بے طے کیا گیا تھا کہ ہمارے خیال خوانی کرنے والے رانما کے دماغ کو نہیں چھیڑیں گے۔ وہ دوسرے ٹیلی ویجی جاننے والوں کی طرح ہو گا کہ باہر ہوگی اس لئے علی ان گاڑیوں کے دماغوں میں جاتی رہی جو کتے کو پکڑنے کے دوران کچھ نہ کچھ بول رہے تھے۔ وہ لوگ بچلے کے اندر رہتے والوں کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے۔ ان کی ڈیوٹی باہر رہا کرتی تھی۔

ان کے خیالات سے پتا چلا کہ بچلے کے اندر ایک کرے کا دروازہ بند ہے۔ کتا اسی کرے میں کسی کھڑکی کے ذریعے جانا چاہتا تھا۔ اسی وقت ان کے کسی افسر نے کرج کر کہا ”تم سب گھر سے ہو“ اسے کوئی کہیں نہیں مارتے؟ کیا یہ کتا تمہارا بیٹا ہے۔“

یہ آوازیں ریسیونگ کے آگے سے آ رہی تھیں۔ چند سیکنڈز کے بعد ہی غائب ہو گئیں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ گاڑی بکے جاتے تھے لیکن جاسوس نے کہا ”مجھے افسوس ہے“ اتنا زبردست قرینیت یافتہ کتا ہے موت ارا جائے گا۔“

جاسوس نے کہا ”ادام! آوازوں سے پتا چل رہا ہے وہ زندہ ہے بچلے کے باہر کھلی فضا میں آگیا ہے۔“

علی نے کہا ”ہاں اس کے اپنے کی آوازیں آ رہی ہیں یا کتا بڑھ دوڑتا ہوا آ رہا ہے؟ آواز قریب آ رہی ہے۔“

جاسوس نے کار کا دروازہ کھول دیا۔ انجی کو اشارت رکھا۔ کوئی دو منٹ کے اندر ہی کتا دوڑتا ہوا اگلی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ جاسوس نے فوراً دروازہ بند کیا پھر تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا بولا۔ ”ادام! کتا سمجھ گیا تھا کہ بند کرے میں نہیں پہنچ سکے گا اور جان کا خطرہ بھی ہے اسی لئے یہ بھاگ کر چلا آیا ہے۔“

”اس نے ٹھیک ہی کیا۔ رانما اور ایڈی فٹنر اسی بند دروازے کے پیچھے ہوں گے اور یہ بے جا نہ وہاں نہیں جاسکتا تھا۔ ویسے تم نے اسے زبردست ٹریننگ دی ہے جاؤ اب آرام کرو۔“

علی نے سلمان کے پاس آکر اسے یہ واقعہ سنایا۔ اس نے کہا۔ ”ہمارے دوسرے جاسوس نے پانی کی سلائی لائن میں دوامانی ہے۔ تم تیار رہو۔ گورنس جیسے ہی اعصابی کڑوری میں جلا ہو اس کے دماغ پر قبضہ جاکر اسے فوراً علی کے پاس لے جاؤ۔ میں وہاں کے سیکورٹی افسر کو اپنا کتا کاروائیوں گا۔“

مظلوم عورتوں کی بچی داستانیں

مورخہ الزام آدم زادی

مصنف نور حسین شاہ

آدم زادی ان کہانیوں کا مجموعہ ہے جس میں مصنف نازک کے مسائل، مشکلات، اس پر ڈھائے جانے والے مظالم کے سچے واقعات قلمبند کئے گئے ہیں۔

رسماتی اور شہری خواتین کی بچی کہانیاں
ہر عورت کی اپنی داستان

محمد کبیر ٹرانزڈ کتابت۔ مضبوط جلد۔ بہترین طباعت
فخروصورت ناسٹل

قیمت = 50 روپے ڈاک خرچ = 10 روپے
رقم چکی ارسال کرنے پر ڈاک خرچ صاف

کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس 23
رمضان جمیروز۔ ملہوریا اسٹریٹ

آئی آئی چندر گپت روڈ۔ کراچی 74200

لیلیٰ اور سلمان انتظار کرنے لگے۔ وہ دس بندہ منٹ کے وقفے سے گورنر اور سیکریٹری افسر کے دماغ میں جاتے تھے۔ پھر ان کے سامنے روکنے سے واپس آجاتے تھے۔ سرور کا موصاف تھا شاید اسی لئے کسی کو زیادہ پاس نہیں لگ رہی تھی۔ نہ کوئی پانی پل رہا تھا نہ کسی کے دماغ میں جگہ مل رہی تھی۔

بعض اوقات انتظار بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اگر علی تیور تک پہنچنے کی بات نہ ہوتی تو وہ دونوں بے زار ہو جاتے۔ آخر رات کو کھانے کے دوران انہوں نے پانی پلے تو ان کے دماغوں میں جگہ مل گئی۔ جگہ ملی مگر مایوسی ہوئی کہ ان کے زیادہ خیالات بڑھنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ پسلی ان کے چور خیال نے بتایا کہ رانما اور ایڈی فشر اس ہنگامے میں لائے گئے تھے لیکن ایک زیر زمین چور راستے سے انہیں کسی دوسری جگہ پہنچا دیا گیا ہے۔ گورنر اور سیکریٹری افسر جانتے تھے کہ انہیں کہاں لے جا کر چھپایا گیا ہے۔

یودیوں نے خوب چال چلی تھی۔ ہمارے خیال خوانی کرنے والوں کو تمام دن جھانسا رہے تھے۔ یہ بات ہمارے لئے زیادہ تشویش ناک ہو گئی تھی کہ علی تیور کو جانے کہاں لے جایا گیا ہے اور خدا جانے اسے پہچان لیا گیا ہے یا نہیں؟ ہماری دعا بھی کہ وہ نہ پہچانا جاسکے۔

وہ چھ گولڈن رینجز خوب سوچ سمجھ کر چالیں چل رہے تھے جب سے یہ اعلان ہوا تھا کہ اسرائیل میں کوئی ڈیجیٹر میں اپنی دانف کے ساتھ آ رہا ہے تب سے اپنے تمام ٹیلی بیٹھی جانے والوں کو رہائش کے لئے مختلف شہروں میں بھیج دیا گیا تھا۔ رانما کو بھی اظہار حیرت کے ایک ہنگامے میں لے گئے تھے پھر چور راستے سے اسے اور علی کو دوسرے شہر میں پہنچا دیا تھا۔

نہ ایب میں سوسائٹ اور جرائل پہنچے ہوئے تھے۔ ایب جگہ وہ اپنے کسی بھی ٹیلی بیٹھی جانے والے کو رہنے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ سوسائٹ اور جرائل کی تو صرف جسمانی اور ظاہری دہشت تھی کہ وہ انسان سے لے کر ملوں اور ٹیکنیوں کی تو پھوڑ کریں گے لیکن ان کے پیچھے بیٹھے ہوئے فساد اور سونیا کی دہشت نے تینیس ازادی تھیں۔ میں اور میرے تمام ٹیلی بیٹھی جانے والے ان یودی اکابرین کے اندر بارود کی طرح بھڑے ہوئے تھے۔ دن رات یہ اندیشہ تھا کہ ہم انہیں ہم ان کے اندر سے پھٹ پڑیں گے اور یہ تشویش بھی تھی کہ پتا نہیں ہم سوسائٹ اور جرائل کو وہاں پہنچا کر ان کے پیچھے چپ چاپ کیا کرتے پھر رہے ہیں؟

چونکہ وہ بہت زیادہ محتاط تھے اس لئے کچھ کامیابیاں حاصل کر رہے تھے اور ہمیں کچھ ناکام بناتے جا رہے تھے۔ انہوں نے رانما اور علی کو ایک خفیہ پناہ گاہ میں پہنچانے کے بعد یہی کام کیا کہ رانما کو دائمی کنزروی میں جلا کر دیا تاکہ اس کی اور ایڈی فشر (علی) کی اصلیت معلوم ہو سکے۔

رانما نے کافی پینے کے بعد کنزروی محسوس کی تو گھبراہٹ ہوئی۔ علی سے بولی "فشر! ہمارے ساتھ دھوکا ہو رہا ہے۔ میں تمہاری یودی

قوم پر بھروسہ کر کے یہاں آئی ہوں اور ان میرٹوں نے کافی میں ضرور رماں دلا دلا کر مجھے پلائی ہے۔ میں بہت کمزور محسوس رہی ہوں۔"

علی نے کہا "کنزوری کی کوئی دوسری وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ تم اس کے لئے میری یودی قوم کو الزام نہ دو۔ یہی کافی میں پل رہا ہوں اور بالکل ٹھیک ہوں۔"

"میں تم سے بحث نہیں کر سکتی۔ پلینز مجھے سارا دور اور ہسٹ پر چھاپ دو۔" علی نے اٹھ کر اسے سارا دیا۔ وہ بولی "وہ گاؤں میں اپنے بیروں سے چل نہیں سکوں گی فشر! میری مدد کرو" مجھے پیش آئے والے خطرے سے بچاؤ۔"

اس نے رانما کو دونوں بازوؤں میں اٹھالیا پھر بیڈ روم کی طرف جاتے ہوئے بولا "تھیں میری مدد کی نہیں؟ ڈاکٹر کی ضرورت ہے، میں ابھی ڈاکٹر کے لئے کسی کو کتا ہوں۔"

اس نے اسے بستر پر لا کر لایا۔ وہ بولی "ڈاکٹر کو رہنے دو، میں سوتا چاہتی ہوں، مجھے تھکا چھوڑ دو۔ تم دوسرے بیڈ روم میں آرام کرو۔"

رانما نے محسوس کیا کہ یہ باتیں وہ اپنی مرضی سے نہیں بول رہی ہے۔ کوئی اس کے اندر اسے بولنے پر مجبور کر رہا ہے۔ وہ علی کو روکنا چاہتی تھی۔ اس سے کہنا چاہتی تھی "مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ، کوئی میرے اندر ہے، مجھ پر جبر کر رہا ہے، تمہیں مجھ سے دور کر رہا ہے مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔"

یہ باتیں وہ سوچتی رہ گئی بول نہ سکی۔ علی اس کے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے دوسرے کمرے میں چلا گیا تب اس کے اندر پرانی سوچ کی لہر نے کہا "تم ناقص پریشان ہو رہی ہو، ہم تمہارے دوست ہیں۔"

وہ فقاہت سے بولی "دھوکا دیتے ہو اور دوست بھی بنے ہو۔" "یہ مت بھولو کہ تم اپنے ملک کے اکابرین کو دھوکا دے کر آئی ہو۔ تمہاری بھی فریبی عورت ہم سے کس حد تک وفادار رہے گی؟ یہ ہمیں معلوم کرنے دو۔ تمہارے متعلق اہم معلومات حاصل کرنے کے بعد ہم تمہیں اپنی معمول اور تابعدار بنائیں گے۔"

"نہیں! پلینز مجھ پر تو بیٹھی عمل نہ کرو۔"

"ذرا ٹھیک کیوں ہو؟ جب ہماری تابعدار بن کر رہنے آئی ہو تو ہمیں تابعدار بن لینے دو۔"

رانما نے محسوس کیا اس کی آنکھیں بند ہو رہی ہیں وہ سنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اپنی طرح باتیں تھی کہ تینیس ڈیوے ہی اس کے خوابیدہ دماغ پر عمل کیا جائے گا لیکن جاننا اس کے بس میں نہیں رہا تھا۔ پرانی سوچ والا اس کے دماغ پر حاوی ہو چکا تھا۔

وہ پرانی سوچ والا ہے۔ مورگن تھا۔ تمام یودی اکابرین اس پر اس لئے اعتماد کرتے تھے کہ اسے برین آپریشن کے بعد سچا یودی اور پاکہ دانا رہا لیا گیا تھا۔ گولڈن رینجز نے اسے اپنا جاسوس بنایا تھا۔

لیکن وہ ایسے گولڈن رینجز تھے کہ اپنے باپ پر بھی بھروسہ نہیں کرتے تھے جب سے الپا آئی تھی تب سے انہوں نے اسے بھی بڑی ازاداری سے جاسوس بنالیا تھا اور اسے تاکید کی تھی کہ وہ بے درگمی کے معاملات پر نظر رکھے۔

الپا پر اس لئے زیادہ اعتماد تھا کہ وہ پیدائشی یودی تھی۔ انصار مشرین سے گزرنے کے بعد بے مورگن کو پچاس کر سرائیل آگئی تھی اس کی وفاداری پر کسی کو شبہ نہیں تھا۔ وہ اس کے جال میں پھنسے کے بعد اور برین آپریشن ہونے کے بعد بھی اپنی قوم میں واپس آگئی تھی۔

اب صورت حال یہ تھی کہ گولڈن رینجز نے بے مورگن کو رانما پر بخوبی عمل کرنے کی ہدایت کی تھی چونکہ ٹیلی بیٹھی جانے والے سوچ کے ذریعے عمل کرتے ہیں اس لئے کوئی گولڈن برین یہ نہیں سن سکتا تھا کہ بے مورگن کس نوعیت کا عمل کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ رانما کو اس طرح اپنی معمول بنائے کہ وہ یودیوں سے زیادہ بے مورگن کی وفادار رہے۔

گولڈن رینجز نے اپنا شبہ دور کرنے کے لئے اور اپنے اطمینان کے لئے الپا سے کہا تھا "تم آؤں گی ہماری وہ آخر بھی ہماری ہو س لے جب تک بے مورگن تو یہی عمل کرتا رہے تو تم رانما کے دماغ میں خاموشی سے موجود رہو گی۔ اگر وہ ہمارے حق میں رانما کو فساد نہ بنائے تو ٹھیک۔۔۔ اگر وہ اپنے ذاتی مقصد کے لئے اسے ابھارے گا تو تم چپ چاپ اس عمل کو ناکام بنانا۔"

الپا نے کہا "میں یہی کون کی سب سے مورگن کو میری موجودگی کا علم نہیں ہو گا۔ اگر اس کے دل میں بے ایمانی آئے گی تو پہلے میں اس کے عمل کو ناکام بنائیں گی پھر جب وہ رانما کو بخوبی تینیز کے لئے ہموار کر جائے گا تو میں رانما کو اپنی قوم کے حق میں تابعدار بنالوں گی۔"

الپا کی موجودگی نے گولڈن رینجز کو بڑی حد تک مطمئن کر دیا۔ نامہ انہوں نے رانما کی شخصیت تبدیل کرنے اور اسے وفادار بنائے رکھنے کے لئے بڑے ہی محتاط اقدامات کئے تھے۔ بڑی بہت سے تدبیر پر عمل کر رہے تھے۔ مگر فشر بھی اپنا کھیل دکھا رہی تھی۔ یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ ان کا پانا ایک ٹیلی بیٹھی جانے والا انہال "الپا" کے دماغ میں چھپ کر رہتا ہے اور خود الپا نہیں جانتی تھی کہ وہ لاطینی میں دانیال کی معمول بن چکی ہے اور اس کی سوچ لیبروں کو محسوس کرنے کے قابل نہیں رہی ہے۔

دانیال اس کے اندر بیٹھا گولڈن رینجز کی تمام باتیں سن چکا تھا۔ جب سے مورگن نے رانما پر بخوبی عمل شروع کیا تو دانیال لپکے ذریعے وہاں پہنچ چکا تھا۔ یہ اس کے لئے ایک سزا موقع تھا۔ پہلے اس نے الپا کو اپنی معمول بنایا تھا۔ اب رانما کے دماغ پر ہی حکومت کر سکتا تھا۔ اس لئے بڑی خاموشی سے بے مورگن کے بخوبی عمل کو ناکام بنانا تھا۔

ناکام بنانے کے لئے وہ باتیں ضروری تھیں کہ رانما بے

مورگن کے زیر اثر نہ آئے اور مورگن کو یقین ہو تا رہے کہ وہ زیر اثر آگئی ہے اور اس کی معمول بن گئی ہے۔

دانیال نے رانما پر اس حد تک قبضہ جمایا کہ بے مورگن معمول بننے والی کے چور خیالات نہ پھٹ سکے۔ پھر دانیال نے رانما کے لئے اور سوچ میں اپنے طور پر ایسے چور خیالات پیش کرے کہ بے مورگن مطمئن ہو جائے۔

یہ رانما کے دماغ میں تین ٹیلی بیٹھی جانے والوں کی پیروی نکلتی تھی۔ تیسری ٹیلی بیٹھی جانے والی الپا تھی۔ دانیال نے پہلے رانما کے دماغ کو اپنے قبضہ میں رکھا اور بے مورگن کو یقین دلانا رہا کہ وہ فرائس میں آ رہی ہے۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ معمول بن چکی ہے تو اس نے سوالات شروع کئے۔ پہلا سوال تھا "تم اسرائیل کیوں آئی ہو؟"

رانما نے جواب دیا "پناہ لینے۔"

"تم نے پناہ لینے کے لئے اسرائیل کو کیوں ترجیح دی؟"

"اگر میں اسرائیل نہ آتی تو فساد علی تیور کی پناہ میں جاتی۔ میرے یودی شوہر ایڈی فشر کو یہ منظور نہیں تھا۔ وہ چاہتا ہے کہ میری ٹیلی بیٹھی سے یودی قوم کو فائدہ پہنچے اس لئے میں نے اسرائیل کو ترجیح دی ہے۔"

رانما بول رہی تھی اور سمجھ رہی تھی کہ بے مورگن کے فرائس میں نہیں آئی ہے اور اپنے طور پر مکاری سے ایسے جوابات دے رہی ہے۔ دانیال نے اس کی سوچ میں کہا "ہاں مجھے اسی طرح بے مورگن کو جھانسا دینا چاہئے۔"

دانیال تھوڑی دیر تک رانما کے پاس رہا، اس کے جوابات سنتا رہا۔ پھر الپا کے پاس آیا۔ وہ بھی رانما کے دماغ میں تھی اور محسوس کر رہی تھی کہ رانما صحیح طور پر معمول نہیں بن رہی ہے۔ کچھ گڑبڑ ہو رہی ہے لیکن اس سے پہلے کہ وہ گڑبڑ کو سمجھ پائی دانیال اس کے اندر پہنچ گیا۔ اس کی سوچ اور لیبر میں یقین دلانے لگا کہ بے مورگن کامیاب تو یہی عمل کر رہا ہے۔

وہ معمول اور تابعدار تھی۔ دانیال اس کے دماغ میں جو خیالات پیدا کر رہا تھا، اسے وہ صحیح تسلیم کرتی جاری تھی اور دانیال اس کے ذریعے مورگن کے سوالات اور رانما کے جوابات سنتا جا رہا تھا۔

ان تینوں کی کشش سے علی تیور کو فائدہ پہنچ رہا تھا۔ رانما سے جب پوچھا گیا کہ ایڈی فشر کی حقیقت کیا ہے تو اس نے جواب دیا۔ "حقیقت یہی ہے جو سب کے سامنے ہے۔ جیسو نہ یودی ہے۔ میں اس پر ہزار جان سے عاشق ہوں۔ اس لئے خود جسمانی ہونے کے باوجود اس سے شادی کی ہے۔ میں اس کی کسی بات سے انکار نہیں کرتی ہوں۔ اس نے کہا اسرائیل چلو میں یہاں آئی تھی۔"

بے مورگن خوش فہمی میں جھلا تھا۔ رانما کو یودیوں کا وفادار بنانا اور یہ حکم دیا کہ وہ دائمی توانائی بحال ہونے کے بعد اپنے عامل کی سوچ کی لیبروں کو محسوس نہیں کرنے کی اور وہ دماغ میں آئے

گاتر سانس نہیں دے گی۔

پھر وہ اسے توخنی نیند سونے کے لئے چھوڑ کر چلا گیا۔ رانیال نے الپا کے داغ میں خیال پیدا کیا۔ "مجھے بھی رانما کے داغ سے جانا چاہئے" مورگن کا عمل مکمل ہو چکا ہے اور یہ توخنی نیند سوتی رہے گی۔

الپا باقی طور پر اپنی رہائش گاہ میں حاضر ہو گئی۔ وہ ایک نئی دی اور کپیوٹر کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کپیوٹر کے ذریعے گولڈن برنز کو رپورٹ دینے والی تھی کہ بے مورگن نے اتحاد کو دھوکا نہیں دیا ہے اور رانما پر کامیاب عمل کیا ہے۔

اس نے رپورٹ دینے سے پہلے کرسی کی پشت سے ٹپک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ سوچنے لگی "چتا نہیں کیا بات ہے؟ کوئی بات ٹھیک رہی ہے؟"

وہ غور کرنے لگی "آخر بات کیا ہے؟ پھر کچھ ایسا لگا جیسے وہ رانما کے داغ میں نہ کبھی وہاں نہیں رہی تھی اس نے پوری حاضر دماغی سے رانما پر ہونے والے عمل کو نہیں سمجھا ہے۔ اس کے اندر بات پیدا ہوئی کہ عمل کامیاب رہا ہے اور وہ کامیابی کا یقین کر کے رانما کے داغ سے بھی چلی نکلی ہے۔

وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ بے چینی سے ٹپک لگے گی۔ وہ بے چینی پوری طرح سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ایک بار یہ خیال پیدا ہوا کہ رانما کے پاس جانا چاہئے۔ شاید اسے دستور توخنی نیند سونے کی کہ بے چینی دور ہو جائے۔

وہ پھر کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔ اس وقت نئی دی کے پیچھے دیوار لگا ہوا سرخ بلب آن ہو گیا اور بلب کے ساتھ والے چھوٹے الپا کے سے ٹوں ٹوں کی آواز آئی۔ اس نے ٹپک لگے۔ یہ اشارہ تھا کہ گولڈن برنز اس کی رپورٹ کا انتظار کر رہے ہیں۔

اس نے نئی دی کو آن کیا۔ کپیوٹر کے ذریعے یہ تحریر اسکرین پر پہنچائی "پلیز انتظار فرمائیں۔ میں چند منٹ کے اندر رپورٹ پیش کروں گی۔ یہی الحال ہے مورگن پر شبہ نہ کیا جائے۔"

یہ تحریر پہنچا کر اس نے نئی دی آف کر دیا۔ اپنے اندر کی بے چینی دور کرنے کے لئے خیال خوانی کی پرواز کی پھر رانما کے داغ میں پہنچ گئی۔ اسے خاموشی اور سکون سے توخنی نیند سونا چاہئے تھا لیکن اس کے داغ میں خاموشی نہیں تھی کوئی بول رہا تھا اور اس پر توخنی عمل شروع کر رہا تھا۔

الپا حیران رہ گئی۔ وہ رانیال کی آواز اور لے کر پہچان رہی تھی۔ یہی رانیال عامل بن کر سوچ کے ذریعے الپا کے اندر آتا تھا تو وہ اسے محسوس نہیں کرتی تھی کیوں کہ معمول تھی لیکن ابھی وہ رانما کے داغ میں تھا اس لئے الپا نے اس مکان کو پہچان لیا۔

اس نے فوراً ہی گولڈن برنز کو کھٹل دیا پھر کپیوٹر کے ذریعے کہا "سر! ہماری آستین میں سناپ ہیں۔ رانیال نے بے مورگن سے توخنی عمل کو ناکام بنایا ہے اور اس وقت خود رانما پر عمل کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں جو بھی سوالات کرنا چاہیں گے ان کے جوابات

میں خاص دیر ہو جائے گی۔ آپ پہلے رانیال کو توخنی عمل سے روکیں۔"

پھر الپا نے دوسری تحریر اسکرین تک پہنچائی۔ وہاں لکھا "سر! مجھے شبہ ہے کہ رانیال جس طرح رانما پر عمل کر رہا ہے، اس طرح مکاری سے شاید مجھ پر اور بے مورگن پر بھی عمل کر رہا ہے۔ اسی لئے ہم رانما کے داغ میں نہ کبھی اس کے قریب نہ سمجھ سکے۔"

گولڈن برنز کی طرف سے تحریر ابھری "انتظار کرو۔ پہلے رانیال سے منٹ رہے ہیں۔"

رانیال اپنی رہائش گاہ کے بند دوم میں تھا۔ دوواڑے کو اندر سے بند کر کے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ رانما کے داغ میں پہنچ کر اس پر عمل کر رہا تھا۔ عمل کامیاب ہو رہا تھا۔ وہ اس کے ذریعہ آ رہی تھی اور معمول بن کر اس سوالات کے جوابات دینے والی تھی۔ اسی وقت زور زور سے دوواڑہ پیٹنے کی آوازیں آئیں۔ خیال خوانی کے دوران مدخلات ہوئی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ صفحے سے دوواڑے کی سر دیکھتے ہوئے بولا "کون ہے؟ ابھی جاؤ۔ میں آرام کر رہا ہوں۔"

باہر سے آواز آئی "میں فٹری پولیس کا چیف ہوں۔ نو۔ دوواڑہ ٹھکڑا۔"

ادھر رانما صرف زیر اثر آئی تھی "ابھی پوری طرح معمولاً نہیں بن پائی تھی۔ رانیال توخنی عمل ادھر اور نہیں چھوڑنا چاہتا اور فٹری پولیس کے چیف سے انکار بھی نہیں کر سکتا۔ قاعدہ مجبور کر صوفے سے اٹھ گیا۔ ارادہ تھا کہ چیف کو اندر آئے دے گا۔ ہمارے سے ٹواٹل دوم کے اندر جا کر رانما پر توخنی عمل کو مکمل کر لے گا۔"

اس نے دوواڑہ کو لہا۔ دوواڑہ کھلتی سی منہ پر گھونسا پڑا۔ چند لاگھونا کھا کر وہ پیچھے کی طرف لوٹ گیا۔ دو فوجی جوانوں نے ان کو روکنا شروع کر رکھا۔ تیسرے فوجی جوان کے ہاتھ میں انجنیم لگنے کی سرج تھی۔ چیف نے کہا "چپ چاپ یہ انجنیم لگوانا۔"

رانیال نے پوچھا "یہ سوئی کس لئے لگائی جا رہی ہے؟" "سوال نہ کرو۔ تم نے ذرا بھی انکار کیا تو گولی مار کر جہیز زخمی کیا جائے گا کہ تم خیال خوانی کے قائل نہ ہو سکو۔"

وہ چیف کے بولنے سے سمجھ گیا تھا کہ قہیل نہیں کرے گا جسم کے کسی حصے میں گولی بوست ہو جائے گی۔ لہذا وہ بت بنا کر رہا۔ فوجی جوان نے اس کے ایک بازو میں سوئی بوست کر کے اس کی دوا جسم کے اندر پہنچادی۔ چیف نے کہا "جاؤ۔ اپنے بستر آؤ۔ سے لیٹ جاؤ۔"

دشمن کی اور ناکام رہا۔ یہ حسرت نہ تھی کہ رانما کو بھی اپنی معمول رانما کے اندر ناکامی کا عمل ادھر وہ لگیا تھا۔

پھر اسے اپنے داغ میں بے مورگن کی آواز سنائی دی "ہاں" اور کو شش کرو۔ رانما کو بھی اپنی معمول بنالو۔ ہم تمام ٹپک تپتی جانے والوں کو اپنا حکوم بنالو۔ پھر اسرا نیل پر تھماری دمت قائم ہو جائے گی۔"

وہ عاجزی سے بولا "مورگن! یقین کرو۔ میں بری نیت سے معمول نہیں بن رہا تھا۔ میں بیش اس کے اور الپا کے اندر بپ کر رہا تھا۔ تاکہ انہیں بھی ننداری کا موقع نہ دوں۔"

"ہم صرف ٹوکوں کو کیوں ٹپک کر رہے ہو؟" "دوسرے وہ اس لئے کہ فریاد اور اس کے بیٹے ٹوکوں کو پہلے انہیں ہیں۔ اس لئے میں چپ چاپ الپا اور رانما کی عمرانی کرنا چاہتا تھا۔"

ابھی ہمارے خیالات سے جھوٹ اور سچ ظاہر ہو جائے گا۔ "نہیں! افکار کا ٹپک میرے خیالات نہ پڑھو۔ میرے اندر سے پہلے جاؤ۔ تم خاموش کیوں ہو؟ بولو۔ بولو۔ تمہاری خاموشی رہی ہے کہ تم میرے پیچھے ہوئے خیالات پڑھ رہے ہو۔ نہیں میں اس لوگ لوگ لوگ۔ نہیں اپنے اندر سے بھگدوں گا۔ بھاگ جاؤ۔"

وہ سانس روک کر اسے بھگاتا چاہتا تھا لیکن کمزوری کے وٹ لپی لپی سانس سمجھ رہا تھا۔ توخنی دیر کے بعد بے مورگن کپیوٹر کے ذریعے گولڈن برنز کو رپورٹ پیش کر رہا تھا۔ وہی رپورٹ الپا اپنے نئی دی اسکرین پر پڑھ رہی تھی۔

اسکرین پر لکھا ہوا تھا "سر! رانیال اس وقت سے ہمیں لوکا دے رہا ہے جب الپا شہر دوم میں تھی۔ پارس نے اس کے رخ کو کمزور بنایا تھا۔ دشمن ٹپک بیٹھی جانے والے الپا کو اپنا ہمدار بنانا چاہتے تھے لیکن ہم نے ان کے توخنی عمل کو ناکام بنایا اور خوش ہو گئے تھے کہ اپنی الپا کو دشمنوں سے بچالیا ہے لیکن آستین کے سناپ سے بے خبر رہے۔"

یہ تحریر پڑھنے لگی۔ تیسری تحریر ابھرنے لگی "سر! رانیال چاہتا ہے کہ الپا اس کی معمول بن کر اسرا نیل آئے اس سے ملاقات سے ہی اس پر عاشق ہو کر اس سے شادی کر لے۔ لیکن آپ دل کے طریقہ کار سے ہم تمام ٹپک بیٹھی جانے والوں کو ایک سر سے دور کرنا جس کے نتیجے میں الپا اس کے سامنے نہ تو جا سکتا اور نہ ہی اس پر عاشق ہوئی۔ پھر بھی رانیال کسی مناسب موقع انتظار کر رہا تھا۔"

یہ تحریر پڑھنے لگی۔ تیسری تحریر ابھرنے لگی "سر! وہ الپا کے رخ میں چپ چاپ آتا جاتا رہا تھا۔ ایسے ہی وقت اس نے الپا کے اندر ہر گز نہ کیا کہ میں رانما پر توخنی عمل کروں گا اور الپا کے دوران وہاں موجود رہے گی۔ یہی سبب معلومات کے بعد اس نے میرے عمل کو ناکام بنایا۔ اس دوران الپا کو رانما کے اندر لڑی طرح حاضر دماغ نہیں رہنے دیا۔ یہی اس کی غلطی تھی۔ الپا

نے سمجھ لیا کہ کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ سر حال ہم نے الپا کی ذہانت سے اپنے اندر پیچھے ہوئے ایک دشمن کو بھڑکایا ہے۔"

اس رپورٹ کے بعد گولڈن برنز کی طرف سے اسکرین پر تحریری جواب نظر آیا۔ لکھا تھا "ہم تمام گولڈن برنز تم سے اور الپا سے بہت خوش ہیں اور تم دونوں پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔"

پھر دوسری تحریر ابھرنے لگی "ہم اپنے ہاں ٹپک بیٹھی جانے والوں کی تعداد بڑھانا چاہتے ہیں اس لئے رانیال کو موت کی سزا نہیں دیں گے۔ اس کا برین واش کریں گے تاکہ اس کے داغ میں ہمارے خلاف جو مکاریاں ہیں وہ ختم ہو جائیں اور وہ الپا پر کئے ہوئے عمل کو بحال جائے۔ اس طرح رانیال ایک وفادار برین کر پھر ٹپک بیٹھی کے ذریعے ہمارے کام آتا رہے گا۔"

تیسری تحریر ابھرنے لگی "ہم دونوں بیش ہمارے معتبر خاص اور جاسوس بن کر رو رہے ہیں۔ مورگن! تم رانما کے پاس جاؤ اور دوبارہ عمل کرو۔ الپا! تم پہلے کی طرح رانما کے اندر خاموش رہ کر توخنی عمل کی کامیابی یا ناکامی کو حاضر دماغی سے سمجھتے رہنے کی کوشش کو گئی۔ دیش نکل۔"

وہ دونوں پھر رانما کے پاس آگئے۔ رانیال کے ادھورے عمل کے باعث رانما کے دماغی توازن میں ذرا فرق آ گیا تھا۔ پہلے تو وہ اعصابی کمزوری میں مبتلا ہو گئی تھی۔ پھر اس کے داغ میں ٹپک بیٹھی جانے والوں کی تکلفش رہی جس کی وجہ سے داغ بوجھل ہونا رہا۔ پھر رانیال نے ادھر اور عمل کیا تو وہ نہ عامل کے بس میں رہی نہ اپنے ہوش و حواس میں رہی۔ ذہنی انتشار میں مبتلا ہو گئی۔

بے مورگن کو دوسری بار عمل کرنے اس کے پاس آیا تو پتا چلا رانما کی سوجھیں بھری ہوئی ہیں۔ اس کے ذہن کو کسی ایک سوچ پر مرکوز کرنے کی کوشش کی گئی تو دماغی کمزوری کے باعث بہت سی سوچیں گڈھڑھ ہونے لگیں۔ اس کی ذہنی حالت بتا رہی تھی کہ اب اس پر توخنی عمل نہیں کیا جاسکے گا۔ اس مقصد کے لئے پہلے دماغی توانائی لازمی ہے۔

الپا نے کہا "اس کی دماغی توانائی بحال ہوگی تو یہ سانس روک لیا کرے گی" "میں داغ میں نہیں آئے دے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ اسے آج رات اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ ہم صبح اس کی خیریت معلوم کریں گے۔"

دونوں نے گولڈن برنز کو اپنی رپورٹ پیش کی۔ وہاں سے جواب ملا "اسے اس کے حال پر نہ چھوڑو۔ الپا! ہم سوچا اور بے مورگن! ہم صبح چار بجے تک رانما کے داغ میں آتے جاتے رہو اور اس کے ذہنی انتشار کو کم کرتے رہنے کی کوشش کرو۔ چار بجے کے بعد تم سوچاؤ گے اور الپا اس کے پاس آجائے گی۔"

پھر دوسری تحریر اسکرین پر نظر آئی "اس جملو کو نظر انداز نہ کرو کہ فریاد کے خیال خوانی کرنے والے کسی طرح رانما کے پاس پہنچ سکتے ہیں۔ ان دشمن خیال خوانی کرنے والوں کو رانما کا داغ

ایک کمل کتاب کی طرح ملے گا۔ دشمنوں کو فائدہ نہ اٹھائے۔ دو۔
دش آل۔
تقدیر کو ماننا پڑتا ہے۔ ہم کچھ نہیں کر رہے تھے۔ یہ تقدیر تھی
جو رانما کے حلقے میں بیدگیاں پیدا کر رہی تھی اور یوں علی تیمور کو
ظاہر ہونے سے بچا رہی تھی۔

دوسری طرف سپراسر ہولی میں اور اس کے خاص ٹیلی بیٹھی
جاننے والے جان لیوڑا نے رانما کو دھوکہ دینے کے تمام کوششیں
کروائی تھیں اور کام ہوتے رہے تھے۔ سپراسر نے کہا ”وہ شاید
دشمنوں کے ہاتھ لگ گئی ہے یا ہمارے ملک سے کہیں دور چلی گئی
ہے۔“

جان لیوڑا نے کہا ”اگر وہ دشمنوں کے ہاتھ لگ جائے تو ہمیں
فائدہ پہنچے گا۔“

سپراسر نے پوچھا ”وہ کیسے؟“
”دشمن خیال خوانی کرنے والے رانما کی اصلیت جاننے کے
لئے اسے دھانی کزوری میں جلا کریں گے اور اس پر عمل کریں
گے میں کبھی ایک گھنٹے اور کبھی آٹھ گھنٹے کے بعد رانما کے پاس
جانا رہتا ہوں اور وہ سانس روکتی رہتی ہے۔“
”مسٹر لیوڑا! تم کب تک ایسا کرتے رہو گے؟“

لیوڑا نے کہا ”اور وہ کب تک سانس روکتی رہے گی۔ کبھی تو
نیار پڑے گی یا اسے کوئی حادثہ پیش آئے گا۔ یا کسی طرح زخمی
ہوگی یا پھر کوئی دشمن خیال خوانی کرنے والا اسے شرب کرے گا تو
ایسے وقت میں رانما کے دماغ کو گرفت میں لینے کی کوشش کروں
گا۔ اگر ناکام ہوا تو دشمن کو بھی کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ اس
خدا روٹی کے دماغ میں زلزلے پیدا کر کے اسے ماڈالوں گا۔“

جان لیوڑا سپراسر کے دوسرے معاملات میں بھی مصروف
رہتا تھا لیکن رانما کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔ اپنے مقررہ وقت کے
مطابق اس کے دماغ میں جانا تھا اور سانس روکنے سے واپس آ جاتا
تھا۔

لیوڑا نے سلوانا جو زف (سویا غانی) کے بھی چور خیالات
پڑھے تھے اور یہ معلوم کیا تھا کہ ثانی خواب میں کسی جان کارلو کو
دیکھتی ہے۔ خواب میں اس کا چہرہ مٹھلا سا نظر آتا ہے پھر بھی وہ
خوابوں کے اس شکار سے بچت کرتی ہے۔

جان لیوڑا کو یہ معلوم تھا کہ رانما کسی جان کارلو کے ساتھ
روپوش ہوئی ہے۔ اور ثانی کسی جان کارلو سے محبت کرتی تھی۔ یہ
محض ایک اتفاق ہو سکتا تھا کہ رانما اور ثانی کے محبوب کا نام ایک
تھا۔ یا پھر اس ایک نام جان کارلو کے پیچھے کوئی بھید چھپا ہوا تھا۔

یہ تجسس بھی ایسا تھا کہ جان لیوڑا حقیقت معلوم کرنے کے
لئے رانما کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔ آخر اس کا مہرہ قتل کام آیا۔ وہ
رانما کے پیچھے بھاگتے بھاگتے اس رات اس کے دماغ کے اندر پہنچ
ی گیا جب وہ بے حد دانی کزوری میں جلا ہو گئی تھی۔

اور کزوری ایسی تھی کہ اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لیوڑا

نے اس کے اندر پہنچ کر بے مورگن اور الپا کی تھکوسن وہ دونوں
اسی مسئلے پر باتیں کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے ایسی حالت میں
رانما پر تو بھمی عمل کامیاب نہیں ہوگا۔ وہ دونوں اس کے دماغ میں
باری باری آتے جاتے رہیں گے جب اس کی دھاتی توانائی بحال
ہونے لگے گی تو وہ عمل کر کے اسے معمول اور آئندہ رانما میں گے۔
جان لیوڑا نے بے مورگن اور الپا کی تھکوسن کی لیکن انہیں
پہچان نہ سکا کیوں کہ دونوں کے برہن آپریشن کے بعد ان کی آواز
اور لہجہ تبدیل کیا گیا تھا لیکن یہ سمجھ گیا کہ رانما اسرا نیل میں
ہے۔ یہ بات بے مورگن اور الپا کی تھکوسن سے سمجھ میں آگئی۔ الپا
نے مورگن سے کہا تھا ”چلو ہم کوئلن برنز کو رپورٹ پیش کریں۔“

اور کوئلن برنز اسرا نیل میں تھے۔ ان کے خیال خوانی کرنے
والے یہودی تھے یا انیس برین واٹ کر کے یہودی بنا دیا گیا تھا۔
جان لیوڑا کے حساب سے اسرا نیل میں چار ٹیلی فونی جانے
والوں کو ہونا چاہیے تھا۔ ایک بے مورگن جو پہلے سے وہاں تھا۔ ثانی
تین امریکی خیال خوانی کرنے والوں کو یہودیوں نے اغوا کیا تھا۔ آج
لیوڑا ایک خیال خوانی کرنے والی عورت کی آواز سن چکا تھا۔ سوچ
رہا تھا ”یہ عورت کون ہو سکتی ہے؟ الپا کے حلقے اب تک یہی
معلوم تھا کہ وہ ماسک میں کے چنگل میں ہے۔ یہ راز بھی ظاہر نہیں
ہوا تھا کہ وہ واپس اپنی قوم میں آگئی ہے۔“

اس نے سپراسر ہولی میں ان کے رانما کے حالات بتائے اور کہا
”میں نے ایک نئی خیال خوانی کرنے والی کی آواز سنی ہے۔ یہاں نہیں
یہ یہودی اسے کہاں سے پکڑا لائے ہیں۔ اس طرح ان کے ہاں پانچ
خیال خوانی کرنے والے ہو گئے ہیں۔ اگر راز تھا پر بھی ان کا عمل
کامیاب ہو گیا تو ان کی تعداد چھ ہو جائے گی۔“

سپراسر نے کہا ”رانما پر ان کا عمل کامیاب نہیں ہوا
چاہئے۔“

لیوڑا نے کہا ”ہمارے ہاں میرے علاوہ صرف دو خیال خوانی
کرنے والے رہ گئے ہیں۔ ایک پاسکو روٹ ہے دوسرا فریزر
ہے۔ میں ان دونوں کو ابھی رانما کے دماغ میں پھنسا رہا ہوں۔ وہ بھی
باری باری وہاں آتے جاتے رہیں گے۔ جب بھی یہودی رانما پر
عمل کریں گے ہمارے آدمی اس عمل کو ناکام بنائیں گے۔“

اس نے بھی کیا اپنے ٹیلی بیٹھی جاننے والے پاسکو روٹ اور
فریزر کو رانما کے دماغ میں پھنکا کر تاکید کی ”تم دونوں باری باری
اس کے دماغ میں رہنے کے لئے وقت مقرر کرو۔ میں دھاتی
برداشت نہیں کروں گا۔ رانما پر دشمنوں کا عمل کامیاب نہیں ہوا
چاہئے۔“

جان لیوڑا دھاتی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ ابھی رانما دھاتی
انتشار میں جلا تھی۔ اس کے دماغ سے جان کارلو (علی) کے حلقے
کچھ معلوم نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن ابھی بعد میں معلوم کیا جاتا تو راز
کے چور خیالات ایڈی فشر کو جان کارلو بتاتے لیکن جان کارلو کو

تیمور نہیں کہہ سکتے تھے۔ کیوں کہ رانما خود علی کی حقیقت نہیں
جانتی تھی۔
اور اگر علی تیمور کے چور خیالات پڑے جاتے یا اس پر تو بھمی
عمل کیا جاتا اور اس کی پیچلی زندگی کو کھرا جانا تو وہ اپنی پیچلی زندگی
میں جان کارلو ظاہر ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ عمل کرنے والے جان
کارلو تک یہی علی کا عاصیہ کر کے رہ جاتے اور یہ سمجھ نہ پاتے کہ
ایک پردے کے پیچھے دوسرا پردہ ہے تو دوسرے پردے کے پیچھے کوئی
تیسرا پردہ ہو گا جہاں سے علی ظاہر ہو گا۔

چنانچہ قدرت کو کیا منظور تھا کہ ہم علی تیمور تک نہیں پہنچ
پارہے تھے اور وہ جان لیوڑا کو رانما تک پہنچ گیا تھا اور دوسری صبح
جان کارلو (علی) تک بھی پہنچ سکتا تھا۔ لیکن علی کی حقیقت جان لینا
تقریباً نامکن ہو چکا تھا کیوں کہ ایک طرف بے مورگن اور الپا
باری باری رانما کے دماغ میں رہنے کا فیصلہ کر چکے تھے اور دوسری فیصلہ
پاسکو روٹ اور فریزر کا تھا۔ نتیجہ ظاہر تھا کہ وہ سب ایک دوسرے
کے تو بھمی عمل کو ناکام بناتے رہے اور علی تیمور اپنی جگہ محفوظ
رہتا۔

علی تیمور یہ سمجھ نہیں پاتا تھا کہ رانما کافی پینے کے بعد کزوری
میں کیسے جلا ہو گئی تھی۔ اس نے اسے بید دم میں پھنسا دیا تھا۔ پھر
اس کے ساتھ رہتا چاہتا تھا لیکن وہ عثمانی چاہتی تھی۔ کسی ڈاکٹر کو
بھی بلاتا نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے وہ اسے بید دم میں چھوڑ کر
دوسرے بید دم میں آ گیا تھا۔

وہ بے خبر تھا۔ اس کی لاعلمی میں خیال خوانی کرنے والے
رانما کے ساتھ کیا سلوک کر رہے تھے، وہ نہیں جانتا تھا لیکن یہ
جانتا تھا کہ اس کی دوائے رانما ایک پراسرار عورت ہے۔ وہ اسے
محروم کر کے رکھتی ہے۔ اس نے تو بھمی عمل کے ذریعے اس کی
پیچلی زندگی بھلا دی ہے اور دعوے سے کہتی ہے ”تمہاری پیچلی
زندگی کے بارے میں جاننے والا اب ہی دنیا میں کوئی نہیں ہے“
صرف میں ہوں۔“

علی نے دل میں کہا ”یہ عورت دھاتی دعویٰ کر رہی ہے کہ
میرے حلقے کوئی کچھ نہیں جانتا ہے جب کہ خدا سب کچھ جانتا
ہے۔“

اس نے یہ سوچنے کے لئے آنکھیں بند کیں اور سانس روک
لی کہ خدا مجھے جانتا ہے اور جب وہ جانتا ہے تو مجھے میری پہچان
مفرد دیتا ہے گا۔ آج نہیں، کل بتائے گا اس کے بتانے کے انداز
زائے ہیں اور جب وہ عالم الغیب آگئی دیتا ہے تو دنیا حیران رہ جاتی
ہے۔ سمجھ نہیں پاتی کہ ایک پاگل ہوش مند کیسے ہو گیا اور ایک
محروم نفس طمسات کی تاریکیوں سے کیسے نکل آیا۔

یہ قدرتی کھائی رانما کی سمجھ میں بھی نہیں آئی۔ جب اس نے
آنکھیں کھلیں تو دماغ میں جاننے کی کوشش کی تو سوچ کی لہریں واپس
آگئیں۔ یہ فزائی کی بات تھی۔ وہ بھی جانتی تھی کہ ایڈی فشر کا
باہر نہیں ہے اور جب نہیں ہے تو اس نے سانس کیسے روک لی

ہے؟
یہ خود علی تیمور نہیں جانتا تھا۔ اس نے خدا سے لو لگنے کے
لئے سانس روک لی۔ عہدہ ایڈی فشر نہیں، وہ جان کارلو نہیں
ہے۔ اس کی بنیاد علی ہے۔ اسے باا صاحب کے ادارے سے
روحانیت کا درس حاصل ہوا تھا۔ وہ روحانیت اس کی رگوں
میں لو کی طرح دوڑ رہی ہے۔ عالم الغیب کی طرف سے ملنے والی
آگہی پہلے مرحلے میں خود علی تیمور سمجھ نہیں پاتا تھا۔

یہ آگہی ایسی وقت حاصل ہوئی جب وہ رانما کے ساتھ جنوبی
امریکا کے شہر میں تھا۔ اس آگہی کا یہ اثر ہوا کہ اسے سانس
روک کر اللہ سے لو لگنے میں روحانی سکون ملا اور کچھ ایسا لگا جیسے
رانما کے محرم سے وقتی طور پر نجات مل گئی ہے۔

وہ بہت پہلے سے رانما پر شبہ کر رہا تھا۔ اپنی اور اس کی
حقیقت معلوم کرنا چاہتا تھا۔ جب اسے سانس روکنے اور خدا پر بھروسہ
..... اعتماد کرنے سے وقتی طور پر نجات پانے کا احساس ہوا تو وہ ہر
رات عثمانی میں پکا کا عمل کرنے لگا اور عبادت کے طور پر دل ہی
دل میں کہنے لگا ”یا خدا! مجھے علم دے، جان لی کی پہچان دے۔ میرے
مجبور! جب تو میرے اندر رہتا ہے تو مجھے میرے اندر سے باہر
نکال۔ میں خود کو دیکھتا اور پکارتا چاہتا ہوں۔“

یہ علی تیمور کا معمول بن گیا تھا۔ وہ ہر رات عثمانی میں خدا کو
پکارتا تھا۔ اس رات جب رانما کے کزوری دماغ میں بے مورگن،
الپا، دانیال، پاسکو روٹ، فریزر اور جان لیوڑا آتے جاتے رہے تھے
تو وہ اپنے بید دم میں آنکھیں بند کئے سانس روکے جیسے عبادت
میں مصروف تھا۔

ایسے ہی وقت اسے یہ خیال آیا ”رانما کزوری محسوس کر رہی
ہے۔ وہ اتنی کزوری ہے کہ خود بہتر تک چل کر نہ جا سکی۔ میں نے
اسے بہتر پھنسا دیا۔ ایسی حالت میں وہ خیال خوانی نہیں کر سکے
گی۔ میری فزائی نہیں کر سکے گی۔ مجھے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر
اپنی بہتری کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔“

ذہانت کتنی تھی! بہتری اسی میں ہے کہ ایسی عورت سے دور
ہو جائے جو اسے اپنے زیر اثر رکھتی ہے۔“

یہ اندیشہ تھا کہ وہ دھاتی توانائی حاصل کرنے کے بعد پھر اس
کے دماغ میں آئے گی اور اسے اپنے پاس آنے پر مجبور کر دے گی۔
علی نے سوچا ”خدا جانتا ہے کہ اسے دھاتی توانائی کب حاصل
ہوگی۔ جب تک حالات میرے موافق رہیں، مجھے اس سے نجات
حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ جہاد کرنے سے ہی نجات کے
راستے ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے والے آخر کار بیٹھ ہی رہ
جاتے ہیں۔“

وہ سانس روکے سوچ رہا تھا۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ سانس
لی، دماغ روشن ہوا تھا اور اندر حوصلے چل کر رہے تھے۔ اٹھ کر
کھڑا ہو گیا۔ وہ اسرا نیل آنے کے بعد یہ دیکھتا تھا کہ یہاں کے
فوجی افسران رانما کو بہت اہمیت دے رہے ہیں۔ وہ لوگ اسے علی

کے ساتھ ایک بیٹے میں لے گئے تھے پھر اس بیٹے کے چور راستے سے دوسرے شہر کی رہائش گاہ میں لے آئے تھے۔

اب وہ رانا کے ساتھ جس رہائش گاہ میں تھا وہاں فوجی سپاہی اور ایک افسر تھا۔ افسر نے رانا سے کہا تھا "میں یہاں بیٹے کے چاروں طرف مسلح سپاہیوں رکھوں گا تو دشمن جاسوسوں کو پتا چل جائے گا کہ تم یہیں یہاں چھپا کر رکھا گیا ہے اس لئے بیٹے کے احاطے میں صرف تین خوشخوار رکھے رہیں گے۔ رات کو یہاں کوئی قدم نہیں رکھ سکے گا۔"

علی نے اپنے بیٹے دوم کا دروازہ کھولا دروازے پر مسلح سپاہی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا "کیا چاہتے ہو؟"

علی نے کہا "میرے کمرے کے لی دی میں کچھ گڑ بڑ ہے، پلیر اسے چیک کرو۔"

سپاہی کمرے میں آیا تو علی نے اسے دہانچ لیا۔ ایک گھونسا اس کے سر پر مارا اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے وہ فرش پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔ علی تیمور نے حیرانی سے اپنے گھونے کو دیکھا۔ اسے یاد نہیں تھا کہ وہ انور دہانچ لے کر آیا تھا۔

وہ اپنے بیٹے دوم سے باہر آیا دروازے پر رانا کے بیٹے دوم کے دروازے پر دوسرا مسلح سپاہی تھا۔ اس نے علی کو گن پوائنٹ پر رکھ کر پوچھا "کون سا دروازہ؟" تیمارے دروازے کا سپاہی کمرے کے اندر کیوں گیا تھا؟ وہ وہاں کیا کر رہا ہے؟

"میرے لی دی میں کچھ خرابی ہو گئی ہے۔ وہ بیٹے کے ہاتھ پر ایک چھوٹا بچہ کس باگ میں ہے؟"

وہ بولے ہوئے قریب آیا تھا۔ اس نے اچانک گن پر ایک ٹھوکہ لگایا۔ پھر گھوم کر دوسری کمرے میں جھانک رہا تھا۔ افسر نے علی کو دیکھا اور اسے آزادی کے لئے جہد جہاد کرنا دیا۔ پھر غصہ اڑا دیا۔ علی نے اسے فرش پر چھوڑ دیا۔ اس کی گن اٹھا لی وہاں سے دے دے دمیں چلا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا وہاں افسر بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ اس نے سر کھٹا کر پوچھا "کون ہے؟"

پھر علی تیمور کے ہاتھ میں گن دیکھ کر چونک گیا۔ نشے میں تھا مگر موت کو سمجھ سکتا تھا۔ اس کا ہاتھ ریلوے سٹیشن ٹھیکل پر شراب کی بوتل کے پاس رکھا ہوا تھا۔ اسے اٹھانے کی مصلحت نہیں مل سکتی تھی۔ اس نے کہا "میں فضا کی کیا حاجت کر رہے ہو؟ ہمیں نقصان پہنچا کر بیٹے کے باہر جاسکے لیکن اس شرار اور اس ملک سے باہر کیسے نکلے گا۔ اسرائیلی اٹھلی ہنس اور پولیس بہت ہوشیار ہے۔ عقل سے کام لو اور اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔"

وہ سٹیشن ٹھیکل کے پاس آیا۔ گن چھینک کر اس نے ریلوے اور اٹھایا۔ پھر شراب کی بوتل افسر کی طرف بھجوائے ہوئے بولا "اے" چند سیکنڈ میں لی جاؤ اور غالی کرو۔ انکا کمرے کو گولی مارا دلوں گا۔"

افسر نے بول لی پھر ریلوے اور دیکھا کچھ کتنا چاہتا تھا علی نے

ریلوے کی ہال اس کی کچن سے لگدی ہوئی کھول کر اپنے منہ سے لاکر غصہ کیا۔ پھر سانس لینے کے لئے کھڑے ہوئے لیکن پھر اٹھ کر باہر آیا۔ وہ سب کچھ دیکھ گیا۔ ایک مٹ کے اندر ہی علی نے اس سے بول غالی کر دی۔ خاص طور پر اس کے اندر ہلکے بھر دی تھی۔ وہ پکار کر صوفے پر گر کر اٹھ رہا تھا۔

ہوا فرش پر آکر چاروں شانے چت ہو گیا۔

اس نے تین سپاہیوں کو بے کار کر دیا تھا۔ اب تین کتے وہ گئے تھے۔ وہ تیزی سے چلا ہوا بیٹے دوم میں آیا وہاں سے ایک تکیہ اٹھایا پھر برآمدے میں آکر دیکھا۔ دو خوشخوار کتے ٹھل رہے تھے۔ اسے دیکھ کر غزائے لگے۔ اس نے ریلوے کو کھینچنے سے روک کر فائر کیا۔ ایک فائر پھر دوسرا فائر۔ دونوں کتے جو اس پر پھینکے ہوئے تھے ان کی گھاس پر گر کر کچھ دیر تپتے رہے پھر ہمیشہ کے لئے ساکت ہو گئے۔

کچن سے سائینس کا کام کیا تھا۔ فائرنگ کی آواز برائے نام ابھی تھی۔ اس نے بیٹے کے اندر آکر مختلف کوریڈور اور کمرے سے گزر کر پچھلے حصے کا دروازہ کھولا۔ بیٹے کے بیچلے احاطے میں ایک کتا بھونک رہا تھا۔ تیسری گولی نے اس کی آواز بھی ہمیشہ کے لئے ختم کر دی۔

اب راستہ صاف تھا۔ کوئی اسے روکنے والا نہیں تھا۔ وہ اس رہائش گاہ سے نکل کر کسی بھی جا سکتا تھا لیکن کوئی بات ٹھک رہی تھی۔ وہ سوچتا ہوا اپنے بیٹے دوم میں واپس آیا۔ پھر ٹھکنے والی بات سمجھ میں آئی۔ وہ ہاتھ دوم میں آیا وہاں اس کے آگے بڑھے کپڑے ایک طرف رکھے تھے۔ یودی جاسوس کتوں کو وہ کپڑے سونگھا کر وہاں پہنچ جاتے جہاں بھی وہ چھپا ہوتا۔ وہ تمام کپڑے لے کر بکس میں آیا پھر کیس کے چولے میں اس سب کو بٹا کر رکھ کر دیا۔

وہ بظاہر ایک سیدھا سادا سا محرزہ رہنے والا ایڈی فشر تھا لیکن لاشعور میں جو ذہانت اور غیر معمولی صلاحیتیں چھپی ہوئی تھیں وہ بے اختیار اس کے عمل کے دوران ظاہر ہوتی تھیں اور ایسا اس لئے تھا کہ علی نے اس کی شخصیت تبدیل کرتے وقت اس کی تمام خوبیوں اور صلاحیتوں کو بھال رکھا تھا۔ اس نے رہائش گاہ کو چھوڑنے سے پہلے ریلوے اور ایک طرف چھینک دیا۔ یہ بھی اس کی خاندانی عادت کا ایک حصہ تھا۔ میں سونایا اس اور علی تیمور بھی اپنے پاس بھتیار نہیں رکھتے تھے۔ ضرورت کے وقت دشمنوں کے ہی بھتیار استعمال کرتے تھے پھر انہیں بیک وقت دیتے تھے۔

اس وقت رات کے دس بجے تھے۔ یودی خیال خرابی کرنے والے بے مورد گن اور الپا زیادہ اہمیت رانا کو دے رہے تھے۔ گولڈن برنیز نے کہا تھا "رانا کے چور خیالات پڑھنے سے ایڈی فشر کے حوصلے میں بہت کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

پھر یہ یقین تھا کہ ایک افسر اور دو سپاہی مسلح ہیں اور احاطے میں تین خوشخوار کتے ہیں۔ سونے کو بیٹے کے اندر جا سکتا تھا وہاں

سے باہر نکل سکتا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ایڈی فشر کو رانا نے اپنے زہر اثر رکھا ہے۔ وہ خوشی عمل کی صلاحیتوں کو زہر اثر رکھا ہو چھوڑ کر نہیں جائے گا۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ پناہ لینے کے لئے بیت المقدس جائے گا۔ وہ مقام یودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے لئے یکساں مقدس تھا۔ وہاں پہنچ کر وہ خدا سے پوچھتا چاہتا تھا "میں کون ہوں؟ یودی؟ عیسائی؟ یا مسلمان؟"

وہ رہائش گاہ سے نکل کر ایک شاہراہ پر پہنچ گیا۔ بے شمار گاڑیاں آتی جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔ رستوران اور تفریح گاہوں میں اچھی خاصی رونق تھی۔ سڑکوں کے سائین بورڈز سے پتا چلا کہ وہ شہر نے تانیا ہے۔ یہ شہر شریلنک اور حیفے کے درمیان مغربی ساحل پر تھا۔

اب نے تانیا سے بیت المقدس جانے کا مسئلہ تھا۔ چاہے نہیں تین کس وقت وہاں سے روانہ ہوتی تھی۔ بس اور کیسی کے ذریعے بھی وہ جا سکتا تھا لیکن بس یا کیسی کا ڈرائیو نہیں ہے یہ معلوم نہیں تھا۔ وہ سوچتا ہوا ایک بار کے سامنے آیا وہاں بڑے امیر کیرلوگ ہوش میں اندر جا رہے تھے اور دھو دھو ہو کر باہر آ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر یہ تدبیر سوچیں کہ کسی مدھوش سے دوستی کر کے یا اسے آگاہ کر اس کی گاڑی استعمال کی جا سکتی ہے اس گاڑی میں وہ یہ دھوکہ تک کا سز کر سکتا ہے۔

وہ بار کے اندر آیا وہاں یاد آیا کہ اس کے پاس ایک ڈرائر ایک پونڈ ایک بھی اسرائیلی شال نہیں ہے۔ وہ غالی جب چلا آیا ہے۔ جب سے وہ رانا کے ساتھ رہتا چلا آ رہا تھا اسے کبھی رکن کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ وہ ٹیلی فنی کے ذریعے کسی بھی ملک کی کرنسی حاصل کر سکتا تھا۔ بہت دنوں بعد علی کو پتا چلا کہ آج اسے اپنی حکمت عملی کے ذریعے رقم حاصل کرنی ہوگی۔

وہ در تک نظریں دوڑانے لگا۔ کچھ لوگ کاؤنٹر کے ساتھ گئے بیٹھے تھے اور لی رہے تھے۔ ہال میں میزوں کے اطراف بیٹے والوں اور پلانے والوں کا میلہ سا لگا تھا۔ صرف ایک شخص میز پر تھا نظر آیا۔ اس کے پاس کوئی حیدر ساقی بن کر نہیں جا رہی تھی۔ جب کہ وہ اپنے لباس سے اور انگلیوں میں پائی ہوئی ہیرے کی انگوٹھیں سے مالدار امالی نگ رہا تھا۔

علی تیمور آہستہ آہستہ چلا ہوا اس کے سامنے آیا۔ پھر بولا "کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟"

آگے کی حد تک نشے میں تھا۔ اس نے نشے میں ڈوبی ہوئی نہیں سے اسے دیکھا پھر کہا "یہ ریلوے میز میرے باپ کی جاگیر ہے۔ یہاں کوئی بھی جاگ نہیں سکتا ہے۔"

علی تیمور بیٹھ گیا۔ اس شخص نے کہا "اب تم پوچھو گے کیا اس بولنے سے تم کوئی لی پکتے ہو تو میرا جواب ہوگا یہ بولنے کسی کے باپ کی نہیں ہے۔ اسے میں نے خرید لیا ہے۔"

"میں شراب نہیں پیتا ہوں۔"

"آں؟" اس شخص نے علی تیمور کو حیرانی سے دیکھا پھر بیٹے ہوئے پوچھا "بیٹے نہیں ہو تو یہاں کیا سونگھنے آئے ہو؟"

"میں باہر ہٹ پاتھ پر کھڑا اس شیشے سے جھانک رہا ہوں۔ یہاں ہر دیکھ رہا تھا۔ میں بیٹے والوں پر ایک کمانی لکھتا ہوں۔ یہاں ہر میز پر بیٹے والوں کے ساتھ پلانے والی جینٹلمین ہیں لیکن تمہارے ساتھ کوئی نہیں ہے۔ یہ حیرانی کی بات ہے اور میں حیرانی دور کرنے آیا ہوں۔"

وہ دو گھنٹہ لی کر بولا "میں کیا جواب دوں؟ تم بیٹے نہیں ہو اور میرا جواب نشے کی حالت میں سمجھ میں آتا ہے۔ بس اتنا سمجھ لو کہ میں کسی حیدر کو لکھتا نہیں رہتا ہوں۔ میں نے بار کے مالک سے کہہ دیا ہے کہ باپ کی کوئی لڑکی میری میز پر نہیں آئے گی۔"

"کیوں نہیں آئے گی؟"

"نشہ بہت اچھا ہوتا ہے اور بہت برا بھی ہوتا ہے۔ اچھا اس لئے ہوتا ہے کہ آدمی فکر اور پریشانی سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ برا اس لئے ہوتا ہے کہ مدھوشی میں اپنی خبر نہیں ہوتی اور کوئی بھی نازک اندام حیدر لوٹ کر چلی جاتی ہے۔"

"جب تمہارے پاس کوئی آتی نہیں ہے تو کیسے لوٹ کر چلی جاتی ہے؟"

"میں تم کو نہیں ہاؤ کے کیونکہ تم پیچھے نہیں ہو۔"

"میں کچھ لوں گا۔ تم بھولو تو سہی۔"

وہ بولا "آؤ یہ ایک دو بھری داستان ہے۔ تم کمانی لکھنا چاہتے ہو اس لئے جسٹس شاہراہوں۔ میں اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا تھا اور اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔"

"تم بیوی سے محبت کرتے تھے اور اس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ بیوی سے کیا بار بار شادی ہوتی ہے؟"

"بھئی سمجھا کر۔ جب میں شادی کرنا چاہتا تھا تب وہ میری بیوی نہیں تھی۔"

علی تیمور نے سر ہلا کر کہا "چھا، سمجھ گیا۔"

وہ پھر دو چار گھنٹہ بیٹے کے بعد بولا "اور جب وہ میری بیوی بن گئی تو میں اس سے شادی نہ کر سکا۔"

"یہ شرابی فلسفہ ہے کیا؟ اس کا مطلب کیا ہوا؟"

"بھئی سمجھا کر۔ شادی کا مطلب ہے خوشی۔ میں اسے بیوی بنانے کے بعد اس کے ساتھ کوئی خوشی نہ مناسکا۔ وہ بلڈ پریشر کی مرہض تھی۔ دو بار ہارٹ انجک ہو چکا تھا۔ جب وہ سہاگ کی بیج پر پہنچی تو خوشی کے مارے دوران خون بڑھ گیا۔ تیسرا ہارٹ انجک ہوا اور وہ پھولوں کی بیج پر مر گئی۔"

اتنا کہہ کر وہ بولے لگا۔ علی تیمور نے پریشان ہو کر کہا۔ "کیا کار رہے ہو؟ یہاں تمہاں بن جاؤ گے۔"

ایک ویٹر آگے کیس کا پتلا لاکر رکھ رہا تھا۔ اس نے کہا "صاحب! آپ پریشان نہ ہوں۔ یہاں سب جانتے ہیں کہ مسٹر نوڑ کو چوتھے عک سے اپنی بیوی یاد آئے گئی ہے۔"

’ذبح چلا گیا۔ علی نے کہا “مسٹر بوزار نے والی کی یاد دل سے نہیں جانے کی کین بونے سے وہ واپس نہیں آئے گی۔“ وہ سوئے ہوئے بولا “اسی بات کا تو بونا ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی واپس آتی ہے۔“

’کیا؟‘ علی نے شدید حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا ”وہ واپس آتی ہے؟“

”ہو چکا؟ تم اس حالت میں گاڑی چلاؤ گے؟“
وہ کار آگے بڑھتا ہوئے بولا ”میں ہر رات اسی حالت میں
ڈرائیو کرتا ہوں۔“
”معلوم ہوتا ہے تمہاری بیوی قبر سے نہیں آئے گی تم مجھے
ڈرائیو تک کے ذریعے قبر میں لے جاؤ گے کیا تمہیں مگر کار اسٹیپا
ہے؟“

ہمارا شمار اہم ہوتا ہے مگر مت جانا ہے۔“
 ”تم جیوت ہوتے ہو، میری دوسلا کا نام نہیں مل سکتا۔
 دیکھو یہ اپنے نام کے ساتھ قبر سے اٹھ کر میری محبت میں آئی
 ہے۔“ علی نے کہا ”آؤ! آج آنکھوں سے دیکھ کر یقین ہو گیا کہ یہ بیاں
 مرنے کے بعد میری ہی پیچھا نہیں چھوڑتی ہیں۔“

مخلص کو لوٹنے کے لئے دعو کا پی رستی ہے۔
 نئے میں انسان کی عجیب حالت ہوتی ہے۔ وہ مدہوش ہو جاتا
 ہے۔ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہتا لیکن کارڈ رازیا کرتے
 وقت وہ غیر شعوری طور پر محتاط رہتا ہے۔ شاید اس لئے کہ وہ اندر
 ہی اندر موت سے ڈرتا ہے۔ کوئی حادثہ نہیں چاہتا۔ مرنا نہیں
 چاہتا۔ بونے اگرچہ تیر حرفی سے کار چلائی مگر سلاستی سے قی
 ایب کے جھٹکے میں چبچ گیا۔ پورچ میں کار سوک کر بولا "میرے
 احب دوست! تم اسی کار میں رات گزارو۔ میں اپنی رومیل کے
 ساتھ....."

خواجه خیر الدین خان کی دو نئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں

رضیۃ اکبر

قیمت: ۲۵ روپے

ڈاک فرج: ۱۰ روپے

رضیۃ اکبر

قیمت: ۲۵ روپے

ڈاک فرج: ۱۰ روپے

لائسنس کے علاوہ مصنفہ کی دیگر تصانیف بھی ہم سے مل سکتی ہیں

— ڈاک فرج کا بدن — ۲۵ روپے

— ڈاک فرج کی کٹی — ۲۵ روپے

— ڈاک فرج کا نیلام — ۲۵ روپے

— ڈاک فرج کا بدن — ۲۵ روپے

— ڈاک فرج کی کٹی — ۲۵ روپے

— ڈاک فرج کا نیلام — ۲۵ روپے

ملنے کا پتہ

کتابیات پبلی کیشنز، ریسٹنٹ سٹریٹ، لاہور

۱۳۴۳ ب.س. ۱۹۲۵ ا.د.

کی حیثیت سے پہچانتی ہو۔

یہ بات اسے کلک رہی تھی۔ پھر وہ دھپلا کا فراڈ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ بونزی کی بیوی بن کر کہاں کس لئے آتی ہے؟

وہ دوا نہ کھول کر باہر آیا۔ پھر دے پھر دے توں ہوا دوسرے بیڑہ دم کی کھڑکی کے پاس آیا۔ دھپلا بیٹھے کے جام میں ایک بیگ بناتا ہوئے بونز سے کہہ رہی تھی۔ ”اب اس کے بعد بیٹے کو نہ مانگا۔ تم زیادہ پیو پھر شکایت کرتے ہو کہ میں تمہیں چھوڑ کر چلی جاتی ہوں۔“

اس نے شراب کا جام بونز کو دیا پھر کہا ”تم پیو رہو۔ میں تمہارے سہمان کو دیکھ کر آتی ہوں۔ شاید اسے کسی چیز کی ضرورت ہو۔“

علی تقریباً دوڑتا ہوا دوسرے بیڑہ دم میں آیا۔ ہاتھ دم میں بچ کر اس نے شاد کو کھول دیا۔ پھر ہاتھ دم کا دوا نہ بند کرتے ہوئے کمرے میں آیا۔ وہاں بھی اس نے ایک کھڑکی سے خارج نہیں کیا۔ دوڑتے ہوئے کمرے سے باہر آیا۔ کوریڈور میں آکر ایک قہری زینے کے پیچھے چھپ گیا۔ اس نے بڑی تیزی دکھائی تھی۔ اگر ذرا بھی دیر ہوتی تو اس سے سامنا ہو جاتا۔

زینے کے پیچھے آتے ہی اس نے دیکھا ”دھپلا اس کے بیڑہ دم کا دوا نہ کھول کر جھانک رہی تھی پھر وہ اندر گئی۔ علی اسے بہتر پر نظر نہیں آیا۔ ہاتھ دم کے دوا نہ کے پاس آکر شاد سے بات کرنے کی آواز سننے لگی۔ یہ بات سمجھ میں آئی کہ شاد شکم کرنے کے لئے حمل کر رہا ہے۔

دھپلا نے ہاتھ دم کے دوا نہ کو باہر سے بند کر دیا۔ پھر کمرے کے باہر آکر اس دوا نہ کے چٹنی بھی باہر سے لگا دی۔ اپنی دانت میں اس نے علی کو ہاتھ دم میں بیڑہ دم میں قید کر دیا اسے یہ یقین ہو گیا کہ قیدی سہمان باہر نہیں نکل سکے گا۔ وہ اطمینان سے چلتی ہوئی بونز کے پاس آئی۔ وہ آخری ایک حلقے سے اٹارنے کے بعد بستر چاروں شانے جت ہو گیا تھا۔ نشہ پوری طرح غالب آیا تھا۔ وہ بڑبڑا رہا تھا۔ اس کی آواز ذوقی جاری تھی۔ دھپلا نے اس پر ایک نظر ڈالی پھر ٹیلیفون کے پاس آکر ریسور ہٹا دیا اور نمبروں کے شن دبانے لگی۔

رابطہ قائم ہو گیا تو وہ بولی ”ہیلو میں ہوں انجیلہ آفسر آن اسٹیشن ڈیوٹی۔ چیف سے بات کرو۔“

چند سیکنڈ کے بعد چیف کی آواز سنائی دی۔ ”ہیلو انجیلہ؟“

وہ بولی ”ہیلو چیف، کیا رانما کے ساتھ آنے والے ایڈیٹر فشر کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے؟“

”ہرگز نہیں۔ تم جانتی ہو رانما اور فشر کو نے تانیا کے ایک بیٹلے میں نظر بند رکھا گیا ہے۔“

”لیکن وہ میرے بھائی بونز کے بیٹلے میں ہے۔“

کے احاطے میں تین خورخوار تھے ہیں پھر وہ باہر کیسے نکل سکتا ہے؟“

”میں نہیں جانتی“ وہ کیسے نکل گیا لیکن میں نے اسے ہاتھ دم اور بیڑہ دم میں قید کر دیا ہے۔ آپ فوراً اگر اسے حراست میں لیں۔“

اس نے تھوڑی دیر تک دوسری طرف کی باتیں سنیں پھر ریسور رکھ کر پلٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی چٹ نکل گئی۔ دوا نہ پر علی تیسرے کھڑا ہوا تھا۔ وہ پریشان ہو کر بولی ”کیا ہمارے آگئے؟“

وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا ”میں ایک بیٹلے کی طرح ہوئی۔“

جب تک اپنی اصلیت کو نہیں پائیں گا کوئی بیٹلے نہیں کر سکے گا۔“

پھر وہ قریب آکر بولا ”یہ بونز تمہارا بھائی ہے۔ پھر تم اسے دھوکا دیں دے رہی ہو؟“

”میرا بھائی ایک بچے کی طرح معصوم ہے۔ ہم نہیں چاہتے یہ حسین عورتوں کے قریب میں آئے۔ میں اپنی بہن سے بڑی تک مشاہدہ ہوں۔ یہ نئے میں مجھے اپنی بیوی دھپلا جھٹکتا ہے۔“

ہوش میں رہے تو فحش سے متاثر نہیں ہوا۔ میں جانتی ہوں یہ اسے شادی کر کے لیکن میری بہن مرنے کے بعد بھی اس کے حوا پر چھائی ہوئی ہے۔ یہ وہ شہنشاہی میں کسی سے شادی نہیں کرے گا۔ البتہ نئے میں بھٹکتا ہے۔ اس لئے میں دھپلا بن کر اسے سے پہچانتی ہوں۔“

”تم اپنے بھائی کی بہتری جانتی ہو۔ تم دل کی ابھی ہو میرے لئے بری کیوں ہو؟ میں مجھے کرنا کرنا جانتی ہو؟“

”میں ایسا نہیں کروں گی تب بھی تم اس ملک میں کیسے چھ کر نہیں رہ سکو گے۔ یہاں کی پولیس“ اٹھلی جنس اور فوج سے کہ نہیں بچ سکتا۔“

”لیکن میرا جرم کیا ہے؟“

”جرم تو میں نہیں جانتی اتنا جانتی ہوں کہ ایک نئی چیز جاننے والی کے ساتھ آئے ہو۔ اس لئے ہم نہیں چاہیں گے کہ کسی دشمن خیال خزانہ کرنے والے کے ہاتھ لگ جاؤ اور دوا نہ تمہارے ذریعے رانما تک پہنچ جائے۔“

”میں رانما کے ساتھ نہیں رہوں گا۔ جب تک بھاگتا ہوں اور جہاں تک بھاگ سکتا ہوں“ اس سے دور بھاگتا رہا گا۔“

”میں اتنی بات ہے؟ رانما کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے پہلے بتایا ہو۔ تمہاری ہائٹس الگ الگ انتظام کر سکتے ہیں۔“

”سوری میں آسمان سے گزرتی ہو رہی ہوں انکنا نہیں چاہتا۔ وہ جانے کے لئے پلٹ گیا۔ انجیلہ نے بڑی پھرتی سے اللہ کی ایک اور کوا کھولا۔ اس میں سے ایک رولور نکلتے کے

ہاتھ ڈالا۔ علی نے پلٹ کر دوا نہ کو ایک لات ماری۔ وہ بچا ہوا دوا نہ کے بند ہونے سے اس کا ہاتھ اندر بچھ گیا تھا۔ علی نے

سے باہر نہیں بلایا تھا۔۔۔ وہ تکلف کی شدت سے بلایا رہی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے اسے بھی کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بھی علی کے باہر پر کرائے کے ہاتھ ماری تھی۔ اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے فلاڈیپا ہاتھ ماری ہو۔

جب وہ بڑھتا ہوا کر گئے گلی تو علی نے دروازے پر سے باہر بلایا۔ اس میں سے رولور نکال کر جھیر کر خالی کیا۔ تمام گویاں دروازے پر کرائے کے رولور دیتے ہوئے بولا ”جاؤ اپنی پھرتی آزاد۔ گویاں جن کرائے کوڑ کر دوا نہ مجھے نشانہ بنائو۔“

وہ اس کے ہاتھ پر رولور رکھ کر جانے لگا۔ اس کا ایک ہاتھ دروازے کے اندر نہ کر رہی طرح ڈھکی ہو گیا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے فلاڈیپا کرائے کے ہاتھ مارنے کا نتیجہ بھی برا نکلا تھا۔ وقتی طور پر دونوں ہاتھ بیکار ہو گئے تھے۔

دو تیزی سے چلا ہوا باہر آیا۔ باہر پولیس کی دو گاڑیاں نظر آئیں۔ وہ گاڑیاں احاطے کے اندر آ رہی تھیں۔ علی تیسرے دوڑتا ہوا احاطے کی دیوار کی طرف گیا۔ پولیس افسر نے بلند آواز سے کہا۔ ”وہ ایڈیٹر فشر جا رہا ہے۔ اسے روکو۔“

ایک گاڑی پولیس فیسر میں احاطے کے باہر گئی۔ دوسری گاڑی سے سپاہی نکل کر علی کی طرف دوڑنے لگے۔ وہ بھول کر احاطے کی دیوار پر آیا پھر دوسری طرف کو دوڑ کر بھاگنے لگا۔

احاطے کے باہر آنے والی پولیس گاڑی گیس پدیل کر آگے بڑھی۔ وہ بھی آگے آگے دوڑتا جا رہا تھا۔ گاڑی کی آٹھ سیٹ پر بیٹھے ہوئے افسر نے میکانیوں کے ذریعے کہا ”ایڈیٹر فشر یہ تمہاری ادا ہے۔ گاڑی کی رفتار سے نہیں دوڑ سکو گے۔ خود کو ہمارے حوالے کر دو۔“

لیکن وہ حیرت انگیز تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا۔ افسر کا بھی یہ خیال درست تھا کہ وہ گاڑی کے راستے کاٹا تھا۔ اس نے دور تک دوڑنے کے بعد اچانک ایک بیٹلے کے احاطے میں چھلاک لگا دی۔

گاڑی رک گئی۔ بھاگنے والا نہیں رکا۔ تیز بھاگنے والی گاڑی سے سپاہی اتر کر اس بیٹلے کے احاطے میں جانے لگے۔ بیٹلے کا بیڑہ دوا نہ نکلا ہوا تھا۔ وہ سب دوڑتے ہوئے اندر آئے۔ اندر بیٹھی ہوئی عورتوں نے چٹنا شروع کر دیا۔ ایک بولی ”یہ کہاں کا قانون ہے کیا پولیس والے اجازت لے کر نہیں آگئے؟“

افسر نے کہا ”میں افسوس ہے۔ ہم مجبور ہیں۔ ایک جرم میں آیا ہے۔“

”میں کوئی نہیں ہے۔“

افسر نے سپاہیوں سے کہا ”وہ بیٹلے کے پچھلے راستے سے نکل گیا ہو گا۔ کم آن۔ ایک سپاہی جانے اور گاڑی کو پچھلے راستے پر لائے۔“

وہ سب بیٹلے سے نکل کر دوسرے راستے کی طرف دوڑنے لگے۔ انجیلہ پولیس کی دوسری گاڑی میں بیٹھ کر آئی۔ اسے پتا چلا فشر

میں آیا ہے۔“

”میں کوئی نہیں ہے۔“

افسر نے سپاہیوں سے کہا ”وہ بیٹلے کے پچھلے راستے سے نکل گیا ہو گا۔ کم آن۔ ایک سپاہی جانے اور گاڑی کو پچھلے راستے پر لائے۔“

وہ سب بیٹلے سے نکل کر دوسرے راستے کی طرف دوڑنے لگے۔ انجیلہ پولیس کی دوسری گاڑی میں بیٹھ کر آئی۔ اسے پتا چلا فشر

میں آیا ہے۔“

گاڑی میں آنے والے سپاہیوں کو پیدل بنا چکا ہے۔ وہ بولی ”چیف! وہ ہمت چالاک ہے۔ ایسے ہاتھ نہیں آئے گا۔ پیر پلٹیں جیسی جانتے والوں کو اٹھارہ کرو۔“

چیف نے کہا ”۱۳ بھی میں بھی سوچ رہا تھا۔ ہمارا کوئی ٹیلی بیٹھی جانتے والا فشر کے اندر جا کر اسے فرار ہونے سے روک سکتا ہے۔“

وہ وہاں ٹیلی فون کا ریسور ہٹا کر نمبروں کے شن دبانے لگا۔ اور بے مورگن اور الپاڈ فشر وارانما کے معاملے میں مصروف تھے۔

کوئلن برنیز نے بھی ایڈیٹر فشر کو رانما کا ایک تابعدار سمجھ کر زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ ان کی ساری توجہ رانما کو اپنا دانا بنانے کے لئے تھی۔ پھر رانما کی بخاری ان کا قیمتی وقت ضائع کر رہی تھی۔ بے مورگن آٹھہ کسی قریب سے بچنے کے لئے رانما کے

دماغ میں پیرا رین کر بیٹھا ہوا تھا۔ الپاڈ سوری تھی اسے صبح چار بجے رانما کے دماغ میں جا کر بے مورگن کو ڈیوٹی سے فارغ کرنا تھا۔

رات کے ایک بجے ٹیلیفون کی کھنٹی بجنے لگی۔ الپاڈ کی زینہ میں تھی لیکن دماغ کو یاد آتے ہی کھنٹی بجنے لگی۔ کوئی غیر معمولی بات ہو تو آٹھ کل جائے۔ اس نے فوراً ہی آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے ریسور کان سے لگایا۔ پھر کہا ”ہیلو؟“

دوسری طرف سے آواز آئی ”میں اٹھلی جنس کا ڈائریکٹر جنرل بول رہا ہوں۔ مجھے رپورٹ ملی ہے کہ ایڈیٹر فشر رانما کو چھوڑ کر اس بیٹلے سے بھاگ گیا ہے۔ میں نے تصدیق کرنے کے لئے اس بیٹلے میں فون کیا۔ وہاں کھنٹی بجتی رہی لیکن ہمارے کسی پیرا رینے فون انٹیز نہیں کیا۔ شاید فشر نے ایک افسر اور دو سپاہیوں کو قتل کر دیا ہے۔“

الپاڈ نے پوچھا ”اور وہ تین کسے؟ کیا فشر نے انہیں بھی ختم کر دیا ہے؟“

”نہا ہے۔ ان کھنوں کی زندگی میں وہ باہر قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔“

”اچھا میں دیکھتی ہوں۔“

وہ ریسور رکھ کر سوچنے لگی۔ ایڈیٹر فشر کی آواز اور لے کر یاد کرتے کرتے خیال خزانہ کی پرواز کرتے ہوئے اس کے دماغ تک پہنچ کر واپس آگئی۔ ایسا ایسا وقت ہوتا ہے جب کوئی سانس روک لیتا ہے۔

الپاڈ بہتر سے اٹھ کر آئینے کے پاس آئی پھر اپنے بالوں کو برش کرتے ہوئے سوچنے لگی ”ایڈیٹر فشر کا دماغ حساس نہیں ہے۔ جب وہ رانما کے ساتھ میاں پہنچا تھا تب میں نے انٹرپورٹ پر فشر کو آزاد کیا تھا۔ مجھے اس کے دماغ میں جگہ مل گئی تھی۔ اطمینان ہو گیا تھا کہ اس کے اندر کسی وقت بھی پہنچا جا سکتا ہے پھر اچانک تبدیلی کیسے آگئی؟ وہ کوا کا مہرے ہو گیا؟“

پھر الپاڈ نے سوچا ”فشر کے دماغ میں کوئی پنے یا نہ پنے“ رانما ضرور پہنچ سکتی ہے کیونکہ فشر اس کا معمول اور تابعدار ہے۔ اگر

47

میں رانما کی سوچ اور لہجہ اختیار کرکوں تو وہ سانس نہیں روکے گا، وہ رانما کی سوچ اور لہجے کو اختیار کرکے وہاں پہنچ کر وہاں پہنچ گئی۔ علی کی سانس رکی ہوئی تھی۔ وہ حیران رہ گئی۔ پول بل کی کچھ میں آئی کہ وہ رانما کے توجہ کی عمل سے نجات حاصل کر چکا ہے۔ اپنا گولڈن ریزنگ روپورٹ دینے کے لئے کھینچ کر اسے پاس آگئی۔

علی کو یہ علم نہیں تھا کہ الپا اس کے داغ میں دوبار آنے کی کوشش کرتے ہوئے ناکام ہو چکی ہے۔ اس نے الپا کا راستہ روکنے کے لئے سانس نہیں روکی تھی۔ دراصل وہ پولیس والوں سے چھپنے کے لئے ایک جگہ تاریکی میں لیٹا ہوا تھا۔ سیاہی قریب ہی ادھر ادھر اسے تلاش کر رہے تھے۔ وہ چاہتا تھا سیاہیوں کو اس کے سانس لینے کی آواز بھی سنائی نہ دے اس لئے اس نے سانس روک لی تھی۔

پھر وہ آہستہ آہستہ سانس لینے لگا۔ اس وقت وہ ایک سرونٹ کارڈز کی چھت پر لیٹا ہوا تھا۔ کوئی تیس قدم کے فاصلے پر ایک بہت بڑی کوٹھی تھی۔ وہ دیکھتا ہوا چھت کے کنارے آیا۔ نیچے کوئی سیاہی دور تک نظر نہیں آتا تھا۔ شاید وہ واپس ہو کر چلے گئے تھے۔ اس نے ذرا دیر تک انتظار کیا پھر چھت سے اتر کر نیچے آیا۔

پولیس والے بھی چلاک تھے۔ وہ تاریکی میں چھپے ہوئے تھے۔ انہوں نے اچانک ہی اس پر چلاک لگائی لیکن اسے جہاز نہ سکے۔ وہ متاثر نہ ہو کر رہا۔ کسی کولات کھونے مارا تھا کسی کو دونوں ہاتھوں سے اٹھ کر جیک رہا تھا۔

پولیس کار میں بیٹھا ہوا چیف ریسور کان سے لگائے سن رہا تھا۔ دوسری طرف سے اس کا سینزور فسر رہا تھا۔ ”بھی رپورٹ ملی ہے کہ ٹیلی بیٹھی جانے والے فسر کے داغ میں نہیں پہنچ سکتے۔ یہ حکم دیا گیا ہے کہ فسر کو گولی مار کر زخمی کر دو تاکہ اس کے داغ میں جگہ مل سکے۔“

چیف نے ریسور رکھا اور اپنا رپورٹ نکال کر سپاہیوں کی طرف دوڑتے ہوئے بولا ”بہت جاؤ۔ میں ناکر رہا ہوں۔ فسر کو زخمی کرنا ضروری ہے۔ دوڑو۔“

علی نے یہ سنتے ہی کوٹھی کی طرف دوڑ لگائی۔ فائرنگ سے بچنے اور چھپنے کی وہی ایک جگہ تھی۔ ٹھیک ہی آواز کے ساتھ ایک گولی سنائی ہوئی اس کے قریب سے گزر گئی۔ دوسری بار فائرنگ کی آواز گونجی اس کے ساتھ ہی علی نے فضا میں اچھل کر جیسے غوطہ لگایا پھر لیوی لاؤنچ کے شیشے کو توڑ دیا تو زخمی کے اندر آگیا۔

کوٹھی کے اندر جیسے زلزلہ آیا۔ وہاں رہنے والے ایک مرد اور ایک عورت کی گرجتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ”کون ہے؟“

علی تائیلین پر آکر گر رہا تھا۔ وہ فرار ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب اسے کوٹھی کے کینوں سے بھی مشتاق تھا لیکن جب وہ زمین ایک کمرے سے نکل کر اس کے سامنے آئے تو وہ حیرانی سے انہیں دیکھتا رہ گیا۔

اس نے آج تک ہوا جیسے انسانی دیوتوں نہیں دیکھے تھے۔ اس نے بابا صاحب کے ادارے میں سوسانہ اور جبرائیل کو دیکھا تھا۔ ان سے دوستی بھی تھی۔ وہ پارس کی طرح سوسانہ کو آتا جان سکتا تھا لیکن ابھی خود کو بھولا ہوا تھا۔ ادھر سوسانہ اور جبرائیل اسے نہیں پہچان سکے تھے کیونکہ علی کی شخصیت اور صورت بدلی ہوئی تھی۔

فی الوقت وہ ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے اور کوئی اجنبی شیشے توڑ کر گھر میں گھس آئے تو وہ دشمن سمجھا جاتا ہے۔ جبرائیل نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے طعن کو دبوچ لیا۔ علی نے سانس روک لی۔ جبرائیل کے منہ پر کراٹے کا ہاتھ مارا۔ وہ ہاتھ فولادی تھا۔ جبرائیل کو ذرا تکلیف پہنچی۔ اس نے برداشت کرتے ہوئے علی کو اوپر اٹھالیا۔ اس کے پاؤں زمین سے اٹھا ڈیڑھے۔

ان ہی لمحات میں الپا نے علی کے داغ میں آتا چلا پھر ایک بار سوچ کی لہرس واپس آگئیں کیونکہ علی اپنی گردن چھڑانے کے لئے سانس روکے ہوئے تھا۔ وہ چیف کے داغ میں آکر ملی ”تم نے گولیاں ضائع کی ہیں۔ وہ زخمی نہیں ہوا ہے۔ اس نے سانس روک لی ہوئی ہے۔“

چیف نے کہا ”ادام اپری مشکل ہے۔ وہ سوسانہ اور جبرائیل کی کوٹھی میں چلا گیا ہے۔“

الپا نے کہا ”وہ گاؤں ہاری پوری کوشش ہی تھی کہ رانما اور فسر کو ان انسانی دیوتوں سے دور رکھا جائے تاکہ سوسانہ تک نہ پہنچ پائیں۔ ہم رانما کو لے آنا لے گئے تھے۔ کہاں نے آنا اور کہاں تل آئی۔ وہ کینٹ فٹر ایک طویل فاصلے کے کرکے فرار کے آواز کا دھڑکے گھر میں گھس گیا ہے۔ اسے کسی بھی طرح وہاں سے نکالو۔“

”ہیں داماد! میں سپاہیوں کے ساتھ کوٹھی کے اندر جا رہا ہوں۔“

وہ سپاہیوں کے ساتھ کوٹھی کے دروازے کی طرف جانے لگا۔ علی نے جبرائیل کے شیشے میں اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ سانس تو پیلے ہی روکی ہوئی تھی۔ جبرائیل نے سمجھا کہ اس کا دم نکل گیا ہے۔ اس نے علی کو ایک طرف پیچھک دیا۔

وہ فرش پر گر کر ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ جبرائیل نے اسے تھوڑا سمجھا تھا۔ محو نے فضا میں اچھل کر اس کے سینے پر ایک فلائنگ کک ماری۔ وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑا کر لی دی سے ٹکرا اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ لی دی کے ساتھ فرش پر گر پڑا۔

سوسانہ دلچسپی سے یہ مقابلہ دیکھ رہی تھی۔ وہ حیرانی سے بولا ”عجب ہے۔ میں پولی ہار تمہیں کسی کے مقابلے میں کرتے ہوئے دیکھ رہی ہوں جبرائیل!“

جبرائیل نے کہا ”اوہ سوسانہ! تم نے یہ نہیں دیکھا کہ اس جوان نے ماسٹر وائٹ روڈی کے انداز میں لگ ماری ہے۔ رنگ کے

دوران جب ماسٹر وائٹ روڈیوں پر حملے کرتا تو ہم سنبھل نہیں پاتے تھے۔“

سوسانہ نے علی کو قہر میں نظروں سے دیکھا۔ پھر جبرائیل سے کہا۔ ”یہاں ہے تو تم تھوڑا دیکھو۔ میں اس سے مقابلہ کروں گی۔“

وہ مقابلے کے لئے ڈٹ گئی۔ علی نے دونوں ہاتھ اٹھ کر کہا۔ ”پلیز بچھو دشمن۔ سمجھو۔ میں ایک دشمن ٹیلی بیٹھی جاننے والی کے شیشے سے نکلنے کے لئے پناہ لینے آئی ہوں۔ اگر تم دونوں بے ہوش ہو گئے مجھے مجبوراً یہاں سے بھی بھاگنا ہوگا اور اگر بے ہوشی میں ہوتو فارگاؤ۔ ایک مہینہ بدد کرد۔ میں بھی تمہارے کسی کام آسکتا ہوں۔“

سوسانہ اور جبرائیل نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر وہ بولی ”کیا چاہتے ہو؟“

کالی بلی کی آواز سنائی دینے لگی۔ علی نے کہا ”میں کی پولیس مجھے گرفتار کرنے آئی ہے جبکہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔“

”اگر تم مجرم نہیں ہو تو تمہیں کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا۔ آؤ ہمارے ساتھ چلو۔“

علی ان کے ساتھ بیرونی دروازے کی طرف جانے لگا۔ کالی بلی کی آواز دھتے دھتے سے آ رہی تھی۔ علی نے پوچھا ”کیا وہ تمہارے کہنے سے مجھے گرفتار نہیں کریں گے؟“

جبرائیل نے کہا ”ہم انہیں سمجھا نہیں گئے۔ وہ باتوں سے نہیں سمجھیں گے تو باتوں سے ضرور سمجھ لیں گے۔“

اس نے دروازے کے پاس آکر اسے کھولا۔ باہر اٹلی جنس کا چیف میک پولیس افسر اور کئی سپاہی کھڑے ہوئے تھے۔ چیف نے اپنا کارڈ دکھا کر کہا۔

”میں اٹلی جنس ڈیپارٹمنٹ کا چیف ہوں۔ یہ جوان ایڈی فسر تمہارے گھر کا شیشہ توڑ کر اندر آیا ہے، ہم اسے گرفتار کرنے آئے ہیں۔“

سوسانہ نے پوچھا ”کیا ہمارے گھر کا شیشہ توڑنے اور یہاں گھس کرنے کے جرم میں گرفتار کرنا چاہتے ہو؟“

افسر نے کہا ”یہ واقعی جرم ہے۔ آپ بھی مانتی ہیں۔“

”مانتی ہوں اور اس جوان کی غلطی کو معاف کرتی ہوں۔ ہمارے مکان کے بعد یہ جرم نہیں رہا۔ لہذا اسے گرفتار نہ کرو۔“

افسر نے چیف کو دیکھا پھر کہا ”داماد! ہم معاف کر سکتے ہیں مگر یہ ہمارا بھی جرم ہے۔ ہمیں امید ہے، تم قانون کے تقاضے پورے کرنے سے ہمیں نہیں روکی۔“

جبرائیل نے کہا ”اس نے ہمارے گھر میں پناہ لی ہے۔ لہذا ہم بھی قانون کے تقاضے پورے کرنے کے لئے اس کا جرم معلوم کریں گے۔“

”سٹر جبرائیل! تم نے وعدہ کیا تھا کہ ہمارے ملکی معاملات میں مداخلت نہیں کرو گے۔ بیشتر ملکی معاملات راز میں رہتے ہیں۔ یہ جوان ہمارے ایک راز سے تعلق رکھتا ہے۔ تمہیں اپنے وعدے کا پابند رہنا چاہیے۔“

جبرائیل نے علی سے پوچھا ”کیا تمہارا تعلق اس ملک سے ہے؟“

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا ”میں امریکا سے آیا ہوں اور مجھے یہاں آنے سے پہلے پوچھنا چاہیے تھا۔ میں نہیں ہوں۔“

جبرائیل نے افسر سے کہا ”جب یہ تمہارے ملک سے تعلق نہیں رکھتا ہے تو تمہارے ملکی معاملات سے کیسے تعلق رکھتا ہے؟“

”یہ غیر ملکی جاسوس ہے۔ ہمارے ملک کو نقصان پہنچانے آیا ہے۔“

”یہ جھوٹ ہے۔ رانما نامی ایک عورت نے مجھے ٹیلی بیٹھی اور توجہ کی عمل کے ذریعے اپنا تابعدار بنایا ہے۔ میرے ذہن سے میری پہیلی زندگی بھلا دی ہے۔ جب میں اپنے آپ کو نہیں پہچانتا ہوں تو اس ملک کے خلاف کیا خاک جاسوسی کروں گا۔“

چیف نے کہا ”سٹر جبرائیل! یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ہم اپنے خیال خواتی کرنے والوں کے ذریعے اسے جھوٹا ثابت کر دیں گے۔“

سوسانہ نے کہا ”ہمارے خیال خواتی کرنے والے بھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیتے ہیں۔ اس لئے ٹیلی بیٹھی جانے والوں کو زحمت نہ دینا۔ یہ جوان جھوٹا فریبی ثابت ہوگا تو ہم خود اسے تمہارے حوالے کر دیں گے۔“

اسی وقت لیٹی نے جبرائیل کے اندر آکر کوڈور ڈاؤن کے پھر کہا۔

مارشل آرٹ

کھدے لیے اپنی اہم.....
دوروں کی حفاظت کیجیے

ابتداء سے ایک ہیٹ تک

کھدے کے لیے

- اس کتاب میں تمام مشقوں کی تفصیلات دی گئی ہیں جو کہ ایک ہیٹ تک تک پہنچنے کے لیے ضروری ہیں۔
- ان مشقوں میں ان مشقوں کے لیے ضروری ہیں جو کہ ایک ہیٹ تک تک پہنچنے کے لیے ضروری ہیں۔
- ہر مشق کو اس کتاب میں تفصیلات سے بیان کیا گیا ہے۔
- اس کتاب میں ان مشقوں کے لیے ضروری ہیں جو کہ ایک ہیٹ تک تک پہنچنے کے لیے ضروری ہیں۔

”میں دوسری جگہ مصروف ہوں۔ صرف خیریت معلوم کرنے آئی ہوں۔“
 وہ بولا ”متم خیریت سے ہیں۔ یہ جو ان کا ذمہ کا باعث بنا ہوا ہے۔ یہ بیوروں سے بھاگ کر ہمارے پاس پناہ لینے آیا ہے۔ یہ افسران سے گرفتار کر کے لے جاتا چاہتے ہیں۔“
 علی نے پوچھا ”یہ جو ان کہاں سے آیا ہے؟ کیا نام ہے اس کا؟“

”نام ہے ایڈیٹور اور کتا ہے کسی رانما نے تو خیر عمل کے ذریعے اس کی یادداشت کم کر دی ہے۔“
 علی نے خوش ہو کر کہا ”خدا! ایچ لاکھ لاکھ شکر ہے دیکھو جڑا کل! میں جو کہہ رہی ہوں اسے سن کر خوشی کا اظہار نہ کرنا۔ یہ نوجوان ہمارا علی تیمور ہے۔“

جڑا کل نے حیرانی سے علی کو دیکھا۔ سوسائٹ پولیس افسر سے باتیں کر رہی تھی۔ جڑا کل نے کہا ”تم زیادہ بحث نہیں کریں گے۔ ہمارا فیصلہ ہے کہ یہ جو ان ہمارے پاس رہے گا۔ اگر تم لوگ فوراً واپس نہ گئے تو ایک ایک کی گردن توڑ دوں گا۔“
 چیف نے کہا ”تم جارہے ہیں۔ ہمارے بڑے تم سے منٹ لیں گے۔“

”جائے سے پہلے ایک وارننگ سن لو۔ اس جو ان کے داغ میں تمہارا کوئی ٹیلی پیجی جائے والا نہ آئے۔ ہمارے خیال خدائی کرنے والے ہمیں باخبر نہیں گئے اگر کوئی چسپ کر آئے گا اور اسے نقصان پہنچائے گا تو جواباً تمہارا جو نقصان ہوگا اس پر تمہارے تمام بیرونی اکابرین ماتم کرتے رہ جائیں گے۔ ناکٹ لاسٹ۔“

جڑا کل نے دروازہ بند کر دیا۔ بند دروازے کے باہر پولیس والوں کے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ واپس جا رہے تھے۔ جڑا کل دروازے کے پاس سے پلٹ کر سوسائٹ کے پاس آیا۔ پھر بولا ”یاد ہے، اس نوجوان نے ماشروانو سوئی کے اندامیں مجھے فلائنگ کل مار دی تھی؟“

وہ بولی ”یاد ہے مگر تم یاد کیوں دلا رہے ہو؟“
 اس نے کہا ”یہ تمہارا دوسرا بھائی علی تیمور ہے۔“
 ”کیا؟“ سوسائٹ نے حیرانی سے چیخ کر علی کو دیکھا۔
 علی علی کے داغ میں کہہ رہی تھی۔ ”بے ایم! تم جگہ جگہ مجھے ہو۔ میں جلدی تمہاری پچھلی زندگی یاد دلاؤں گی۔“

اس نے پوچھا ”تم کون ہو؟“
 ”میں تمہاری ماں ہوں۔ میرا نام علی ہے۔ ابھی اس سے زیادہ نہ پوچھو۔ میں اس بات کا انتظام کرنے جا رہی ہوں کہ رانما اور دوسرے دشمن ٹیلی پیجی جانتے والے خاموشی سے تمہارے اندر ہینچ کر تمہیں نقصان نہ پہنچائیں۔ میں جلدی آؤں گی۔ یہ سامنے تمہاری بہن سوسائٹ ہے۔“

اوجھڑا کل نے سوسائٹ کو بتایا کہ علی کی حقیقت درحقیقت نے

بتائی ہے۔ سوسائٹ خوشی سے دوڑتی ہوئی آئی اور علی سے پلٹ کر اپنے وقت درویش بن کر محبت منگنی پڑی تھی۔ وہ خوشی سے لگتی تھی مگر گلے والے کی سانس رکنے لگتی تھی۔
 ایسے وقت پارس بھی سوسائٹ سے دور بھاگتا تھا لیکن انہماک میں پھنس گیا تھا۔ بچاؤ کی ایک ہی صورت تھی اس سانس روک لی۔۔۔۔۔ یہ بچاؤ کے ماہر جانتے ہیں کہ سانس روک سے قوت برداشت میں اضافہ ہوتا ہے۔

وہ سانس روک کر بہن کی پہلوانی محبت کو برداشت کر رہا تھا دوسری طرف انجانے میں قائمہ بھی پہنچ رہا تھا۔ الپا پارس داغ تک آئی تھی اور سانس روکنے کے باعث اس کی سوچ کی لہر واپس چلی گئی تھی۔

میں نے محل پر وہ میں لال مل کے پاس ایک چھوٹا سا سا کرائے پر حاصل کیا اور وہاں ایک عام شہری کی حیثیت سے رہا۔ ایک طویل مدت کے بعد اپنے باپ دادا کا لباس شلوار لپٹنے لگا۔ ایک ایسی عوامی طرز زندگی اختیار کی کہ دشمن اور دور نما دشمن بھی مجھے فریاد علی تیمور کی حیثیت سے پہچان نہیں دے سکتے۔

یہ ہم سب کے لئے بڑے شرم کی بات ہے کہ میں اپنے وطن میں اپنے لوگوں کے درمیان نہ چھپا رہا تھا کیونکہ میرا خلاف محاذ آزادی شروع ہو چکی تھی۔ بڑے بڑے سرمایہ دارا جاکیر دار سمجھے گئے تھے کہ میں پاکستان میں رہ گیا تو وہ دنیا سے ا جائیں گے یا ناجائز ذرائع سے حاصل ہونے والی دولت سے نم

ہو جائیں گے۔ انہوں نے ملک کے بڑے بڑے اخبارات میں میرے خلاف بیانات شائع کرانے کی کوششیں کیں لیکن اخبارات کے ذمہ مالکان نے کہا ”فریاد علی تیمور ایک کشش، ایک خیالی کردار ہے اگر وہ حقیقت ہے اور وہ اس ملک میں ہے تو قانون کے حافظہ گرفتار کریں۔ عدالت تصدیق کرے کہ وہ ایک زندہ کردار ہے اپنے اخبارات میں اپنا خاما سواد شائع کریں گے۔“

دیوے اور دیوی والوں نے بھی مجھے ایک زندہ کردار کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اگرچہ چھپنے والوں میں الا قوامی شہادہ اور نے مجھے اور سوسائٹ کو دی اسکرین پر پیش کیا تھا اور وینچ کے بھی مناظر پیش کئے تھے لیکن یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہی فریاد پاکستان میں ہے۔ اگر کوئی فرانس کے فریاد وینچ میں ہے تو یہ ملک سے باہر کا معاملہ ہے۔

اپنی بہن شاز کے دروازے پر میں نے عوامی عدالت کی تھی لیکن وہاں عوامی عدالت کی کوئی نہیں تھی تھی۔ دروازے کے سامنے راجا منصور علی اس کا ایک جوان بیٹا بیوروں کا ایک ایجنٹ جان شیر باز موت کے گھاٹ اتارے تھے۔ جن پولیس افسران اور اعلیٰ عہدیداران کے سامنے آیا

تھا انہوں نے میرے خوف سے یہ رپورٹ پیش کی تھی کہ وہ تین پاکستان کے بدترین دشمن تھے۔ انہیں کسی نے قتل نہیں کیا تھا انہوں نے خودکشی کی تھی۔

جو صاحبان اقتدار تھے انہیں مجھ سے اور مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ اپوزیشن والے مجھے اپنا حامی بنا کر میری ٹیلی وینچ کے ذریعے حکمران پارٹی کی کردوایا ثابت کرنا چاہتے تھے میں نے اپوزیشن کے ایک لیڈر سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میرا پاکستانی کو حکومت وقت سے وفاداری کہنی چاہئے۔ اگر اپوزیشن عوام کی حمایت سے حکومت بنائے تو ہم ان کے وفادار رہیں گے۔ یہ بدورت کا تقاضا ہے جو حکومت کر رہے ہیں، انہیں پانچ برس تک کام کرنے دیا جائے۔ وہ کام ہوں گے تو اگلے انتخابات میں عوام انہیں کرسی سے اتار دیں گے۔

میں خیال خدائی کے ذریعے پارس کے پاس آیا۔ میرا بیٹا بیورو کے نام سے پاکستان آیا تھا اور اپنی پہلی شادی کو بھی کے سامنے والی کو بھی میں قیام کر رہا تھا۔ اس کو بھی کے مالک کا نام آنر بیورو تھا۔ ہم نے آنر بیورو اور اس کی وائف پر خوشی عمل کیا تھا اور ان کے داغوں میں یہ نقش کر دیا تھا کہ بیورو ذرا ان کا اپنا بیٹا ہے۔

جان شیر باز کی بیٹی نوذینہ ایک بیورو منصوبے کے تحت آئی تھی۔ اس نے بھی آنر بیورو کے ہاں قیام کیا تھا۔ پارس کو دوست بنا تھا۔ پھر یہ بدستی بڑی منگنی پڑی تھی۔ اس نے اپنے باپ جان شیر باز کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھا تھا۔ پھر پارس کی بدستی سے قہر کے اپنے باپ کی لاش دہاں سے لے لی تھی۔

ہم نے نوذینہ کو جانے دیا۔ کیونکہ وہ بیوروں کا ایک کام مہو تھا۔ ہمیں ان کے بڑے بڑے مہموں سے نمٹنا تھا۔ اس مقصد کے لئے پارس میری ہدایت کے مطابق ایک کارڈرائیو کرتا ہوا اور ہر سہ ہفتہ نوذینہ اور ایک دوا ساز کیمنی میں پہنچ گیا۔

اس دوا ساز کیمنی کا مالک چودھری حاکم علی حاکم تھا۔ وہ اسلام آباد میں رہتا تھا۔ اس کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا ڈاکٹر تھے۔ ان دونوں کا قیام لاہور میں تھا کیونکہ وہ اپنی عمرانی میں ادویات تیار کرتے تھے۔ پارس ڈرائیو کرتا ہوا انہیں لیبارٹری کے بڑے آہنی گیٹ کے سامنے پہنچا۔ سڑک گارڈ نے پوچھا ”آپ کون ہیں؟ کس سے ملنا چاہتے ہیں؟“ میں اس کے داغ میں پہنچ گیا۔

پارس نے کہا ”میں ایک میڈیکل آفیسر ہوں۔ میرا نام عامر من ہے۔“

وہ گارڈ کیمین کی طرف جانے لگا۔ اس کے خیالات بتا رہے تھے کہ وہ دوا ساز کیمنی کے مالک کے بیٹے ڈاکٹر نعمان حاکم کو ایک میڈیکل افسر کی آمد کی اطلاع دینے جا رہا تھا۔ اس نے کیمین میں عامر من پر رابطہ قائم کرنے کے بعد کہا ”جناب! ایک میڈیکل افسر عامر من آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔“

ڈاکٹر نعمان نے کہا ”آئیے دو۔“

میں نعمان کے اندر پہنچ گیا۔ وہ رہیور رکھ کر سوج رہا تھا۔ ”یہ عامر حسن کوئی نیا میڈیکل آفیسر ہے۔ میں چلی بار یہ نام سن رہا ہوں۔ ڈیڑی نے تاکید کی ہے کہ کسی سے اپنی انجینی نفس پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ فریاد علی تیمور کی کو بھی اپنا آواز کا رہا ہوا ہے لینے کے لئے یہاں لیبارٹری میں بھیج سکتا ہے۔“

اس نے اکثر کام کا رہیور اٹھایا۔ پھر وہ بن باری باری دہانے کے بعد انتظار کیا۔ دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔ ”ہیلو!“

نعمان نے کہا ”صوفیہ! ایک نیا میڈیکل آفیسر آیا ہے۔ میرے جیسر میں داخل ہونے والا ہے۔ جو غیر قانونی آئٹم ہے اسے د خانے میں پہنچا دو۔“

صوفیہ نے کہا ”بھائی جان! اطمینان رکھیں۔ ابھی لیبارٹری میں کوئی قابل گرفت آئٹم نہیں ہے۔ سب د خانے میں ہے۔ بانی دیوے یہ تیار محوٹ کون ہے؟“
 ”تم اپنے جیسر میں رہو۔ میں خفیہ مائیک آن رکھوں گا۔ تم اس کی باتیں سن سکو گی۔“

اس نے رہیور رکھ دیا۔ پھر دروازے پر دستک سننے ہی خفیہ مائیک کے شن کو آن کرتے ہوئے ٹیلی فون کے رہیور کو اٹھایا۔ حالانکہ فون کی کھنٹی نہیں بجی تھی۔ کسی نے فون کے ذریعے کال نہیں کیا تھا لیکن وہ آنے والے افسر کے سامنے اپنی مصروفیات بتانا چاہتا تھا۔

میں نے اسے صرف دو سیکنڈ کے لئے غائب داغ بنایا اور اس کے ہاتھ سے ٹیلی فون پلگ کے تار کو کھینچ دیا۔ پلگ اپنے سوچ بڑ سے نکل گیا۔ پھر میں نے ہاتھ سے رہیور میز پر گرا کر اسے حاضر داغ بنایا۔ اس نے میز سے رہیور اٹھا کر سوجا ”میں نے افسر کی آمد سے غیر شعوری طور پر کچھ غصہ ہو گیا ہوں۔ کمال ہے رہیور ہاتھ سے چھوٹ گیا۔“

دوسری بار دستک کی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا ”کم ان؟“ یہ کہہ کر رہیور رکان سے لگا کر لے لگا پارس دروازہ کھول کر اندر آیا۔ ڈاکٹر نعمان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے فون پر کہا ”ہاں ہاں میں جانتا ہوں کہ ہماری دوا میں معیاری ہونے کے باوجود اپنا چلن اور دواؤں کی دکانوں میں کیوں کم نظر آتی ہیں؟ اس لئے کہ ہم سرکاری اور پرائیویٹ ڈاکٹروں کو کمیشن نہیں دیتے ہیں۔ یہ تمام ڈاکٹر اپنے مریضوں کے فحشوں میں ہماری دوا میں نہیں لگتے ہیں۔ بے چارے مریض وہی دوا میں خریدتے ہیں جس کا مشورہ ان کے ڈاکٹر دیتے ہیں۔ اس لئے ہماری لیبارٹری کی ادویات مارکیٹ میں بہت کم نظر آتی ہیں۔“

پھر وہ کان سے رہیور لگائے ”ہوں ہوں ہاں ہاں“ یوں کہنے لگا جیسے دوسری طرف کی گفتگو سن رہا ہو۔ پھر وہ بولا ”آپ درست کہتے ہیں ہمارے ملک میں رشوت کے بغیر کوئی کام نہیں چلا۔ بہت نقصان اٹھانے کے بعد یہ عمل آئی ہے کہ رشوت کا نام

پل کر "نذرانہ" کر دیا جائے اور صرف ڈاکڑوں کو ہی نہیں انکار ہی کرنے والے افسروں کو بھی نذرانہ پیش کیا جائے۔ جس کی بالکل ٹھیک کیا اور کتنا ہی ہوگا۔ ہم دو اداؤں کی قیمت بڑھا دیں گے جو رقم رشتہ کے طور پر دیں گے، وہ گاؤں کی جیب سے وصول کر لیں گے۔ ہوں ہوں ہاں! "چھائیں پھر فون کوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے رسیور رکھ دیا۔ پھر پاس سے ہنسنے ہوئے بولا۔ "اس ملک میں شرافت اور ایمان داری سے کا دبا کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ منافع تو دور کی بات ہے۔ کا دبا کرنا لگا ہی ہوئی رقم بھی ڈوب جاتی ہے۔ اگر ڈاکڑوں اور متعلقہ افسروں کو رشتہ دو تو کا دبا کر چٹک جاتا ہے اور منافع آسمان تک پہنچ جاتا ہے۔ بالی دی دے مسٹر! آپ کون ہیں؟"

پارس نے مسکرا کر کہا "ہیٹ پر ڈیوٹی دینے والے گاؤں نے تمہیں بتایا تھا کہ میرا نام عامر حسن ہے اور میں۔۔۔"

وہ بات کاٹ کر بولا "آپ میڈیکل آفیسر ہیں۔ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

اس نے مصافحے کے لئے میز کے ادھر سے ہاتھ بڑھا دیا۔ پارس نے دوسرے کہا "معاف تو بعد میں بھی ہو جائے گا۔ پہلے ٹیلی فون کا پلگ لگاؤ۔ آخر تک تک مرہ فون پر بدحواسی سے باتیں کرتے رہو گے؟"

اس نے چونک کر پلگ کی طرف دیکھا پھر بولا "یہ پلگ تو گواہ تھا۔ یہ کب نکل گیا؟"

"یہ اس وقت بھی نکلا ہوا تھا جب تم بدوحاسی سے باتیں کر رہے تھے۔"

ڈاکٹر نعمان نے ناگواری سے پوچھا "کیا تم نے کتنا چاہے ہو کہ پلگ لگا ہوا نہیں تھا اور میں پوچھ کر اس کو ہٹا دیتا؟"

"تم کو اس نہیں کر رہے تھے۔ فون کے برائے مجھ جیسے نئے افسر کو سمجھا رہے تھے کہ اگر میں رشتہ خور ہوں تو مجھے یہاں سے معقول رقم ملے گی۔ اور اگر ایمان دار ہوں تو مجھے معلوم ہو جائے گا کہ آج تک تم نے کسی کو رشتہ نہیں دی۔ کا دبا کر منافع آسمان تک پہنچا رہے تھے اور اب رشتہ کے لین دین پر مجبور ہو رہے ہو۔ یعنی چٹ بھی تمہاری اور پٹ بھی تمہاری۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "دیکھئے۔ آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔"

"مجھے وہ فون کا پلگ صحیح سمجھا رہا ہے۔"

اسی وقت صوفیہ جیمز کا پچھلا دروازہ کھول کر آئی اور آتے ہی سوچ بڑے سے دور پڑے ہوئے پلگ کو دیکھا پھر اپنے بھائی کو گھورتے ہوئے کہا "بھائی جان! لیبارٹری میں آپ کی ضرورت ہے۔ فوراً جائیں۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولا "صوفیہ! یہ مسئلہ۔"

وہ بات کاٹ کر بولی "پلیز بھائی جان! آپ فوراً جائیں۔"

وہ تیزی سے چل کر اچھٹا دروازے سے چلا گیا۔ صوفیہ پارس

کو گہری نظروں سے دیکھتی رہی اور الونک جیمز کے پاس آئی پھر وہاں بیٹھ کر بولی "کون ہو تم؟"

وہ مسکرا کر بولا "یہ پوچھ کر تم اپنے بھائی کی طرح غلطی کر رہی ہو۔ وہ خفیہ مائیک جو اس میز کے نیچے ہے اس کا تار ڈھیلا ہو کر جھول رہا تھا۔ جب میں یہاں آکر بیٹھا تو یہ مائیک جھولنے ہوئے میرے پاس سے آکر لگا۔ یہ دیکھو۔"

اس نے میز کے نیچے سے مائیک کو کھینچ کر دکھایا، وہ بولی "تم نے کتنا چاہے ہو کہ میں اس کے ذریعے تمہاری گفتگو سن رہی ہوں؟"

وہ بولا "یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ کہہ کرے میں داخل ہو کر پہلے وہاں بیٹھنے ہوئے اجنبی کو دیکھتا ہے لیکن تم نے یہاں قدم رکھتے ہی اس پلگ کو دیکھا جو ہماری گفتگو کا موضوع بنا ہوا تھا۔"

وہ کرسی کی پشت سے نیک لگا کر بولی "تمہیں میڈیکل آفیسر نہیں، جاسوس بننا چاہئے تھا۔"

"اور تمہیں ڈاکٹر نہیں، مس یونی کوئی کھانا چاہئے تھا۔"

"پوشٹ اپ! مجھے سے فری ہونے کی کوشش نہ کرو۔"

"کیا تم بھی مسکراتی ہو؟ اگر نہیں تو میں تمہیں مسکراتے پر مجبور کر دوں گا۔"

"تم میڈیکل آفیسر ہو اس لئے لحاظ کر رہی ہو۔ ورنہ میرے آدمی تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دیتے۔ مجھ سے صرف کام کی باتیں کرو۔"

"پہلی کام کی بات یہ کہ تمہارا اندازہ درست ہے۔ میں میڈیکل آفیسر نہیں، واقعی جاسوس ہوں۔ یہ ہمارا سرکاری شناختی کارڈ۔"

اس نے ایک شناختی کارڈ اس کی طرف پھینکا۔ صوفیہ نے اسے اٹھا کر پڑھا "ذرا پریشان ہوئی پھر سنبھل کر بولی "میں آنے کا مقصد کیا ہے؟"

وہ بولا "پولیس والے یہاں سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ میرا سٹنل ملنے ہی یہاں چھاپا ماریں گے۔"

"اگر سر جی وارنٹ لائے ہو تو دکھاؤ اور پولیس والوں کو سٹنل دو۔ ہمارے ہاتھ صاف ہیں۔"

"میں جانتا ہوں لیبارٹری کی تلاشی لینے سے وہ غیر قانونی آٹم نہیں لے گا جو داد میں مل گیا جاتا ہے۔"

"جب جانتے ہو کہ کچھ نہیں لے گا تو کیا رشتہ کا مال کمانے آئے ہو؟"

وہ مسکرا کر بولا "اتنا جذباتی مال سامنے ہو تو کون نہیں کمانے گا۔"

"تم حد سے بڑھ رہے ہو۔ تمہارے اعلیٰ افسران کو یہاں بلاؤں یا شرافت سے خودی جاؤ گے؟"

اس نے فون کا رسیور اٹھایا۔ پارس نے کہا "پہلے پلگ لگاؤ۔"

وہ رسیور کو کریڈل پر پٹ کر کر رہی سے اٹھی۔ پھر قالین پر

پلگ اٹھا کر سوچ بڑے میں لگے لگے۔ پارس نے کہا "تمہاری لیبارٹری کا ایک خاص ملازم ہمارا تجربہ ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ وہ خانے کا چور دروازہ کہاں ہے اور کیسے کھاتا ہے۔"

صوفیہ پلگ بڑے پر چلی رہ گئی۔ کچھ دھک سے رہ گیا تھا۔ لاکھوں روپے کا غیر قانونی آٹم وہاں چھپا کر رکھا گیا تھا۔ اس نے پلگ لگا کر وہاں سے اٹھتے ہوئے پارس کو چور نظروں سے دیکھا پھر کرسی پر آکر بولنے لگی "جیسے پہلے ہی ہو۔"

پارس نے کہا "شاید تم اسے محض دھمکی سمجھو۔ اس لئے بتا دوں کہ ایک چھوٹے سے کمرے میں ایک میز پر ٹیلی فون سیٹ رکھا ہوا ہے۔ دراصل وہ ٹیلی فون نہیں ہے۔ تلاشی لینے والوں کو کہہ دیا جاتا ہے کہ ٹیلی فون خراب ہے۔ حقیقتاً اس کا تعلق چور دروازے سے ہے۔ جب رسیور اٹھا کر ڈبلی زبردن زبردن ناک زبردن داخل کیا جاتا ہے تو چھوٹے سے کمرے کی ایک دیوار دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ملائیمٹک دروازے کی طرح کھل جاتی ہے۔ کیا میں یہ خانے کے بارے میں بھی بتاؤں؟"

وہ کرسی کی پشت پر رکھے ہوئے توتلے سے چرے اور گردن کا پینہ پوچھنے لگی۔ پارس نے کہا "میں انٹری جان ہوں۔ صرف سنا ہے کہ شاپ میں اتنی آگ ہوئی ہے کہ دوسرے کمرے میں بھی پینہ آتا ہے۔ پینہ شاپ کا ہے یا میرے حساب کا؟"

وہ مسکرا کر گھاسا صاف کرتے ہوئے بولی "اتنی گہری معلومات کے بغیر تم پولیس بائیں کے ساتھ دھناتے ہوئے یہ خانے تک پہنچ جاتے لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔ اس کا مطلب ہے، سمجھوتے کی گنجائش ہے یا بولو کیا چاہتے ہو؟"

"ابھی ذرا در پہلے میں نے کہا تھا کہ مسکراتا نہیں جانتی ہو تو میں تمہیں مسکراتے پر مجبور کر دوں گا۔"

یہ سنتے ہی وہ مسکراتے لگی۔ پارس نے کہا "میں آئینہ ہو تو دیکھو۔ مسکراتے ہوئے چرے پر ہمارے قربان ہو رہی ہیں۔"

"میں صرف ڈیوٹی اور می کے سامنے کبھی بھی مسکراتی ہوں ورنہ بھائی جان کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔"

"میں مجھے خاطر میں لاری ہو؟"

"پلیز مجھے اور مسکراتے پر مجبور نہ کرو۔ تم عاشق مزاج ہو، میں نہیں ہوں۔ کام کی بات کرو۔"

"میں لوہے سے فولاد بن کر ہوں۔ اور حسن سے پھول کی زبان میں تنگ کرنا ہوں۔ کام کی بات تمہارے باپ سے ہوگی۔ تم بتاؤ آج رات کا کھانا کس ہوٹل میں کھاؤ گی؟"

"میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔"

"پھر کیسی ہو؟ شریف، نیک اور پاکیزہ؟ کیا مرنے کے بعد میری جنت میں جاؤ گی؟ اور بات میں انجن اور انکھل ملا کر؟"

صوفیہ کو گہری نیند ملا کر انہیں وقتی طور پر مرض کی تکلیف سے نجات دلا کر اور دائمی طور پر نئے کاغذی بنا کر تم جنت کا سرٹیفکیٹ حاصل کر رہی ہو؟ کیوں عزت دار بن رہی ہو؟ اگر ہر رات کسی کے

ساتھ نہ کلا کرتی رہو تو یہ صرف تمہارا گناہ ہو گا میری دوا نہیں فروخت کر کے تم پوری قوم کی مجرم بن چکی ہو۔ پھر دعوئی ہے کہ ایسی لڑکی نہیں ہو۔"

وہ بولی "ہاں میں ایسی نہیں ہوں۔ آج تک کسی کو میلی نیت سے اپنا ہاتھ پکڑنے نہیں دیا۔ قوم کے حق میں تم مجھے مجرم کہہ سکتے ہو لیکن تم سے انتہا کرتی ہوں کہ مجھے گناہ کرنے کے لئے نہ کہو۔ میرے یہ خانے کا مال چھوڑ دو اور چھوڑنے کی قیمت بتاؤ۔"

"میں نے قیمت بتادی ہے اور تمہیں یہ بھی بتاؤں گا کہ تمہارا باپ براہ لاکھوں روپے کا منافع حاصل کرتے رہنے کے لئے کتنا کر سکتا ہے۔ اتنا کہ وہ ڈاکٹر بننے کو جوتے مارے گا اور ڈاکٹر بننے کو بازار کا مال بنا دے گا۔"

پھر وہ کرسی سے اٹھ کر بولا "تمہارے سامنے میرا شناختی کارڈ پڑا ہوا ہے۔ یہ ثبوت ہے کہ میں سرکاری جاسوس ہوں لیکن نہیں ہوں۔"

صوفیہ نے اسے چونک کر سوالیہ نظروں سے دیکھا "وہ بولا۔"

"میں لیبارٹری میں یہ خانے کا راز بتانے والا کوئی خبر نہیں ہے۔"

وہ کرسی سے اٹھ کر بولی "پھر تمہیں چور دروازے کا علم کیسے ہوا؟"

وہ خاموشی سے پلٹ کر دروازے کی طرف جانے لگا۔ صوفیہ نے بڑی پھرتی سے دروازہ کھول کر ریوالتور نکالتے ہوئے کہا "مرک جاؤ ورنہ گولی مار دوں گی۔"

وہ دروازہ کھول کر بولا "یہ خانے کے راز دار کو یہاں سے زندہ نہیں جانا چاہئے گولی مار دینا چاہئے۔ لیکن ریوالتور خالی ہے۔"

اس نے باہر جاتے ہوئے دروازے کو بند کر دیا۔ صوفیہ نے جلدی سے ریوالتور کو چیک کیا۔ وہ خالی تھا۔ دروازے میں جھانک کر دیکھا۔ وہاں گولیاں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ جلدی جلدی ریوالتور کو لوڈ کرنے لگی۔

باہر کار اشارت ہونے کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے فوراً ہی انٹر کام کا بٹن دبا کر ریوٹی گیت کے مسلح گاؤں سے رابطہ کیا۔ وہ کتنا چاہتی تھی کہ گاؤں گیت نہ کھولے۔ کار میں جانے والے کو پکڑ لے، وہ تھاننا چاہے تو اسے گولی مار دے لیکن رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے کہا "گیت کھول دو۔ مسٹر عامر حسن باہر جا رہے ہیں۔"

وہ رسیور رکھ کر ریوالتور لئے تیزی سے چلتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر برآمدے میں آئی۔ دور آہنی گیت کھل گیا تھا اور پارس ڈرائیو کر رہا ہوا باہر جا رہا تھا۔ تب اسے یاد آیا کہ اسے مسلح گاؤں سے کتنا تھا کہ وہ اور کچھ اور کہہ گئی تھی۔

تھیرکان سے نکل گیا تھا۔ وہ جانے والا تھا نہیں لگ سکتا تھا لیکن جاسوس نہ ہوتے ہوئے بھی پولیس میں خبری کر سکتا تھا۔ یہ خانے میں رکھا ہوا لاکھوں کا مال پکڑا سکتا تھا۔ اب دانشمندی یہی تھی کہ تیزی سے یہ خانے کا مال کسی دوسری جگہ منتقل کیا جائے۔ وہ دو ٹوٹی ہوئی اپنے بھائی ڈاکٹر نعمان کی طرف جانے لگی۔

جب وہ باس سے ہٹ کر رہی تھی تب میں نے اس کے بھائی کو آواز دیا تھا۔ اس نے چھوٹے کمرے میں جا کر مخصوص نمبر ڈائل کئے تھے۔ چور دوڑا نہ کو کھلا تھا۔ پھر پڑول لے کر خانے میں گیا تھا۔ وہاں اس نے ایٹون کے تمام میٹس اور اکل کے کنکڑوں پر پڑول چڑھ کر دیا۔ پھر خانے کے فرش سے چور دوڑا نہ تک پڑول کی دھار بنا تا ہوا آیا۔ اس کے بعد ماٹس کی تللی جلا کر اندر پھینک دی اور چور دوڑا نہ کو کھلا چھوڑ کر چھوٹے کمرے سے باہر گیا۔

جب صوفیہ دوڑتی ہوئی بھائی کی طرف آ رہی تھی تب ہی شور مچا دیا۔ لیبارٹری میں کام کرنے والے بھاگ رہے تھے اور آگ لگ گئی تھی۔ ایک اسٹنٹ نے صوفیہ سے کہا "یہ خانے میں آگ لگی ہے۔ جتنے کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ اسے کوئی بجھا نہیں سکتا۔ آپ فائر ریڈ کو فون کریں۔"

وہ پلٹ کر دوڑتی ہوئی اپنے دفتری کمرے کی طرف جانے لگی۔ وہاں نعمان پہلے ہی پہنچا ہوا تھا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق ٹیلی فون کا تار کاٹ دیا تھا۔ صوفیہ نے دفتری کمرے میں پہنچ کر ریسپونڈر اٹھایا پھر کان سے لگا کر فائر ریڈ کے لئے نمبر ڈائل کرنا چاہا تو پتہ چلا فون خاموش ہے۔ وہ دوڑتی ہوئی نعمان کے دفتری کمرے میں آئی وہاں بھائی نے بتایا کہ فون ناقابل استعمال ہے۔

وہ بے جان سی ہو کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ چند لمحوں تک میرے کمرے کی طرف بھائی کو سختی اور سوچتی رہی پھر فضا میں گھونسا دکھا کر بولی "آئی ہیٹ یو! میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔ تمہیں ذمہ نہیں چھوڑوں گی۔"

نعمان نے جراتی سے پوچھا "میں نے کیا کیا ہے؟ مجھے غصہ کیوں دکھا رہی ہو؟"

"میں تمہیں نہیں اس بدعاش کو کہہ رہی ہوں۔ اسے کہیے معلوم ہوا کہ یہاں خانہ ہے اور یہ خانے میں لاکھوں روپے کا غیر قانونی مال رکھا ہوا ہے؟ اس کے یہاں سے جاتے ہی آپ کیسے لگ گئی۔ ٹیلیفون بیکار کیسے ہو گیا؟ کیا وہ جاؤ گے؟ جاؤ گے؟"

وہ نے کتے چمک گئی پھر سیر ہاتھ مار کر بولی "وہ فراہمی تیور تھا۔"

"فراہم؟" نعمان نے سہم کر کہا "ڈیڈی نے کہا تھا ہم ہوٹل میں رہیں۔ فراہمی تیور کسی وقت بھی ہمارا حامیہ کر سکتا ہے۔ ہمارا کاروبار تیار کر سکتا ہے۔ ہمیں کنگل بنا سکتا ہے۔"

صوفیہ نے پوچھا کیا تم نے اپنا روبرو خالی رکھا تھا؟

"نہیں، وہ پوری طرح لٹو تھا۔"

"کیا تم نے ٹیلیفون کا ٹیگ مٹایا تھا؟"

"نہیں، میں جراتی ہوں کہ وہ دیکھے الگ ہو گیا تھا۔"

"یہ بھی جراتی کی بات ہے کہ وہ خانے میں اچانک آگ لگ گئی اور یہ بھی سمجھ میں نہ آئے والی بات ہے کہ ہمارے دونوں ٹیلی فون بیکار ہو گئے۔ اگر فائر ریڈ والے وقت پر نہ پہنچ سکیں اور یہ

ساری جاؤ گری صرف ٹیلی فون ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔" ڈاکٹر نعمان نے اٹھتے ہوئے کہا "ہم قریبی فیکٹری یا پبلک کال آفس سے ڈیڈی کو فون کر سکتے ہیں۔"

صوفیہ بھی اٹھ کر کمری ہو گئی۔ جب وہ باہر نکلے تو فائر ریڈ کی ایک گاڑی اماٹس میں آ رہی تھی۔ لیبارٹری اچانک نے کسی دوسری جگہ سے فون کر کے آگ بجھانے والوں کو بلایا تھا۔ وہ بہن بھائی اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ آگ بجھ جائے گی مگر ایک پیسے کا مال بھی سلامت نہیں لے گا۔

چودھری حاکم علی حاکم اسلام آباد میں تھا۔ اپنے ڈرائنگ روم میں چند اہم افراد کے ساتھ بیٹھا بائیں کر رہا تھا اور بات بات پر قہقہے لگا رہا تھا۔ ان اہم افراد میں ایک بین الاقوامی تجارتی مراکز کا خاص نمائندہ تھا۔ دوسرا پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کا چیئر مین اور تیسرا لندن کی ایک بہت بڑی دوا ساز کمپنی کے مالک جان اسمتھ کیکریٹھی تھا۔

کیکریٹھی نے کہا "مسٹر حاکم! ہم بین الاقوامی تاجروں کی برادری سے متعلق رکھتے ہیں۔ ہماری منتوں سے دنیا کے تمام ملکوں کو استحکام حاصل ہوتا ہے۔ ہم جب اپنی بات سناتے پر آتے ہیں تو بڑے بڑے ملکوں کے حکمران مجبور ہو کر ہمارے مطالبات تسلیم کر لیتے ہیں۔ امریکا سے لے کر یورپ اور ایشیا تک کے تمام حکمرانوں کو یہ الٹی ٹیم دیا گیا ہے کہ فراہمی تیور کو اگر ہمارے تجارتی معاملات میں مداخلت سے روکا نہ گیا اور اسے پاکستان سے نکالا نہ گیا تو احتجاج کے طور پر ہمیں ممالک کی بڑی بڑی دوا ساز کمپنیاں بند کر دی جائیں گی اور نائی گرائی ڈاکٹر بھال کریں گے۔"

بین الاقوامی تجارتی مراکز کے نمائندہ نے کہا "یہ بہت بڑی دھمکی ہے۔ ہمیں ممالک کی اہم دوا ساز کمپنیاں بند ہو جائیں گی تو مارکیٹ میں دوا نہیں ختم ہو جائیں گی۔ فراہمی تیور تمام دنیا کے غریبوں اور بیماروں کا قاتل اور جلا ملانے گا۔"

حاکم علی نے ہنسنے ہوئے کہا "بے شک، فراہمی تیور بیک نائی برقرار رکھنے کے لئے ہماری عداوت سے باز آتا ہو گا۔"

پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کے چیئر مین نے پوچھا "یہ تو بتائیں کیا فرانس کے تاجر ہمارا ساتھ دیں گے؟"

جان اسمتھ کیکریٹھی نے کہا "نہیں۔ فرانس میں فراہمی تیور ٹیلی ریتی ہے۔ وہاں کے تاجروں کے صوبوں پر ٹیلی فون کی چھ ٹکواریں لٹتی رہتی ہیں۔ وہ بچا رہے مجبور ہیں۔ دیے ایک فرانس کے ساتھ نہ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ دیے ابھی ہمارے پاس جان اسمتھ آپ سے ضروری باتیں کہنے والے ہیں۔"

انہوں نے کہا تھا کہ پاکستانی وقت کے مطابق باہر بجے فون کرنا گئے۔

چودھری حاکم علی نے کہا "باہر بج کر دس منٹ ہو چکے ہیں فون آتا ہی ہو گا۔"

پھر چودھری نے چونک کر فون کو دیکھا اور کہا "واہ! مسٹر اسمتھ کا نام لیتے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔"

چودھری کے سامنے بیٹھے ہوئے تین افراد نے جراتی سے فون کرنا چودھری کو دیکھا کیونکہ فون کی گھنٹی نہیں بج رہی تھی۔ میں گھنٹی اس کے داغ میں بجا رہا تھا۔ کیکریٹھی نے کہا "مسٹر حاکم! فون تو خاموش ہے۔"

چودھری نے ہنسنے ہوئے کہا "کیا میرے کان بج رہے ہیں؟ تب جب گھنٹی صاف سنائی دے رہی ہے۔"

اس نے ریسپونڈر اٹھا کر کان سے لگایا اور پھر کہا "ٹیلی میں چودھری حاکم علی بول رہا ہوں۔"

میں نے اس کے بیٹے ڈاکٹر نعمان کے لہجے میں کہا "میں نعمان بول رہا ہوں۔"

"ہاں بیٹے! کون کس خبریت ہے؟"

اس کے سامنے بیٹھے ہوئے افراد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی نہیں بجی، کس سے کال نہیں آئی پھر بیٹے سے رابطہ کیسے ہو گیا؟

میں نے چودھری کی کھوپڑی میں مدد کر کہا "خبریت نہیں ہے ہماری لیبارٹری کے یہ خانے میں آگ لگ گئی ہے۔ پچیس لاکھ روپے کا مال جل گیا ہے۔"

"ایک منٹ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔" نعمان نے کہا "یہ کیا کہہ رہے ہو؟ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔"

"آپ فوراً یہاں آئیں، یقین آجائے گا۔"

"مگر معلوم تو ہو کہ آگ کیسے لگی؟ فون صوفیہ کو رو۔"

"میری سوچ کی لہروں نے کہا۔" ٹیلی کال کہہ رہے ہیں؟"

"میں کہہ رہا ہوں صوفیہ سے بات کراؤ۔"

"آواز نہیں آ رہی ہے۔ زور سے بولیں۔"

وہ زور سے بولا۔ میں نے کہا "زور زور سے۔"

پھر اسے اور زور سے بولنے پر مجبور کیا۔ وہ چیخ کر بولا۔ میں نے اسے اور زیادہ چیخنے کو کہا۔ وہ پوری قوت سے چیخ کر بولا۔ وہ تینوں اسے جراتی اور پڑول سے دیکھ رہے تھے۔ چیئر مین نے قریب آ کر اس سے ریسپونڈر لے کر کان سے لگایا۔ چودھری بار بار زور سے بولنے کے باعث ہانپ رہا تھا۔ چیئر مین نے کہا "فون پر کوئی نہیں ہے۔"

ڈاکٹر نعمان سنائی دے رہی ہے۔

کیکریٹھی نے پوچھا "کیا آپ کسی کی آواز سن رہے ہیں؟"

"ہاں! میرا بیٹا بول رہا تھا۔ میری لیبارٹری کے یہ خانے میں آگ لگ گئی ہے۔ پچیس لاکھ روپے کا مال جل گیا ہے۔"

"یہ تو بہت بڑا نقصان ہے۔ لیکن آپ نے یہ اطلاع فون پر کیسے کی؟ ہم تینوں نے فون کی گھنٹی نہیں سنی تھی۔"

چودھری نے کہا "کیا آپ لوگ مجھے پاگل سمجھتے ہیں! آپ لوگوں نے فون کی گھنٹی نہیں سنی تھی۔ اس لئے میرے بیٹے نے مجھے اسے بڑے نقصان کی اطلاع دی اس کا بھی آپ کو یقین نہیں

ہے۔"

"آپ ناراض نہ ہوں۔ ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ فون کی گھنٹی اور فون سے آنے والی آواز جھوٹ ہے۔۔۔ ممکن ہے وہاں آگ نہ لگی ہو۔ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا ہو۔"

چودھری نے ذرا اطمینان کی سانس لی۔ پھر دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھا کر بولا۔ "خدا کرے یہ جھوٹ ہو۔ آپ لوگوں کی باتوں سے حوصلہ مل رہا ہے۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی جچ پڑی۔ چودھری چونک کر سیدھا بیٹھ گیا۔ ان تینوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ لوگ گھنٹی کی آواز سن رہے ہیں؟"

ایک نے کہا۔ "جی ہاں۔ شاید مسٹر اسمتھ کال کر رہے ہیں۔"

چودھری حاکم علی نے ریسپونڈر اٹھا کر کہا۔ "ٹیلی، چودھری حاکم بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے بیٹے کی آواز سنائی دی۔ "ٹیلیڈی! بہت بری خبر ہے۔"

وہ بھول کر بولا۔ "تمہید نہ بناؤ۔ کال کام کی بات فوراً بولا کرو۔ کیا ابھی ایک منٹ پہلے تم مجھے فون کیا تھا؟"

"جی نہیں۔ ہمارے دونوں فون کے تار کٹے ہوئے ہیں۔ میں دوسری جگہ سے فون کر رہا ہوں۔ ہمارے یہ خانے میں آگ لگ گئی ہے۔"

باپ نے کہا۔ "مگر کس کس کے کہتے ہو کہ پہلے فون نہیں کیا تھا جبکہ کیا تھا اور مجھے یہ بری خبر سنائی تھی کہ ہمارا پچیس لاکھ کا نقصان ہو چکا ہے۔"

"ڈیڈی! میں آج صبح سے پہلی بار فون کر رہا ہوں۔ یقین نہ ہو تو صوفیہ سے پوچھ لیں۔"

"فون میری جی کو رو۔"

قہوڑی دیر میں صوفیہ کی آواز آئی۔ "ڈیڈی! آپ کا اندیشہ درست ثابت ہو رہا ہے۔ ابھی فراہمی تیور ہم سے ملنے آیا تھا۔"

"گواڈو! افراد کیا تھا؟ تم سے ملنے؟ کیا اس نے خود کو تمہارے سامنے ظاہر کیا تھا؟"

اس کے سامنے بیٹھے ہوئے تین افراد چونک کر سیدھا بیٹھ گئے۔ چودھری کی باتوں سے اندازہ کرنے لگے کہ دوسری طرف کیا کہا جا رہا ہے۔ صوفیہ باپ کو بتا رہی تھی کہ پہلے وہ میڈیکل افسر بن کر آیا۔ بعد میں ایک سرکاری شاستی کا ڈیڑھ پانچ لاکھ کے مطابق وہ ایک جاسوس ثابت ہوا تھا۔

بیٹی نے اسے یہ بھی بتایا کہ وہ آنے والا یہ خانے اور چور دوڑا نہ کا راز جانتا تھا اسے چور دوڑا نہ کھولنے کے وہ نمبر دیتے تھے صرف باپ ہی اور جانتا ہے۔ اس کے جاتے ہی یہ خانے میں آگ لگ گئی اور ٹیلیفون کے تار کٹ گئے۔ نعمان کی دراز میں رکھا ہوا روبرو خالی ہو گیا۔ اس نوجوان نے اپنی اصلیت تو نہیں بتائی لیکن پیش آنے والے ان تمام ناقابل یقین واقعات سے

جاری رہے۔

”تو پھر مجھ سے متعلق دوستی کرو اسرائیلی صحت کاروں کو مناغ میں ایک شنگ بھی نہ دو۔ میری جنگ یہ ہے کہ یہودیوں کو پاکستانی کرنسی تو کیا پاکستان کی ایک چٹکی مٹی بھی نہ ملے۔“

”لیکن اسرائیلی صحت کاروں سے قانونی معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم ان کے فارمولے کے عوض مناغ کا چوتھا حصہ دیا کریں گے۔“

”میں اسرائیلی صحت کاروں کو مجبور کروں گا کہ وہ معاہدہ منسوخ کریں اور جب میں معاہدہ منسوخ کروں گا تو تمہیں بھی پاکستانی کرنسی میں چار کروڑ نہیں صرف ایک کروڑ دوپے ملیں گے۔“

”یہ تو عظیم ہے۔“

”اس حلقے سے کم ہے جو تم اور چوہدری پاکستانی قوم پر کرتے آ رہے ہو میں تمہیں سوچنے کا موقع دے رہا ہوں پھر کسی وقت آؤں گا۔“

میں خاموش ہو گیا۔ وہ غلامیں نکلتا رہا پھر اس نے آواز دی۔

”مسٹر فراڈ! آپ موجود ہیں؟“

میں نے جواب نہیں دیا۔ شیر نے کہا ”مسٹر اسمتہ! مجھے

تائیں مسٹر فراڈ کیا چاہتے ہیں؟“

اس نے شیر کو میرے خیالات اور ارادے بتائے۔ اس نے کہا ”جو شخص آپ کی پیشانی سے لوبو ہاسکتا ہے وہ آپ کے کاویار کا تمام مناغ نچوڑ کر لے جاسکتا ہے۔ فراڈ نے شرافت کا ثبوت دیا ہے اگر وہ آپ کی لیبارٹری کو آگ لگا کر جاتا تو آپ کیا بچا لیتے؟

میرا مشورہ ہے آپ اسے دوست بنا کر رکھیں۔“

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے بھی اسے سوچنے کا موقع دیا تھا اس لئے وہاں سے چلا آیا۔ چوہدری کے پاس آکر دکھا ”وہ کارڈ اونیو کرنا ہو اور آزاد سے گزر رہا تھا۔ اپنی لیبارٹری بیچنے میں اسے ابھی کافی وقت لگنا لندا میں دانی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔

دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ میں جا رہا تھا کہ اندھ کر بیٹھ گیا۔ بہت عرصہ پہلے میری پھر پئی نے بتایا تھا کہ میں ایک چارہ پانی پر پیدا ہوا تھا۔ لگ بھگ باہر جا کر فوم اور اسپرنگ کے ایسے نرم گرم اور ملائم بیڈوں پر سوتا رہا تھا۔ ایسی شانہ زندگی گزارا تھا تھا کہ اپنے وطن کی بجائی (چارہ پانی) کو بھول گیا تھا۔ اب میں دسکی ہی منجی ویسے ہی بشریت کے لطف اور معمولی طرز کا فرنیچر خرید کر لایا تھا۔ دسکی ہی تقریباً تیس برس پہلے کی زندگی گزارتے ہوئے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

میں نے اندھ کر دروازہ کھولا ”مالک مکان چوہدری کرامت اللہ کھڑا ہوا تھا۔ بوئے مٹھے میں تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بولا ”دوستی تاج تو میں نے محلے والوں کی ایسی کی تمہی کوئی ہے۔ یہ میرے پیچھے بڑھ گئے تھے کہ میں نے کسی چمڑے (خما آوی) کو مکان کیوں دیا ہے یہاں سب بیوی بیٹے والے رہتے ہیں۔ جوان گریاں ایک دروازے سے دوسرے دروازے آتی جاتی ہیں۔ اپنے کرایہ دار کو یہاں سے

ٹھالو۔“

میں نے کہا ”چوہدری صاحب! اندر آجائیں۔ آپ بہت کم ہیں ٹھنڈا پاناؤں گا۔“

وہ اندر آکر بولا ”میں نے صاف صاف کہہ دیا ہے، میرا کام ہے، میں کسی کو بھی کرائے پر دے سکتا ہوں۔ جس نے ماں کا دل پیسا ہے وہ میرے بندے کو یہاں سے نکال کر کھائے۔“

پھر وہ رازداری سے زبانی آواز میں بولا ”آوی کو ڈرا کر ذرا نرم ہونا پڑتا ہے۔ میں نے بعد میں نرمی سے کہہ دیا ہے کہ ایک دو مہینے میں شادی کرلو گے، ایسی لڑکی پسند کر رہے ہو۔“

”ابھی کمال کرتے ہیں چوہدری صاحب! ایسا کہنے کی ضرورت تھی؟“

”ایسا کہنے سے محلے والوں کی تسلی ہو گئی ہے پھر میں تمہارا باپ کی جگہ ہوں۔ تمہاری اتنی عمر ہو گئی ہے اور اب تک نکواری بیٹھے ہو۔ نکواری تو لڑکیاں بیچتی ہیں اس محلے میں سولہ برس لے کر چالیس برس تک کی لڑکیاں نکواری ہیں اور رشتوں انتقام میں ماں باپ پر ہونے والی ہیں۔ پچھلے برس ایک لڑکی والدین کا بوجھ بٹا کرنے کے لئے خود کشی کر لی، ایک اور لڑکی گھر بھاگ گئی۔ اگر تمہارے جیسے لوگ شادی نہیں کریں گے تو چارہ لڑکیاں کہاں جائیں گی؟ اور اسلام میں تجویز کیا رہا یا زندگی گزارنے کی اجازت نہیں ہے۔ تم مسلمان ہو شادی کرو۔ نیکی بھی ہوگی۔ یہاں جس لڑکی جس گھر کی طرف اٹھائے گا وہاں شادی ملے کرادوں گا۔“

میں نے کور سے ایک ٹھنڈی بوتل نکال کر کہا ”میرے سر دیوں میں کی پلاسٹک ہوں۔ کیو کہ میرے ہاں چائے اور کھانے کا انتظام نہیں ہے۔ میں نے آپ سے کہا تھا میرے لئے کسی ملا کا بندوبست کریں جو کھانا پکائے اور گھر کی صفائی کرے۔“

”ملازم ہوتی مشکل سے ملتے ہیں۔ بیوی آسانی سے مل جا ہے۔ آج کو آج ہی دس دن آجائے گی۔ جب گھر گرہنی کا آرام سکتا ہے تو ایک ملازم کی تلاش محض محنت ہے اور یہ بوتل دالے جاوے۔ میں تمہارے گھر جانے اسی وقت بیوں کا جب دس دن کی۔“

”آپ تو میری شادی کے پیچھے بڑھتے ہیں۔ یہ بھی نہیں جانتے ہیں اچھا ہوں یا بد معاش؟ اگر بد معاش ہوں تو کسی لڑکی کی زندگی برباد کر کے بھاگ جاؤں گا پھر محلے والے آپ کو پکڑیں گے۔“

”میری فکر نہ کریں، میں اللہ کے بھروسے پر نیکی کر رہا ہوں اور میرا ایمان ہے کہ نیکی کا پھل ملتا ہے یہ کیا کہ ہے کہ نیکی کا پھل ضرور کسی شریف زادی کو مل جائے۔“

پھر وہ صوفے سے اٹھ کر بولا ”کوئی جلدی نہیں ہے۔ اچھ طرح سوچو اور اس پہلو سے سوچو کہ ایسی لڑکی نے خود کسی کی جے تم نے دس دن بنانے سے انکار کیا تھا یا انکار کر دے گا۔ انجیل میں چھپ کر روئے کی گھر سے بھاگ جائے گی یا اپنی ماں

دے دے گی۔“

”کہہ کر وہ چلا گیا۔ میں نے دروازے کو بند کرتے ہوئے سوچا۔ یہ شخص مجھے ایک جذباتی مسئلے میں الجھا گیا ہے۔ یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میں شادی کیوں کا لیکن یہ میرے ملک کا بہت ہی اہم مسئلہ تھا۔ غربت اور جیز کے معاملات کے باعث شریف زاداں گھر بیٹھے بیٹھے بوڑھی ہو جاتی تھیں یا خاندانوں اور برادریوں میں لڑائی جھگڑوں کے باعث وہ سدا نکواری رہ کر دنیا سے اٹھ جاتی تھیں۔

میں نے چوہدری کرامت اللہ کے خیالات پڑھتے ہوئے سوچ رہا تھا ”یہ تیسرا کرایہ دار ہے اس سے پہلے میں نے اور دو کرایہ داروں کی اسی محلے میں شادیاں کرائی ہیں یہ تیسرا بھی راضی ہو جائے گا تو ایک اور لڑکی عزت و آبرو سے اپنا گھر مالے گی۔“

میں نے محسوس کیا چوہدری کے اندر آسوجھے ہوئے ہیں وہ سوچ رہا تھا ”شبیبی! تیرے ساتھ جو زیادتی ہوئی اس کی خلاق اسی طرح کر سکتا ہوں کہ آخری سانس تک دوسرے گھروں کی بیٹیوں کو دس ہزار یا انیس سہ سال میں آباد کرتا رہوں۔ میں کیا ہوں، میری اوقات کیا ہے۔ میں تیرے سہ سال والوں کے ہماری معاملات پورے نہ کر سکا اس نوجوان نے شادی سے انکار کر دیا تو اپنی توہین اور باپ کی عداوت کو بھڑانت نہ کر کرشی اور چھت کے نیچے سے گلے میں بند ڈال کر مر گئی۔ میری بیٹی! میں تیرے ساتھ ہونے والی زیادتی کی خلاق کرتا رہوں گا۔“

میرے دل پر چوٹ سی گئی۔ وہ خود کشی کرنے والی لڑکی چوہدری کی اپنی بیٹی تھی۔ تب ہی وہ مجھے کہہ رہا تھا کہ اچھی طرح سوچو اور اس پہلو سے سوچو کہ ایک ایسی لڑکی نے خود کشی کی تھی جسے تم نے دس دن بنانے سے انکار کیا تھا۔ چوہدری کے ان تقویوں کے پیچھے ایک مظلوم باپ کے دل کا درد و کرب چھپا ہوا تھا۔ اسے برا انکار کرنے والا جوان اپنی بیٹی کا قاتل دکھائی دیتا تھا۔

میں نے مظلوم کیا، وہ نوجوان کون تھا جس نے شبیبو کو خود کشی پر مجبور کیا تھا؟ چوہدری کی سوچ نے بتایا وہ چوہدری کے گھر کے سامنے ہی دو منزلہ مکان میں رہتا ہے۔ اس علاقے میں اس نوجوان شاید کے باپ کے مزید چار مکانات ہیں جن سے ماہانہ پانچ ہزار روپے کی تنفیہ ہے جبکہ چوہدری کے دو ہی مکانات تھے۔ ایک میں وہ بیوی بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔ دوسرا مکان اس نے مجھے کرائے پر دیا تھا۔ اس حساب سے پانچ مکانات والا شاید باپ زیادہ حیثیت والا تھا اور اپنے اگلوتے بیٹے کی شادی وہاں کرنا چاہتا تھا جہاں سے ہوجیز میں ایک مکان یا کوٹھی لے کر آئے۔ یہ مکانات اس کا ذریعہ معاش تھے اسے محنت نہیں کرنی پڑتی تھی گھر بیٹھے ہزاروں روپے ملتے رہتے تھے اس کا بیٹا شاید بھی کام چور تھا اور باپ کے تقویٰ قدم پر چل رہا تھا۔

میں نے چوہدری کے ذریعے ان باپ بیٹے کے دماغ میں جگہ

بنائی پھر یہ ملے کیا کہ انہیں اچھا سبق سکھائیں گا۔ چوہدری اپنے علاقے کی تمام شریف زادیوں کو ساکن بنانا چاہتا تھا۔ میں نے یہ بھی ملے کیا کہ اس تم رسیدہ باپ کے ارادوں کو پورا کروں گا۔ وقت ملتا رہا تو ان گھروں میں کسی نہ کسی طرح رشتے بنجاتا رہوں گا اگرچہ معاشرے کے دکھ درد کا علاج کرنے کا موقع مجھے نہیں ملتا ہے پھر بھی کو شش کروں گا۔

اور چوہدری حاکم علی حاکم لیبارٹری پہنچ گیا تھا اور وہاں اپنی پہلی تباہی کا نظریاتی انکسوں سے دیکھ چکا تھا۔ خالے کی آگ اس بری طرح بجلی کی کہ اور لیبارٹری اور ادویات کے گروام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی سب کچھ جل چکا تھا۔ دوا کی ایک کشتی، ایک کبیروں یا ایک گولی بھی نہیں بچی تھی۔

چوہدری حاکم نے اپنے انڈورسوخ کے مطابق ایس بی اور اخباری صحافیوں کو بلوایا تھا۔ ایس بی کو وہ سرکاری شناختی کارڈ دکھایا جسے پارس نے جاسوس کے طور پر صوفیہ کو دیا تھا اس کارڈ میں جو تصویر لگی تھی پارس وہی چوہدری کا تھا۔ سہرڈنٹ آف پولیس نے کہا ”چوہدری صاحب میں اس شخص کو تلاش کروں گا لیکن آپ فراڈ کا نام لے رہے ہیں اس سے یقین سے کتا ہوں فراڈ نے کسی کو اتلا کار نامہ یہاں بھیجا ہو گا۔ یہ تصویر والا نوجوان نہیں کہیں نہیں ملے گا۔“

اخباری صحافیوں نے کہا ”ہم لیبارٹری کی تباہی کی رپورٹ تصویروں کے ساتھ پہلے صفحے پر شائع کریں گے لیکن فراڈ اور ٹیلی بیٹی کا ذکر نہیں کریں گے۔“

چوہدری حاکم نے پوچھا ”کیوں ذکر نہیں کریں گے؟“

”اس لئے کہ اخباریں دنیا جان کی کچی خبریں شائع ہوتی ہیں۔ ہم فراڈ اور ٹیلی بیٹی کا ذکر کر کے اپنے اخبار کو کشش بخیز ہوجا سکتے ہیں۔ یہ اخبارات کے اکاؤنڈ اور ایڈیٹروں کا فیصلہ ہے۔“

صوفیہ نے کہا ”تمہاری جلی ہوئی لیبارٹری اسی بات کا ثبوت ہے کہ ٹیلی بیٹی کشش نہیں ہے اور فراڈ علی تصور خیالی کردار نہیں ہے۔“

ایک صبحانی نے کہا ”ٹیک ہے اگر پولیس والے فراڈ کو گرفتار کر لیں گے اور عدالت میں ثابت ہو جائے گا کہ فراڈ ایک زندہ کردار ہے تو ہم اس کے خلاف وہ سب کچھ کھیں گے جو آپ چاہتی ہیں۔“

اخبارات کے رپورٹرز اور فوٹو گرافرز چلے گئے۔ چوہدری حاکم نے ایس بی سے کہا ”آپ قانون کے محافظ ہیں۔ اتنے بڑے افسر ہیں اگر آپ فراڈ کو گرفتار نہیں کریں گے تو ہم انصاف مانگنے لگے گا۔“

ایس بی نے کہا ”فراڈ کی بہن شاہید کے دروازے پر تمہیں قتل ہوئے، وہاں بوئے بوئے افسران اور سٹیجیای موجود تھے اور سب بے بس تھے کیونکہ انہیں قتل کرنے والا آنکھوں کے سامنے نہیں تھا ان کے دماغوں میں تھا اور انہیں خود اپنے آنکھوں سے مرنے پر

مجبور کرتا رہا تھا۔ کیا افسران ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ قتل کے چارے تھے؟ وہ تو افسروں کے سامنے خود کھلی کر رہے تھے اور قانون کے مطابق ان افسران کو خود کھلی کی ہی رپورٹ پیش کرنی پڑی۔ اسی طرح کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ اس لیبارٹری کو فریاد نے جلا کر خاک کیا ہے؟ ہمیں ثبوت اور کوئی دلائل چاہئے اس کے بغیر میں آپ کے کسی کام نہیں آسکوں گا۔

چوہدری کے بیٹے والا نگران نے کہا ”آپ سے ہمارے درمیان تعلقات ہیں۔ آپ ہماری خاطر رازداری سے چپ چاپ فرماؤ کہ تلاش تو کر سکتے ہیں؟ اس کا پتہ ٹھکانا تو معلوم کر سکتے ہیں؟“

”رازداری، ہمارے ہمارے درمیان ہو سکتی ہے۔ ٹیلی فنی جاننے والے کے سامنے کوئی راز راز نہیں رہتا۔ کیا تم میں سے کوئی جانتا تھا کہ وہ تم سب کے داغوں میں پھنچ جائے گا؟ کیا یہ یقین سے کہہ سکتے ہو کہ اچھی وہ ہمارے درمیان نہیں ہوگا اور آئندہ مجھے نقصان نہیں پہنچائے گا؟ ہم دردی آثاروں کا استغناء دے دوں گا لیکن اسے تلاش نہیں کر سکیں گے۔“

وہ سو رہی کہ کر چلا گیا۔ تین باپ بیٹا اور بیٹی دفتری کمرے میں تھوڑی دیر تک چپ بیٹھے رہے پھر باپ نے کہا ”ٹیلی فنی بھی بہت ہی خطرناک علم ہے۔ بڑی سرطانی ہیں بھی فرادے کسرائی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں؟ اس کے خوف سے نیند نہیں آتی بھوک نہیں لگتی۔ کسی بات پر پشیمان ہوتے ہیں سمجھتا ہوں وہ موت کی طرح آتا جا رہا ہے۔“

صوفی نے کہا ”آج تک میں نے اس کا ذکر نہ کیا تھا، اب اتنی زبردست تباہی دیکھ کر میرا سکون بھی غارت ہو گیا ہے۔ اگر اس کا رویہ مار کر ڈوں کا مانع نہ ہو تو انہماک سے چھوڑ دیتے۔“

چوہدری نے کہا ”فرادہ صرف یہ اعتراض ہے کہ یہودی پاکستان سے اپنا مانع لے جاتے ہیں۔“

نعمان نے کہا ”فرادہ سے سمجھوتے کا کوئی راستہ نکالنا چاہئے۔“

صوفی بولی ”کیا تمہیں پتا ہے وہ پکا میاش ہے۔ مجھے آج رات کھانے پر بلا رہا تھا۔“

چوہدری حاکم نے چونک کر پوچھا ”کیا وہ ہمیں ڈنر کے لئے کہہ رہا تھا اور تم نے انکار کر دیا؟“

”ہاں اور کیا کرتی گی کیا تم کو اس کے پاس چلی جانی؟“

تمہارا بھتیجی بن جائے تو یہ رشتہ ہمیں ارب پتی اور کھرب بنادے گا۔“

وہ بولی ”ڈیڈ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ فرادہ آپ کی عمر کا سنا ہے اس کے دو بیٹے جوان ہیں۔“

”جوان ہیں تو کیا ہوا؟ کیا جوان بیٹوں کے باپ شادی کرے؟ تم جذبات سے نہیں عقل سے سوچو“ کا رویہ ایشیائی ایسی ہی ہوئی ہیں۔“

”میں عقل سے ہی سمجھ کر کہہ رہی ہوں باپ کی عمر دار سے شادی نہیں کروں گی۔“

نعمان نے کہا ”آپ دونوں ایسے بحث کر رہے ہیں جیسے فرادہ نے صوفی کا رشتہ مانگا ہو۔ باپ کی دوسری ہمارے پاس جو آئی تھار سرے پاؤں تک جوان تھا۔ کیا ٹیلی فنی ایسا علم ہے جو آدمی مداحوں رکھتا ہے؟“

”میں آنے والا فرادہ کا آلہ کار ہو گا۔“

”جو کوئی بھی ہو وہ فرادہ کی طرف سے ہمیں کھانے کی دعوے رہا تھا۔ تم نے دعوت کو ٹھکرایا اس کے بعد ہی اس نے خانے میں آگ لگائی اور ہمیں اتنا بڑا نقصان پہنچا کر چلا گیا۔“

”اگر میں دعوت قبول کر لیتی تو؟“

نعمان نے میز پر ہاتھ مار کر کہا ”تو میں یقین سے کہتا ہوں ہمیں پچیس لاکھ روپے کا نقصان نہ ہوتا۔“

وہ بولی ”کیا یہ غیرت مند بھائی کہہ رہا ہے، کیا پچیس لاکھ بچانے کے لئے یا وہ رقم واپس حاصل کرنے کے لئے مجھے فرادہ پاس چھوڑ کر آؤ گے؟ بولو آؤ گے۔ وہاں چھوڑ کر؟“

نعمان نے کہا ”ڈیڈ ایہ خواہ خواہ جوش میں آ رہی ہے، ڈیڈ کاٹنے کو لپک رہی ہے۔“

”کیا تمہاں میں کاٹنے کو لپک رہی ہوں یا مجھے نہیں کہہ رہے ہو؟“

باپ نے کہا ”ایزی صوفی، ایزی۔ اپنے باپ اور بھائی کو فائدہ نہ سمجھو۔ ہم دنیا والوں کے سامنے پچیس لاکھ کے نقصان کا وار کر رہے ہیں ورنہ پچیس لاکھ ہماری بیٹی کے سامنے کچھ نہیں ہیں۔“

پچیس لاکھ اس موضوع پر مزید گفتگو نہ کریں۔“

نعمان نے کہا ”میں سمجھتا ہوں کہ تم کو کسی نتیجے پر بھی نئے پچیس لاکھ کے اور فرادہ ہمارے اعصاب پر سوار رہے گا۔ آئندہ ہمیں نقصان پہنچانا رہے گا۔ ابتدا پچیس لاکھ سے ہوئی ہے، جانے اتنا کہاں ہوگی۔“

باپ نے کہا ”تم نکال ہو جائیں گے، شاندار اور ٹھیکوں اور کاروں سے نکل کر فٹ پاتھ پر آجائیں گے صوفی کو آرام سے سوچنے دو کہ سمجھوتے کا جو ایک ہی راستہ رہ گیا ہے اس پر ہمیں چاہئے یا نہیں۔“

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا، نعمان بھی باپ کے ساتھ اٹھ گیا۔ وہ بیٹھی رہی اور یہ سمجھتی رہی کہ باپ بھی جی چاہتا ہے کہ کرمال نظروں میں نہیں کہہ رہا ہے۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجے گی۔

بیٹے جاتے جاتے رک گئے۔ فون کی طرف دیکھتے گئے صوفی نے دیکھا فرادہ کا کان سے لگا ہوا ”ہیلو“

میں نے اس آواز اور لہجے میں اسے مخاطب کیا جسے پارس نے اس کے سامنے اختیار کیا تھا، میں نے کہا ”ہیلو صوفی! میں تمہارے داغ میں بھی آکر بول سکتا تھا لیکن یہ معلوم کرنے کے لئے فون پر بول رہا ہوں کہ فون کے جو تار کاٹنے گئے تھے جو ڈیڈ کے ہیں یا نہیں؟ پھر تمہارے باپ اور بھائی کو بھی معلوم ہونا چاہئے کہ میں تمہیں یاد کر رہا ہوں، وہ چاہیں تو فون پر میری آواز سن سکتے ہیں۔“

چوہدری حاکم علی نے پوچھا ”کس کا فون ہے؟“

وہ بولی ”فرادہ۔“

بھائی دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ باپ نے ریسور کی طرف ہاتھ بڑھائے ہوئے کہا ”مجھے بات کہنے دو۔“

وہ ایک دم سے پھر کر بولی ”آپ کس رشتے سے بات کریں گے؟ کیا باریک سلامتی کے لئے داماد نہیں گئے یا بیٹی کا نکاح؟“

چوہدری نے گرج کر کہا ”میو شٹ اپ“ میں تمہاری زبان سمجھنے لوں گا۔“

”تو زبان تو مت دیر سے باپ بیٹے کی چل رہی ہے۔ جو کہنا چاہتے تھے وہ صاف طور سے کہہ نہیں پا رہے تھے۔ بھائی جان نے ابھی کہا تھا کہ میں فرادہ کی دعوت قبول کر لیتی تو ہماری لیبارٹری میں آگ نہ لگتی۔“

پھر وہ ریسور کے ماؤتھ پیس پر جھک کر بولی ”میں فرادہ سے بیٹے جاتے جاتے رک گئے۔ فون کی طرف دیکھتے گئے صوفی نے دیکھا فرادہ کا کان سے لگا ہوا ”ہیلو“

میں نے اس آواز اور لہجے میں اسے مخاطب کیا جسے پارس نے اس کے سامنے اختیار کیا تھا، میں نے کہا ”ہیلو صوفی! میں تمہارے داغ میں بھی آکر بول سکتا تھا لیکن یہ معلوم کرنے کے لئے فون پر بول رہا ہوں کہ فون کے جو تار کاٹنے گئے تھے جو ڈیڈ کے ہیں یا نہیں؟ پھر تمہارے باپ اور بھائی کو بھی معلوم ہونا چاہئے کہ میں تمہیں یاد کر رہا ہوں، وہ چاہیں تو فون پر میری آواز سن سکتے ہیں۔“

چوہدری حاکم علی نے پوچھا ”کس کا فون ہے؟“

وہ بولی ”فرادہ۔“

بھائی دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ باپ نے ریسور کی طرف ہاتھ بڑھائے ہوئے کہا ”مجھے بات کہنے دو۔“

وہ ایک دم سے پھر کر بولی ”آپ کس رشتے سے بات کریں گے؟ کیا باریک سلامتی کے لئے داماد نہیں گئے یا بیٹی کا نکاح؟“

چوہدری نے گرج کر کہا ”میو شٹ اپ“ میں تمہاری زبان سمجھنے لوں گا۔“

”تو زبان تو مت دیر سے باپ بیٹے کی چل رہی ہے۔ جو کہنا چاہتے تھے وہ صاف طور سے کہہ نہیں پا رہے تھے۔ بھائی جان نے ابھی کہا تھا کہ میں فرادہ کی دعوت قبول کر لیتی تو ہماری لیبارٹری میں آگ نہ لگتی۔“

پوچھتی ہوں، کیا تم اسنے کم عرف ہو کر لڑکی ہاتھ نہ آئے تو اس کے کمر میں آگ لگا دیتے ہو؟ تمہارا جواب میں نہیں میرے ڈیڈی نہیں گئے، جواب دو۔“

اس نے ریسور باپ کی طرف بڑھا دیا۔ باپ نے اسے لے کر کان سے لگا دیا۔ میں نے کہا ”چوہدری! میں ایک ایک وقت دو جگہ ہوں۔ تمہارے بیٹے کے داغ میں بول رہا ہوں اور اپنے ریسور کے ماؤتھ پیس میں تمہارے کان میں اپنی آواز سنا رہا ہوں۔“

باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ میں نے کہا ”اور میں تمہاری حرکتیں بھی دیکھ رہا ہوں۔ اگر تم دونوں اپنی طبعی حرکتیں جینا چاہتے ہو اور ابھی حرام موت نہیں مرنے چاہتے تو میرے ساتھ ساتھ بولو کہ صوفی سن سکے۔“

چوہدری نے کہا ”پلیز مسٹر فرادہ! پہلے میری دو باتیں سن لو۔“

”چوہدری! اب ایک لفظ بھی اپنی طرف سے نہ کہنا۔ اب جو بول رہا ہوں اسے نعمان زبان سے دہرائے گا اور تم خاموش رہو گے۔ چلو نعمان بولو کہ تم کم عرف ہو اور یہ چاہتے ہو کہ صوفی فرادہ سے دوستی کر کے پچیس لاکھ کا نقصان پورا کر دے۔“

میں اس کے داغ میں تھا، وہ میری بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے کہا ”صوفی! میں کم عرف ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم فرادہ سے دوستی کر کے پچیس لاکھ کا نقصان پورا کر دے۔“

میں نے اس کے داغ سے نکل کر چوہدری کے داغ پر قبضہ

معاشرتی جبر کے خلاف ابدہ جنا کا قلم تیغ برہنہ بن جاتا ہے

اُردو افسانے میں

زاہد جنا

کانام اور کام

کسی تعارف کے

محتاج نہیں

ان کی کتاب

سائنسی لیبنا ہے

کاتیسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے

سیکس

مہرتے ہوئے مظلوموں

کے لیے ان کی تحریریں

مرتب کا درجہ

رکھتی ہیں

قیامت پر پہنچنے والے کچھ سچے واقعات

نرم پشیمانی مٹی زلزلہ

پچیس پر ڈاک خراج صاف

زادہ کے فاضل کا یہ مجبور

شاہزادہ اور عوامی مظلوم

خزائن میں حاصل کیا ہے

کتابیات

پیشہ کی نشانی

پیشہ کی نشانی

نعمان نے طنزیہ کہا "چھاتو تمہارے دو باپ ہیں۔"

ماکستان کی زمین پر رہ کر کھائے ہر ۔ وہ ماکستان کی دولت ہے۔ قوم

فرار کے سامنے کھٹے کھٹے بیٹھے۔ ”مرے“

اس بات پر سب ہنسنے لگے۔ بزرگ خاتون نے کہا۔ ”یہ بڑی

”جی ہاں۔ آپ نے یہاں فٹ پاتھ پر دیکھا ہو گا۔ طوطا نال نامہ کوہٹا ہے۔ یہاں کے غویہی بہت چھوٹے اور کمتر سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن امریکا میں یہ ایک نئی اور اونٹنی چیز ہے۔ جب میں نیویارک میں، فلاڈلفیا اور شکاگو کے فٹ پاتھ پر طوطے کے ذریعے نال نامہ کوہٹا تھا اور قسمت کا حال بتا تھا تو لوگوں کی ہیر رنگ

”یوں ہی بات ہے؟“
 ”ہی کہ ان کی لڑکی کشور قاطرہ ایک لڑکے سے چھٹی ہوئی ہے۔ لڑکے کا نام اقبال احمد ہے۔“
 دروازے کے پیچھے سے ایک خاتون کی آواز آئی۔
 چھوڑ سہلی کے ابا کالج جانے والی لڑکیاں ایسے ہی مغل کھانے

ہے اور برات، ایسی جاری ہے۔ کہیں خاندانی غرور اور برادری
 لے جھگڑوں کے باعث کیاں کہہ سکتے ہیں۔ آپ بزرگوں کو

میں اقبال کے گھر جانے سے انکار کروں گا تو اسی ابو تکھی میری بیوی کو منا کر یہاں نہیں لائے گا۔ بیوی! کیا خاطر بہن کے معاملے میں؟

5

جشد کی ماں خوش ہو کر اپنے شوہر سے کہہ رہی تھیں ”آپ اقبال کے باپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میرے لئے اس سے بڑی خوشی کوئی نہیں ہو سکتی۔ آپ یقین کر لیں محلے کے ہر گھر میں لڑکیاں دیکھ کر ہول آتا ہے کہ ہماری کشور بھی بیٹھی نہ رہ جائے۔ خدا کے لئے آپ اسی دانشمندانہ فیصلے پر قائم رہیں۔“

وہ ریل کی تھی اور منظور کا باپ سوچ رہا تھا "میرے منہ سے بے اختیار یہ بات کیسے نکلی تھی کہ میں دشمن سے ملنا چاہتا ہوں؟ شاید خدا کو یہ منظور ہے۔ میرے اندر بھی بے چینی تھی کہ مجھاڑ جیسی جوان بنی جلد از جلد اپنے گھر کی ہو جائے۔ اچھا ہے اس طرح براہ راست ختم ہو جائے گی۔ میں اسی فیصلے پر عمل کروں گا۔"

میں نے مشورے کے داغ میں بھانک کر دیکھا۔ وہ دروازے کی آڑ میں کھڑی والدین کی باتیں سن رہی تھی اور خوش ہو رہی تھی۔ میں نے پچھلے سے کہا ”میری دعا ہے کہ تمہارا اقبال بلند رہے۔“ وہ چونک گئی۔ اس کی سمجھ میں یہی آیا کہ اسے میری دعا یاد آ رہی ہے۔ وہ دل پر ہاتھ رکھ کر دل میں یہی بولی ”دعا دینے والے

میری بس شایہ بینہ میں مصروف تھی۔ ٹیلیفون کی گھنٹی سن کر بیٹھ: "ٹھیک! لوگو کو کانوں ہے؟"

ٹھیکہ ڈرانگ روم میں آئی۔ پھر ریسپورڈر اٹھا کر بولی "ہیلو!"

دوسری طرف خاموشی رہی۔ اس نے پوچھا "ہیلو کون ہے؟"

پھر جواب نہیں ملا۔ وہ ریسپور رکھ کر کچن میں آئی۔ شامینہ نے پوچھا "کون تھا؟"

"نہی نہیں تھا۔ میں نے دوبار پوچھا۔" جواب نہیں ملا تو ریسپور رکھ دیا۔

"یاد ہے تمہارے فہراموں نے کیا سمجھا یا تھا؟ دشمن ٹپلی

”جیسی جانے والے چپ چاپ فون پر آواز سننے میں ہر مرد اس میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس لئے فون پر آواز بدل کر بولنے کی پریکٹس کرو۔“

”اُمی! میں نے پریکٹس کی تھی۔ مگر مجھے سہ نہیں ہوتا۔ لہجہ بدل کر بولنا سراسر اداکاری ہے اور مجھے اداکاری نہیں آتی۔“

”جی! حفاظت اور سلامتی کے لئے وہ سب کچھ سیکھنا چاہئے۔“

”ہمیں نہیں آتا۔ ہمارے ماموں مکان تک ہماری عراقی کریں گے؟“

”اچھا میں پھر کوشش کروں گی۔“

”وہ سبزی کات کر ہاں کے پاس رکھتی ہوئی بولی ’صن لہنی مارکٹ جانا چاہتی ہوں۔ کچھ کٹائیں اور گیسٹ خریدیں۔‘“

”ضرور جاز۔ مگر آج اساتذہ لے جاؤ۔“

وہ کامران کے پاس آئی۔ اس کے ہاتھ سے کتاب چھین کر بولی "جب دیکھو پڑھتے رہتے ہو یا سنا سنی تجربات کرتے رہتے ہو۔ چلو مار کر چلیں۔"

چاہئے۔ میں ان کی طرح ہر میدان کا شہسوار بنوں گا۔
 ”میرے اچھے بھیا! خضر بن جانا۔ مگر تھوڑی دیر کے لئے چل
 امی مجھے تھما نہیں جانے دیں گی۔“

”جی بات ہے میں لباس تبدیل کر کے آتا ہوں۔“
وہ اپنے بندوں میں اُٹکی۔ اس نے آئینے کے سامنے ہلکا
میک اپ کیا۔ بالوں کو برش کیا۔ پھریا ہر گیزراج سے کارنگ
کی۔ سامنے والی کوٹھی کی چھت پر پارس کھڑا ہوا تھا۔ اس نے
ٹینس کورٹ کے کرسوچا ہر خاں جا رہی ہے؟ پاپا نے سختی سے منہ
کے بچے تنہا ہونے پر جاکر کہا۔“

ایک منٹ کے بعد کارمان آکر کار میں بیٹھ گیا۔ شینہ ڈراما کرتی ہوئی جانے لگی۔ یاس کو اطمینان نہیں ہوا، 'کارمان سڑا اٹھا۔ برس کا تھا'، اپنی بڑی بہن کی خاطر وہ حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جیت سے اتر کر بیٹھ آیا۔ پھر کار میں بیٹھ کر اسے ڈراما کر ہوا احاطے سے باہر آیا۔ شینہ کی کار نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا الہی آباد کی گلی کے سامنے آیا۔ ٹیڑا اور کارمان نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہمیں کدھر تک چل گئے تھے۔

پارس نے ایک جگہ کاروڑ کی۔ پھر اپنی کھائی کی گھڑی کی چال
ذرا بڑھتی کر اسے مخصوص انداز میں کھانے لگا۔ میں خیال ڈال
میں مصروف تھا۔ اپنی رست و آج سے الارم کی بجلی کی آواز سن کر
دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ اپنی رست و آج کے مخصوص الارم کو
کر سمجھ گیا کہ بیٹا بلا رہا ہے۔

میں نے اس کے پاس پہنچ کر پوچھا "خیریت تو ہے؟"
وہ بولا "آپ نے بھولی تو نائیک کی قسمی کر بچوں کو لڑائی مار کر
سے آگے نہ جانے دیں۔ ابھی شینہ باقی کا مران کے ساتھ کارٹر
کو قسمی سے نکلی تھیں۔ میں تعاقب کرنے کے لئے لڑائی مار کر تک
آپا ہوں لیکن وہ دونوں نظر نہیں آ رہے ہیں۔"

میں ابھی معلوم کر رہا ہوں۔“

میں شینے کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اقبال ٹاؤن سے گزرتی ہوئی ملتان روڈ کی طرف جا رہی تھی۔ اس کے چہرہ خیالات بتا رہے تھے کہ وہ ماں سے جھوٹ بول کر آئی ہے اور اب پتا نہیں کیوں ملتان کے راستے پر ٹھوکرا ٹھی کیسے کی سمت جا رہی ہے۔

میں نے پاس کے پاس آکر کہا ”لہان روڑ کی طرف جاؤ۔“
اور کارمان ٹرپ کے چارے ہیں۔“
”ہاں! میں پہلی بار لاہور آیا ہوں۔ لہان روڑ کا راستہ نہیں
جانتا ہوں۔ پھر بھی لوگوں سے پوچھتا ہوا پہنچ جاؤں گا“ آپ ہنس
ہانی کے پاس تاملے۔“

میں سوچ کے ذریعے ٹینے کو مخاطب کرتا تو دشمن خیال خالی کرنے والا میری موجودگی سے ہوشیار ہو جاتا۔ پھر وہ ٹینے اور کامران کو نقصان پہنچاتا تھا۔ میں نے دشمن کو خوش فہمی میں رکھا کہ فرماؤ اور اس کے دوسرے خیال خالی کرنے والے دیگر معاملات میں مصروف ہیں اور ٹینے کے اغوا سے خبر نہیں۔ اس

طرح میں ان دونوں پر نظر رکھ سکتا تھا۔

کمال نے جاری ہیں۔ میں باپ سے باہر پھینچنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میرا بچہ کیا بات ہے کہ نہیں پوچھ رہا ہوں۔“

اس کا مطلب یہ تھا کہ وہاں دو خوش خیال خواتین کرنے والے تھے۔ دوسرے نے کامران کے دماغ کو اپنے قابو میں رکھا تھا۔ میں نے ہارس کے پاس آکر دیکھا۔ وہ ٹرنگ پولیس کے ایک سپاہی کو لفٹ دے کر قلم اسٹوڈیو کی طرف لے جا رہا تھا۔ اس طرح وہ ایمان روڈ پہنچ گیا تھا۔ میں نے کہا ”اسی راستے پر سیدھے ٹھوکر کی سمت جاؤ۔“

وہ ہای کلم اسٹوڈیو کے سامنے انارکریسی سے ڈراما کرتے ہوئے ٹینے کی کار تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس راستے پر کئی کلومیٹر ڈراما کرنے کے بعد ٹینے نے ایک جگہ کار روک دی۔ اس کار کے سامنے ایک سوزنی دیکھ کر ٹیڑھی ہوئی تھی۔ ٹینے اور کارمان محرزہ ہو کر کار سے اتر کر دیکھنے کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے ذریعے دیکھ کر کانسرزہ لیا۔

وہاں تین افراد تھے، انہوں نے ٹینس اور کارمان کو اندر بٹھایا۔ پھر ایک ایک سرخ نکال۔ وہ دونوں کو انجکشن لگانا چاہتے تھے، میں نے دونوں کو جدوجہد پر مجبور کیا لیکن ٹینس کو سنبھالا تو کارمان کو انجکشن لگایا۔ کارمان کو بچانے آیا تو ٹینس کے بازو میں سوئی چھوڑ دی گئی۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ بے ہوش ہو گئے تھے۔

میں نے پاس کو دیکھ کر کہا "تم قریب ہی رہو،
رفار اور بچاؤ میں ابھی آتا ہوں۔"

میں نے ایک اسرائیلی حاکم کے پاس آ کر کہا "تمہارے ایک
بڑے سراپہ دار کی میڈیکل لیبارٹری آؤہ گئے بعد کم کے دھماکے
سے تباہ ہو جائے گی۔ اسے بھانا جائے ہو تو اسے خیال خواتی کرنے

حاکم نے کہا "ہمارا کوئی خیال خوانی کرنے والا تمہارے کسی رشتہ وار ہے؟"

میں نے سخت لہجے میں کہا "ہیوٹ اپ! جب تک ٹینہ اور

کارن: "ابا نہیں ملیں گے، ہر آدمی گھنٹے کے بعد ایک مل یا چائے کی جگہ پر ملتا رہے گی"۔

میں نے ایک امریکی اعلیٰ افسر سے کہا "فورا سپر اسٹریا جان لیوڈا سے رابطہ کرو۔ ان سے کہو میرے دشمن خیال خوانی کرنے والوں نے میرے دوستوں وارڈن کو اغوا کر لیا ہے اور میرے دشمن

مکئی بھی جاننے والے اسرائیل اور امریکا میں ہیں۔ میں نے یہودیوں کو وارننگ دی ہے کہ تم لوگوں کو بھی وارننگ دیتا ہوں۔ کھڑی دیکھو، اگر آؤمے کھٹے کے اندر میرے دونوں عزیز مگر واپس نہ آتے تو تمہارا ایک اعلیٰ فوجی افسر خودکشی کر لے گا۔ جب تک دونوں کی واپسی نہیں ہوگی، تب تک ہر آؤمے کھٹے کے بعد

تمہارے ہاں کی اعلیٰ شخصیات یکے بعد دیگرے خود کشی کرتی رہیں گی۔“

اس کو بھی اس کے کہا ہے تو زیادتی ہے یہ سمرات
 امرائیلویں.....
 میں نے کہا ”ثب اپنا زیادہ نہ بولو۔ امریکی اور اسرائیلی
 اکابرین آپس میں فیصلہ کریں۔ موت اور تباہی یا زندگی اور
 سلامتی؟“

اس فوجی افسر نے پراسٹر ہل میں کو میری وارننگ سنائی۔ پراسٹر ہل جان لیوا کو بلایا اور میری وارننگ سنائی۔ لیڈو نے اسراہیلی حاکم کے سامنے میں آکر کہا ”آج ہمیں معیت ہمارے سرکیوں ڈالتے ہو تم نے فریاد کے مردوں کو اغوا کیوں کر کیا ہے؟“
”ہم نے کسی کو اغوا نہیں کر کیا ہے۔“

”مضائق! ایک حد ہوتی ہے، ہٹ دھرمی کرتے رہو گے تو ہمارے تمہارے اہم عہدے اراکان بے موت مارے جائیں گے۔“ وہ یولا ”میں بہت سے معاملات کا علم نہیں ہوتا۔ شاید گولڈن برنزی نے انوکھا کرایا ہو۔ ہم ان سے بات کریں گے۔“ ”تمہارے ہاتھیں کہنے تک ادھا گھنٹا گزر جائے گا۔“

”تم فرما دے رابطہ کرو۔ اس سے وعدہ کرو کہ اس کے عزیزوں کو ہم زخمیوں کا ٹکڑا نہیں دیں۔“

میں سوسائٹ اور جبرائیل سے کہہ رہا تھا ”تمہاری لسٹ میں وہاں کی جتنی بڑی ملیں اور کمپنیاں ہیں ان میں سے ایک بڑی مل کو میں منٹ کے بعد تیار کروں۔“

جراں کے لئے کہا "میں اس کام کے لئے تیار ہوں گا۔ سو سنا
 یہاں علی تیمور کی نگرانی کرے گی۔ وہ خود ہی نیند میں ہے۔ بیدار
 ہونے کے بعد اسے اپنی اسلحہ اور پتیلی زندگی بھر آجائے گی۔"
 میں نے لپٹی کو مخاطب کر کے پوچھا "علی پر عمل کرتے وقت
 کوئی مداخلت تو نہیں ہوئی تھی؟"

وہ بولی ”مہم مطمئن ہیں“ میرے عمل کے وقت سلطانہ اور مسلمان اس کے دماغ میں پیچھے ہوئے تھے کوئی دشمن خیال خوانی کرنے والا علی کے اندر چھا ہوا نہیں تھا۔

”چلو اچھا ہے تم ابھی جبرائیل کے پاس رہو گے۔ وہ ایک مشن پر جا رہا ہے۔ کوئی گڑبڑ ہو تو مجھے اطلاع دے۔“ سلطانہ سے کہہ کر

سوسائٹ کے پاس رہے۔“

اسی وقت میں نے پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا اور سانس روک لی پھر دوسری بار سانس لیا تو یہی سوچ کی لہریں واپس آئیں۔

میں نے پوچھا کون ہو تم؟“

”میں جان لیوذا ہوں۔ آپ کی یہ بات درست ہے کہ آپ

ہم کے دشمن پہلی پہچانی جانے والے امریکا اور اسرائیل میں ہیں۔ ہم قسم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ اسرائیلیوں کی شرارت ہے۔ ان کی سزا ہمیں نہ دیں ہمارے کسی بے گناہ عہدیدار کو موت کی سزا نہ دیں۔“

”ثابت کر دو کہ یہ اسرائیلیوں کی شرارت ہے یا میرے عزیزوں کو گھرواپس پھانسی۔“

”ثابت کرنے یا عزیزوں کو دھوکہ کھانے کے لئے بہت کم وقت دیا ہے آپ نے اور اب تو پندرہ منٹ رہ گئے ہیں۔ ہمیں یہودیوں سے منہنے کے لئے کم از کم چار گھنٹوں کی سہولت دو۔“

”گھڑی دیکھو، میں مزید ایک گھنٹے کی سہولت دے رہا ہوں“ اب جاؤ۔“

میں نے سانس روک لی۔ وہ داغ سے نکل گیا۔ میں سوچنے لگا کسی بے گناہ کو سزا نہیں دینا چاہئے۔ آخر کس ملک کے خیال خونی کرنے والے میرے خلاف ایسا کرنے کی جرأت کر رہے ہیں؟

مجھے یاد آیا۔ دو دن پہلے چوہدری حاکم علی حاکم، جان امتہ سے ملنے لندن گیا تھا۔ ان دونوں سے کچھ معلوم ہو سکتا تھا میں چوہدری کے پاس گیا۔ وہ ایک منگے ہوئی میں ایک مگنی کال گرل اور مگنی شراب سے اپنا دل بھلا رہا تھا۔ اس کے اطمینان سے ظاہر تھا کہ اس کی سلامتی کی خاطر خواہ ضمانت دی گئی ہے۔ اس کے چور خیالات نے بتایا۔ جان امتہ نے یقین دلایا ہے کہ وہ تین دن میں پاکستان سے فرار کے قدم اکھڑ جائیں گے اور وہ چوہدری کے کسی ملکی یا غیر ملکی بینک اکاؤنٹ پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔“

چوہدری نے پوچھا تھا ”ایسے کیا اقدامات کئے جارہے ہیں کہ زبردست کھانے والا افراد میدان چھو کر بھاگ جائے گا؟“

”اسمتم نے کہا تھا“ یہ نہ پوچھو۔ میں کیجہ بتاؤں تو فرماؤ کہ معلوم ہو جائے گا کہ اس کے خلاف کیس چلیں جلی جا رہی ہیں کیونکہ وہ تمہارے داغ میں آ رہا ہے۔“

جان امتہ کو خوش فہمی تھی کہ میں اس کے داغ میں نہیں آتا ہوں۔ میں نے اس کے خیالات پر دھمے چا چلا ایک اسرائیلی خیال خونی کرنے والے نے اس سے رابطہ کیا تھا اور اسے یقین دلایا تھا کہ فرار آئندہ کسی کی صنعت کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ گولڈن برینز ایسی چالیں چل رہے ہیں کہ فرار مجبور ہو کر صرف پاکستان نہیں چھوڑے گا بلکہ اپنے دونوں انسانی دلوں کو بھی اسرائیل سے واپس بلا لے گا۔

جان امتہ نے پوچھا تھا ”تمہارے گولڈن برینز آخر کیا کرنے والے ہیں؟“

خیال خونی کرنے والے نے کہا ”مسٹر اسمتم! یہ نہ پوچھو“ فرار کسی ذریعے سے تمہارے داغ میں آکر بہت کچھ معلوم کر لے گا۔ پھر تمہارے منصوبوں کو ناکام بنائے گا۔ ذرا مہربان ہو جاؤ۔ جلد ہی بہت کچھ سامنے آجائے گا۔ فرار نے پہلے کبھی ایسی بات نہیں کہائی ہوگی۔“

یہ خیالات پڑھ کر یقین ہو گیا کہ یہودیوں نے میرے خلاف یہی چال چلی ہے۔ میری بہن کے بچوں کو اغوا کر کے مجھے کھڑا اور

بے بس بنائے ہیں۔ اگر میں ضد میں آکر شینہ اور کارمان کو سلامتی کو خطرے میں ڈالتا۔ کارمان کی جان جانی یا شینہ کی عزت جانی تو میں بہن کو موت دکھانے کے قابل نہ رہتا۔

میں پارس کے پاس آیا۔ وہ اس سوڈی دیکھن کے پاس کھڑا تھا۔ جس میں شینہ اور کارمان کو وہ لے جا رہے تھے۔ اس نے کہا ”پاپا! شاید انہیں پچا چل گیا تھا کہ میں تعاقب میں ہوں۔ انہوں نے میرے پیچھے سے پہلے گاڑی بدل دی ہے۔ پتا نہیں کس گاڑی پر لے گئے ہیں۔ میں کی کو میٹر آگے جا کر دیکھ آیا ہوں۔“

”بیٹے! وہیں کسی آبادی میں رہو۔ شینہ اور کارمان کو جوڑ ہو ش آیا۔ میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ وہ کب پہنچائے گئے ہیں۔ پھر میں آکر تمہیں بتاؤں گا۔“

میں اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ پریشانی سے سوچنے لگا۔ کیا شاہینہ بچوں کے اغوا کی اطلاع دینا چاہتے؟ مجھے معلوم تھا وہ رو کر اپنا حال کر لے گی۔ اس کے باوجود یہ بات زیادہ پر چھپائی نہیں جا سکتی تھی آخر کار اسے معلوم ہو جاتا تھا۔

میں بہن کو بتانے سے پہلے ایک بار شینہ اور کارمان کے پاس گیا۔ وہ بیہوش تھے۔ ان کے داغ سے کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ مجھ پر مجبور ہو کر بہن کے پاس گیا۔ پھر ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بھی بے ہوش تھی نہ آٹھ کھول سکتی تھی نہ میں اس کے ذریعہ کچھ دیکھ سکتا تھا۔

شینہ اور کارمان کے بعد اس کے دو اور بچے تھے۔ ایک برسر کی گندو اور چھ برس کا بچہ۔ میں نے فوراً ان کی خبر لی۔ وہ دونوں اپنی وادی کے پاس گئے ہوئے تھے۔

اور جبرائیل میری ہدایت کے مطابق ایک کھلی چھت والی کمرے میں بٹھا تو اس کی اور سوسائے کی نگرانی کرنے والوں نے پولیس۔ اعلیٰ افسر کو اطلاع دی۔ اس افسر نے ایک فوجی افسر کو اطلاع دیا کیونکہ دلوں کا معاملہ فوج کے ہاتھ میں تھا۔ دونوں اسرائیلی دلوں کو گھیرنے ”پابند کرنے اور ان کی رہائش گاہ تک انہیں محدود رکھنے کے لئے فوجی جوان پیش مسلح اور مستعد رہتے تھے۔

نگرانی کرنے والوں نے بتایا کہ جبرائیل جان کی طرف جا رہے ہیں۔ فل ایب اور جان ایک دوسرے سے ملے ہوئے شہرے جان میں مصطفیٰ ملیں اور فیکٹریاں گھس۔ وہ سمجھ گئے کہ فرار کے چیلنج کے مطابق جبرائیل کسی مل کو جاہ کرنے جا رہا ہے۔ اس کی اس کے ڈیش بورڈ کے خانے میں وائرلیس رکھا ہوا تھا۔ اس وائرلیس سرخ بلب آن آف ہوا تھا۔ جبرائیل نے اسے آن کیا۔ ایک فوجی افسر کی آواز آ رہی تھی ”ہیلو، ہیلو، جبرائیل! اپنی رہائش گاہ واپس جاؤ۔ تم جانے کہ مل اسرائیل داخل نہیں ہو سکتے۔“

جبرائیل نے جواب نہیں دیا۔ وائرلیس سیٹ کو آف کر دیا۔ جب وہ جان کے مصطفیٰ خانے میں پہنچا تو دور دور تک فوجی جوان جدید ہتھیاروں کے ساتھ دکھائی دے رہے تھے۔ وہ سب اس حلقہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ اپنے افسران کے حکم کے منتظر تھے۔

جبرائیل نے ایک مل کے گیٹ کے سامنے کار روک دی۔ پہلی ڈکھا سارے باہر نکلے اور فوجیوں کے سامنے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرارے ہوئے۔ میں مل کے اندر چھپتی ہوں۔

ایک فوجی افسر نے لاکھارتے ہوئے کہا ”جبرائیل! بندوبست کی دو رکھو! تم پر اثر نہیں کریں گی لیکن یہاں سیکڑوں رائلٹیں اور بے مشین گولیں ہیں۔ سیکڑوں ہزاروں گولیاں جنہیں چھپتی گولیں بے زیادہ سے زیادہ مقدار میں تیار اب اسے کرنے کے غلامات ہیں۔ سرے پاس تک تمہارا گوشت کھل جائے گا۔ خود جان کے دشمن نہ ہو۔ واپس چلے جاؤ۔“

وہ کار سے نکل کر باہر آیا۔ پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا ”اپنے انوں سے کہو! یہاں آکر میری اور کار کی تلاش لیں اور اطمینان لیں کہ میں یہاں اپنے ساتھ خرب کھار کی کو کوئی سامان نہیں ہوں۔“

چار جوان اپنے افسر کے حکم سے اس کے پاس آئے۔ دو نے ہاکی اور دو نے کار کی تلاش لی۔ پھر انہوں نے افسر کے پاس آکر ”وہ منتا ہے اس کے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہے۔“

افسر نے پوچھا ”تم یہاں کیوں آئے ہو؟“

جبرائیل نے کہا ”میں اب کو چشم دید کوہا بتانے آیا ہوں کہ اس کی تپائی کے وقت میں تمہارے سامنے منتا کھڑا ہوا تھا اور میں مل کے احاطے میں قدم بھی نہیں رکھا تھا۔“

”تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تمہارے سامنے بے گناہ کھڑے رہو گے نہ چاہو؟“

”میں ہاں بتاتی کاؤں دار خود مل مالک ہے۔ ہمارے یہاں اسلحہ آنے سے پہلے ہی مالک نے اتنی ہی مل کے خاص خاص مل میں ایسے طاوورم چھپا کر رکھ دئے تھے جو خفیہ سوچ پورڈ مشک ہیں۔ اس نے اپنی وائز میں لکھا ہے کہ مل میں ہونے اجل سازی بھی پکڑی گئی تو وہ نبوت باہر آنے سے پہلے ہی مل کاہ نہ ہو گا۔ وہ وائز مل مالک کے بیہ دم میں رکھی ہوئی۔“

لجائی مل مالک کے داغ پر بقیہ بتا چکی تھی اس نے سوچ پورڈ ایک فوجی کو دیا۔ مل کے ایک حصے میں ہم کا زبردست دھماکا اس حصے کی ہر چیز پر پڑے پڑے ہو کر نقصان اڑنے لگی۔

میں فوجی اپنی پوزیشن چھوڑ کر مل کے احاطے سے دور بھاگنے کے بعد دھمکے دھماکے ہو رہے تھے۔ آگ کے شعلے آسمان طرف پک رہے تھے۔ جبرائیل اپنی جگہ دونوں ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہوا تھا۔ دھماکوں کے باعث مینٹین کے پڑے دور تک بے تھک اس کے جسم پر بھی آکر گ رہے تھے گوشت اور اس میں گھر رہے تھے۔ وہ دو انگلیاں اپنے جسم میں چوست کے ان ہڈوں کو نکال کر پھینکتا تھا پھر ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہوا تھا۔ یہ وہ کچھ ہوا تھا اس کا منصوبہ میں نے اس وقت بنایا تھا۔ یہ فیصلہ کیا تھا کہ اسرائیلی مصنوعات پاکستان میں نام بدل کر

نہیں آئیں گی۔ اگر کوئی چالاکی کی گئی تو یہودی صنعت کاروں کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔ لجائی اور سلمان نے مل مالک کے داغ پر قبضہ جتا کر خود اس کے ہی ہاتھوں سے وہ تمام ہم خاص جگہوں پر چھپا کر رکھ دئے تھے۔ آج دشمنوں نے مجھے مجبور اور بے بس بنانے کے لئے میری بہن اور بچوں کو اغوا کیا تو میں نے انتقامی کارروائی کا یہ پہلا نمونہ پیش کر دیا۔

یہ سب کچھ منصوبے کے مطابق ہوا تھا لیکن میری بہن شاہینہ کو اغوا کر کے انہوں نے مجھے کسی حد تک توڑ دیا تھا۔ اتنی بڑی دنیا میں وہی ایک ایسی بہن تھی جسے میں نے اب بہن کرگو میں کھلایا تھا۔ آج اس پر مینٹینوں کے ہاتھ ڈال رہے تھے۔ پہلے شوہر مارا گیا پھر میری اغوا ہوئے اور اب دشمن اسے بھی کیس لے گئے تھے اور اس یقین کے ساتھ لے گئے تھے کہ میں اپنی بہن کی زندگی کبھی واؤ پر نہیں لگاؤں گا۔ مجھے ان کی شرائط کے سامنے جھکنا ہی پڑے گا۔

یہ بڑی زبردست چال تھی۔ واقعی میں بہن کی زندگی واؤ پر نہیں لگا سکتا تھا۔ مجھے ان سے بہن کا مطالبہ کرنے سے پہلے کوئی ایسا جو اپنی قدم اٹھانا تھا جس کے نتیجے میں وہ شاہینہ، شینہ اور کارمان کو واپس کرنے پر مجبور ہو جاتے۔

میں نے سونیا کے پاس آکر اسے تمام روادار بنائی۔ اس نے سن کر ایک ہاتھ سے سر تھام لیا پھر کہا ”یہ کیا ہو گیا فرماؤ تو وہ شاہینہ کو حاصل کرنے کے بعد فرعون بن جائیں گے۔“

”میں اسی لئے شاہینہ کا مطالبہ کرنے ان کے پاس نہیں جا رہا ہوں۔ وہ سمجھ رہے ہیں ابھی مجھے اپنی بہن کے اغوا کا علم نہیں ہے۔ علم ہو گا تو میں ضرور ان کے پاس آؤں گا۔ جب تک وہ میرے مطالبے کا انتظار کر رہے ہیں تب تک ہمیں کچھ کرنا پڑتا ہے۔“

وہ اندھ کر شلنے لگی۔ تیزی سے سوچنے لگی پھر کر بولی۔ ”فورا کسی کو آلا کر بنا کر اسے شاہینہ کی کو بھی کے اندر بھجھو۔ اس کے ذریعے شاہینہ، شینہ اور کارمان کے بدن سے اترے ہوئے کپڑے منگواؤ۔ سلمان کو اپنے پاس بلاؤ۔ وہ یہ کام کرے گا۔ تم اسرائیلی جنس کے اعلیٰ افسر کو دوست بناؤ یا آلا کر۔ اس کے ذریعے تین شکاری گتے حاصل کرو۔ ان تینوں کی اتراں انہیں سکھاؤ۔ وہ ضرور تمہیں اور پارس کو ان تینوں تک پہنچائیں گے۔“

اس نے بڑی تیزی سے سوچا تھا اور خوب سوچا تھا۔ شکاری کتوں کے ذریعے پیچھے کی بات میرے داغ میں بھی آسکتی تھی مگر پریشانی کے باعث میں ہر پہلو پر غور کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ یہ دشمنوں کی کامیابی تھی کہ وہ ایسی چالوں سے میرے ذہن کو متاثر اور مفلوج کر رہے تھے۔

میں نے سلمان کے پاس آکر اسے سمجھایا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس نے کہا ”آپ جلد از جلد کتوں کو شاہینہ بہن کی کو بھی کے سامنے لائیں۔ اس کے سامنے والی کو بھی مسٹر آرنڈسوزا کی ہے جہاں پارس کا قیام ہے۔ میں آرنڈسوزا کے داغ پر قبضہ جتا کر اسے

شاہینہ کے گھر میں لے جاؤں گا اور ان تینوں کی اترن حاصل کرلوں گا۔

میں نے اٹھلی جنس کے اعلیٰ افسر کے پاس آکر اسے مخاطب کیا۔ اسے داغ میں اپنی موجودگی کا یقین دلایا۔ وہ پریشان ہو کر بولا۔

”کیا مجھے سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟“

”نہیں میں ایک معاملے میں تمہاری مدد چاہتا ہوں۔“

”میں حاضر ہوں۔ آپ کا کام کر کے مجھے خوش ہوگی۔“

”اس معاملے کو خفیہ رکھنا ہوگا۔ مجھے تین جاسوس کتوں کی ضرورت ہے جو بوسنگھ کر اپنے ہارٹ تک پہنچ جاتے ہیں۔“

”معاملا کیا ہے؟“

”دشمنوں نے میری بہن اور دو جوان بچوں کو اغوا کیا ہے۔ ان تینوں کو لاہور شہر کے مضائقہ علاقوں میں کسی چھپا دیا گیا ہے۔ افسر نے کہا ”میں سمجھ گیا۔ کیا ان تینوں کے بدن کی اترن ہے؟“

”جی ہاں آپ کو گھبرگ کی ایک کوٹھی کے سامنے وہ کپڑے مل جائیں گے لیکن بڑی رازداری سے کتوں کو لے جا کر انہیں تلاش کرنا ہوگا۔ آپ کے گھمے کے کسی بھی فرد کو یہ معلوم نہ ہو ورنہ دشمنوں کو خبر ہو جائے گی۔“

”آپ اطمینان رکھیں۔ میں مکمل رازداری سے کام کروں گا۔ آپ موجود رہیں اور گھبرگ کی کوٹھی تک مجھے گائیڈ کریں۔“

اسی وقت سلطان نے میرے پاس آکر کہا ”فراہم بھائی! آپ کوئی دوسری تدبیر آنا نہیں۔ شکاری گتے کام نہیں آئیں گے۔“

میں نے پوچھا ”کیا بات ہے؟“

”میں آنرڈ یوزا کو بہن شاہینہ کی کوٹھی میں لے گیا تھا۔ اس کے ذریعے پتا چلا تینوں کے ہاتھ دھم میں جتنے آمارے ہوئے لباس تھے انہیں پہلے ہی ہلا کر رکھ کر دیا گیا ہے۔“

دشمنوں نے پھر مجھے بری طرح ناکام بنا دیا تھا۔ میں نے اعلیٰ افسر سے کہا ”آپ کے تعاون کا شکریہ۔ دشمنوں نے وہ تمام کپڑے جلا دیے ہیں۔ آپ کے گتے کام نہیں آئیں گے۔ ہماری ملاقات پھر کبھی ہوگی۔ خدا حافظ۔“

میں سونپا کے پاس آیا۔ اسے دشمنوں کی تیزی اور چالاکی بتائی۔ اس نے کہا ”میں بڑی دیر سے ہر پہلو پر غور کر رہی ہوں۔ طرح طرح کی تدبیر سوچ رہی ہوں لیکن کسی تدبیر پر عمل کرنے سے ناظر خواہ نتیجہ نہیں نکلے گا۔ اس بار یہودیوں نے ہمیں بری طرح ہتھیار لایا ہے اور یہ سب چھ گولڈن برنز کی ذہانت اور چال بازیوں سے ہو رہا ہے۔“

”میں پہلے ایسے ہی کسی برے وقت کے متعلق سوچتا تھا اور شاہینہ سے دور رہتا تھا تاکہ دشمن بہن کے رشتے کو میری کمزوری سمجھ نہ سکیں۔ آج وہ بھی کر رہے ہیں۔“

میں کہتے کہتے رک گیا۔ سانس بھی روک لی۔ پرانی سوچ کی لہر

محسوس ہوئی تھی۔ پھر میں نے سانس لی تو اسی سوچ نے ”شاہینہ۔“

میں نے پھر سانس روک لی۔ اس کے بعد سونپا سے با چاہتا تھا۔ پھر ایک سوچ کی لہر نے کہا ”شاہینہ۔“

دشمن کو اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی جانتے تھے کہ میں بہن کا نام سننے ہی اس کے پاس جاؤں گا کہ اغوا کا طمع ہو جائے گا۔

اور واقعی اب میں انجمن بن کر نہیں رہ سکتا تھا۔ میں کے پاس آیا۔ وہ ہوش میں تھی اور دوسری تھی۔ اس کی ہتھاکہ اس کے داغ میں کسی نے آکر کھدائی تھی۔ شہینہ اور بھی اغوا گئے تھے۔ میں اور اب اس کا بھائی فرہاد ان میں سے زندہ سلامت واپس نہیں لے جاسکے گا۔

میں نے مزید مطمئن کیا۔ وہ گہری تاریکی میں فرش پر پڑا تھی۔ اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف بندھے ہوئے تھے۔ دونوں کو بھی رسیوں سے باہر کاٹا تھا اور منہ پر ٹیپ چسپا کیا گیا کسی کو مدد کے لئے نہیں پکار سکتی تھی۔

میں نے اسے مخاطب کیا ”شاہینہ! میں تمہارا بھائی ہوں۔“

وہ دوتے دوتے چونک گئی۔ سر اٹھا کر تاریکی میں گھوم بولی ”بھائی جان! میری شہینہ اور کارمان کو بچائیں۔ مجھے بتائیں وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟“

”خدا نے چاہا تو وہ خیریت سے ہوں گے۔ میں ابھی پاس جا کر آتا ہوں۔ تم آؤ سونپا ہاؤس سے کام لو۔“

”میرے آؤ سونپا ہاؤس جاؤں گے۔ آپ بچوں کے بار ابھی خبر نہ لیں۔“

”میں ابھی آتا ہوں۔“

میں شہینہ کے پاس آیا۔ وہ اور کارمان ہوش میں آئے۔ دونوں بھی رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھوں بندھی ہوئی تھیں اور منہ پر ٹیپ لگے ہوئے تھے۔ وہ بڑے سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ ماموں کو خبر دشمنوں کو سخت سزا میں دے کر انہیں قید سے نکال لے گئے۔

مجھے عداوت سی ہوئی۔ دونوں بچوں کو مخاطب کرتے نہیں ہوا۔ میں نے ایک اسرائیلی حاکم کے پاس آکر صفحہ لکھیں میرے قہر و غضب کو بھرا کر رہے ہو۔ میری بہن اور فرہاد ہاؤس۔ ورنہ میں۔“

وہ بات کاٹ کر بولا ”ورنہ تم کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ سر کرنا کر مر جاؤ گے۔ تمہارے جیسے لوگوں کو کی آگے کہتے ہیں کہ رتی بھلی گئی پرل نہیں گئے۔“

”میں ابھی جلا نہیں ہوں۔ باقی ہوں۔ ابھی ایک لی

نہیں پیش کیا تھا۔ یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر تینوں کو فوراً رہا نہ کیا گیا ذہن ملک اسرائیل کی اینٹ سے اینٹ بنوا دوں گا۔“

فرہاد! اس میں دو۔ اب تمہارا مقدمہ گولڈن برنز کی عدالت میں ہے۔ تم دیکھ رہے ہو نہیں کیپٹن زورائی دی کے سامنے ہوں۔ مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔ آؤ میں تمہیں گولڈن برنز کی عدالت میں لے جاتا ہوں۔“

اس نے لی دی کو ان کہا۔ پھر کیپٹن زورائی دی کے لئے گئے۔

سکرین پر تحریر ابھرنے لگی ”نیشن گولڈن برنز افراد حاضر ہے۔“

وہ تحریر مٹ گئی۔ پھر گولڈن برنز کی طرف سے تحریر ابھرنے لگی۔ اسکرین پر لکھا ہوا تھا ”آؤ ایک دن پہاڑ کے نیچے آئے۔“

خروج آج آئی کیا۔ تم نے اپنی بہن کے دووازے پر ایک عدالت تم کی تھی۔ ایک عدالت ہماری بھی ہے۔ اس عدالت میں مارے خلاف سے شمار الزامات ہیں۔“

وہ تحریر مٹ گئی۔ دوسری تحریر ابھرنے لگی ”تم نے ہماری پہلی لی بیٹی جانے والی شہینہ کو اغوا کیا۔ اسے محبت کا فریب دیا اور اسے موت کا سبب بن گئے۔ تم نے ہماری بیٹی شہینہ کو اغوا کر لیا۔“

دو لڑکا اور چار گولڈن برنز کو بھی بیرونی سے قتل کیا۔“

تیسری تحریر اسکرین پر نظر آئی ”تو چند بڑے بڑے کس ہیں ان کے تم بھرم ہو۔ ان کے علاوہ کچھ بچیس برسوں میں تم یا مارے لوگ یہاں آتے رہے ہیں ہماری معلومات پہنچاتے ہے اور یہ شمار جرائم کے مرتکب ہوتے رہے۔“

یہ تحریر مٹ گئی۔ چوتھی تحریر نظر آئی ”تمہارا آواز ترین جرم ہے کہ تم ہمارے اینٹھن کو قتل کر رہے ہو اور ہماری منتوں کو

تباہ کر دینا چاہتے ہو۔ راجا مندر علی جان شیراز کے بعد چدری حاکم علی حاکم کے پیچھے بڑے ہو اور ابھی کچھ دیر پہلے تم نے ہمارے ملک کی ایک بہت بڑی لی کو تباہ کر دیا ہے۔“

”میں بہت ہو چکا۔ اس کے بعد اب کچھ نہیں کر سکو گے۔ اگر اب بھی دعویٰ ہے کہ کچھ کر سکتے ہو تو ضرور کر گزرا لیکن پہلے ایک تمنا یاد رکھو۔ ہم ابھی دکھائیں گے۔ اسے دیکھ کر تم ہمارے سامنے کھٹے ٹیک دو گے۔ اس تمنا سے پہلے ہماری چند شرائط ہیں۔“

”جب تمہیں یقین ہو جائے کہ تم ہمارے سامنے منطوق ہو چکے ہو تو پہلی شرط یہ ہوگی کہ اپنے دونوں دلوں کو ہر پاس سے لے جاؤ۔ دوسری شرط یہ کہ فوراً پاکستان سے نکل جاؤ۔ تیسری شرط ہوگی کہ تم تمہارے دونوں بیٹے سونپا اور تمہارے خیال خوانی کرنے والے کبھی ہمارے کسی معاملے میں مداخلت نہیں کریں گے اور آخری شرط یہ کہ تم خیال خوانی چھوڑ دو گے اور سونپا کے ساتھ گوشہ نشین ہو جاؤ گے۔ کیا تم اپنی سفاکی میں کچھ کتنا چاہتے ہو؟“

وہ اسرائیلی حاکم میرا جواب کیپٹن کے ذریعے پہنچانے لگا۔ میں نے کہا ”تمہیں صرف ایک نصیحت کرنا ہوں۔ عارضی کامیابی کے نشے میں کوئی غلطی نہ کریں ورنہ پچھتائے گی بھی سہلت نہیں ملے گی۔ میری بہن اور دونوں بچوں کو زندہ سلامت رکھنا۔ خدا خواستہ ان کی جان کو کچھ ہوا تو تمہارے ملک کو دینا کے نقشے سے مٹا دوں گا۔“

گولڈن برنز کی طرف سے تحریر ابھرئی ”تمہاری نصیحت بھی پڑھ لی اور تمہاری پکاؤ نہ دھکی بھی۔ اب ہماری عدالت جس فیصلے

مقبول ناول نگار ایچ اقبال کی دوتھی کتب ہیں۔ ہر کتاب میں دو مکمل ناول

عمرات سیریز

عجیب ہنگامے

ایک جلد میں

پانچواں کام

صفحات: ۳۲۰ - قیمت: ۱۵۰ روپے

پیمود سیریز

ریکارڈ کی چوری

ایک جلد میں

موت کا راستہ

صفحات: ۳۲۰ - قیمت: ۱۵۰ روپے

ڈاک مشین پر ناول - اردو - دونوں ناول ایک ساتھ منگنے پر ڈاک خرچ ۱۰ روپے

کتا بیات پبلی کیشنز

پر عمل کر رہی ہے۔ اسے دیکھنے کے لئے شینہ کے پاس جاؤ۔ دیش
آل۔“

اسکرین سادہ ہو گیا۔ میں فوراً ہی شینہ کے پاس آیا۔ وہ کسی
گاڑی میں بیٹھی تھی۔ آنکھوں پر پٹی باندھی تھی اس لئے دیکھ
نہیں سکتی تھی۔ منہ پر نیپ چکا ہوا تھا۔ بول نہیں سکتی تھی۔ کانوں
میں مدلی ٹھوس دی گئی تھی وہ گاڑی سے باہر کی آواز نہیں سن سکتی
تھی۔

میں نے کہا: ”بیٹی! جو صلہ رکھو۔ میں تمہارے پاس ہوں۔“
اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے محسوس کیا وہ میری
سوچ کی لمبوں کو نہیں سن رہی ہے۔ میں نے پوچھا: ”کیا تم میری
باتیں سن رہی ہو؟“

وہ خاموش رہی۔ اس کا مطلب تھا کہ دشمن خیال خالی کرنے
والوں نے بری طرح اس کے دماغ کو بکڑ لیا تھا۔ اس طرح قبضہ
بنایا تھا کہ میں نے اس کی تھوڑی سی سوچ پڑھ کر اس کی موجودہ
حالت کو سمجھا تھا۔ پھر اس کی سوچ کی وہ کڑور لہریں بھی خاموش
ہو گئی تھیں۔

ابھی میں اس کی دماغی حالت کو سمجھ رہا تھا کہ اس نے
سائنس روک لی۔ میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ میں ابھی
طرح جانتا تھا، شینہ سائنس روکنے کے عمل سے واقف نہیں ہے،
دشمن خیال خالی کرنے والوں نے مجھے اس کے دماغ سے نکالنے
کے لئے ایسا کیا تھا۔

میں نے اسرائیلی حاکم کے پاس آکر پوچھا: ”وہ لوگ شینہ کو
کہاں لے جا رہے ہیں؟“
اس نے کہا: ”میں نہیں جانتا۔ ابھی گولڈن برنز سے معلوم
کرنا ہوں۔“

اس نے لی وی کو آن کیا۔ پھر کمپیوٹر کو آپٹ کیا، اسکرین پر
تحریر نظر آئی: ”نیشن گولڈن برنز! فردا پوچھ رہا ہے، شینہ کو وہ لوگ
کہاں لے جا رہے ہیں؟“

وہ تحریر مٹ گئی۔ گولڈن برنز کی جوابی تحریر نظر آئی: ”ہم
تائیس کے تو فریاد کو یقین نہیں آئے گا۔ پھر بھی بتا دیے ہیں۔ شینہ
کو اس کے گھر پہنچایا جا رہا ہے۔“

میں نے پوچھا: ”میں کیسے یقین کروں؟“

میرا سوال اسکرین پر دکھائی دیا۔ دوسرے جواب ملا: ”تم
لاہور میں ہو۔ بن کے گھر جاؤ اور آنکھوں سے دیکھو۔ شینہ وہاں
چنے والی ہے لیکن تم اس کے دماغ میں نہیں پہنچ پاؤ گے۔ دیش
آل۔“

اسکرین سادہ ہو گیا۔ میں وہاں سے آنر ڈیوڈا کے دماغ میں
آ گیا۔ میں اسی کے ذریعے دیکھ سکتا تھا کہ دشمن کس حد تک بچ بول
رہے ہیں۔ میں ڈیوڈا کو کوٹھی سے باہر لایا اور اس کے ذریعے

دائیں بائیں دور تک دیکھنے لگا۔

کبھی کبھی کوئی گاڑی نظر آتی تھی پھر شاہینہ کی کوٹھی
سامنے سے گزر جاتی تھی۔ پتا نہیں شینہ کو کس گاڑی میں بٹھا
تھا۔ اسے گھر پہنچ دیکھ کر اطمینان ہوتا تو میں شاہینہ کو یہ خبر
خبری سنا سکتا تھا۔

اگرچہ دشمنوں سے ایسی مہمانی کی امید نہیں تھی۔ میں یہ
رہا تھا کہ وہ مجھے بچانے کے لئے شینہ کو وہاں لا رہے ہیں اگر
خود اسے دیکھنے آؤں۔ اسی لئے انہوں نے مجھے اس کے دماغ
نکال دیا تھا۔

بڑے انتظار کے بعد ایک گھنٹہ گزرنے والی گاڑی شاہینہ کی
کے سامنے چند سینکڑوں کے لئے رکی۔ اس کا سائینڈ ٹک دروازہ
شینہ کو کھلا کر باہر نکلتا گیا۔ پھر گاڑی تیزی سے آگے چلا
میں نے ڈیوڈا کو اس کی طرف دوڑایا اس کی زبان سے
”میری بیٹی شینہ! کامران کہاں ہے؟“

وہ اچانک ڈیوڈا کو ریلوے کے نشانے پر رکتے ہوئے
”خبردار! آگے نہ بڑھنا۔ گولی مار دوں گی۔“

میں نے ڈیوڈا کو روک دیا۔ دشمنوں نے اس کی آنکھوں
پٹی کھول دی تھی۔ اسے آزاد کر دیا تھا اور اسے ایک ریلوے
دے دیا تھا۔ وہ ہاتھ میں ریلوے کے دوڑتی ہوئی اپنی کوئی
احاطے میں آئی پھر پلٹ کر ڈیوڈا کو دیکھتے ہوئے بولی: ”فرا
تیور! میں تم سے مخائب ہوں۔“

میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے اس
ہاتھ سے ریلوے پھینکنے کے لئے اس کے دماغ میں جانے کی کو
کی مگر ناکام رہا۔ میری سوچ کی لہریں واپس آ گئیں۔

وہ بول رہی تھی: ”تم نے ہم یودیوں کے خلاف اپنی
دروازے پر عدالت قائم کی تھی۔ ہمارے ایجنٹ راجا مصدر
جان شیراز اور راجا مصدر کے جوان بیٹے کو اسی عدالت میں
مارا تھا۔ آج اسی عدالت میں تمہاری بہن کے دروازہ
تمہاری بہن کی بیٹی کو سزا موت دی جا رہی ہے۔“

شینہ نے ریلوے کی ٹال کو اپنی چٹائی سے لگایا۔ میں نے اس
کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی اور ناکام رہا۔ وہ بولی: ”یہ
انتقام کا پہلا نمونہ ہے۔ اگر تم نے ہمارے سامنے گھٹنے نہ لگے
ہماری کھٹکوں کے دوران دشمنوں کو میرے اندر چھپ کر رہنے کا
موقع مل جائے گا۔ پھر اندر چھپ کر میرے دماغ میں زلزلہ پیدا کیا
جاسکتا ہے۔“

”مجھ بات ہے صرف اتنا بتا دیں گیا آپ کی بھانجی شینہ کو
قتل کیا گیا ہے؟“
”میں کیسے معلوم ہوا؟“
”ایک اسرائیلی حاکم نے فاتحانہ انداز میں جناب علی اسد اللہ

”ہائے میری بہن! میں تجھے کیا منہ دکھاؤں گا۔“

میں نے زندگی میں کئی بار ذہنست غمو کر س کھا نہیں۔ کبھی
ایسا بھی ہوا کہ دشمنوں کو مجبور اور بے بس سمجھ کر دھوکا کھایا اور
ان کے مقابلے میں بری طرح شکست کھائی اور یہ زیادہ پرانی بات
نہیں ہے جب ایک دشمن ٹکلی بچتی جاتے والی ہے مجھے گولی مار دی
تھی اور میری موت یقینی ہو گئی تھی۔ اگر مجھے فوری طور پر باا صاحب
کے انجینئرس ٹیم میں پہنچایا جاتا تو آج میں اس دنیا میں نہ ہوتا۔

اگر میرے مقتدر میں کاسپالی اور کامرانی ہے تو کاسپالی اور
شکت بھی ہے لیکن ایسا ناقابل برداشت شکست کبھی نہیں کھائی
جیسی یودیوں نے مجھے دی تھی۔ انہوں نے میری ہی بہن کے
دروازے پر میری بہن کی بیٹی شینہ کو خود کشی پر مجبور کیا تھا اور میں
انتہائی بے بسی سے دیکھتا رہ گیا تھا۔

مجھ سے برداشت نہ ہوا تو میں نے دیوار سے سر ٹکرایا۔ ایک
بار نہیں کئی بار ٹکرایا۔ میرے حلق سے چھپیں نکلتا چاہتی
تھیں۔ دو تار چٹنا کر دور کی غلامت ہے اور مردانگی کے خلاف
ہے۔ میں نے جیڑوں کو اپنے اندر جکڑ دیا۔ البتہ سر ٹکرانے سے باز
نہ آیا۔ ایسا شدید غصے میں کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اندر کا غماز
نکل گیا۔ میں لڑکھارہ بنی پر گر پڑا۔ گتے پر لو کے دھبے دیکھ کر پتا
چلا بیٹھانی سے خون بہہ رہا ہے۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ گہری گہری سانس لینے لگا۔ یہ
بات ہوتے سمجھ میں آئی کہ خود کو غصے میں زیادہ ڈھکی کھوں گا تو
سانس روکنے کے قابل نہیں رہوں گا۔ یہ بھی خیال تھا کہ پارس
ملتان دوڑ پر شینہ اور کامران کو تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ اس بار باپ
کے ساتھ بیٹا بھی ناکام رہا تھا۔

میں نے سانس روک لی، پرائی سوچ کی لہریں محسوس ہوئی
تھیں۔ ہو سکتا ہے، میرے اینڈ میں سے کوئی مجھ سے رابطہ کرنا
چاہتا ہو لیکن دشمن بھی ہو سکتے تھے۔ وہ دیکھنا چاہتے ہوں گے کہ
انہوں نے جو انتہائی کارروائی کی ہے۔ میری بھانجی کو مار ڈالا ہے تو
مجھ پر اس کا مدّ عمل کیا ہو رہا ہے۔

دوسری بار بھی میں نے پرائی سوچ کی لمبوں کو محسوس کیا۔
لیکن سانس روکنے سے پہلے سلمان نے گوز دوڑا دیا۔ اسے
پچھاننے کے باوجود میں نے سانس روک لی۔ وہ چلا گیا۔ میں نے اس
کے دماغ میں جا کر گوز دوڑا دیا کہ پھر مجھ کا پتہ تمام خیال خالی
کرنے والوں سے کہہ دو۔ کوئی میرے دماغ میں نہ آئے۔ دوند
ماری کھٹکوں کے دوران دشمنوں کو میرے اندر چھپ کر رہنے کا
موقع مل جائے گا۔ پھر اندر چھپ کر میرے دماغ میں زلزلہ پیدا کیا
جاسکتا ہے۔“

”مجھ بات ہے صرف اتنا بتا دیں گیا آپ کی بھانجی شینہ کو
قتل کیا گیا ہے؟“
”میں کیسے معلوم ہوا؟“
”ایک اسرائیلی حاکم نے فاتحانہ انداز میں جناب علی اسد اللہ

”ہائے میری بہن! میں تجھے کیا منہ دکھاؤں گا۔“

تحریری کو فون پر اطلاع دی ہے۔“

”ہاں یہ درست ہے، تم لوگ محتاط رہو۔ ایک دوسرے کے
دماغ میں زیادہ دیر نہ کر دشمنوں کو اور موقع نہ دو۔ خدا حافظ۔“

میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ میرے سر میں درد ہو رہا تھا۔ میں
فرسٹ ایڈیاکس انگار آئیے کے سامنے آیا۔ بیٹھائی اور چہرے سے
لو پو پچھ کر ذم کو صاف کیا پھر دو انگار کراس پٹی چکادی۔ مجھے یہ
خیال سنا رہا تھا کہ اپنی بہن کو شینہ کی موت کی اطلاع کیسے دوں گا۔
جب میرا دل ٹکڑے ہو رہا تھا تو بہن کی کیا حالت ہوگی۔

دوبے یہ دردناک اطلاع دونوں یا نہ دونوں اس کے پاس جانا
ضروری تھا۔ وہ اور کامران دشمنوں کی قید میں تھے۔ جب میں پچھل
بار شاہینہ کے پاس گیا تو وہ ہوش میں تھی لیکن کسی ناریک چار
دیواری میں تھی اس نے دو دوکر مجھ سے کہا تھا کہ میں اس کے
بچوں کی حفاظت کروں۔ میں نے ان کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا اور
ناکام رہا تھا۔

آخر میں نے دل کڑا کر کے خیال خالی کی پرواز کی۔ شاہینہ
کے دماغ میں پہنچا پھر واپس آیا۔ وہ بیوش تھی۔ پتا نہیں دشمنوں
نے اسے کیوں ہوش سے بیدار کر دیا تھا۔ اس کا بیٹھائی میرا بھانجا
کامران بھی کیسے بے ہوش پڑا تھا۔

فی الحال دشمنوں کی یہی چال سمجھ میں آ رہی تھی کہ وہ شاہینہ
اور کامران کو اغوا کر کے اس شہر سے یا اس ملک سے دور کیسے لے
جا رہے تھے۔ انہیں اس لئے بے ہوش کر دیا تھا کہ ہم ان کے
دماغوں میں نہ کران راستوں کو معلوم نہ کر سکیں جہاں سے وہ لے
جائے جا رہے تھے۔ پتا نہیں انہیں کہاں پہنچایا جا رہا تھا۔ اگر دشمن
انہیں ملک سے باہر لے جا رہے تھے تو سب سے قریب ترین ملک
ہندوستان تھا اور ہندوستان سے یودیوں کے تعلقات بڑے
دوستانہ تھے۔

گولڈن برنز نے دھمکی دی تھی کہ پہلے شینہ کو قتل کیا گیا ہے۔
اگر میں پاکستان سے واپس نہ گیا اور یودی ایجنٹوں کے لئے پاکستان
میں مصیبت بننا پڑا تو وہ شینہ کے بعد کامران کو ختم کر دیں گے اس
کے بعد بھی میں نے ان کی شرائط پر عمل نہ کیا تو وہ میری بہن شاہینہ
کو بیدار کر کے قتل کر دیں گے۔

میری بہت بڑی کڑوری ان کے ہاتھ آگئی تھی۔ اتنی بڑی دنیا
میں وہی ایک بہن تھی جسے میں نے بیٹی کی طرح گود میں کھلایا
تھا۔ انہوں نے اسے چھین کر چھپے میرے اندر سے بکھیر نکال لیا
تھا۔ یہ بڑی آزمائش کی گھڑی تھی۔ مجھے اس نتیجے پر پہنچنا تھا کہ
بھانجے اور بہن کو بھی قربان کر دوں یا یودیوں کے سامنے گھٹنے ٹیک
دوں؟

اگر میں ان کی شرائط مان لیتا، پاکستان چھوڑ دیتا۔ سومانہ اور
جبرائیل گرانٹ کو اسرائیل سے واپس بلا لیتا اور پاکستان کو یودیوں
کی تجارتی منڈی بننے دیتا تو وہ میرے بھانجے اور بہن کو قتل نہ

کرتے۔ انہیں زندہ رہنے دیتے لیکن اپنی قید سے رہا نہ کرتے۔ میری بہن کو بیٹھ میری کمزوری بنا کر اپنی قید میں ایسی جگہ رکھتے جہاں میں کبھی پہنچ نہ پاتا۔

میں نے سونیا کو مخاطب کیا، ”وہ بولی، ”مجھے افسوس ہے فرہاد! انہوں نے معصوم شہید کی زندگی بچھن لی۔ ابھی مسلمان نے بتایا ہے کہ کارمان اور شاہینہ بے باق ہیں۔ دشمنوں نے انہیں دوسری بار بے ہوش کیا ہے۔ اس کے پیچھے کوئی خاص مقصد ہوگا۔“

”شاید وہ اب بے کھٹ سے ابھرے جارہے ہیں۔ ان کی بے ہوشی کے باعث ہم معلوم نہیں کر سکتے کہ انہیں کہاں لے جایا جارہا ہے؟“

”یہ ہمارے لئے برا ہو رہا ہے۔ وہ شاہینہ کو ہمارے خلاف زبردست مہم بنا کر رکھیں گے۔ جب تک ہم شاہینہ اور کارمان کو رہائی نہیں دلا میں گے تب تک ہمیں یہودیوں کے اٹھانوں پر پناہنا ہوگا۔“

”کم کیا کہتی ہو؟“

”لی الجال ہم خاموشی اختیار کریں۔ یہودیوں سے رابطہ نہ کریں۔ کوئی دماغی رابطہ کرنا چاہے تو ہم سانس روک لیں۔ اپنے تمام خیال خواتین کرنے والوں سے کہہ دو کہ باہر کھینچے تک آپس میں بھی خیال خواتین نہ کریں۔ تم سب میرے پاس ہی نہ آؤ۔ دوسرے دشمنوں کو ہمارے اندر آکر خاموشی سے ہماری گفتگو سننے کا موقع مل جائے گا۔“

”لیکن باہر کھینچنے کے اندر مجھے اپنوں میں سے کسی کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔“

”کوئی بھی ضرورت ہو تو جناب علی احمد اللہ حمزوی صاحب سے رابطہ کر دو اور ان کے پاس ضروری پیغام چھوڑ دو۔“

میں نے اس سے رابطہ ختم کر دیا۔ سونیا کے شور سے یہ بوجھ لگا ہوا کہ ابھی یہودیوں سے بحث و تکرار نہیں ہوئی۔ اگر وہ اپنی شرائط منوانے کے لئے ہم میں سے کسی کے دماغ میں بھی آئیں گے تو ہم سب سانس روک لیں گے۔ یوں جب تک میری ہاں یا نہ کا جواب نہیں ملے گا تب تک وہ کارمان اور شاہینہ کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ انہیں قتل کرنے کے لئے کم از کم باہر چلیں گے۔

میں پارس کے پاس پہنچا کہ اسے اتنا دواؤں، شہید پر کیا گزری ہے اور آئندہ اس کی پھولی اور پھولی زاہد بھائی پر کیا گزرنے والی ہے۔ جب وہ ملتان روڈ پر ٹھوکر کی طرف جاتے ہوئے دشمنوں کو تلاش کر رہا تھا تب میں نے اسے ایک گاڑی کا رنگ اور نمبر بتائے تھے۔ وہ اس گاڑی کو تقریباً ایک گھنٹہ تک تلاش کرتا رہا مگر ناکام رہا۔ دوسرے کلومیٹر تک جانے کے بعد وہ وہ گاڑی نظر نہیں آئی تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ دشمن پیچھے کسی آبادی میں نہ جگے ہیں یا کسی نچے راستے پر مڑ گئے ہیں۔

وہ واپسی پر چھوٹی بڑی آبادیوں میں جا کر ڈھونڈنے لگا۔ ایک

جگہ دور درختوں کے پیچھے ایک گروام نما بڑی سی چار دیواری نظر آئی۔ ذرا قریب جانے پر اس رنگ اور نمبر کی گاڑی نظر آئی۔ اس نے ایک جھاڑی کے پیچھے اپنی کار کھڑی کی پھر چپتا ہوا گروام کی طرف جانے لگا۔

ایسے ہی وقت ایک ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی۔ گروام کے پیچھے کھینچوں کا سلسلہ تھا۔ فصل کٹ چکی تھی اس لئے وہ کھیت دور تک وسیع و کھلی میدان ہو گئے تھے۔ کھیتوں سے آئے والا ہیلی کاپٹر اس میدان میں اترا ہوا تھا۔ گروام سے تین آدمی باہر اتر گئے۔ کاپٹر کو دیکھ رہے تھے۔ پارس ان کے پیچھے ایک دیواری آؤٹس کھڑا ہو گیا تھا۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا ”یہ وقت سے پہلے چلا آیا ہے۔ وہ عورت تو یہی نیند سوری ہے اور اس کے بیٹے پر تو یہی عمل ہو رہا ہے۔“

”کیا تمہارے دماغ میں وہ بول رہی ہے؟“

”ہاں میرے مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ ہیلی کاپٹر والوں کو تو اسے کھینچے تک روکا جائے۔“

پارس نے سمجھ لیا کہ شاہینہ یا شہید پر تو یہی عمل ہو چکا ہے چونکہ اس شخص نے عورت سے کہا تھا اس لئے وہ شاہینہ ہو سکتی تھی۔ پھر یہ بھی کہ تھا کہ اس کے بیٹے پر عمل ہو رہا ہے یعنی کارمان بھی وہاں تھا۔

مشکل یہ تھی کہ وہ دونوں اپنی رہائی کے لئے پارس کے ساتھ تعاون نہیں کر سکتے تھے۔ وہاں نافل پڑے ہوئے تھے۔ وہ دشمنوں سے دو دو ہاتھ کرتے ہوئے ہاں بیٹے کو اپنی کار تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔ گروام کے اندر کچھ اور لوگ تھے۔ پھر ہیلی کاپٹر کے زریے آنے والوں نے تعداد میں اضافہ کر دیا تھا۔

وہ دیواری کی آڑ سے نکل کر دوسری طرف جانا چاہتا تھا اسی وقت میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے کہا ”میں پھولی اور کارمان ہیں۔ دشمنوں کی تعداد کافی ہے۔ ان کے علاوہ کوئی خیال خواتین کرنے والی ایک شخص کے دماغ میں نہ کر ائیں گا یہ کہہ رہے۔ کوئی دوسرا نیلی بیٹی جانے والا کارمان پر عمل کر رہا ہے اور پھولی پر تو یہی عمل ہو چکا ہے۔“

میں نے کہا ”بیٹے! بدلتی یہودیوں نے شہید کو مار ڈالا ہے“ مجھے بہن کے سامنے بڑی شرمندگی ہوئی۔ اب ان دونوں کو ہر حال میں یہاں سے زندہ سلامت لے جانا ہوگا۔“

کوئی شخص ہیلی کاپٹر سے اتر کر گروام کی طرف آ رہا تھا، میں نے کہا ”وہ جو آ رہا ہے“ وہ گروام کے لوگوں سے باتیں کرے گا۔ ان کے اندر رہنے والی اس آنے والے کے دماغ میں جائے گی۔ تم ان کی باتیں سنو کہ میں بھی اس کے دماغ میں پہنچ سکوں۔“

پارس وہاں چپ رہا۔ ہیلی کاپٹر سے آنے والے نے ایک شخص سے مصافحہ کرتے ہوئے کوڈ روڈز اچھلے۔ ”میں گلاب کے دس سے آیا ہوں۔ جینیلا کا پھول لے جاؤں گا۔“

جینیلا۔ یہ واضح ہو گیا کہ وہ ہیلی کاپٹر بندوستان سے آیا ہے اور اس میں شاہینہ اور کارمان کو لے جایا جائے گا۔ گروام کے ایک شخص نے کہا ”جینیلا سوری ہے“ اس کے بیٹے پر عمل کیا جا رہا ہے۔ کم از کم اگر تمنا کا انتظار کرنا ہوگا۔“

آنے والے نے کہا ”میں رٹناؤ بھجر کے دوا ہوں۔ یہاں ہماری پرواز غیر قانونی ہے۔ آدھا گھنٹہ بہت ہوتا ہے۔ ہم خطرات میں گر کر رہے ہیں۔ پلیر جلدی کر۔“

میں بھجر کے دوا کے اندر پہنچ گیا تھا۔ ایک دشمن خیال خواتین کرنے والی کہہ رہی تھی ”بھجر! اور نے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں دو نیلی بیٹی جانے والے تمہاری مدد کے لئے موجود ہیں۔“

وہ مسکرا کر بولا ”مجھے بتایا گیا تھا کہ نیلی بیٹی جانے والے مجھ سے دماغی رابطہ قائم کریں گے۔ میں تمہاری آمد سے مطمئن ہوں۔ پھر بھی یہاں کے سراغ رسانوں سے کھراے بغیر جلد سے جلد چلے جانا دارا شہنشاہی ہوگی۔“

”میں پوری کوشش کر رہی ہوں۔ ذرا انتظار کرو۔ ابھی آئی ہوں۔“

وہ پہلی ہی۔ میں نے اس کے خیالات پڑھ کر معلوم کیا۔ وہ ایسا ہیلی کاپٹر لایا تھا کہ پاکستان میں پکڑا جاتا تو یہ ثابت نہ ہوتا کہ وہ بھارت سے آیا ہے۔ دوا کا قلعہ اب وہاں کی فوج سے نہیں تھا۔ اس کے ساتھ دوا کا حفاظت اور ایک پائلٹ تھا اور وہ سب غیر فوجی تھے۔

رٹناؤ بھجر کے دوا نے پیچھے آنے والے ایک مسلح گاڑی سے کہا ”پائلٹ سے جا کر کہہ دو۔ ذرا دروازہ کھلیں۔“

گاڑی نے کہا ”سر! پائلٹ بہت گھبرا ہوا ہے۔“

وہ بولا ”فان سن! اسے حوصلہ دو اور بتاؤ کہ ہمارے ساتھ نیلی بیٹی جانے والے موجود ہیں، گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

وہ جانے لگا میں نے پارس سے کہا ”کسی طرح ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچیں۔ مسلح گاڑی کو روک کر رہا ہوں۔“

پھر میں نے سلمان اور سلطان کے لئے جناب علی احمد اللہ حمزوی صاحب کو پیغام دیا کہ شاہینہ اور کارمان تو یہی نیند میں ہیں۔ نیند پوری ہوئے سے پہلے انہیں زراں میں لایا جاسکتا ہے اور دشمنوں کے تو یہی عمل کا توڑ کیا جاسکتا ہے۔ یہ جلد سے جلد کیا جائے۔

انہوں نے فرمایا ”بیٹے! اللہ نے چاہا تو دشمنوں کے عمل کا توڑ ہو جائے گا۔ تم اپنا کام کرو۔“

میں نے پارس کے پاس اتر کر کہا ”ہرک جاؤ، ہیلی کاپٹر کی طرف نہ جاؤ۔ تمہاری پھولی اور کارمان پر تو یہی عمل کا توڑ ہونے والا ہے۔ اس عمل کے دوران کسی کو ان کے قریب جانے نہ دو۔ گروام کے اندر پہنچو۔“

وہ پھر گروام کی طرف جانے لگا۔ میں نے ایک شخص کے

ذریعے گروام کے مزید تین آدمیوں کے دماغوں میں جگہ بنائی پھر مسلح گاڑی کے پاس پہنچا۔ وہ پائلٹ کو تسلیاں دے رہا تھا اور پائلٹ پریشان ہو کر کہہ رہا تھا ”ہماری کھیتی کے مالک کو اگر معلوم ہوگا کہ میں ایک رٹناؤ بھجر کے کھیتوں سے غیر قانونی پرواز کے لئے ہیلی کاپٹر لے آیا ہوں تو میری نوکری چلی جائے گی، وہ مجھے جیل پہنچا دے گا۔ یہاں کوئی گزیر ہو سکتی تو بھجر کیا کرے گا؟ میں نہیں جانتا کہ نیلی بیٹی جانے والے کتنے بار دوا لے ہوئے ہیں۔“

میں مسلح گاڑی کو ہیلی کاپٹر سے اتار کر لیٹا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق نیچے اتر چڑھ کر پھولی کی کھیتی کاؤٹھن کھول دیا۔ جب سے دھال نکال کر اسے کھیتی میں ڈال کر پوری طرح بجھکا پھر پھولی سے بچکے ہوئے آدھے دھال کو کھیتی کے اندر اور آدھے دھال کو کھیتی سے باہر رکھا اس کے بعد لاٹکڑی لگایا۔

آگ دھال میں لگی۔ پھر اس کے شعلے لپکتے ہوئے کھیتی کے اندر گئے۔ گروام کے دروازے پر چار افراد کھڑے بائیں کر رہے تھے۔ یکایک قیامت کا دھماکا ہوا۔ چاروں کے قدیم اکھڑ گئے۔ وہ اچھل کر زمین پر گر پڑے۔ ہیلی کاپٹر کے پرچے اڑنے لگے۔ شعلے آسمان کی طرف جا رہے تھے اور اس کے ٹکڑے گروام کی طرف آ رہے تھے۔ ان میں مسلح گاڑی اور پائلٹ کے ٹکڑے بھی شامل تھے۔ میں نے اس کے دوا کے دماغ پر قبضہ کیا۔ اس نے رٹناؤ بھجر کی طرف کر پھولا۔ اس شخص کو گولی ماری جس کے دماغ میں کوئی خیال خواتین کرنے والی آئی تھی۔ پھر اس نے دوسرے پر فائر کیا۔ تیسرے نے کے دوا کو شوٹ کرتے ہوئے کہا ”پاکل ہو گیا ہے۔ دوست بن کر ہمیں مارنے آیا ہے۔“

میں نے تیسرے کے دماغ پر قبضہ جاکر اسے پارس کی طرف دوڑایا پھر اس کی زبان سے کہا ”میں فرہاد بول رہا ہوں، یہ گمن تمہارے لئے ہے۔“

اس نے دور سے گمن اچھالی۔ پارس جہاں چپا ہوا تھا وہاں قریب ایک اسٹریچر پر شاہینہ اور دوسرے اسٹریچر پر کارمان تھا۔ دونوں نافل پڑے ہوئے تھے۔ ایک شخص شاہینہ کا نشانہ لے رہا تھا۔ پارس نے اسے گولی ماری۔ اوپر بوجھ آیا تھا۔ پارس کی گولیوں سے چھلنی ہو رہا تھا۔ یہودی خیال خواتین کرنے والوں کو یقین ہو گیا تھا کہ شاہینہ اور کارمان ان کے ہاتھوں سے قتل جائیں گے۔ اس لئے وہ ان دونوں کو ختم کر دیتا چاہتے تھے۔ اپنے آواز کا دوا کے اندر دھار کر ان پر قاتلانہ حملے کر رہے تھے اور اپنے ایک ایک آواز کا رے محروم ہوتے جا رہے تھے۔

آخر میدان صاف ہو گیا۔ میں نے کہا ”بیٹے! ابھی پھولی اور کارمان کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ شاید سلمان اور سلطان ان پر عمل کر رہے ہیں۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔“

میں نے سلمان کے پاس اتر کر کوڈ روڈز ادا کئے پھر پھر چپا ”کیا شاہینہ اور کارمان پر عمل ہو رہا ہے؟“

اس نے کہا ”ہم نے دشمنوں کے تو یہی عمل کا توڑ کر دیا

میں نے اعلیٰ حاکم کے ذریعے گولڈن برنز سے کہا ”تمہارے

میں نے شاید اور کارمان کو آزما لیا تھا۔ وہ پرانی سونکا لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیتے تھے۔ اگرچہ وہ بونگا کے ماہر نہیں تھے لیکن عام لوگ بھی پندرہ بیس سیکنڈ سانس روک لے سکتے ہیں۔ شاید اور کارمان کے داخل میں یہ بات بھی نقش کا گہنی تھی کہ وہ ماں بیٹے مہج و شام سانس روکنے کی مشق کیا کر رہا

اب اپنی اصلیت یاد آنے کے بعد اسے یہ سب کچھ یاد آ رہا تھا۔ پہلی نے اس پر عمل کرتے ہوئے اس کی یادداشت میں جان کارلو، رافائلا اور ایڈی فشر کے تمام واقعات کو تازہ رکھا تھا۔ اب

”ان کے خیال خواتین نے والوں کو سمجھا دیا ہے۔ لیکن
 قتل کے جیساں ہوتے رہیں گے اور غنیمت کے قتل کو
 کو کے قہر کرتے رہیں گے۔“
 ”ٹھیک ہے! آئیے! یہاں ان کے لیے جیسی جائے والوں تک
 پنچنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔“
 ”کاپی تیار کرنے ہمیں یہاں پہنچا دیا ہے۔ اب تم گولڈن رینجرز

کو تلاش کرو گے وہ قتل و آدمی چھ ہیں۔ ایک کا بھی سراغ لے گا تو
 باقی پانچ تک پہنچا آسان ہو جائے گا۔
 "نشاء اللہ میں ان کی سرگرمی تک ضرور پہنچوں گا۔"
 میں نے پوچھا "تم نے جو جان کارلو اور ایڈی فشر کی زندگیوں
 گزار دی ہیں وہ سب تمہیں یاد ہیں؟"
 "جی ہاں، ایک ایک بات یاد ہے۔"
 "اپنے ذہن میں رانما کی آواز اور لہجے کو دہراؤ۔ میں سن رہا
 ہوں۔"

علی نے رانما کا قصہ کہ کیا۔ پھر اس کی آواز اور لہجے کو یاد کرتے
 ہوئے سوچ کے ذریعے دہرائے گا۔ جس طرح ہم ٹیلی فون کے
 ذریعے کسی کی آواز سن کر اس کے داغ میں پہنچ جاتے ہیں اسی
 طرح علی تیمور کی سوچ ٹیلی فون کی طرح واضح طور پر رانما کی آواز
 اور لہجہ پیش کر رہی تھی۔ ایسا ہر ایک کی سوچ کے ذریعے نہیں
 ہو سکتا۔ جس کی یادداشت مضبوط اور مستحکم ہوگی، اسی سے
 دوسروں کی آواز اور لہجہ پوری وضاحت سے سنا جاسکتا ہے۔
 بہر حال علی کی غیر معمولی یادداشت کے سبب رانما کے داغ میں
 پہنچ گیا۔

اس کے اندر پہنچ کر خیالات بڑھنے سے پتا چلا کہ اس کا داغ
 میدان جنگ بنا ہوا ہے۔ اس کی سوچ نے کہا "ہیروڈوں نے اپنے
 ہاں مجھے پناہ دی لیکن کافی میں کافی کمزوری کی دوا ملا کر پلا دی اور
 میرے کمزور داغ پر قبضہ کر کے غریبی عمل کرنے لگے۔ بعد میں پتا
 چلا، وانیال کے مداخلت کرنے کے باعث بے مورگن کا عمل کام
 رہا ہے۔"

رانما کی سوچ وی بتا رہی تھی جو اس پر گزرتی رہی تھی۔ ملپا
 بھی اس کے داغ میں چھپی ہوئی تھی۔ بعد میں الپا نے انکر کہا۔
 "رانما! تمہارے داغ میں جان لیوا بھی آ رہا ہے۔ اگر فساد کو
 معلوم ہو گا کہ تم ذہنی انتشار میں مبتلا ہو، ابھی تم پر کوئی غریبی عمل
 نہیں کر سکتا ہے تو وہ فساد بھی تمہارے داغ پر قبضہ جمانے کی
 کوشش کرے گا۔ تمہیں کسی کی طرف سے اندیشہ ہو تو مجھے بتاؤ
 میں تمہاری حفاظت کروں گی۔"

رانما کی سوچ نے بتایا کہ یہودی خیال خواتین کرنے والوں میں
 بے مورگن اور الپا باری باری اس کے داغ میں موجود رہتے
 ہیں۔ دوسری طرف جان لیوا کے دو خیال خواتین کرنے والے پاسکو
 روٹ اور فریڈرک باری باری موجود رہتے ہیں۔

میں جس وقت اس کی سوچ پڑھا تھا اس وقت بھی اسرائیلی
 اور امریکی ٹیلی جیٹھی جانتے والے وہاں موجود تھے۔ الپا کہہ رہی
 تھی "میں جان لیوا کے خیال خواتین کرنے والوں کو سمجھاتی ہوں"
 وہ رانما کے داغ سے نکل جائیں۔

پاسکو روٹ نے کہا "ایک حکم دینے والے انتظار کے بعد رانما
 ذہنی انتشار سے نکل آئی ہے۔ دیکھو یہ صحیح ترتیب سے اپنے
 موجودہ حالات کے متعلق سوچنی باری ہے۔ اب اسے قابو میں

کرنے کا وقت آیا ہے تو تم ہمیں جانے کو کہہ رہی ہو۔"
 یہ درست تھا کہ اس کا ذہنی انتشار ختم ہو گیا تھا اور وہ
 تحریک پر اپنے موجودہ حالات بیان کر رہی تھی۔ دشمن بے سمجھ
 تھے کہ وہ نارمل ہو کر خود ہی بے تمام بائیں سوچ رہی ہے۔
 میرے داغ میں یہ بات آئی کہ جب وانیال نے یہودیوں
 غزائی کی ہے اور رانما پر ہونے والے عمل کو کام بنایا ہے تو
 وانیال کو سزا دی گئی ہوگی۔ اسے داغی کمزوری میں جھلا گیا
 تاکہ وہ دوبارہ رانما کے داغ میں نہ پہنچے۔

میں نے رانما کی سوچ میں کہا "وانیال چوری سے میرے
 آ رہا تھا۔ وہ بے مورگن کے عمل کو کام بنانے کا غور عمل کر رہا
 ایسے ہی وقت الپا پہنچ گئی تھی۔"
 میں نے یہ کہہ کر رانما کو وانیال کی آواز اور لہجے کے
 سوچنے پر مجبور کیا۔ وہ سوچنے لگی۔ چونکہ ٹیلی جیٹھی جاتی تھی
 دوسروں کے لہجے کو یاد کرنے کی مادی تھی اس لیے صحیح طور پر
 لہجے کو یاد کر رہی تھی۔

میں اس لیے کو گرفت میں لیتے ہی وانیال کے داغ میں
 گیا۔ اسرائیلی فوجی جوائن نے اسے ایک ہندو دم میں قیدی
 رکھا تھا۔ بے مورگن نے ایک بار اس کے داغ میں آ کر
 "وانیال! میں گولڈن برنز کی طرف سے یہ کہنے آئی ہوں کہ تم
 کی سزا موت ہوتی ہے لیکن تمہیں موت کی سزا دی جائے
 ہمارے ٹیلی جیٹھی جانتے والوں میں سے ایک کم ہو جائے گا
 ہمارے ملک کا نقصان ہے۔ ہم تمہیں نہیں ماریں گے بلکہ
 برین واش کریں گے تمہارے داغ سے غزائی ختم کریں گے
 و قادی کوٹ کوٹ کر بھڑیں گے۔"

وانیال کے خیالات پڑھ کر معلوم ہوا کہ برین واش کر کے
 کی شخصیت تبدیل کی جائے گی۔ ایسا اب تک اس نے نہیں
 تھا کہ تمام یہودی ٹیلی جیٹھی جانتے والے ایک طرف شاہ
 کامران کے داغوں میں تھے۔ باقی بے مورگن اور الپا
 بحرانی کر رہے تھے۔

گولڈن برنز کا خیال یہ ہو گا کہ ہم میں سے کوئی وانیال
 معاملات تک نہیں پہنچے گا۔ لیکن میں پہنچ گیا تھا اور یہودیوں کی
 کہ ان کے ایک ایک ٹیلی جیٹھی جانتے والے کو ختم کروں
 سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اپنی موجودہ حکمت عملی کے نتیجے میں
 جلدی ایک شکار کے پاس پہنچ جاؤں گا۔

میں نے وانیال کے داغ پر قبضہ بنایا۔ پھر اس کے
 چل کاٹنے والا چاقو پکڑ لیا۔ اس نے چاقو کی نوک کو ٹھیک
 جگہ سینے میں پیوست کر دیا۔ پھر اسے صحیح کر باہر نکالا اور
 پیوست کیا۔ وہ فرش پر گر کر ترسے لگا۔ اس نے مدد کی
 سانسوں کو واپس لانے کی کوشش کی لیکن مقدہ کے کھانے
 کہیں ہوئی سانسیں ختم ہو چکی تھیں۔ میں اس کے آخری
 کے بعد واپس آیا۔

دو مہینے رانما تھی۔ وہ ایک طویل انتظار کے بعد ذرا نارمل
 رہی تھی۔ فوجی جو ان ایک ٹرالی میں کھانے پینے کا سامان لائے
 تھے ان میں سے ایک دوا خانے کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اگرچہ رانما
 نے جان کا خلع نہیں تھا۔ جان لیوا وغیرہ بھی اسے زندہ
 لایا تھا۔ واپس حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن علی تیمور کے فرار ہونے
 فوجی گارڈ بڑھائے گئے تھے۔

رانما نے خود کو ایڈی فشر کی تیمور کی بیوی ظاہر کیا تھا۔ اس
 نے یہ اندیشہ بھی تھا کہ جس طرح ایڈی فشر پولیس کا ہیرا توڑ کر فرار
 ہے، اسی طرح رانما کو بھی وہاں سے لے جاسکتا ہے۔ اس لیے
 انہماک سے پولیس کو ہٹا کر فوج کا ہیرا بنایا گیا تھا۔
 کھانے کی ٹرالی رانما کے سامنے لا کر رکھی گئی تو اس نے پوچھا
 کیا ہے؟

فوجی جو ان خاموش کھڑا رہا۔ الپا نے اس کے داغ میں کہا۔
 رانما کو کوئی سوال نہ کرو۔ فوجی گارڈ کو ٹکے بن کر رہیں گے۔
 اس نے پوچھا "کیا میرے داغ میں دشمن چھپے ہوئے ہیں؟ تم
 بے پاد دشمن اور کون ہو گا۔ تم لوگوں نے کافی میں دوا ملا کر میرے
 داغ کو کمزور بنایا تھا۔ کیا تم نے یہ نہیں سوچا تھا کہ میری کمزوری
 نہ تھا تو اندیشہ دوسرے بھی مجھے زہی کر رہے؟"
 "جو ہو گیا تھا، بھول جاؤ۔ تمہیں مزید توجہ دانی کے لیے کچھ کہنا
 چاہتا ہوں۔"

"یہ کھانا تو انسانی ہے لے لے یا پھر مجھے کمزور بنانے کے لیے؟"
 "تم فضول بحث کر رہی ہو۔ میں تمہارے داغ پر قبضہ جاکر
 میں زہد کی کھانسی ہوں۔"

جان لیوا کا قبضہ سنا دیا۔ اس نے کہا "الپا! میں بھی رانما
 بے اندر موجود ہوں۔ تمہیں اس کے داغ پر قبضہ جمانے میں دوں
 یہ تمہارے ملک سے آئی ہے۔ ہماری اسی میں ہے کہ اسے
 رہے خواتین کرو۔"

الپا نے کہا "میں بھی تمہارے ملک سے آئی ہوں۔ یہاں جتنے
 پہنچ جاتے والے ہیں وہ سب تمہاری فرائض مار مشین سے
 زبردستی ہیں۔ تم کہتوں کے لیے عموماً کرتے رہو گے؟"

"یہ تو اے والا وقت بتائے گا۔ ایک دن تم بھی میرے پاس
 گی۔ لیکن اعلان رانما کے لیے ہماری کو ششیں جاری رہیں گی۔"
 "کو ششیں جاری رکھنے کے لیے اسے زندہ رکھنا ضروری ہے
 لیوا نے کہا "اس کا کھانا جینا لازمی ہے۔"

لیوا نے کہا "تو پھر اس کی بات مان لو۔ فوجی گارڈ کو بولے کا
 بڑھ کر رانما کو بتائے گا کہ اس کے لیے کچھ کھانے کو لایا ہے۔
 ٹاکو ملٹریں کرے۔"
 الپا نے کہا "گارڈ بولے گا تو تم اس کے داغ میں جاکر کوئی
 کھانا دیکھنا ہو تو رانما کے داغ میں وہ کبھی بہت کچھ

کر سکتا تھا۔ رانما کی زندگی جتنی تم لوگوں کے لیے اہم ہے اتنی
 ہمارے لیے بھی اہم ہے۔"

"مجھے بات ہے یہ گارڈ اسے ملٹریں کرے گا۔"
 الپا نے گارڈ کے داغ میں جاکر حکم دیا۔ میں انتظار کر رہا تھا۔
 تیموری دیر بعد گارڈ نے رانما سے کہا "میںم! یہ سینڈویچز ہیں۔ یہ
 دودھ اور آدھ لیٹین ہے۔ تم اس میں سے جو اٹھا کر مجھے دو گی میں
 اسے کھا کر دکھائیں گا۔"

رانما نے ایک سینڈویچ اٹھا کر اسے کھانے کو دیا۔ میں گارڈ
 کے داغ میں پہنچ گیا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے سینڈویچ لیا۔
 دوسرے ہاتھ سے ریڈیو نکال کر کہا "میں یہ کھانا ہوں، تم کوئی
 کھاؤ۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے قاز کیا۔ الپا نے گارڈ کے داغ میں انکر
 قبضہ بنانا چاہا۔ میں نے کہا "الپا! میں فریڈ علی تیمور بول رہا
 ہوں۔ اپنے گولڈن برنز کو یہ خوشخبری سنانا کہ میں نے ایک بھائی
 کے بدلے تمہارے دو ٹیلی جیٹھی جانتے والوں کو قتل کیا ہے۔ اپنے
 باقی ٹیلی جیٹھی جانتے والوں کی بھی حفاظت کر کے دیکھ لو۔ سب ایک
 ایک کر کے مارے جائیں گے۔ مرنے والوں کی قبر میں تمہارا
 نام بھی ہے۔"

میں نے گارڈ کے ذریعے دیکھا "رانما کا قبضہ تمام ہو چکا تھا۔ میں
 اعلیٰ حاکم کے پاس آیا۔ وہی ایک حاکم ایسا تھا جو گولڈن برنز سے
 رابطہ قائم کر رہا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ الپا اس کے پاس آئی
 تھی اور اسے گولڈن برنز سے رابطہ قائم کرنے کو کہہ کر رہی
 تھی۔ حاکم نے پوچھا "تم خود رابطہ کیوں نہیں کر رہی ہو؟"

وہ بولی "میں اپنی رہائش گاہ میں نہیں ہوں۔ کس دوسری جگہ
 ہوں اور کمپیوٹر وغیرہ ساتھ لے کر نہیں گھومتی ہوں۔ پلیز جلدی
 کرو۔"

جلدی رابطہ ہو گیا۔ الپا نے حاکم کے ذریعے بتایا کہ فریڈ نے
 رانما کو ختم کر دیا ہے۔

گولڈن برنز کی طرف سے اسکرین پر تحریر ابھری "میں چند
 منٹ پہلے وانیال کی موت کی بھی اطلاع ملی تھی۔ ہم سوچ رہے ہیں
 کہ فریڈ اتنی تیزی سے چند منٹ کے اندر دو خیال خواتین
 کرنے والوں کو ختم کرے گا۔ یہی مشکل ہے۔ ہم اس کے خلاف
 کوئی بڑا قدم نہیں اٹھا سکتے۔ لیکن حال تم بے محتاط رہو۔ تم اپنی
 رہائش گاہ میں واپس جاؤ۔ ہم اپنے دوسرے خیال خواتین کرنے
 والوں کو حکم دے رہے ہیں کہ وہ ہمیں مصروف نہ رہیں اور تا حکم
 ملے اپنی رہائش گاہوں سے باہر نہ نکلیں۔"

اسکرین پر دوسری تحریر ابھری۔ گولڈن برنز نے اعلیٰ حاکم سے
 کہا "فریڈ کے ستارے اچھے ہیں۔ اس کی بہن ہمارے ہاتھ سے
 نکل گئی اور اسے واپس لی گئی۔ وہ اس منہور کی بہت بڑی کمزوری
 تھی۔ جب تک اس کی کوئی بڑی کمزوری ہاتھ نہ آئے تب تک
 ہمارے ٹیلی جیٹھی جانتے والوں کی سلامتی خطرے میں رہے

گی۔ ہمیں نئی حکمت عملی سے کام لینے ہوئے افراد سے کسی طرح سمجھو تاکرنا ہوگا۔ اس سے رابطہ کرو اور کوہم اس سے دوستانہ ماحول میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔“

میں نے اپنی موجودگی ظاہر نہیں کی۔ علی تیمور کے پاس آکر اسے رانا اور دانیال کے متعلق بتایا پھر کہا ”تمام یہودی خیال خوانی کرنے والوں کو ان کی رہائش گاہوں تک محدود کیا جا رہا ہے۔ اب وہ میری کوئی دوسری بڑی کمزوری اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے ہیں۔“

علی نے کہا ”آپ کی دوسری بڑی کمزوری میں اور پارس ہیں۔ اسٹاک سلمان، آئی سلطانی، ائی، اما، اور جو جو دشمنوں سے کوئی بھی ان کے شکبے میں آئے گا تو آپ مجبور ہو جائیں گے۔ دشمن بیشہ گہری سمجھوتوں کے رشتوں اور لوگوں کے رشتوں کو کمزوری بنادیتے ہیں۔“

”یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اب تک تم میں سے کوئی ان کے ہاتھ نہیں آیا۔ یہ سچ ہے کہ اللہ اس پر مہربان ہوتا ہے جو بیدار ذہن اور نیت صاف رکھتے ہیں۔“

”یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔ اور ان کے مبرا اور ایمان کی چٹکی کو آڑتا ہے۔ میں اسرائیل میں ہوں۔ یہودیوں کے درمیان ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے شکبے میں آبادی تو یہ آپ کے لئے اور میری اما کے لئے ناقابل برداشت ہو جائے گا۔ میری التجا ہے کہ ایسا بھی ہو جائے تو اما کو تجربہ ہونے پائے اور آپ دشمنوں کے سامنے ہتھیار نہ ڈالیں۔“

”اللہ ہمیں اپنی امان میں رکھے۔ میں جا رہا ہوں، پھر تم سے رابطہ کروں گا۔“

”ہاں! ایک منٹ۔ مجھے مانی کے متعلق بتائیں۔ ائی کہہ رہی تھیں وہ جان لہذا کی سرپرستی میں ہے اور ایک دن ٹرانسافر مشین سے گزرنے کی۔“

”یہ درست ہے۔ پہلے ہم نے سوچا کہ مانی پر جب چاپ عمل کرے آئے اس کی اصل شخصیت یاد دلائی جائے، لیکن لہذا اس کے داغ میں آتا جاتا رہتا ہے۔ وہ اسے سونا ثانی کی حیثیت سے پہچان لے گا۔ اسی لئے وہ بدستور سلوانہ کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔“

”ہاں! ایسا ضروری ہے کہ وہ ٹیلی پیٹھی سکھے۔ وہ اس علم کے بغیر ہی دوستوں کے لئے محبت اور دشمنوں کے لئے قنات ہے۔“

”یہ درست ہے۔ لیکن ایک غیر معمولی علم آسمانی سے حاصل ہوا ہے تو اسے حاصل کرنے وہ یہ نہ سوچ کر ٹرانسافر مشین کے ذریعے اس کا برین بدل جائے گا۔ جو اور ایسا کاربن آپریشن کیا گیا۔ اس کے باوجود جو جو نے ہمیں اور اپنے اپنی یہودی قوم کو پہچان لیا۔ تم ثانی کی فکر نہ کرو۔“

میں داغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ کھانے کا وقت گزر چکا

تھا۔ ہموک گگ رہی تھی۔ میں نے پارس کے پاس جا کر پوچھا ”کیا کر رہے ہو؟“

”آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ میں پیڑ ڈیسوا کے روپ میں پہلے اور کامران کو رہائی دلا کر لایا ہوں۔ دشمنوں کی نظروں میں نمایاں اور پولیس والے بھی طرح طرح کے سوالات کر رہے ہیں۔“

”ابھی کہاں ہو؟“

”ہل میں، دو سو تیس نمبر کے کمرے میں ہوں۔ پیڑ ڈیسوا ایک اپ آتارہا ہے۔ ہاں کارنگ کالا کیا ہے۔ آنکھوں پر بیڑے لگائے ہیں۔ کیا یہ بھی کی تبدیلی چلی گی؟“

”چلی گی۔ میں آدھے گھنٹے کے اندر آ رہا ہوں۔ ایک ریٹل کار حاصل کرو۔ ہم کسی ہوٹل میں پاکستانی کھانا کھائیں گے۔“

میں نے مکان سے باہر نکل کر دوڑاؤں سے تالا لگایا۔ پھر میں پر آکر ٹیکسی کا انتظار کرنے لگا۔ لاہور میں ٹیکسیاں بہت کم ہیں۔ کہیں کہیں نظر آتی ہیں۔ میں نے سوچا اس منٹ میں ٹیکسی لی تو رکشا میں چلا جاؤں گا۔

ایک بٹاکا فکس میرے قریب آکر بولا ”بھائی جان! ملتان میرا اچھا کاروبار ہے۔ میں یہاں مال خریدنے آیا تھا۔ کسی میری اپنی چرائی۔ اس میں پورے پچیس ہزار روپے تھے۔ میرے پاس واپسی کا کارڈ بھی نہیں رہا۔ اگر آپ میری مدد کریں تو۔۔۔“

وہ بولتا جا رہا تھا۔ میں نے اس کے خیالات چھ لگے۔ اس نے ہیکل اٹھتے کا یہ طرہ بتایا تھا۔ میں نے کہا ”میرے ساتھ قلم چلو۔ وہاں پچیس ہزار کی چوری کی رپورٹ درج کرواؤ۔ تھانیدار دوست بہت جلد ہمیں ملانے والے ہیں۔“

مفت میں گھر پہنچ جاؤ گے۔“

”بازوئی! رپورٹ درج کر چکا ہوں۔“

”تم نے رپورٹ نہیں لکھوائی ہے۔ چوری نہیں ہوئی رپورٹ کیسی؟ دراصل تم اتنے لوگوں سے اٹھتے ہو کہ ان چہرے جس میں یاد نہیں رہے۔ دو دو پہلے میں سے جس میں دے۔ ایک ہفتہ پہلے تم مجھ سے دس روپے لے گئے تھے۔ یاد آیا؟ وہ پریشان ہو کر مجھے پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے ”نہیں پہچان سکو گے۔ جس کی عادت نے تمہاری یادداشت کمزور کر دی ہے۔“

”واڈوئی! مدد نہیں کرتے نہ کرو۔ مگر ایک عزت دار کو؟“

”نہ بولو۔“

میں نے اس کے منہ پر ایک لٹا ہوا مارا۔ وہ لوٹ کر پیچھے پھر غصے میں بیٹک مارنے کے انداز میں ٹکرائے۔ میں نے اس کے منہ پر ٹھوک ماری ”لوگ دوڑتے ہوئے آتے گئے۔ ان میں سے دو محتاج تھے۔ انہوں نے مجھ پر حملہ کیا۔ میں نے ان کی پٹائی کر دی۔ لوگوں نے انہیں پکڑ کر ایک طرف بنایا۔ ایک پوچھا ”آخر بات کیا ہے؟“

میں نے کہا ”یہ شخص مختلف علاقوں میں جا کر ہتھکڑا ہوا ہے۔“

میں نے تیار ہے اب واپسی کا کارڈ نہیں ہے۔ ایسے ہیے غیرت صرف ملائیں کو نہیں، پورے پاکستان کو بھی بدنام کرتے ہیں۔ بیوی نکلوں سے آنے والوں کے سامنے بھی اسی طرح ہاتھ پھیلاتے ہیں اور ہیکل جاتے تو چرس پیٹتے ہیں۔“

مارکھانے والے نے کہا ”اے جی جی ہو گا تو تیرا۔۔۔“

وہ میرے باپ تک پہنچنے والا تھا۔ اس سے پہلے میں نے داغ قبضہ جاکر اس کی زبان کا پتھر کے سچ دیا تھا۔ وہ تکلیف سے ٹھٹھا گیا۔ میں نے کہا ”بھائی! میری باتوں کا یقین نہ ہو تو اس کی شلوار کے نیچے میں دیکھو۔ اس نے جس کی پٹیا چھپا کر رکھی ہے۔“

واپس کالج کے طلبہ بھی تھے۔ انہوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر کر کھڑا ”شلوار کھولو۔“

میں نے کرتے سے ایک رکنے کو روکا۔ وہ لوگ اس کے بچے سے ڈبا برآمد کر رہے تھے۔ میں رکنے میں بیٹھ کر پل کانٹا نیٹل چلا آیا۔ پارس انتظار کر رہا تھا۔ میں اس کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔ وہ کار اشارت کر کے آگے بڑھاتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

”ہماری زندگی بھی عجیب ہے۔ برسوں گزر جاتے ہیں اور باپ بیٹے مل نہیں پاتے۔ لاہور میں اتنے دنوں سے ہیں اور ایک ایک ساتھ بیٹھے کاموں مل رہا ہے۔“

میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر قریب ہو گیا۔ پھر اسے چوم کر بولا ”تیس سال میں ایک دو دن کے لئے ایک جگہ ملنا چاہئے۔ ہمارا فرادوچ بہت زبردست قلعہ بن چکا ہے۔ وہاں پورے خاندان کو جمع ہو کر جشن منانا چاہئے۔“

”آپ پورے خاندان کو ایک جگہ جمع کریں گے تو مصیبت میں پڑ جائیں گے۔“

”کسی مصیبت؟“

وہ مسکرا کر بولا ”جی کہ تینوں بیویاں ایک جگہ ہوں گی تو آپ کسی کی طرف جائیں گے؟“

میں نے زوردار قبضہ لگاتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ اس نے رنگ چوک کے قریب ایک گلی میں کار روک دی پھر کہا ”یہ جو دائیں طرف ہوئی ہے، میں یہاں کھانچا ہوں۔ بڑا لذت بخش ہوتا ہے اور یہ سامنے چن آؤں کریم والے ہیں۔ ان کی آنکس کریم بھی کھانے سے تعلق رکھتی ہے۔“

ہم کار سے نکل کر ہوٹل میں آئے۔ منٹن فورم اور شامی کباب دھیمو کا آمزادہ کیا کہ یہ کھانے ہمیں باہر نصیب نہیں ہوتے تھے۔ میں نے کھڑی دیکھ کر کہا ”اس وقت لندن میں دن کے گیارہ بجے ہوں گے۔ مجھے وہاں کے ایک بینک میں کام ہے، میں ابھی آتا ہوں۔“

میں چوہدری حاکم علی حاکم کے داغ میں پہنچ گیا۔ وہ لندن میں اپنے بڑے پائرسٹریبان اسمتھ کا مسماں تھا اور یہ معلوم کرنے گیا تھا کہ فرادو کو کس طرح پاکستان سے نکالا جائے گا۔ پھر اس کے کاروبار اور دولت کی کس طرح حفاظت کی جائے گی؟

جان اسمتھ نے اسے یقین دلایا تھا کہ یہودی افراد کے خلاف ایسی چالیں چل رہے ہیں جن کے نتیجے میں وہ پاکستان سے ہجرت کر جائے پھر کسی یہودی ایجنٹ کو برطانیہ نہیں کرے گا۔ چوہدری حاکم میرا یہی انجام دیکھنے کے لئے لندن میں عیش و عشرت کے دن رات گزار رہا تھا۔

میں نے اس پر قبضہ جمایا۔ وہ ضروری کاغذات لے کر ایک بینک میں پہنچا۔ وہاں اس کے باج لاکھ پونے تھے اس نے صرف ایک ہزار پونڈ وہاں رہنے دیے۔ باقی تمام رقم نکال کر دوسرے بینک میں آیا۔ وہاں اس کی بیٹی صوفیہ کا اکاؤنٹ تھا۔ اس نے وہ تمام رقم بیٹی کے اکاؤنٹ میں جمع کرادی پھر جان اسمتھ کے پاس آکر بولا ”میں نے ابھی بینک سے تمام رقم نکال کر صوفیہ کے اکاؤنٹ میں جمع کر دی ہے۔ یہ دیکھو اس بینک سے رقم نکالی اور اس ڈیپازٹ رسید کے ذریعے رقم بیٹی کے اکاؤنٹ میں ڈال دی ہے۔“

جان اسمتھ نے بینک اور ڈیپازٹ رسید دیکھی۔ اسی وقت میں نے حاکم علی کے داغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ روٹھ کر سوئے گا۔

”میں یہاں کیسے پہنچ گیا؟ ابھی تو ہوٹل کے کمرے میں تھا۔“

اسمیتھ نے پوچھا ”تم نے چار لاکھ لاکھ نانوں ہزار پونڈ اپنی بیٹی کے اکاؤنٹ میں کیوں جمع کر کے؟“

وہ بولا ”میں نے تو جمع نہیں کئے۔“

اسمیتھ نے اس کی چیک بک اور ڈیپازٹ سلپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا ”کیا زیادہ پانی گئے ہو۔ ابھی خود ہی کہہ رہے تھے اور خود انکار کر رہے ہو۔“

اس نے وہ چیک اور رسید دیکھی۔ پھر تقریباً چھپتے ہوئے بولا۔

”نہیں! یہ میں نے نہیں کیا ہے۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ صوفیہ میرے خلاف ہو گئی ہے اور فراد کی حمایت میں ہو گئی ہے۔ پھر میں دشمن بیٹی کے اکاؤنٹ میں اتنی رقم کیوں جمع کروں گا۔“

”کیا تم نے یہ ہوش دھواں میں نہیں کیا ہے؟“

”میں نے نہیں دیکھا بھی نہیں کیا ہے۔ یہ کیسے ہو گیا؟“

وہ دونوں ایک دوسرے کو کٹھکے لگے۔ دونوں سوچ رہے تھے، ایسا ٹیلی جیٹھی کے ذریعے ہوا ہے اور فراد ان کے پاس موجود ہے۔ اسمتھ نے پوچھا ”کیا جو میں سوچ رہا ہوں، وہی تم بھی سوچ رہے ہو؟“

چوہدری حاکم نے کہا ”تم سوچ رہے ہو اور میں یقین سے کہتا ہوں۔ فراد مجھے نکال بنانے کے لئے ایسی حرکتیں کر رہا ہے۔ مسٹر اسمتھ! ابھی میرے ساتھ بینک چلو۔ جہاں صوفیہ کا اکاؤنٹ ہے۔ وہاں ہم نیچرے درخواست کریں گے کہ وہ ڈیپازٹ سلپ کینسل کر دے اور رقم مجھے واپس دے دے۔“

”ہوش کی باتیں کرو۔ جو رقم صوفیہ کے نام جمع ہو چکی ہے اسے صرف صوفیہ ہی اپنے بینک اور اپنے دستخط سے نکال سکتی ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ میں لندن میں نکال ہو چکا ہوں۔“

”رقم برائے ہاتھ میں نہیں ملے گا۔ پاکستان جا کر بیٹی کو اپنے

اعتماد لو۔ اس کا ایک چمک جھنجر ہر دولت مند بنا دے گا۔
”تم مجھے جھوٹی تسلیاں دے رہے ہو۔ فریاد نے اس یقین کے ساتھ بری تمام برقم صوفیہ کے اکاؤنٹ میں منتقل کرانی ہے کہ اب سدا میری دشمن بنی اس کی صفی میں رہے گی۔ تم نے بڑے یقین سے کہا تھا کہ وہ پاکستان سے بھاگ جائے گا۔ یہ ہماری حفاظت کرنے والے یہودی آخر کیا کر رہے ہیں؟“

وہ رپورڈ اٹھا کر بولا ”میں ابھی مل ایب کے پارنٹر سے بات کرتا ہوں۔“

ہم باپ بیٹے کی میز پر کھانا لایا تھا۔ میں کبھی دماغی طور پر حاضر ہو کر کھانا خاؤ اور کبھی چوہدری اور اسٹھ کے پاس بیٹھ جاتا تھا۔ میں جانتا تھا، قل ایب سے کیا جواب ملے گا۔ میں نے جس بل کو کم کے دھماکوں سے تباہ کیا تھا اس کا مالک لندن کے جان اسٹھ کا پارنٹر تھا اور مل کے ساتھ اس مالک کے بھی پیچھے آؤ گئے تھے۔

ہم کھانے کے بعد چن آئی کرم کھانے گئے وہاں بیٹھ کر میں چوہدری کے دماغ میں گیا۔ وہ دو ہفتہ خاؤر دو سال سے آنسو پھینچتے ہوئے کہہ رہا تھا ”تمہارا یہودی پارنٹر خرام موت مر گیا۔ اس کی کروڑوں شیاں کی بل تباہ ہو گئی۔ وہاں پاکستانی حساب سے میرے چالیس لاکھ دوئے جمع ہیں۔ پتا نہیں وہ چالیس لاکھ اب جن بھی یا نہیں؟ جب فراڈ کروڑوں کی بل کو دھوئیں کی طرح اڑا سکتا ہے تو میری رقم کی کیا اہمیت ہے؟ یہ میری کم ہمتی ہے کہ میں نے تم لوگوں سے دوستی اور فریاد سے دشمنی کی۔ اب میں واپس جاؤں گا اور فراڈ کے قدموں میں گر کر معافی مانگوں گا۔ تمہارے قدم تو میں نظر آتے نہیں ہیں۔ میں کہاں کروں گا اور کہاں معافی مانگوں گا؟“

میں نے صوفیہ کے پاس بیٹھ کر اسے مخاطب کیا ”وہولی ”ہیلو“ یا! میں دن رات اپنے دماغ میں آپ کا انتظار کرتی رہتی ہوں۔ کیا بہت مصروف تھے؟“

”ہاں بنی! ایک بری خبر ہے۔ تمہارے ڈیڑی نے لندن میں یہودیوں سے مل کر مجھے پاکستان سے بھاگنے کا پروگرام بنایا اور مجھے مجبور کرنے کے لئے میری بھانجی کو گھبر میں قتل کرا دیا۔“

”وہ خدا! یہ میں کیسں رہی ہوں۔ مجھے یہ سن کر شرم آ رہی ہے کہ میرے باپ کی سازش سے آپ کے خاندان پر اتنا برا ظلم ہوا ہے۔ یا! کبھی سامنا ہوا تو میں آپ سے نظرس نہیں ملا سکتوں گی۔“

”تم جذباتی ہو رہی ہو۔ یہ آنسو پھونچو۔ میرے لئے یہ بہت ہے کہ تم ظالم کو ظالم کہہ رہی ہو۔ اگر میں کوئی انتہائی کارروائی کروں تو کیا تم شکایت کرو گی؟“

”ہرگز نہیں یا! میں آپ کے ساتھ ہوں اور ابھی اپنے باپ کا گھر چھوڑ کر جاری ہوں۔“

وہ اندھ کر گڑی ہو گئی ”میں نے کہا ”رک جاؤ“ میں یہ کوئی اور دواؤں کی ٹیکری تمہارے دم کراؤں گا۔ لندن میں تمہارے باپ کے اکاؤنٹ میں پانچ لاکھ پونڈ تھے۔ میں نے چار لاکھ خانوے بزار

پونڈ اس کے اکاؤنٹ سے نکال کر تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کرادے ہیں پاکستان میں جو دولت اور جائداد وہ دے بھی تمہارے ہوگی۔ میں دونوں باپ بیٹے کو نکال بنا رہا ہوں۔ میں میرا انتہا ہے۔ اب تباہ بنی اور بنی کی حیثیت سے باپ اور بھائی کے کیا جذبات ہیں؟“

”غرت، غرت اور صرف غرت! جب سے آپ نے میر خیر کو بگایا ہے تب سے میں ان دونوں کو پاکستان کا غدار اور یہودیوں کا غلام سمجھتی ہوں۔ انہوں نے آپ کی بھانجی کو نہیں قتل کرایا ہے۔ میں ان کے لئے مر چکی ہوں۔ اب وہ آپ پر زہم سے بھی قتل کر کے آئیں گے تو میں ان سے کوئی رشتہ نہیں رکھتی۔“

وہ آگے بھی کچھ اپنے جذبات کا اظہار کرتی مگر ایک سانس دیکھ کر گریج دی۔ وہ سانس دوشدان سے آیا تھا۔ صوفیہ دوڑتی ہر دوڑانے کے پاس آئی۔ اسے کھولنا چاہا تو پتا چلا وہ باہر سے کود گیا ہے۔

میں ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پارس نے پوچھا ”کیا پایا؟“

”ہیے! جلدی چلو۔ صوفیہ کی جان خطرے میں ہے۔“

پارس نے فوراً ہی اٹھ کر ڈاکٹر پر چاس کاؤنٹ پینک۔ دوڑتے ہوئے کار میں آئے۔ اس نے ڈرائیو کرتے ہوئے سے گلی سے کار نکالی پھر پوچھا ”چوہدری حاکم کی کوئی شاما کالونی میں ہے؟“

”ہاں“ اس کے کمرے کو باہر سے بند کر دیا گیا ہے اور دوشدان سے ایک سانپ کو اندر پینک کیا ہے۔

میں پھر صوفیہ کے پاس آ گیا۔ وہ ایک میز پر چڑھ کر سہمی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ سانپ دکھائی نہیں دے تھا مگر کمرے میں قہقہوں نے کہا ”بنی! حوصلہ کرو۔ تم نہیں ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

اس نے پوچھا ”کیا آپ ٹیلی فنی کے ذریعے دوا کھلا سکتے ہیں؟“

”ذرا مضمون میں تمہارے بھائی سے کھلواتا ہوں۔“

میں اس کے بھائی نعمان کے دماغ میں پہنچا۔ وہ غلاتے۔ قہقہوں میں ایس ایچ او کے ساتھ بیٹھا چھانچا بی رہا تھا۔ اس کی ہانے بتایا کہ اس نے بن کو راستے سے ہٹانے کے لئے ایک سپر کی خدمات حاصل کی ہیں۔ اسے سمجھا دیا کہ وہ باہر سے دوا بند کر کے دوشدان سے ایک ڈیڑہ لاکھ سانپ پینک دے۔

میں نے اسے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ وہ میری مرضی کے مطابق ایس ایچ او سے بولا ”آئی فو ایرو خیر مجھے لامنت کر دیا ہے۔ نے بن کے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر کے اندر ایک ڈیڑہ لاکھ سانپ چھڑا دیا ہے۔ آپ کے پاس اس لئے مگر بیٹھا ہو گا۔ پر قتل کا الزام نہ آئے۔ یہ سمجھا جائے کہ کیس سے سانپ آیا

اور اسے ڈنکے کے وقت میں آپ کے پاس بیٹھا جائے یا رہا تھا۔“
”سکتے ہی وہ دوڑتے ہوئے اپنی کوٹھی کی طرف جانے لگا۔ اس سے پہلے ہم کوٹھی میں بیٹھ گئے۔ میں نے پارس سے کہا ”تم اندر جاؤ۔ جس کمرے کا بھی دروازہ باہر سے بند ہو۔ اسے کھول کر صوفیہ کو باہر نکالو۔ میں اس کے بھائی کو یہاں لا رہا ہوں۔“

پارس دوڑتا ہوا کوٹھی کے اندر گیا۔ اسی وقت ایک کمرے سے صوفیہ کی چیخ سنائی دی۔ پارس ادھر گیا۔ ایک سپر دروازہ کھول کر کمرے میں جا رہا تھا کہ سانپ کو پکڑ کر پارے میں دابیں رکھ دے۔ جب پارس دہاں پہنچا تو صوفیہ فرش پر پڑی اڑیاں رکڑ دی تھی۔ اس نے قریب بیٹھ کر پوچھا ”سانپ نے کہاں کاٹا ہے؟“

اس نے ایک پیر کی طرف اشارہ کیا۔ پارس فرش پر دوڑا تو وہ گیا۔ ایک پیر میں سانپ کے ڈنکے کا نشان تھا۔ وہ نشان پر اپنے ہونٹ رکھ کر ہرجوڑنے لگا اور ایک طرف ٹھوکتے لگا۔

سپیرے نے سانپ کو گردن سے پکڑ لیا تھا۔ اسے پارے میں رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا ”یہ بہت زہریلا ہے۔ ہرجوڑنے والا بھی ختم ہو جاتا ہے۔ نعمان باؤ نے کہا تھا، کسی کو معلوم نہ ہو۔ کیسے معلوم ہو گا؟ تو زہر کھانڈ کر کمرے سے زندہ نہیں نکلے گا۔“

وہ پٹالے کر بیٹھتے ہوئے باہر جانے لگا۔ باہر سے نعمان دوڑتا آیا تھا۔ دروازے پر دونوں ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پٹالے اٹھوں سے نکل کر فرش پر گرے ہی کھل گیا۔ سانپ پھر آزاد ہو گیا۔

میں نے کوٹھی کے کوریڈور میں آکر دیکھا۔ نعمان اور سپیرا ایک دوسرے کے بالکل قریب فرش پر پڑے ہوئے تھے اور ان کے سروں کے پاس سانپ چھن اٹھا۔ نکلنے مارے بیٹھا ہوا تھا۔

اس کا چہن نعمان اور سپیرے سے صرف ایک بالشت کے فاصلے پر تھا۔ یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دونوں میں سے کسے ڈنکے لگا۔ نعمان کی ٹھکسی بندھی ہوئی تھی۔ سپیرا کوئی متحرک نہ ہوئے اپنا ایک ہاتھ آہستہ آہستہ اٹھا رہا تھا کہ سانپ کو گردن سے پکڑ لے۔

میں نے اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں۔ پلٹ کر دیکھا۔ ایس ایچ او ”دو سپاہیوں کے ساتھ تیزی سے آ رہا تھا۔ ایک نے میرے پاس آکر پوچھا ”سٹر نعمان کہاں ہیں؟“ پھر اس کی نظر خود ہی نعمان اور سپیرے پر پڑی۔ نعمان سانپ کو دیکھ رہا تھا اور قہقہے کہتے ہوئے کہہ رہا تھا ”تم“ میں صوفیہ کو مارا چاہتا تھا۔ تم۔ مگر مجھے ڈنکے لگے۔ گاہیب۔ بچاؤ بچاؤ۔“

ایس ایچ او نے ہولسٹر سے ریواور نکال کر سانپ کا نشانہ لیا۔ ایس ایچ میں سانپ نے نعمان کو ڈس لیا۔ سپیرے نے بڑی بھرتی سے اس کی گردن پکڑ لی۔ پولیس افسر نے کہا ”اسے پارے میں ڈالو اور نعمان کو بچاؤ۔ جلدی کرو۔“

دو سانپ کو پارے میں رکھتے ہوئے بولا ”یہ سانپ بہت زہریلا ہے۔ میں اس کا زہر نہیں نکال سکوں گا۔ اسے اسپتال لے

جاؤ۔“
اسی وقت پارس صوفیہ کو بازوؤں میں اٹھائے کمرے سے باہر آیا پھر بولا ”میں نے زہر چوس لیا ہے۔ اسے فوری طبی امداد کی ضرورت ہے۔“

وہ بولا ”ہاں باہر جا رہا تھا۔ پولیس افسر نے کہا ”رک جاؤ“ پہلے مجھے معلوم ہونا چاہئے یہاں کیا ہو رہا ہے؟“

میں نے کہا ”آئی فو ایرو پہلے معلوم کرنا ضروری نہیں ہے۔ پہلے طبی امداد ضروری ہے۔“

پارس باہر جا چکا تھا۔ میں دوڑتا ہوا اس کے پیچھے آیا۔ وہ کار کی کچیل سیٹ پر صوفیہ کو لٹا رہا تھا۔ میں نے اسٹرنگ سیٹ سنبال لی۔ دو سپاہی نعمان کو اٹھا کر جب میں ڈالنے سے جا رہے تھے۔ آئی فو سپیرے کی گردن پکڑ کر باہر لا رہا تھا۔ اس نے میری طرف ہاتھ اٹھا کر حکم دیا ”اسے رگ جاؤ۔ ہماری گاڑی کے پیچھے چلو۔“

میں نگار اشارت کر کے احاطے سے باہر آیا پھر رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ پولیس والے میرے پیچھے آئے۔ لگے ہی صوفیہ کو قریبی اسپتال میں پہنچا دیا۔ پارس پر زہر نے اثر نہیں کیا تھا لیکن اسے نشہ ہو گیا تھا۔ ایک ڈاکٹر صوفیہ کو اینڈ کر رہا تھا۔ میں نے دوسرے ڈاکٹر سے کہا ”اس جوان نے اس لڑکی کا زہر چوس کر قہقہے دیا ہے، پلیر اسے بھی انجکشن لگا دو۔“

پارس ایک بیڈ پر لیٹ گیا۔ دو سپاہی نعمان کو لا رہے تھے۔ پولیس افسر نے ڈاکٹر سے کہا ”اسے بھی سانپ نے ڈس لیا ہے۔ پلیر اسے بھی اینڈ کریں۔“

ڈاکٹر نے ایک نرس کو سرخ دی کہ وہ پارس کو انجکشن لگائے۔ پھر وہ نعمان کو پکڑ کرنے لگا۔ اس کی نبض دیکھی۔ اس کے بعد کہا ”سوری یہ مر چکا ہے۔“

پولیس افسر نے مجھے قہقہوں سے دیکھ کر پوچھا ”اوسے تو کون ہے؟ بڑی تیزی دیکھا کہ ادھر آیا ہے۔“

میں نے کہا ”تیزی نہ دکھا تو وہ بن بھی اپنے بھائی کے ساتھ مر جاتی۔“

”تو نے پولیس والوں کی تیزی نہیں دیکھی ہے۔ قہقہے چل“

ابھی مجھے دکھانا ہوں۔“

میں نے پارس کی طرف دیکھ کر کہا ”تم آرام کو میں ابھی آتا ہوں۔“

افسر نے ہنستے ہوئے کہا ”چھا“ قہقہوں سے دہاں آئے کا یقین ہے۔“

پھر اس نے ڈاکٹر سے کہا ”میں سپاہیوں کو بھیجتا ہوں۔ وہ لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے لے جائیں گے۔“

اس کے دونوں سپاہی میرے دائیں بائیں آکر کھڑے ہو گئے۔ ایک نے حکم دیا ”چلو۔“

میں ان کے ساتھ باہر آیا۔ سپیرا جب کے راؤ کے ساتھ ہتھکڑی کے ذریعے بندھا ہوا تھا۔ افسر نے سپاہی سے کہا ”اس

بندے کو بھٹکی کا دوسرا حصہ پتا دے۔
 میں نے کہا "میں شرافت سے چل رہا ہوں یہی بہت
 ہے۔ ورنہ بھٹکی پھانسی سے پہلے گرفتاری کا وارنٹ دیکھنا
 ہوگا۔"
 "تو ہمیں قانون سکھانا ہے؟ گرفتاری کا وارنٹ تو حوالا میں
 پہنچا کر دکھاؤں گا۔"
 پانی نے حکم کے مطابق راڈ میں پھنسی ہوئی بھٹکی
 کھولی۔ اس کا ایک حصہ سپرے کی کلائی میں تھا۔ پانی نے دوسرا
 حصہ اپنی کلائی میں پھنسی لیا۔ پولیس افسر دوسرے پانی کے ساتھ
 اگلی سیٹ پر چلا گیا۔ دوسرا پانی جب ڈرائیو کرنے لگا۔
 انہیں اطمینان تھا کہ میں جیب کے پیچھے ایک پانی کی عمرانی میں
 سپرے کے ساتھ قیدی بنا بیٹھا ہوں۔
 تھانے پہنچ کر جب رک گئی۔ افسر شان بے نیازی سے چتا
 ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ڈرائیو کرنے والے دوسرے پانی نے
 حیرانی سے ہمیں دیکھا پھر اپنے ساتھی سے پوچھا "بھٹکی تم نے
 کیوں پئی ہے؟"
 میں نے دوسرے کے داغ پر قبضہ جمایا۔ پہلا پانی داغی طور
 پر آزاد ہو کر خود کو بھٹکی میں دیکھ رہا تھا۔ میرا آلہ کار پانی انہیں
 رگیدتا ہوا حوالا میں لے گیا۔ اس نے آہنی سلاخوں والا دروازہ
 کھول کر پہلے اپنے ساتھی پانی اور سپرے کو اندر کیا پھر خود
 اندر ہو گیا۔ سلاخوں کے درمیان سے ہاتھ باہر نکال کر کالا لگایا۔
 اس کے بعد چالی مجھے دیتے ہوئے بولا "یہ چالی لیجئے ہم یہاں آرام
 سے ہیں۔"
 میں نے چالی بی پھر اس ایچ او کے داغ میں پہنچا۔ اس پر قبضہ
 جہاں کوئی رپورٹ کے دوزخے میں ہے پوری تفصیل کھوئی کہ
 نعمان اس کے پاس آیا تھا۔ پھر یہ کتا ہوا اپنی کوٹھی کی جانب
 بھاگنے لگا کہ اس نے بن کو سانپ سے ڈھونڈنے کا جرم
 کیا ہے۔ اس ایچ او اس کے پیچھے کوٹھی میں پہنچا تو صوفیہ کو سانپ
 نے ڈس لیا تھا۔ ایک جوان نے صوفیہ کو اسپتال پہنچایا۔ سانپ نے
 آفسر کے سامنے نعمان کو ڈس لیا۔ سپرے کو گرفتار کر لیا گیا
 ہے۔ مسٹر اسلان اور ایک نوجوان طارق نے صوفیہ کی جان بچائی
 ہے۔ میں نے ان دونوں کو صوفیہ کی گواہی اور ضمانت پر گرفتار نہیں
 کیا ہے۔"
 اس کے بعد میں نے صوفیہ کو قتل کرنے کی سازش کے الزام
 میں نعمان اور سپرے کے خلاف ایف آئی آر کھوائی۔ تمام
 ضروری کاموں سے نمٹ کر میں نے افسر کو اس کی جگہ سے اٹھایا۔
 پھر وہاں سے چلا ہوا حوالا کے اندر سپرے اور دوسرا پانیوں کے
 پاس پہنچایا۔ حوالا کے دروازے کو دوبارہ قفل کیا۔ پھر اس
 کے داغ کو آزاد چھوڑ دیا۔
 وہ چکر اکر رہ گیا۔ اس نے چاروں طرف گھوم کر حوالا کو
 اور پانیوں کو دیکھا پھر پوچھا "ہم یہاں کیسے آ گئے؟"

اس نے مجھے دیکھا پھر سلاخوں کے پاس آکر کہا "تو اب رہا ہے
 اور ہم اندر۔ ابے کون ہے تو؟"
 "میں وہ ہوں جسے دنیا کی کوئی پولیس آج تک بھٹکی نہیں
 پہنچا سکی۔ تم لوگ یہ دودی پس کر کاغذ اور کیوں بن جاتے ہو؟
 تمہارے سامنے نعمان نے اپنے جرم کا اعتراف کیا۔ تمہارے
 سامنے میں نے اور اس نوجوان طارق نے صوفیہ کی جان بچائی۔
 نے دوسرے مجرم سپرے کو بھی گرفتار کیا۔ پھر ہمیں کیوں پشیمان
 کر رہے تھے؟ تم لوگ فرعون کی طرف سے باز کیوں نہیں آتے؟
 کیوں قانون کو مجبوروں کے لئے زحمت اور مجرموں کے لیے حرج
 بناتے ہو؟"
 اس نے پشیمان ہو کر پوچھا "تم کون ہو؟"
 "میں کون ہوں؟ اگر میں دولت مند ہوں تو مجھ سے ہمارا
 رشتہ لوگے اگر میری پہنچ بہت دور اور تک ہے تو میرے سامنے
 ہاتھ جوڑ لوگے۔ اگر میں عام شہری ہوں تو مجھے ماہرین کی بجائے
 دو گے اور ڈنڈے سے مارو گے۔ تم مجھے ہو؟ میں کون ہوں؟ فکر
 میری حیثیت اور میری اوقات کے مطابق قانون بدل سکو۔"
 میں نے چالی کو دودر فرش پر بٹھکتے ہوئے کہا "اس وقت تم خود
 قانون کے چوبے دان میں ہو۔ آج کی دنیا میں جو جب سے زار
 طاقتور ہوتا ہے قانون اسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اگر یہ غلطی
 اور قانون کمزوروں کے تحفظ کے لئے ہے تو آج سے انسان بننے
 کو شش کرنا۔ کیونکہ ایک احمقانہ انسان ہی سچا پانی بنتا ہے۔"
 میں تھانے سے باہر آکر ایک رکشا میں بیٹھ گیا۔ اصرار پتلا
 میں صوفیہ کو ہوش لگایا تھا۔ وہ ستر پہنچی ہوئی دوسرے بند پر پار
 کو بڑی اہمیت سے دیکھ رہی تھی۔ ڈائری نے اس سے کہا تھا "ام
 جوان نے زہر کو تمہارے جسم میں پھیلنے نہیں دیا۔ اسے چوس
 تھو کر دیا۔ سانپ بت زہر ملا تھا۔ پتا نہیں یہ زہر کونسا لگائے۔
 بعد کیسے زندہ رہ گیا ہے۔"
 پارس خود زہر ملا تھا۔ اس پر زہر کا اثر نہیں ہوا تھا۔ اگر نہ
 بت زیادہ ملک ہو تو اسے نشہ ہو جاتا تھا۔ اس وقت وہ بدو
 تھا۔ صوفیہ نے ڈاکٹر کو بلا کر پوچھا "یہ بولتا کیوں نہیں ہے؟ آکسیجن
 بھی نہیں کھول رہا ہے۔ بالیڑا سے چیک کرو۔"
 ڈاکٹر نے کہا "میں اطمینان کر چکا ہوں۔ یہ بالکل ٹھیک ہے
 نشے کے طور پر زہر کا زہر لے رہا ہے۔"
 پارس نے نکتے پر سر گھما کر صوفیہ کو مسکراتے ہوئے دیکھا
 پھر کہا "ڈنٹ ڈری۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس ذرا دھیمی دھیم
 سے بد ہوئی ہے۔"
 ڈاکٹر مسکراتے ہوئے چلا گیا۔ صوفیہ نے کہا "تم نے میرے
 لئے جان کی بازی لگادی۔ کون ہو تم؟"
 "طارق۔ مجھے طارق کہتے ہیں۔ فراد صاحب کے لئے کام
 ہوں۔ انہوں نے اطلاع دی تھی کہ تم خطرے میں ہو۔ بس پھر
 خطرے سے پھیلے پہنچ گیا۔"

"بسی کی جان بچانا ایک عمل ہے۔ مگر مائی جان کا بھی خیال
 رکھنا چاہئے۔ وعدہ کرو۔ آئندہ یوں خطرات سے نہیں کیلو گے۔"
 "تم خطرے کی بات کرتی ہو۔ میں تو ضرور میں ہوں۔ پتا نہیں
 یہ زہر کا نتیجہ ہے یا تمہارے گورے گورے پاؤں کو منہ لگانے کا نشہ
 ہے یا تمہارے بدن سے شراب چھلکنی ہے؟"
 وہ پہلے تو تہنیں مٹی پھر اس نے شراب کو دونوں ہاتھوں سے منہ
 چسایا۔ انھیں کے پیچھے چوری چوری اسے دیکھا۔ زندگی میں پہلی
 بار کوئی اچھا لگا ہوا تھا۔ سیدھا دل میں گھس رہا تھا۔ اور وہ منہ
 نہیں کر رہی تھی۔
 پارس نے پوچھا "کیا تمہیں معلوم ہے سانپ تمہارے
 کمرے میں کیسے آیا تھا؟"
 "میں نے اسے کمرے کے دوشدان سے فرش پر گرتے دیکھا
 تھا۔ جب اس نے ڈس لیا تو میرے ہوش اڑ گئے۔ بدن میں ایسی
 جلن تھی جیسے اندر آگ لگ گئی ہو۔ میں نے دھندلائی ہوئی نظروں
 سے ہمیں دیکھا اور اپنے پاؤں کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے بعد
 میں بے ہوش ہونے لگی۔ صرف اتنا یاد ہے کہ میں سے ایک انہی
 پادہ لے کر آیا تھا کہچہ کہہ رہا تھا۔"
 "وہ سپرے تھا کہہ رہا تھا۔ میں زہر چوسنے کے بعد زندہ نہیں
 رہوں گا۔"
 "سپرے کو مجھ سے کیا دشمنی تھی؟"
 "سپرے کو نہیں تمہارے بھائی کو دشمنی تھی۔ وہ تمہیں
 راستے سے ہٹانا چاہتا تھا کیونکہ باپ کے کاروبار میں تم اس کی جگہ
 دار تھیں۔ پھر نعمان کو یہ اندیشہ تھا کہ تم فراد صاحب کی بیٹی بننے
 کے بعد باپ سے کونسا لگاؤ رکھو گے۔"
 "میں باپ اور بھائی کتنے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔"
 "کچھ بھی ہو، تم سے خون کا رشتہ ہے۔ تمہیں یہ سن کر صدمہ
 ہو گا کہ اس سانپ نے نعمان کو ہلاک کر دیا ہے۔"
 صوفیہ غلامی میں نکتے لگی۔ پارس نے کہا "اپنے پھر اپنے ہی
 ہوتے ہیں۔ خواہ کتنی ہی دشمنی کریں ان کی موت سے صدمہ
 ضرور ہوتا ہے۔"
 "صدمہ بھائی کی موت کا نہیں ہے۔ جو زہر وہ میرے لئے لایا
 تھا۔ وہی اس کی ہلاکت کا سبب بن گیا۔ ہاں صدمہ یہ ہے کہ مجھے
 بھائی کی دشمنی ہی پتا نہیں ملتا۔"
 "ہاں۔ یہ بڑی بد قسمتی ہوتی ہے۔ اگر باپ اور بھائی کا پیار نہ
 ملے۔"
 "تج کتنی ہوں؟ اگر مجھے پاپا کی محبت اور سرپرستی نہ ملتی تو میں
 صدمے سے مر جاتی۔ پاپا کہاں ہیں؟"
 "یہ تو کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس وقت کہاں ہوتے ہیں۔"
 "میں مرے مرے پتی ہوں۔ ایسے وقت انہیں میرے پاس
 آنا چاہئے تھا۔"

"دشمن ایسے ہی وقت کے انتظار میں رہتے ہیں کہ فراد
 صاحب رشتوں کی محبت سے ملاقات کرنے آئیں اور انہیں چھپ
 کر گولی ماری جائے۔ کیا تم ان کے اس دکھ کا اندازہ کر سکتی ہو کہ وہ
 اپنی بھانجی کی آخری رسومات میں شریک نہ ہو سکے۔ اپنی عزیزہ بہن
 کے پاس آکر اس کے سر پر ہاتھ نہ رکھ سکے۔"
 "واقعی پاپا کے دکھ کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔ میں مانتی ہوں
 پاپا کو ہر سے ملنے کے لئے منظر عام پر نہیں آنا چاہئے۔"
 "کیا تم کمزوری محسوس کر رہی ہو؟"
 "کمزوری تو نہیں البتہ زبان کا آواز کچھ عجیب سا ہو گیا ہے۔
 ابھی دوایا تھی وہ کمزوری تھی نہ بیٹھتی نہ چل سکتی تھی۔ شاید یہ زہر
 کا اثر ہے تمہاری زبان کیسی ہے؟"
 "بیٹھتی ہے۔ سنا ہے بیٹھتی زبان جس زبان سے گفتی ہے اسے
 بھی بٹھانا پڑتی ہے۔"
 بیٹا شرافت کے موڈ میں تھا۔ اس لئے میں صوفیہ کے داغ
 سے چلا آیا۔ انکسیر جزل آف پولیس مجھ سے تعاون کر رہا تھا۔ میں
 ایک بار اس سے رابطہ کر چکا تھا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ ملک میں
 ہونے والے جرائم کے متعلق وہ مجھے اطلاع دیتا رہے گا کہ کہاں کیا
 ہو رہا ہے۔
 اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کے اعلیٰ عہدے دار
 حکومت وقت کے وفادار ہوتے ہیں اور انہیں ہونا بھی چاہئے۔
 لیکن حکومت وقت کے چند اکابرین ایسے ہوتے ہیں جو قانون کو

ایک مقبول ترین ناول کے بارے میں

دوبارہ دستیاب

قیمت ۱۵ روپے

۱۰ روپے

لے۔ ایس۔ جے۔ بی۔ کے قلم سے

پانچویں حصہ۔ قیمت کمال معلوم کیجئے

پانچویں حصہ کے پتوں سے قیمت ششماہی

ملحقہ کی ایک ریب کی بابت آتی ہیں

خال اور تیل کے کردار اہم ہوتے ہیں

شگون۔ سود و خس

خواب۔ مستقبل کے پتہ

ایک کتاب چھپے ہوئے

مکمل نفسیات۔ پتہ ۱۹۳۳

نظر انداز کر کے پولیس کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ پولیس کے جو افسران قانون کو نظر انداز نہیں کرتا چاہے ان کا تدارک کر دیا جاتا ہے یا مجبوراً ان کے مفاد میں ملازمت سے برطرف کر دیا جاتا ہے۔

میں انسپکٹر جنرل آف پولیس کے داغ میں پہنچا۔ وہ اپنی کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے نور الدین بھویاں اپنے دو خواروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ نور الدین بھویاں کے چار ٹرک لاہور سے کراچی اور کراچی سے لاہور والے جاتے اور لاتے تھے۔ اپنے علاقے میں اس کی بڑی دھاک تھی ہوتی تھی۔ بچپن ایش میں اس نے غذا گردی کے تمام پھنکڑے استعمال کر کے ایک امیر دارو ٹھنڈا پلوان کو ایم پی اے بنادیا تھا۔ تب سے وہ اسمگلنگ کے حوالے سے اپنے ہاتھ لے کر آتا رہا تھا۔

میں آئی جی پولیس کے داغ میں وہ نور الدین بھویاں کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "جناب بندہ پورہ ہیں۔ ہم تو آپ کے تابعدار ہیں۔ سلام کرنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔"

آئی جی کو فٹ محسوس کر رہا تھا۔ ایسے لوگ اس کے دفتر میں بھی قدم رکھنے کے جرات نہیں کرتے تھے۔ کیا یہ کہ گھر کے ڈرائنگ روم میں آکر سامنے بیٹھ گئے تھے۔ آئی جی نے کہا "آپ مقصد بیان کریں۔"

"دو بیان کیا کرنا ہے جی۔ عرض کرنا ہے۔ آپ نے اشرف مانجی کا ٹرک چکڑا کر اسی خوش کر دیا ہے۔ وہ بچپن ایش میں اپوزیشن کے لئے کام کر رہا تھا۔ یہ تو وقت و تہ کی بات ہے۔ اگر اپوزیشن والے حکومت بنانے میں کامیاب ہو جائے تو اشرف مانجی میرے ٹرک چکڑا دیتا۔ آپ تو جانتے ہیں حکومت بدلتی ہے تو چور بد معاشرہ، اسمگلر اور پولیس والے بھی بدل جاتے ہیں۔"

"بھویاں صاحب! آپ مقصد بیان کریں۔"

"دو بیان کیا کرنا ہے جی۔ عرض کرنا ہے۔ باہر کی اسکاج شراب کراچی آتی ہے۔ ہم اپنے ٹرکوں میں کراچی سے لاہور لاتے ہیں۔ آپ نے اشرف مانجی کا ٹرک چکڑا کر اسی خوش کر دیا۔ مگر بندہ پورہ آپ کے ایک انسپکٹر نے میرے دو ٹرک چکڑائے ہیں۔"

آئی جی نے کہا "میں نے پولیس افسران کو حکم دیا ہے کہ کسی کے ساتھ رعایت نہ کی جائے۔"

"بے شک کسی کے ساتھ رعایت نہ کی جائے۔ مگر ہم "کسی" تو نہیں ہیں۔ ہم ٹھنڈا پلوان ایم پی اے کے خاص افساس بندے ہیں۔ ان کے رشتہ پیڑ ہیں۔ ان کے دس راس (دست راست) ہیں۔"

"دس راس ہوں یا میں راس۔ جب تک فراہم علی تیور صاحب اس ملک میں ہیں تب تک کسی ایم پی اے اور ایم این اے کے تابا نہ احکامات کی قیبل نہیں ہو سکے گی۔"

"یہ فراہم علی تیور صاحب کون ہیں؟"

"یہ ٹیلی بیسی جانتے ہیں۔ ہمارے ہمارے داغوں کے اندر

کھس کر جموت اور رنج ایمان اور بے ایمانی کا حساب کرتے ہیں اور اس کے مطابق خبروں کو سزا دیتے ہیں۔"

"جناب ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ بھلا داغ کے اندر کوئی کھس سکتا ہے؟ یہ جو دیوانوں پر اشتہارات لکھے ہوتے ہیں۔ عامل شاہ کوڑے والا یا پروفیسر امجد علی۔ حاضرات کے عامل۔ ہر آرزو پوری ہوگی۔ محبوب قدموں میں ہوگا۔ آپ بھی کسی عامل فریاد کے چکر میں آگئے ہیں۔"

"جب آپ چکر میں آئیں گے تو دن میں بھی تارے نظر آجائیں گے۔"

"بندہ پر دیا میں سمجھ گیا۔ آپ ہال رہے ہیں۔ ذرا آپ ایم پی اے صاحب کے نمبر ملائیں۔ آپ ہماری نہیں سنتے؟ اوپر سے آنے والا حکم نہیں لیں گے۔"

"میں تمہیں آپ کہہ رہا ہوں۔ بھویاں صاحب کہہ کر تمہیں اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دی ہے۔ صرف اس لئے کہ ایم پی اے کے حوالے سے آنے ہو۔ ورنہ تمہاری اوقات کیا ہے؟ مجھے نمبر ملانے کو کہہ رہے ہو۔ میں تمہارے باپ کا نوکر ہوں؟ چلو اٹھو یہاں سے۔"

وہ اپنے خواروں کے ساتھ اٹھتے ہوئے بولا "بندہ پورہ آپ تو لال پیٹے ہو رہے ہیں۔ ہم نے دن رات ایک کئے ہیں۔ جان کی بازیاز لگا کر ٹھنڈا پلوان کو حکومت کے اندر کھلایا ہے۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ آپ ہماری بے عزتی خراب کریں۔ اوکلی بات نہیں۔ آپ خوش رہیں۔ ہم تو شام ہونے سے پہلے دونوں ٹرک چھڑائیں گے سلام علیکم۔"

وہ اپنے خواروں کے ساتھ چلا گیا۔ آئی جی اس بات پر تھک رہا تھا کہ جنہیں گردن سے چکڑ کرنا تھا لایا جاتا ہے اور لات جوتے بارے جاتے ہیں۔ وہ اسی ایم پی اے اور ایم این اے کے بلی پر انسپکٹر جنرل آف پولیس کا بھی لٹا نہیں کرتے ہیں۔ ایسے ہی ذلت آمیز حالات سے دوچار ہو کر پولیس افسران بدلتے ہوئے وقت کے تقاضے پورے کرتے ہیں اور قانون کے محافظ ہو کر قانون شکن کھاتے ہیں۔

میں نے اسے مخاطب کیا تو وہ چونک کر بولا "فراہم صاحب! آپ؟"

"جی ہاں۔ آپ واقعی فرض شناس ہیں۔"

"آپ میرے خیالات بڑھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ عارضی فرض شناسی ہے۔ ابھی اوپر سے حکم صادر ہوگا اور مجھے بھویاں جیسے اسمگلر کے سامنے شرمندہ ہو کر اس کے ٹرکوں اور ڈرائیوروں کو با کرنا ہوگا۔"

"آپ فکر نہ کریں! اپنے فرائض انجام دیتے رہیں۔ میرے ہوتے ہوئے نہ آپ کا تدارک ہوگا اور نہ ہی عمدہ سے نیچے گر جائے گا۔"

"میں اللہ کے بعد آپ ہی کے مجبورے پر دیانت داری سے

فرائض ادا کر رہا ہوں۔"

"آپ کی اہم اطلاع دینے والے تھے۔"

"ہر کام کے سلسلے میں بے شمار اطلاعات ہیں۔ کیا آپ موجودہ کیس سے قانع ہو گئے ہیں؟"

"ہاں۔ یہودیوں کو ذرا ٹھنڈا کر دیا ہے۔ چوہدری حاکم علی باپس ہو کر لندن سے واپس آ رہا ہے۔ نعمان مرکا ہے۔ اب نعمان لیبارٹری کی واحد مالک صوفیہ ہوگی اور یہودیوں کو اپنے کاہنارے ایک پیک بھی نہیں دے گی۔"

"آپ نے وقتی طور پر یہودیوں کو ٹھنڈا کر دیا ہوگا۔ لیکن وہ درپردہ آپ کے خلاف مصروف ہیں۔ اب وہ ایک ایسے ایجنٹ کو لا رہے ہیں جو گالاکا ہر ہے۔ اس کے کئی خاص خوار بھی سانس روکنے کا ہنر جانتے ہیں۔ آپ ان کے داغوں میں نہیں جا سکیں گے۔"

"وہ ایجنٹ کون ہے؟"

"اس کا نام حنفہ خان ہے۔ پشاور جیل میں ہے۔ کل صبح ہوا کیا جائے گا۔ رہائی کے بعد وہ کچھ ایسی امداد میں کرے گا کہ آپ صوبہ سرحد جانے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

"صوبہ سرحد میرا صوبہ ہے۔ میرے ملک کا ایک فولادی صوبہ ہے۔ میں دشمنوں کے مجبور کرنے سے پہلے ہی خود اپنی خوشی سے وہاں جاؤں گا۔"

"یہودیوں کی پلاننگ ہے کہ آپ پنجاب سے نکل کر سرحد جائیں گے تو انہیں یہاں سے سرے سے قدم جانے کا موقع ملے گا۔ وہ یہاں بھی ایسے ایجنٹوں کو لائیں گے جن پر آپ کی ٹیلی بیسی اثر نہیں کرے گی۔"

"میں جانتا تھا وہ کچھ ایسی ہی چالیں چلیں گے۔ آپ نے بڑی اہم باتیں بتائی ہیں۔ میں خطا رہوں گا۔ حنفہ خان کے متعلق کچھ اور بتائیں۔"

وہ کچھ بتانا چاہتا تھا "اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسپونڈ کر کہا "ہیلو میں آئی جی اکبر زبانی بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے آواز آئی "تم اکبر زبانی بول رہے ہو۔ مگر آئی جی ہمارے دم سے ہو۔ اگر تم مجھے آواز سے نہیں پہچانتا ہے تو سنو میں ایم این اے امان اللہ نیازی بول رہا ہوں۔ ہم چار ایم این اے اور چار ایم پی اے اسمبلی میں ایک آواز اٹھائیں گے تو تمہاری شامت آ جائے گی۔ فرض شناسی اچھی ہوتی ہے مگر ہمارے بندے کو تو پریشان نہ کرو۔ ابھی اسی تاہم دونوں ٹرک اور ان کے ڈرائیوروں کو چھوڑ دو۔"

آئی جی نے سوچ کے ذریعے پوچھا "اب باتیں فرما صاحب! میں کیا کروں؟"

"آپ کہہ دیں کہ ان کے حکم کی قیبل ہو رہی ہے لیکن فریاد وہ تمام مال شرابی گا کہوں تک پہنچے نہیں دے گا۔"

میں ایم این اے امان اللہ نیازی کے داغ میں پہنچ گیا۔ وہ

آئی جی کی باتیں سن رہا تھا۔ جب میرا نام آیا تو اس نے کہا "تم فریاد کی آواز کے زیادہ ایماندار نہ نہ دکھاؤ۔ فریاد یہودیوں کے بڑے بڑے معاملات میں اٹھا ہوا ہے۔ یہ معمولی سے دو ٹرک کے کیس میں اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔ تم وہ کہو جو ہم کہہ رہے ہیں۔"

اس نے ریسپونڈ رکھ دیا۔ میں نے آئی جی کے پاس آکر پوچھا "وہ دونوں ٹرک کہاں ہیں؟"

"سیرانی دے پر چوکی سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔"

"جس انسپکٹر نے انہیں پکڑا ہے۔ اسے آپ حکم دیں کہ پہلے ایک ٹرک کو جانے دے۔ اس کے پندرہ منٹ بعد دوسرے ٹرک کو چھوڑ دے۔"

آئی جی نے اس سے رابطہ کیا۔ میں اس انسپکٹر کے پاس پہنچ گیا پھر اس کے ذریعے ٹرک کے ڈرائیور کو کلبھری آواز میں کہیں۔ ان کے داغوں پر قبضہ جمار ٹرک کو وہاں سے چلنے دیا۔ کلبھری چلے آئے۔ میرے حکم کے مطابق گئے کہ ڈبے کھول کر شراب کی بوتلیں کھولے گا۔ ٹرک کے بچپن کے لیے چار دیواری اور فرش پر شراب انڈیلنے لگا۔

پھر میں نے ڈرائیور کو قایم کیا۔ وہ ٹرک کو مین روڈ سے اتار کر ایک میڈائیٹھی سے مل گیا۔ وہاں اسے روک کر اس نے کئی بوتلیں کھول کر اگلے سے میں ہر طرف شراب چھڑک دی۔ یونٹ کھول کر انجن پر بھی کئی بوتلیں توڑ دیں۔ پھر باجی کی ٹیلی جلا کر اسے ٹرک کے اندر پھینک کر کلبھری کے ساتھ بھاگتا ہوا دور جانے لگا۔ ٹرک سے الگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ وہ شعلے پھٹتے اور چلتے جا رہے تھے۔ پھر پھڑل کی ٹھکی کے پھٹنے سے ایک زبردست دھماکا ہوا۔ کلبھری نے ڈرائیور سے پوچھا "استاد اتم نے الگ کیوں لگائی؟"

ڈرائیور نے اس سے پوچھا "توڑنے شراب کی تمام بوتلیں کیوں توڑ دیں۔ پورے ٹرک کو خراب نہ لادیا۔ ابے استاد کے لئے ایک چینی شراب توڑک لیتا۔"

"استاد! بھویاں صاحب اتنے جوتے ماریں گے کہ شراب سے زیادہ فائدہ ہو جائے گا۔"

میں نے دوسرے ٹرک کے ڈرائیور اور کلبھری کے پاس آکر دوسری طرف اختیار کیا اور اسے بھی تمام بوتلیں سمیت تباہ کر دیا۔ پھر میں نے ایم این اے کے پاس آکر دیکھا۔ وہاں ایم پی اے ٹھنڈا پلوان اور اسمگلر نور الدین بھویاں بیٹھے ہوئے تھے اور بھی چند بڑے بڑے لوگ موجود تھے۔ بھویاں کہہ رہا تھا "آپ لوگوں کے صے کی بوتلیں تو پھینچا کرنا ہوں۔ آج اسکاج دھسکی کی کٹی کھپ آ رہی ہے۔ آج رات میری طرف سے بیٹے کی دعوت ہے۔ چرٹے بے حساب ہوں گے۔ آپ سب کے پیسے گئے۔"

ایک نے کہا "ہاں بھئی، ایک ٹپ میں میں لاکھ روپے کی بیڑ دھسکی اور برانڈی آئی ہے۔ تم سب کے پیسے پلاؤ گے تو کیا وہ آئی جی پلائے گا۔"

اس بات پر سب قہقہے لگاتے تھے۔ میں نے وہاں ایک ایک کے اندر پہنچ کر تھوڑا تھوڑا سا زلزلہ پیدا کیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ اٹھ کر صوفوں پر اور فرش پر گر کر رہ گئے۔ نہ کوئی یاد کرنے لگا۔ انہیں یوں لگا رہا تھا جیسے قیامت آگئی ہے۔ زمین اور ہوری ہے اور آسمان نیچے آ رہا ہے۔ تکلیف کی شدت سے وہ چیختے بھی رہے۔ کتنے ہی ملازم آکر انہیں سنبھالنے لگے۔

میں نے ایک ملازم کی آواز سنی پھر اس کے ذریعے کہا ”اٹھو اور میری باتیں سنو۔ میں فریادیں سن رہا ہوں اس ملازم کی زبان سے بول رہا ہوں۔“

وہ سب پریشان ہو کر ملازم کو کتنے لگے۔ میں نے ایم این اے ایم این ای کو مخاطب کیا اور کہا ”تم سمجھتے ہو، افراد یودیوں کے بڑے بڑے معاملات میں الجھا ہوا ہے۔ اسے بھونپناں کے دو ٹوکوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔ تم یہ سیاحی لوگ اسٹیبل میں پہنچ کر جیسے عوام کے معاملات میں دلچسپی نہیں لیتے ویسے ہی میرے متعلق سوچ لیا کہ تم عوام میں کتنے کا زہر پھیلاؤ گے اور میں اسے معمولی سی بات سمجھ کر نظر انداز کر دوں گا۔“

وہ بولا ”جناب فرما صاحب! اب پرے آنے والی شراب بہت مہنگی ہوئی ہے۔ اسے عام لوگ خرید نہیں سکتے۔ یہ تو صرف شرفا کے لئے منگوائی جاتی ہے۔ آپ یورپ امریکا میں رہتے ہیں۔ وہاں ہر گھر میں شراب پئی جاتی ہے۔ آپ کو تو اس معاملے میں فراخ دل ہونا چاہئے۔“

میں نے کہا ”یورپ اور امریکا میں سٹور کا گوشت اور دوسرے حرام کھانے ملتے ہیں۔ کیا میں فراخ دل ہو کر تمہارے جیسے شرفا کو حرام کھادیں؟ کیا تم نہیں جانتے کہ میں اور میرے خاندان کے افراد اور بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھنے والے نہ کبھی شراب پیتے ہیں اور نہ حرام کھاتے ہیں۔“

بھونپناں نے کہا ”بہنہ پرور! آپ ہم پر اعتراض کرنے آئے ہیں۔ جن ملکوں میں رہتے ہیں وہاں کے لوگوں کو شراب نوشی سے کیوں نہیں روکتے ہیں۔“

”وہاں شراب نوشی غیر قانونی نہیں ہے اور پاکستان میں غیر قانونی ہے۔ تم لوگ اسٹیبل میں قوا میں بناتے ہو۔ جاؤ اور شراب نوشی کو قانوناً جائز قرار دو۔ پھر میں کچھ نہیں کہوں گا۔ عوام خود ہی جوئے ماریں گے۔“

”جناب درست فرماتے ہیں۔ مگر کچھ تو خیال کریں۔ یہاں ہر شہر میں اور ہر بڑے گھر میں پئی جاتی ہے۔ آپ کس کس کو روکیں گے؟“

”مجھے ہر فرد کو روکنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں شراب کی سپلائی ہی روک دوں گا۔ جیسے آج میں نے بھونپناں کے شراب سے بھرے ہوئے دونوں ٹرک تباہ کر دیے۔“

نور الدین بھونپناں نے چیخ کر کہا ”کیا! میرے دونوں ٹرک تباہ کر دیے؟“ میں ”یہ بھوت ہے۔ تم یہاں ہو اور ہمارے ٹرک تمہیں

جالیس کھو میزور ہیں۔ تم اپنا ہی بلڈ پریشر والا مذاق نہ کرو۔“

”جاؤ اپنے ٹرکوں کی خبر لو اور اسپتال میں داخل ہو جاؤ۔ آج تمہیں ٹرک سمیت تقریباً تمہیں لاکھ روپے کا نقصان پہنچ چکا ہے۔ اب میں اس ملازم کے دماغ سے جا رہا ہوں۔ آئندہ ایسی اسٹنگل سے پہلے اپنے نقصانات کا حساب کر لیا کرو۔ تم میں تو لوگوں کا پچھا نہیں چھوڑوں گا۔“

پھر میں نے ایمان اللہ نیازی سے کہا ”تم تمام ایم این اے اے تھو ہو کر ملک کو بنا سکتے ہو مگر اپنے اتحاد سے ملک کو کاٹتے ہو۔ میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں آگئی جی جیسے تمام دیانت دار افسران کے خلاف کوئی سیاسی دباؤ نہ ڈالو۔ ورنہ لوگ تمہاری قبر پر پھول چڑھانے لگیں گے۔“

میں نے آگئی جی کے پاس آکر تمام رد و داناںی۔ وہ خوش ہو کر بولا ”خدا کی قسم فرما صاحب! آپ یہاں اپنی حکومت بنائیں تو یہ ملک جنت نظیر ہو جائے۔“

”خداوند کریم نے مجھے یہ علم کسی ایک ملک تک محدود رہنے کے لئے نہیں دیا ہے۔ میں جب تک ہوں اپنے طریقے کار سے پاکستانی عوام کو یہ بتاؤں گا کہ صرف سیاست دان اور پولیس والے دیانت داری سے اپنے فرائض انجام دیں تو یہاں کرپشن رہے گا نہ منگائی رہے گی۔ سوال پیدا ہوا ہے بڑے کو اچھا کیسے بنایا جائے؟ صرف اللہ تعالیٰ ہی راہ راست پر چلا آئے۔ کلام پاک میں واضح طور پر یہ کہا گیا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارا کار صرف ہدایات دیتا ہے۔ لوگوں کو راہ راست دلانا ہمارا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایات دیں اور اسوۂ حسنہ سے نیکی اور راستی کا درس دیا۔ جسے اللہ نے ایمان کی توفیق دی، وہ ایمان لائے۔ بانی مکراہ رہے۔ میں بھی خدا کا ناچیز بندہ ہوں۔ میں راستہ دکھا سکتا ہوں، راستے پر چڑھ چلا نہیں سکتا۔“

”آپ درست فرماتے ہیں۔ یہ دنیا ایک تماشہ گھر ہے۔ یہاں کالے بھی ہیں گورے بھی، اچھے بھی ہیں برے بھی، انسان بھی پر شیطان بھی۔ ہماری یہ دنیا ایک دوسرے کے تضاد سے بنائی گئی ہے۔ تضادات کے باعث یہاں طرح طرح کے واقعات، جذبات اور احساسات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ نہ ہوں تو دنیا جنت بن جائے۔ اور اگر یہ جنت بن جائے تو پھر عاقبت میں جنت کی کشش نہیں رہے گی۔“

میں نے پوچھا ”آپ مزہ خان کے متعلق بتا رہے تھے؟“

”وہ ہتھیاروں کا بہت بڑا اسٹور ہے۔ جدید ہتھیار سرحد پار سے علاقہ غیر میں آتے ہیں۔ وہاں سے پاکستان کے ہر بڑے شہر میں پہنچائے جاتے ہیں۔ کراچی میں ان ہتھیاروں کی زیادہ کھپت ہے۔“

”کیا یہاں دسے سے مال بچا جاتا ہے؟“

”جی ہاں، دیرانی راستے سے بھی اسٹنگل ہوتی ہے۔ مزہ خان چو فٹ کا سمٹ مند جوان ہے۔ عمدہ صحت کے باعث عمر کا کچھ

نہیں سمیٹا جاسکتا ہے۔ اپنے ٹینگ میں ایسے جوانوں کو رکھتا اندازہ ہے جو اس کی طرح جڑو کر لئے کاٹن جاتے ہیں اور یوگا کی مشقیں کرتے رہتے ہیں۔ ٹینگ کا کوئی جوان نشہ نہیں کرتا ہے۔ اگر کوئی لٹکی کی حالت میں پکڑا جائے تو اسے گولی مارتا ہے۔“

آگئی جی نے پشاور میں اس کی کوٹھی کا پتہ اور نوٹس لے لیا۔ میں نے اسے یادداشت میں محفوظ کر لیا پھر کہا ”میں جا رہا ہوں۔ آپ سے ہر کسی وقت رابطہ کروں گا۔“

میں نے اپنی مشابہت کو مخاطب کیا، اس سے کہا ”ضروری سامان باندھو۔ اور میری آبادی کی ہوئی بستی فرما دیج میں اپنے بیٹے کے ساتھ کچھ عرصہ رہو، خطرات ٹل جائیں گے تو واپس آجائے۔“

وہ جانے سے انکار کرنا چاہتی تھی ”میں نے کہا“ میں کچھ نہیں سنوں گا۔ بیٹے کی زندگی عزیز ہے اور مجھے پریشانوں سے بچانا چاہتی ہو تو تیار ہو جاؤ۔ میں کچھ دنوں کے لئے لاہور سے باہر جا رہا ہوں۔ اب تمہارے پاس سوچ کے ذریعے مسلمان آیا کرے گا اچھا خدا حافظ۔“

میں نے مسلمان سے کہا ”شاہین اور کامران کو پاکستان سے فرائض لے آؤ۔ میرے دلچسپ انہیں خبریت سے پہنچاؤ۔ سڑک کے دوران تم میں سے کسی نے کسی خیال خوانی کرنے والے کو مار بیٹے کے باغوں میں موجود رہنا چاہئے۔ کوئی پرائیم پیش آئے تو مجھ سے رابطہ کرو۔“

اس کے بعد میں نے پارس کے پاس آکر کہا ”میں پشاور جا رہا ہوں۔ تمہارے اٹکل مسلمان تم سے رابطہ کریں گے تم ان کے تعاون سے چوبدری حاکم علی کا کاؤدار صوفیہ کے نام منتقل کرو اور پھر میں اٹھا کر ویرام بنائیں گا۔“

میں مسلمان اور پارس کو تمام اہم ذمے داریاں سونپ کر پشاور کی طرف روانہ ہو گیا۔

○☆☆○

علی تیمور نے غریبی نیت سے بیدار ہونے کے بعد سوسانہ اور جبرائیل کے ساتھ صرف دو گھنٹے گزارے تھے۔ جب میں نے اسے بتایا کہ میں نے خیال خوانی کرنے والے دایاں اور رائی کو بیٹھ کے لئے قسم کھیا ہے تو اس نے فیصلہ کر لیا کہ سوسانہ اور جبرائیل سے دور رہنا چاہئے۔ یودی جاسوس اب اس رہائش گاہ کی کڑی نگرانی کریں گے۔

مگ ہو چکی تھی۔ وہ عارضی میک اپ کر کے وہاں سے نکل آیا۔ لپٹی لپٹی اس کے پاس آکر پوچھا ”کیا ارادہ ہے؟“ یوں اچانک نکل پڑے ہوئے۔ تم نے کچھ تو سوچا ہو گا۔“

”نی انجلی میں سوچا ہے کہ مجھے تیار رہنا چاہئے۔ میں سوسانہ کے ساتھ رہتا تو وہ مجھ سے اپنی محبت چھپانے لگتی اور دشمنوں کو شہر ہونا کہ مجھ سے کوئی کمر لگاؤ۔ اب وہاں میں فرما علی تیمور کی نیم کا کوئی خاص آدمی ہوں۔“

”تم نے ٹھیک سوچا۔ لیکن یہاں کس حیثیت سے رہو گے؟ کہاں بننا لو گے؟ کیا بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھنے والوں سے رابطہ کرو؟“

”آپ ادارے میں جائیں۔ وہاں سے معلومات حاصل کریں کہ یہاں ہمارے سراغ رسالوں میں کتنے افراد سرکاری عہدوں پر ہیں۔ جو سب سے اہم عہدہ پر ہو گا میں اس کی جگہ رہوں گا۔ وہ عہدہ دار ایسا ہو کہ میری طرح قد اور جسامت ہو۔ اور چھوٹا ایسا ہو کہ بکلی پلاسٹک سرجری سے میں اس کا ہم شکل بن جاؤں۔ یہاں ہمارے پلاسٹک سرجری کے ماہر کامی بن جائیں۔“

لپٹی نے بابا صاحب کے ادارے کے ماہرین سے رابطہ کیا۔ وہ ادارے کے ایسے تمام افراد کا ریکارڈ چیک کرنے لگے جو اسرائیل میں یودی بن کر کسی نہ کسی اہم سرکاری عہدوں پر کام کر رہے تھے اور ہمارے ادارے کے لئے جاسوسی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ادارے کے ماہرین نے علی تیمور کی تصویر سامنے رکھ کر ان کے سراغ رسالوں کی تصویروں سے موازنہ کیا۔ پھر انہوں نے بتایا ”دو سرجری کے بعد علی ان کا ہم شکل ہو سکتا ہے ان میں سے ایک انٹیلی جنس کے شعبے میں ہے، دوسرا الیکٹریکل انجینئر ہے۔“

لپٹی نے آکر علی سے کہا ”ہمارا جو آدمی انٹیلی جنس میں ہے۔ اس کی ایک بیوی اور چھ برس کی ایک بیٹی ہے۔ اگر تم اس کا بہرہ و اختیار کر دو گے تو بیوی اور بیٹی کے ساتھ رہنا ہو گا اور یہ ایک

صہیحہ بانو

کے مکمل سبب سے بہت

چھٹاوا

اردو میں سب سے زیادہ شائع ہونے والی سرگزشت



غلامت ہوگی۔

اس نے پوچھا "ایلیٹریٹیکل انجینئر تیار رہا ہے؟"
"اس انجینئر کا نام کارمن ہیرالڈ ہے۔ فی الحال کنوارا ہے
لیکن اس کی اپنے سینئر انجینئر کی بیٹی سے شادی ہونے والی ہے۔"

"مجھے خطرے کی بات ہے۔"
"لیکن شادی ابھی نہیں ہوئی ہے۔ تم کارمن کی جگہ لے کر
اس شادی کو مال کئے ہو۔ اتفاق سے کارمن بھی لڑکیوں سے دور
رہنے کا عادی ہے۔ ایک اور بات تمہاری موافقت میں ہے۔ وہ
ایسپورٹس میں ہے۔ یوگا کا ماہر ہے۔ پندہا پیلے ایسے تمام سرکاری
ملازمین کا کامیاب کیا گیا جو گا کے ماہر ہیں۔ گولڈن ریفرز اپنی تسلی کرنا
چاہتے تھے کہ ان سانس روکنے والوں میں کوئی دشمن کا آدمی نہ ہو۔
ایک یہودی خیال خالی کرنے والے نے کارمن کو بھی حکم دیا تھا کہ
وہ سانس نہ روکے اور اسے خیالات نہ دے۔"

علی نے پوچھا "یعنی کارمن کے خیالات پر مجھے جانچنے ہیں اور
گولڈن ریفرز اس سے مطمئن ہیں۔"
"ہاں۔ ہمارے وہ تمام سراغ رساں جو اسرائیل میں سرکاری
معدول پر ہیں ان پر پہلے ہی ترقی عمل کیا گیا ہے۔ ان کے چور
خیالات کے خازن کو لاگ کر دیا گیا ہے۔ خیال خالی کرنے والے
مطمئن ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے دور تک اپنے معمول کے
خیالات پڑھ لئے ہیں۔ میں نے تم پر بھی عمل کرنے وقت بھی کیا
ہے اگر کوئی دشمن تمہارے خیالات جبراً پڑھنا چاہے تو ضرور پڑھے
گا لیکن چور خانے تک نہیں پہنچ پائے گا۔ جہاں تک پیچھے گا دین
تک تمہارے خیالات کی انتہا سمجھے گا۔"

علی نے ہلٹنگ سرجری کے ماہر کی رہائش گاہ میں کارمن سے
ملاقات کی۔ اس سے گفتگو کر کے اس کی آواز اور لہجے کو خود اس
کرنا یاد اور اس کے متعلق ضروری معلومات حاصل کرنا رہا۔
کارمن اپنے بارے میں بہت کچھ بتاتا رہا۔ لیکن کچھ ایسی باتیں بھی
ہوئی ہیں جو دوسروں کو بتائی نہیں جاتیں۔ وہ باتیں ایس اس کے
دماغ سے معلوم کر رہی تھی اور علی کو بتائی جا رہی تھی۔ اس دوران
اس کے چہرے پر سرجری کی تصویریں تھیں۔ کارمن اپنے ڈیپارٹمنٹ کے
تمام جوئیئر اور سینئر انجینئرز کی تصویریں لے کر آیا تھا۔ وہ ایک البم
میں تھیں۔ سینئر انجینئر کی بیٹی پامیلا کی بھی کئی تصویریں تھیں جس
سے کارمن کی شادی ہونے والی تھی۔

علی نے تمام چہرے ذہن میں نقش کر لئے۔ چونکہ کارمن
سنجیدہ تھا۔ ہر ایک سے بے تکلف نہیں ہوتا تھا اس لئے ایسی
عادت نے علی کے لئے آسانی پیدا کر دی تھی۔ بہت کم لوگوں سے
اس کا واسطہ پڑنے والا تھا۔

پروگرام کے مطابق کارمن رات کے آٹھ بجے اپنی کار میں
دوبارہ اس رہائش گاہ میں آیا جہاں علی اب کارمن بن چکا تھا۔
سرجری کے ماہر نے کارمن کے چہرے پر معمولی سی تبدیلی کی تاکہ وہ
اب کارمن ہیرالڈ نہ رہے۔ جو جو کو یہ دے داری دی گئی کہ وہ

کارمن کے دماغ میں رہے گی اور سرحد پار کرنے میں اس کی
کرے گی۔ قتل ایب سے لبنان اور دمشق کی سرحدیں قریب
تھیں۔ کارمن ایک سیاہ رنگ کی گاڑی میں بیٹھ کر دمشق کی
کی سمت روانہ ہو گیا۔

کارمن نے اپنے بچکے میں کوئی مستقل ملازم نہیں رکھا
دفتر کا ایک چراسی منج و شام اگر کھڑکی مٹائی اور دوسرے
کرنا تھا۔ کارمن رات کا کھانا خود پکا کر کھاتا تھا۔ صبح کا
چراسی تیار کرنا تھا۔ دوپہر کو دفتر کی ہوسٹل میں کھانا یا آؤ
جس طرح مسلمان بچے کو اور عیسائی آؤ کو کچھنی مانتے ہیں
طرح یہودی بچے کے دن کچھنی کرتے ہیں۔ وہ بچنے کی رات کو
اور تقریباً گھنٹوں میں گزارا تھا اور ہفتہ کی صبح دیر تک
رہتا تھا۔

اسی معمول کے مطابق علی رات کے کھانے کے لئے ایک
سائیز ہوٹل میں آیا۔ سمندر کے ساحل پر بڑی بوقت تھی۔
سمندر، حسن، موسیقی اور شراب و شباب کی رنگینیاں حد نظر تک
بکھری ہوئی تھیں اور یہ تمام رنگینیاں بہت مٹکی تھیں۔ مزہ
دوستد ہی وہاں پیش کر سکتے تھے۔ ہر دولت مند کے ساتھ ایک
حسینا تھیں۔ علی تیمور کے پاس بھی ایک آئی۔ اس
معدرت چاہے ہوئے اسے واپس کر دیا۔

وہ ایک بالگونی میں بیٹھا کھانے سے پہلے سوپ پی رہا تھا
سوچ کے ذریعے علی سے کہہ رہا تھا "اسی! یہ اچھا ہی ہو اگر
ایلیٹریٹیکل انجینئر کی حیثیت میں ہوں۔ آپ کارمن سے رہا
کریں! میان زمین و آقا اور خفیہ رہائش گاہیں کتنی ہیں
کہاں کہاں ہیں۔ کیونکہ ان خفیہ مقامات تک بھی جلی کا کھنچ
پہنچایا گیا ہوگا۔"

"میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں۔ تم نے بہت دور کی رہا
ہے۔ ہمارا دھیان اور ہمیں کیا تھا کہ گولڈن ریفرز جس خفیہ اڈے
میں بھی جاتے ہوں گے وہاں جلی کا کنکشن ضرور ہوگا۔"
"جی ہاں ای! ہوسکتا ہے جلی کا کنکشن پہنچانے والے افراد
اور ملازمین کو یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کوئی خفیہ اڈا ہے وہاں گولڈ
ریفرز آکر بیٹھے ہیں لیکن جلی جہاں جہاں خرچ ہوتی ہے ان تمام
جگہوں کا حساب بجلی کے شے کے ذریعے ضرور ہوگا۔"

علی کا دماغ کہاں سے کہاں پہنچ رہا تھا۔ ملٹی تفصیلات حاصل
کرنے کا کارمن کے پاس جلی تھی۔ وہ سوپ پینے کے بعد کھانے
آؤر دینے لگا۔ اسی وقت پیچھے سے ایک لڑکی نے کہا "میرے
بھی کھانے کا آؤر دو۔"

علی نے سرگما کر دیکھا۔ پامیلا مسکرا رہی تھی۔ پھر وہ انجینئر
دکھاتے ہوئے ہوئی "جانتے ہو؟ میں کب سے تلاش کر رہی ہوں
جناب یہاں بیٹھے ہیں۔"

وہ سانسے آکر میز کے دوسری طرف بیٹھ گئی۔ میرے کھانا
آؤر دے کر رخصت کیا پھر پوئی "میں تم نے کیا تھا کہ فرمائے

انٹ میں میرا دماغ کسی ہوٹل میں نہیں کھاؤ گے۔"
یہ بات علی کو معلوم نہیں تھی کہ کارمن ایسا کہہ چکا ہے۔ وہ
اتنا بڑا بڑا بڑا ہوا "بے شک کہا تھا کہ آج کی رات باہر نہیں
کلن گاؤں۔ کوئی بدلتی فیصلہ تو نہیں تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں
نے فیصلہ کر لیا۔"

"واہ! کتنی آسانی سے کہہ رہے ہو۔ میں نے دو بار تمہارے گھر
ڈن کیا پھر خود وہاں گئی۔ مگر وہاں نہ لگاؤ تھا۔ میں سمجھ گئی تھی کہ وہاں
بے کریاں خائف فرج کے لئے آئے ہو۔ آخر تم مجھ سے کتراتے
کیوں ہو؟"

"تم مجھے کئی برس سے دیکھتی اور سمجھتی آ رہی ہو۔ میری کوئی
گرتی فریڈ نہیں ہے۔ میں کسی لڑکی سے بات تک نہیں کرتا۔ ہاں
تمہاری عزت کو تو میں کیونکہ تم میرے سینئر انجینئر کی بیٹی ہو۔"

"یعنی مجھ میں اور کوئی دخل نہیں ہے۔ میرے حسن و شباب پر
انہوں مرنے ہیں اور تمہیں کوئی کشش نہیں ملتی۔ کیا تمہیں
احساس ہے کہ اس طرح تم میری انٹ کرتے ہو؟"

"انٹ کی بات نہیں ہے۔ میں شاعرانہ عاشق مزاج نہیں
ہوں۔ ایلیٹریٹیکل انجینئر ہوں۔ بجلی کے جھنگے کھاتا ہوں مجھے حسن کے
بچنے نہیں لگتے۔"

"تمہاری اس سادگی اور شرافت پر مرنے ہوں اور خوب سمجھتی
ہوں کہ شادی کے بعد آخری سانس تک میرے ہی رہو گے کوئی
دوسری حینہ تمہیں مجھ سے چھین نہیں سکے گی۔"

"پلیز پامیلا! شادی کی بات نہ کرو۔ کیجیائے کو آتا ہے۔"
"تم عجیب مرد ہو۔ آخر شادی سے بھاگے کیوں ہو؟"
"اس لئے کہ میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔"

وہ کھنگلا کر کہنے لگی "بیٹھے بیٹھے بولی "اوہ کارمن! تمہارا بھی
جواب نہیں ہے۔ میرے بھولے شہزادے! عورت اپنی عزت آؤ
اپنا سب کچھ اپنے محبوب کو سونپنے کے لئے ہی شادی کرتی ہے۔"

وہ بولا "شادی کا مطلب ہے خوشی۔ اگر عورت اپنی آؤ کسی
کے حوالے کرتی ہے تو یہ خوشی کی نہیں شرم کی بات ہے۔"
"اوہ گاڈ! میں تمہیں کیسے سمجھاؤں یہ شرم کی نہیں بلکہ ایک
جیا جی عورت کے لئے فخر کی بات ہے۔ تم اس مسئلے پر بات نہ ہی کرو
تو بہتر ہے۔"

"بات کیسے نہ کروں؟ تمہارے ڈیوٹی بھی یہی کہتے ہیں 'میری
بیٹی سے جلدی شادی کرو' میں تمہیں پرائیویٹ ایلیٹریٹیکل
ڈیپارٹمنٹ کا خارجہ انجینئر بنا دوں گا۔"

"تھیک تو کہتے ہیں۔ ڈیوٹی وہاں کے بیڑ آئی وہ ڈیپارٹمنٹ
ہیں۔ وہاں ٹرانسفر ہو کر پیش کر دو گے۔ تنخواہ بڑھے گی، پولیس اور
ایک خاص رائل کا تحائف حاصل ہوگا۔"

علی سوچ میں رہ گیا۔ کارمن نے پرائیویٹ ایلیٹریٹیکل
ڈیپارٹمنٹ کا ذکر کیا تھا لیکن اس وقت علی نے دور تک نہیں سوچا
تھا کہ ڈیپارٹمنٹ خفیہ اڈوں تک جو بجلی کی سپلائی ہوتی ہے اس کا

حساب کتاب پرائیویٹ ایلیٹریٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں رہتا ہوگا۔
یہاں کھانے کی نرالی لے آیا تھا اور ان کے درمیان میز پر مختلف
ڈشیں رکھ رہا تھا۔ علی کو سونپنے کا موقع مل گیا تھا۔ یہ بات تکلف
وہ تھی کہ اس پرائیویٹ ڈیپارٹمنٹ تک پہنچنے کے لئے پامیلا سے
شادی کرنا ہوگی۔ کیوں اس خفیہ شعبے کا رد وہ صرف پامیلا ہی کھل
سکتی تھی۔

یہاں چلا گیا۔ پامیلا بڑی محبت سے علی کو دیکھ رہی تھی۔ پھر علی
"کارمن! تمہارے جیسے فرشتے کو کہا ہوں سے بھری ہوئی دنیا میں
پیدا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ میں تمہاری میں کتنی بار تمہارے قریب
آئی۔ تمہیں طرح طرح سے ہلک جانے پر آمادہ کرنا چاہا۔ مگر تم
مضبوط قوت ارادی کے مالک ہو۔ تمہاری یہی خوبیاں مجھے اور
دیوانہ بنا دیتی ہیں۔"

وہ کچھ نہ بولا "جب چاہ کر رہا" پامیلا نے پوچھا "کیا تم
چاہتے ہو کہ شادی سے انکار کرو اور میرے ڈیوٹی میری شادی کسی
دوسرے سے کروں؟"

"ہرگز نہیں۔ میں یہ برداشت نہیں کروں گا کہ شادی کے بعد
کوئی دوسرا تمہاری عزت آتا رہے۔"

وہ اپنی بیٹائی پر ہاتھ مار کر بولی "تارگاڈسک! عزت کی بات نہ
کرو۔ صرف شادی کی بات کرو۔ ویسے تمہاری اس بات سے ظاہر ہوتا
ہے کہ تم مجھے اپنی عزت سمجھتے ہو اور مجھے کسی دوسرے کے حوالے
ہوتے نہیں دیکھنا چاہتے۔"

علی نے دل میں کہا "میں وہ خفیہ شعبہ کسی دوسرے کے
حوالے ہوتے دیکھنا نہیں چاہتا۔ لیکن ترقی پا کر اس شعبے میں ٹرانسفر
ہونے کی شرط بہت کڑی ہے۔ میں کیا کروں؟ یہ حینہ گولڈن ریفرز
تک پہنچنے کی بیڑ میں بن گئی ہے۔"

پامیلا نے پوچھا "کیا سوچ رہے ہو؟"
"سوچتا ہوں شادی کروں گا تو تمہارے ساتھ وہ۔۔۔۔۔"
وہ بات کاٹ کر بولی "اسے خبردار عزت د آؤ کہ بات نہ کرنا
ورنہ میں کالج کی پلیٹ افکار اپنے سر پر ماروں گی۔"

"میں دوسری بات کر رہا ہوں۔"
"ہاں کوئی بھی خوش کرنے کی بات کرو۔"
"سوچتا ہوں، اگر میں تمہیں بھاگ کر لے جاؤں۔ اس کے بعد"

وہ پھر بات کاٹ کر بولی "جب شادی ہو سکتی ہے تو بھاگ کر لے
جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"مجھے فرض کرو، اگر میں بھاگ کر لے جاؤں۔"
"پھر فرض کرتی ہوں، پھر؟"
"پھر تمہارے ڈیوٹی کیا کریں گے؟"

"تمہارے خلاف کیس کریں گے جس میں پکڑاؤں گے، جیل
بجوا دیں گے۔ وہ اپنی بے عزتی برداشت نہیں کریں گے۔"
"تمہیں بھاگ کر لے جانے سے ان کی بے عزتی کیسے ہوگی؟"
"کیسے نہیں ہوگی؟ دنیا کے کسی میں تمہارے ساتھ بھاگ

کہ ہمارے درمیان کم از کم ایک باشت کا فاصلہ رہے۔“ وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ کر بولی ”یعنی ہماری نظرسں مل سکتی ہیں۔ تاہم میں یہ سیٹ نہیں مل سکتے ہیں، ہم میں کئی گے“ وہ اسٹیئرنگ میں بیٹھ کر پتہ کیا۔ کار کو اشارت کر کے اگے بڑھایا پھر بولا ”تم اس سٹے پر زیادہ نہ سوجھ۔ شادی کے بعد ہمیں زیادہ پریشان دیکھوں گا تو چائیس راتوں کی پابندی توڑ کر تمہارے کمرے میں آ جاؤں گا۔“

”ہرگز نہیں۔ میں اپنے جذبات کو آگ لگا دوں گی۔ ہر خواہش کو بھل دوں گی۔ لیکن تمہاری ہلاکت کا سبب نہیں بنوں گی۔ تم ہو تو سارا جہان ہے۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہوں گی۔“

وہ اس کی طرف جھک کر اُس کے شانے پر سر رکھنا چاہتی تھی پھر ایک بالشت کا فاصلہ یاد آگیا۔ وہ جلدی سے سیدھی ہو کر وینڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگی۔ اپنے مکان کے سامنے پہنچ کر اُس نے کہا۔

”پلیز جتنی جلدی ممکن ہو شادی کرلو“ جتنی جلدی شادی ہوگی اتنی جلدی وہ چاہیں راستی مگر رتی نہیں گدی۔ دیر ہوگی تو یہ آزمائش بہاؤ لگتی رہے گی۔“

وہ اپنے طور پر درست کہہ رہی تھی۔ علی اپنے طور پر سوچ رہا تھا۔ جتنی جلدی شادی ہوگی اتنی ہی جلدی خفیہ شے میں قدم رکھنے کا موقع ملے گا۔ اس نے کہا ”اسلا! اسے غم سے زیادہ غم ہے۔“

ہوں۔ بطوریں ابھی تمہارے والدین سے معاملہ طے کر دیا گیا۔
وہ اُس کے ساتھ کوٹھی کے اندر آیا۔ اس کے والدین
دراںک بدم میں موجود تھے۔ انہوں نے بڑی محبت سے علی کا
استقبال کیا۔ اس کی نمی نے کہا "بیٹے کارمن! ابھی تمہاری ذکر
میں تھا۔ بیچ پوجھو آج کے دور میں تمہارے جیسے نیک لڑکا نظر
میں نہیں آتا۔ نہ شراب پیئے ہو، نہ سگرت اور نہ ہی کسی لڑکی سے
تعلق کرتے ہو۔"
پاسپا کے ڈبیری راجرموس نے کہا "لیکن ایک برائی ہے۔ تم
شادی سے کتراتے ہو۔"

حلی نے کہا ”مرا یہ بات نہیں ہے۔ میں دور کی سوچتا ہوں۔ میری محدود تنخواہ ہے۔ چھوٹا سا بنگلہ ہے۔ چایلا دلسن بن کر آئے گی تو محدود تنخواہ میں چایلا کی ضرورتیں کیسے پوری کروں گا۔ شادی کے بعد خاندان بڑھتا رہے گا تو بنگلہ چھوٹا بچ جائے گا۔“

راجرموس نے کہا ”تو کوئی پرالیم نہیں ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہیں ترقی دار لاکر اپنے شیعے میں لے آؤں گا وہاں تمہیں اہمیت دےں ہزار ٹیکل کی آمدنی ہوگی۔“ جسیں رہائش کے لئے ایک بڑی کونٹری میں لے گئے۔ میں نے تمہارے پودوں مشن اور زراعت سفر آئڈز کے

”نبی اللہ کے“

”میں تم سے کتنا ہوں میری بیٹی سے شادی کرو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں زبردستی کر رہا ہوں۔ میری بیٹی کے لئے بے شمار رشتے آتے رہتے ہیں۔ دراصل میرا خفیہ شعبہ بہت اہم ہے۔ سو ہاں بڑی بڑی سفارش کے باوجود کسی کو ملازمت نہیں ملتی۔ جسے ملازمت دی جاتی ہے۔ اس کی بڑی سخت نگرانی ہوتی ہے۔ پچھلے چھ برسوں میں تمہاری سختی سے نگرانی ہوئی رہی۔ تمہارے متعلق ہر طرح سے اطمینان حاصل کیا گیا۔ آخر میں فیصلہ ہوا کہ میں تمہاری ضمانت لوں تو تمہیں اس شعبے میں منتقل کر دیا جائے گا۔ میں انہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ تم میرے ماتحت ہی نہیں رہا رہو گے۔ اس لئے قابل اعتماد ہو اور اسی لئے میں نے تمہاری ضمانت لی ہے۔“

”مرا میں آپ کے طریقہ کار کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ آج اسی لئے حاضر ہوا ہوں کہ جلد سے جلد شادی ہو جائے۔“

”کی نے کہا“ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔“

”علی نے پوچھا“ کیا یہ شادی کل ہو سکتی ہے؟“

”کل! اپنی جلدی؟“

”کیا صبح ہے۔ میں زیادہ دھوم دھام اور نمائش نہیں چاہتا۔ بس سادگی سے پامیلا کو ملین بنا کر لے جانا چاہتا ہوں۔“

پامیلا خوش ہو گئی۔ مگر اتنی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ راجر موس نے کہا ”ہمیں رشتے داروں کو اور بڑے بڑے افسران کو انوائٹ کرنا ہو گا۔ اس میں وقت لگے گا۔“

”وقت تائے کی تیار میں وقت لگے گا۔ اس کی کیا ضرورت ہے“ ابھی سے فون پر انوائٹ کریں۔ رشتے داروں اور افسروں سے کہیں یہ سمرائز صبح ہے۔ آپ سمرائز دیں گے تو یہ نئی بات ہوگی لوگ انجوائے کریں گے۔“

پامیلا نے دروازے پر آکر باپ سے کہا ”ڈیڈی! انو آکر خوشی میں چائے لاری ہوں۔“

باپ نے قہقہہ لگا کر پھر کہا ”دلہا دلہن نماز بنا کر آئے ہیں۔ تمہاری نہیں چلی گی۔ پامیلا کی بی! تم کیا کہتی ہو؟“

”جو بیٹی نے کہہ دیا وہی ڈن ہے۔“

راجر موس ریسپورڈ انکار فبر وائل کرنے لگا۔ چائے آئے تب اس نے کئی رشتے داروں کو سمرائز صبح کی خوشخبری سنائی اور انہیں شادی میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ علی چائے پی کر رخصت ہوا۔ پامیلا اس کے ساتھ کار تک آئی اور پوئی ”آج تم نے ساری دنیا کی سرسبز جگہ دی۔ ہاں اگر پابندی نہ ہوتی تو میں تمہیں اپنی دھڑکنوں سے لگا کر تیار کی کرتا کرتی۔“

وہ کار میں بیٹھتے ہوئے پولا ”کل پہلی رات ہوگی۔ ہم کل سے ایک ایک رات کا حساب کریں گے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے چالیس راتیں گزر جائیں گی۔ آج آخری بار گزشتہ کہہ رہا ہوں۔ کل سے الوداعی شب بخیر کہنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔“

وہ کار اشارت کر کے کوٹھی کے احاطے سے باہر آیا۔ لیٹی نے آکر کہا ”میں بڑی دیر سے پامیلا کے داغ میں تھی۔ اس کے

خباہات رکھ کر چلا۔ تم نے شادی کے بعد بھی پامیلا کی عزت اور برقرار رکھنے کے لئے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔ سو واقعی تمہاری دانائی کو خوب سمجھتی ہیں۔“

وہ پولا ”ہی! اب میرا خیر مطمئن ہے۔ میں اسے محبت فریب دے رہا ہوں لیکن یہ فریب اس کی حیا کی سلامتی کے لئے ہے۔“

”شاہنشاہ بیٹا! تم آج کے جوانوں کے لئے روشنی کا یہ ہو۔ خدا تمہیں صحت و سلامتی اور خوشحالی دیتا رہے“ امین! ”

”ای! اکل شادی ہوگی۔ پرسوں خفیہ شعبے میں میری ذرا شروع ہوگی۔ آپ کی مصروفیات بڑھ جائیں گی۔ یہاں ہمارے بے جاوس ہیں انہیں الٹ رہنے کو کہہ دیں۔ کسی وقت بھی کسی ضرورت پر کھنٹی ہے۔“

یہ وہی علی تھا، جس نے غیر معمولی ذہانت سے محفلوں، ذریعے ٹرانسپارمر مشین کو تیار کیا تھا اور پھر ایک بار اس کی بہتر حکمت عملی بتا دی تھی کہ جلد یا بدیر وہ گولڈن برنز کی شہرگ بننے والا ہے۔

○●○

چوہدری حاکم علی حاکم اہل قضا اور جوان بیٹی کی موت کا مٹا رہا تھا۔ ایسے وقت صوفیہ رنگین لباس پہن کر ہنسی مکر تفریح کے لئے جایا کرتی تھی۔ اس کے ساتھ پارس ہوتا چوہدری نے غصے سے پوچھا ”تمہیں شرم نہیں آتی؟ جوان بھاک موت پر خوشیاں مناتی ہو۔“

”جان کا دشمن مرنا ہے تو خوشی ہوتی ہے“ انوس نے ہوتا۔ آپ پولیس کی رپورٹ اور سپرے کا بیان سن ہیں۔ آپ کا بیٹا جس سانپ سے مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا خود سے حرام موت مر گیا۔“

”تم جھوٹ ہے۔ تم سب میرے بیٹے کے دشمن ہو جاؤ! میں نے تمہیں کسی کا برا نہیں چاہا۔ کسی سے دشمنی نہیں کی۔ پھر میرے دشمن کیوں بن جاتے ہیں؟“

اکثر لوگ اپنی مصیبت کے وقت بھول جاتے ہیں کہ دوسروں کے لئے کسی طرح مصیبت بنے رہے ہیں۔ یا دنیا والو شانے کے لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا لوگ ان کا برا چاہتے ہیں۔

صوفیہ نے کہا ”دواؤں میں نشہ آور چیزوں کی ملاوٹ کیا سے دشمنی نہیں ہے؟ کیا آپ فریاد سے دشمنی کے لئے لندن گئے تھے؟ کیا یہودیوں نے آپ کی خاطر فریاد کو پاکستان سے لے کے لے ان کی معصوم بھانجی کو قتل نہیں کیا؟“

”نہیں بیٹی نہیں۔ اس معصوم لڑکی کا قتل میری مرضی نہیں ہوا ہے۔ اپنے فریاد کو اپنے باپ کو بلاؤ۔ میں اپنی غلطیوں معافی مانگتا چاہتا ہوں۔ اگر تم نے اس کی معافی نہیں دلائی میرے بیٹے کے بعد مجھے بھی مار ڈالے گا۔ کیا تم ختم کلاؤ؟

”میں باپ کو نہیں بلا سکتی۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔ دیکھتے انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ ان کی چند شرائط پر قائل کریں گے تو پھر وہ آپ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔“

”وہ شرائط کیا ہیں؟“

”پہلی شرط یہ کہ جس طرح آپ نے لندن میں اپنے اکاؤنٹ کی تمام رقم نکال کر میرے اکاؤنٹ میں جمع کر دی ہے۔ اسی طرح یہاں کے بینک سے اپنی تمام رقم نکال کر میرے حساب میں جمع کر دیں۔“

”وہ غصے سے پولا ”تو میری بیٹی نہیں ہے۔ فریاد سے مل کر مجھے نوٹ رہی ہے۔ اری کچھ تو خیال کر میں نے تجھے پیدا کیا ہے۔“

”آپ نے نہیں مانی ہے۔ یہ پیدا کیا ہے۔“

”مگر دودھ تو میں نے پلا کر پیروش کی ہے۔ میرا مطلب ہے نذر سے دودھ پلایا ہے۔ اعلیٰ تعلیم دلائی ہے۔ تجھے ڈاکٹر بنایا ہے۔ کیا اسی دن کے لئے کہ دشمن سے مل کر مجھے تباہ و برباد کرے۔“

”اس کا مطلب ہے“ آپ باپ کی کوئی شرط نہیں مانیں گے؟“

”یہ تو مجھے بالکل ہی نکال بیاد ہے۔ والی شرط ہے۔ میری دولت جائیداد انہوں سے نکل جائے گی تو میں کیا کروں گا؟ کیا بیگم انگوں گا۔“

”میں آپ کی ضروریات پوری کر دوں گی۔ آپ دنیا داری چھوڑ کر دن رات یاد اللہ میں مصروف رہا کریں گے۔“

”اچھا! مجھے اللہ سے والا بنانا چاہیے ہے۔ چل بھاگ یہاں سے۔ فریاد نے تجھے جی بنایا ہے۔ اس رشتے سے وہ میرا بھائی ہوا۔ میں اپنے بھائی جان سے خود ہی بات کر دوں گا۔ بھائی بھائی کو معاف کر دیتا ہے۔“

اسی وقت احاطے میں کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ چوہدری نے گاڑی سے کہا ”مجھے کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ وہ ہمارا عاشق کیا ہوگا۔“

”اس کا نام عاشق نہیں ملتا ہے۔“

صوفیہ نے ٹھنکی کے پاس ”نہ۔ ایک دیگن کار سے تین ایسی گاڑیاں آ رہے تھے۔ وہ پلٹ کر پوئی ”شاہد آپ سے کچھ لوگ ملے ہوئے ہیں۔“

”میں ایسے ملنے والوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ میرے بیٹے کے پڑنے کے لئے آتے ہیں اور خوب کہا پی کر چلے جاتے ہیں۔“

اس کی بات سن کر صوفیہ نے دو دنوں کا ایک دور دراز دھماکا جیسے ہوا۔ لیکن وہ پھر لوٹ کر کھل گیا۔ وہ تینوں اندر آ گئے۔ چوہدری نے ایک سے ایک پوچھا ”دو دن تو ذکر کیوں آئے ہو؟“

”ایک نے کہا“ چوہدری صاحب! ہم آپ کے خادم تھے۔ سلطانہ اس لئے 11:30 صبح آپ کے یا صوفیہ کے داغ میں

فریاد ہوئی۔ یہ تو وہ ہماری طاقت کا اندازہ کر لے۔ میں نے صرف ایک لاکھ مار کر اسے توڑا ہے۔ ہم لوگ کے ماہر ہیں۔ فریاد کو چیلنج کرتے ہیں کہ ہمارا کچھ بگاڑ سکتا ہے تو بچ کر ڈر کر کھاتے۔“

چوہدری نے خوش ہو کر پوچھا ”رحمت کے فرشتو! تم کون ہو؟ کیا اتنے طاقت ور ہو کہ فریاد ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا؟“

”چوہدری صاحب! آج سے وہ آپ کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ ہم تینوں آپ کے باڈی گارڈ ہیں۔“

”تم لوگ میری حفاظت کیسے کر گئے؟ وہ تو میرے اندر آتا ہے۔“

”وہ آپ کو پریشان کرے گا، ہم اس کی منہ پوئی بنی صوفیہ کو پریشان کریں گے۔ وہ آپ سے کاروبار اور دواؤں کا فارمولا چھین کر صوفیہ کو دے گا، ہم یہ سب کچھ صوفیہ سے چھین لیں گے۔ وہ آپ کو قتل کرنا چاہے گا، ہم صوفیہ کا کام تمام کر دیں گے۔“

”دوسرے نے کہا“ یعنی یہودی فارمولوں سے صرف چوہدری حاکم علی حاکم دواؤں تیار کرے گا اور منافع کماے گا۔ کوئی دوسرا فائدہ اٹھانا چاہے گا تو موت اس کا مقدمہ بن جائے گی۔“

”میرے محافظ! اتنی دیر سے کیوں آئے ہو۔ دو دن پہلے آجائے تو میرا جان بٹا مارنا نہ جاتا۔ اس شیطان فریاد نے۔۔۔“

صوفیہ بات کاٹ کر پوئی ”ڈیڈی! ابھی آپ باپ کو بھائی جان کہہ رہے تھے اور اتنی جلدی کر گت کی طرح رگسبدل رہے ہیں۔“

”بی باب۔ وہ اور میرا بھائی جان؟ سانپ کسی کا بھائی نہیں ہوتا۔ ہاں تو میرے محافظ! مجھے بتاؤ، تم لوگ اچانک خدا کی خدمت گاری طرح میرے پاس کہاں سے آئے ہو؟“

”ہم کچھ راز کی باتیں نہیں بتا سکتے۔ اس میں آپ کا فائدہ ہے چوہدری صاحب! ویسے ہر طرح مطمئن رہیں۔ اس شخص پر لوگ کے ماہروں کی بہت بڑی نیم آتی ہے۔ ہمارا پاس بہت خطرناک یوگا ماہر ہے۔“

”دوسرے نے کہا“ ہمارے کچھ یوگا کے ماہر فریاد کی بہن کی گھر گئے تھے۔ اس بیزل نے اپنی بہن اور بھانجے کو کیس چھاپا ہے۔ لیکن وہ زیادہ دنوں تک نہیں چھپ سکیں گے۔ ہمارا پاس اس کی بہن بھانجے اور صوفیہ کو پریشان بنا کر رکھے گا۔ اس شخص فریاد کے چاہنے والوں کا بیٹا بن چکا ہے۔“

چوہدری دل کھول کر قہقہے لگنے لگا اور کہنے لگا ”رحمت کے فرشتو! تم کہاں رہ گئے تھے؟ کوئی بات نہیں، دیر آتے آتے۔“

مطالعہ کرنے والوں کے لئے ایک نیا ذرا دلالت دینا ایک بے حد کامیابی ہے

پروفیسر محمد امجد علی

تجربہ کار ماہر 10 ماہ

ملک بھر کی فیسٹ ایوٹ بکس نمبر 999 لکھی فرما

صوفی کو اٹھا کر لے جاؤ۔ اسے پر غمال بناؤ۔ فرہاد کھٹے ٹیک دے گا۔

وہ غصے سے بولی ”آپ کو شرم نہیں آتی بد معاشوں سے کہہ رہے ہیں کہ جی کو اٹھا کر لے جائیں۔“

”تجھے شرم نہیں آتی“ اپنے ناجائز باپ کے ذریعے لندن کی میری تمام رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرالے۔ ٹیلی فنی کے ذریعے میرے جوان بیٹے کو بلا کر آیا اور کہتی ہے سانب نے ڈس لیا۔ اگر یہ میرے محافظ نہ آتے تو تجھے بھی قتل کر دیتی۔ تو میری دولت اور جائیداد پر سانب بن کر بیٹھ گئی ہے۔ تم لوگ دیکھتے کیا ہو اسے اٹھا کر لے جاؤ۔“

باہر بھر کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ چوہدری نے کھڑکی سے دیکھا۔ پارس آیا تھا۔ اس نے اپنی محافظوں سے کہا ”طارق آیا ہے۔“

”طارق کون ہے؟“

”میری بے حیا بیٹی کا عاشق ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں توڑ دو تاکہ وہ عاشقی بھول جائے۔“

ایک اجنبی محافظ تیزی سے چلتا ہوا باہر آیا۔ پارس کا رے اتر کر کوٹھی کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”مرک جاؤ اور ہمیں سے واپس چلے جاؤ۔“

پارس نے پوچھا ”ابس باؤں؟ کیا صوفیہ گھر میں نہیں ہے؟“ ”ہے لیکن آئندہ تم اس سے نہیں ملو گے۔“

”کیوں نہ ملوں۔ کیا وہ تمہاری بہن ہے؟“

اس بات پر اس نے حملہ کیا۔ پارس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے دوسرا حملہ کیا۔ پارس نے دوسرا ہاتھ بھی پکڑ لیا پھر کہا ”تم واقعی غیرت مند بھائی ہو۔ بہن کی خاطر اپنی توڑ پھوڑ کے لئے آئے ہو۔“

اس نے دونوں ہاتھوں کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کچھ لیا کہ فولادی شکنوں سے اپنا ایک ہاتھ بھی نہیں نکال سکے گا۔ وہ لٹ جاتا تھا۔ پارس نے اپنے سرے اس کے سر پر ٹکرائی تو پہلے آنکھوں کے سامنے قہقہے چلنے لگے۔ پھر گھبراہٹ سے سر ہٹا کر اندر ہٹا چکا۔ وہ تکلیف کی شدت سے مدد کے لئے پکارا جاتا تھا۔ ”مَد کھولے“ ہی ٹھوڑی پر گھونپڑا۔ کھلا ہوا سنا ایسے بند ہو کر ادھر بچے کے دانت آپس میں ٹکرائے اور ان کے درمیان زبان آگئی۔ وہ حلق بھاڑ کر چیخنے لگا۔

اس کی چیخ سن کر چوہدری کے دونوں محافظ چمک گئے۔ ایک نے دوسرے سے کہا ”جاؤ دیکھو۔ بلیک ہیٹ ہو کر بزدل کی طرح چیخ رہا ہے۔“

دوسرا دوڑتا ہوا گیا۔ صوفیہ نے کہا ”تم لوگوں کی شامت چینی ہے۔ طارق کوئی معمولی شخص نہیں ہے۔ میرے باپ کا ماتحت ہے۔“ پھر تو اس ماتحت کے ہاتھ پاؤں توڑ کر فراد کے پاس اسے تختے کے طور پر پارسل کر دیا گیا۔

اس کی بات ختم ہوتے ہی دوسرا ساتھی ٹوٹے ہوئے دروازے سے گزرتا ہوا صوفیہ کے قدموں کے پاس آکر فرار ہو گیا۔ اس کی ناک سے اور کھلے ہوئے منہ سے خون برہ تھا۔ صوفیہ خوشی سے مجھم گئی۔ قہقہے لگنے لگی۔ چوہدری نے ”اے محافظ بھائی! تم تو کہہ رہے تھے! فراد تمہارا کچھ نہیں بگاڑ گا۔ اس کے ایک ہندے نے تمہارے دو ہندوں کو ایک ہندے اندر بچ کر دیا ہے۔“

محافظ نے زخمی ساتھی کو ٹھوکر مار کر پوچھا ”باہر کتنے دہ چیں؟“

پارس نے کمرے میں داخل ہو کر کہا ”میں اکیلا ہوں۔ اور دیکھو میں خالی ہاتھ ہوں۔“

وہ اپنے دونوں ہاتھ بڑھاتا ہوا اسے دکھاتا ہوا اس کے قہقہے آیا۔ محافظ نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھا کر اس کی انگلیوں میں انگلیاں پھنسا لیں پھر دانت پیس کر بولا ”اب یہ انگلیاں ٹوٹ کر سی میر فولادی شکنوں سے آزاد ہوں گی۔“

اس نے ذرا قوت لگا کر پارس کی انگلیوں کو موڑنا چاہا۔ پھر کہا ”وہ آہنی سلاخوں کو موڑنے کی حماقت کر رہا ہے۔ اس نے ہر قوت صرف کی مگر پارس اطمینان سے کھڑا ہوا صوفیہ سے پوچھ رہا ”یہ مرے کون ہیں؟“

صوفیہ نے کہا ”یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یوگا کا ماہر ہے۔ اسے طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دروازہ توڑ کر آیا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ پارس اس سے بھی زیادہ طاقتور اور یوگا کا ماہر ہے۔ یہاں سارا روکنے والوں کی بہت بڑی ٹیم آئی ہے۔ باپا کو مجبور اور بے کرنے کے لئے ان کے آدمی شاید پینہ پائی اور ان کے بیٹے کا سراز انوار کرنے گئے تھے۔ لیکن باقی اپنے بیٹے کے ساتھ کہیں چلے ہیں۔ اب یہ مجھے لے جا کر باپا کو مجبور کرنا چاہتے ہیں۔“

چوہدری نے محافظ سے کہا ”اے محافظ بھائی! تم ان کی بات کیا سن رہے ہو۔ اس کی انگلیاں توڑ دو۔“

وہ پریشان ہو کر بولا ”میں اب دوسرا داڑا استعمال کروں گا۔ اس نے دوسرا داڑا استعمال کرنے کے لئے اپنی انگلیاں چھڑا چاہا۔ اب پارس نے انھیں بکڑ لیا۔ وہ تڑپ کر دونوں ہاتھ کو آزاد کرانے کی کوشش کرنے لگا۔ پارس نے ذرا اور سختی بکڑ لیا تو وہ چیخ کر بولا ”چھوڑ دو۔ میں بہت برا آدمی ہوں۔ میرے چھوڑ دو۔“

وہ سر سے ٹکرائی ہاتھ چھڑا چکا تھا۔ پارس نے انگلیاں زوردار جھکا دیا۔ کڑا کڑا کر انگلیاں ٹوٹنے کی آوازیں آئیں۔ وہ حلق بھاڑ کر چیخ کر چوہدری کا ماتحت بھی مکمل کیا تھا۔ اس سے چیخ نہیں ٹکل رہی تھی۔ ایک ہاتھ ٹکل گئی تھی۔ صوفیہ خوشی سے پلٹ گئی تھی اور دل کھول کر قہقہے لگا رہی تھی۔ پارس نے اس کے آنکھوں کو چھوڑ دیا تھا۔ اس کی دونوں ہتھیلیاں

انگلیاں ڈھیلی ہو کر جھول رہی تھیں۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے جا کر دوبار سے لگ گیا تھا۔

پارس نے کہا ”تم تینوں یوگا کے ماہر ہو۔ مگر اس حالت میں سانس نہیں ہو سکے گا۔ اگر فراد صاحب تمہارے داغوں میں نہیں گئے تو ان کا راس تہ کیسے دو گئے؟ چوہدری صاحب کی حفاظت کیسے کرو گے؟“

چوہدری آگے بڑھ کر بولا ”ارے یہ تمہارے سامنے ٹوٹ گئے تو میرے فراد بھائی کے سامنے کیا نہیں گئے۔ ان گد جوں کو تو چاہا نہیں ہے کہ فراد بھائی نے میری صوفیہ کو اپنی بیٹی بنایا ہے۔ اس رشتے سے وہ میرے بھائی جان ہیں۔“

صوفیہ نے کہا ”میں تمہاری بیٹی نہیں ہوں۔ تمہاری بیٹی تو وہ تھی جسے تم ان غنڈوں کے ذریعے اغوا کر رہے تھے۔ میرے باپا تمہارے پیسے بے غیرت کے بھائی ہوتی نہیں سکتے۔“

”بیٹی! زبان کو لگا دو۔ باپ کتنا ہی برا ہو اسے برا نہیں کہتے۔“

”بیٹی! مانتے ہو کہ تم بڑے ہو؟“

”برا تھا۔ اب نہیں ہوں۔ اب بد معاشوں کی کزوریوں نے اور بھائی جان کی طاقت نے مجھے انسان بنادیا ہے۔“

پارس نے پوچھا ”اب کیا انسان ہونے کا ثبوت دو گے؟“

”مشروروں کا۔ آزار کر دیکھ لو۔“

”ابھی اپنے وکیل کو بلاؤ یا اس کے پاس جاؤ اور تمام کاروبار صوفیہ کے نام لکھ دو۔“

”میاں صاحب! اے! کسی انسان سے اس کا سب کچھ جین لینا انسانیت نہیں ہے۔ تم غیر انسانی آزمائش کے ذریعے مجھ سے انسان ہونے کا ثبوت مانگ رہے ہو۔“

”میں ثبوت انسان سے نہیں سودیوں کے دلال سے مانگ رہا ہوں۔“

صوفیہ نے کہا ”بڑے میاں! تم جب تک اپنی دولت اور جائیداد میرے نام کر کے یہ ثابت نہیں کر گئے کہ اب سودیوں کے دال نہیں رہے۔ تب تک میں تمہیں ڈیڑی نہیں کھوں گی۔“

”اچھا اچھا۔ ٹھیک ہے۔ مجھے سوچنے کا وقت دو۔“

وہ وہاں سے جانے لگا۔ دونوں مار کمانے والے بھی باہر چلے گئے تھے۔ پارس اور صوفیہ نے پورج میں آکر دیکھا۔ وہ تینوں ٹوٹے ہوئے کے بعد گاڑی میں بیٹھ کر چارے تھے۔ چوہدری حاکم علی بھی ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر بولا ”مجھے اپنے پاس سے ملاؤ۔ میں کھال ہوا نہیں چاہتا۔ مجھے دشمنوں سے بچاؤ۔“

وہ چلا گیا پارس نے کہا ”تمہارا باپ نہیں سدھرت گا۔“

وہ گردن میں بائیں ڈال کر بولی ”تم کیا بڑے ہو۔ اس ذریعہ سے ہن کا ذہن بھڑس لیا۔ میری جان بھائی۔ آج میری عزت بچانے کے لئے تم زبردست غنڈوں سے ٹکرائے۔ کیا یہ ثبوت نہیں ہے کہ تم مکمل دل اور جان سے چاہتے ہو؟“

اُردو ادب کا نیا سُرُخ

آپ کے جانے پہچانے شہر ادیب اثر نعمانی کے قلم سے

مختصر ہی مختصر

طنز و مزاح سے لابلاب ایک ٹھیکہ دہانی ناولوں کے دلچسپ سلسلے کی چار کتابیں

گھر کی مہر

قیمت ۲۰ روپے ۰ ڈاک خرچ ۱۰ روپے

حکیمی ٹکسی

قیمت ۲۰ روپے ۰ ڈاک خرچ ۱۰ روپے

بے وقوف

قیمت ۲۰ روپے ۰ ڈاک خرچ ۱۰ روپے

آپ کے سر پر

قیمت ۲۰ روپے ۰ ڈاک خرچ ۱۰ روپے

آپ کے سر پر

دوست ہیں ایک ساتھ مٹانے پر ایک حسرت قح

پیر کا بیات جی کی شیرازہ کی کہانی

”یہ ثبوت نمیں ہے کیونکہ فرائض ادا کرنے والے باڈی کا رزق بھی ایسا کرتے ہیں۔“

”مگر تمہاری طرح جان پر نہیں کھیتے۔ میں تو تم پر تن میں اور دھن سے غذا ہو گئی ہوں۔ مجھ سے شادی کرو گے؟“

پارس نے اپنی گردن سے اس کی پاموں کو الگ کیا پھر کوٹھی کے اندر جاتے ہوئے بولا ”میں خانہ بدوش ہوں۔ فردا صبح کے حکم سے ملک اور شہر ملت رہتا ہوں۔ آج یہاں ہوں، کل پتا نہیں کہاں پہنچوں گی۔ جس کا گھر نہ ہو، وہ گھر کیا بناے گا۔“

”میں پاپا سے کہوں گی، وہ تمہیں میرے نام کر دیں گے۔ انہیں ہزاروں ماتحت مل سکتے ہیں۔ مجھے تمہارے جیسا بیٹا سنا سنی نہیں ملے گا۔“

”اپنے پاپا سے کبھی میری فرائض نہ کرنا۔ کیونکہ میں خود ان کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ تمہیں میں جان دوں۔ تم ان سے ان کی جان نہ لکنا۔“

دے کر کچھ روز کی عیاشی میں گزارتا۔ فردا صابن نہ میسر
تساری جان کا نہیں عزت کا بھی محافظ بنایا ہے۔“
وہ کیچہ نہ بولی۔ منہ پھیرے بیٹھی رہی۔ پارس نے کہا
بھوکا پاس آیا تھا۔ سوچا تھا یہاں کچھ کھانے کو ملے گا۔ کوئی
نہیں، میں کسی بوتل میں پانکس۔۔۔۔۔
وہ فوراً اٹھ کر بولی ”وہ خدا ای! میں بہت خود غرض ہوں۔
دل کی باتیں کرتی رہی اور تمہیں ایک مٹھاس پانی کے لئے
پوچھا۔ سو سواری طارق! مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے۔ میں
کرکرم کر کے لاتی ہوں۔“
وہ تیزی سے چلتی: دوئی کچن میں آئی۔ فریج سے کھار
چیزیں نکال کر کرکرم کرنے لگی۔ وہ ایک خشک مزاج لیدی ڈانکر
پارس کے آنے سے روانہ کی ہوا چلنے کی تھی۔ نگاہوں میں
تھکنے لگے تھے۔ اب اس دنیا میں صرف دوائیاں نہیں، رگ
بھی نظر آنے لگی تھیں۔

"ہاں" آئی جی نے ریسورٹ اٹھا کر ہنرداں کی کرتے ہوئے کہا "میں سمجھ
 چکا آپ جیلر کی آواز سننا چاہتے ہیں۔"
 وہ سی طرف فون کی لکھنی بجنے لگی۔ کسی نے ریسورٹ اٹھا کر کہا۔
 پلہ سینٹیل جیل پٹاورد۔ میں مقدس خان ولد مقدس خان جیلر بول
 "ہاں"
 میں مقدس خان جیلر کے داغ میں پہنچ گیا۔ آئی جی نے پوچھا۔
 آپ کے نام کے ساتھ ولایت کیوں تاتے ہو؟
 "تو ایسا کیا جاؤں۔ یہ ایک نرینڈی ہے۔ یہاں ایک قاتل
 رہتی ہے سزا کاتے آیا ہے۔ اس کا نام بھی مقدس خان ہے۔"
 آئی جی نے کہا "والتھی نرینڈی ہے۔ جیلر بھی مقدس اور قاتل
 ی مقدس۔ لوگ آپ کو قاتل سمجھ کر خون کرتے ہوں گے۔"
 "تمی ہاں۔ اس قاتل کی پہنچ بہت اوپر تک ہے۔ کوئی نہ کوئی
 باتری اسے فون پر پلاتا ہے۔ اسی لئے میں ولایت کے ساتھ اپنا
 رہتا ہوں کہ میں جیلری سمجھا جاؤں۔ یہ کتنی تو جہن کی بات ہے
 قاتل بد مناش کا نام مقدس خان ہے۔ بانی دی دے" آپ کو
 "ہاں"

والوں کے لئے بند رکھتا تھا۔ اس کی ایسی ہی صلاحیتوں کو دیکھ کر
یسوی اُس کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ ایک جہاں پولیس افسر شاہ
خان نے اس خطرناک قاتل اور اسمگلر کو گرفتار کر کے اپنی
سلاخوں کے پیچھے پھنسا دیا تھا۔ مزہ خان ہنسا ہوا اور یہ کہتا ہوا جیل
میں آیا تھا ”شاہ خان ابھی تم جوان ہو، تمہیں دیکھ کر اپنا جوان بنا
یاو اگاہ۔ لہذا تمہارا دل رکھنے کے لئے میاں آگیا ہوں۔ جب
چاہوں گی میاں سے چلا جاؤں گا۔“

شاہ خان نے کہا ”تمہارے خلاف ایسے ٹھوس ثبوت حاصل
کر چکا ہوں کہ اب ان سلاخوں کے پیچھے سے چھانی کے پھندے
نکلی ہی پہنچو گے۔“

”سرکاروں میں چور نہ ہو تو کھروں میں چوری نہیں ہوتی۔“
 ”شاہ خاں! تم کچھ زیادہ بول رہے ہو۔ جاڑیہاں سے۔“
 وہ اپنے سینٹر کو سلیوٹ کر کے چلا آیا۔ یہ بات اسے تکلیف پہنچا رہی تھی کہ اعلیٰ افسر کشمیری سے ایمان ہو۔ اسے سلیوٹ کرنا پڑتا ہے اور ان کے ہاتھ ایمنڈ کے باعث ایک ایسا راز افسر کو مجرموں کے سامنے سرحد کا پڑتا ہے۔ شاہ خاں کو حوزہ خان کا سلیوٹ آؤر لے کر جیل کے پاس جانا پڑا۔ حوزہ خان نے مسکرا کر کہا ”تم نے جن باتوں سے مجھے گرفتار کیا تھا انہی باتوں سے میری رہائی کا پروانہ لے کر آئے ہو۔ ابھی تجھیں عقل آئی ہے یا نہیں؟“
 وہ بولا ”شیطان طاقتور ضرور ہوتا ہے لیکن کبھی بھی انسان سے اپنا ضرور ہے۔ جن خفیہ ذرائع سے تم کو کامیابیاں حاصل کرتے ہو پہلے میں ان ذرائع کو ناپو کھوں گا پھر تم سے سمجھوں گا۔“
 وہ نئے عزام کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ حوزہ خان نے جیل سے کہا ”یہ جوان افسر بدعت والا ہے۔ مگر عقل والا نہیں ہے اور اس کے تئیں بتاتے ہیں اسے عقل کبھی نہیں آئے گی۔ خبر جانے دو رہائی کی بات کرو۔“
 ”خان خاں! تم تو جیل کے قواعد جانتے ہو۔ قیدیوں کو صبح نو بجے رہا کیا جاتا ہے۔“
 ”گوئی بات نہیں۔ ہم کو جلدی نہیں ہے۔ میرا آدمی لوگ کو فون کرو۔ صبح گاڑی لے کر آئے گا۔“
 اس کی رہائی کے لئے ایک رات رہ گئی تھی۔ ایسے ہی وقت میں جیل کے خیالات چھ کر مطبوعات حاصل کر رہا تھا۔ جیلر نے حوزہ خان کے ایک دست راست سے فون کے ذریعے رابطہ کیا۔ اسے بتایا کہ حوزہ خان رہا کیا جا رہا ہے۔ وہ صبح گاڑی لے آئے۔
 یہ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ اس کے تمام حواری اور دست راست کو گا کے ماہر ہیں۔ اس لئے میں نے اس دست راست کے داغ کو نہیں چھوڑا۔ جیلر کے خیالات سے معلوم ہوا کہ حوزہ خان کا جوان بیٹا میردراز خان رنکین مزاج ہے۔ گرمیں کا موسم لندن میں جیس اور جیڈا وغیرہ میں گزارا ہے۔ ”جن کل پاکستان میں ہے۔ باب چاہتا تھا کہ بیٹا اس کی طرح پوگا میں سمارت حاصل کر لے لیکن اسے شراب اور خباب کا چکنا چریا تھا۔ جو کچھ چار بیٹیوں پر ایک ہی بیٹا تھا۔ اس لئے بیٹے پر سختیں نہیں کرتا تھا۔ اسے اتنی جان سے زیادہ چاہتا تھا۔ کسی حد تک اس کے لاؤ پیارے ہی اسے گمراہ کیا تھا۔“
 جیلر نے میری مرضی کے مطابق فون پر میردراز خان سے رابطہ کیا اور کہا ”تمہارے لئے خوشخبری ہے۔ تمہارا بابا جانی کل صبح رہا ہوا ہے گا۔“
 وہ بولا ”ٹھیک ہے۔ میں کل صبح گاڑی لے آؤں گا۔“
 ”نہیں چھوٹے خان! تم نہ آنا۔ خان خاں نے تمہیں اطلاع دینے کو نہیں کہا تھا۔“
 ”میں جانتا ہوں۔ بابا جانی مجھے جیل کے دروازے سے دور

رکھنا چاہتے ہیں۔ ٹھیک ہے، میں نہیں آؤں گا۔“
 میں اس جوان میردراز خان کے داغ میں پہنچ گیا۔ وہ نامی ایک گاڑی میں اپنی والدہ اور بہنوں سے ملاقات کر رہا تھا۔ اسی شام بخار آنا چاہتا تھا۔ اس نے اسے روک لیا تھا۔
 بتایا کہ بابا جانی سے ملنے جا رہا تھا۔ وہ صبح رہا ہو رہے ہیں۔
 وہ اپنی آبائی حویلی سے نکل کر کار کے ذریعے بخار کی روانہ ہو گیا۔ میں نے اس کے خیالات چھ کر معلوم کیا کہ کل حوزہ خان کچھ زیادہ خطا ہو گیا ہے۔ مگر کیا جیل کا کام کھانا ہے۔ یہ اندیشہ ہے کہ کوئی کھانا پینے کی چیزیں ضرور حاصل کر لے گا۔ اسے داغی اور جسمانی طور پر کمزور ہے اس لئے اس کا پرکھا کا ماہر دست راست خود پرکھا کر اس کے کھانا لیا کرتا تھا۔
 گویا وہ میری وجہ سے اندیشوں میں گمراہ ہوا تھا۔ بہر حال محتاط رہ کر مجھ سے ٹکرانے پر آمادہ ہوا تھا۔ ایک بات وہ بھی کہ میں راہ چلتے کسی بھی شخص کے داغ پر قبضہ نہ کرنا۔ اسے مار سکتا ہوں۔ اسے زخمی کر کے اس کے داغ میں جب تک اس کو نہیں میں ابھی یہ طریقہ آزمایا نہیں چاہتا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ اسے اس پہلو سے بھی اپنے بچاؤ کا انتظام کیا ہو۔ پھر یہ کہ فوراً چھینڑا مناسب نہیں تھا۔ میں اُسے اندیشوں میں ڈال دیا اور اپنی بدگمانیوں میں مبتلا رکھنا چاہتا تھا۔ انہوں نے بدگمانی اس لئے میں اس کے انہوں کے داغوں پر قبضہ نہ کر سکا۔ حوزہ خان تھا۔ میردراز خان رات کے آٹھ بجے بخار پر پہنچا۔ حوزہ خان دست راست نے اس سے کہا ”جھوٹے خان! تم کو ادھر رہنا تھا۔ بابا جانی غصہ کرے گا۔“
 ”کیوں غصہ کرے گا؟ کیا میں بیٹا نہیں ہوں۔ کیا میرا دل سے ملنے کے لئے تڑپا نہیں ہے۔ تم لوگ گھومت کرو۔ جانی کو سمجھاؤں گا۔“
 اس رات وہ اپنی کو خفی میں ایک معشوق کو بلانا چاہتا تھا۔ اسے اس موقع نہیں ملا۔ اسے جلدی ملنا پڑا۔ پھر اس پر بخار کیا۔ اس کے داغ میں یہ نقش کیا کہ وہ شراب نہیں پئے۔
 نقش نہیں کرے گا۔ پرانی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی روک لیا کرے گا۔ صرف سونیا کی آواز اور لہجے کو اپنے محسوس نہیں کرے گا۔
 پھر یہ حکم دیا کہ وہ اپنے داغ میں کوڈ نمبر زد دونوں زہر زدہ توہری سنتے ہی خود کو بھول جائے گا۔ خود فراموشی کے جو حرکتیں کرے گا وہ حرکتیں اسے ہوش مند کی وقت میں کرے گا۔ وہ دوبارہ کوڈ نمبر زد دونوں زہر زدہ توہری ہوش و حواس میں آئے گا۔ خود کو پہچانے کے لیکن خود فراموش بھول جائے گا۔
 اس کے بعد میں ڈی ایس بی شاہ خاں کے داغ میں میری آواز سنتے ہی چمک کر غلاؤں میں نکلے گا۔ سوچنے لگا

وہ میرے اندر سے آ رہی ہے؟“
 ”ہاں! میں فریڈی تئیں شہسارے اندر بول رہا ہوں۔“
 وہ خوش ہو کر بولا ”کیا واقعی؟ میں اتنا خوش نصیب ہوں کہ پھر سے پاس آئے ہیں؟“
 ”میں شہسارے ایمانداری اور فرض شناسی کا انعام بن کر آیا۔ میں حوزہ خان کے سامنے تمہارا سر جھکے نہیں دوں گا۔“
 ”اب میں خود اپنی کامل دیر سے دتا ہے مگر ضرور دیتا ہے۔“
 ”میں نے پوچھا ”کیا تم چاہے ہو اس جرم کو رہائی نہ ملے؟“
 ”جے جے شک میں قانون کی سرحدیں چاہتا ہوں۔“
 ”شاہ خاں! تمہارے ملک کا قانون کون کی گواہی دینا گیا ہے۔“
 ”ن کواری تم فلاؤ کو نہیں کاٹ سکو گے۔ اس کے خلاف ثبوت فراہم کرنا ہی کرے رہو گے اور تمہارے بڑے وہ ثبوت ضائع کرتے ہیں گے۔“
 ”مجھے بھی کیا کرنا چاہئے؟“
 ”مجھ سے کوئی کالنے کے لئے لوہنا چاہئے۔ شیطان کو مارنے کے لئے شیطان جی چلنا چاہئے۔“
 ”آپ مجھے ایسا مشورہ دیں کہ میں قانون کے مطابق عمل کرتے ہوئے کامیابی حاصل کروں۔“
 ”بے شک بھی کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ تم محنت کرتے ہو گے۔ تمہارے بڑے اس محنت کو مٹی میں ملا دے رہے گے۔ ذرا تل سے سوچو۔ تمہارے اعلیٰ افسران غیر قانونی حرکتیں کر کے زمین کو کھنڈ دیتے ہیں۔ یعنی وہ دودی پھن کر جرم کرتے ہیں۔ اگر ابھی قانون سے ذرا ہٹ کر ایسی چال چلو کہ مجرموں کی کامیابیاں خراب ہیں۔ بل جائیں۔ حوزہ خان کو رہائی کا حکم ملے کے بعد بھی اسے رہائی نہ ملے تو یہ تمہاری اور قانون کی جیت ہوگی۔“
 ”بات مجھ میں آ رہی ہے۔ آپ مجھے گائیڈ کریں۔“
 ”تب سے پہلے یہ سمجھ لو کہ یہودیوں کے ٹیلی بیٹھی جانے لے تمہارے داغ میں ابھر جس غیر قانونی حرکتیں کرنے پر مجبور رہتے ہیں۔ اگر تم پرانی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لو گے تو وہ جس میں اپنے اشد دل پر نہیں چسکا سکیں گے۔“
 ”میں دشمنوں کی سوچ کی لہروں کو کیسے محسوس کر سکتا ہوں؟“
 ”تم آرام سے بہتر پریٹ جاؤ۔ اور مجھے توہی عمل کرنے واسطے ملے گا۔ تمہارا داغ حساس ہو جائے گا۔ تمہارے جیسا محنت مند جوان آسانی سے ایک منٹ تک سانس روک سکتا ہے۔“
 ”وہ راستہ ہو گیا۔ بہتر آرام سے لیٹ کر اس نے جسم کو ڈھیلا ہونو دیا۔ وہن کو میری طرف مائل کر دیا۔ میں نے بڑی آسانی سے اسے اپنے معمول کر کے اس کے داغ کو محسوس کیا کہ وہ آئندہ پرانی سوچ کی لہروں کو محسوس کرے گا اور سانس روک لیا کرے گا۔ صرف دنیا کی آواز اور لہجے کو محسوس نہیں کرے گا۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ قانون کی بالا دستی کے لئے بھی قانون سے ہٹ کر بھی عمل کیا کرے گا۔“

یہ عمل کرنے کے بعد میں بھی اپنے داغ کو بدایات دے کر سو گیا۔ اس سرائے میں میرا لگ کر انہیں تھا۔ وہاں ہر کرے میں چار یا چھ مسافر رہا کرتے تھے۔ میں محتاط رہ کر دوسروں سے الگ تنگ زندگی گزارتا تھا لیکن اس سرائے میں ”میں ایک معمولی سا“ عام سا مسافر تھا۔ وہاں میرا دل چوری ہو سکتا تھا مگر جان کا خلعہ نہیں تھا۔
 صبح پانچ بجے میری آنکھ کھلی گئی۔ میں سونیا کا لہجہ اختیار کر کے میردراز خان کے پاس آیا۔ اسے نیند سے بیدار کیا پھر اس کے اندر کوڈ نمبر لگا کر انہیں سننے سے روک دیا۔ وہ داغی طور پر غائب ہو گیا۔ خود کو بھول گیا۔ بہتر سے اٹھ کر اسٹور روم میں آیا۔ وہاں کچھ ہتھیار اور مختلف قسم کے بم رکھے ہوئے تھے۔ اس نے وہ دودھ اور ریموٹ کنٹرول کو اٹھایا پھر کو خفی کے باہر گیا۔ پورے دو گھنٹوں کا کھڑی تھیں۔ ایک شیراز اور دوسری ہڈیاں لگا کر دھیمی۔ ان دوسوں سے کوئی ایک گاڑی حوزہ خان کے لئے جانے والی تھی۔
 میردراز خان نے اس پاس نظر دوڑا نہیں۔ اتنی صبح کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے باری باری دونوں گاڑیوں کے نیچے جا کر ایک ایک بم کو وہاں باندھ دیا۔ پھر ہر نکل کر کو خفی کے اندر گیا۔ ریموٹ کنٹرول کو اس لباس کی جیب میں رکھا جسے وہ پہن کر جانے والا تھا۔ پھر جس نے اسے ایک کرسی پر بٹھا کر کوڈ نمبر سنائے۔ وہ فوراً داغی طور پر حاضر ہو گیا۔ ٹوہری دیر پہلے اس نے جو کچھ کیا تھا وہ اسے یاد نہیں رہا تھا۔
 میں نے غسل وغیرہ کے بعد لباس تبدیل کیا۔ پھر بھائی پراٹھے اور انڈوں کے آلیٹ کا ناشپاٹا۔ اس کے بعد جانے کی کمروراز خان کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بھی ناشپاٹے وغیرہ سے فارغ ہو رہا تھا۔ میں نے کوڈ نمبر کے ذریعے اسے قائل کیا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق ریسپورڈر افکار جیلر کے نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہونے پر بھائی ہوئی آواز میں بولا ”میں حوزہ خان کا دست ہے“ اس سے بات کرنا ملتا ہے۔
 دوسری طرف سے کہا گیا ”بولو آن پلیز۔“
 بیٹا باپ کے انتظار میں ریسپورڈر کان سے لگا پئے بیٹھا رہا۔ اسے خبر نہیں تھی کہ وہ باپ سے باتیں کسے والا ہے اور اپنی آواز اور لہجہ بدل چکا ہے۔ ٹوہری دیر بعد حوزہ خان کی آواز سنائی دی ”ہیلو“ میں حوزہ خان ہوں۔ تم کون ہے؟“
 ”میں بھی تمہارا مافیہ قہمیاؤں کا اسمکٹر ہے۔ تمہارا جیل میں رہنے سے میرا مال کا ڈھانڈا بڑھ جاتا ہے۔ میرے کو بہت منافع ہوتا ہے۔ میں تم سے عرض کرتا ہوں، تم ادھر چل میں رہو باہر میرے کو دھندا کر کے دو۔“
 حوزہ خان نے گواہی سے پوچھا ”خبر کا کچھ! تم کون ہے؟“
 ”میں تمہارا بچہ ہے۔ خود کو خبری مت بولو۔ ہم کو اپنا بچہ سمجھ کے دھندا کر کے دو۔ نہیں کہنے دے گا تو تمہارا زندگی کا خلاص ہو جائے گا۔“

حزہ خان نے ریسور کو غصے سے کریٹل پر پھوڑا۔ جیلر نے پوچھا "کیا بات ہے خان خاں؟"

"مذہب معلوم کون بڑول کا بچہ ہے۔ فون کا اوپر دھکی دیتا ہے" ہم باہر جا کر دیکھئے گا اس کا شامت آیا ہے۔"

جیلر کے پاس سے پھر میردراز خان کے پاس آیا۔ وہ ریسور رکھ کر فون کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے اس کے ڈیرے گاڑی اشارت ہونے کی آواز سنائی دی۔ اس نے کڑکی کے پاس آکر دیکھا۔ حزہ خان کا دست راست کار کی اسٹیرنگ سیٹ پر تھا۔ پیچھے دو گمن مین بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اپنے مالک کا استقبال کرنے جیل کی طرف جا رہے تھے۔

اس وقت آٹھ بجنے والے تھے۔ میں نے میردراز خان کے اندر اس کی اپنی سوچ کے ڈیرے لے کر "جیل میاں سے پندرہ منٹ کے فاصلے پر ہے۔ میں ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے میاں سے نکلوں گا۔ بابا جانی کے آدمیوں کی نظروں سے چھپ کر جیل سے دور رہوں گا۔ مجھے اس بات کا خاص خیال رکھنا ہے کہ وہاں کسی کو میری موجودگی کا علم نہ ہو۔"

میں اسے ضروری باتیں سمجھا کر دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ سرائے کی چارپائی پر بیٹھ کر زیادہ دیر خیال خوانی کے باعث میں دوسرے مسافروں کی توجہ کا مرکز بن جاؤں۔ لوگ مجھے حیرانی سے دیکھتے اور سوچتے کہ میں بے حس و حرکت ایک سی جگہ جم کر کیوں بیٹھا ہوں؟

ایک رات سرائے میں گزرنے کے بعد دانشمندی یہی ہوتی کہ کسی ہوٹل میں قیام کر دوں تاکہ بند کرے کے اندر کوئی مجھے مزاحمت نہ کر دیکھ سکے۔ میں نے چھوٹی سی اپنی میں اپنا سامان رکھا۔ پھر سرائے کے مالک سے مصافحہ کر کے ایک چھوٹے سے رہائشی ہوٹل میں گیا۔ کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کر کے گھنٹی دیکھی ساڑھے آٹھ ہو چکے تھے۔

پہلے میردراز خان کو دیکھا۔ وہ کار ڈرائیو کرتا ہوا کوٹھی کے احاطے سے نکل رہا تھا۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ وہ بڑی راز داری سے جیل کی طرف جا رہا ہے۔ وہاں اپنے لوگوں کی نظروں سے چھپنے کی حتی الامکان کوشش کرے گا۔

میں نے شاہ خان کو مخاطب کیا پھر کہا "فون پر حزہ خان سے بات کرو۔ اسے بتاؤ کہ جیل کے باہر اس کی زندگی خطرہ ہو جائے گی۔ اسے سلاخوں کے پیچھے رہنا چاہئے۔"

وہ ریسور اٹھا کر فہرذاً نکل کر تھے ہوئے بولا "معاملہ کیا ہے؟"

"میں قحویہ دیر بعد بتاؤں گا۔"

رابطہ قائم ہو گیا۔ جیلر کی آواز سنائی دی۔ شاہ خان نے اپنا نام بتا کر کہا "میں حزہ خان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

چند لمحات کے بعد حزہ خان کی آواز سنائی دی۔ وہ پوچھ رہا تھا۔ "جیلر آفسر بولو کیا بات ہے؟"

"خان خاں! ابھی ایک منٹ پہلے کسی انجینی نے مجھے فون کیا۔"

وہ بولا تھا جیل کے باہر حزہ خان کے لئے موت ہے۔ وہ حیات کا ہے تو باقی زندگی جیل کے اندر رہے۔"

وہ بولا "میں سمجھ گیا۔ اس خبر کا بچے نے میرے کو بھی ڈر کے اوپر دھکی دیا تھا۔ تم فکر مت کرو آفسر! تم میرا مخالف ہو میرے کو خطرے سے آگاہ کیا۔ میں تم سے بہت خوش ہے۔ پھر کو خدا مت کا موقع دو۔ میں تمہارا بہت کام آئے گا۔"

"خان خاں! میں رشوت نہیں لیتا۔ یہ تم اچھی طرح سمجھ گئے ہو۔ میں نے تمہیں اس لئے خطرے سے آگاہ کیا ہے کہ تم رہو اور میرے ہاتھوں عدالت میں پہنچ کر سزائے موت پاؤ۔"

اس نے زوردار قہقہہ لگایا پھر کہا "شاہباش آفسر شاہباش! بہت دیر ہے۔ ارادے کا پکا ہے۔ میں تم سے بہت خوش ہے۔ باہر آئے گا تو تم سے ملاقات کرے گا۔"

اس نے ریسور رکھ دیا۔ شاہ خان نے پوچھا "فردا صبح واقعی اس کی جان کو خطرہ ہے؟ مجھے اس کی حفاظت کے لئے چاہئے؟"

"یہی کوئی بات نہیں ہے۔ تم اور حزہ جاؤ۔ میرا وعدہ محفوظ رہے گا۔ میں ابھی تمہارے پاس آؤں گا۔"

میں نے جیلر کے پاس آکر دیکھا۔ نو بجے تھے۔ چنبر پکا مجھے تھے۔ حزہ خان رخصت ہونے کے لئے جیلر سے مصافحہ کر اور وہ کہہ رہا تھا "خان خاں! ہم آپ کے خادم ہیں۔ رہ کرنے کے لئے جیل کے بیرونی گیٹ تک جاؤں گے۔"

وہ تمام سرکاری ملازم حزہ خان کے آس پاس چلے ہوئے کی طرف جانے لگے۔ میں میردراز خان کے پاس آیا۔ اس نے اپنی ہارنیل سے بہت دور کڑکی کی تھی۔ وہاں سے پیدل آئے اس کے باپ کے لئے آئی ہوئی ہنڈا ایکڑوٹ سے زوردار ہونٹی تھی۔ جیسے ہی گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھلا، میں نے دروازہ ایکشن پر مجبور کیا۔ اس نے نہ موت کنٹرول کا رخ ہنڈا ایک طرف کیا پھر ایک جھن کو دبا دیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک زور دھماکا ہوا۔ حزہ خان گیٹ کے چھوٹے دروازے سے جھک آتا چاہتا تھا، دھماکا ہوتے ہی الٹ کر پیچھے دوبارہ جیل کے آگے گرا۔

اس کا دست راست اور ایک گمن مین گیٹ کے پاس بھی چھلا نکلیں لگا کر جیل کے احاطے میں چلے آئے۔ دوسرا اپنے مالک کے لئے کار کا دروازہ کھولنے کے لئے وہیں موجود اب بے وجود ہو کر رہ گیا تھا۔ کار کے ساتھ اس کے بھی چڑا گئے تھے۔

میں نے دروازہ خان کو اس کی کوٹھی کی طرف روانہ کیا۔ اس کے پاس آیا۔ اس کی سوچ تاریکی تھی کہ حزہ خان بہت خفیہ ہے "موت سے نہیں ڈرتا۔ خطرات سے کھیلنے کا مادی ہے۔ وقت حواس باختہ ہو گیا تھا۔ کیونکہ ایسا چاہک ہوا تھا۔ وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی دشمن اتنی دیر کی دھمکا

میرحزہ خان جیسے خطرناک شخص کی چھ لاکھ کی گاڑی کو تباہ کر دے گا۔ جیلر نے ہینٹ پوچھتے ہوئے کہا "خان خاں! خدا کا شکر ادا کرو۔ سچہ کرو۔ اگر چند سیکنڈ پہلے باہر جاتے اور اس گاڑی میں بیٹے پڑ جاتے؟"

دست راست نے کہا "آپ کے ایک باڈی گارڈ کے نزدیک ہو گئے ہیں۔"

میرحزہ خان غلام میں تک رہا تھا۔ اس کی دماغی حالت کسی تھی یہ میں معلوم نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن چہرے کا پینہ بتا رہا تھا کہ وہ ریٹان ہو گیا ہے۔ وہ فرش پر سے اٹھ کر اپنے لباس کو جھانکا ہوا جیلر کے دفتر کی طرف جانے لگا۔ جیلر نے ایک سپاہی سے کہا۔ "دوڑ کے جاؤ خان خاں کے لئے ٹھنڈی بوتل لے آؤ۔"

"نہیں....." حزہ خان نے دہانے ہوئے کہا "ٹھنڈا بوتل میں بھی ساش ہو سکتا ہے۔ اور میرا پاس ہے یہ بیجز ہٹاؤ۔ ابھی میرے کو سمجھ دو کون دوست ہے کون دشمن ہے؟"

پھر اس نے اپنے دست راست سے کہا "اے شیراز! جاؤ جلدی جاؤ۔ کشمر صاحب کو، آئی جی صاحب کو بولو۔ اور میرے ساتھ میں کیا ہوتا ہے۔ اپنا حواری لوگ کو دشمن کا پیچھے دو ڈاؤ۔ جو میرا دشمن کو چکڑے گا، میں اس کو پاکستان کا کرٹھی میں قتل دے گا۔"

شیراز ریسور اٹھا کر کشمر کے فہرذاً نکل کر گئے۔ میں دروازہ خان کے پاس آیا۔ وہ اپنی کوٹھی میں دایاں آگیا تھا۔ میں نے اس کے ڈیرے فون پر آئی جی سے رابطہ کیا۔ اس کی آواز سن۔ پھر ریسور رکھ دیا۔ آئی جی کے خیالات بدھنے لگا۔ قحویہ دیر بعد ہی فون کی گھنٹی سنائی دی۔ آئی جی نے ریسور اٹھا دیا۔ دوسری طرف سے کشمر نے کہا "سینٹرل جیل کے سامنے میرحزہ خان کی کار کو بم سے اڑا دیا گیا ہے۔ آپ وہاں فوراً پہنچیں۔ میں بھی آ رہا ہوں۔"

"میں ابھی میاں سے نکل رہا ہوں۔"

وہ ریسور رکھ کر بڑبڑانے لگا "کیا مشکل ہے۔ حزہ خان ہمارے ملک کا بدترین مجرم ہے۔ لیکن اسے دی آئی جی ٹرٹس دینا چاہتا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہو تاکہ یہودیوں سے رشوت لینے کے بعد ان کا غلام بن جاؤں گا اور سلامتی کی یہ ودی بہن کر بدترین مجرموں کا خدمت گار بن جاؤں گا۔ تو میں بھی رشوت قبول نہ کرتا۔"

میں نے اس کی سوچ میں پوچھا "کیا میں اس غلامی سے آزاد نہیں ہو سکتا؟"

"نہیں ہو سکتا۔ میری بیٹی لندن میں اور بیٹا شکاگو میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان کے اخراجات ایک ایسا یہودی سرمایہ دار برداشت کر رہا ہے جسے میں نہیں جانتا۔ اگر میں فرض شناسی دیکھاں گا تو وہاں میری بیٹی اور بیٹے سلامت نہیں رہیں گے۔ مجھے دیکھ دی گئی ہے کہ جب تک میں ان کا وقار دہوں گا میرے دل میں بے دایاں عیش و آرام سے محفوظ رہیں گے۔ ورنہ ان کی لاشیں میاں پہنچیں گی۔"

جاگوسی ڈائجسٹ کا دلچسپ ترین سلسلہ

انسان کی ترقی و تہذیب کے حیات افروز واقعات صدیقوں سے زندہ ایک پراسرار شخص کی آپ بیتی، ہوا جس کی دوست تھی، مہمند رجس کے لیے آغوشِ مادر تھا، آگ اس کے بدن کو تودیتی تھی۔

وہ کہانی جس نے اپنے وقت میں مقبولیت کے ریکارڈ توڑ دیے

پانچ حصوں میں مکمل

قیمت فی حصہ ۲۵ روپے • ڈاک خرچ فی حصہ ۱۰ روپے

کاپیٹا کی کہانی

رشت خوری نے اسے بری طرح پھانسل لیا تھا۔ اسے دلدل سے نکالنے میں بڑا وقت لگنے والا تھا۔ فی الحال حمزہ خان سے منشا تھا۔ میں کھنڈر کے پاس آیا۔ وہ ایک گاڑی کی بچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا جیل کی طرف جا رہا تھا۔ اگلی سیٹوں پر سپاہی ڈرائیور اور باڈی گاؤز بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کھنڈر کے ذریعے ڈرائیور کی آواز سنی پھر آئی جی کے پاس گیا۔ وہ بھی اپنی گاڑی کی بچھلی سیٹ پر بیٹھ کر جا رہا تھا۔ میں نے اس کے ذریعے بھی اس کے ڈرائیور کی آواز سنی۔ کھنڈر اور آئی جی اپنی اپنی گاڑیوں میں آگے پیچھے سینٹیل جیل کے گیٹ کے پاس بیٹھے گاڑیوں کو گیٹ سے ذرا دور ٹھہرا لیا پھر حمزہ خان کی تباہ شدہ گاڑی کو دیکھا۔ کھنڈر نے کہا ”خان خان کا کوئی زبردست دشمن پیدا ہو گیا ہے۔ ہمیں اس کی حفاظت کا مکمل انتظام کرنا ہو گا۔“

آئی جی نے کہا ”میں خان خان کو اپنی نگرانی میں یہاں سے لے جاؤں گا۔ وہ جہاں جانا چاہے گا اسے سخت فالت پھیناؤں گا۔“ وہ دونوں اپنے سپاہیوں کے ساتھ سیٹ کے چھوٹے دواڑے سے گزر کر محل کے احاطے میں چلے گئے۔ میں۔۔ ایک ڈرائیور کے دماغ پر بیٹھ بھاگ گاڑی کی پٹرول کی تنگی کی پاس لے گیا۔ اس نے جیب سے چاقو نکال کر اسے کھولا پھر اس کی نوک سے تنگی میں ننھا سا سوراخ کر دیا۔

اس کے بعد ڈرائیور کو دوسری گاڑی کے پاس لے گیا۔ اس گاڑی کا ڈرائیور بان سگریٹ کی دکان کے پاس کھڑا سگریٹ سلگانے کے لئے دوا سلائی خرید رہا تھا۔ ڈرائیور نے دوسری گاڑی کی تنگی میں بھی سوراخ کر دیا۔

اب دونوں گاڑیوں کی تنگیوں سے پٹرول چلی سی دھار کی صورت میں برہ رہا تھا۔ گاڑیوں کے نیچے سے ہوتا ہوا اور جا رہا تھا۔ جیل کے دفتر میں کھنڈر، آئی جی اور میر حمزہ خان کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ذی الیس بی شاہ خان ان کے سامنے کھڑا ہوا کہ رہا تھا ”میں نے خان خانان کے خلاف نفوس ثبوت حاصل کئے تھے۔ سوچا تھا ایک خطرناک مجرم کو سزا سے موت ملے گی یا عمر قید۔“

کھنڈر نے شاہ خان سے کہا ”ایسی کو اس کہنے کا یہ کون سا وقت ہے۔ خان خانان کو یہاں سے بوجھاتے لے جانے کی بات کرو۔ تمہارے آئی جی صاحب خان خانان کو اپنی نگرانی میں لے جائیں گے۔ تم بھی ان کے ساتھ۔“

شاہ خان نے کہا ”سر! میں خان خانان کو یہاں سے نہیں لے جاؤں گا۔“ وہ بیٹھے اٹھ کر بولا ”تم میرے حکم سے انکار کر دو گے؟“ ”نوسر! میں جو چیز افسر ہوں۔ جائز اور ناجائز ہر حکم کی تعمیل کرتا ہوں لیکن اس اوپر والے کا حکم ہے کہ خان خانان تمام عمر جیل میں رہے۔ ورنہ باہر عمر تمام ہو جائے گی۔“

رشت خوری نے اسے بری طرح پھانسل لیا تھا۔ اسے دلدل سے نکالنے میں بڑا وقت لگنے والا تھا۔ فی الحال حمزہ خان سے منشا تھا۔ میں کھنڈر کے پاس آیا۔ وہ ایک گاڑی کی بچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا جیل کی طرف جا رہا تھا۔ اگلی سیٹوں پر سپاہی ڈرائیور اور باڈی گاؤز بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کھنڈر کے ذریعے ڈرائیور کی آواز سنی پھر آئی جی کے پاس گیا۔ وہ بھی اپنی گاڑی کی بچھلی سیٹ پر بیٹھ کر جا رہا تھا۔ میں نے اس کے ذریعے بھی اس کے ڈرائیور کی آواز سنی۔ کھنڈر اور آئی جی اپنی اپنی گاڑیوں میں آگے پیچھے سینٹیل جیل کے گیٹ کے پاس بیٹھے گاڑیوں کو گیٹ سے ذرا دور ٹھہرا لیا پھر حمزہ خان کی تباہ شدہ گاڑی کو دیکھا۔ کھنڈر نے کہا ”خان خان کا کوئی زبردست دشمن پیدا ہو گیا ہے۔ ہمیں اس کی حفاظت کا مکمل انتظام کرنا ہو گا۔“

آئی جی نے کہا ”میں خان خانان کو اپنی نگرانی میں یہاں سے لے جاؤں گا۔ وہ جہاں جانا چاہے گا اسے سخت فالت پھیناؤں گا۔“ وہ دونوں اپنے سپاہیوں کے ساتھ سیٹ کے چھوٹے دواڑے سے گزر کر محل کے احاطے میں چلے گئے۔ میں۔۔ ایک ڈرائیور کے دماغ پر بیٹھ بھاگ گاڑی کی پٹرول کی تنگی کی پاس لے گیا۔ اس نے جیب سے چاقو نکال کر اسے کھولا پھر اس کی نوک سے تنگی میں ننھا سا سوراخ کر دیا۔

اس کے بعد ڈرائیور کو دوسری گاڑی کے پاس لے گیا۔ اس گاڑی کا ڈرائیور بان سگریٹ کی دکان کے پاس کھڑا سگریٹ سلگانے کے لئے دوا سلائی خرید رہا تھا۔ ڈرائیور نے دوسری گاڑی کی تنگی میں بھی سوراخ کر دیا۔

اب دونوں گاڑیوں کی تنگیوں سے پٹرول چلی سی دھار کی صورت میں برہ رہا تھا۔ گاڑیوں کے نیچے سے ہوتا ہوا اور جا رہا تھا۔ جیل کے دفتر میں کھنڈر، آئی جی اور میر حمزہ خان کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ذی الیس بی شاہ خان ان کے سامنے کھڑا ہوا کہ رہا تھا ”میں نے خان خانان کے خلاف نفوس ثبوت حاصل کئے تھے۔ سوچا تھا ایک خطرناک مجرم کو سزا سے موت ملے گی یا عمر قید۔“

کھنڈر نے شاہ خان سے کہا ”ایسی کو اس کہنے کا یہ کون سا وقت ہے۔ خان خانان کو یہاں سے بوجھاتے لے جانے کی بات کرو۔ تمہارے آئی جی صاحب خان خانان کو اپنی نگرانی میں لے جائیں گے۔ تم بھی ان کے ساتھ۔“

شاہ خان نے آئی جی سے پوچھا ”سر! کیا میں جاسکتا ہوں؟“ کھنڈر نے کہا ”ہم پر مصیبت آئی ہوئی ہے اور تم چھٹی ٹانگ رہے ہو۔ مسٹر فریڈ نے تمہیں ہماری نگرانی کے لئے مقرر کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے مسٹر فریڈ سے تمہارا رابطہ رہتا ہے۔“

”سر! آپ میری بات نہ کریں اپنی فکر کریں۔“

”فکر سے میری آجھی جان جا رہی ہے۔ کیا آج شام کو تم کسی وقت فریڈ صاحب سے رابطہ کر سکتے ہو؟“

”اگر وہ میرے دماغ میں آئیں گے تو میں آپ کا پیغام پہنچا دوں گا۔“

کھنڈر نے آئی جی اور حمزہ خان سے کہا ”میں کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ آئیے ہم کسی کمرے میں بیٹھیں گے۔“

جیل نے ان کے لئے دفتر کے ساتھ والا کمرہ کھل دیا۔ ان تینوں نے اندر آکر دروازے کو بند کر لیا پھر کھنڈر نے آئی جی اور حمزہ خان سے کہا ”یہاں آرام سے بیٹھ کر صرف ایک سوال کا جواب سوچو کہ کل صبح کو بیچے ہمارا انجام کیا ہو گا؟ سوسائٹی میں اور سرکاری شیعوں میں ہماری عزت ہے۔ کل وہ ہمیں نکال کر کے عوام کے سامنے دوڑائے گا اور اقبال جرم کرائے گا تو ہم اور ہمارے بیچے کسی کو کھنڈر دکانے کے قابل نہیں رہیں گے۔“

حمزہ خان نے کہا ”بے شک پریشانی کی بات ہے۔ میرا خلاف جتنا ثبوت تھا اسے آپ نے ختم کر دیا۔ اس کے باوجود کل وہ میرے کو ذبح کرے گا۔ میرے دماغ میں مجھے گا اور میرے سے اقبال جرم کرے گا۔ یہ ٹیلی ویژن پر جتنا شیطانی فلم ہے۔ یہ تو میں اچھی طرح سمجھ گیا۔ فریڈ ہم کو نہیں چھوڑے گا۔ ہم سب کو ذبح کرے گا۔“

آئی جی نے کہا ”تم ذبح نہیں ہو گے تو قیامت نہیں آئے گی۔ تم تو پہلے بھی بدنام قاتل اور مجرم تھے۔ عزت تو ہم عزت داروں کی جائے گی۔ جب میں پہلی بار یہودیوں سے سوئے بازی کر رہا تھا تب میری بیوی نے سمجھا تھا، آپ تو ہڈیاں کھائیں، تم کھڑا کھائیں گے۔ اپنے بچوں کو کھانا میں ختم کر لاؤں گے۔ اسیں لندن اور شکاگو سمجھنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اُن دنوں میں اونچا اور ہڈا تھا۔ میری بیوی مجھے تھوڑا دان اور اتنی نظر آ رہی تھی۔ جب مجھے تمہارے پیسے بچروں کے سامنے جگ کر بات کرتا تھا تب میری برتری اور خود داری کو نہیں پہنچی۔ جب میں نے تمہارے خلاف ملنے والے تمام ثبوت کو مٹانے کے لئے انکار کیا تو دھکی دھکی گئی کہ میری بیوی لندن سے اور بیٹا شکاگو سے زندہ واپس نہیں آئیں گے۔ تب میرے ضمیر نے لامنت کی۔ میں نے جھوٹی نمائش اور جھوٹی شان و شوکت کے لئے اپنے بچوں کو یہودیوں کے پاس گروی رکھ دیا ہے۔“

کھنڈر نے کہا ”جو ہو گیا۔ سو ہو گیا۔ جو ہوئے والا ہے اُس کی

اور آیا ہے۔ ابھی وہ پاور سے ملاقات کرو۔ اس کو فون کر کے بولو ہمارا تمہارا جان غدا میں ہے۔ اس کو بولو ”ادھر آؤ“ ہمارا مدد فرماؤ۔“

وہ مکمل کر یہودی نہیں کہ رہا تھا۔ یہودیوں کو باور کہ رہا تھا۔ میں نے ایک سٹاپائی کی زبان سے کہا ”میں فریڈ علی بیورل رہا ہوں۔“

سب نے چونک کر اُس سپاہی کو دیکھا، میں نے کہا ”یہ بیچارہ سپاہی فریڈ نہیں ہے۔ میں اس کے دماغ پر قبضہ تھا کہ اس کی زبان سے بول رہا ہوں۔“

میں نے سپاہی کی گمن سے حمزہ خان کا نشانہ لیتے ہوئے پوچھا ”موت تم سے کتنی دور ہے؟ میں چاہتا تو جیل کے کسی سپاہی کے ذریعے تم پر حملہ چلاؤں۔ تمہیں ذبحی کرنا پھر تمہارے دماغ پر حکومت کرنا۔ تمہاری بو کاگی مہارت دھری کی دھری رہ جاتی۔“

حمزہ خان پریشان ہو کر گن کی ٹال کو بیٹی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ موت سے خوف زدہ نہیں تھا۔ پریشانی یہ تھی کہ ذبحی ہو گا تو فریڈ کا غلام بن جائے گا۔

میں نے کہا ”میں تمہیں ذبحی نہیں کروں گا۔ تمہیں اپنا معمول اور آواز کار نہیں بنانا۔ تمہیں یہ دکھانا کہ یوگا کی مہارت کے باوجود تم میری جوتیاں میں ہو۔ تم جیل سے باہر قدم نہیں رکھ سکو گے۔ میں تمہیں چوبیس گھنٹوں کی مسلت دیتا ہوں۔ اپنے یہودی آقاؤں کی جتنی مدد حاصل کر سکتے ہو کرو۔ ان دو اعلیٰ افسروں کو بھی اتنی ہی مسلت دے رہا ہوں۔ کل صبح کو بیچے تک تم تینوں کو اگر قین ہو جائے کہ یہودی آقا تمہارے کام نہیں آئیں گے تو حمزہ خان تم کھنڈر اور آئی جی کے سامنے تحریری بیان دو گے۔ اپنے تمام چھوٹے بڑے جرائم کا اعتراف تحریری طور پر کر دو گے۔ کھنڈر اور آئی جی تمہارا تحریری بیان لے کر عدالت میں جائیں گے۔ بیچ صاحب کے سامنے وہ بھی یہودیوں کے دلائل ہونے کا تحریری طور پر اعتراف کریں گے اور یہ سب کارروائیاں ذی الیس بی شاہ خان کی نگرانی میں ہوں گی۔“

وہ سب گم گم ہو کر میری باتیں سن رہے تھے۔ میں نے کہا ”کل صبح میرے انکامات کی تعمیل نہ ہوئی تو میں سب سے پہلے حمزہ خان کو ذبحی کر کے اس کے دماغ پر قبضہ کر لوں گا۔ پھر تمہیں کو پٹاڑے سے دوڑائے ہوئے اسلام آباد لے جاؤں گا۔ وہاں قانون مارا دارے کی چوکت پر تم تینوں سمراتے مارے مرناؤ گے۔ قانون شکن افسروں اور دلاؤں کو قانون کی دہلیز پر ہی تماشا بن کر رکنا چاہئے تاکہ دوسرے ہجرت حاصل کریں۔ میں جا رہا ہوں، کل نکالوئے آؤں گا۔“

میں سپاہی کے دماغ کو آزاد چھوڑ کر شاہ خان کے دماغ میں آ گیا۔ وہ بہت خوش ہوا تھا اور مطمئن تھا کہ ٹیڑھے راستے سے کسی قانون کی بالادستی خیال ہو رہی ہے۔ ورنہ کی عزت بھی بڑا زور نہ پگے۔ جتنیں وہ انتھک محنت کے باوجود بے نقاب نہیں

کرتا ہو گا۔ میرا کھانا اس کو اپنی نگرانی میں یہاں سے لے جاؤں گا۔ وہ جہاں جانا چاہے گا اسے سخت فالت پھیناؤں گا۔“ وہ دونوں اپنے سپاہیوں کے ساتھ سیٹ کے چھوٹے دواڑے سے گزر کر محل کے احاطے میں چلے گئے۔ میں۔۔ ایک ڈرائیور کے دماغ پر بیٹھ بھاگ گاڑی کی پٹرول کی تنگی کی پاس لے گیا۔ اس نے جیب سے چاقو نکال کر اسے کھولا پھر اس کی نوک سے تنگی میں ننھا سا سوراخ کر دیا۔

اس کے بعد ڈرائیور کو دوسری گاڑی کے پاس لے گیا۔ اس گاڑی کا ڈرائیور بان سگریٹ کی دکان کے پاس کھڑا سگریٹ سلگانے کے لئے دوا سلائی خرید رہا تھا۔ ڈرائیور نے دوسری گاڑی کی تنگی میں بھی سوراخ کر دیا۔

اب دونوں گاڑیوں کی تنگیوں سے پٹرول چلی سی دھار کی صورت میں برہ رہا تھا۔ گاڑیوں کے نیچے سے ہوتا ہوا اور جا رہا تھا۔ جیل کے دفتر میں کھنڈر، آئی جی اور میر حمزہ خان کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ذی الیس بی شاہ خان ان کے سامنے کھڑا ہوا کہ رہا تھا ”میں نے خان خانان کے خلاف نفوس ثبوت حاصل کئے تھے۔ سوچا تھا ایک خطرناک مجرم کو سزا سے موت ملے گی یا عمر قید۔“

کھنڈر نے شاہ خان سے کہا ”ایسی کو اس کہنے کا یہ کون سا وقت ہے۔ خان خانان کو یہاں سے بوجھاتے لے جانے کی بات کرو۔ تمہارے آئی جی صاحب خان خانان کو اپنی نگرانی میں لے جائیں گے۔ تم بھی ان کے ساتھ۔“

شاہ خان نے کہا ”سر! میں خان خانان کو یہاں سے نہیں لے جاؤں گا۔“ وہ بیٹھے اٹھ کر بولا ”تم میرے حکم سے انکار کر دو گے؟“

”نوسر! میں جو چیز افسر ہوں۔ جائز اور ناجائز ہر حکم کی تعمیل کرتا ہوں لیکن اس اوپر والے کا حکم ہے کہ خان خانان تمام عمر جیل میں رہے۔ ورنہ باہر عمر تمام ہو جائے گی۔“

حمزہ خان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا ”میرے حمزہ خان دشمن کے دھماکے سے نہیں ڈرے گا۔ میں اندر تھا باہر اس کا دوا چل

کرتا ہوں لیکن اس اوپر والے کا حکم ہے کہ خان خانان تمام عمر جیل میں رہے۔ ورنہ باہر عمر تمام ہو جائے گی۔“

کھنڈر نے کہا ”جو ہو گیا۔ سو ہو گیا۔ جو ہوئے والا ہے اُس کی

بات کریں۔ "مہر خان نے کہا "ایک بات تو کا ہے۔ فراد ہم سب سے اقبال جرم کر اے گا۔ میں تو نہیں کرے گا کیا آپ کرے گا؟"

"میں کوئی اپنی خوشی سے اپنے جرائم قبول نہیں کرتا ہے۔ اس لئے وہ جہز ایسا کر اے گا۔ کیا یہودی آقا ہمیں تحفظ دیں گے؟"

"کیوں نہیں دے گا۔ ضرور دے گا۔ ہم اور آپ پاکستان میں یہودی برادر کا واسطے بہت اہم ہے۔ میرا دست راست ٹرانسپیر سے مشکو کرے گیا ہے۔ اہی وہی آگے تباہے گا۔ آپ حوصلہ کرؤ ہم سب کو فراد کا ٹیلی بیسی سے تحفظ ملے گا۔ ضرور ملے گا۔"

میں بھی آئی جی اور بھی کشتہ کے چور خیالات پڑھ رہا تھا۔ کشتہ کو حمزہ خان کی طرح یہودیوں پر مجبور ہوا تھا۔ لیکن آئی جی دل سے بچتا رہا تھا۔ اس نے کھڑی دیکھتے ہوئے کہا "دس بج کر پندرہ منٹ ہو چکے ہیں، میں منصف سردار علی خان کی عدالت میں جا رہا ہوں۔ ان کے سامنے اقبال جرم کروں گا۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کشتہ نے اٹھ کر کہا "یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ اس کا انجام جانتے ہیں؟ کیا آپ اپنی جی اور بیٹے کی زندگی داؤ پر لگا رہے ہیں؟"

"میں نے یہودیوں کی پابندیاں قبول کرتے وقت یہ نہیں سوچا کہ میں ایک مسلمان کے ضمیر کو کچھ رہا ہوں اور پاکستان کے وقار کو نہیں بچتا رہا ہوں۔ کیا جی اور بیٹا ہمارے مذہب اور ہمارے وطن سے زیادہ اہم ہیں؟ میں جی اور بیٹے کی قربانیاں دے کر کفارہ ادا کروں گا۔ میرے اقبال جرم سے اور اولاد کی قربانیوں سے دوسرے پولیس والے فخرت حاصل کریں گے تو ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے لئے یہ میرا بہترین عمل ہوگا۔" وہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔

حمزہ خان نے کہا "بزدل کا بچہ۔ فراد کا خوف سے اقبال جرم کرتا ہے۔"

کشتہ نے پوچھا "کیا ہم فراد سے محفوظ رہیں گے؟"

"ضرور۔ اسرائیل بہت چھوٹا ملک ہے۔ دنیا کا نقشہ میں ناخن کے برابر ہے۔ مگر وہ امریکا جیسا سپر پاور کو کھاتا ہے۔ ہم دونوں اسرائیلیوں کا ایجنٹ ہے۔ جب امریکا چاہتا ہے تو کل نو بجے سے پہلے فراد بھی تباہے گا۔"

میں کشتہ کے داغ سے نکل آیا۔ انہیں اپنا اپنا مقدر آزمائے کے لئے چوس چوس گھنٹوں کی ملت دے چکا تھا۔ اس لئے مجھے حمزہ خان کی باتوں پر غصہ نہیں آیا۔ میں آئی جی کے داغ میں آیا۔ وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھا عدالت کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے اس کی زبان سے کہا "ڈرائیور! راستہ بدل دو۔" ٹیکسٹ منٹ کی طرف چلے۔

ڈرائیور جیسی کرودک کو واپس موڑنے لگا۔ آئی جی نے حیرانی سے سوچا "میں نے ارادہ کیوں بدل دیا ہے۔ اپنے کمر کی طرف کیوں

جا رہا ہوں؟"

میں نے کہا "مسٹر عدالت! اللہ! عدالت نہیں جاؤ گے۔"

وہ حیرانی سے بولا "کیا میرے اندر مسٹر فراد بول رہے ہیں؟"

"ہاں، میں ہوں۔ میں نے تمہاری ٹیک نیٹی پڑھ لی ہے۔ تم اپنی غلطیوں پر دل کی گمراہی سے بچتا رہے ہو۔ اگر تمہیں یہودیوں کے شکبے سے رہائی مل جائے تو تم پولیس ڈیپارٹمنٹ کے فرض شناس افسرین کو قانون کی بلادستی قائم رکھ سکتے ہو۔"

"خدا کا شکر ہے۔ آپ نے اپنے ظلم کے ذریعے میرے اندر کی سچائی کو پڑھ لیا ہے۔"

"تمہاری سچائی کا انجام تمہیں ملے گا۔ میں تمہاری جی اور بیٹے کو زندہ سلامت تمہارے پاس پہنچاؤں گا۔"

"کیا واقعی؟" وہ حیرت اور سترت سے غلامیں کھنکے گا۔

"ہاں، مجھے اپنی جی اور بیٹے کے سرپرست یہودیوں کے ہم اور پتہ بتاؤ۔ کیا ان کی تصویریں ہیں؟"

"میں ان سرپرستوں کو کہیں جانتا ہوں۔ ایک ٹڈل میں ہے۔ ہمارے اور یہودیوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ بنتا ہے۔ میں اس کے ذریعے اپنی بات یہودیوں تک پہنچاتا ہوں اور یہودی بھی اپنا پیغام اسی کے ذریعے مجھے تک پہنچاتے ہیں۔"

وہ اپنی کونجی کے سامنے بچھ گیا۔ ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر رخصت کیا پھر اندر جا گئے۔ میں نے کہا "اس ٹڈل میں سے فون پر بات کرو۔"

اس نے کمرے میں آکر فون کا ریسیور اٹھایا پھر نمبر ڈال کر کہنے لگا۔ "تھوڑی دیر میں رابطہ ہو گیا۔ دوسری طرف سے کمر عورت کی آواز سنائی دی۔" ٹیکسی میں سزارش بول رہی ہوں۔"

آئی جی نے کہا "سزارش! ایس! ایکس! دن بول رہا ہوں اور ایکس! دن دن نوے سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"پلیز بولہ آن۔"

میں سزارش کے داغ میں پہنچ گیا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ اس کے شوہر مارش کا کوڈ نمبر ایکس! دن دن نوے۔ دونوں مبارک ہو گیا۔ وہ اپنے بچوں کی وجہ سے ہمارے دباؤ میں نہیں رہے گی۔

"یہ تشویش کی بات ہے۔ تم اپنی رہائش گاہ میں ایسی کوئی چیز نہ رکھو جو تمہارے خلاف ثبوت بن جائے۔ جب وہ ثابت نہیں کرے گا کہ تم یہودی تنظیم کے ٹڈل میں ہو تو پھر گرفتار بھی نہیں کرے گا۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ سربراہ کے خیالات نے بتایا کہ پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا اور افغانستان میں سراغ رسانی اور مالی مقاصد حاصل کرنے کے لئے یہودی تنظیم کا ایک دفتر دہلی میں قائم کیا گیا ہے۔ اس تنظیم کے چند بڑے داغ دہلی میں بینہ کر افغانستان، سری لنکا، بنگلہ دیش اور پاکستان کے ذریعہ ایجنٹوں کی راہنمائی کرتے رہتے ہیں۔

سربراہ نے ٹرانسپیر کو آف کر کے ان تین افراد کو دیکھا جو

آئی جی ہدایت اللہ آج سے اپنے ملکی قوانین کے خلاف کوئی کام نہیں کرے گا۔ اور قانون توڑنے والوں کو عدالت اور جیل میں پہنچائے گا۔ قانون توڑنے والوں کی فہرست میں تمہارا نام بھی ہے۔"

"مہم۔ ہو ش میں تو ہو مسٹر ایکس! دن؟"

"اب میں ایکس! دن نہیں رہا۔ میں صرف پولیس ڈیپارٹمنٹ کا آئی جی ہوں۔"

"کلیا تم اپنی جی اور بیٹے کو بھول گئے ہو؟"

"میں نے ایمان اور فرض کے سامنے خون کے رشتوں کو بھولا دیا ہے۔ اب تم میری نہیں اپنی فکر کرو۔"

آئی جی نے ریسیور رکھ دیا۔ مارش نے ہیلو بیلو کہہ کر آواز دیں وہیں پھر ریسیور رکھ کر تجزی سے چٹا ہوا اپنے بیڈ روم میں آیا۔ وہاں دو دربار ایک ہدی سی تصویر لگی ہوئی تھی۔ اس نے تصویر کو ہٹایا اس کے پیچھے ایک بڑا سا ٹرانسپیر رکھا ہوا تھا۔ اس نے اسے اترتے کیا۔ اس کے خیالات بتا رہے تھے کہ یہودی تنظیم کا سربراہ دہلی میں رہتا ہے۔

اس نے رابطہ قائم ہونے کے بعد سربراہ سے کہا "سراگز پروہو ری ہے۔ تھوڑی دیر پہلے میں سے آپ کو بتایا تھا کہ فراد نے پشاور سینٹرل جیل کے سامنے ہمارے تین اہم ایجنٹوں کی گاڑیاں تباہ کر دی ہیں اور پہنچ گیا ہے کہ حمزہ خان رہائی کے حکم نامے کے باوجود جیل سے باہر نہیں نکل سکے گا۔ اب دوسری اطلاع یہ ہے کہ آئی جی ہدایت اللہ نے ہمارا آڈل کاربن کر رہے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے اپنے ملک کے خلاف کام کرنے والوں کو گرفتار کرے گا۔ اس نے مجھے بھی گرفتار کرنے کی دھمکی دی ہے۔ آپ کا بیڑہ کریں، مجھے ایک کیا کرنا چاہئے؟"

"دوسری طرف سے پوچھا گیا۔" کیا اسے اپنے جوان بچوں کی فکر نہیں ہے؟"

"جی نہیں۔ وہ اپنے فرائض پر بچوں کو قربان کرنے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ وہ اپنے بچوں کی وجہ سے ہمارے دباؤ میں نہیں رہے گی۔"

"یہ تشویش کی بات ہے۔ تم اپنی رہائش گاہ میں ایسی کوئی چیز نہ رکھو جو تمہارے خلاف ثبوت بن جائے۔ جب وہ ثابت نہیں کرے گا کہ تم یہودی تنظیم کے ٹڈل میں ہو تو پھر گرفتار بھی نہیں کرے گا۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ سربراہ کے خیالات نے بتایا کہ پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا اور افغانستان میں سراغ رسانی اور مالی مقاصد حاصل کرنے کے لئے یہودی تنظیم کا ایک دفتر دہلی میں قائم کیا گیا ہے۔ اس تنظیم کے چند بڑے داغ دہلی میں بینہ کر افغانستان، سری لنکا، بنگلہ دیش اور پاکستان کے ذریعہ ایجنٹوں کی راہنمائی کرتے رہتے ہیں۔

سربراہ نے ٹرانسپیر کو آف کر کے ان تین افراد کو دیکھا جو

علم ہینارم پر ایک نئی کتاب

ایک ماہر ہینارم نے تحریر کیا ہے

قیمت ۲۰ روپے۔ ڈاک فرج ۱۰ روپے

اردو زبان کی سب سے اہم علمی و تحقیقی تصاویر بھی دی گئی ہیں۔

- ہینارم کے بارے میں آج تک کی تمام تحقیقات کا مجموعہ
- جدید طریقے اور مشقیں
- ہینارم کی مشقوں کے لیے مکمل لکھ لکھ اور پورا پورا گرامر
- ہینارم کے مسائل کے جواب
- ہینارم کے موضوع پر ایک مکمل اور مستند کتاب جس میں مصنف کے ذاتی تجربے بھی شامل ہیں۔

اردو کا زور ہے لیسہ دائرہ اور مشقوں کو سمجھنے کے لیے حقیقی تصاویر۔

مکمل ہینارم لیسٹ

قرب ہی صوفیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ تینوں اس تنظیم کے بہترین داغ تسلیم کئے جاتے تھے۔ ان کی پلاننگ اور مشوروں کے مطابق بھارت کے ہندو ملکوں میں سازشی کارروائیاں کی جاتی تھیں۔ سربراہ نے ان تینوں پلان میگزین سے کہا "ایک نیا مسئلہ درپیش ہے۔ آئی جی ہدایت اللہ پر حب الوطنی کا جنون سوار ہو گیا ہے۔ وہ آئندہ ہمارا اکل کار بن کر نہیں رہے گا۔ وہ ہمارے ٹل میں مارش کو گرفتار کرنے والا ہے۔ آئندہ وہ اپنے بچوں کی خاطر ہمارے دباؤ میں نہیں رہے گا۔"

ایک پلان میکر نے کہا "اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے فرادی پش پناہی حاصل ہو رہی ہے۔"

دوسرے پلان میکر نے کہا "اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ فراد آئی جی کے ذریعے مارش اور مارش کے ذریعے ہمارے درمیان پہنچ گیا ہے۔"

تیسرے پلان میکر نے بٹے ہوئے کہا "ہمارے درمیان پہنچنے سے کیا ہوتا ہے۔ ہم تینوں کو گامبر ہیں۔ وہ ہمارے سربراہ رابرٹ کے اندر جا سکتا ہے ہمارے اندر نہیں آسکتا۔"

مجھے یہ سن کر ہلکا سا ہلکا ہوا کہ وہ تینوں مجھ سے محفوظ رہیں گے لیکن دوسرے ہی لمحے میں سربراہ رابرٹ کے چور خیالات نے بتایا۔ "یہ تینوں شراب پیٹے ہیں۔ عیاشی کرتے ہیں۔ بھلا سانس کیا روکیں گے۔ یوں بہت چالاک ہیں۔ ایسا کہہ کر فراد کو اپنے اندر آسنے سے روک رہے ہیں۔"

میں نے تینوں کے داغوں میں باری باری جا کر دیکھا۔ واقعی وہ بڑی مکاری سے مجھے اپنے اندر آنے سے روکنے والے تھے۔ میں نے ان میں سے کسی کو بھی غائب نہیں کیا۔ رابرٹ نے کہا "تم تینوں محفوظ رہو گے لیکن مجھے اس کے آنے کا پتا نہیں چلے گا۔"

ایک نے کہا "اگر فراد ہمارے سربراہ کے داغ میں ہے تو ہم سے معاملات طے کرے۔ ہم بڑی آسان شرائط پر آئی جی ہدایت اللہ کی جی اور بیٹے کو بخفا ظ پاکستان پہنچا دیں گے۔"

یہ بہت بڑی ہتکاش تھی۔ میں آئی جی کے بچوں کی سلامتی چاہتا تھا لیکن اپنی موجودگی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ انہیں اپنی خوش فہمی میں جلا رکھنا دانش مندی ہوئی کہ میں ان کے داغوں تک نہیں پہنچ رہا ہوں۔"

میں آئی جی ہدایت اللہ کے پاس آیا۔ وہ اٹلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل سے رابطہ کر کے یہ کہنا چاہتا تھا کہ اسلام آباد میں رہنے والے ایک شخص مارش پر نظر رکھی جائے۔ ان میں بڑی کی عدم موجودگی میں ان کے ہنگامے کی تلاش کی جائے۔ وہاں سے اس کے خلاف کچھ ثبوت مل سکتے ہیں کہ وہ یہودیوں کا ایک ٹل میں ہے۔ میں نے آئی جی کو ایسا کرنے سے روک دیا۔ اسے بستر پر لیٹا اور پھر سوئے پر تیار کیا۔ جب اسے نیند آئی تو میں نے اسے اپنا

معمول بنایا۔ اس کے داغ کو حکم دیا کہ وہ اپنی سوچ کی لہروں کو محسوس کرے اور سانس روک لیا کرے۔ صرف سونیا کی آواز اور بے میں جو سوچ کی لہروں آئیں انہیں محسوس نہ کرے۔

مجھے اس کے داغ کو لاک کرنا ہوا کہ یہودی خیال غرابی کرنے والے اس کے خیالات نہ پھٹ سکیں اور یہ یہ معلوم کر سکیں کہ میں اس سے دائمی رابطہ رکھتا ہوں۔ جب یہ معلوم نہیں ہو سکا گا تو وہی میں رہنے والے یہودی تنظیم کے سربراہ اور تینوں پلان میکر خوش فہمی میں رہیں گے کہ وہ لوگ میری ٹلی جیٹی سے محفوظ ہیں۔ میں اسے خودی نیند مٹا کر ٹل میں مارش کے مزید خیالات پختہ لگا۔ پتا چلا اسلام آباد میں ایک بہت ہی چالاک اور تجربہ کار یہودی سراغ رساں اسے آہر ڈھکس ہے لیکن وہ سربراہ عبدالرحمان کے نام سے مسلمان بن کر زیر پوشا کے قریب ایک ہنگامے میں رہتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک بوڑھی جاسوس اور تین یہودی حسنین دو ڈھکس کی مسلمان بیٹیاں بن کر رہتی ہیں۔ یعنی ایک ہنگامے میں دو ڈھکس سمیت پانچ جاسوس رہتے ہیں۔ اور پاکستانی اٹلی جنس والوں کو ان پر آج تک شبہ نہیں ہوا تھا۔

اے آہر ڈھکس عرف سربراہ عبدالرحمان کے بیان کے مطابق وہ برسوں سے اپنی بیوی اور تین بیٹیوں کے ساتھ نیواک میں رہتا تھا لیکن اب جوان بیٹیوں کو پاکستان میں بیابنا چاہتا تھا اور مغفل لڑکوں کی تلاش میں وہاں آیا تھا۔

دوسرے اس کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی صحیح رپورٹ حاصل کرے اور ایٹمی پلانٹ سے تعلق رکھنے والے افسران سے دوستی کرے۔ دوستی کرنے کے لئے تیز حسیناؤں کو ذریعہ بناتا رہے اور یہ ظاہر کرتا رہے کہ اس کی لڑکیاں چند افسران سے متاثر ہیں اور کسی دوسری جگہ شادی نہیں کر چاہتی ہیں۔

بھارت اور اسرائیل نے لے کر امریکا تک یہ توثیق کیا ہوئی تھی کہ پاکستان ایٹم بم بنا چکا ہے۔ جب کہ پاکستان کی طرف سے بار بار یقین دہانی کرائی گئی کہ ہمارے سائنس دان امن سلامتی اور قومی مقاصد کے لئے مصروف رہتے ہیں۔ لیکن پراسن ایٹمی پروگرام دشمنوں کے ہنگامے میں بڑی کی طرح اٹکا تھا۔ پاکستانی سراغ رساں خوب سمجھتے تھے کہ غیر ملکی جاسوس ہمارے ایٹمی پلانٹ پر نظر رکھتے ہیں اور ہمارے سائنس دانوں کو مصروفیات کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ایسے غیر ملکی جاسوس کبھی بکڑے جاتے ہیں کبھی ایسے آہنی پردوں میں چھپے رہتے ہیں کہ وہاں تک نظر نہیں پاتی ہیں۔ ان آہنی پردوں کے پیچھے دیکھ لیا تھا اور ابھی کچھ دیکھنا باقی تھا۔

ایسے دشمن سیکرٹ ایجنٹوں سے خاموشی اور جذباتی

دانش مندی ہوئی۔ اگر میں یہودی تنظیم اور اسرائیلی حکمرانوں کو اس مسئلے میں داغ دیتا یا مکمل کرائی کارروائی کرتا تو میرے ہاتھ ایک یا دو دشمن جاتے یا ہوشیار ہو کر میری پہنچ سے دور نکل جاتے۔ پھر کسی دوسرے روپ میں اسلام آباد پہنچ جاتے۔

میں نے ایک اسرائیلی حاکم کو مخاطب کیا۔ اس نے کہا "فراد صاحب! آپ نے ہمارے دو ٹیلی جیٹی جاتے والوں کو ختم کر دیا۔ اپنی بھانجی کی ہلاکت کا انتقام لے لیا۔ اب کیا چاہتے ہیں؟"

"میں کیا چاہتا ہوں اور آئندہ کیا کرنے والا ہوں؟ یہ بتا کر تم لوگوں کو چٹکا اور دوشیار کرنا نہیں چاہتا۔ اگر یہ چاہتے ہو کہ میرے انتقامی روپے میں لچک پیدا ہو جائے اور تم لوگوں کو زیادہ نقصان نہ پہنچے تو فی الحال میری دو شرائط تسلیم کرو اور ان پر عمل کرو۔"

"ہوہ شرائط کیا ہیں؟"

"ایک تو یہ کہ پاکستان میں تمہارے بٹے زر خرید ایجنٹ ہیں ان کا ساتھ چھوڑ دو۔ ان کی پشت پناہی نہ کرو۔ ان کی کسی طرح بھی چھپ کر مدد کر کے تو تمہاری دو ٹلی ختم نہیں مجھ سے چھپی نہیں رہیں گی۔ میں حزن خان، کمشنر اور چودھری حاکم علی جیسے ایجنٹوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"مسٹر فراد! یقین کرو۔ پاکستان میں ہمارے جن ایجنٹوں کے نام! رہے۔ تو یقیناً ان میں سے کسی کو نہیں جانتا ہوں۔"

"تم نہیں جانتے ہو لیکن جو حاکم یا گولڈن برین پاکستان کے معاملات میں دھچکی لے رہے ہیں اچھی طرح جانتے ہوں گے۔ تم ان سے رابطہ کرو اور جو کہہ رہا ہوں اس پر فوراً عمل کرو۔"

"تمہاری دوسری شرط کیا ہے؟"

"پیارا ایک آئی جی ہدایت اللہ تمہارا زر خرید ایجنٹ تھا۔ اب وہ تمہارا داتا دار نہیں رہا۔ اُس کی ایک بیٹی کو لندن میں اور ایک بیٹے کو شکاگو میں پرغمال بنا کر رکھا گیا ہے۔ ان دونوں کو از تائیں دشمنوں کے اندر بخفا ظ پاکستان پہنچا دو۔"

"آپ میرے پاس موجود ہیں۔ میں گولڈن برنز سے رابطہ کرتا ہوں اور انہیں آپ کی شرائط بتا دوں۔"

"میں بہت مصروف ہوں۔ ابھی جا رہا ہوں۔ تین گھنٹے بعد آئی جی کی بیٹی اور بیٹے کے پاس جاؤں گا۔ اگر ان کے ذریعے یہ معلوم ہو گا کہ انہیں واپس بھیجے کے انتظامات نہیں کئے جا رہے ہیں تو چار گھنٹے بعد تمہارا تیسرا ٹلی جیٹی جاتے والا جہنم میں پہنچ جائے گا۔"

یہ کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔ اس نے مجھے آواز دیں۔ جواب نہ ملا وہ گولڈن برنز سے رابطہ کر لگا۔ وہ چھ گولڈن برنز ایٹمی بکچے ہوئے تھے۔ جہاں ہم اور ہماری خیال خواتین کی لہروں میں تھکی تھکی تھیں۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ میرا ٹلی جیٹی جلد ہی ان کی طرف تک پہنچ جائے گا۔

حاکم نے رابطہ قائم کرنے کے بعد گولڈن برنز تک یہ بیانام اور دھکی پٹائی۔ ایک گولڈن برین نے میڈیا اسکرین کے ذریعے

کہا "ہمیں یقین کرنا ہو گا کہ وہ چار گھنٹے بعد ہمارے ایک اور ٹلی جیٹی جاتے والے کو مار ڈالے گا۔ یہ دو ٹلی جیٹی جاتے والوں کو ہلاک کر کے اس نے ہماری خوش فہمی ختم کر دی ہے۔"

دوسرے گولڈن برین نے کہا "ہم اپنی کمزوریوں کو ابھی تک سمجھ نہیں پائے کہ فراد کہاں سے سرگ بنائے کہ ہمارے ٹلی جیٹی جاتے والوں تک پہنچ جاتا ہے۔ جب تک ہمیں ان کی حفاظت اور سلامتی کا پورا یقین نہیں ہو گا تب تک فرادی شرائط پر عمل کرنا ہی پڑے گا۔"

تیسرے گولڈن برین نے کہا "فی الحال ہم مجبور ہیں۔ آئی جی کی بیٹی اور بیٹے کو پاکستان پہنچا دیں گے۔ حزن خان اور کشتی سے کہہ دیا جائے کہ ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ انہیں اپنے ٹلی جیٹی جاتے والے عزیز ہیں۔"

میں دائمی طور پر حاضر ہو گیا۔ دھکس کے کمرے سے نکل کر باہر سرک پر آیا۔ آئی جی خودی نیند پوری کر چکا تھا۔ میں سونیا کا لہجہ اختیار کر کے اس کے داغ میں گیا۔ اس سے کہا کہ وہ اپنی بیٹی اور بیٹے کی تصویریں لے کر کار میں باہر آئے۔ اس نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ میں نے اس سے چوک یادگار میں ملاقات کی۔ اس سے ملاقات کرنے اور اس کے بچوں کی تصویریں لینے تک میں نے اسے غائب داغ رکھا تاکہ وہ مجھ سے بچان سکے اور اس کے ذریعے کوئی دشمن میرے ہوٹل تک نہ پہنچ سکے۔ وہ مجھے تصویریں دے کر چلا گیا۔ میں نے ہوٹل کے کمرے میں آکر ان تصویروں کو دیکھنے کے لئے کھینچے۔

تینے رکھا۔ دو تین گھنٹوں کے بعد ان بچوں کے پاس جا کر معلوم کرنا تھا کہ انہیں والدین کے پاس پہنچانے کے انتظامات کئے گئے ہیں یا نہیں؟

میں نے ٹل میں مارش کے داغ میں جا کر اُس کی سوچ میں کہا۔ "مجھے معلوم کرنا چاہئے کہ دو ڈھکس ایٹمی پروگرام معلوم کرنے کے لئے میں کیا کر رہا ہے؟"

پاکستانی ایٹم بم کا ہوا ایسا تھا کہ بھارت اور اسرائیل کی نیندیں اڑی ہوئی تھیں۔ وہ کسی بھی قیمت پر یہ ثبوت چاہتے تھے کہ پاکستان ایٹم بم بنا چکا ہے۔ مارش بھی یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھا۔ اس نے فون پر رابطہ کیا پھر کہا "ہیلو اے آرا۔"

اے آرا ایک طرح کا کوڑا تھا۔ دو ڈھکس کے نام کے ابتدائی حرف بھی تھے اور اے آرا سے عبدالرحمان کا نام بھی سمجھا جاتا تھا۔ اس نے پوچھا "اے آرا کیا ہو رہا ہے؟"

اس نے جواب دیا "کو ششیں باری ہیں۔"

"صرف باری رہنے سے کامیابی نہیں ہوگی۔ مجھ سے رابطہ کرو۔"

دوسری بار رابطہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ ٹرانسپیر ہٹھوگی جائے پھر ٹرانسپیر ہٹھوگی ہونے لگی۔ مارش نے کہا "تم جانتے ہو فراد پاکستان میں ہے۔ اگر اسے تم پر شبہ ہو گا تو تمہارے ساتھ

فون پر اطلاع دی گئی ہے کہ وہ پاکستان واپس جانے کے لئے تیار ہے۔ کسی بھی وقت کسی بھی فلاح کا نکتہ اس کے پاس پہنچ جائے گا۔ میں مطمئن ہو کر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔

ابھی کئی معاملات سے نمٹنا تھا۔ میں تھوڑی دیر کے لئے بیستر پر لیٹ گیا۔ کھانے کے بعد آرام کرنے کا موڈ ہوا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کیں سوئے گا ارادہ نہیں تھا لیکن ذہن تھکا ہوا تھا۔ اس لئے آنکھ لگ گئی۔

پاکستان آنے کے بعد چھوٹے چھوٹے بے شمار مسائل کا سامنا ہوتا رہا تھا۔ یہ چھوٹے چھوٹے مسائل بڑے مسائل کا پیش خیمہ ثابت ہو رہے تھے۔ مثلاً یہ ایک عام سی بات تھی کہ چوہدری حاکم علی حاکم دادوں میں ملاوٹ کرتا تھا۔ لیکن اس کے پیچھے ایک ناقابل برداشت حقیقت تھی کہ یہودی سرمایہ دار پاکستان کی دوا ساز کمپنیوں سے اچھا خاصا سامان چور دروازے سے حاصل کر رہے تھے۔ یہ نظر انداز کرنے والا مسئلہ نہیں تھا کہ مزہ خان جیسے خطرناک مجرم اپنے خلاف ثبوت غائب کر کے ہائی کا پروانہ حاصل کرتے تھے اور قانون کا مذاق اڑاتے تھے۔ تو یہ کرنے اور راہ راست پر واپس آنے والے آئی جی کے جوان بچوں کو یہی دیکھنا کہ ممالک میں پرغمال بنایا جاتا تھا۔

اور سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ بھارت، اسرائیل اور امریکا ہمارے پراسان ایٹمی ہتھیاروں کو خرید کر گرام ثابت کرنے پر تھے۔ ہونے والے انہوں نے بیکتر ایٹمی پلانٹ کی کوئی کمزوری حاصل کرنے کے لئے انہوں نے بیکتر ایٹمی پلانٹ کی ایک نیم اسلام آباد پلانٹ چلائی ہوئی تھی۔ میں ایک ایک طرف سے منت تھا لیکن یہودی بڑے ذہین ثابت ہو رہے تھے۔ ہر ایک طرف سے مات کھاتے تھے۔ دوسری طرف سے پھر شہر دینے کی چال چلنے تھے۔

دو گھنٹے بعد میری آنکھ کھلی۔ میں نے ہوش کے لوازم کو چاٹنے لائے۔ کئی گھنٹے کا بھڑکنا تھا۔ دھوکا چھپنے پینے بیٹھ گیا۔ ایسے وقت مسلمان نے اگر کوڑو روڑا اڑا کر اپنے پھر کہا "چوہدری حاکم علی بنے دشمنوں کی بنیاد میں ہے۔ وہ بنے دشمن ہو گا کے باہر ہیں۔ ان کے سربراہ کا نام بلال احمد عرف لے ہے۔ بیلے چوہدری سے کہا ہے کہ فرادین کے داغ میں نقصان پہنچانے آئے تو اس سے کہہ دے کہ بیلے فرادین کی سب بیٹی بیٹی صوفیہ کو اور اس کے عاشق کو نقصان پہنچانے گا۔

میں نے پوچھا "پارس کہاں ہے؟" مسلمان نے کہا "میں نے پارس کو بیلے کے متعلق بتایا تھا۔ اس نے کہا ہے وہ اپنا اور صوفیہ کا چوہدری کر رہا ہے۔ گاہ بھی بدل دے گا۔ ایسے بیلے کسی کو نقصان پہنچانے کی دھمکی نہیں دے گا۔" "فیک ہے پارس کو کیوں کرنا چاہئے۔ اگر وہ علیہ تبدیل کر چکا ہے تو تم چوہدری کے اندر خاموش رہ کر بڑی سولت سے بیلے اور اس کے خواروں کو داغی کمزوریوں میں جھلا کرنے کی کوشش کرتے رہو۔"

مسلمان چلا گیا۔ میں کشتی کے پاس آیا۔ وہ مجھ پر مزہ خان سے ملاقات کرنے چیل میں آیا تھا۔ وہ دونوں جیل کے دفتری کمرے میں تھے۔ مزہ خان یونیورسٹی کو گایاں دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا "وہ خیر کا بچہ لوگ نے میں وقت پر ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ دوسرے مل میں ہوتا ہے، ابھی فرادین کا چلنا بھاری ہے۔ ابھی ہمارا کوئی مدد نہیں فرمائے گا۔"

کشتی نہ لگا "یہ تمہارا ہوا۔ اب ہمیں تحریری طور پر اپنے جرائم کا اعتراف کرنا ہو گا۔ میری برسوں کی بانی ہوئی عزت اور فائبر شرافت خاک میں مل جائے گی۔ مجھے بھی قیدی بن کر اپنی جیل میں آنا پڑے گا۔"

مزہ خان نے کہا "اب ایک ہی راستہ ہے۔ ہم فرادین سے ملنا مانگے گا۔ تو یہ کرنے کا۔ فتنیں کھا کر اے تین دنوں کے گاہ کہ آخر شرافت اور ایمان داری سے زندگانی پر اصرار کرے گا۔" "میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ مگر فرادین سے رابطہ کیسے ہو گا؟" "جیلر نے میری مرضی کے مطابق کہا "فرادین سے آج نہیں ڈرنا رابطہ ہو جائے گا۔ لیکن سوچ لو۔ وہ داغ میں کھس کر معلوم کرے گا کہ مجبور ہو کر تیری طور پر تو یہ کر رہے ہو یا دل سے راہ راست آ رہے ہو؟"

وہ بولا "مہم دل سے تو یہ کرے گا۔" "کیا تم اسے داغ میں آئے دو گے؟ اپنے دل کا حال ملو کرنے دو گے؟" "اس کا کیا ضرورت ہے۔ مرد کا زبان ایک ہوتا ہے۔ نہ ہمارا زبان پر اعتماد کرے گا۔"

"میں مزہ خان! اس وقت فرادین میری زبان سے بول رہا ہے تم دو گے ہو۔ معافی کسی صورت سے نہیں ملے گی۔ کاغذ اور قلم اور اپنے تمام برے اعمال کی تفصیل لکھتے جاؤ۔"

وہ بولا "میرا دل میرا اعتبار کرو۔ میں تمہارا تابعدار بن رہے گا۔ کاغذ کا اوپر میں لکھا کہ میرے کو خوار مت کرو۔" "مزہ خان! اس کے بعد ایک نقطہ نہ بولنا۔ ورنہ میں جیلر رو اور دوسرے تمہیں زخمی کر کے تمہارے داغ میں آؤں پھر تم جیلر ہو کر لکھتے جاؤ گے۔"

کشتی نے عاجزی سے پوچھا "فرادین صاحب! میرے لئے کیا ہے۔ آپ میرے اندر مگر معلوم کر سکتے ہیں کہ میں پوری چٹائی۔ میں نے بات کاٹ کر کہا نہیں تھوڑی دیر پہلے تمہارے خیالات پڑھ رہا تھا۔ تم یہودیوں سے دھوکا کھانے کے بعد فرادین کر رہے ہو اور تمہاری توبہ میں ٹھوٹ ہے۔ ابھی میں کمزور ہونا اور یہودی غالب آجائیں تو تم پھر ان کے غلام بن جاؤ گے۔ کاغذ اور قلم لو۔ اور اپنے تمام برے اور غیر قانونی اعمال لکھو۔ ایس بی شاہ خان آ رہا ہے۔ وہ تم دونوں کے اعمال مانگے ہے۔ جا۔" "مگر قانونی کارروائی کرے گا۔"

وہ دونوں مجبور ہو کر لکھنے لگے۔ میں نے شہر خان کے پاس

اس سے کہا "ابھی جیل جاؤ۔ کشتی اور مزہ خان کے جرائم کا اعتراف نہ ان سے لو پھر ان کے خلاف قانونی کارروائی کرو۔" اسے یہ دے داری سوچ کر میں اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ ہوش کے لوازم کو چاٹنے کا بل دیا پھر اس کے جانے کے بعد دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ واپس کر کر پیٹھ گیا۔ اب اس نے دھوکا دیا۔ سرور عبدالرحمان سے ملنے کا ارادہ تھا لیکن ارادے پہلے نہ کر سکا۔ دروازے پر دستک ہونے لگی۔

کون ہو سکتا ہے؟ یہاں میرا کوئی شناسا نہیں تھا۔ ہوش کا سینہ پر اپنی لازم ہو سکتا تھا۔ کسی سے انھہ کر دروازے کے پاس جا پھر اسے کھولنے سے پہلے بولا "کون ہے؟"

باہر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی "امی مرہان! ہم ہیں۔ دروازہ تو کھول لے۔" میں بولنے والی کے داغ میں پہنچ گیا۔ پتہ چلا وہ بازار حسن سے آئی ہے۔ ملائے کے قنایہ دار نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ میرے کمرے میں جائے۔ بعد میں وہ سائپوں کے ساتھ آنکھیں بند کر دی گئیں۔ اصرام میں گرفتار کر کے گا۔ وہ حکم کی تعمیل کے لئے آئی تھی۔ میں نے اس کے اندر یہ احساس بڑی شدت سے پیدا کیا کہ اس کے پیٹ میں درد ہوا ہے۔ وہ میری مرضی کے مطابق دونوں انگوٹوں سے پیٹ پکڑ کر ہائے ہائے کرنے لگی۔ وہاں سے پلٹ کر لوٹنا ہی ہوئی زینے کے پاس آئی۔ زینے کے پچھلے حصے میں کاؤنٹر کے پاس قنایہ داروں سائپوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اوپر دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا ہوا؟"

وہ زینے پر سے آہستہ آہستہ اترتی ہوئی اور کراہتی ہوئی بولی۔ "میرے پیٹ میں بہت درد ہے۔ تکلیف برداشت نہیں ہو رہی ہے۔ مجھے اسپتال پہنچاؤ۔ جلدی کھسکے۔ نہیں تو مراؤں گی۔" قنایہ دار نے ناگواری سے ایک سائپ کو بولا "اسے باہر لے جاؤ کسی رشتہ جیسی میں بھانڈو۔ یہ خود چل جائے گی۔"

میں قنایہ دار کے داغ میں پیچھا۔ وہ طوائف کو دل ہی دل میں گایاں دے رہا تھا۔ یہ وہی قنایہ دار تھا جو غیر قانونی اسلحہ فروخت کرنے والے افغان مہاجرین کی پشت پناہی کرتا تھا اور ان سے اپنا دھندہ وصول کرتا تھا۔ ہوش کے اندر فائرنگ سے تین افغانی ہلاک ہوئے تھے۔ قنایہ دار صرف زخمی ہوا تھا۔ اس زخمی کو اسپتال پہنچا گیا۔ اس نے قنایہ دار کو بیان دیتے ہوئے کہا تھا "فائرنگ کی وجہ مجھے نہیں آئی۔ ہمارے ساتھی کا داغ چل گیا تھا یا وہ تنہا اس انجی (فرادین) کے پیاس ہزار روپے ہضم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ہمیں راستے سے ہٹا رہا تھا۔"

قنایہ دار کو فائرنگ کے سلسلے میں تفتیش کرنی چاہئے تھی لیکن اس کے داغ میں میرے پیاس ہزار روپے کے نوٹ پھڑپھڑا رہے تھے۔ اس نے فوراً ہی منصوبہ بنایا کہ مجھے کسی اصرام میں چھپا کر میں انجی (فرادین) کے پیاس ہزار روپے وصول کرے گا۔ پھر مجھے چھوڑ دے گا۔ اس کا یہ منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔ وہ غصہ سے بڑبڑا ہوا چلا گیا۔

میں نے باہر آنکھ دوڑا دے کو اندر سے بند کیا۔ اب وہاں خیال خونی کرنا مناسب نہیں تھا۔ وہ پھر دھمکات کے لئے آسکتا تھا۔ میں ایک خوب صورت سے پارک میں آیا۔ تھوڑی دیر تک سوچ رہا پھر وہاں سے اٹھ کر مسجد مہابت خان کے ایک کمرے میں آکر بیٹھ گیا۔ یہاں کوئی بد اخلاقت نہیں کر سکتا تھا۔

اے آئندہ کھس عرف سرور عبدالرحمان کا راز راز نہ کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ انجی سیٹ پر بڑی جگہ جاسوس بیٹھی ہوئی تھی اور کہہ رہی تھی "یہ تدبیر ابھی ہے۔ بیرون کو کارکن باہر صبح کے ذریعے سرکریٹ کے تھکاوٹیں ابجکٹ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن بیرون کہاں لے گی؟"

ڈوکھس نے ہنسنے ہوئے کہا "یہ یورپ اور امریکا نہیں ہے جہاں بیرون بڑی تلاش کے بعد ٹیکوں ڈال کر ملتی ہے۔ ہم راجا بازار جا رہے ہیں۔ وہاں ایک سینکڑے پاس پنے اور سوئنگ پکلی کی طرح بیرون مل جاتی ہے۔"

وہ بولی "ہماری ٹیلا کا وہ سائنس دان عاشق کو گولڈیف سرکریٹ دیتا ہے اور روزینہ سے چھپاؤں رہی ہے۔ وہ دن مل پیتا ہے۔" "ٹھیک ہے۔ میں دونوں براہِ خیر لے لوں گا۔"

وہ ڈراٹو کرتا ہوا راجا بازار تک آیا۔ وہاں ایک جگہ کار روک کر بولا "تم یہاں بیٹھی رہو۔ میں بیرون کو فرشوں کو تلاش کرتا ہوں۔" وہ کار سے اتر کر ایک طرف جانے لگا۔ آگے جا کر ایک گلی میں عزمیہ منشیات فروخت کرنے والوں کو سانس بوز لگانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ ان کا حلیہ اور رازداری کا انداز بتاتا ہے کہ مطلوبہ نشان سے حاصل ہو سکتا ہے۔

وہ ایک گلی سے ہوا ہوا دوسری گلی میں آیا۔ دکانداری کا وقت تھا۔ لوگوں کی اچھی خاصی آمدورفت تھی۔ اس بیٹری میں بیرون کو فرش آسانی سے نظر نہیں آسکتے تھے۔ وہ تیری گلی میں آیا۔ وہاں میں اسے ان کے ذریعہ ایک سپرے کو دیکھا۔ وہ سربر سانپ کا پٹا دے رگے بین بجاتا رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میں نے سوچا۔ سرکریٹ میں سانپ کا زہریلا بجٹ کیا جاسکتا ہے۔

ڈوکھس نے میری مرضی کے مطابق سپرے کو روک کر پوچھا۔ "کیا سانپ کا قاتل دیکھتا ہے؟"

وہ سر سے پٹا اتارتے ہوئے بولا "جی صاحب! بڑے مزے کا قاتل شاہو آج ہے۔ آپ دیکھیں گے؟" "پہلے یہ تیار تمہارے پاس زہر لے سانپ ہیں؟" "جی ہاں! تیار زہر لے سانپوں سے چھلتے ہیں۔ میرے پاس ایک نہیں ایک درجن سانپ ہیں۔"

"کیا ان سانپوں کا زہر مل سکتا ہے؟" "ضرور مل سکتا ہے۔" اس نے جب میں ہاتھ ڈال کر ایک شیشی نکالی۔ اس میں زرد رنگ کا رقیق مادہ تھا۔ وہ شیشی کو ہلاتے ہوئے بولا "یہ برا زہر ہے۔ اس کا ایک چھوٹا سا قطرہ زبان کو چھوئے تو توندے کو

اچھی طرح تربیت کی بھی سلت نہیں ملتی۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے مر جاتا ہے۔
 ڈوگلے نے کہا "میں کسی کو مارنے کے لئے نہیں ایک دو اتیار کرنے کے لئے زہر چاہتا ہوں۔"
 اس نے جب سے ایک ہزار روپے کا نوٹ نکال کر اسے دیا۔
 سپرے نے خوش ہو کر نوٹ کو جھٹ لیا۔ اسے جلدی سے تیر کر کے قیصر کی اندرونی جیب میں چھپایا پھر وہ شیشی ڈوگلے کو دے دی۔
 ڈوگلے نے اسے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ کر کہا یہاں سے پلٹ کر جانے لگا۔ میں نے اس کے دماغ کو آہستہ آہستہ آزاد چھوڑ دیا اور اس کی اپنی سوچ میں کہا "میں راجا بازار کے ایک راستے کے کنارے کاروگ کر آیا ہوں۔ وہاں مسزودن انگلی سیٹ پر بیٹھی میرا انتظار کر رہی ہیں۔"
 اس نے مسزودن اس بوڑھی جاسوس کو کہا جو مسزودن گھس کھاتی تھی۔ میں نے اس کی یادداشت سے یہ بھلا دیا تھا کہ اس نے زہر سے بھری ہوئی ایک شیشی خریدی ہے اور اسے کوٹ کی اندرونی جیب میں چھپا رکھا ہے۔
 اسے ایک افغانی لڑکا نظر آیا۔ اس کے ساتھ ایک پنجابی جوان بھی تھا۔ ان کے پیلے کپڑے اور طبعیتا تھا کہ وہ تلخ دھندلا کرتے ہیں۔ ڈوگلے نے ان کے قریب جا کر ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا "جو میں آتا ہے وہ تمہارے پاس ہے؟"
 پنجابی جوان نے پوچھا "کیا آتا ہے؟"
 وہ بولا "فلٹی بیرونی نہیں آتا۔ مسزودن اسے بیرونی کی جوان نے افغان لڑکے کو اشارہ کیا۔ اس لڑکے نے بیرونی کی ایک زیا نکال کر دی۔ ڈوگلے نے پچاس روپے دے کر وہ پچاس خریدیں پھر انہیں کوٹ کی اوپری جیب میں رکھ کر اپنی گاڑی کے پاس لٹایا۔
 میں اسے چھوڑ کر نیلا کے پاس پہنچا۔ وہ اپنے عاشق کے ساتھ شکر پڑیاں کی بلندی پر کھڑی ہوئی اسلام آباد کی چنگائی ہوئی دو شہنشاہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے عاشق کا نام حسن افغان سے عاشق حسین تھا۔ میں اُس کی آواز سن کر اس کے دماغ میں آیا اور خیالات بڑھنے لگا۔
 وہ بہت ذہین نوجوان تھا۔ اسے سائنس کے موضوع سے بے حد دلچسپی تھی۔ اس کی دلچسپی اور ذہانت کے پیش نظر اسے ایٹمی پلانٹ کی لیبارٹری میں ملازمت دی گئی تھی۔ نام عاشق تھا لیکن وہ عاشق مزاج نہیں تھا۔ نیلا جیسی حسین اور نوجوان لڑکی کی طرف وہ خود راہل نہیں ہوا تھا۔ نیلا اسے اپنی طرف مائل کر رہی تھی۔
 وہ ابتدا میں اُس سے کسانے کی کوشش کرتا رہا پھر رفتہ رفتہ اُس سے متاثر ہونے لگا۔ وہ اچھی لگنے لگے۔ عاشق حسین اس کی آرزو کرنے لگا۔ لیکن یہ آرزو اسی حد تک تھی کہ وہ سامنے ہوئی تو اس کا ہاتھ تمام لپٹا لیکن اسے شدت سے طلب نہیں کرتا تھا۔ اُس کا ہاتھ تمام کر سچیدہ اور نرمل رہتا تھا۔

نیلا نے ایک دن ہزار ہو کر ڈوگلے سے کہا "وہ میرا ہاتھ اپنے پڑے گا۔ جیسے پچہ آگس کریم کون دنوں ہاتھوں سے تمام لپٹا ہے۔ میں ادا نہیں دے سکتا اور اسے ترپانے کے لئے ہاتھ چھڑا ہوں تو وہ گدھا چھوڑ دیتا ہے۔ جب تک میں آگے نہ بڑھوں وہ مجھے ہاتھ نہیں لگاتا ہے۔ ایسے تو برسوں گزر جائیں گے اور اس کے عشق میں دیوانگی پیدا نہیں ہوگی۔ جب تک وہ جنوں نہیں بنے گا، جنوں میں لیبارٹری کی باتیں نہیں کرے گا۔"
 تب ڈوگلے نے یہ پلاننگ کی تھی کہ عاشق حسین کو اور دوسری لڑکی روزینہ کے محبوب کو نشے کا عادی ہونا چاہئے۔ عورت اور نشے میں یہ فرق ہوتا ہے کہ عورت دل کو گتھی ہے۔ نشہ مارا لگتا ہے۔ جو محبت میں نہیں ٹھیکہ دے نشے میں اسیر ہو جاتا ہے۔ یہ روزینہ اپنے شکار کے ساتھ کام میں بیٹھی پڑی سے اسلام آباد جاتی تھی۔ اُس کے شکار کا نام محبوب علی تھا۔ وہ ایٹمی پلانٹ میں سائنس لیبارٹری کا انچارج تھا۔ وہاں سائنس دانوں کی ضرورت کی ہر چیز میسر آتا تھا اور ان چیزوں کا باقاعدہ حساب رکھا تھا۔ روزینہ کو اس سے یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ انٹیم کی تیاری کے لئے محبوب علی کتنی یورینیم و فوسفور میسر کر رہا ہے۔
 لیکن محبوب علی بھی حسین عورتوں کے معاملے میں پتھر قند روزینہ سے بہت زیادہ متاثر نہیں تھا۔ وہ ملے آتی تو اس کے ساتھ تفریح میں تھوڑا بہت وقت گزار لیتا تھا۔ اگر نہ آتی تو شکایت نہیں کرتا تھا۔
 روزینہ کی شکایت کر رہی تھی "میں کل تم سے ملنے نہیں آئی اور تم نے پوچھا کہ میں کون کیوں نہیں آئی؟"
 وہ ڈن مل کے پکٹ سے ایک سرگٹ نکال کر سلگتے ہوئے بولا "اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔ تم اس لئے مجھ سے ملنے نہیں آئیں کہ ملاقات کا موقع نہیں ہوگا۔ یا کسی مصروفیت میں الجھ گئے ہوگی۔"
 "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں بیمار تھی۔ میرا فون نمبر تمہارے پاس ہے۔ تم سے اتنا بھی نہ ہوا کہ فون کر کے خیریت معلوم کر لیتے۔"
 "روزینہ! خیریت معلوم کرنا۔۔۔ تمہاری بیماری سے پریشان ہونا پھر تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جانا پڑی، اہم ذمے داری ہے۔ تم اپنی بیوی اور بچوں کے لئے یہ ذمے داریاں اور پریشانیاں اٹھا رہی ہو۔ اگر ہر حسین اور جوان لڑکی کی ذمے داری قبول کرنا ہو تو پھر کسی کام کا نہیں رہوں گا۔ اور سرکار نے میرے کام سے بڑے اہانت داری اور راز داری سے خوش ہو کر ہی ایک اہم شے بچا کر باہر بنایا ہے۔"
 وہ اندر ہی اندر گڑھ کر رہ گئی۔ یہ یقین ہو گیا تھا کہ ایک بڑے سرکار داری ہے۔ اس پتھر کو موم کرنے کا پس ایک ہی طریقہ تھا کہ اسے نشے کا عادی بنایا جائے۔ ڈوگلے نے اُس سے کہا کہ وہ اپنے پرس میں ڈن مل کا پکٹ چھپا کر لے جائے کی اور

دیکر محبوب علی کا پکٹ اٹھا کر اپنے پرس میں رکھے گی اور پرس والا پکٹ محبوب علی کے پاس رکھ دے گی۔ دوسرے دن نیلا بھی یہی کہنے والی تھی۔
 میں دانی طور پر مسجد میں حاضر ہو گیا پھر وہاں سے اٹھ کر باہر چلا۔ مسجد میں بیٹھ کر کسی کے خلاف کوئی کارروائی کرنا مناسب نہیں تھا۔ اگرچہ ڈوگلے ملک کا دشمن تھا اور ہمارے دین کا دشمن تھا۔ یہودی ہو کر مسلمان بنا ہوا تھا۔ اس کے باوجود میرے اندر کے ایمان نے کہا "مسجد مقام عبادت ہے۔ خوننی قاتلوں نے تو مسجدے میں بھی مومنین کی گردنیں کاٹی ہیں۔ اور میں کسی کافر کے ساتھ بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ میں خوننی نہیں ہوں۔"
 میں فٹ پاتھ پر چلا ہوا ایک بند دکان کے قریب پر اگرچہ تمہا۔ پھر ڈوگلے کے پاس آگیا۔ وہ گھر پہنچ گیا تھا اور بوڑھی جاسوس کے ساتھ رات کا کھانا کھا رہا تھا۔ ان کے ساتھ تیسری لڑکی بھی کھانے میں مصروف تھی۔
 میں نے ڈوگلے کو کھانے پر سے اٹھا دیا۔ بوڑھی نے پوچھا "کیا بات ہے کھانا پانڈ نہیں ہے؟"
 محبت بوند ہے۔ کھانا لذیذ ہو تو زیادہ نہیں کھانا چاہئے۔ بدبھی ہو جاتی ہے۔ میں اپنے بیٹہ دم میں جا کر ٹپٹے سرگٹ تیار کر رہا ہوں، مجھے ڈسٹرپ نہ کرنا۔"
 وہ اپنے کمرے میں آگیا۔ ایک میز پر سرگٹوں کے دو پکٹ رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک عاشق حسین کا پراٹھا تھا اور دوسرا محبوب علی کے لئے تھا۔ پاس ہی ایک سرنگ رکھی ہوئی تھی۔ وہ کوٹ کی اوپری جیب سے بیرونی کی پڑیاں نکال کر اُس کے سٹوف کو پانی میں گھول کر رقیق بنانا چاہتا تھا تاکہ اسے سرنگ کے ذریعے سرگٹوں میں اچٹ کر سکے۔
 اس نے اوپری جیب سے پڑیاں نہیں نکالیں۔ اندرونی جیب سے زہری شیشی نکالی پھر میز کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ پہلے سرگٹوں کے پکٹ کو کھولا۔ اس میں سے پانچ سرگٹ نکال کر میز پر رکھے۔ پھر زہری شیشی کو کھولا۔ سرنگ اٹھا کر شیشی کے زہر کو اس میں مخل کیا پھر ایک ایک سرگٹ اٹھا کر اُس کے تمباکو میں سونی پوسٹ کر کے اس زہر کو اچٹ کر دیا۔
 اس کام سے فارغ ہو کر اس نے شیشی کو بند کیا۔ اسے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ کر کہا یہاں سے اٹھ کر دو روزہ کھول کر دلا۔ "ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟"
 بوڑھی نے کہا "ضرور اچھی لاتی ہوں۔"
 وہ میز کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ وہاں سے ایک سرگٹ کو اٹھا کر ہوتل میں دیا پھر اسے لاٹرنے سے کھانے پر لے گیا۔ پہلی کش کھانے کا احساس ہوا کہ تمباکو کا مزہ کچھ اور ہو گیا ہے۔ نشہ کرنے والوں کے لئے یہی تھی۔ محبوب اور انوکھا سا مزہ تھا۔ ڈوگلے شراب اور سرگٹ کا عادی تھا۔ اس لئے اُس سرگٹ کے نرے میں اگر توڑی سی کڑواہٹ تھی تو وہ بھی اچھی لگ رہی تھی۔

اچھی نہ لگتی، تب بھی میں اسے کھانے پر مجبور کرتا رہتا۔ جب وہ خودی دلچسپی سے پینے لگا تو میں اسے چھوڑ کر بوڑھی جاسوس کے پاس آگیا۔ اس وقت نیلا اور روزینہ بھی آگئی تھیں۔ روزینہ کھانے کی میز پر بیٹھ کر ایک پکٹ میں سامان لپٹے ہوئے بولی "بڑی بھوک لگی ہے۔ بدبھگت محبوب علی شفق کے معاملے میں تو بالکل گدھا ہے۔ اس پر تجویز بھی ہے۔ کبھی کسی رستوران میں نہیں جاتا ہے۔ آؤ نیلا! تم بھی شروع ہو جاؤ۔"
 وہ مسکراتے ہوئے بولی "میرا وہ بڑا فراخ دل ہے۔ میں اس کے ساتھ کھا چکی ہوں۔"
 بوڑھی ایک پانی چائے لے کر ڈوگلے کے کمرے کی طرف جاتی تھی۔ نیلا نے کہا "مئی! میری باتیں آنکھ پھونک رہی ہے یہ۔ غصہ کی علامت ہے نا؟"
 مئی نے کہا "تب کہنے کی باتیں ہیں۔ جوانی میں میری آنکھ پھونک تھی حتیٰ تو دل بیٹھک نوجوان سمجھتے تھے میں آنکھ مار رہی ہوں۔" تینوں لڑکیاں ہنسنے لگیں۔ وہ چائے لے کر کمرے میں آئی پھر ڈوگلے کے سامنے میز پر پانی رکھ کر بولی "جو میں میں عجیب ہو ہے۔ کیا بیرونی لی رہے ہو؟"
 "ہاں نشلا سرگٹ آزار ہا ہوں۔"
 "کیسا لگا رہا ہے؟"
 "ایسا سرور محسوس کر رہا ہوں کہ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔"
 میں نے بوڑھی جاسوس کو بھی پینے پر آمادہ کیا۔ وہ میز سے ایک سرگٹ اٹھا کر بولی "توڑا میں بھی دیکھوں، کیسا سرور ہوتا ہے۔"
 وہ سرگٹ سلگ کر کش لگنے لگی۔ میرا خیال تھا "زہر فورا اثر کرے گا اور کش لگنے والا اس کی کتنی محسوس کرے گا۔ اس کے برعکس ڈوگلے ابھی تک زندہ تھا اور صرف نشے میں مست ہو رہا تھا۔
 تھوڑی دیر میں بوڑھی جاسوس بھی مستی میں آنے لگی۔ میں



نے تیسری لڑکی کو کمرے میں لا کر اسے بھی ایک سگریٹ بنے پر مجبور کیا۔ نیلا ہاتھ دوم میں بھی۔ میں نے روزینہ کے ہونٹوں تک بھی وہ سگریٹ پہنچایا۔ کمرے کی محدود فضا میں دھواں ہی دھواں نظر آ رہا تھا۔ میں جس کے داغ سے نکل جا تھا۔ وہ ٹھنسنے سے پریشان ہو کر باہر چلی جاتی تھی۔ لیکن سگریٹ نہیں چھوڑتی تھی۔ اس کا نشہ مست کر رہا تھا۔

میں حیران تھا۔ میری محنت رائیگاں جا رہی تھی۔ وہ چاروں زندہ تھے۔ نیلا ہاتھ دوم سے باہر آکر بارگادری سے پوچھا "کیسی بو پھیلی ہوئی ہے۔ تم سب جماعت سگریٹ کیوں پی رہی ہو؟" میں نے نیلا کو سگریٹ نوشی پر مجبور نہیں کیا۔ میری کوششوں کا خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا تھا۔ میں اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ ایک سپاہی میرا بازو پکڑ کر جھجھوڑتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ "اے ادمر کیوں بیٹھا ہے؟ کیا ارادہ ہے؟"

آس پاس کی دکانیں بند ہو گئی تھیں۔ میں ایک دکان کے تھڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔ ایسے وقت دکانوں کے آگے تو زکوہ جوری کرنے والے ہی موقع کی تاک میں بیٹھے رہتے ہیں۔ سپاہی شبہ کرنے میں حق بجانب تھا۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا "میں ذرا تھک کر بیٹھ گیا تھا۔"

میں نے کہا "اس نے پوچھا 'ایک سگریٹ ہو گا؟'" میں نے جب سے دس کا ایک نوٹ نکال کر دیا پھر آگے بڑھ گیا۔ اب اطمینان سے ہوئی کے کمرے میں بیٹھ کر ڈوگلر اور اس کی باسوس فیلٹی سے نمٹنا چاہتا تھا۔ یہ بات کبھی میں اپنی تھی کہ پیسے نے ڈوگلر سے فراز کیا تھا۔ زہر کے بجائے کوئی نشی چیز دے گیا تھا۔

میں ہوئی میں آیا۔ میری عدم موجودگی میں ملازم صفائی کر گیا تھا۔ کرا صاف ستھرا نظر آ رہا تھا۔ میں بستر پر آکر لیٹ گیا پھر خیال خواتی کی پرواز کرتا ہوا ڈوگلر کے داغ میں پہنچا چاہا تو اس کا داغ نہیں ملا۔

میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ زہر نے اب اثر دکھایا تھوڑے مہرکا تھا۔ میں بوڑھی جاسوس کے داغ میں آیا۔ وہ زندہ تھی مگر فرشی پر پڑی ہوئی اڑیاں رکڑ رہی تھی۔ تیسری لڑکی کی بھی یہی حالت تھی۔ دونوں کی سائیس رک رک کر آ رہی تھیں۔ روزینہ نیلا کو جھجھوڑ کر کہہ رہی تھی "مجھے پچاؤ نہیں تو میں بھی مر جاؤں گی۔ گاڑی نکالو مجھے اسپتال لے چلو۔"

نیلا دوڑتی ہوئی باہر جانے لگی۔ روزینہ نے باہر جانے سے پہلے پلٹ کر کمرے میں دیکھا۔ وہی اور اسی تیسری لڑکی کے دیدے پھیل کر سائیس ہو گئے تھے۔ ان کی موت دیکھ کر وہ چیخ پڑی۔ دوڑتی ہوئی ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں آئی وہاں سے اپنی ہوئی کوریڈور میں پہنچی۔ اس کا سر پکڑا رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ باہر نیلا کا رکے پاس کھڑی کہہ رہی تھی "جلدی آؤ۔ اسپتال قریب ہی ہے۔"

وہ کہتے کہتے دک گئی۔ روزینہ باہر آمدے میں آتے ہی پکڑا کر گرد پڑی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی زہرینے کے پاس آئی۔ اس کی سائیس ایک ایک کر آ رہی تھیں۔ نیلا نے پوچھا "آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا کھانے میں کوئی زہریلی چیز تھی؟"

روزینہ کہتا چلتی تھی کہ سگریٹ زہریلا ہے لیکن زبان نہیں ملی رہی تھی۔ نیلا کو سگریٹ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ لیکن اس نے بڑی دیر تک دھوئیں سے بھری ہوئی فضا میں سانس لی تھی۔ جب روزینہ نے اس کے سامنے دم توڑا تو وہ ایک دم سے اپھل کر کھڑی ہو گئی۔ ایک سمت دوڑتی ہوئی کوٹھی کے امانے سے باہر جاتی ہوئی چیختی گئی "پچاؤ مجھے پچاؤ۔ سب مر گئے ہیں بھی مرنے والی ہوں۔"

ایک بار بھولان میں زہریلی گیس پھیل گئی تھی۔ اس زہریلی فضا میں سانس لینے والے سیکڑوں لوگ مر گئے تھے اور ہزاروں ابلج ہو گئے تھے۔ نیلا سمجھ رہی تھی کہ اس کے گھر کی اور شاید شہر کی فضا بھی زہریلی ہو گئی ہے۔ اسی لئے ایک کے بعد ایک مرنا جا رہا ہے اور اب اس کی باری ہے۔ بدحواسی میں وہ کار کو بھول گئی تھی اور دم کے لئے چیختی ہوئی دوڑتی جا رہی تھی۔ اسی وقت میری خیال خواتی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔

میں بستر سے اٹھ کر دروازے کے قریب آیا پھر پوچھا "لوگوں ہے؟" ایک رعب دار آواز سنائی دی "پولیس۔ دروازہ کھولو۔" میں اس کے داغ کا دروازہ کھول کر اندر گیا۔ وہ دہی تھا۔ اندر تھا جس نے پہلی بار ایک طوائف کے ذریعے مجھے جھانسنے کی کوشش کی تھی۔ اسے جب سے معلوم ہوا تھا کہ میرے پاس پچاس ہزار روپے ہیں تب سے وہ بے چین ہو گیا تھا۔ مجھ سے دس تین ہزار وصول کرنے کے بھنڈوں کو آنا رہا تھا۔

میں نے معلوم کیا۔ اس بار وہ کس طرح مجھے پھانسا چاہتا ہے؟ پتا چلا۔ میری غیر موجودگی میں ہوئی کا جو ملازم کمرے کی صفائی کے لئے آیا تھا۔ تھا۔ اندر اس کے ہاتھوں سے بیرونی کے دس پانچ پانچ کے پیچے رکھوائے تھے۔ یہیں مجھ پر کسین ہو گیا تھا کہ میں بیرونی فروش ہوں۔

کیا مشکل ہے۔ میں ایسے دشمنوں سے نمٹ رہا تھا۔ ہجر پاکستان کا اہم پر تلاش کرنے آئے تھے اور اہم ہم کی تلاش انہیں پنہم میں پہنچا رہی تھی۔ دوسری طرف اپنے ہی ملک کے قانون کے رشت خور مخالف میرے پیچھے چلے ہوئے تھے۔

میں نے تھا۔ اندر اس کے داغ پر قبضہ جما کر دروازے کو کھولا۔" سپاہیوں نے بولا "ادھر کو! اس کی اچھی آنا ہوں۔" وہ کمرے میں آیا۔ پانچ کے پیچے جگ کر بیرونی کے دس پانچ نکالے پھر انہیں اٹھا کر باہر چلا گیا۔ میں نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ میرے کمرے کی صفائی ہو چکی تھی۔

وہ دروازے کے باہر اپنے ماتحت سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں بیرونی کے سفید سفوف سے بھرے ہوئے دس بیگ تھے۔ سپاہی اسے حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ ایک سپاہی نے پوچھا "جناب! یہ کیا؟ آپ غیر قانونی مال باہر لے آئے اور مجھے پکڑنا چاہتے تھے اسے کمرے کے اندر آزاد چھوڑ دیا؟"

وہ کڑک کر بولا "تھانے دار تم ہو یا میں ہوں؟" "آپ ہیں جناب۔" "تو پھر میرے پیچھے آؤ۔"

وہ آگے بڑھ گیا۔ تمام سپاہی اس کے پیچھے ہو گئے۔ وہ آگے پیچھے چلتے ہوئے کاؤنٹر کے پاس پہنچے۔ تھانے دار نے فیبرے کہا۔ "اپنے ملازم عبداللہ کو بلاؤ۔"

فیبرے نے ملازم کو بلائے والی گھنٹی بجائی پھر پوچھا "جناب! یہ تو راجٹ پاؤڑ ہے۔ کیا ہوئی ہے برآمد ہوا ہے؟"

"تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ میں یہاں سے خالی ہاتھ گیا تھا۔ واپسی میں یہ زہریلے نشے کے بیکنگس میرے ہاتھوں میں ہیں۔ تم لوگوں نے اپنے ہوئی میں یہ دھندلا شروع کیا ہے۔" "نہیں جناب! کوئی مسافر اپنے سامان میں چھپا کر لے جائے تو ہم کیسے دیکھ سکتے ہیں اور کیسے پکڑ سکتے ہیں؟ یہ کس کمرے سے برآمد ہوا ہے؟"

اسی وقت ملازم عبداللہ نے آکر سلام کیا۔ تھانے دار نے اس سے پوچھا "کیا تم نے یہ پاؤڑ کرا نمبر سات میں لے جا کر چھپایا تھا؟" عبداللہ نے پریشان ہو کر تھانے دار کو پھر فیبرے کو دیکھا۔ فیبرے نے زانٹ کر کہا "جواب دو؟"

وہ تھانے دار سے بولا "جناب! آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟ آپ نے حکم دیا تھا کہ میں سات نمبر کمرے کی صفائی کرنے جاؤں اور پاؤڑ کی یہ تھاپیں پانچ کے پیچے چھپا کر رکھ دوں۔" بے شک تھانے دار نے ہی ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ ایک اور ملازم تھا۔ پولیس والوں کے حکم سے انکار کر کے حالات میں لات جوتے نہیں کھاتا چاہتا تھا۔ لہذا اس نے حکم کی تعمیل کی تھی۔ بیرونی کے بیکنگس کو میرے پانچ کے پیچے چھپا دیا تھا۔

تھانے دار خود پر کبھی الزام نہ لیتا کہ مجھے پھانسنے اور مجھ پر کس پانے کے لئے اس نے ہوئی کے ملازم کو ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔ لیکن میں اس کے داغ پر چھپا ہوا تھا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق کہا "پچاؤ تو میں نے تمہیں حکم دیا تھا؟"

عبداللہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "خضور! آپ ایک ہیں۔ آپ پھانسنے ہیں، میں آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی جرات نہیں کر سکتا۔"

فیبرے نے اسے ایک ہاتھ مارے ہوئے پوچھا "ذلیل کہنے! تو یہ کہہ رہا ہے کہ ان پکڑ صاحب سات نمبر کے مسافر کو جھوٹے الزام میں پھانسا چاہتے تھے۔ اور جب پھانسا چاہتے تھے تو اس مسافر کو مال کے ساتھ پکڑ کر کیوں نہیں لائے؟"

تھانے دار نے کہا "اس غریب کو نہ مارو۔ یہ میرے منہ پر بیج کہہ رہا ہے۔ اور میں بچے آدمی کی قدر کرتا چاہتا ہوں۔"

فیبرے نے تعجب سے پوچھا "کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ نے ہی یہ مال وہاں رکھوایا تھا؟"

"جی ہاں، میں نے عبداللہ کو حکم دیا تھا۔ میں بہت ذلیل اور کمینہ ہوں، میں اس شریف مسافر کو پھانسنے کی کوشش سے کچھ رقم وصول کرنا چاہتا تھا۔"

پھر اس نے اپنے سپاہیوں سے پوچھا "کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

تمام سپاہی الجھن میں پڑ گئے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے افسر نے مال کھانے کے لئے ایسا کیا تھا۔ اور وہ تمام سپاہی اس کے اس جرم میں شریک تھے اب وہ اقرار کرنے سے ہچکچا رہے تھے کہ انہوں نے قانون کی دی ہوئی وردی پھن کر ایسا جرم کیا تھا۔

تھانے دار نے زانٹ کر پوچھا "کو کچ اور جھوٹ کو جھوٹ بولا کرو۔ ہاں تو بولو۔ ہم سب ایسی ذلیل حرکت کر رہے تھے؟"

ایک سپاہی نے سرگوشی کے انداز میں کہا "جناب! جو ہو گیا اسے جانے دیں۔ تھانے چلیں۔"

تھانے دار نے کہا "ہاں مجھے تھانے لے چلو۔ مجھے گرفتار کر لو۔ میں تم سب کو گرفتار کروں گا۔ ہم سب مجرم ہیں۔ اگر تم نے ایک دوسرے کو گرفتار کر کے تھانے نہ پہنچایا تو ہمیں یہ وردی پھنسنے کا حق نہیں ہے۔"

دوسرے سپاہی نے پریشان ہو کر کہا "جناب! آپ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ ہم یہ باتیں تھانے چل کر کریں گے۔" "یہ باتیں تھانے چل کر کیوں کریں گے؟ کیا ہم کسی مجرم کو ہچکچاتی پھانسا کر نہیں لے جاتے ہیں؟"

"جی ہاں۔ ہچکچاتی پھانسا کر لے جاتے ہیں مگر....." وہ بات کاٹ کر بولا "اگر مگر نہ ہچکچایاں نکالو۔"

"جی۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"زیادہ باتیں نہ کرو۔ پہلے اپنی وردی اتارو۔ کیونکہ وردی میں ہچکچاتی پھنسنے سے پولیس ڈیپارٹمنٹ کی توجہ بنے گی۔" تھانے دار نے یہ کہتے ہوئے اپنی اپنی آٹاری۔ پھر ٹولی اور شرٹ اتار دی۔ ایک سپاہی نے عاجزی سے کہا "سر! ایسا کرنے سے ہم سب کے بے عزتی ہوگی۔ آپ ذرا فیبرے صاحب کے کمرے میں چلیں۔ ہم وہاں....."

وہ پھر بات کاٹ کر ڈانٹتے ہوئے بولا "وردی اتارنے کے بعد

بے شک ہماری بے عزتی ہوگی لیکن وردی کی عزت رہے گی۔ کم
 اتن۔ جلدی کر۔ یہ وردی انا اور ہتھیاریاں ہنوں۔
 وہ سب حکم کے بندے تھے۔ مجبور ہو کر وردی انا رہے۔
 پھر انہوں نے ایک دوسرے کو ہتھیاریاں پتا نہیں۔ سب نے ہیروئن
 کے دو دو ایکس اٹھاے پھر وہاں سے تھانے کی طرف جانے لگے۔
 ایسا منظر کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ مجرموں کو پولیس والے
 ہتھیاریاں پتا کر کے لے جاتے ہیں۔ کبھی کوئی مجرم خود اپنے ہاتھوں سے
 ہتھیاریاں پتا کر کے نہیں جاتا۔ وہ ہمارے ملک کے پہلے مجرم تھے
 جو خود ہی ہتھیاریوں میں بندھے بازار سے گزرتے ہوئے تھانے
 جا رہے تھے۔

جو لوگ انہیں افسر اور سپاہیوں کی حیثیت سے جانتے تھے وہ
 ان کے ساتھ چلے ہوئے پوچھ رہے تھے ”کیا تم شہا ہے۔ آپ
 لوگ ہتھیاریوں میں ہیں؟ آپ لوگوں کو کس نے گرفتار کیا ہے؟“
 تھانے دار کہتا جا رہا تھا ”ہمیں ہمارے ضمیر نے گرفتار کیا
 ہے۔ اے لوگو! اپنی زندگی میں کبھی بھی اپنے ضمیر کے آواز سن لیا
 کرو۔ کبھی کبھی سچائی سے اپنا غائبہ کرنا اور توبہ کرتے رہو۔ خدا
 تمہیں اور ہمیں ضرور معاف کرے گا۔“

تھانے پہنچے تک کچھ اخباری رپورٹر اور فوٹو گرافر بھی پہنچ گئے
 تھے۔ ان کی تصویریں انا رہے تھے۔ اور کیسٹ ٹیپ ریکارڈ میں
 یہ اقبال جرم ریکارڈ کر رہے تھے کہ انہوں نے ہیروئن کے ہتھیاریوں
 کے ذریعے ایک بے گناہ کو مجرم ثابت کرنا چاہا تھا۔ اس بے چارے
 کو قانونی گرفت میں لا کر اس سے ہماری رقم وصول کرنا چاہتے
 تھے رپورٹرز سوال کر رہے تھے ”کس بے گناہ شخص پر الزام عائد
 کرنے کی کوشش کی گئی تھی؟ وہ کس ہوئی؟ کس کس کرے میں
 ہے؟“

تھانے دار نے انہیں ہوٹل کا نام اور کراٹر نمبر بتایا۔ میں اس
 کے باغ کو آزاد چھوڑ کر اپنی چھوٹی سی اپنی اٹھارہ اٹھارہ ہوٹل سے
 نکل آیا۔ سر سے ہاتھوں کی وگ اٹا دی۔ اس تبدیلی کے بعد کوئی
 مجھے دوسرے نہیں پہچان سکتا تھا۔ قریب اگر غور سے دیکھنے کے بعد
 شاید کوئی سمجھ جائے کہ میں سات نمبر کرے کا مسافر ہوں۔

میں نے دوسرے ہوٹل میں ایک کراٹر حاصل کیا۔ پھر کرے
 میں آکر دو روزے کو بند کر کے آرام سے بیٹھ گیا۔ اس تھانے دار
 کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا تھا ”اسے وہی ہتھکنڈا تھا۔ میں نیلے
 پاس پہنچ گیا۔“

اس کا بیاسی بیاسی اے آرڈو گھس عرف سردار عبدالرحمان
 بوڑھی جاسوس اور دو نوجوان لڑکیاں سب کے سب ذہریلے
 سگریٹ کے کش لگائے کے بعد اڑیاں دگر دگر کر رہے تھے۔ نیلا
 کے نصیب اچھے تھے۔ اس نے سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگایا تھا اور نہ
 ہی اسے یہ معلوم تھا کہ ان چار افراد کو ذہریلے سگریٹوں نے مارا
 ہے۔ اس نے بھی اتنے سارے افراد کو ایک ہی وقت میں کیے بعد

دگرے مرتے نہیں دیکھا تھا۔ اور جب دیکھا تو ہوش اڑ گئے وہ دم
 باغی سی ہو گئی۔ بدحواسی میں گھر سے نکل کر کھانا چلی گئی۔ ساتھ ہی
 چینی کچی ”بھانڈا“ کھینچے۔ بھانڈا میں مرنا نہیں چاہتی۔ میری مدد کرو۔
 وہ سمجھ گئی تھی کہ کھرکی محدود نقصان نہ پہنچا کیس پہنچا ہوگی،
 جس کے نتیجے میں وہ سب مر گئے تھے اور اب اس کی باری تھی
 کیونکہ وہ بھی ذہریلے دھوئیں میں سانس لیتی رہی تھی۔
 ایسے ہی وقت میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ پھر تقریباً تین
 گھنٹے بعد پھانچا تو اسے اسپتال سے چھٹی مل گئی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے
 تسلی دی کہ اس کے اندر ذہریلے گیس کا شائبہ تک نہیں ہے۔ اس
 نے اسپتال پہنچتے ہی چار افراد کی موت کے متعلق بتایا تھا۔ پولیس
 والے اس کے بتائے ہوئے پتے پر اس کو بھیجی میں پہنچ گئے تھے۔

اس کو بھی میں خاص طور پر اٹلی جنس کے شعبے سے لا
 جاسوس آئے تھے۔ انہوں نے کئی دنوں سے نیلا اور روزیہ
 کو نظروں میں رکھا ہوا تھا کیونکہ وہ ایسی پلانٹ سے تعلق رکھتے
 والے ایک نوجوان اور ایک شادی شدہ مرد میں دلچسپی لے رہی
 تھیں۔ انہیں یقین کی حد تک شبہ تھا کہ وہ لڑکیاں غیر ملکی جاسوس
 ہیں۔ اس کو بھی اسے چار لاشیں برآمد ہوئیں۔ ایک ذہریلے شیشی
 اور ایک سرخ کے علاوہ فرانسیسی اور کچھ ایسے کاغذات ہاتھ آئے
 جن سے ثابت ہو گیا تھا کہ دو گھنٹے بعد ہی وردی تھا اور وہاں مسلمان بن کر
 رہتا تھا۔ اس کے ساتھ جو لڑکیاں تھیں وہ اس کے لئے جاسوسی
 کے فرائض انجام دیتی تھیں۔

ہمارے جاسوس نے سمجھ نہیں پایا ہے تھے کہ یہودی ڈھنگ اور
 اس کی ساتھیوں نے سگریٹوں کو سرخ کے ذریعے ذہریلا بنایا۔ پھر
 ان ذہریلے سگریٹوں کے کش کیوں لگائے۔ کیوں جان بوجھ کر موت
 کو دعوت دی اور نیلا کیسے پہنچ گئی۔ انہوں نے نیلا کو حراس میں
 لے لیا تھا اور اس سے طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے۔

میرا کام ختم ہو گیا تھا۔ میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ رات کے
 دس بج رہے تھے۔ میں پاس اور علی تیمور کی خیریت معلوم کر کے
 سونا چاہتا تھا۔ دروازے پر دستک سن کر اٹھ گیا پھر پوچھا ”کوئی
 ہے؟“

”میں ہوئی کا ملازم ہوں۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو
 فرمائیں۔“

میں نے کہا ”کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو تیل بجا دوں گا۔“
 وہ چاہ گیا۔ میں اس کے اندر پہنچ گیا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا
 تھا کہ وہ بغیر ہاتھ کیوں آتا تھا۔ کیا بھرگوئی چکر چلنے والا تھا؟ اس کا
 سوچنے نہ پڑا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ ہر سافر کے پاس
 اس طرح جاتا تھا اور اپنے لائق کسی خدمت کے لئے پہنچتا تھا
 یوں خدمت کرتے رہنے سے صاحب لوگ خوش ہو کر پانچ دو
 روپے بخشش کے طور پر دیا کرتے تھے۔

وہ ضلع حوران کے ایک گاؤں سے ہیں ہزار روپے کما۔

آقا۔ اس کا باپ ایک زمیندار کا نور خان کا مقروض تھا۔
 پٹار میں اگر کوئی مقروض ہوتا تھا تو وہاں کے دستور کے
 ان ملاؤں میں زمیندار کا غلام بن جاتا تھا۔ پھر جب تک قرض کا ایک
 مطابق زمیندار ہوتا تھا۔ تب تک وہ زمیندار کے کچھن میں کام
 کرتا تھا۔ اس کے مویشیوں کی اور اس کے گھروالوں کی خدمت
 کرتا رہتا تھا۔ رات کو کچھن کی رکھوالی کرتا تھا۔ یہی عید
 بزمید میں ایک دن کی بھی چھٹی میں ملتی تھی۔

یہ قرض چھپکے دس برس سے چلا آ رہا تھا۔ ان غریبوں کے لئے
 یہ بزار مت بڑی رقم تھی۔ انہوں نے بھی ایک ساتھ سو روپے
 اپنے ہاتھ میں نہیں بکڑے تھے۔ دوسرے زمیندار کے ہاتھوں میں
 سو پانچ سو اور ہزار کے نوٹ دیکھتے تھے۔ جب باپ مر گیا تو اس کی
 ماں زمیندار کی غلامی کرنے لگی، بیٹے نے بولی ”نور زمان اتم باہ
 ماں زمیندار کی غلامی بہن کل باہاں دس برس کی ہے اور پانچ برس
 میں جوان ہو جائے گی تو کافر خان قرض کے بدلے تیری بہن کا
 ملا لے کرے گا۔ میری غیرت یہ گوارا نہیں کرے گی۔ میں انکار
 کروں گی تو تجھے باپ کا قرض ادا کرنے کے لئے ساری حیات غلام
 بن کر رہنا پڑے گا۔“

نور زمان نے کہا ”بابا نے غلامی میں زندگی گزار دی۔ میں بھی
 گزاروں گا۔ پتا نہیں یہ بیس ہزار کتنے ہوتے ہیں اور یہ کہاں سے
 ملے ہیں۔“

”شہا ہے بڑے شہروں میں ملے ہیں۔ تو حوصلہ کرے گا، شہر
 جانے گا۔ کس ملازمت کرے گا اور انخواہ کے پیسے جمع کرے گا۔
 نور زمان تو ادا کر کے قرض ادا ہوا تو آ رہے گا۔“

وہ ماں کی ہدایت کے مطابق ایک رات ہستی والوں سے
 چھپ کر وہاں سے چلا آیا۔ اگر کوئی اسے دیکھ لیتا اور کافر خان کے
 پاس پہنچ جاتا تو وہ نور زمان کو باندھ کر لے آتا۔ زمینداروں کے
 نور زمان دستور کے مطابق مقروض غلامان کا کوئی فردا پنا گھر چھوڑ
 کر دوسرے علاقے میں نہیں جاسکتا تھا۔

اس دستور کی یہ تاویل پیش کی جاتی تھی کہ اگر غلام بیمار
 ہو جائے تو اس کے باپ ماں بیٹا بیٹی یا بہن یا بھائی اگر تیار کی جا۔
 کلام کرے۔ زمیندار کافر خان شہا نے بھی کر دیا تھا ”تیرا خاندان
 مر گیا۔ تو خدمت گزار کی کے لئے آئی ہے۔ یاد رکھ جب تک
 زندہ اور نہیں ہوگا، تب تک تیرا بیٹا نور زمان اور بیٹی گل جاہاں
 بہن سے باہر نہیں جائیں گے۔“

”خان! ہم پر رحم کرو۔ عہد میں میرا بھائی اور دوسرے عزیز
 ملے ہیں۔ میرے اپنے ہاتھوں وغیرہ سے تول سکتے ہیں۔“
 ”ہرگز نہیں۔ رشتے داروں کو ملنا ہوگا تو وہ اور حرا نہیں گے“
 ”تو مقروض پہنچا اور نہیں جائیں گے۔“

کچھ عرصے تک یہی بات تھی کہ بیس ہزار روپے کا پانچا زان کے سر سے
 کئی مل اترے گا۔ نہ کافر خان ہستی کے باہر محنت مزدوری

کرتے دے گا۔ نہ کبھی قرض ادا ہوا تھو لگے گی۔ یہ کچھ سوچ سمجھ کر
 نے بیٹے کو ایک رات چپکے سے بھاگایا۔ دوسری صبح خان سے کہا۔
 ”بیٹا! آواز دہکا تھا، مجھ سے لڑا تھا۔ کل رات بھی مجھ سے بدکلامی
 کی۔ پھر رات کو جانے کب چلا گیا۔ صبح آگھ کھلی تو میں نے اسے
 تلاش کیا۔ ہستی والوں سے پوچھا لیکن اس کا پتا نہ چلا۔“
 کافر خان نے کہا ”مجھے اٹو سمجھتی ہے۔ تو نے اسے بھاگایا
 ہے۔“

”تمہاری غلامی کی قسم۔ میں نے نہیں بھاگایا ہے وہ جیسا بھی
 تھا میرا بیٹا تھا۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ پھر جان بوجھ کر
 اسے کیوں بھاگاتی۔ شاید وہ ماموں کے پاس گیا ہے ہو سکتا ہے
 واپس آجائے۔“

وہ بولا ”میں جاؤں تو اس کتے کے پیچھے اپنے آوی لگا دوں وہ
 اسے جہاں دیکھیں گے گولی مار دیں گے۔“

”نہیں خان! میرا ایک بی بیٹا ہے اسے کچھ ہوگا تو میں
 مرناؤں گی۔“

”تو مر جائے گی تو قرضہ ادا کرنے کے لئے ایک تیری بی بی
 جائے گی وہ بی بی بھی بھاگ گئی تو میری وصول کیسے ہوگی؟“

”نہیں! میری گل باہاں نادان ہے وہ گھر سے باہر نہیں جائے
 گی۔“

”آج نادان ہے کل جوان ہوگی اس کے بھی پر نکل آئیں
 گے۔ مجھے میری رقم کی ادائیگی کی ضمانت چاہیے۔ اس لئے ضمانت
 کے طور پر بی بی کو میرے حوالے کر دے۔“

”نہیں خان! اعظم! میری معصوم بی بی کو خانتی نہ بنا۔ میرا بیٹا
 جب تک واپس نہیں آئے گا، جب تک قرضہ ادا نہیں ہوگا، میں
 زندہ رہوں گی اور تیری خدمت کرتی رہوں گی۔“

”کیا زندگی تیرے ہاتھ میں ہے کہ جب تک چاہے گی زندہ
 رہے گی۔ تو آج مر سکتی ہے، کل مر سکتی ہے۔ میں کل صبح تک
 صحت رہتا ہوں۔ بیٹے کو واپس لا یا قرضہ ادا کر دوں کہ میں تیری
 بی بی کو بڑی حوصلی پہنچا دوں گا۔“

وہاں سے بیس کلویٹر سردار شاہ خیل نامی ایک چھوٹا سا گاؤں
 تھا۔ وہ گاؤں اور آس پاس کی زمین کافر خان کی ملکیت تھیں۔ نور
 زان کی ماں نے اسے تھا وہاں قلعہ نما ایک حوصلی تھی۔ جہاں کافر
 خان کی اجازت کے بغیر پر بندہ بھی پر نہیں آ سکتا تھا۔ حوصلی کے
 چاروں طرف مسلح حراہوں کا پہرا رہتا تھا۔ یہ بھی تھا کہ جو
 مقروض غلام بھادوت کرنا چاہتے تھے انہیں حوصلی میں قیدی بنا کر رکھا
 جاتا تھا۔ ان قیدیوں میں صوم بھی ہوتے تھے اور عورتیں بھی ہوتی
 تھیں۔ ان سے الگ ایک بڑی حرم ہوا میں حسین اور جوان
 لڑکیاں رکھی جاتی تھیں۔ کافر خان نے اسی بڑی حوصلی میں گل
 باہاں کو پہنچانے کی وہم مکمل دی تھی۔

نور زمان کو پتا نہیں تھا۔ اس کے شہر آنے کے بعد ماں اور

بہن پر کیا کر رہی ہے۔ وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا۔ کسی سے خط لکھوا سکتا تھا لیکن یہ اندیشہ تھا کہ جوابی خط کے پتے پر زمیندار کے آدمی اسے پکڑنے آجائیں گے۔ ماں نے سمجھا یا تھا جب تک قرعے کی رقم جمع نہ ہو جائے تب تک گھر کا رخ نہ کرنا۔

یہ نور زمان کی روداد تھی۔ اس کے خیالات مجھے یہ روداد سنار ہے تھے۔ ہمارے ملک کے بعض علاقوں میں انسانوں کو غلام بنانے کی روایت آج بھی قائم ہے۔ اور یہ ہم پاکستانیوں کے لئے بڑے شرم کی بات ہے۔ بعد میں جو معلومات حاصل ہوئیں ان کے مطابق تقریباً چار ہزار دو تان مجبور اور بے یا روداد گار ہو کر نکلائی کی زندگی گزار رہے تھے۔

ہو سکتا ہے حکومت نے ان مجبور دہتاناؤں کی آزادی کے لئے احکامات جاری کئے ہوں اور ان پر عمل نہ ہو رہا ہو۔ مجھے پاکستان آنے کے بعد جو بنیادی خرابی معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ اوپر سے صادر ہونے والے احکامات کو پولیس والے سیواؤ کر دیتے تھے۔ جس حکم کی تعمیل سے منافع یا رشوت حاصل نہیں ہوتی تھی اس حکم کی تعمیل مجرموں کے اور اپنے مفاد کے مطابق کرتے تھے۔

میں نے آئی جی کو مخاطب کیا۔ اس نے خوش ہو کر کہا ”فراہد صاحب! میں کس زبان سے آپ کا شعر ہے ادا کروں؟ آپ کی مہربانی سے میری جی کل صبح اور پورا شام کو میاں بیچ رہے ہیں۔ میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھلاؤں گا۔ آپ نے مجھے یہودیوں کی غلامی سے نجات دلائی ہے۔“

میں نے کہا ”آپ نے یہودیوں کی غلامی سے نجات حاصل کی ہے لیکن ہماری قوم کے مجبور بندے اپنی جی قوم کے غلاموں کی غلامی میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کی آوازیں بیٹوں اور بہنوں کی عزت و آبرو مٹی میں پانی رہتی ہے۔“

”آپ کن لوگوں کی بات کر رہے ہیں؟“

”صوبہ سرحد کے بعض علاقوں میں سیکڑوں ہزاروں غریب اور مجبور دہتاناؤں زمینداروں کی غلامی کرتے ہیں اور آپ کو خبر نہیں ہے؟“

”اچھا سمجھ گیا۔ لیکن جناب! حکومت نے دہتاناؤں اور محنت کشوں کے لئے ولیمز اسکیم جاری کی ہے۔ اس اسکیم کے مطابق انہیں پندرہ ہزار روپے ادا کئے جاتے ہیں۔“

میں نے پوچھا ”آپ کو یقین ہے کہ یہ پندرہ ہزار ہر مستحق تک پہنچ جاتے ہیں اور یہ رقم مستحقین کے ہمارے بے ایمانوں کے پاس نہیں پہنچتی ہے؟“

”آپ درست فرماتے ہیں۔ بے ایمانی ہو سکتی ہے۔ بلکہ پولیس والوں کے تعاون سے بے ایمانی رواج پاتی ہے۔ مجھے اپنے ڈیپارٹمنٹ کی بدنامی سے شرمندگی ہوتی ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔ آدے کا آدایا فیڑ جانا ہے۔“

میں نے کہا ”ہم آپ تمام پولیس والوں کو صراطِ مستقیم پر

نہیں چلا سکتے، لیکن جہاں تک آپ کے اختیارات ہیں اور تک میری ٹیلی فنی بحثیں جتنے پہنچاتی ہے، وہاں تک ہم غلاموں اور مظلوموں کی دست گیری کر سکتے تھے۔“

”میں حاضر ہوں۔ آپ کی نظروں میں کوئی مجبور دہتاناؤں نہیں ہیں؟“

”جی ہاں ایک لڑکا نور زمان بارہ برس کی عمر میں محنت کے ذریعے بیس ہزار روپے حاصل کرنے پشاور آیا۔ اس کا ایک زمیندار کا کافر خان کا مقروض تھا۔ وہ مرگیا تو مقروض اپنے مرحوم شوہر کی جگہ غلامی کرنے لگی۔ اس کا بیٹا نور مزدوری کرنے اور آقا تو احر کا کافر خان سے اس کی دس روپے بہن محل جانا کو ضمانت کے طور پر اپنی حویلی میں قید کر لیا۔ نور زمان سولہ برس کا جوان ہو گیا ہے۔ دن رات محنت کر رہا ہے اور اس نے اب تک صرف آٹھ ہزار روپے جمع کئے ہیں۔ اس کی بہن محل جانا پندرہ برس کی ہو گئی ہے۔ ایک آدھ برس کی جوانی کی بولی لگائی جاتی ہے۔“

”بس فریاد صاحب! آگے نہ بولیں۔ آپ نے میری ہوا کو یہودیوں کے حصار میں بے آبرو ہونے سے بچایا ہے۔ پرانی بیٹیوں کی عزتوں کا عطاؤں بننا ضروری ہے۔“

میں نے اسے بتایا کہ کافر خان خلیع مروان کے ایک افتادہ گاؤں جرگہ میں رہتا ہے۔ آئی جی نے ریسورٹ الحاکم کے ایک پولیس افسر سے رابطہ کیا۔ پھر اس سے کہا ”میں ہدایت اللہ بول رہا ہوں؟“

اس نے کہا ”السلام علیکم میرا میرے لائق کوئی خدمت آئی جی نے کہا ”جرگہ میں ایک زمیندار کا نام کافر خان کیا اسے جانتے ہو؟“

”جی ہاں! اچھی طرح جانتا ہوں۔ کافر خان ان مجر فہرست میں ہے جن پر ہم ہاتھ نہیں ڈال سکتے، کیونکہ اس علاقہ غیر ہے۔“

میں نے سوچ کے ذریعے آئی جی سے کہا ”آپ ام نور زمان کی باتیں نہ کریں۔ میں اس کے دماغ میں جا رہا ہوں۔ میں اس پولیس انسپکٹر کے پاس پہنچ گیا۔ دوسری طرز آئی جی کہ رہا تھا ”ٹھیک ہے۔ جب کافر خان کا تعلق علاقہ ہے تو میں پولیس ایجنٹ سے بات کروں گا، شعر ہے۔“

اس نے ریسورٹ رکھ دیا۔ انسپکٹر نے بھی مکرانے ریسورٹ رکھ کر سوچا ”پولیس ایجنٹ کافر خان کا کیا کاڑ۔ کافر خان کی پہنچ بہت دور تک ہے۔“

وہ درست سوچ رہا تھا۔ علاقہ غیر ایک آزاد علاقہ ہے کے آزاد قبائلی کسی کے حکوم نہیں رہتے۔ کسی ملک کے نہیں مانتے۔ حکومت پاکستان کو ان قبائلیوں سے یا ان قبائلی حکومت پاکستان سے کوئی شکایت ہو یا کوئی باہمی مسئلہ کاڑ کرنا ہو تو ان کے درمیان ایک پولیس ایجنٹ ہوتا ہے۔

میں نے اسے بتایا کہ کافر خان کے پشنے کے پشنے انسپکٹر بادشاہ خان کی سوچ نے بتایا کہ کافر خان کے پشنے بنی تھے۔ ان کے ساموں سے جلی کاغذات تیار کر کے ہر بنی کے نام سے حکومت پاکستان کی ولیمز اسکیم سے پندرہ ہزار روپے مل چکا ہے۔ اس رقم سے انسپکٹر باج ہزار اور کافر خان ہزار لڑکا لڑکا تھا۔ دونوں اب تک لاکھوں روپے حاصل کیے تھے۔ نور زمان کے مرحوم باپ کے نام سے بھی پندرہ ہزار باج تھے اور وہ بے چارہ اس قریب سے بے خبر تھا۔ اسے ہم بھی بتا دیتے تھے بڑے زمیندار اور پولیس والے کا کیا کاڑ۔ کافر خان پولیس والے کافر خان کا کچھ نہیں جانتے تھے۔ میں آئی جی کو اس معاملے سے آگاہ کیا۔ یہ جرائم سے مجبور ہلا ن تھا جس کا قانونی طور پر بھی پولیس سے تعلق نہیں تھا۔ میں لڑکے کے ذریعے کافر خان تک پہنچ سکتا تھا اور یہ ارادہ تھا کہ میں ہلاتے ہیں پشچوں جہاں لا قانونیت ہر سو تھی اور کسی دوست یا ن کو گولی مارنا ایسا ہی تھا جیسے مکمل مارنا ہوتا ہے۔ کوئی پوچھنے اور پکڑنے والا نہیں تھا کہ تم نے انسانی مکمل کیوں مارا ہے؟ میں نے معلومات حاصل کیں کہ مروان کے دور افتادہ گاؤں لڑکے میں یا کوچ سروس کی گاڑیاں کس وقت روانہ ہوتی ہیں۔ میں نے انسپکٹر بادشاہ خان کو حلا کر اس کے خوابیدہ دماغ میں یہ ناکا کا وہ کل ان کی یاد رہے تک جرگہ پہنچا۔

میں نے پارس اور علی تیمور سے باری باری رابطہ کیا۔ وہ دلا اپنی اپنی جگہ دشمنوں سے منہ رہے تھے۔ میں آگے چل کر اسکے دلچسپ واقعات پیش کروں گا۔ میں نے نور زمان کو دماغی دباؤ پہنچانے کے لئے کہا۔ میں نے اس کے سوسائز مائڈ فریم کی جب میں اور اس کی دوسری اندرونی جیب میں مائڈ لاپ ٹھونس دے دے ہزار ہزار کے نوٹ تھے اس لئے یہاں میں مانگے۔ پھر میں نے اسے واپس بھیج دیا۔ وہ وہاں کے جوئے سے اسٹور دوم میں آتا تھا۔ وہ وہاں پہنچ کر دماغی طور پر ہوا پھر چونک کر سوچنے لگا ”میں ابھی کہاں تھا؟ کیا کر رہا اس نے میری مرضی کے مطابق جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر

چونک کر نوٹ نکالے ہزار ہزار کے نوٹ دیکھ کر وہ ہلکا گیا۔ ایسے ہی نوٹ اندرونی جیب سے نکلے تو وہ بڑی دیر تک گم سم بیٹھا رہا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اتنی دولت کیا غیب سے اس کے پاس آئی ہے۔ وہ انہیں جھٹکنے لگا اور گنتے گنتے روئے لگا۔ میرا بھی دل بھر آیا۔ اس پر بڑا ہار آ رہا تھا۔ بے چارہ زندگی میں پہلی بار آسروں سے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اتنی دولت دیکھ رہا تھا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ پورے بیس ہزار غیب سے مل گئے ہیں۔ تو وہ جلدے میں گر کر حجام ربی الا علی حجام ربی الا علی پڑھنے لگا۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ دماغ کو دیا تے دیں۔ پھر میری نیند میں ڈوبنا چلا گیا۔ کسی سے محبت کو کسی کے برے وقت میں کام آوے۔ اسے گرداب سے نکال لاؤ تو جی ستر میں حاصل ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جو خوشنودی حاصل ہوتی ہے، وہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ نیکیاں کر کے سونے والا ہی جانتا ہے، اسے کتنی پرسکون اور مرمی نیند آتی ہے۔

رات کے میں بیچے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے ٹیڈی کا غسل دیا۔ وہ فوری طور پر کمر لیا۔ تبدیلی کیا۔ پھر اپنی کس اٹھا کر کونٹر پر آیا۔ کونٹر میں کو اطلاع دی کہ میں جا رہا ہوں۔ پھر پلوٹے اسٹیشن کے پاس آیا۔ ایک آرام دہ کوچ گاٹھ لے کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہاں کئی مسافروں کے درمیان نور زمان بھی بیٹھا ہوا تھا۔

اس نے پچھلے ساڑھے چار برس سے اپنی ماں اور بہن کی صورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ ابتدا میں انہیں یاد کرتے ہی ان سے ملنے کو دل تڑپنے لگتا تھا۔ پھر روزہ زمر آ گیا تھا لیکن اب قرعے سے بھی زیادہ رقم مل گئی تھی۔ میں ہزار میں دے دے تھے اور آٹھ ہزار اس نے محنت مزدوری سے جمع کئے تھے، یہ اٹھائیس ہزار ملے ہی وہ ماں کی آغوش میں بیٹھنے کے لئے بے چین ہو گیا تھا۔ اس نے ماں اور بہن کے لئے کچھ کپڑے اور دوسرے تھے بھی نہیں خریدے تھے، سوچا تھا کہ راستے میں کس بازار پر سے گاؤ خرید لے گا۔ اس کے اختیار میں ہوا تو وہ پروا نہ کر کے وہاں پہنچ جاتا۔

وہ جس قدر بے چین تھا، اتنی ہی سما ہوا تھا۔ یہ اندیشہ تھا کہ اس کے لباس میں بیچھی ہوئی دولت کوئی دیکھ نہ لے۔ اسے پاس بیٹھنے کے لئے ہم سفراتے چور ڈاکو لگ رہے تھے۔ وہ جگہ بدلنے کے لئے خالی سیٹوں پر نظرس دوڑا رہا تھا۔ میں نے اسے اپنے پاس آنے پر مجبور کیا میں کھڑکی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا ”برادر! آپ مجھے کھڑکی کے پاس بیٹھنے دیں گے؟“

میں نے اٹھتے ہوئے کہا ”ضرور میاں بیٹو۔“

وہ شعر بے ادرا کرتے ہوئے وہاں بیٹھ گیا۔ کھڑکی کے پاس بیٹھنے کا یہ فائدہ تھا کہ اس طرف کوئی بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ اس کے دوسری طرف میں ایک ہم سفر تھا۔

پچھلی رات سے اس کی نیند اڑ گئی تھی۔ اتنی بڑی رقم لانے کے بعد اس کے اندر دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ تجسس بھی تھا کہ اتنی بڑی

رقم اس کی دوجیوں میں کہاں سے آگئی؟ بس اتنا ہی سمجھ میں آیا کہ اللہ پتھر بھڑا کر دیتا ہے۔ آج اسے بھی اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اور یہ جھوٹ نہیں ہے۔ خداوند کریم نے دیا ہے۔ اسے دینے کے لئے کسی کو ذریعہ بنا دیا ہے۔ نور زمان اور اس کی ماں بہن کو مشکلات سے نکالنے کے لئے اسے معبود نے نئے ذریعہ بنا دیا تھا۔ جب گاڑی چلنے لگی تو تازہ ہوا کے جھوکوں سے اسے نیند آنے لگی لیکن وہ سوٹا نہیں چاہتا تھا۔ دل میں خوف پایا ہوا تھا کہ آنکھیں بند کرے گا تو کوئی تمام رقم چرا کر لے جائے گا۔ یہ خوف ہو دل میں بھی قائم رہا اس لئے وہ جاگتا رہا تھا۔

میں نے آہستہ آہستہ اسے ٹپکی جیٹھی کی لوری سنا کر سلا دیا۔ خوابیدہ شخص نصف مردہ ہوتا ہے۔ یہ عارضی موت تمام قلوب اور اندیشوں سے نجات دلا دیتی ہے۔ فکر اور اندیشے آدمی کو سونے نہیں دیتے۔ ایسی حالت میں نئے نئے آجائے وہ بہت خوش نصیب ہوتا ہے۔ نور زمان خوش قسمتی کی آغوش میں مرنے سے سوتا تھا۔

سفر بڑے سکون سے جاری تھا۔ کئی گھنٹوں کے بعد گاڑی مردان کے ایک اسٹاپ پر رکی۔ ڈرائیور نے بتایا۔ گاڑی وہاں سے آدھے گھنٹے بعد روانہ ہوگی۔ میں نے نور زمان کو بگایا۔ وہ ہڑوا کر دونوں ہاتھوں سے لباس کے اندر ٹوٹے لگا۔ جب اسے اطمینان ہوا کہ رقم موجود ہے تو اس نے مجھ سے کہا "میں اتنی دیر تک سوتا رہا۔ ہم مردان ضلع میں پہنچ گئے ہیں۔"

میں نے کہا "کوئی کھانا؟"

میں گاڑی سے باہر آگیا۔ وہ بھی باہر آکر بولا "آپ کھانے کے لئے جاتیں؟ میں کچھ خریداری کروں گا۔"

وہ دوسری طرف چلا گیا۔ میں کھانے کے لئے ایک ہوٹل میں آیا۔ کھانے کے دوران نور زمان کے پاس جاتا آتا رہا۔ وہاں کے لئے سادے کپڑے اور بہن کے لئے رنگین کپڑے اور نقلی زیورات خرید رہا تھا۔ خوشی کے مارے اس کی ہموک اڑتی تھی۔ گاڑی کی روانگی کا بھی وقت ہو چکا تھا۔ وہ تمام سالانہ کے لڑائی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔ میں دوپڑے اور اندھوں کا آئینٹ ہوا کر لے آیا اس کے پاس بیٹھ کر بولا "شواہ بھی شواہ۔ بڑی خریداری کی ہے؟"

وہ مسکرا کر بولا "پورے ساڑھے چار برس کے بعد گھر جا رہا ہوں اس لئے گھروالوں کے لئے کچھ خرید لیا ہے۔"

میں نے کانڈ میں لپٹے ہوئے پرانے پیش کئے "حو انیس کھانا۔"

وہ جھجکتے ہوئے بولا "شکر یہ برادر! میں نے کھالیا ہے۔"

"میں نے بھی بیٹ بھر کر کھالیا ہے۔ تم نہیں کھاؤ گے تو یہ ضائع ہو جائیں گے۔"

کھانے کی اشتہا گھٹن خشیو اس کی ہموک پروساری تھی۔ میں نے اس کے اندر پہنچ کر اسے کھانے پر مائل کیا۔ وہ بے اختیار

میرے ہاتھوں سے پرانے لے کر کھانے لگا۔ وہ جینس پر شرابا تھا لیکن کھانا جا رہا تھا۔ حیران ہوا تھا کہ ایک آنچ پرانے لے کر کیوں کھا رہا ہے؟

اس نے کھانے کے بعد کانڈ کو کھڑکی سے باہر دیکھا۔ صند پر بیٹھے ہوئے بولا "مجھے شرمندگی ہے؟ میں نے آپ کا ہاتھ کھالیا۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں تمہارے لئے ہی لایا تھا۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"جرگ تک جانے کا ارادہ ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولا "وہ میرا گاؤں ہے۔ میں بھی وہیں جا رہا لیکن آپ ادھر کے نہیں گئے۔ کیا ادھر کوئی عزیز یا دوست ہے؟"

"میرا کوئی نہیں ہے۔ چلی جا رہا ہوں۔ شہری گھبراہٹ بیزار ہو گیا ہوں۔ سنا ہے وہ بہت پر سکون علاقہ ہے۔"

"میرا گاؤں بہت خوب صورت ہے۔ بہاؤ، آبشار، دریا اور طرح طرح کے رنگ برنگ پھولوں کو دیکھ کر یوں لگتا ہے زمین پر اتر آئی ہے۔ وہ سکتا ہے کہ آپ کو جنت نہ لگے گی۔ بستی ہے۔ میرے جذبات ہیں۔ آپ وہاں میرے مہمان رہیں گے۔"

"نہیں؟ میں تم پر بوجھ نہیں بنوں گا۔"

"برادر! اس علاقے میں کسی چٹان سے یہ نہ کہنا کہ بوجھ ہوتا ہے۔ وہ گولی ادا ہو گے۔"

میں نے بیٹھے ہوئے کہا "میں تمہارے ہاتھوں سے گولہ مرنے نہیں چاہتا۔ اس لئے تمہاری میزبانی قبول ہے۔"

"شکر یہ برادر! ہماری بستی میں تو وہ خانہ ہے مگر کھانے ہوٹل نہیں ہے۔ وہاں آپ کو کسی نہ کسی کامسمان بن کر رہنا خدا کا شکر ہے آپ مجھے مل گئے۔ مہمان اللہ کی رحمت ہوتا ہے۔ ہم جرگ پہنچ گئے۔ یوں تو میں راستے میں خوب صورت دیکھا آیا تھا لیکن جرگ کا حسن منفرد تھا۔ آنکھیں ہر طرف تھیں اور دیکھ دیکھ کر ہی نہیں بھرتا تھا۔ وہ علاقہ قدرتی حسن جس قدر مال مال تھا اس قدر وہاں کے لوگ غریب، بھوچار اور تھے۔ دور دور تک مٹی یا لکڑیوں سے بنے ہوئے چھوٹے کچے مکانات دکھائی دے رہے تھے۔ ایک چھوٹی سی پہاڑی کا بلندی پر ایک پتہ چلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ چوٹی کے اطراف اونچے چٹان بنے ہوئے تھے۔ ہر چٹان پر دو سٹیل ہرے دار ہوئے تھے جو وہاں سے دوستوں اور دشمنوں کو دور سے آنے دیکھ سکتے تھے۔"

نور زمان نے ادھر اٹکی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا "خان کی چوٹی ہے۔ ظالم سے خدا سمجھے گا۔"

وہ تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا سے بولتا جا رہا تھا "آج میرا پورا کتبہ قرآن کی لنت سے

مائل کر لے گا۔ میرے بابا کی روح کو سکون ملے گا۔ ظالم خان نے میرے بابا کو فکر اور پریشانیاں میں مبتلا کر کے مار ڈالا تھا۔ اس نے بستی کے ایک شخص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "وہ دلدار! میرے کو شناخت کر۔ ام تیرا بچپن کا یار ہے؟"

نور زمان نے اس سے گلے ملے ہوئے کہا "اُسے زمان اتواؤنٹ کی طرح بلایا ہو گیا ہے۔ بچپان نہیں جاتا ہے۔"

"وقت ہے ہم سب کو بدل دیا ہے۔ ان سے ملو یہ میرے مہمان ہیں۔"

دلدار نے مجھ سے معافی کیا پھر کہا "زمان! تیری ماں خان انظم کی چوٹی میں ہے۔ تو جانتا ہے اسے آج وہی رات سے پہلے چھٹی نہیں ملے گی۔"

نور زمان نے کہا "میں گھر جا کر پہلے بہن سے ملوں گا۔ پھر ماں رکھ کر اس کے پاس چوٹی میں جاؤں گا۔ آج خان انظم کا قہر آتا رہا ہے۔"

"تو پھر خدا کا واسطہ پہلے قرضہ اتار دے۔ تیری بہن گھر میں نہیں، خان انظم کی بڑی چوٹی میں ہے۔"

"کیا بولتا ہے دلدار؟"

"سچ بولتا ہوں۔ تیرے میاں سے جاتے ہی خان انظم نے کہا تیری ماں کی دن تیری بہن کو بھی میاں سے ہونڈا دے گی۔ اس لئے اسے فحاشات کے طور پر قید کر لیا ہے۔ وہ علاقہ ٹھیکری بڑی چوٹی میں ہے۔"

"میری بہن کو اس نے علاقہ غیر میں پہنچا دیا ہے۔ نہیں میں اسے آج ہی واپس لاؤں گا۔"

وہ ٹھنکے ہوئے اور بخون میں مجھے بھول گیا۔ دوڑتا ہوا چوٹی کی طرف جانے لگا۔ میں نے اس کے پیچھے جاتے ہوئے اسے کنٹرول کیا اس کی سوچ میں سمجھایا "مجھے خوشی ہے کہ یہ سمجھتا چاہئے، گاؤں خان کتا سنگدل قضا ہے۔ اس کے خونخوار ہرے دار تھے۔ گولیوں سے چھلٹی کر دیں گے۔"

اس نے کہا "میں اپنی جان دے دوں گا۔ وہ میری بہن کو اس بٹا توئی میں سے لے گیا ہے۔ جہاں سے کوئی لڑکی واپس نہیں آتی۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "میں زہر دہوں گا اور عقل سے کام لیں گا تو گل جان غزت و آہوستہ واپس آئے گی۔"

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا، سوچوں میں گم پہاڑی کے دامن میں آیا۔ وہاں ایک کیمپ میں دو سٹیل گاڑز تھے۔ ایک نے باہر آکر پچھا "کون تو تم؟ ادھر کیوں آئے ہو؟"

"میں نور زمان ہوں۔ میری ماں سیدی بانو چوٹی میں خدمت کر رہے ہیں۔ میں اپنی ماں اور خان انظم سے ملنے آیا ہوں۔"

میں اس گاؤں کے اندر پہنچ گیا۔ وہ کیمپ کے اندر آیا۔ لاہرے گاؤں سے پوچھا "یہ دونوں کون ہیں؟"

گاؤں نے اونچی آواز میں پوچھا "نور زمان تیرے ساتھ کون ہے؟"

"میرا عزیز مہمان ہے۔"

گاؤں نے ریسور انٹارک پہاڑی کی نصف بلندی پر تعمیر کی ہوئی چوٹی میں کسی سے رابطہ کیا۔ اسے بتایا کہ نور زمان اپنی ماں اور خان انظم سے ملنا چاہتا ہے۔ دوسری طرف سے کہا گیا "انتظار کرو۔"

میں چوٹی کے اندر انتظار کرانے والے کے پاس پہنچ گیا۔ وہ کاغذ خان کا دست راست تھا۔ اس نے انتظار کام کے ذریعے کاغذ خان کو مخاطب کیا۔ پھر کہا "سیدی بانو کا فرزند نور زمان اپنے ایک مہمان کے ساتھ آیا ہے۔ وہ آپ سے اور سیدی بانو سے ملنا چاہتا ہے۔"

کاغذ خان کی غرائی ہوئی آواز سنائی دی "وہ خنزیر کا بچہ اتنے برس بعد آیا ہے۔ کیا قرآن کی رقم لایا ہے؟"

"میں نے یہ نہیں پوچھا ہے۔ ابھی پوچھتا ہوں۔"

"تم ریسور رکھ دو۔ میں بات کرتا ہوں۔"

کاغذ خان نے ریسور انٹارک کی بجائے کیمپ کے گاؤں سے کہا "اس سے معلوم کرو۔ کیا وہ قرضہ ادا کرے گا؟"

میں کاغذ خان کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا "اگر وہ شہر سے اچھی کمائی کر کے آیا ہے تو قرضہ ادا کر دے گا۔ بڑی گریو ہوگی۔ چھوٹا خان، گل جانان پو عاشق ہو گیا ہے۔ اس کے جوان ہونے کا انتظار کر رہا ہے۔ حرم سرا کی لڑکی ڈاکٹر نے کہا ہے کہ گل جانان کے لئے اور دو برس انتظار کرنا ہوگا اور یہ نور زمان ادا نہیں کئے لے آیا ہے۔"

ریسور سے گاؤں کی آواز سنائی دی "جناب عالی! یہ ابھی پورے میں ہزار ادا کرے گا۔"

وہ غرا کر بولا "ہوں! آئے دو۔"

اس نے پوچھا "مہمان کے لئے کیا حکم ہے؟"

وہ مجھے چوٹی کے اندر بلاتا نہیں چاہتا تھا لیکن میری مرضی سے بولا "کیا ہماری قوم کی روایت نہیں جانتے ہو۔ بستی میں آنے والا سب کا مہمان ہوتا ہے۔ اسے بھی آنے دو۔"

کیمپ کے ایک گاؤں نے باہر آکر ہم سے کہا "اوپر چلو۔"

میں گاؤں اور نور زمان کے ساتھ پہاڑی راستے پر چڑھتے ہوئے دور دور تک دیکھنے لگا۔ وہاں کی ایک ایک جگہ کو ذہن نشین کرنے لگا۔ بلند چٹانوں پر گھن نظر آ رہے تھے۔ پہاڑی راستے کے ہر موڑ پر ایک کیمپ تھا۔ گویا وہ چیک پوسٹ کے طور پر بنائے گئے تھے۔ گاؤں نے ہمیں پہلے چیک پوسٹ تک پہنچایا۔ وہاں ہماری چاند تلاش کی گئی۔ ہمارے پاس کوئی اختیار نہیں تھا۔ میرے پاس نہیں ہزار اور نور زمان کے پاس ستائیس ہزار چھ سو روپے تھے۔ چنگچنگ کے دوران پہاڑ کے دامن سے ایک فنی مرید کار آ رہی تھی اور

جوئی کی طرف جاری تھی۔ ایک گاڑنے کا "ایک طرف دو باؤ۔ مریانا خانم آ رہی ہیں۔"

یہ معلوم ہوا کہ مریانا خانم کافور خان کی چھوٹی بہن تھی اور وہ چھوٹا خان جو گل جاناں پر عاشق تھا وہ کافور خان کا چھوٹا بھائی تھا۔ مریانا کی گاڑی چیک پوسٹ پر آکر رک گئی۔ اگرچہ وہ ان زمینوں کی مالک تھی۔ کافور خان کی بہن تھی لیکن خود کافور خان کی گاڑی کو بھی آتے جاتے چیک کیا جاتا تھا۔ یہ اندیشہ تھا کہ کوئی دشمن گاڑی میں ناظم نوغہ چھپا کر رکھ سکتا ہے۔

مریانا چیکنگ کے دوران کار سے باہر آئی۔ وہ جتنی حسین تھی، اتنی ہی قدر آور اور بھروسہ تھی۔ ابلے کینے چہرے پر سب کی سرفنی تھی۔ اس نے آنکھوں پر سے سیاہ گوشتیں اڑاتے ہوئے چیک پوسٹ کے پاس کھڑے ہوئے لوگوں کو ایسی حاربت سے دیکھا جیسے کڑے کوڑوں کو دیکھ رہی ہو۔

اس کی نظریں بھڑے گزرتی ہوئی دوسری طرف جانا چاہتی تھیں۔ لیکن میری بیٹی کی محتاط طبیعت نے اس کی نگاہوں کو جکڑ لیا۔ وہ جیسے اپنے برابر نہیں سمجھتی تھی اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی تھی۔ وہ مجھے بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی لیکن میری آنکھوں کی محتاط طبیعت سے آزاد نہیں ہو رہی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے دوہرو آئی۔ اس کی آواز میں لاکھ درد اور دہرہ ہوتا تھا لیکن اس نے زبان کھلی تو آواز ڈوبنے لگی۔ وہ پچھلی پچھلی سی سرگوشی میں بولی "کون تو تم؟"

میں نے اس کے اندر کہا "دو ہی ہوں جس کے لئے تم سوچتی ہو لیکن جسے تم سمجھ نہیں پاتی ہو۔"

پھر میں نے زبوں سے کہا "میرا نام ارسلان ہے۔ میں اس نودان نور زمان کا مسلمان ہوں۔ خان اعظم سے ملاقات کرنے آیا ہوں۔"

میں نے اس پر سے اپنی نگاہیں ہٹا لیں۔ محتاط طبیعت ظلم ٹوٹ گیا۔ مریانا نے چونک کر اس پاس دیکھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ یہ سوچ کر اسے فصد آ رہا تھا کہ ایک اجنبی کی آنکھوں میں گم ہو گئی تھی۔

وہ تیزی سے چلی اور کار میں جا کر بیٹھ گئی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "ارسلان کو کیوں۔"

دولت اور دنیا والے اس کے گلوں تھے لیکن وہ دماغ کی محکوم تھی۔ اس نے بے اختیار جھنجھٹ دیکھا۔ پھر کار اشارت کر کے آگے بڑھ گئی۔ ذرا دور جا کر اس نے میری مرضی کے مطابق کار روکی۔ کڑکی سے ہچاک کر کھینچ دیکھا۔ وہ مجبور ہو کر سوچنے لگی "میں اس کی طرف کبھی جاری ہوں۔ اسے تھا کہ ہزار سخت مزاحمتی کے باوجود دل کسی ایک کے لئے پاگل سا ہو جاتا ہے۔ کیا میں دیوانی ہو رہی ہوں۔ خواہ خواہ گاڑی روک کر اسے دیکھ رہی ہوں۔ یہ ملازم گاڑو وغیرہ کیا سوچتے ہوں گے۔"

اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے بلایا۔ ایک گاڑنے کے اندر "ادھر جاؤ" ناظم بلاتی ہیں۔"

میں نور زمان کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔ یہ معلوم کر چکا تھا کہ دونوں بھائیوں نے اسے تعلیم کے لئے لندن بھیجا تھا۔ وہ پینٹل برس واپس آئی تھی۔ میں نے انگریزی میں کہا "دل کی بات زبان پر نہ لائی جائے تو اندر کھن بڑھ جاتی ہے۔" وہ بھی انگریزی میں بولی "یہ اچھا ہوا کہ تم یہ زبان بولتے ہو۔ ورنہ میں اپنی انگوٹوں کے سامنے دل کی بات نہ کہہ پاتی۔ تم نے کیا ملاقات میں نہ جانے کیا یاد کروایا ہے۔"

"میں جادوگر نہیں ہوں اور نہ ہی عاشق مزاج ہوں۔ مجھے کوئی عورت متاثر نہیں کرتی۔"

"یعنی مجھ میں متاثر کرنے والی خوبیاں نہیں ہیں۔ تم میری توہین کر رہے ہو۔"

"میں تمہارے بارے میں نہیں کہہ رہا ہوں۔ بھلا کیا ملاقات میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ تم میں کتنا کثرت ہے۔"

"میں تمہیں بتاؤں گی کہ کیسے کثرت دار ہوں۔ انکی سیدہ بیٹھو۔"

"میرا دہتان میزبان بھی بیٹھے گا تو تمہاری برتری کو نہیں پئے گی۔"

وہ بولی "یہ گاڑی کے پیچھے دوڑنا تو داؤد آئے گا۔ اس کی اوقات یہی ہے۔"

"اس کی اوقات اتنی اونچی ہے کہ تم اس کے مسلمان کے لئے گاڑی سے اتر کر زمین پر آگئی ہو۔"

"تم میری افسلت کر رہے ہو۔ جانتے ہو تمہارا انجام کا ہو گا؟"

"کوئی اپنا انجام نہیں جانتا۔ تمہیں بھی اپنے انجام کی خبر نہیں ہے۔"

وہ غصے سے کار کے اندر مچی۔ ڈلیش بورڈ کے ایک خانے کو کھول کر گہرا ہوا دیوار کا ڈالہ اس کا خیال تھا جسے گولی ماروں گی میں مریاناں گاؤ اس کے اندر سے میرا تاثر اور میرا جادو بھی ہو جائے گا۔

میں نے اس کی سوچ میں کہا "وہ مرنے کا تو میں ڈرا ہوا ہوں۔ اس کی محتاط طبیعت نے میری رگ رگ میں لوکا طرح دوڑ رہی ہیں۔ میں چاہتی ہوں یہ مجھے دیکھتا رہے اور نہ گھبراہٹ ہوئی رہوں۔"

وہ ڈھیلی بڑھی۔ دیوار کو واپس رکھتے وقت اس کی سوچ۔

کہا "آہ کیا کروں۔ میرا دل اسے لگتا ہے۔"

وہ فوراً ہی کار اشارت کر کے آگے چلی گئی۔ ایک دہتان اپنی کار میں نہیں بٹھا سکتی تھی۔ میں نے اس کی انا کوئی اگال مجھ نہیں کیا۔ ابھی وہ سلوک کر چکا تھا وہ ملاقات کے لئے کئی تھا۔

نور زمان نے میرے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا "وہ کیا کہہ رہی تھی؟"

"بہرہ رہی تھی میں اس کے ساتھ کار میں بیٹھ جاؤں گی۔"

انگریزی بولنا یہ تم گاڑی کے پیچھے دوڑتے ہوئے آؤ گے کیونکہ تم قوی اور طاقتور ذاتی زبان بولتے ہو اور اس سے بہت کمتر ہو۔"

"آپ اس کے ساتھ نہیں گئے۔ یہ بہت برا ہوا۔ وہ خان زادی ہے اپنی توہین کا بدلہ لے گی۔"

"یہ دور پروانہ کرنا۔"

ہم باہری راستے پر چڑھتے چڑھتے جوئی کے بڑے گیٹ تک پہنچ گئے۔ ایک سیکورٹی افسر نے ڈیوٹی آئے سے ہمیں سر سے پاؤں تک دیکھا۔ کئی ہتھیار کی نشاندہی نہیں ہوئی۔ ہم دو سیکورٹی گاڑوں کے پیچھے چلتے ہوئے وسیع و عریض باغ سے گزرتے ہوئے جوئی کے اندر آئے۔ بڑے زبردست خانگی انتظامات تھے۔ اس کے باوجود میں ان کے آقا کافور خان کے اندر پہنچا ہوا تھا۔ اگر ملازم غیرتے نور زمان کی بہن کو واپس لانے کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں خان اعظم کو ملتی چلتے پر مجبور کر دیتا۔

جوئی کی بیشک میں اس کے ملازم نے مجھ سے کہا "تم ادھر بیٹھو اور تم نور زمان میرے پیچھے آؤ۔"

میں ایک ایسی کرسی پر بیٹھا جس کی پشت دیوار سے لگی ہوئی تھی۔ کسی نئی جگہ اس طرح بیٹھنا چاہئے۔ پیچھے سے دشمن کے تیل کا خطرہ نہیں رہتا۔ میں دست راست کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ نور زمان کو اپنے آقا کے پاس لے جا رہا تھا۔ ایک راہداری سے گزر کر دوسری تیزی راہداری میں چل رہا تھا۔ جوئی بہت بڑی تھی۔ آقا تک پہنچنے کا قائلہ بھی بہت تھی۔ آخر وہ ایک بڑی سی خواب گاہ میں پہنچ گئے۔

کافور خان شاہانہ طرز کے باگ پر شاہانہ انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ نور زمان نے جبکہ کر سلام کیا۔ وہ غرا کر بولا "تو ہمیں دھوکا دے کر فرار ہوا تھا۔ تیری اتنی جرات کیسے ہوئی؟"

"خان آقا میں محنت مزدوری کرتے کیا تھا۔ یہ دیکھئے میں آپ کے پورے میں ہزار روپے لایا ہوں۔"

اس نے لباس کے اندر سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر دکھائی۔ پھر کہا "آج میں قرض ادا کر رہا ہوں۔ میری ماں اور بہن کو کہا کریں۔"

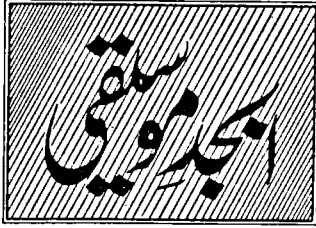
گاڑنے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا "دوسرے رقم کیا دکھاتا ہے۔ ادھر اور قرض کی رقم میرے قدموں میں رکھ دے۔"

وہ دونوں ہاتھوں کی ظہتری پر نوٹوں کی گڈیاں رکھے آہستہ آہستہ چٹا ہوا قریب آیا۔ پھر بولا "آقا حضور! یہ رقم قبول کریں۔"

وہ کھن کر بولا "کیا تو نے سنا میں یہ رقم میرے قدموں میں رکھ دے۔"

"معافی چاہتا ہوں آقا! نوٹوں پر ہمارے قاتلو اعظم کی

موسیقی کے شائقین کے لیے اپنے طرز کی اچھوتی کتاب



سازوں کی نگت میں گانا کی شکل فن سے



سُرے، گیت، راگ، ٹھانڈا اور موسیقی کے دیگر اسرار و رموز آشکار کرنے والی بھلا کا آمد کتاب

بڑھتی ہے نامور گلوکار اس کتاب کے بارے میں کہیں کہیں

پیشہ دیکھنے والوں کے لیے شعل راہ ہے

مہدی حسن کا تفصیلی تبصرہ مع ان کی دست گین تصویب کے اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں



قیمت ۲۰/- روپے ۵۰/- ڈاک خرچ ۱۰/- روپے پیشگی رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجئے ہر ڈاک خرچ صاف

کتابیات پہلی کیشینز

پت: بکس نمبر ۱۳ سید نیشنل بیورو اسٹریٹ، آئی جی ڈی روڈ لاہور

تصویریں ہیں۔ میں انہیں قدموں میں نہیں رکھوں گا۔“
 نور زبان کا تکرار نظم سے عقیدت اور احترام کا جذبہ دیکھ کر
 دل خوش ہو گیا۔ کافور خان نے ایک مانچر رسید کیا۔ نور زبان کا
 منہ گھوم گیا۔ وہ پلٹ کر فرش پر گر پڑا۔ نوٹوں کی گڈیاں ادھر ادھر
 بکھر گئیں۔ پھر وہ جلدی سے اٹھ کر گڈیاں سمیٹ کر انہیں
 ہتھیلوں کی پشتی میں سما کر دوبارہ اس کے دودھ لگایا۔
 کافور خان نے کہا ”میں علاقہ غیر میں رہتا ہوں۔ وہاں بڑے
 بڑے ملکوں کے کرنسی نوٹ آتے ہیں۔ ان کے سامنے پاکستانی کرنسی
 کی کیا اہمیت ہے۔“
 اس نے دست راست سے کہا ”خجند خان! اسے ٹھوکار مار کر
 نوٹوں سمیت ہمارے قدموں میں گراد۔“
 میں نے دست راست خجند کو مال کیا کہ وہ نور زبان کے پیچھے
 سے دوڑنا بوا آکر فٹنگ ٹنگ مارے۔ اس نے یہی کیا۔ دوڑنا بوا
 آکر فٹنا میں چلا تگ لگائی۔ میں نے اسی لئے میں اسے تھما دیا۔
 فٹنگ ٹنگ کافور خان کے منہ پر لگی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے پیچھے
 گیا۔ خجند فرسٹ پرائوٹ سے منہ کر رہا تھا۔ ادھر کافور خان غصے سے
 پاگل ہو گیا تھا۔ آج تک کسی نے اسے انگلی نہیں لگائی تھی۔ کیا یہ
 کہ ملازم نے منہ پر لات مار دی تھی۔
 اس نے گالیاں دیتے ہوئے کھینکے کے پیچھے سے بھرا ہوا ریو اور
 نکالا۔ خجند نے گڑ گڑا کر کہا۔
 ”تم آقا رحم جاہیں نہ دانستہ۔۔۔“
 اس کی بات پوری نہ ہو سکی۔ کافور خان جنون میں ناز کرنا
 گیا۔ دست راست پہلی پہلی گولی میں غصہ اڑ گیا تھا لیکن وہ فٹنا میں
 فٹنا میں ناز کرنا گیا۔ یکے بعد دیگرے گولیاں اس کے جسم میں
 اتارتے ہوئے اپنا غصہ سر کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر خالی
 ریو اور کھینک کر اس نالاش پر مارتے ہوئے گمری سانس لینے لگا۔
 ایک دھمکی دہندے کی طرح اپنے لگا۔
 سیکیورٹی افسر دوسرے گاڑوں کے ساتھ دوڑتا ہوا وہاں پہنچ گیا
 تھا اور سیٹیٹ کر کے جراثی سے دست راست کی لاش کو دیکھ رہا تھا
 اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ آقا نے اپنے قابل اعتماد دست
 راست کو قتل کیا ہے۔ آقا نے گرج کر کہا ”اس ٹنگ حرام کی لاش
 کو حویلی کے پیچھے کھائی میں بیچ کر دو۔“
 وہ سب لاش اٹھا کر لے گئے۔ دو ملازم خون آلود قالین لے گئے۔
 کر لے گئے۔ دوسرے ملازم نیا قالین لا کر بچانے لگے۔ اس
 عرصے میں نور زبان ایک طرف سما کھڑا رہا۔ کافور خان آکھیں بند
 کر کے سوچ رہا تھا ”ابھی کسی کو معلوم نہیں ہے کہ میں نے منہ پر
 لات کھائی ہے۔ یہ نور زبان بھی باور دہو جائے گا تو میری عزت رہ
 جائے گی۔“
 میں نے اس کی سوچ میں کہا ”مجھے لات کھا کر عقل سے سوچنا
 چاہئے کہ میں کا تکرار نظم کو اور پاکستانی کرنسی کو اپنے قدموں میں لانا

چاہتا تھا، مجھے عبرت حاصل کرنا چاہئے۔“
 اس نے عبرت کے نام پر گندھی سی گالی دی۔ پھر ریو اور
 دوبارہ لوڈ کر کے نور زبان سے بولا ”ترم ادھر رکھ دے۔ تیری
 کل سیج تیرے گھر پہنچ جائے گی۔ تیری ماں حویلی کے پیچھے گاؤں
 ہے۔ چل آ، میں تجھے اس سے ملا دوں گا۔ تو اس کے ساتھ
 راستے سے چلے جانا۔“
 وہ بولا ”آقا! میرا مہمان آپ کی بینک میں ہے۔ میں اس
 کے ساتھ جاؤں گا۔“
 ”اوہ۔ ہاں! میں تیرے مہمان کو بھول گیا تھا لیکن اب وہ
 مہمان ہے۔ اور اسے میں مہمان بنالوں۔ کیا اسے تو ساتھ
 جانے کی جرات کرے گا۔“
 نور زبان مجھے چھوڑ کر جاتا نہیں چاہتا تھا لیکن میں نے اس
 خیال خزانے کے ذریعے جانے پر مجبور کر دیا۔ وہ کافور خان کے
 جانے لگا۔ خان نے فیصلہ کیا تھا کہ نور زبان اور اس کی ماں کو
 بارگ کے راستے جانے دے گا پھر ان پر اپنے پالتو خنوزار
 چھوڑ دے گا۔
 وہ پچھلے حصے میں اس کی ماں کو بلا لیا۔ دونوں ماں بیٹے ایک
 دوسرے سے پلٹ کر خاموشی سے رونے لگے۔ نور زبان نے کہا
 ”ماں! اب تیری آنکھوں میں آنسو نہیں آئیں گے۔ میں نے تم
 قرضہ ادا کر دیا ہے۔ کل ہماری محل جاتا بھی گھر آجائے گی۔“
 میں نے کافور خان کے داغ پر غصہ کیا۔ اسے کتوں کے
 کے پاس لے گیا۔ چار بھوکے خنوزار کتے اتنی سلاخوں کے
 غراوے تھے اور بھوکے رہے تھے۔ خان نے چاروں کو گولی مار دی
 ان کا بھونکا ہوا پیشے کے لئے ختم ہو گیا۔ وہ زیر زمین سیل سے باہر
 سیکیورٹی افسر دوسرے گاڑوں کے ساتھ پھروڑتا ہوا آ رہا تھا۔
 نے کہا ”واپس جاؤ۔ خطرے کی بات نہیں۔ میں ہوائی ناز کر رہا
 وہ سب واپس چلے گئے۔ کافور خان حویلی کے پیچھے برآمدہ
 میں آیا۔۔۔ وہاں ماں بیٹے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ انہیں
 لے کر باغ میں بارگ سے گزرتا ہوا پچھلے گیٹ پر آیا۔ ایک گاڑی
 بولا ”ابھی بحیرت ہمازی کے پیچھے پناہ د۔“
 ماں بیٹے گاڑوں کے ساتھ چلے گئے۔ وہ واپس زیر زمین سیل
 آیا۔ میں نے اس کے داغ کو ذرا سی ڈھیل دی۔ وہ آہنی علاقہ
 کے پیچھے مردہ کتوں کو دیکھ کر چونک گیا۔ پھر بڑبڑایا ”میرے ان
 ترین کتوں کو کس نے گولی ماری ہے؟“
 میں نے اسے ریو اور کی طرف متوجہ کیا۔ اس نے
 چپکے کیا۔ چھ گولیاں میں سے چار نکل چکی تھیں۔ تیسری
 دو گولیاں وہ گئی تھیں۔ اسی حساب سے چار کتے مارے گئے
 پھر بھی وہ مائے کو تیار نہیں تھا کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے کتوں
 ہلاک کیا ہے۔
 اسی وقت مرتینا وہاں آئی۔ اس سے بولی ”برادر! میں
 ڈھونڈ رہی تھی۔ میں نے دس فٹنگ کی آوازیں سنی تھیں۔ کیا

انہیں رہا تھا؟ تم نے قابل اہتمام خجند کو مار ڈالا ہے!“
 ”ہاں وہ قابل اہتمام نہیں رہا تھا۔ اس سے آگے کچھ نہ
 پہنچتا۔“
 ”مریتا نے کتوں کو دیکھ کر پوچھا ”کیا تم نے۔۔۔؟“
 ”جینا کر بولا ”کیا تمہاری عقل کہتی ہے کہ جن کتوں سے
 بدعت کرنا تھا انہیں گولی مار سکتا ہوں۔“
 ”نہیں۔ مگر کس نے گولی ماری ہے؟“
 ”ہاں! میں برے ریو اور سے چلی ہیں مگر میں نے ناز نہیں کیا
 ہے۔ تم نے کچھ دیر کے لئے یہ ریو اور کسی کو دیا تھا؟“
 ”ہاں! نہیں۔ یہ میرے ہاتھ میں تھا۔“
 ”مریتا نے اسے ایسے دیکھا جیسے بھائی کا داغ چل گیا ہو۔ وہ
 ہوا ”خجند خان نے تمہیں کوئی ذہنی صدمہ پہنچایا ہے۔ میں نہیں
 نے تمہارا غصہ اور جنون دیکھتی آ رہی ہوں۔ کوئی سا بھی ہتھیار
 استعمال کرتے ہو تو ہوش میں نہیں رہتے ہو۔“
 وہ بولا ”مہم سب کی رکوں میں جگہ پڑی خون ہے۔ تم بھی ایک
 خاص موقع پر جنون میں مبتلا ہو جاتی ہو اور جب ہوش میں آتی ہو تو
 نہیں یاد نہیں رہتا کہ جنون میں کیا کچھ کرتی رہی ہو۔“
 کافور خان کی سوچ نے بتایا۔ مریتا کو دل میں بننے کے بعد
 ماں کی سیج پر درود پڑتا ہے۔ وہ دوبارہ دل میں چکی ہے۔ پہلی بار
 اپنے میل شہر کو پھولوں کی سیج پر گولی مار دی۔ دوسری بار دوسرے
 شہر کو پھول سے ہلاک کر دیا۔
 ہوش میں آنے کے بعد اس نے یقین نہیں کیا کہ اپنے ہی
 ہاتھوں سے اپنا سماگ اباؤ چکی ہے۔ جیسا کہ ایسی کنواری سماگن
 کی جو شب عوی میں کنواری رہ جاتی تھی اور جنون کی حالت میں
 ایک قتل کر کے کنواری بیوہ بن جاتی تھی۔
 مریتا کا کردار عجیب و غریب تھا۔ میں نے اچھی طرح اس کے
 خوراکات دیکھے۔ بار بار دیکھے۔ ہر ایک معلوم ہوا کہ اس نے
 کی قتل نہیں کیا ہے۔ اسے یہ یاد تھا کہ دوبارہ دل میں چکی ہے۔
 اور یہ بھی یاد تھا کہ ان دونوں متضاد جزائوں کو بھی دیکھا ہے جو اس کے
 دل میں کرتے آئے۔ اور سماگ کی سیج پر اپنی خند سو گئے تھے۔
 یہ فحشیت ہوئی کہ اس کی شادی دووں بار اس علاقے سے دور
 اپنی برادری سے باہر کی گئی تھی۔ اگر برادری میں شادی ہوتی اور
 دوا کرتے جاتے تو خاندانی عداوتیں بدھتی جاتیں۔ اپنے ہی قبیلے
 میں کافور خان کے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا۔
 کافور خان اور اس کے بھائی ہرم خان عرف چھوٹا خان نے
 اپنا کھنکھیا کے علاقے میں دولت پانی کی طرح بھائی تھی۔ یورپ
 اور امریکہ کے تجربہ کار ڈاکٹروں سے اور ماہرین نفسیات سے معائنہ
 کرایا تھا۔ ماہرین کا مشفق فیصلہ تھا کہ مریتا کے داغ میں کوئی
 پائلز اکی، ہے۔ اس نے شاید بچپن میں چھپ کر کسی دل

کے ساتھ زیادتی ہوتے اور اس دل میں کو قتل کرتے دیکھا ہے۔ یا
 اسی قسم کی کوئی فلم دیکھی ہے جو اس کے تحت الشعور میں گھبی
 ہوئی ہے۔ جب وہ خود دل میں جتی ہے تو عالم جنون میں وہی واقعہ
 دہرائی ہے۔
 ویسے میں نے خیال خزانے کے ذریعے اس کے لاشعور اور تحت
 الشعور کو اچھی طرح دیکھا تھا اور کوئی فلمی واقعہ اس کی یادداشت
 میں چھپا ہوا نہیں تھا۔ وہ یقیناً ایک پیچیدہ مسئلہ بن گئی تھی۔
 بہر حال حویلی کے اندر آکر کافور خان کو یاد آیا کہ نور زبان اپنی
 ماں کے ساتھ کہاں گیا ہے؟ جبکہ وہ ماں پناہ حویلی کے پچھلے حصے میں
 تھے۔ اس نے پچھلے گیٹ کے سیکیورٹی گاڑوں سے پوچھا ”کیا تم نے
 سیکیورٹی گارڈ اور اس کے بیٹے کو دیکھا ہے؟“
 گاڑوں کے جواب دیا۔ ”آقا! آپ آئے کو کہاں لائے تھے۔
 مجھے حکم دیا تھا کہ میں انہیں پھاڑوں کے نیچے چھوڑ آؤں۔ میں نے
 حکم کی تعمیل کی ہے۔“
 کافور خان نے سوچتی ہوئی نظروں سے گاڑو کو دیکھا لیکن زبان
 سے کچھ نہیں کہا۔ وہ دل ہی دل میں اعتراف کر رہا تھا کہ اس سے
 کچھ بے گنی حرمیں سرزد ہو رہی ہیں۔ اس نے جنون میں آکر قابل
 اہتمام خجند خان کو قتل کیا تھا۔ اس کے بعد ہی چار کتے مر گئے تھے
 اور ماں بیٹے زندہ سلامت حویلی سے چلے گئے تھے چونکہ یہ سب کچھ
 غصے اور جنون سے شروع ہوا تھا اس لئے وہ پریشان ہو کر سوچ رہا
 تھا کیا بہن کی طرح اسے بھی جنونی درود پڑنے لگا ہے؟
 مریتا جو حرمیں کرتی تھی اسے بعد میں بھول جاتی تھی۔ کافور
 خان سوچ رہا تھا کہ یہ بھی جو حرمیں کرتا رہا ہوں انہیں بھولنا رہا
 ہوں۔ بھائی اور بہن کا خون ایک ہے اور یہ خون اپنی اصلیت
 دکھا رہا ہے اور اصلیت یہ تھی کہ ان کا باپ جو بانی میں تپا کھل تھا۔
 بڑھاپے میں عمل پاگل ہو کر دماغی اپستال میں مر گیا تھا۔
 باپ کے زمانے سے یہ کڑیاں جوڑتے ہوئے تسلیم کرنا
 پڑ رہا تھا کہ پاگل باپ کے خون کا کوئی پاگل جراثیم اداوے کے لوہیں
 بھی پلا آیا ہے اور وہ جراثیم اب انڈے بچے پیدا کر رہا ہے اور
 انہیں بھی جنونی پاگل بناتا جا رہا ہے۔
 میں نے آہستہ کن کر خیال خزانہ ختم کر دی۔ سر اٹھا کر دیکھا۔
 دروازے کے پرے کے پاس مریتا کھڑی ہوئی تھی دیکھ رہی تھی۔
 نظروں ملتے ہی بینک میں داخل ہو کر بولی ”میں جانتی تھی تم حویلی
 میں آکر واپس نہیں جاؤ گے۔“
 ”کیا تم نے مجھے جانے سے روک لیا ہے؟“
 ”میرے برادر خان! نظم کا حکم ہے کہ پہلی بار آنے والا اجنبی
 پہلے ہماری حویلی میں مہمان بن کر رہے گا پھر تین دنوں کے بعد ہستی
 کا کوئی بھی شخص اس اجنبی کو مہمان بنا سکتا ہے۔“
 میں نے کہا ”مہمان نوادی میں دوسروں سے سبقت لے جانا
 اچھی بات ہے مگر مہمان ہے مہمان کے لئے آپس میں جھگڑے بھی

ہوتے ہیں گولیاں بھی چلتی ہیں۔“
وہ ہنسنے لگا۔ ”تم پر گولی نہیں چلے گی۔ کسی میں اتنی جرات نہیں ہے کہ ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔ ہماری طرف اسلحہ اٹھانا تو دور کی بات ہے۔ ویسے تم بہت چھوٹے خیال کے آدمی ہو۔ ایک دہقان کے گھر جا رہے تھے۔“

”وہ دہقان میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ ہاں انسانیت کا رشتہ ہے۔ سفر کے دوران آج ہی اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اگر میں اسے چور ذکر تمہاری گاڑی میں بیٹھ جاتا تو ایک غریب کا دل ٹوٹ جاتا۔“

”وہ غریب تمہیں چور کر چکا گیا ہے۔“
”وہ چور ذکر نہیں گیا۔ تمہارے بھائی کے حکم نے اسے ساتھ چور کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ابھی تم نے ہی کہا تھا کہ انہی شخص پہلا اس حویلی میں مہمان رہتا ہے۔“

”یہ میرے لئے اچھا ہوا کہ تمہارے جیسا انگریزی بولنے والا اساتذہ مہمان آیا ہے۔ میں تمہارے دوری تھی۔“
ماہر نے انکرتا یا کہ میز پر کھانا چن دیا گیا ہے۔ وہ بولی ”مسٹر ارسلان! میں نے دستور کے مطابق مہمان کو چائے یا شربت پیش نہیں کیا کیونکہ یہ سچ کا وقت ہے۔ کم آن باقی باتیں کھانے کی میز پر ہوں گی۔“

میں اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ چلتا ہوا اینٹیک سے نکل کر ایک راہداری میں آیا۔ وہاں سے ڈانگ دوم میں پہنچا۔ حویلی پرانی تھی لیکن جدید فنی سامان سے آراستہ تھی۔ ہم میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ مرہبان نے لازم سے پوچھا ”خان! عظم کہاں ہیں؟“

”آقا خان نے کہا ہے، بموک نہیں ہے۔ آپ مہمان کا ساتھ دیں۔“

وہ انگریزی میں بولی ”برادر بہت پریشان ہے۔ ہم بھائی بہن آپس میں بہت محبت کرتے ہیں۔ ایک چھت کے نیچے چارہ کر ایک دوسرے کے بغیر ایک لقمہ بھی منہ میں نہیں رکھتے ہیں۔ اگر ماہر نہ کہو تو میں برادر کو خود ہلا کر لاتی ہوں۔“

”بے شک، میں انتظار کروں گا جیسے خان! عظم سے ملاقات کر کے خوش ہوگی۔“

وہ کرسی سے اٹھ کر جانے لگی۔ اس کے خیالات کہ رہے تھے، وہ مجھے منگٹو سے اور ظاہری شخصیت سے اونچے اسٹیشن کا آدمی سمجھتی ہے۔ اسی لئے میرے سامنے آتی ہے اور اپنائیت سے گفتگو کرتی ہے اور چاہتی ہے غریب اور غلاموں کی ہنسی میں میرے ساتھ کچھ اچھا وقت گزرنے کے لیے لیکن چور خیالات کہ رہے تھے کہ وہ اونچے اسٹیشن کے لوگوں کو بھی خود سے کتر سمجھتی ہے، کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔ اس کا دل اور داغ میری طرف جبکہ رہا تھا۔ اس لئے وہ مجھ سے فری ہو رہی تھی۔ وہ بھائی کے پاس آکر بولی ”برادر! تم جانتے ہو۔ میں تمہارے

بغیر کھانے کو ہاتھ نہیں لگاؤں گی۔ پھر بھی کھانے سے انکار کر دو؟“

”مرہبان! جب تم پر دورہ پڑتا تھا تو میں پریشان ہونا تھا۔ قریب اسے باری سمجھ کر تمہارا خیال کرا تا پھر تھا لیکن اب تمہارے ہے کہ ہم ہمارے نہیں ہیں۔ ہمارے پاس باپ کا خون رنگہ رنگا ہے۔“

”یہ کیا کہہ رہے ہو برادر؟“

”شک کہ رہا ہوں۔ ذرا غور کرو۔ جس طرح جنوں کی جان میں تمہیں کچھ یاد نہیں رہتا“ اسی طرح مجھے بھی یاد نہیں رہتا۔ یاد نہیں آ رہا کہ میں نے کب اپنے کتوں کو گولی مار دی اور کچھ غلام ہاں بیٹے کو بھاس سے بچا دیا۔ تم دوش میں آکر سوچتی ہو سناگ کی سچ پر دلہا کیسے قتل ہو گیا اسی طرح میں دوش میں سوچتا ہوں کہ مجھے کیسے مرے اور غلام کیسے آزاد ہو گئے؟“

”برادر! تمہاری بات دل کو کٹتی ہے۔ بالکل میری طرح! دورہ پڑ رہا ہے لیکن کھانا چور کرنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ جیٹ بھرتے دین یا بھوکے رہیں، باپ کا خون! ہاں میں آتا رہا ہم پر دورے پڑتے رہیں گے۔ ابھی سمجھتے ہیں کہ چھوٹا خان ہے۔“

”کب تک محفوظ رہے گا۔ باپ کا خون اس کے لئے سمیت بن جائے گا۔“

”میں تنوید کنندوں کو نہیں مانتی۔ عامل پروفیسروں کے ہمارا کیا خیال ہے؟ کیا ہمیں کسی بہت بڑے خاں سے رہنما چاہئے؟“

”کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہئے۔ علاج کراتے رہتے تے امید رہتی ہے۔“

”ہم اس موضوع پر بعد میں باتیں کریں گے۔ مہمان کر رہا ہے۔“

”مرہبان! تم اسے بہت افسد دے رہی ہو کیا وہ ہماری جان کا آدمی ہے؟“

”بے شک تمہاری بہن کسی کتر ہونے کا بھی پند نہیں ہے۔ تم اس سے ایک بار ملاقات کرو۔ اگر وہ ہم سے برتر نہ ہو کتر نہیں لگتا ہے۔“

وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ مرہبان کے ساتھ چتا ہوا دارا دوم میں آیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا، وہ میرے برادر خان! عظم کا نور خان ہیں۔ یہاں سے علاقہ نم بڑے بڑے چنگیز خان اور ہلاکو خان میرے برادر کے ما سر تھے جن ہاں برادر! یہ مسٹر ارسلان ہیں۔ خانے عظیم ہیں۔ اس سے زیادہ میں نہیں جانتی۔“

ہم سب کھانے کی میز کے اطراف بیٹھ گئے، وہ بولا ”اپنے متعلق بتاؤ۔“

میں نے کہا ”میں ایک خاندان ہوں، جبکہ دنیا کے ہر بڑے شہر میں میری محل نما کوٹھیاں ہیں۔ فرانس میں میرا ایک ذاتی خیابہ اور دو چھوٹے کھانے ہیں۔ لندن کے لاڈلز اور ڈیوک مجھ سے ملاقات کرنے میں فرحمنوس کرتے ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے سیاست دان کوئی بات نہ مانگنے سے پہلے مجھ سے مشورہ کرتے ہیں۔“

”تم ایسا کیا کرتے ہو کہ دنیا کے بڑے بڑے لوگ تمہارے خدوں کے متعلق جانتے ہیں؟“

”میں بین الاقوامی شہرت رکھنے والا نجوی ہوں۔ سچی پیش گوئیاں کرتا ہوں۔ ایک پیش گوئی کے نتیجے میں ہزار پونڈ وصول کرتا ہوں۔ مجھے صرف دولت مند اور خاندانی لوگ ہی برداشت کرتے ہیں۔“

”کیا تم میرے اور مرہبان کے حالات زندگی جانتے ہو؟“

”کھانے کے بعد ضرور بتاؤں گا۔“

مرہبان نے کہا ”تم نے اپنے علم نجوم کے متعلق بڑے بڑے دعوے کیے ہیں۔ ایسے دعووں کو ذہنیں مارنا بھی کتنے ہیں۔“

”کاؤر خان نے کہا ”میں جھوٹ اور فراڈ کو برداشت نہیں کرتا۔ اگر تم نے ہمارے خاں کے حالات غلط بتائے تو میں مستقبل کی پیش گوئی سننے سے پہلے ہی تمہیں گولی مار دوں گا۔“

میں کھانے کی پلیٹ ہٹا کر کرسی کو پیچھے سرکا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بولا ”کوئی غیرت مند پشمان مہمان کو گولی مارنے کی بات نہیں کرتا۔ اس کا مطلب ہے، میں مہمان نہیں ہوں، صرف ایک نجوی ہوں جس کے علم کی چٹائی آڑنا چاہئے ہو۔“

”مسٹر ارسلان! میرے برادر کے سامنے ٹپش میں نہ آؤ۔“

”مجھے غصہ نہیں آتا اور میں خان! عظم جیسے اکابرین کو غصہ رکھنے کی حماقت نہیں کرتا۔ میں نے صرف یہ مہمان کی کرسی چھوڑ دی ہے جس میں اس وقت تک صرف ایک نجوی ہوں، جب تک تم دونوں کی کچھلی زندگی کے حالات نہیں بتاؤں گا تمہارے نمکدان! میں نہیں بیٹھوں گا۔“

کاؤر خان نے کہا ”ہم خاندانی لوگ اپنی غلطی کسی نہیں مانتے کیونکہ ہماری غلطیاں بھی جائز ہوتی ہیں۔ میں نے مہمان کو گولی مارنے کی بات کہ کر غلطی کی لیکن جب کہہ دیا ہے تو وہ بات پتھر کی گیدو بن گئی ہے۔ تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ کچھ باتیں بتاؤ۔“

”خاندان! قلم لکھنا اور اپنی سچ آواز پیدا کرنا غیر متاؤ۔“

اس نے لازم کو کاغذ قلم لانے کا حکم دیا۔ میں ایک کرسی پر سر ہٹا کر بیٹھ گیا اور کاؤر خان کی کچھلی زندگی کے حالات اس کی سوچ کے ذریعے پڑھنے لگا۔ لازم نے کاغذ قلم لا کر دیا۔ میں اس پر خان کی آواز پیدا کرنا وغیرہ لکھ کر زانچہ بیٹانے اور اس کے نام کے انوار شہزاد کے ہمالے اس کے مزید خیالات بڑھنے۔ دونوں نے بالائی اینک جگہ بیٹھ گئے دیکھ رہے تھے میرے علم کی زبان سننے کے لئے بے چین۔ وہ رہے تھے۔

میں نے نظرس اٹھا کر کاؤر خان کو دیکھا۔ وہ سیدھا ہوا، کمر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا ”تمہارے خاں کی اکثر باتیں سب کے سامنے بیان نہیں کی جاسکتیں۔ کیا تمہاری بہن کے سامنے بیان کروں؟“

وہ اٹھ کر بولا ”میری خواب گاہ میں چار۔“

میں اس کے ساتھ جانے لگا، مرہبان نے کہا ”برادر! اگر تم اس کے علم سے مطمئن ہو جاؤ گے تو میں بھی تمہاری میں اپنے حالات معلوم کروں گی۔“

”بے شک مسٹر ارسلان تمہارے پاس بھی آئیں گے۔“

ہم ایک خواب گاہ میں آگئے۔ پھر دو سوئوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے، میں نے کہا ”یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ تمہارے لئے کسی کو قتل کرنا معمولی ہی بات ہے۔ تم نے اپنی زندگی میں بے شمار قتل کیے ہیں لیکن ایک بمبائیک قتل ایسا ہے جس کے متعلق کوئی نہیں جانتا۔ وہ تمہاری زندگی کا پہلا اور آخری قتل ہے جسے تم نے سب سے چھپ کر کیا۔ ورنہ تم کسی سے نہ ڈرتے ہو اور نہ ہی کسی کے سامنے جواب دہ ہو۔“

اس نے مجھ سے پوچھا ”جب میں کسی سے ڈرتا نہیں ہوں تو میں نے چھپ کر وہ قتل کیوں کیا؟“

”تم اپنی ماں سے بہت محبت کرتے تھے۔ اتنی محبت کہ کسی بھی معاملے میں اس کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے اور تم جانتے تھے کہ اس قتل کا ظلم ہاں کو ہو گا تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔ تم نے دوسرے نہیں بلکہ ماں کی محبت سے چھپ کر وہ جرم کیا۔“

”تم سچ بول رہے ہو، لیکن ماں کی وفات کے بعد میں اس قتل کو کیوں چھپا رہا ہوں؟“

”تم مرحوم ماں کا عکس اپنی بہن مرہبان میں دیکھ رہے ہو۔ ماں کی تمام محبت بہن کو دے رہے ہو۔ یہ سوچنے والے معلوم ہو گا تو وہ تمہیں اپنے باپ کا قاتل سمجھ کر نفرت کرے گی۔ نہ تم اس کی نفرت برداشت کرنا چاہتے ہو نہ اس کا دل توڑنا چاہتے ہو۔ تم نے ملے کر کیا ہے کہ جب بات چھپی ہوئی ہے تو چھپی ہی رہے۔“

”تمہارا علم تم خطرناک ہے۔ تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ میں اپنے باپ کا قاتل ہوں۔ تمہارا علم یہ بھی کہتا ہو گا کہ میں نے ایسا مجبور ہو کر کیا قتلہ خطرناک حد تک پاگل ہو گیا تھا۔ اس نے ایک بار مجھ پر اور میری ماں پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔“

”تمہارا باپ مستقبل پاگل نہیں تھا۔ اس پر کبھی کسی پاگل پن کا دورہ پڑا تھا۔ ورنہ وہ نارمل رہتا تھا اور اس نے کبھی تم پر یا تمہاری ماں پر قاتلانہ حملہ نہیں کیا تھا۔“

وہ غصے سے بھڑک کر بولا ”کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟“

”تم جھوٹ بولنے سے دو کو گے تو میں زبان بند کر دوں گا۔ لیکن تم نے وارننگ دی ہے کہ میں خاں کے سچے حالات نہیں بتاؤں گا تو تم مجھے گولی مار دو گے۔“

”میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ کیا تمہارا علم اور کچھ سچی

باتیں بول رہا ہے؟“
اب جو بھی بات تھی، وہ بہت کڑی اور زہریلی تھی۔ جسے وہ جانتا تھا۔ اور یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ دوسرا کوئی جان سکے۔ میرے منہ سے سچائی سن کر وہ غصے سے پاگل ہو جاتا اور اس کی پوری کوشش یہی ہوتی کہ میں وہاں سے زندہ واپس نہ جاؤں۔
میں نے اسے خود ہی سونپنے پر مجبور کیا۔ وہ سر ہٹا کر سوچنے لگا۔ یہ کوئی جیتا بیس برس پہلے کی بات ہے۔ خٹا خان کا حسن و جمال پورے علاقے میں مشہور تھا۔ اس دور کا خان اعظم شمشیر خان بھی اپنی خود اور ہٹ دھرمی کے لئے دور تک بدنام تھا۔ کسی کی زمین حاصل کرنے کی شد کرنا تو پہلے اس کی قیمت لگاتا۔ زمین کا مالک فروخت کرنے سے انکار کرتا تو اسے گولی مار کر اُس کے وارثوں کو دھکیلا دیتا۔ وہ جان کے خوف سے زمین اس کے نام کر دیتے تھے۔

اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا زمیندار زیادہ سے زیادہ زمینیں حاصل کر کے اس سے برتر ہوتا جاتا تھا تو وہ اس زمیندار کو اس کی زمین میں زندہ دفن کر دیتا تھا۔ پھر اس نے خٹا خان سے شادی کرنے کی شد کی۔ پتا چلا وہ شمشیر خان کو پسند نہیں کرتی ہے۔ اور شمشیر خان اسے دیکھ کر ہزار جان سے عاشق ہو گیا تھا۔ پہلے اس نے محبت سے اسے سمجھایا ”میری شریک حیات بن جاؤ۔ میں تمہارے قدموں میں دنیا کی ساری خوشیاں سمیٹ کر لے آؤں گا۔“

وہ بولی ”میں دل سے مجبور ہوں۔ تم سے شادی نہیں کروں گی۔“
وہ بولا ”میں بھی دل سے مجبور ہوں۔ تمام علاقے میں یہ مشہور ہو چکا ہے کہ میں تمہارے عشق میں گرفتار ہوں۔ اگر میں نے تم سے شادی نہ کی، تمہیں اپنی خاتم نہ بنایا تو اس خان اعظم کے وقار کو خنس پہنچے گی۔ میری توہین ہوگی اور میں توہین برداشت نہیں کروں گا۔“

وہ بولی ”میں بھی کسی کے عشق میں گرفتار ہوں۔ شادی تم سے نہیں اُس سے کروں گی۔“
”وہ کون ہے؟“

”یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ میں اس کا نام نہیں بتاؤں گی۔“
خان اعظم شمشیر خان نے جب یہ دیکھا کہ وہ نرمی سے حاصل نہیں ہوگی تو اس نے کڑی دھمکانی دی۔ بڑی دھوم دھام سے ہرات لے کر اس کے گھر پہنچ گیا۔ پھر خٹا خان کو باپ کے سینے پر بندھ کر رکھ کر کہا ”کلیج قبول نہیں کرے گی تو پہلے تیرا باپ مرے گا“ پھر تیرے بھائی بہنوں کی باری آئے گی۔“

خٹا خان نے کلیج قبول کر لیا۔ اس خوشی میں اس کے سینے سے سسرال تک ایک ہزار ہوائی فائر گھٹے۔ فائرنگ کی آواز تمام رات اس علاقے میں گونجی رہی۔ علاقہ غیر کی اس سرحد سے اس

سرحد کے پار پاکستانی ہستیوں میں یہ دھوم مچ گئی کہ خان اعظم خان خٹا خان کو جیت کر لایا ہے۔ ان دنوں پاکستان دودھ میں آیا تھا۔ جرگہ گاؤں ہندوستانی کھاتا تھا۔ اس رات وہ خان شتان سے ولس کے کمرے میں آیا۔ وہ چوہوں کی جگہ پر بیٹھی اسے دیکھتے ہی اٹھ کر بولی ”تو اچانک ہرات لے کر آیا تھا۔ میرا گھر والوں کی سلامتی کے لئے کلیج قبول کر کے آئی ہوں۔ کلیج جانتے نہیں ہے۔ کیونکہ میں تیرے سوتیلے بھائی امجد خان ہونے والے بچے کی ماں ہوں۔“
شمشیر خان پر جیسے بجلی گری پڑی۔ وہ گرج کر بولا ”کیا کہنا ہے؟“

”میں بہت پہلے یہ کہنا کرتی لیکن تیرے بھائی نے کہا جب تک وہ دہلی سے واپس نہ آجائے میں اس کا عشق کی چیز نہ کروں۔ اب ظاہر کرنے پر مجبور ہو گئی ہوں۔“

اس نے ایک زور کا طمانچہ رسید کیا پھر کہا ”میں تیرے سینے والوں کو گولی مار دوں گا۔“
”مجھے سینے سے یہاں آئے ہوئے سات گھنٹے گزر چکے۔ میرا باپ میرے بھائی بہنوں کو لے کر دہلی کی طرف جا چکا ہے۔ سات گھنٹوں میں اس نے نصف فاصلہ طے کر لیا ہو گا۔ تیرے اور تیری بددق کی گولیاں میرے سینے والوں تک نہیں پہنچ سکیں گی۔“

”میں تیری بولی بولی کاٹ کر کتوں کو کھلا دوں گا۔“
”بے شک تو ایسا کر سکتا ہے مگر مجھے نقصان پہنچانے سے یہ سوچ لے گا۔ تیرا بھائی امجد خان فرنگی توپ خانے کا اچھا جانتا ہے۔ وہ تجھے اسلحہ اور بارود پہنچاتا ہے۔ اگر وہ سپاہی بند کروں تیرے پاس منٹوں کی صرف گولیاں رہ جائیں گی۔ اگر تو نقصان پہنچانے کا تو وہ فرنگی توپوں کا رخ تیری حویلی کی طرف کرے گا۔“

خان اعظم شمشیر خان آنکھیں میاؤں کر خٹا خان کو دیکھ کر پہلے بار مغموم ہوا کہ بظاہر ہرگز زور نظر نہ والی عورت تھی اور فرنگی سیاست سے مجبور ہوتی ہے۔ اس وقت خٹا خان کوئی دوسری عورت ہوتی تو اسے فوراً گولی مار دیتا۔ اپنی برداشت نہ کرتا لیکن وہ مشکل میں پڑ گیا تھا۔ پورے علاقہ مشہور ہو گیا تھا کہ اس نے ایک شدی حسینہ کو جیت لیا ہے اس کمرے سے باہر اپنی نکلت کا چرچا ہر داشت نہیں کر سکتا اپنے سوتیلے بھائی سے دشمنی مول لے کر اپنی دانش مندی نہ ہونے والی وہ مٹھیاں پہنچ کر بولا ”امجد خان کے آنے تک یہ چار دیواری سے اجڑ نہ جائے گا میں تجھے حاصل کرنے میں ہونا ہوں۔ میں تجھیں ہونے نکلت برداشت کروں گا لیکن چرچا عام ہو گا تو میں تجھے اور تیرے بار کو زندہ نہیں چھوڑا خواہ فرنگی مجھے مار ڈالیں۔“

دوسرے دن شام کو سوتیلے بھائی امجد خان آگیا۔ اپنے ساتھ ملاؤں کے قبائلی سرداروں کو لایا تھا۔ وہ سب ایک بند کمرے میں بچ کر خٹا خان کے سینے پر بحث کرنے لگے۔ شمشیر خان کا دعویٰ تھا کہ وہ اسے دنیا والوں کے سامنے ولس بنا کر لایا ہے۔ اگر وہ ولس نہ کہ اس کی عزت خاک میں مل جائے گی۔ امجد خان کا دعویٰ تھا کہ خٹا خان کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ وہ اپنی عورت اور پانچ دوسرے کے خوالے نہیں کرے گا۔

ایک بزرگ سردار نے کہا ”دونوں کا دعویٰ جائز نہیں ہے۔ ہر خان نے خٹا کو بیوی نہیں بنایا۔ اپنی خاندانی روایت کے مطابق بادشاہ بنایا ہے۔ وہ شمشیر خان کی بھی ولس نہیں ہے۔ کیونکہ یہ خاتم عورت سے کلیج جائز نہیں ہے لیکن مسئلہ اٹکا ہے، نہ کا ہے، غیرت کا ہے۔ دونوں بھائی عشق سے کام لیں۔ آپس میں سمجھو تا کہ میں اور کوئی کسی کے حق میں دستبردار ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ بدو خون خرابا ہو گا اور نسل در نسل گولیاں چلتی رہیں گی۔“

ایک سردار نے کہا ”پہلے امجد خان نے خٹا پر قبضہ کیا۔ جو نے زمین پر قبضہ کر لیتا ہے، وہی زمین کا مالک ہوتا ہے۔ دوسرے سردار نے کہا ”اور جو اپنی وادائی اور شد زوری سے بن چھین لیتا ہے، وہ بھی مالک کھاتا ہے۔“

تیسرے سردار نے کہا ”اس طرح کبھی فیصلہ نہیں ہو سکے گا۔ معاملہ صرف ایک عورت کا نہیں سیاست کا بھی ہے۔ امجد خان روٹی کا دوسرا ہر گولہ بارود شمشیر خان کو پہنچاتا ہے۔ شمشیر خان یہ ان میں لڑا کر دیتا ہے۔ ہمارے لئے دونوں بھائی اہم ہیں۔“

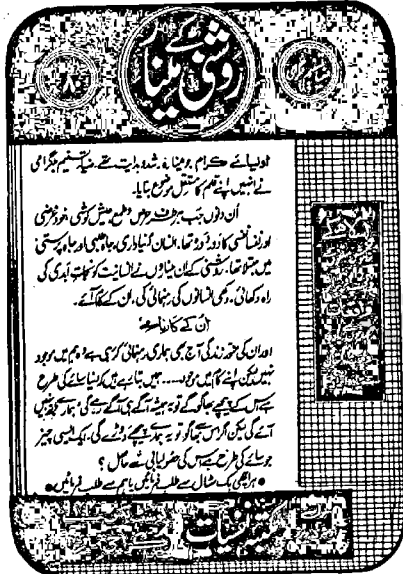
امجد خان نے کہا ”آئندہ میں تمام اسلحہ براہ راست تم لوگوں کے پاس پہنچاؤں گا۔ شمشیر خان کو درمیان میں نہیں آنے دوں گا۔“

شمشیر خان نے چونک کر سوتیلے بھائی کو دیکھا۔ اس علاقے میں اقتدار اور برتری اسے حاصل تھی وہ کسی حد تک سوتیلے بھائی کی رات تھی۔ اسی کے تعاون سے وہ خان اعظم کھاتا تھا۔ اس نے کہا ”امجد خان! یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے۔ ہم آپس میں مسئلے کو حل کریں گے۔ میں کلیج تم سے بات کروں گی۔“

اسے راستے سے ہٹا دیں بھی آسمان تھا کہ اس پر پاگل پن کا دورہ نہ پڑتا تھا۔ پورے چاند کی رات کو وہ عجیب سے وحشت اور خون میں جھلا ہو جاتا تھا۔ قمری آئینہ کا حساب رکھتے ہوئے وہ پورے چاند کی رات سے پہلے فرنگی آقا سے دو دن کی چھٹی لیا کرتا تھا۔ ایسا نہ کرتا تو پاگل پن کا انکشاف ہونے پر اسے ملازمت سے نکال دیا جاتا۔

شمشیر خان کو اطمینان تھا کہ کسی نے فرنگی ایجنٹ سے معاملات طے نہ ہوتے یہ وہ امجد خان کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے گا۔ اس نے دوسری صبح سوتیلے بھائی سے کہا ”اس علاقے میں سرداری کا رعب اور دبدبہ ہے تو سب کچھ ہے۔ ہم ایک دوسرے کے تعاون سے اپنی برتری اور اقتدار قائم رکھتے ہیں۔ اگر ایک عورت کے لئے جھگڑا کریں گے تو ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔ جس عورت کے لئے مرس گے وہ کسی اور سے شادی کر لے گی۔“

امجد خان نے کہا ”دوست کہتے ہو لیکن وہ میری دیوانی ہے۔ اس کی دیوانگی کا اندازہ یوں کرو کہ وہ تم سے کلیج قبول کرے گی بھی راضی نہیں ہے اور میں نے اس سے کلیج نہیں کیا پھر بھی وہ مجھ سے راضی ہے۔ میں ہر ماہ دو دنوں کی چھٹی لے کر اس کے پاس رہتا ہوں۔ مجھ پر دورہ نہ پڑتا ہے تو وہ مجھے سنبھالتی ہے۔ ہر طرح میری خدمت کرتی ہے۔ میں اپنی حسین و جمیل خدمت گزار عورت کو نہیں چھوڑوں گا۔“



شمشیر خان نے کہا ”مجھے اب اس عورت کی طلب نہیں رہی۔ لیکن ساری دنیا کو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ میری عورت ہے اور میں اس کا مالک ہوں۔ دنیا یہ نہیں جانتی کہ وہ تمہاری چیز ہے۔ اگر تم عقل سے کام لو تو دنیا والوں کے سامنے میرے مالکانہ حقوق کا بھرم رہے گا۔“

”وہ تمہاری خفا کو کبھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا لیکن وہ دنیا والوں کی نظروں میں میری ملکیت بن کر اس حویلی میں رہے گی۔ وہ تمہاری امانت رہے گی لیکن تم دنیا والوں کے سامنے اسے اپنی ملکیت نہیں کہو گے۔ میراں کی چار دیواری میں اس سے عشق کرو گے۔ اس طرح وہ ہمیشہ تمہاری رہے گی اور میرے مالک و مختار ہونے کا بھرم بھی قائم رہے گا۔“

فیصلہ ہو گیا۔ خٹا نے بھی اس فیصلے کو اس لئے تسلیم کر لیا تھا کہ وہ امجد خان کے سوا کسی دوسرے سے راضی نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس فیصلے کے مطابق اسے شمشیر خان سے نجات مل رہی تھی اور اس کے لیے والوں کی سلامتی کی ضمانت بھی دینی تھی۔

فیصلہ پر عمل ہونے لگا۔ سات ماہ کے بعد خٹا نے کافر خان کو جنم دیا۔ دنیا والوں کی نظروں میں وہ خانا اعظم شمشیر خان کا بیٹا تھا۔ وہاں کے دربار کے مطابق اس کی پیدائش پر خوب جشن منایا گیا۔ شمشیر خان نے شادی کی رات ایک ہزار ہوائی تازہ کرائے تھے۔ خٹا نے اس کے جواب میں بیٹے کی پیدائش پر دو ہزار ہوائی تازہ کرائے۔

شمشیر خان عورتوں سے نفرت کرنے لگا تھا۔ اس نے پھر کبھی شادی نہیں کی۔ اپنی دولت اور جائیداد کا وارث پیدا کرنے کے لئے ایک شرمک حیات لازمی تھی لیکن عورت پر بھروسہ اٹھ گیا تھا۔ وہ سوچتا تھا جس سے شادی کرے گا وہ بھی خٹا خان کی طرح نہ جائے کسی کی اولاد پیدا کرے گی اور اسے شوہر کے نام کرتی رہے گی۔ یہ بہتر تھا کہ وہ خٹا خان سے دھوکا نہیں کھاتا تھا۔ بھائی کی اولاد کو اپنے نام کرنا تھا۔ دنیا والے بس نام اور دولت دیکھتے ہیں۔ اس کے پیچھے جو تماشے ہوتے ہیں انہیں دیکھ نہیں پاتے۔

اور ایک برس بعد پاکستان وجود میں آگیا۔ فرنگی بویا ہسٹریٹ کرپلے گئے۔ امجد خان اپنا بویا ہسٹریٹ کر خٹا خان کے پاس حویلی میں آیا۔ اس دوران اس نے اچھی طرح فرنگی سیاست سیکھ لی تھی۔ ادھر ادھر پر ملک سے محبت اور اھر اسے روسی ایجنٹوں سے دوستی کر لی۔ قبائلی سرداروں کو روسی اسلحہ سپلائی کرنے لگا۔ ہتھیاروں کے سپلائی کی حیثیت سے اپنی ساکھ برقرار رکھی۔ تمام قبائلی سردار بدستور اس کے حمایتی رہے۔ ان حالات میں شمشیر خان اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔

چار برس کے بعد خٹا خان نے بیرم خان کو جنم دیا۔ دونوں بھائی اپنی اپنی جگہ دو بیٹوں کے باپ بن گئے۔ شمشیر خان ان دونوں

بہت پیار تھا۔ اس نے امجد خان کو بلا کر کہا ”ہم سب کو اپنا بڑا وقت بھی یاد رکھنا چاہیے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بہت کی ہے۔ توبہ کرتا ہوں۔ تم بھی توبہ کرو گناہ سے شادی کرلو۔“

امجد خان نے کہا ”جب تک وہ تمہاری بیوی کلماتی ہے، اسے شرمک حیات نہیں بناؤں گا۔ کیا یہ نا انصافی تم ہے کہ وہ میری بیوی ہے اور نام تمہارا ہوتا ہے۔ میں اتنا بے غیرت ہوں کہ اسے بیوی بنانے کے بعد تمہارے نام سے نفرت رکھوں۔“

شمشیر خان کو آخری وقت خدا یاد آ رہا تھا۔ اسے آہ آہی تھی کہ جو دہرے ہوئے غلط ہو رہا ہے۔ اپنی غلطی کو کچھ یاد دہرے اعلان نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کافر خان اور بیرم خان کا نہیں ہے۔ یہ بڑے شرم کی بات تھی دنیا والے رتی رتی دنیا کی باتیں غیرت کئے رہتے۔

اس کی بنیاد نے طوالت اختیار کر لی۔ بھراس پر ناچ رہا ہوا۔ اس مسئلے کے بعد وہ ہسٹریٹ کا ہر کردہ گیا۔ اس کی جگہ امجد خان نے سنبھال لی۔ وہ قائم مقام خانا اعظم کلماتی لگا۔ مزید باپ کے بعد مرہٹا پیدا ہوئی۔ باہر والوں سے کافی عرصہ تک یہ بات چلتی تھی کہ شمشیر خان ناچ زدہ ہے۔ اس لئے مرہٹا کی پیدائش کسی نے بات نہیں بنائی لیکن شمشیر خان کی طویل حالات کو عرصہ چھپایا نہیں جاسکتا تھا۔ پھر امجد خان نے اس مسئلے کی تازہ شایعات سنبھال لی تھی۔ لہذا اس کے بعد مزید اولاد کرنے کی محتاج نہیں رہی تھی۔

شمشیر خان خٹا کا کچھ نہیں لگتا تھا لیکن اس کی بنیاد اسے بد نصیب بنایا تھا۔ امجد خان اس سے دور رہنے لگا تھا۔ شکایت کرتی تھی ”کیا مجھ سے دل بھر گیا ہے؟ کیا میں گیارہ برس بوجھ ہو گئی ہوں؟“

وہ جواب دیتا تھا ”برادر ناچ زدہ ہے۔ تو میرے بچے پیدا اسے باپ کا درجہ کیسے دے گی۔ دنیا والے اندھے اور احمق ہیں۔“

”بچے پیدا کرنا ضروری نہیں ہے۔ تم محبت سے وقت گزارو گے لے میرے پاس آؤ گے۔“

”محبت سے وقت گزارتے گے کہ اسے جو تھی غلطی پیدا ہو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔“

”اس کا مطلب ہے اب میں تمہارے بغیر تنہا رہا کروں گا۔“

”تمہاری کا دکھ مٹانے کے لئے تین بچے کافی ہیں۔“

”صاف کیوں نہیں کہتے کہ مجھ سے بیزار ہو گئے ہو۔“

”ہاں، بیزار ہو گیا ہوں۔ تمہارے عشق میں الٹی زندگی گزار رہی۔ اگر کسی سے باقاعدہ شادی کر لیتا تو میرے اولاد پیدا ہوتی رہتی۔ یہ میری بد بختی ہے کہ میں کسی کا باپ کلماتا ہوں۔“

”تم باپ کلماتا ہو۔ اگر تمہارا بھائی مر جائے تو تم اس کی جگہ پر نہیں بچھو شادی کر سکتے ہو۔ اس کے بعد جو اولاد ہوگی وہ تمہارے نام سے ہوگی۔ کافر خان بیرم خان اور مرہٹا بھی یہ نہیں دیکھ رہے تھے۔ تمہارے اپنے ہی رہیں گے۔“

وہ میرے حقوق مارتا رہا ہے۔ میرے بچوں کی ولایت کو قتل کر رہا ہے۔ آج وہ دوسرا مر چکا ہے۔ آج اور رات دو لوگ تو مجھے نہیں اور تمہارے بچوں کو بہت بڑی مصیبت سے نجات مل جائے گی۔“

بھواس مت کرو۔ وہ میرا بھائی ہے۔ ہم سو بیٹے ہیں مگر ایک باپ کی اولاد ہیں۔ اس کی موت کا خوب نہ دیکھنا اور نہ ہی کوئی مائش کرنا۔ اگر سازشی موت ہوگی تو میں تمہیں زندہ نہیں بھروں گا۔“

خٹا خان مجھ جتنی تھی کہ اس کے عاشق کا دل اس سے بھر گیا ہے اور وہ غلط نہیں سمجھ رہی تھی۔ امجد خان نے جب سے خانا اعظم کی جگہ سنبھال لی تھی تب سے وہ وراثت اور اپنی آئندہ نسل کے مستقبل شدت سے سوچنے لگا تھا۔ اسے اولاد کی ضرورت تھی۔ لیکن اولاد کی جد اسے باپ کے اور دنیا والوں کو معلوم ہو کہ وہ بچے کی کاؤن ہیں۔ کافر خان بیرم خان اور مرہٹا خون دہتے ہوئے اپنی باتیں کرتے۔

خٹا خان کی یہ مراد پوری نہیں ہو رہی تھی کہ شمشیر خان کو اپنی موت آئے۔ پھر امجد خان اسے اپنی شرمک حیات بنا لے۔ اب اسے شرمک حیات بننے سے زیادہ بچوں کے مستقبل کی فکر تھی۔ اگر امجد خان مستقل طور سے خانا اعظم بن جاتا اور دوسری لڑائی کے اولاد پیدا کرنا تو وہ اولاد زمین جائیداد کی مالک ہوتی۔ شاہ کے تین بچے مستقل خانا اعظم کی اولاد کلماتی اور تمام زمین جائیداد کے محروم ہو جاتے۔

شمشیر خان دس برس تک ہسٹریٹ لگا رہا۔ آخر اسے موت آئی۔ کافر خان اکیس برس کا ہو گیا تھا۔ پشاور سے دس ہتھتیں بڑھ کر آیا تھا۔ وہ دنیا داری کو اور خاص طور سے وراثت کے حصول کو خوب سمجھنے لگا تھا۔ خٹا اسے پشاور کے بچے پر خط لکھا کہ اپنی کاؤ پر سنبھال دے۔ خٹا نے خٹا کو تسلیم نہیں کیا۔ اپنے آپ کے بعد خانا اعظم بننے کے گریسیک کر آؤ۔

وہ باپ کی وفات پر آیا۔ جبیر بھٹیکین کے بعد امجد خان سے خانا اعظم کا نام دیا گیا۔ واپس لینے کی بات کرنا چاہتا تھا لیکن کافر خان امجد خان پر ناچنے لگا۔ کافر خان پڑا۔ وہ پشاور سے پورے شہر کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے دیکھا خانا چاچا کے پاگل ہیں۔ کافر خان اسے سنبھال رہی تھی اس سے لپٹ رہی تھی۔ اس کا سر سلاخی تھی۔ اسے سینے سے لگا کر سلاخی تھی۔ کافر خان کے شہید شرمک حرکتیں تھیں۔

ان حرکتوں پر اس نے غصہ دکھایا تو اس نے اسے ساری روداد سنائی کہ کس طرح وہ بھائیوں کے درمیان اس کی زندگی برباد ہو گئی ہے۔ وہ ایک کی بیٹا تھی مگر بیوی نہیں تھی۔ دوسرا اس لئے بیوی نہیں جاسکتا تھا کہ وہ ایک کے نام سے منسوب ہو چکی تھی اس کی بیوی کلماتی تھی۔

کافر خان کو اپنی اپنی کی مظلومیت کا احساس ہوا۔ یوں بھی وہ خٹا کو ایک آئینہ مل سکتا تھا۔ پرستش کی حد تک اس سے محبت کرتا تھا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ محبت میں فریب کھانے کے باوجود وہ امجد خان کو دیوانہ وار چاہتی ہے۔ اس لئے اس نے ان کی غیر موجودگی میں امجد خان کو ایسا انجکشن لگایا۔ جس سے اس کا دماغی توازن اور ہمزگیا۔

ایک پاگل خانا اعظم کی ذمہ داریاں نہیں سنبھال سکتا تھا۔ کافر خان نے وہ ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ اسے ایسی چال چلی کہ کافر خان روپے کی زمین جائیداد کے لئے خون خرابا نہیں ہوا۔ اس نے ایک باپ کو دفن کیا، دوسرے باپ کو پاگل بنا کر ایک کمرے میں قید کر دیا۔ اس پاگل قیدی کے پاس صرف ماں بیٹے جاتے تھے۔ اس نے بیرم خان اور مرہٹا کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے لندن بھیج دیا۔ تاکہ ان بچوں کو ایک پاگل کے لئے ماں کی دیکھائی کا علم نہ ہو۔

وہ ماں کی غلطی میں اپنے باپ کو ہر ہفت پاگل بن کا انجکشن لگا رہا تھا۔ جس کے نتیجے میں وہ ایک سال سے زیادہ نہ جی سکا۔ خٹا کو کبھی معلوم نہ ہو سکا کہ اس کا پاگل عاشق سازشی موت مارا گیا ہے۔ اس کی یادیں آؤں بھاتے بھاتے ایک دن وہ بھی چل بسی اور یہ سچائی راز میں ہی رہی کہ وہ تینوں ایک پاگل باپ کے بچے تھے۔ دنیا والے ان تینوں کو دل شمشیر خان ہی کہتے آ رہے تھے۔

میں کافر خان کے دماغ میں تھا۔ وہ میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ میرے علم نجوم کی صداقت معلوم کرنے کے لئے مجھ سے اپنے ماضی کے حالات پوچھ رہا تھا۔ اگر میں علم نجوم کے حوالے سے یہ سچ کہہ دیتا کہ وہ اور اس کے بھائی بہن کا جائز اولاد میں تو وہ اپنی توہین برداشت نہ کرتا۔ میری جان کا دشمن بن جاتا۔ یہ بھی نہ چاہتا کہ میں اس حویلی سے زندہ واپس جا کر اس کی پیدائش کا بھید کھول دوں۔

اس لئے میں نے اسے خودی بچھلی زندگی کے سچے اور کڑے واقعات یاد کرنے پر مجبور کیا تھا۔ جب اس نے ابتدا سے آخر تک سب کچھ یاد کر لیا تو میں نے اس کے دماغ کو ڈمیل دی۔ اس نے چونک کر بیٹھ دیکھا۔ میں نے کہا ”تم سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس لئے میں نے غائب نہیں کیا۔ تم کچھ پریشان لگ رہے ہو۔“

”ہاں درست کہتے ہو۔ کیا اپنے علم سے میری پریشانی مٹا سکتے ہو؟“

”میں پریشانی بھی جاسکتا ہوں اور اس کا علاج بھی۔ اپنا ہاتھ

اس نے ہاتھ بڑھایا۔ میں اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھنے لگا۔
ہاتھ بہت مضبوط تھا۔ فولادی ٹیگجہ لگتا تھا۔ آخر ایک شگدل قاتل
کا ہاتھ تھا۔ میں نے کہا ”تمہارے ساتھ کچھ عجیب سے حالات پیش
آ رہے ہیں۔ تم دفاعی طور پر غافل ہو جاتے ہو۔ کچھ انٹی سیدھی
حرکتیں کرتے ہو۔ پھر مجھ ہوش میں آتے ہو تو تمہیں یاد نہیں رہتا
کہ غفلت میں کیا کرتے رہے ہو۔“
وہ جڑانی سے بولا ”آخر میں سے تم پر اور تمہارے علم پر۔ تم
بالکل سچا باتیں بتا رہے ہو۔ خدا کے واسطے یہ تباہ کر کیا یہ پیاری
ہے؟“

”میں بھی کی سوچ رہا تھا۔“
میں نے انجان بن کر کہا ”یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ باپ کے
خون کا اثر صرف تم پر کیوں ہوا ہے۔ تمہارے دوسرے بھائی بس
کے ساتھ ایسا نہیں ہے شاید۔“
وہ بولا ”تم سے کوئی بات چھپی نہیں رہے گی۔ ابھی تم مرینا
کی قسمت کا حال بتانے جاؤ گے تو تمہیں معلوم ہو گا۔ اس پر بھی کچھ
ایسا ہی پاگل پن کا دورہ پڑتا ہے۔ شاید میرا بھائی بیرم خان ابھی
محفوظ ہے۔“

”نور زمان کی بس کل جاہان کو توجہ ہی اس کی ماں اور بھائی کے پاس پھیلاؤ۔ اور انہیں آزادی سے زندگی گزارنے دو۔“ وہ تعجب سے بولا۔ ”تم اس معمولی رشتان کے لئے دس لاکھ کو معاوضہ چھوڑو گے؟ اسے اتنی زیادہ دلچسپی کیوں ہے؟“

”مجھے غریبوں کو عزت دے کر اور جینے کے تمام حقوق دلا کر روحانی ترقی حاصل ہوتی ہیں۔“

”میرا بھائی کل جاہان پر عاشق ہو گیا ہے۔ اس کے جوان ہونے کا انتظار کر رہا ہے۔ میں اپنے بھائی کا دل میں توڑنا چاہتا۔“

”کچھ اور مانگ لو۔“

”میں نے ایک معصوم لڑکی کی عزت و آبرو بچانے کے لئے

یہ کہتے ہیں میں نے اس کی سوچ میں کہا ”دست بستہ ہونا
ماں بے کوکوں سے نچوڑا جانا تھا مگر تم نے مجھے اوروں سے بڑے
ہو گئے ہیں۔ اپنے دست راست کو حکم دیا تھا کہ وہ نور زماں
ٹھوکر مارے لیکن وہ ٹھوکر میرے منہ پر پڑی۔ اس تجوی کی ایک
ایک بات درست ہے؟“

پھر میں نے اس سے پوچھا ”کیا سوچ رہے ہو؟“

وہ چونک کر بولا ”میں تمہاری کسی بات سے انکار نہیں
کر سکتا۔ تم جی پیش گوئی کرتے ہو۔ میں اپنے بھائی کی ہر ہر بات
کرتا ہوں لیکن محلِ جاناں کو حاصل کرنے کی خدمت سے باز رکھتا
ہوں۔ تم یہ بتاؤ ہم پر جو باپ کے خون کا اثر ہے وہ کیسے ختم ہو گا؟“

”میرے ایک مشورے پر عمل کرتے رہو گے تو تم بھی جاناں
کا دروازہ نہیں بندے گا۔“

دوسری طرف رابطہ قائم ہوا۔ اس نے کہا ”میں خانقاہ
بول رہا ہوں۔ چھوٹے خان کا بیٹا۔“
وہ انتظار کرنے لگا ”پھر یوں ”بیٹا چھوٹے خان! ایک
خیریت ہے ہو؟“
میرم خان نے جواب دیا ”برادر کی محبت ہے۔ خدا کا“
ہے اور میں خیریت ہے ہوں۔ حکم کرو برادر!“
”تم کل جاہاں کو لے کر ابھی میرے پاس آؤ۔“
”کوئی پریشانی ہے برادر؟“
”کوئی پریشانی نہیں ہے۔ میرے حکم پر عمل کرو۔ اب
وقت ہے لوہے کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ میرا حکم سن کر؟“

”اس سے مکمل کھانا کو گھاڑی پر بٹھائے اور خود گھوڑے پر آئے اور گھوڑے کی زین سے لوہے کی رکاب بٹھا دے۔“

اس نے بھائی کو یہ مشورہ دے کر ریمپورک دیا۔ پھر کہا ”میں تمہارے مشورے کو بہت معمولی اور قابلِ عمل سمجھ رہا تھا مگر یہ تو بہت مشکل ہے۔ ہم کسی قسم کا اسلحہ نہیں پکڑ سکیں گے۔ کسی گھن کے ڈر پھر اپنی بھی نہیں رکھ سکیں گے کیونکہ وہ سب لوہے کے ہوتے ہیں۔ ہتھیار نہ پکڑنے کا مطلب یہ ہوا کہ ہم کسی بھی دشمن کے سامنے ہتھ پڑ رہیں گے۔“

”برادر ارسلان! خدا قسم تمہاری ہر بات اب ہمارے لئے پتھر کی لکیر بن گئی ہے۔ ہم تمہارے مشورے پر عمل کرتے رہیں گے۔“

وہ چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی میں نے مریچینا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ اُسے دو سپر کوکھانے کے بعد سونے کی نارت تھی۔ اُنہاں نے اس ارادہ کیا تھا کہ گانچی ربے کی اور مجھ سے اپنی قسمت کا حال معلوم کرے گی لیکن وہ ارادہ کرنے کے بعد جوڑو سو گئی تھی۔

میں اس کے اندر رہ کر مزید چور خیالات بڑھتا چاہتا تھا ایسے ہی وقت معلوم ہوا کہ کوئی دوسرا خیال خوانی کرنے والا بول رہا ہے۔ جب میں اس کے دماغ میں پہنچا تو وہ کہہ رہا تھا ”میں جا رہا ہوں۔ تم نیچے سے بیدار ہونے کے بعد بھول جاؤ گی کہ میں تمہارے دماغ میں

اسی کے بعد خاموشی چھا گئی۔ وہ شاید چائیا تھا۔ مرجینا گہری
 جھپٹے پہلے ہی شبہ تھا کہ وہ کسی کی معمول اور تابعدار

اب مڑھینا کے دماغ میں اس کی آواز اور لہجہ سننے ہی میں اسے پہچان گیا تھا۔ تاریکین کو یاد ہو چکا، جن دنوں مڑھینا کے کانا بے عروج پر تھے اور وہ اسے ہی ملک امریکا کے برین ماسٹر اور بلیک سیکٹر سے خیال خوانی کے ذریعے کمراری تھیں۔ ایسے وقت اس نے بلیک سیکٹر کے تین خیال خوانی کرنے والے روکی، جبری پاک اور باربر اکمن۔ کو ٹریپ کیا تھا۔ انہیں امریکہ قید خانے میں پہنچایا تھا۔ میں نے ان تینوں کو امریکہ قید خانے سے نکال کر اپنے قبضے میں رکھا تھا۔

ہم نے کئی خیال خوانی کرنے والوں کو مرینا کے حوالے کیا تھا مگر وہ ہم پر اعتماد کرے اور ہماری ہو جائے۔ میرا ارادہ تھا خیال خوانی کرنے والے روکی، عیبری ہاک اور باہر انکھن۔ کبھی اس کے حوالے کر دوں گا لیکن اس کی فہمت نہیں آئی۔ مرینا ہماری نہ ہو سکی۔ اس لئے میں نے ان تینوں کو فرانس پر پناہ دیا تھا۔ وہ تینوں میرے معمول اور باہر اترتے۔ میں نے فرانس کے ملٹری انٹیلی جنس کے چیف سے کہہ دیا تھا کہ تینوں کو گھومتے پھرنے کی محدود

[illegible]

آزادی دی جائے اور انہیں بیٹھ گھرائی میں رکھا جائے۔

میں سینہ میں ایک باران برخوبی عمل کیا کرتا تھا۔ وہ بدستور میرے معمول اور تابعدار تھے لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کسی کے زیر اثر ہیں۔ ان تینوں میں روکی پاہ صفت تھا۔ سکون سے ایک جگہ نہیں رہتا تھا۔ اسے ایک ہی جگہ رکھا جائے تو وہ ہزار ہوجاتا تھا۔ وہ انہی جنس والوں کی گھرائی میں نہ سکا۔ ٹہلی بیٹھی کے ذریعے ان کے دماغوں سے کھلتا ہوا فرار ہو گیا۔ پھر میک آپ کے ذریعے چوہیل کرپرس میں آزادی سے گھومنے لگا۔

وہ کئی بار لندن گیا۔ وہاں اس نے مرچینا کو دیکھا تھا اور پولی نظر میں اس پر مرچینا تھا۔ اس نے مرچینا سے دوستی کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا کیونکہ وہ سیاہ نام نیکو تھا اور اتنا قضا ریتا تھا کہ سرعام خیال خوانی نہیں کرتا تھا۔ یہ اندیشہ تھا کہ خیال خوانی کرتے ہوئے کبھی بدقسمتی سے دشمنوں کی نظروں میں نہ آجائے۔

اس نے رات کے وقت اپنی ہاتھ میں بیٹھ کر خیال خوانی کی۔ مرچینا کی سوچ میں کہا "میں نے اس نیکو کا دل تو ڈبا ہے۔ کیا ہوا اگر۔۔۔" پھر محبت کرنے والا ہے۔

مرچینا کی سوچ نے غارت سے کہا "ملفت ہے ایسے کالے کی محبت پر۔ سیاہ رنگ کو کچھ کر اہانگی سی آتی ہے۔ میں اسے دیکھتا بھی گوارا نہیں کھوں گی۔"

روکی کو اپنی توہین کا احساس ہوا۔ وہ سمجھ گیا "حسینہ مغرور اور بد مزاج ہے۔ اب تک کسی کالے کو تو کیا گورے کو بھی منہ نہیں لگایا ہے لیکن جلد ہی ایک خیرودان سے شادی کرنے والی ہے۔

اس نے مرچینا پر بخوبی عمل کیا۔ اس کے دماغ میں یہ نقش کیا کہ وہ کبھی کسی کے ساتھ ساگ رات نہیں گزارے گی۔ پولی رات جو دہما اس کے کمرے میں آئے گا اور اسے ہاتھ لگائے گا تو وہ دونوں میں جھلا ہو کر اسے قتل کرے گی۔ پھر ہوش میں آنے کے بعد قتل کے واقعے کو بھول جایا کرے گی۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک وہ نگشت تسلیم کرے روکی کی سیاہ آغوش میں آنے پر راضی نہیں ہوگی۔

یہ تمام باتیں میں نے روکی کے دماغ میں باکر معلوم کی تھیں۔ چونکہ وہ میرا معمول تھا اس لئے میری سوچ کی لہروں کو اس نے محسوس نہیں کیا۔ میں اس معاملے میں اس سے نمٹتا چاہتا تھا لیکن موقع نہیں ملا۔ کافور خان دو ملازموں کے ساتھ دو بڑی ٹرے میں کھانے کی کٹی ڈشیں لایا تھا۔ اس نے پھر شرمندگی ظاہر کرتے ہوئے کہا "کھاؤ برا در آج سے تم میرے برادر ہو۔ میں بھی کھانے میں تمہارا ساتھ دوں گا۔"

مہم نے کھانا شروع کیا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "یہ شہری مہمان ہے۔ تعلیم یافتہ ہے۔ کھانے کے وقت خاموش رہتا ہوگا۔ مجھے بھی خاموش رہنا چاہئے۔ یہ مخاطب کرے گا تو میں ہلاؤں گا۔"

وہ خاموش رہا۔ میں اس کے بھائی بیرم خان کے پاس پہنچ گیا۔

وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے پچھرو میں گل بائیاں کچلی سیٹ پر بیٹھی تھیں۔ سب حواری اگلی سیٹوں پر تھے۔

بیرم خان سوچ رہا تھا "میں نے گل بائیاں جیسی لڑکی نہیں دیکھی۔ یوں تو کتنی ہی حسینائیں نظروں سے گزرتی رہی ہیں مگر میں دل میں ساکتی ہے۔ برادر نے آج تک میری ہر ضد پر ہری کی سہرا نہیں کیوں گل بائیاں کو واپس بلایا ہے اور اس نے بڑا عجیب سا حکم دیا ہے کہ میں لوہے کا ہاتھ نہ لگاؤں۔ بھلا کیوں نہ لگاؤں؟ یہ تم

سمجھ سے باہر ہے لیکن برادر دن کو رات ہوئے گا تو میں بھی رات ہلاؤں گا۔ حکم سمجھ میں آئے یا نہ آئے، میں عمل کرتا رہوں گا۔"

وہ آدھا فاصلہ طے کر چکا تھا۔ شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے یہاں پہنچنے والا تھا۔ وہ بڑے بھائی کافور خان کا فرما ہر رات تھا لیکن گل بائیاں کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ سوچ رہا تھا برادر نے اس حسینہ کو واپس لے لیا تو بیٹھے سے دل باہر آجائے گا۔ میں اس لڑکی کو نہیں چھوڑوں گا۔ برادر کے سامنے بھوک بڑا ہل کر دوں گی۔

میں نے کھانا ختم کرتے ہوئے کہا "خان! اظہارِ اہم دونوں کی عادتیں ایک جیسی ہیں۔ کھانے کے دوران خاموش رہتے ہیں۔"

وہ مسکرا کر ہولا "تم آج آئے ہو مگر یوں لگتا ہے جیسے تمہارے ہی گھر اور تمہارے ہی خاندان کے گھر ہو۔ کیا آرام کو گھر ہے؟"

"میں صرف رات کو آرام کرتا ہوں۔ مہم مرچینا میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔"

کافور خان نے ملازم سے کہا "کنیز کو پولو کو بی بی خانم کو خبر دے، مسٹر ارسلان آ رہے ہیں۔"

میں نے مرچینا کے پاس جا کر اسے قید سے بگاڑا۔ وہ آنکھیں کھول کر چند سیکنڈ تک خاموشی سے چہمت کو کھتی رہی۔ وہ خبری عمل کے مطابق بھول گئی تھی کہ روکی اس کے دماغ میں آیا تھا۔ ایک کنیز نے آکر اوب سے کہا "بی بی خانم! جناب ارسلان صاحب آنا چاہتے ہیں۔"

وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی، سوچنے لگی "اود میں کیسے سوچی تھی، میں تو ارسلان کا انتظار کر رہی تھی۔"

وہ کنیز سے پولی "مہمان کو یہاں لے آؤ۔"

وہ بستر سے اٹھ کر الماری کے پاس گئی۔ اپنی پند کا ہیزن لباس نکالا۔ پھر تھوڑے دیر میں چلی گئی۔ میں کنیز کے پیچھے چنا ہوا اس کی خواب گاہ میں آیا۔ کنیز نے کہا "آپ تعریف رکھیں۔ بی بی خانم ابھی آئیں گی۔"

میں ایک آرام دہ صوفے پر بیٹھ کر اس کی کچلی زندگی کے اہم واقعات معلوم کرنے لگا۔ مجھے ان مہن بھائیوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ میں صرف گل بائیاں کی آمردندانہ وابستگی اور نورزان کے گھر والوں کی آزادی اور سلامتی چاہتا تھا۔ جب تک یہ مقصد پورا نہ ہوتا اس حویلی میں میرا مہمان بن کر رہنا ضروری تھا۔ وہ ہاتھ دو م سے باہر آئی۔ اس نے غسل کیا تھا۔ اس کے

مورے اور سرخ چہرے پر شینم کے موتی چمک رہے تھے۔ اس کا اہم عجیب کی کچھڑیوں کی طرح چمکا ہوا تھا۔ اس نے کیلے دن پر لباس پہن لیا تھا۔ وہ لباس کیس کیس چمک رہا تھا۔ ایسا منظر دیکھنے والی نگاہیں بھی چپکے کھتی ہیں۔ وہ مسکرا کر پولی "برادر نے مجھے گولی نہیں ماری۔ اس کا مطلب ہے تم ماسٹی کی باتیں اور سبکی کی پیش گوئی بالکل درست کرتے ہو۔"

"چاہے میں کس حد تک درست کہتا ہوں۔ یہ تم سن کر ہی فیصلہ کر سکتی ہو۔"

"وہ سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پولی "تو پھر نہاؤ۔"

"تم دوبار دلس بن چکی ہو اور دلہا بن کر آنے والے دو بڑاؤں کو قتل کر چکی ہو۔"

"یہ برادر نے بتایا ہو گا۔"

"تمہارا بھائی یا دوسرے لوگ یہ نہیں جانتے کہ قتل ہونے والوں نے اپنی موت سے پہلے تمہیں مساکن بنادیا تھا یا کنواری چھوڑ دیا تھا۔"

وہ تو دہل کر پولی "آج تک کسی نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا۔ میری مرضی کے بغیر ہوا بھی مجھے نہیں چھو سکتی۔"

"بے شک تم ہوش دھواں میں رہو تو کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا لیکن ساگ رات میں تم ہوش سے بے یارگی رہتی ہو۔ تمہیں یہ خبر نہیں رہتی کہ کسی کو قتل کرتی ہو پھر یہ کیسے خبر روکی کے قتل سے پہلے تمہاری عزت کا قتل ہو چکا ہوتا ہے؟"

پہلے تو وہ اس دلیل پر سوچتی رہ گئی۔ پھر غصے سے پولی "تم مجھے داناؤں گے رہے ہو۔"

"اگر دناؤں گے تمہارے بھائیوں کے خوف سے ایسا نہیں کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایسا سمجھتے بھی نہیں ہیں۔"

وہ اپنی بے عزتی اور توہین کے احساسات سے پھٹ پڑنا چاہتی تھی چوکی میں اس کے دماغ میں یہ کہ اسے کنزول کرتا جا رہا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "مجھے ارسلان کی باتوں پر غور کرنا چاہئے۔ دونوں باتوں سے منہ چھپا کر یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہم دناؤں سے چھپ گئے ہیں۔ دنیا والوں کو تمہارے وہ عجیب نظر آتے ہیں جو ہمیں نظر میں آتے۔"

وہ اپنے طور پر سوچنے لگی "یہ درست کہتا ہے۔ لوگ تو یہی سوچتے اور سمجھتے ہوں گے کہ دماغی طور پر ناگل رہ کر قتل کرنے والی غفلت میں ٹھٹھکی جاتی ہوگی۔"

اس نے مجھے گھور کر دیکھا، پھر پوچھا "تمہارا علم کیا کہتا ہے؟ کیا تمہارے دماغ لگ چکا ہے؟"

"میں۔۔۔ تم بے دماغ ہو۔"

میں نے تمہارے بھائی کے سامنے بھی اتنی جی اور کڑوی حقیقت بیان کی کہ میں کوئی دوسرا اس کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔"

"تمہاری ایسی ہی بے باکیوں سے میں متاثر ہوں۔"

"تم جانتی ہو کہ تم پر باغی بن کا دودھ کیوں پڑتا ہے لیکن یہ حقیقت بھائیوں سے چھپائی ہو۔ تمہیں کسی طرح بتا چل گیا ہے کہ تمہارا باپ شیشہ خان نہیں بلکہ نیم پھل امیر خان تھا۔"

وہ بڑی حیرانی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا "مائی گاڈ! تمہارا علم بہت خطرناک ہے۔ تمہاری پیدائش ایک گالی ہے اور تمہیں اس گالی کا علم ہو گیا ہے۔ کیا تم اس صورت میں اس حویلی سے زندہ جاسکو گے؟"

"زندگی رہی تو چاہا جاؤں گا۔ ورنہ سمجھ لوں گا موت یہاں الٹی ہے۔ تم یہ جادو، تمہیں یہ حقیقت کیسے معلوم ہوئی؟"

"میری ماں نے ایک دائری میں اپنے حالات لکھے تھے۔ وہ دائری میرے ہاتھ لگ گئی۔ میں نے اسے پڑھنے کے بعد جلدیا تاکہ بھائیوں کو اپنے ناباز ہونے پر غصہ نہ آئے۔"

وہ صوفے پر سے اٹھ گئی۔ اپنے بستر کے پاس گئی۔ پھر کتنے کے پیچھے سے ریو اور نکال کر کٹے نشانے پر رکھتے ہوئے پولی "تم حویلی سے باہر جا کر ہم بن بھائیوں کے لئے بہت بڑی گالی بن جاؤ گے۔"

"تم مجھے گولی مارو گی تو کافور خان مہمان کو قتل کرنے پر غصہ کرے گا۔"

"میں کہہ دوں گی کہ تم مہمان سے شیطاں بن گئے تھے۔ میری عزت پر حملہ کر رہے تھے۔ اس لئے تمہارا کام تمام کر دیا ہے۔"

کی ایک تدبیر بتاتی ہے، تم بھی سن لو۔ تم تینوں مہن بھائیوں کو لوہے کی کوئی چیز نہیں چھوڑنا چاہئے۔ ورنہ پھر وہی باغی بن اور دماغی غفلت کا دودھ پڑے گا۔ ریو اور لوہے کا ہے۔ اسے فوراً پیچیک دو۔"

"جان بچانے کے لئے چنگا نہ باتیں کر رہے ہو۔"

"میں چپا نہیں چاہتا۔ آنکھ مارو، مڑاؤں گا۔ ریو اور پیچیک دو۔"

اس نے بے اختیار پیچیک دیا۔ پھر چونک کر اسے اٹھا یا جاتی تھی "میں نے دماغ پر پوری طرح قبضہ نہ کیا۔ ریو اور کے پیچھے سے تمام گولیاں نکال کر پٹنگ کے نیچے پھینک دوں۔ پھر ریو اور کو قاتلین پر ڈال کر اس کے دماغ کو آزاد کر دیا۔"

وہ ریو اور پر جھٹکتی کی پوزیشن میں دماغی طور پر غائب ہوئی تھی میں نے اسی پوزیشن میں حاضر دماغ کیا۔ وہ ذرا سا چونک کر پھر ریو اور اٹھا کر میرا نشانہ لیتے ہوئے پولی "یہ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ اب تم اپنی زندگی سے چھوٹ جاؤ۔"

اس نے رنگبر کر دیا۔ پہلے ایک بار پھر بار بار دیا۔ گولی نہیں نکلی۔ صرف کٹ کٹ کی آواز نکلی۔ اس نے حیرانی سے ریو اور کو

دیکھا۔ میں نے کہا ”اس وقت تم ہوش میں نہیں ہو۔ خون میں مبتلا ہو رہی ہو۔“

وہ چیخ کر ہولنا چاہتی تھی۔ میں نے جینے نہیں دیا۔ وہ آنکلی سے بولی ”میں ہوش میں ہوں۔ مجھ پر خون سوار نہیں ہے۔“

میں نے اس کی سوچ میں کہا ”یہ جو قاتلانہ حملہ کرنے جا رہی ہوں، یہ مجھ کو جنون ہے۔ شاید مجھ پر دی دودھ پڑا ہے۔“

میں نے اسے لڑھکے اور اصرار پانے اور ٹھہرنے پر مجبور کیا۔ وہ پریشان ہو کر سوچ رہی تھی کہ واقعی دودھ پڑا ہے۔ میں نے اسے دھیمی آواز میں جینے پر مجبور کیا۔ وہ ہنسنے لگا۔ اس کے ہاتھ سے ریو اور کرگیا۔ میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس نے چونک کر گھٹے دیکھا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے سر کو ختم کیا۔ میں نے کہا ”دیکھو ریو اور کو چھوڑے، یہ تم مارل ہو گئی ہو۔ کیا تمہیں پتا ہے کہ ابھی کسی حرکتیں کر رہی تھیں؟“

”ہاں، کچھ کچھ یاد ہے۔“

”کیا تمہیں یاد ہے کہ ریو اور سے گولیاں نکال کر تم نے پنگ کے نیچے پیک کر دیں۔ پھر خالی ریو اور سے مجھ پر ناز کرنے لگیں۔“

اس نے بے یقینی سے جبکہ کر پنگ کے نیچے دیکھا۔ وہاں گولیاں بکھری پڑی تھیں۔ میں نے کہا ”تمہیں کچھ یاد آ رہا ہے؟“

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی ”مجھے پتا ہی نہ چلا کہ میں نے کب ایسا کیا۔“

”کیا تمہیں یاد ہے کہ تم مجھ سے آرکٹک مٹی تھیں اور ایسی بے جاائی سے بول رہی تھیں کہ تم سن کر خود نہیں تھیں کرو گی۔“

”تم جھوٹ بولتے ہو، میں تمہارے قریب بھی نہیں مٹی تھی۔“

”یقین نہ کرو۔ کارٹوس پنگ کے نیچے مجھ کو دیکھو، اس لئے اپنی اس بے خبری کا یقین کر رہی ہو۔ میری آنکھ میں آنے کا کوئی ٹوٹو مگراف نہیں ہے اس لئے میں اس پر بحث نہیں کروں گا۔ تمہیں سمجھایا تھا کہ لوہے کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگاؤ۔“

وہ جھنجھار کر بولی ”کیا یہ کوئی ٹوٹا ہے؟“

”میں صرف ستاروں کی چال کے مطابق کہہ رہا ہوں۔ تو منوس ستارہ تمہارے باپ پر اثر انداز ہو رہا تھا، وہی تمہیں بنائیں پر اثر کر رہا ہے۔ اس سخت سے کچھ روز بعد نجات مل جائے گی۔ جب تک نجات نہ ملے تب تک لوہے کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ کیونکہ منوس ستارے کی شعاعیں براہ راست لوہے پر پڑتی ہیں۔“

”میں مانتی ہوں۔ تم بہت بڑے بخوبی ہو۔ تم نے براہ کو مطمئن کیا ہے۔ میں بھی مطمئن ہوں لیکن تم ہمارے ناطہ خاندانی شجرے سے واقف ہو گئے ہو۔ تم یہاں سے جا کر ہماری پیدائش پر کچھرا چھا لو گے۔“

”میں ایسا نہیں کروں گا لیکن تم مجھ پر بھروسہ نہیں کرو گی۔ لہذا میرے خلاف جو کارنامہ چاہتی ہو، وہ کرو۔“

وہ سوہنے لگی۔ میں بھی سوچ کے ذریعے اسے اپنی طرف مائل

دماغ میں محسوس نہیں کرے گی۔
پھر میں نے آدھے گھنٹے تک توہمی نیند سونے کا حکم دیا۔ یہ
اندیشہ تھا کہ مرجینا کی خواب گاہ میں زیادہ دیر رہوں گا تو کافور خان
اسے گورا نہیں کرے گا۔ میں نے کافور خان کے خیالات پر نہ۔
وہ سوچ رہا تھا "قسمت کا حال بتانے میں وقت لگتا ہے۔ میرے
ساتھ ارسلان تین گھنٹے گزار کر گیا ہے۔ پھر مجھے کسی کو مرجینا کے
کمرے میں آتے جاتے رہنا چاہئے۔"
اس نے کس کو بلا کر پوچھا "مسلمان کو چائے دی گئی ہے؟"
"جی ہاں۔"
"جا کر مظلوم کرو۔ کسی اور چیز کی ضرورت ہے؟"
سینئر حکم کی تعمیل کے لئے آئی۔ میں نے اس کے دماغ پر قبضہ
جنا کر کمرے میں بلایا اور اسے یہ سمجھنے پر مجبور کر آ رہا کہ مرجینا
میرے سامنے موند پر بیٹھی باتیں کر رہی ہے۔ وہ چائے کی ٹرالی لے
کر چلی گئی۔ کافور خان کے پاس جا کر کہا "بہابی خانم نے آدھے گھنٹے
بعد گرم چائے لائے تو کہا ہے۔"
کافور خان مطمئن ہو گیا۔ آدھے گھنٹے بعد مرجینا بیدار ہو گئی۔
میں نے اس کی سوچ میں کہا "میں ارسلان سے باتیں کر رہی تھی۔"
اسے چائے میں جینی ملا کر دینے کے لئے چچہ کو اٹھایا تھا۔ پھر میں بستر
پر لیجے آئی؟
"وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ میں نے
کہا "تمہارے بستر کے پاس چچہ گرا ہوا ہے۔ کیا تمہیں مظلوم نہیں
تھا کہ وہ چچہ کو بے قابو ہے؟ یا تم نے مجھے جھوٹا سمجھ کر اسے پکڑا تھا؟"
وہ پریشان ہو کر قالین پر بڑے ہوئے جھجے کو دیکھ کر بولی "یہ
اتنی جلدی جلدی مجھ پر دوڑ رہا لگا ہے۔ پہلے تو ایسا نہیں ہوتا
تھا۔"
"پلے وہ منحوس ستارہ تمہارے ستارے پر حاوی نہیں تھا اب
وہ اپنے کی قوت سے زیادہ اثر انداز ہو رہا ہے۔"
وہ بستر سے اٹھ کر آئی۔ پھر میری گردن میں بائیس ڈال کر بولی۔
"تم نے اپنے علم سے اتنی جی باتیں بتائی ہیں کہ اب میں تمہاری
کسی بات کو جھوٹ نہیں سمجھوں گی۔"
دو ڈاڑھے پر دستک سنتی وہ جلدی سے الگ ہو گئی، پھر بولی۔
"آہا بھو۔"
کمزور گرم چائے لے کر آئی پھر چائے کی ٹرے سینئر ٹیبل پر رکھ
کر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد مرجینا میرے قریب موند پر
آئی۔ پہلے وہ دور سامنے والے موند پر بیٹھی تھی۔ توہمی عمل
نے اسے میری طرف اس قدر مائل کر دیا تھا کہ مجھ سے دور نہیں
رہنا چاہتی تھی۔
وہ چائے پیالی میں انڈیل رہی تھی، میں نے کہا "چچہ کو ہاتھ نہ
لگنا" میں جھپٹی لے لوں گا۔"
وہ مسکرا کر بولی "میں پھر بھول گئی تھی، اچھا ہوا تم نے یاد

بتا رہا تھا۔ میرے غیر معمولی اور جرات انگیز علم کی تعریفیں کر رہا تھا۔ اپنے اور مرتبہ کے پاگل پن کا حوالہ دے کر کہہ رہا تھا "ایسے دورے تم پر بھی پڑتے ہیں کیونکہ ہماری روگوں میں ایک ہی باپ کا خون ہے۔"

وہ بولا "لیکن برادر! ہمارا باپ پاگل نہیں تھا۔ ہمارے چچا پاگل تھے۔"

وہ بتاتا نہیں چاہتا تھا کہ جسے وہ پاگل چچا سمجھتا ہے وہی دراصل ان تینوں کا باپ ہے۔ وہ بات بتاتے ہوئے بولا "ہمارے باپ اور چچا کا تو خون ایک تھا۔ ہم سب ایک دادا کی نسل سے ہیں۔ تم پر ابھی دورہ نہیں پڑا ہے تو یہ نہ سمجھو کہ محفوظ ہو۔ مسٹر ارسلان نے کہا ہے کہ ہم لوہے کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگائیں گے تو پاگل پن اور غائب دماغی سے محفوظ رہیں گے۔"

"یہ مسٹر ارسلان کون ہیں؟"

"یورپ کا ایک رئیس اعظم ہے۔ ابہر نجوی ہے۔ اتنی بھی پیش گوئیاں کرتا ہے کہ لندن کے لاڈلے اور ڈوک اسے ایک پیش گوئی کا معاوضہ پچیس ہزار پونڈ یعنی دس لاکھ روپے ادا کرتے ہیں۔ ابھی وہ ہمارے حالات زندگی بھی بتائے گا۔"

"تم نے کتنا معاوضہ دیا ہے؟"

"میں تو متوقعہ مانگا معاوضہ دینا چاہتا تھا لیکن وہ صرف گل جاناں کی رہائی چاہتا ہے۔"

"اسے گل جاناں سے کیا دلچسپی ہے؟"

"اسے ہم سے دلچسپی ہے۔ وہ ہماری بھلائی چاہتا ہے۔ نور زمان اور گل جاناں کے ستارے ہمارے مخالف ہیں۔ میں ابھی تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں نے نور زمان اور اس کی ماں کو ہلاک کرنا چاہا لیکن پاگل پن اور غائب دماغی کے باعث اپنے چار بہترین خونخوار کتوں کو مار ڈالا۔ اپنے دست راست کو بھی قتل کر دیا۔ تم گل جاناں کو اپنے پاس رکھو گے تو خدا نخواستہ مصیبتوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔"

"برادر! تم نے باپ بن کر میری ہر خواہش پوری کی ہے۔ گل جاناں کو کچھ سے ملو۔۔۔۔۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔ اگر وہ دہقان کی اور ہمارے غلام کی بیٹی نہ ہوتی اور خاندانی لڑکی ہوتی تو میں اس سے شادی کر لیتا۔ میری بھجھ میں نہیں آتا، میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ وہ میرے لئے کیا ہے۔"

"مجھے نہ سمجھاؤ، میں صرف تمہاری سلامتی کی بات سمجھتا ہوں۔"

"اور یہ بات تمہیں اس نجوی نے سمجھائی ہے۔ میں یہ سوچنے کی بھی جرات نہیں کر سکتا کہ تمہیں کوئی غلط سمجھائے گا تو تم غلام سمجھ لو گے، تم بہت اور فائدہ ہو برادر! لیکن....."

"جب مجھے اور شہنشاہ کتے دو پھر لیکن کی کا صحیح فائدہ ہے؟"

"جو نجوی پاگل پن سے محفوظ رہنے کی تدبیر بنا سکتا ہے وہ گل

جاناں کو میرے پاس رکھنے کی ایسی تدبیر بھی بنا سکتا ہے کہ میں پاگل پن اور مصیبتوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔"

کاؤر خان سوچنے لگا۔ پھر تائید میں سر ہلا کر بولا "یہ ممکن ہے وہ کوئی تدبیر بنا سکتا ہے۔"

اس نے ملازم کو بلا کر حکم دیا "ہیئر کو بلاؤ، بی بی خانم کے پاس جانے اور مہمان کو اصرار ملائے۔"

ملازم نے کہا "مہمان بہت دیر سے بیٹک میں ہے۔"

وہ دونوں بھائی خواب گاہ سے نکل کر میرے پاس آئے۔ میں نے انھیں کریم خان سے معائنہ کیا۔ کاؤر خان نے ہمارا تعارف ایک دوسرے سے کرایا۔ ہیرم خان تعارف کے دوران وہ رہ کر گل جاناں کو دیکھتا رہا۔ وہ واقعی اتنی حسین تھی کہ اس کے لئے شہنشاہ اپنا تاج و تخت چھوڑ سکتے تھے۔ کاؤر خان نے ملازم سے کہا "گل جاناں کو برا بھلا نہ کہو۔"

وہ فرش پر سے اٹھ گئی۔ ملازم کے پیچھے چلی گئی۔ ہیرم خان نے مجھ سے کہا "میں نے تمہاری بہت تعریفیں سنی ہیں۔ کیا میرے حالات زندگی بتاؤ گے؟"

"ضرور، خان اعظم نے تمہاری تاریخ پیدائش بتائی تھی۔ میں نے تمہارا زائچہ بنا کر حالات معلوم کئے ہیں۔ تمہارا برادر تمہارے لئے ایک مضبوط قلعہ ہے۔ کوئی اس قلعے کی ایک اینٹ بھی ہلا نہیں سکتا۔ کوئی تمہاری طرف انگلی اٹھانے کی بھی جرات نہیں کرتا ہے۔ اس لئے کوئی برا دشمن آج تک تم سے نہیں ٹکرایا۔ اس کے علاوہ تم سونے کے جھولے میں جھولے ہو۔ اس لئے زندگی میں کبھی کسی چیز کی محسوس نہیں کی۔ تمہاری بچکانی زندگی میں کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہے۔"

"اور مستقبل؟"

"مستقبل بہت تشویشناک ہے۔"

کاؤر خان نے پریشان ہو کر مجھ سے پوچھا "کیا کتے ہو برادر ارسلان!"

"میں تو کچھ نہیں کہتا۔ میری زبان سے منہ روتاتا ہے۔ توام سے بیٹھو اور باتیں توجہ سے سنو۔"

دونوں بھائی ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ میں نے ان کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "میں نے خان اعظم سے کہا تھا کہ میں نے نور زمان کا زائچہ بھی بنا کر اس کے حالات معلوم کئے تھے۔ اس کے ساتھ اس کی ماں اور بہن کے متعلق بھی بہت کچھ معلوم کیا تھا۔ گل جاناں ایک مسموم اور پاکیزہ لڑکی ہے۔ کوئی اس کے دامن کو میلا نہیں کر سکتا گا۔ اگر کوئی اس پر جبر کرے گا تو خدا ہی میں جلتا ہو رہا ہے۔"

کاؤر خان نے کہا "میں نے چھوٹے خان کو سمجھایا ہے کہ وہ اس کا دلہن ہے۔ میں نے آج تک اس کی ہر خواہش پوری کی ہے۔ میں اسے ایک بل کے لئے بھی مایوس اور اداس نہیں دیکھا۔"

ملازم کوئی ایسی تدبیر بتاؤ کہ اس نامراد کی مراد پوری ہو جائے اور اس پر کوئی نصیحت نہ آئے۔"

"وہ سب کا مقصد رگنیک والا کتا ہے کہ آدمی اپنے عمل سے قسمتی کو مال سکتا ہے۔ اگر تم اسے بچھڑا دیتے ہو تو ہاتھ نہ لگاؤ۔ بھول گئے ہو تو جنگ کرنا شروع کرنا، لیکن خان اعظم کا تم دونوں بھائیوں کو بچھڑانا نہیں آتا۔"

"ذرا وضاحت سے بولو۔"

"چھوٹے خان، گل جاناں سے باقاعدہ نکاح پر حوا کر اسے شرک و حیات بنا کر حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔"

کاؤر خان نے کہا "یہ ناممکن ہے۔ مسٹر ارسلان! وہ ہمارے حیرت انگیز کی بیٹی ہے۔ تمام قبائلی سردار ہم پر ہنس گئے۔ ہم بچھڑ کر مر رہے ہیں۔"

"تو پھر اسے ہاتھ نہ لگاؤ۔"

ہیرم خان نے بھائی سے کہا "وہ حاصل نہ ہوئی تو میں کمانا بیٹا چھوڑ دوں گا۔ کیا تم مجھے بھوکا پیاسا کر سکتے ہو؟"

"جان برادر! تم آگ سے کھینک کی ضد کو گھومے تو کیا میں کھینک کی اجازت دے دوں گا۔ تم ایک معمولی لڑکی کے لئے خطرات سے کھانا چاہتے ہو؟"

"تم نے ایک بار کہا تھا۔ مو خطرات سے کھیل کر ہی اپنی مراد حاصل کر سکتے ہیں۔"

"یہ درست ہے لیکن جان بوجھ کر خطرات سے نہیں کھینا چاہئے۔ پھر گل جاناں ایسا فخر ہے، جس سے کھیل کر تم شہرت، برتری یا اقتدار حاصل نہیں کر سکو گے۔"

"دل کا قرار تو حاصل ہو گا۔ وہ نہ ملی تو میرے پاؤں میں نامرادی کا گناہ جیسا رہے گا۔ میں سر اٹھا کر نہیں چل سکتا گا۔ ایک چھوٹی سی عمری جسے بھگائی رہے گی۔"

مجھ کو بولا "وہ برآمدے میں ہے۔ اسے سر دی لگ رہی ہوگی۔"

اس نے ملازم کو بلا کر حکم دیا "گل جاناں کو کھل دو۔ نہیں ضرور اسے سامنے والے مہمان خانے میں لے جاؤ اور اس کے کمانے پینے کا خیال رکھو۔"

برادر! چھوٹے خان کی چاہت اور بے قزاقی کو دیکھ کر برطانو دوہا تھا اور سارے کے لئے مجھے بھی دیکھنا چاہتا تھا پھر وہ ہلا "مسٹر ارسلان! تم نے ہمیں لوہے سے دور رکھ کر پاگل پن سے دور کر دیا ہے۔ ایسی ہی کوئی تدبیر کو۔ میرا بھائی میری جان ہے۔ اس کے لئے کچھ سوچو پھر اس کا زائچہ بناؤ۔"

"زائچے میں کوئی غلطی ہوتی تو میں نظر ثانی کرتا۔ ابھی تک چھوٹے خان پر دورہ نہیں پڑا ہے لیکن اب پڑے گا۔ میں کہہ چکا ہوں اس کا مستقبل تشویشناک ہے۔ جو ہونے والا ہے اسے تم

اپنی دولت اور طاقت سے نہیں روک سکتے۔ دنا میں بھی قبول نہیں ہوں گی۔ سلامتی اور خوش حالی کا ایک ہی راستہ ہے۔ گل جاناں کو عزت اور عظمت دو۔"

"ہم جوتے کو زیادہ سے زیادہ چمکا کر قابل دید بنا سکتے ہیں۔ لیکن اسے صرف پیروں میں ہی پہن سکتے ہیں، سر نہیں رکھ سکتے۔"

میں نے کہا "بہتے افسوس ہے۔ میں اس سلسلے میں مزید کوئی مشورہ نہیں دے سکوں گا۔"

کاؤر خان نے کہا "کوئی بات نہیں۔ میں ملازم سے کتا دوں وہ تمہیں مہمان خانے میں پہنچا دے گا۔"

ہیرم خان نے کہا "برادر! میں نے ادھر گل جاناں کو رکھا ہے۔"

میں نے کاؤر خان کی سوچ میں کہا "یہ معزز مہمان ہے۔ ہماری حویلی میں کی کرے ہیں۔ کسی میں رہ سکتا ہے۔"

اس نے ملازم کو بلا کر حکم دیا "مہمان کو میرے ساتھ والے کمرے میں لے جاؤ اور ہر ضرورت کا خیال رکھو۔"

میں ملازم کے ساتھ ایک کمرے میں آیا۔ پھر اس سے بولا۔ "مجھے فی الحال کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تھکی چاہتا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ میں دروازے کو اندر سے بند کر کے دونوں بھائیوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ کاؤر خان کہہ رہا تھا "ارسلان کتا ہے، گل جاناں کو صبح سے پہلے اس کے گھر پہنچا دو۔ ورنہ بڑی تباہی آئے گی۔"

ہیرم خان نے کہا "یہ مہمان جب سے آیا ہے نور زمان اور گل جاناں کی حمایت میں بول رہا ہے۔ اس کے پیچھے ضرور کوئی مقصد ہو گا۔"

"کوئی مقصد نہیں ہے۔ میری بات کو سمجھو۔ ارسلان کے مشورے کے مطابق گل جاناں صبح تک گھر بیٹھ جائے گی تو ہم تباہی سے محفوظ رہیں گے۔ اس کا مطلب ہے آج بھی یہ ایک رات تمہارے پاس ہے۔ وہ کتنی عمر کی ہے، کوئی بات نہیں۔ اسے شکار گاہ لے جاؤ۔"

"مگر وہ کتا ہے، کوئی اس کا دامن میلا نہیں کر سکتا گا۔"

"اس نے نور زمان کا زائچہ بنا کر اس کی بہن کے متعلق کچھ معلوم کیا ہے۔ بہن کا زائچہ نہیں بنایا ہے۔ پھر گل جاناں کون سی اللہ والی ہے کہ اسے ہاتھ لگا جائے تو بھلی کر پڑے گی۔"

ہیرم خان نے خوش ہو کر کہا "تم میرے دل کی بات کہہ رہے ہو۔"

وہ بولا "میں تسلیم کرتا ہوں ارسلان درست پیش گوئی کرتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ ہر پیش گوئی درست ہو۔ تم پورے انتظامات کے ساتھ شکار گاہ جاؤ۔ پھرے داری کے لئے ہوشیار بندوں کو رکھو۔ ذرا بھی خطرے کا احساس ہو تو موبائل ٹیلیفون پر

تھا۔ پھر دس بیس ہوا تھا۔ بڑے بھائی سے یہ منظور کیا نہیں جا رہا تھا۔ وہ اسے اٹھ کر پھینک دیا۔ پھر اسے بولا "معاذی اللہ چلاؤ۔ حویلی میں چلاؤ ڈاکٹر کو بلاؤ۔"

گاڑی واپس مرکز حویلی کی طرف جانے لگی۔ کافور خان نے پوچھا "یہ کیسے ہو گیا؟"

"آقا! ہماری سبیل کام نہیں کرتی ہے۔ پہلے تو چھوٹا آٹا شکار گاہ میں گیا۔ وہاں سے کل جانوں کو اور ہم کو لے کر ہستی میں گیا۔ کل جانوں کو اس کی ماں اور بھائی کے حوالے کر کے ہستی سے باہر آیا پھر بولا کہ وہ معصوم لڑکی کو بے لباس کرنا چاہتا تھا اس کی سزا پانے کے لئے خود بچا ہو گیا۔ ہمارے کپڑے بھی اترواؤ۔ چاقو سے اپنے جسم پر زخم لگائے۔ ہم روکنا چاہتے تھے۔ وہ ہم کو بھی زخمی کر کے دور بھجوا دیتا تھا۔"

کافور خان میں رہا تھا اور اس کا سر پکڑا تھا اسے میری پیش گوئی یاد آ رہی تھی۔ اسے اپنے الفاظ بھی یاد آ رہے تھے "اس نے کہا تھا 'کل جانوں کو ہی اللہ والی ہے کہ اسے ہاتھ لگنے والے پر بجلی گر پڑے گی۔"

اور اب چھوٹے بھائی کی حالت دیکھ کر کافور خان پر بجلی گر رہی تھی۔ وہ قائل ہو رہا تھا کہ نور زمان اور گل جانوں کے دشمن ستارے ان بہن بھائیوں سے ٹکرا رہے ہیں۔ آئندہ ان غلاموں سے دور رہنا چاہیے۔

وہ سوچ رہا تھا اور اپنی مثال اتار کر بھائی کو اس میں پھیلا رہا تھا۔ حویلی کے دروازے کے سامنے گاڑی رک گئی۔ ایک حواری بچہ ہی دوڑتا ہوا ڈاکٹر کے کوارٹر کی طرف گیا۔ کافور خان نے فوری طبی امداد حاصل کرنے کے لئے حویلی کے احاطے میں ایک ڈسپنسری قائم کی تھی اور ایک ڈاکٹر کو ملازم رکھا تھا۔

وہ بھائی کو اٹھ کر اپنی خواب گاہ میں لایا۔ ملازموں سے بولا۔ "پانی گرم کرو۔ دوسرا بیٹر بھی لگاؤ۔ مہمان کو بواو خان اعظم بلانا ہے۔"

تمام ملازم احکامات کی تعمیل کرنے لگے۔ ایک نے میرے دروازے پر دستک دی۔ میں نے دروازہ کھولا۔ اس نے کہا "خان اعظم نے یاد کیا ہے۔ چھوٹا خان بری طرح زخمی ہو کر آیا ہے۔ جلدی چلاؤ۔"

میں کافور خان کی خواب گاہ میں پہنچا۔ اس نے بھائی پر سے کپل ہٹا کر زخم دکھائے تو میں نے شدید حیرانی ظاہر کی۔ وہ بولا "میں نے بھی اپنے بھائی پر ظلم کیا ہے۔ ایک تو یہ زخموں سے مجھ پر ہے۔ پھر میں گاڑی عین وقت پر نہ روک سکا۔ اسٹرنگ بے قابو ہو گیا۔ یہ میری گاڑی سے ٹکرا کر بے ہوش ہو گیا۔"

میں نے زرا غصہ دکھاتے ہوئے کہا "میرے منع کرنے کے باوجود تم گاڑی میں بیٹھ گئے۔ تم نے لوہے کو ہاتھ لگایا۔ آخر نتیجہ دیکھ لیا۔ تم نے خود اپنی جان سے زیادہ عزیز بھائی کو گاڑی سے ٹکرا دیا۔"

ماری۔ تمہارے بھائی نے بھی میرے مشورے کے خلاف کوئی قدم اٹھایا ہو گا۔"

وہ اور ایک حواری بتانے لگے کہ بیرم خان بری نیت سے کمر باندھ رہا تھا۔ کھانا لگائے گیا تھا۔ پھر چاکلی ہی اس کا داغ چل گیا۔ وہ اس حالت کو پہنچ گیا۔ میں نے تمام دوداؤں کو کھانا "بہن میرے ہونچا خان اعظم! اب میں یہاں نہیں رہوں گا۔ تم نے اور تمہارے بھائی نے اپنے مہمان کے ظلم کو جھوٹا سمجھا۔ میں مجبوری میں تمہاری نظروں میں جھوٹا اور فریبی ہوں۔ مجھے یہاں نہیں رہنا چاہیے۔"

اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "تمہارا غصہ بجا ہے۔ خان اعظم کو کوئی آنکھ نہیں دکھا سکتا لیکن تم غصہ دکھا رہے ہو۔ کوئی بات نہیں۔ تم ہمارے لئے فرشتہ ہو۔ خان اعظم تم سے الگ کرتا ہے۔ ابھی جانے کی بات نہ کرو۔ ہم سب کو تمہاری بہن ضرورت ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں، آئندہ ہم تمہارے مشوروں پر عمل کرتے رہیں گے۔"

ڈاکٹر آیا تھا۔ بیرم خان کے ایک ایک زخم کو صاف کر کے مرہم لگا رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بھی لگایا۔ پھر کہا "خان اعظم! اسے تھوڑی دیر میں ہوش آئے گا۔ میں بیٹھک میں موجود رہوں گا۔"

وہ چلا گیا۔ کافور خان بھی بھائی کے قریب جا رہا تھا۔ کبھی آ رہا تھا۔ شفا دے رہی تھی کہ وہ ہوا تھا "میں نے آج تک کسی دشمن کو معاف نہیں کیا۔ جس نے بھی ہمیں نقصان پہنچانا چاہا، میں نے اسے جہنم میں پہنچا دیا، میں ان دو کوڑی کے ذیل غلاموں کو بھی معاف نہیں کروں گا لیکن کیا کروں؟ میں کیا کروں؟"

میں نے کہا "میں ان کے خال پر چھوڑ دو۔"

"کیسے چھوڑ دوں؟ وہ میری زمینوں پر رہتے ہیں گویا میرے بیٹے پر سوار رہتے ہیں۔ میں انہیں کیسے نظر انداز کر سکتا ہوں۔ ان سے سامنا ہو گا تو میری آنکھوں میں خون اتر آئے گا۔ میں ان سے کترا جاؤں گا تو میری عزت اور شان و شوکت دو کوڑی کی نہیں رہے گی۔ پولیس والے، سرکاری عہدے دار جو مجھ سے مرعوب رہتے ہیں وہ طعنے دیں گے کہ ذیل غلاموں نے خان اعظم کو قتل پود کر رکھا ہے۔"

"میں تمہارا مہمان ہوں۔ اپنی آنکھوں سے تمہاری جانیں نہیں دیکھوں گا۔ تم ان کے خلاف جو کرنا چاہتے ہو، میرے جانے کے بعد کرو۔"

"مسٹر ارسلان! میں ان کے خلاف کچھ نہیں کروں گا لیکن دوسرے لوگ ان سے دشمنی کریں اور انہیں قتل کریں تو اس کا الزام مجھ پر نہیں آئے گا۔"

"دشمنی اور قتل کرنے والے تمہارے ہی منک خوار ہوں گے۔"

"بھائی نہیں۔ میرا اور میرے منک خواروں کا ان سے کوئی جھگڑا نہیں ہو گا۔ تمہارے مشوروں اور اپنے ستاروں کی چال کے مطابق ہم دونوں بھائی ان غلاموں سے دور رہیں گے۔ ان کا نام بھی زبان پر نہیں لائیں گے۔ اب تم بتاؤ۔ اس کے بعد بھی ان کے منوں ستارے ہم سے ٹکرائیں گے؟"

میں نے نور زمان اور گل جانوں کے حوالے سے ان پر جو باندھنا غامد کی تھیں۔ وہ اپنی ہی چال کے ذریعے ان باندھنیوں سے تیار ہو رہا تھا۔ یہ خرواغ جاگیر اور اپنی انا اور برتری کی خاطر انکشافی کارروائی سے باز نہیں آئیں گے۔ میں نے کلمہ "خان اعظم! میں نے پیش گوئی کی تھی کہ جو اس معصوم لڑکی کو نقصان پہنچائے گا خود نقصان اٹھائے گا۔ تم اس معاملے سے الگ ہو جاؤ۔ تمہارے بعد جو اس معاملے میں پڑے گا وہ بھگت لے گا۔"

بیرم خان کو ہوش آ گیا۔ وہ آنکھیں کھول کر سوچ رہا تھا "میں کہاں ہوں۔ یہ تو برادر کا کمرہ ہے" اور میں شکار گاہ میں تھا۔ کافور خان نے قریب آکر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"جان برادر! جو ملے کب ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ تکلیف سے کہتا ہے "میرے جسم سے ٹھیکس اٹھ رہی ہیں۔ یہ سر میں بی جا رہی ہے۔ میں زخمی ہوں، یہ سب کیا ہے؟ میں زخمی کیسے ہو گیا؟"

کافور خان اسے تمام دوداؤں سے لگا۔ میں بیرم خان کے داغ میں رہ کر ان تمام مناظر کی جھلکیاں پیش کر رہا تھا۔ جو اسے یاد نہیں رہے تھے۔ اسے کچھ کچھ یاد آ رہا تھا اور وہ حیرانی سے پوچھ رہا تھا۔ "میں نے یہ باگل میں کیسے کیا؟ اپنے ہاتھوں سے خود کو زخمی کیا۔ زخم کھانے کے باوجود میں ہوش میں کیوں نہیں آیا؟"

"تم نے مہمان کے مشوروں پر عمل نہیں کیا۔ گل جانوں کو گاڑی میں لے گئے۔ لوہے کو چھو لیا۔ مجھ سے بھی نادانی ہوئی، میں نے ہمیں اس لڑکی کو شکار گاہ لے جانے کی اجازت دی۔ اب ایسا نہیں ہو گا۔ ان غلاموں پر لعنت بھیج دو۔ ہم انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

وہ تکلیف سے بے چین ہو رہا تھا "ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ اس نے معائنہ کرتے ہوئے کہا 'پریشانی کی بات نہیں ہے۔ زخم تو تکلیف خور دیں گے آپ کا حکم ہو تو میں یخ کا انجکشن لگا دوں۔"

وہ بولا "میرے بھائی نے بہت تکلیف برداشت کی ہے۔ اسے آرام سے ملا دو۔"

ڈاکٹر انجکشن لگا کر چلا گیا۔ کافور خان نے چھوٹے بھائی سے کہا "آنکھیں بند کرلو، آرام سے سو جاؤ۔ تمہارے دشمنوں کا آرام آنا سے تمام ہو جائے گا۔"

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ کافور خان موبائل ٹیلیفون اٹھا کر میرے ساتھ باہر آیا۔ پھر مجھ سے بولا "تم بھی آرام کرو۔ میں آج

رات بھائی کے ساتھ گیاروں کل صبح تم سے ملاقات ہو گئی۔ میں اپنے کمرے میں آیا۔ اس نے دوسرے کمرے میں جا کر فون کے ذریعے پوٹیلیکال ایجنٹ سے رابطہ کیا، پھر کہا "پچاس ہزار کا سودا ہے۔"

"سودا بولو۔"

"جی کہ ہستی میں ایک نور زمان اور زمان اپنی ماں اور بہن کے ساتھ رہتا ہے۔ ان تینوں کا ہتھکڑیاں انجام کیا جائے گا میں سودے کی رقم اتنی ہی بڑھا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ کل تک تینوں کی تکلیف ہو جائے گی۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ میں پوٹیلیکال ایجنٹ کے داغ میں پہنچ گیا۔ اس کا نام زرتاج خان تھا۔ حکومت پاکستان کی طرف سے پوٹیلیکال ایجنٹ مقرر کیا گیا تھا لیکن وہ اپنے عہدے سے خوب ناہیارہ فائدے اٹھا کر تھا۔ قانون کی بالا دستی، اس دامن قائم رکھنا اور ترقیاتی منصوبوں پر عمل کرنا اس کے فرائض میں شامل تھیں وہ ملاطمت غیر کے قبائلی سرداروں کا بھی نمائندہ تھا۔ اس لئے دولتی حرکتیں کرتا تھا۔

وہاں کا قانون جس کی لاٹھی اسمبلی کی ہینس کے مصداق تھا۔ جس کے پاس دولت اور کارٹوس زیادہ ہوتے تھے، وہی زیادہ بندے مار سکتا تھا۔ پوٹیلیکال ایجنٹ کی عمرانی میں چوری اور اسلگنگ کال محفوظ رہتا تھا۔ وہاں اغوا برائے آداؤں کے معاملات طے ہوتے تھے۔ انہوں 'چرس'، ہیروئن، اسلحہ اور چوری کی کارروائی اور سوئر سائیکلوں کا کاروبار اس قدر تھا کہ بڑے بڑے عہدے داروں کی روزانہ آمدنی تقریباً ایک لاکھ روپے تھی۔

جہاں مال و دولت کی فراوانی ہو۔ اسلحہ اور کارٹوس کا استعمال غیر قانونی نہ رہے اور جہاں محاسبے کا عمل نہ رہے۔ وہاں کا ہر عہدے دار اور ہر قبیلے کا سردار فرعون ہوتا ہے۔ ایسے تمام فرعوں کو پوٹیلیکال ایجنٹ زرتاج خان اپنے کنٹرول میں رکھتا تھا۔ ان کی ہر ناجائز بات مانتا تھا اور اپنی ہر ناجائز بات ان سے منواتا تھا۔ زرتاج خان کے بیوی بچے پشاور میں بڑی ریسانہ زندگی گزار رہے تھے۔ اس کے دو جوان بیٹے کالج میں تھے اور ایک جوان بیٹی اسکول میں پڑھ رہی تھی۔ وہ چودہ برس کی تھی یعنی گل جانوں کی ہم عمر۔ میں نے زرتاج خان کو اپنے بیوی بچوں سے رابطہ کرنے پر مائل کیا۔ اس نے فون کے ذریعے ان کی خیریت معلوم کی۔ میں اس کے بیوی بچوں کے داغوں میں پہنچ کر ان کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے لگا۔

اس کے بعد میں کافور خان کے پاس آیا۔ وہ اپنی خواب گاہ میں زخمی بھائی کے پاس کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ بھائی آنکھیں کے اثر سے سو رہا تھا۔ کافور خان اس سے اور مزید بے انتہا محبت کرتا تھا۔ وہ تمام رات بھائی کے پاس جاگنا چاہتا تھا۔ میں نے اس پر قبضہ ہٹا کر فون کا ریسیور اٹھائے گا، پھر پوٹیلیکال ایجنٹ کے نمبر

ڈانکل کرائے رابطہ قائم ہونے کے بعد اس کے ذریعے بھرائی ہوئی آواز آئی کہ ”میں پشاور سے بول رہا ہوں۔“

”کون ہو تم؟“

”میں تمہاری بیوی اور بچوں کی موت ہوں۔“

”کیا کوسا کر رہے ہو؟“

”نور زمان کی بہن کی عمر چودہ برس ہے۔ تمہاری بیٹی کی بھی بی عمر ہے۔ جو سلوک نور زمان کی بہن سے ہو گا وہی تمہاری بیٹی کے ساتھ ہو گا۔ نور زمان اور اس کی ماں کو نقصان پہنچے گا تو تمہارے جوان بچوں اور تمہاری بیوی کی لاشیں تمہیں ملیں گی۔“

میں نے کافور خان سے ریسپورر رکھوایا۔ وہ دوسری طرف سے ہیلو ہیلو کہہ رہا تھا۔ میں نے کافور خان کو ہیلو کی طرح کرسی پر بٹھادیا۔ اس کی آنکھیں بند کرنے کے بعد داغ کو آزاد چھوڑنے کے لئے ایک جھپکی سی دی۔ اس نے جلدی سے آنکھیں کھول کر بمائی کو نیند کی حالت میں دیکھا اور سوچا ”مجھ پر غوثی دگنی طاری ہو گئی تھی۔ نہیں میں جاگتا رہوں گا۔“

میں پوچھنے لگا ”ایجنٹ کے جوان بیٹے کے پاس پہنچا۔ وہ پڑھنے میں مصروف تھا۔ دوسرا بیٹا اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔ میں نے اس پر قبضہ جہاز بستر سے اٹھایا۔ میز کے پاس لایا۔ ایک سادے کانڈ پر لکھوایا ”حیدر بانو! تمہارا شوہر ایک مصوم لڑکی اور اس کے گھر والوں کو نیت و تابود کرنا چاہتا ہے۔ اس کے ذہن میں تمہاری بیٹی شازیہ کو اغوا کیا جائے گا اور تمہاں بیٹوں کو گولی مار دی جائے گی۔“

اس نے یہ لکھ کر ایک کڑی کھولی۔ کڑی کے دوسری طرف ماں اور بہن کا کمرہ تھا۔ وہ دونوں بستر پر سو رہی تھیں۔ اس نے کانڈ کو ہاتھ پر دھرا کر اس کی طرف پھینک دیا۔ پھر کڑی بند کر کے بستر پر آکر ہیلو کی طرح سو گیا۔ میں اس کی ماں کے پاس آیا۔ اسے نیند سے جوتا کیا تو اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں بستر پر پڑے ہوئے کانڈ پر پڑیں۔ وہ اسے اٹھا کر دھنسنے لگی۔

زرا تنگ دردم میں فون کی ہتھکنج رہی تھی۔ اپنے کمرے میں پڑھنے والا لڑکا اٹھ کر ادھر جانے لگا۔ دوسری طرف سے ماں بھی آئی بیٹھ گئی کہ وہ کانڈ دیتے ہوئے بولی ”میں فون اٹینڈ کرتی ہوں۔ ذرا تم سے بڑھ۔“

وہ فون کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ ریسپورر اٹھا کر بولی ”ہیلو۔“

دوسری طرف سے پوچھنے لگا ”ایجنٹ زرا تنج خان نے پوچھا ”ہیلو۔“

بانو! تم خبریت سے ہو؟“

”جی ہاں، لیکن ایک پریشانی ہے۔ ابھی مجھے ایک وحشی آمیز خط ملا ہے۔ چاہے میں کسی کی شرارت سے یا.....“

وہ بات کاٹ کر بولا ”کہاں ہے وہ خط؟ مجھے پڑھ کر سناؤ۔“

بیٹے نے ریسپورر کے کمرے پر کہا ”ڈیڈی! میں یہ کس شیٹان نے لکھا ہے۔ مئی کو خطاب کر کے کہتا ہے۔ تمہارا شوہر ایک مصوم لڑکی اور اس کے گھر والوں کو نیت و تابود کرنا چاہتا ہے۔ اس کے

ذہن میں تمہاری بیٹی شازیہ کو اغوا کیا جائے گا اور تمہاں بیٹوں کو گولی مار دی جائے گی۔“

زرا تنج خان نے پوچھا ”وہ خط کہاں سے آیا ہے؟“

”مئی نے مجھے دیا ہے۔ آپ مئی سے بات کریں۔“

بانو ریسپورر کے کمرے پر بولی ”میں ابھی سو رہی تھی کہ اچانک آنکھ کھلی تو بستر پر وہ خط پڑا ہوا تھا۔ پتا نہیں کس کے اندر بستر پر کیے آگیا۔“

وہ بولا ”تم ذرا دوشیار رہو۔ میں ابھی آئی جی کو فون کرتا ہوں۔ تم لوگوں کے لئے سیکورٹی کا انتظام ہو جائے گا۔“

میں نے آئی جی کو خطاب کیا۔ اس نے خوش ہو کر کہا ”فرہار صاحب! آپ کہاں ہیں؟ میری بیٹی اور بیٹا دونوں میرے پاس پہنچ گئے۔ میں آپ کا کس گھر سے شکر یہ ادا کروں۔“

میں نے کہا ”ابھی آپ کے پاس پوچھنے لگا ”ایجنٹ زرا تنج خان کافور خان آئے گا اس کے کچھ گھنٹے سے پہلے ہی آپ کہہ دیں کہ آپ کو فون پر کسی نے دھمکی دی ہے کہ زرا تنج کے گھر والوں کو سیکورٹی دی گئی تو آپ کی بیٹی اور بیٹے کو نقصان پہنچے گا۔“

”تھک گیا ہے؟“

”تھک نہیں۔ آپ یہ تو جانتے ہیں کہ زرا تنج کتنا غلط آدمی ہے اور میں کسی غریب خاندان کی بملائی کے لئے ایسا کر رہا ہوں۔“

”بے شک آپ فرشتہ ہیں۔“

فون کی ہتھکنج پھینک دی۔ میں نے کہا ”شاید اسی کافور خان ہے۔“

آئی جی نے ریسپورر اٹھا کر کہا ”ہیلو! میں آئی جی بول رہا ہوں۔“

دوسری طرف سے زرا تنج خان نے کہا ”آئی جی صاحب! السلام علیکم میں پوچھنے لگا ”ایجنٹ زرا تنج خان نے پوچھا ”ہیلو۔“

”آہا زرا تنج صاحب! ابھی میں آپ ہی سے رابطہ کرنے والا تھا۔ ایک منٹ پہلے آپ کے کسی دشمن نے مجھے فون پر دھمکی دی ہے کہ اگر میں پوچھنے لگا ”ایجنٹ کے گھر والوں کو سیکورٹی دوں گا تو میری بیٹی اور بیٹا زندہ نہیں رہیں گے۔ کیا پشاور میں کسی سے دشمنی ہو گئی ہے۔“

وہ بولا ”میں حیران ہوں کہ وہ دشمن کتنا تیز رفتار ہے اور کتنا بے باک ہے۔ اس نے آپ جیسے پولیس کے اعلیٰ افسر کو دھمکی دی ہے۔“

آئی جی نے کہا ”میں مجرمانہ ذہن رکھنے والوں سے خوف زدہ نہیں ہوں تاہم طویل عرصے کے بعد میرے بچے یہاں آئے ہیں اور آزادی سے کھڑے پھرتے ہیں۔ میں تمہیں سیکورٹی دوں گا کافور خان میرے بچوں کی آزادی ختم ہو جائے گی۔ وہ پابندیوں سے پریشان ہو کر پھر مجھے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ ویسے معاملہ کیا ہے؟“

”معاملے کو روک رہے ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں دشمن سے

نہیں ہوں گا۔“

اس نے ریسپورر رکھ دیا۔ میں آئی جی کا شکریہ ادا کر کے زرا تنج خان کے پاس آیا۔ وہ پریشان ہو کر سوچ رہا تھا۔ ”میں نے پچاس ہزار میں بہت خطرے کا سودا کیا ہے۔ کافور خان نے یہ نہیں بتایا تھا کہ نور زمان کے بچے خطرناک دشمن سمجھے ہوئے ہیں جو جنم زون میں میرے گھر والوں تک اور آئی جی تک پہنچ جاتے ہیں۔“

اس نے فون کے ذریعے کافور خان سے رابطہ کیا پھر کہا ”خان اعظم! تم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ نور زمان بہت دور تک پہنچ رہا ہے اور بہت خطرناک ہے۔“

”یہ تم سے کس نے کہا کہ وہ خطرناک ہے۔ وہ میرے ایک غلام کا بیٹا ہے۔ غریب ہے۔ بے یار و مددگار ہے۔ سولہ برس کا جوان ہے۔ اس کی گردن کاڑھو تو وہ چھڑا نہیں سکے گا۔“

”فنی الحال اس نے میری گردن پھنسا دی ہے۔ کسی نے مجھے فون پر دھمکی دی کہ میں نے نور زمان اور اس کے گھر والوں کے خلاف کوئی قدم اٹھایا تو میری بیٹی کو اغوا کیا جائے گا اور میری بیوی اور جوان بیٹوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ میں دھمکی ایک خط کے ذریعے میرے گھر والوں کو دی گئی تھی۔ تم کہہ آئی جی کو بھی وارننگ دی گئی ہے کہ پوچھنے لگا ”ایجنٹ کے گھر والوں کو سیکورٹی دی گئی تو آئی جی کے بچوں کی شامت آجائے گی۔“ یعنی پشاور میں پولیس والے میرے بیوی بچوں کو تحفظ نہیں دیں گے۔ آخر یہ نور زمان ہے کون؟ تم اسے خطرناک بندے سے کتنا اچھے اور مصیبت میرے سر زوال رہے ہو۔“

”میں قسم کھا کر کہتا ہوں نور زمان اس کی ماں اور اس کی بہن کا کوئی مددگار نہیں ہے۔“

”جب قسم کھا رہے ہو تو خودی انہیں گولی مار دو۔ وہ تمہاری بہن میں چند قدم کے فاصلے پر ہیں۔ تم انہیں ٹھکانے لگانے کے لئے اپنی دور میرے پاس کیوں آ رہے ہو۔ مجھے اس سوچ سے انکار ہے۔ خدا حافظ۔“

رابطہ ختم ہو گیا۔ کافور خان ریسپورر رکھ کر سوچ میں پڑ گیا ”یہ نور زمان فحش سے واپس آکر بہت برا سرا رہ گیا ہے۔ کیا یہ کسی سے کلا جادو سیکھ کر آیا ہے۔“

میں نے اس کی سوچ میں کہا ”نہیں! یہ کلا جادو نہیں ہے۔ مسٹر سلطان درست کہتے ہیں۔ یہ ستاروں کی چال ہے۔ ہمارے ستارے گردش میں ہیں اور نور زمان کے ستارے اس کے لئے خوش بختی لارہے ہیں۔“

اس نے قائل ہو کر سوچا ”ہاں لیکن ستارے کب تک ان کے حمایتی رہیں گے۔ خوش بختی بیشہ نہیں رہتی۔ میں اسلطان سے کسوں گا وہ نور زمان کا زنا کچھ دیکھ اور بتائے کہ اس کی خوش بختی کی مدت کتنی ہے؟“

میں نے ہر طرح سے کوشش کی کہ وہ نور زمان کے خلاف انتہائی کارروائی سے باز آجائے لیکن وہ اب اس کے برے وقت کا انتظار کرنا چاہتا تھا۔ یعنی اس کا بچپا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

میں پھر اس پر قبضہ جہاز کرائے کرے میں لایا۔ رایداری میں دو غلام کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے کہا ”ڈانکل سے کو چھٹی کرے“

تم لوگ بھی جا کر آرام کرو۔“

پھر وہ حویلی کے دوسرے حصے میں آیا۔ ایک کنیرے پوچھائی پلی فضاں سو رہی ہیں یا جاگ رہی ہیں؟“

”وہ سو رہی ہیں۔“

”تم بھی اپنے کارنر میں جاؤ۔ حویلی کے اندر کسی کی ضرورت نہیں ہے۔“

کنیرے بھی باہر چلی گئی۔ اس نے بیوی و دو زائے کو اندر سے بند کیا پھر اپنی خواب گاہ میں آکر بمائی کے برابر بستر لیٹ گیا۔ میں نے تھوڑی دیر میں اسے گہری نیند سلا دیا۔ بہر حال خان کے خوابیدہ دماغ میں جا کر دیکھا۔ وہ ہوش میں آنے والا تھا۔ میں نے اسے بھی صبح چھ بجے تک کے لئے سلا دیا۔ جب سب ہی سو گئے تو میں نے مریضہ کو جگا دیا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سامنے دیوار گھڑی میں رات کا ایک بج رہا تھا۔ وہ بے وقت سوئے اور سوئے کے وقت جاگنے پر حیران تھی۔ اس نے ہاتھ دھو کر صبح میں جا کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ پھر دروازے پر دستک سن کر آئی۔ اسے کھولا تو میں سامنے کھڑا ہوا

مشکیل احیاء کی نکل روبرو دروازہ قیامت سے میرے بچے جان ناول شائع ہوئے ہیں :

پانچواں نمبر ایک نوجوان کی زندگی کے عجیب و غریب واقعات ایک نوجوان کی زندگی کے عجیب و غریب واقعات ایک نوجوان کی زندگی کے عجیب و غریب واقعات	چھٹا نمبر ایک نوجوان کی زندگی کے عجیب و غریب واقعات ایک نوجوان کی زندگی کے عجیب و غریب واقعات ایک نوجوان کی زندگی کے عجیب و غریب واقعات	ساتھواں نمبر ایک نوجوان کی زندگی کے عجیب و غریب واقعات ایک نوجوان کی زندگی کے عجیب و غریب واقعات ایک نوجوان کی زندگی کے عجیب و غریب واقعات	آٹھواں نمبر ایک نوجوان کی زندگی کے عجیب و غریب واقعات ایک نوجوان کی زندگی کے عجیب و غریب واقعات ایک نوجوان کی زندگی کے عجیب و غریب واقعات
--	---	--	---

تھا۔ وہ مسکرائے گی۔

میں نے خواب گاہ میں آکر اسے ہر دم خان کے حالات بتائے۔ وہ تمام حالات سننے کے بعد بولی "آخر اس گل جانان میں کون سے سرفراہ کے پر لگے ہیں" جس کے لئے میرا بھائی مصیبتیں اٹھا رہا ہے۔"

"تمہارا بھائی خود مصیبتیں اٹھا رہا ہے۔ وہ کیوں گل جانان کو طلب کر رہا ہے؟"

وہ بولی "ایسا تو ہوا ہی ہے۔ جاگیردار جسے پسند کرتے ہیں اسے اغوا لیتے ہیں۔ گل جانان جیسی لڑکیوں کی عزت ہی کیا ہوتی ہے؟" "تم عورت ہو کر ایسا کدہ رہی ہو؟"

"خاندانی عورتوں اور غلام عورتوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ مٹی کے کپڑے پاؤں تلے آنے کے لئے ہی پیدا ہوتے ہیں۔"

"اور تمہاری جیسی حسینائیں حویلی کے مضبوط قلعے میں محفوظ رہتی ہیں۔"

"بے شک۔ کوئی ہماری آرزو مکمل کرنے کی جرات بھی نہیں کر سکتا۔"

"اگر کوئی تمہیں حاصل کرنے کی ضد کر لے تو؟"

"تو حویلی کی دیواریں اور دروازے بہت مضبوط ہیں۔ کوئی انہیں توڑ کر نہیں آسکے گا۔"

"آنے والے آتی جاتے ہیں۔ فواد کی دیواریں بھی ان کا راستہ نہیں روکتیں۔"

میں نے اس کی ریشی زلفوں کو مٹھی میں بیکر کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ زلفوں سے اس لئے پکڑا کر غور کا سرور میں اسے اوجھا ہوا ہے اور وہیں سے بچا ہوا ہے۔ میں نے اس کے لبوں پر خاموشی کی مہر لگادی کیونکہ غریبوں کے لئے وہیں سے پیار کے گلاب نکلتے ہیں۔ کسی ہستی کو یہ نصیبوں کے لئے وہیں سے پیار کے گلاب نکلتے ہیں۔ کسی ہستی کو یہ دعویٰ نہیں کرنا چاہئے کہ وہ ہمیشہ زبردستی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ زیر بھی ہو جاتی ہے۔

حویلی میں کھڑا تھا۔ اس کے کینوں کا دعویٰ تھا کہ وہ حویلی نہیں قلعہ ہے۔ وہاں کوئی نقب نہیں لگا سکتا۔ جبکہ خونخوار کتے مارے گئے تھے، مسلح گارڈز خالی حویلی کے سپرے دار بنے ہوئے تھے۔ جب کینوں کا قلعہ ہوں تو ان کی سوچ دو کی عدم موجودگی ہو جاتی ہے۔ وہ حویلی خالی تھی، کھوکھلی تھی۔ آہو نہ رہے تو مکان اور اجناس دونوں اندر سے کھوٹکے ہو جاتے ہیں۔

ہم رات کے تین بجے کچن میں آئے۔ مرجیانے کھانا گرم کرتے ہوئے کہا "میں نے خود اپنے لئے کبھی اپنے ہاتھوں سے نہیں پکایا۔ مگر تمہارے لئے یہ کام کر رہی ہوں۔ تم سچ کچ کوئی جادوگر ہو۔ پتا نہیں مجھ پر کیا جادو کیا ہے۔ اب میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔ کینیں نہیں جانے دوں گی۔"

وہ میز پر کھانا لائے آئی۔ پھر میرے ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہوئے بولی "تجربہ ہے آج حویلی کے اندر کوئی کینیا ملازمہ نہیں ہے۔ دونوں برادر مرگے ہیں۔ ہماری خیمہ میں ہیں۔ ہماری خیمہ میں کوئی قتل ہونے والا نہیں ہے۔"

میں چپ چاپ کھانا کھا رہا تھا۔ وہ بولتی رہی "یہ خواب جیسا لگ رہا ہے۔ جیسے کوئی دوستیہ محبوب کو اپنی خیمہ میں بلانے کے لئے سحر چوکھ رہی ہو۔ تمام سپرے دار حرمزہ ہو کر سو گئے۔ وہاں اور وہاں محبوب کی آغوش میں پہنچ گئی ہو۔ یہ سب خواب میں ہوتا ہے۔ کیا میں خواب دیکھ رہی ہوں؟"

میں نے اس کے بھرے بھرے بازو میں چپکلی۔ وہ سرکاری بھرتے ہوئے بولی "ہائے" یہ کیا حرکت ہے؟

"تم نے تکلیف محسوس کی۔ اگر نگر میں ہوتی تو آٹھ کل جاتی۔ لیکن کرلو کہ بیدار میں مجھ سے مل رہی ہو۔ میں خواب یا آسپ نہیں ہوں۔"

"میں دیکھ کر حیران ہوں۔ آج تک حویلی میں ایسا نہیں ہوا کہ سب یہاں سے چلے جائیں اور جو حویلی کے اندر ہیں وہ گھوڑے چ کر سوئے رہیں۔ میرے غیرت مند بھائی ایسے تو نہیں ہیں۔"

"کو تو آئیں ان کی غیرت کے ساتھ جگا دوں؟"

وہ کان کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی "ہرگز نہیں۔ وہ ہم دونوں کو زندہ دفن کر دیں گے۔"

میں نے کھانے کے بعد کہا "پارہیجنے والے ہیں۔ اپنی خواب گاہ میں جاؤ۔ مجھے بھی اپنے کمرے میں رونا چاہئے۔ تمہارے بھائی کسی وقت بھی بیدار ہو سکتے ہیں۔"

میں جانا چاہتا تھا۔ اس نے پیار سے راستہ روک لیا، پھر کہا "کاش ایسا ہو۔ ساری دنیا اس طرح سوئی رہ جاتی اور ہمیشہ کے لئے مل جاتے۔ سچ کتنی ہوں؟ تم سے الگ نہیں ہو سکتی۔"

پھر اس نے مسکراتے ہوئے اپنی خواب گاہ کی طرف دھکا دیا۔ میں نے کہا "میں زندہ دفن نہیں ہونا چاہتا۔ یہ رات پھر آئے گی" آج کے لئے شب بخیر۔"

میں نے اسے جدا ہونے پر مجبور کیا۔ وہ چلی گئی۔ میں اپنے کمرے میں آیا۔ دروازے کو بند کر کے مرجیانے کو اس کی خواب گاہ سے نکالا۔ اسے کچن میں لایا۔ وہاں کیرومین آکل سے بھرا ہوا ایک کین تھا۔ ایک خانے میں دیا سلائی کی کئی ڈیاں تھیں۔ اس نے تین آج کی ڈیاں اٹھائیں۔ مٹی کے تیل سے بھرے ہوئے کین کو لیا۔ وہاں سے چلتی ہوئی اپنے بھائیوں کے کمرے میں آئی۔ پھر کمرہ کیوں کے پردوں اور سونوں پر تیل چھڑکتے گئی۔

اس کام سے فارغ ہو کر اٹھنے لے دیا سلائی کی ایک ڈیاں کاغذ خان کے سرانے رکھ دی۔ وہاں سے چلتی ہوئی میرے کمرے میں آئی یہاں بھی اس نے تیل چھڑک کر ایک ڈیاں کھدی۔ پھر اپنی خواب گاہ میں آگئی۔ وہاں بھی اس نے جگہ جگہ تیل چھڑک دیا۔

وہاں کچن میں آئی۔ کیرومین آکل کے کین کو اس کی جگہ پر رکھ کر وہاں کی کینیں لائن کی چابی کھمکرائے پوری طرح کھول دیا۔ اس کے بعد اپنے کمرے میں جا کر ایک تیلی جلائی پھر اسے صوفے پر پھینک دیا۔ ایک دم سے آگ بھڑک گئی۔

میں نے اسے چھوڑ کر کاغذ خان کو بستر سے اٹھایا اس نے نیند کی حالت میں ایک تیلی جلا کر اسے پردے کے پاس پھینکا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس کے داغ کو چھوڑ کر ہر دم خان کو چٹایا۔ اس نے آئینہ کھول کر دیکھا۔ کمرے میں آگ بجھ چکی تھی اور کاغذ خان زخمی بھائی کو دونوں بازوؤں میں اٹھا کر باہر پھینچنا چاہتا تھا۔ اوپر میں اپنے کمرے میں آگ لگا کر بھانک رہا تھا۔ حویلی کے ایک حصے سے مرجیانہ دوڑتی آ رہی تھی۔ سب ہی چلا رہے تھے، ہٹی! آہ! میں نے کہا "خودا باہر نکلو۔ پتا نہیں آگ اور کھان کھان بھڑکتے والی ہے۔"

ہر دم خان آگ اور موت کو قریب دیکھ کر اپنے زخم بھول گیا تھا۔ بھائی کے بازوؤں سے اتر کر بھاگنے لگا تھا۔ ہم سب باہر آئے۔ ملازم اور مسلح گارڈز حویلی کے اندر بھڑکتے ہوئے شعلے دیکھ کر دوڑتے آ رہے تھے۔ کاغذ خان چیخ چیخ کر حکم دے رہا تھا "پانی لاؤ خودا آگ بجھاؤ۔ بڑا آگ اندر جاؤ۔"

وہ خود بھاگ کر باہر آیا تھا اور ملازموں کو بزدل کہہ رہا تھا۔ ملازم اور گارڈز اندر گئے پھر پلٹ کر آئے کیونکہ آگ کچن سے باہر آئے والی کینیں تک پہنچ گئی تھیں۔ ایسے قیامت کے شعلے بھڑک کر باہر آ رہے تھے جسے تیل کا کٹاؤں بھٹ بڑا ہو۔

ہم باہر اچالے میں بھی ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ وہاں سے دوڑتے ہوئے اچالے کے باہر پہاڑی کے دامن کی طرف جا رہے تھے۔ دو گارڈز ان کی دو گانیاں اچالے سے نکال کر لے آئے تھے۔ ہم ان گانوں میں بیٹھ کر پہاڑی کے نیچے آئے۔ پھر بہت دور جا کر گانیاں روک دی گئیں۔

ہم نے گاڑیوں سے نکل کر پہاڑی کی بلندی پر اس مغرور بلندو بالا حویلی کو دیکھا، جہاں دھماکے ہو رہے تھے۔ خانے میں اسلحہ اور بارود کا جو ذخیرہ تھا، وہاں تک آگ پہنچ گئی تھی۔ وہاں اسے طاقتور دم رکھے ہوئے تھے، جن کے پیٹنے سے حویلی کی دیواریں ریزہ ریزہ ہو رہی تھیں۔ دھماکوں کی آوازیں پتا نہیں کتنی دور جا رہی ہوں گی۔ بستی کی عورتیں اور بچے خوف سے بچ رہے تھے۔ لوگ دوڑتے ہوئے آ رہے تھے۔ میں نے کوشش کی تھی کہ حویلی کے بے گناہ ملازم مارے نہ جائیں۔ اس میں بڑی حد تک کامیابی ہوئی، سب بچ کر نکل آئے تھے۔ کچھ زخمی ہو گئے تھے اور ان کے زخم قتلوشاک نہیں تھے۔

ہر دم خان چکرار زمین پر گر پڑا تھا۔ کاغذ خان دونوں ہاتھوں سے اپنا سر قاضے بھائی کے سرانے بیٹھ گیا تھا اور مرجیانہ آئینہ میں پائے کے سم کھدی حویلی کی تباہی دیکھ رہی تھی۔ ایسا ہولناک منظر

دیکھ کر من بھائی نے سوال کرنا بھول گئے تھے کہ آگ کیسے لگی؟ کاغذ خان اپنے نقصان کا حساب کر رہا تھا۔ اس کے خیالات بتا رہے تھے کہ ایک خفیہ تجویز میں تقریباً اسی کا روپے نقد اور دس کلو سونے کے بیکٹ تھے جن کی اہلیت کروڑوں روپے تک تھی۔ لاکھوں کے نوٹ جل چکے، ہوں گے اور دھماکوں سے سونے کے بیکٹ ذرہ ذرہ ہو کر نہ جائے گاں کماں گئے ہوں گے۔ خانے میں بیٹھیں لاکھ کے گولہ بارود اور مختلف قسم کے ہتھیار تھے۔ ان میں سے کچھ بھی بچا نہ ہوگا۔ اور تو اوزدین پر جو لباس تھا، وہی رہ گیا تھا، باقی لباس بھی جل چکے تھے۔ کوئی تباہی یا تباہی تھی۔ چند منٹوں میں کنگال ہو کر رہ گئے تھے۔

پھر کاغذ خان نے اٹھتے ہوئے کہا "میرا منتر پڑ گیا ہے۔ کچھ میں نہیں آتا" یہ خدا میرے ساتھ کیا کرتا ہے۔ مجھ پر اتنا غلاب کیوں نازل کرتا ہے۔ اے سمان برادر! ابھی میری بات کا پرا نہیں مانو۔ میرا منتر خراب ہے۔ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم خوش قدم نہیں ہے۔ جب سے حویلی میں داخل ہوا ہے، مجھ پر عجیب و غریب مصیبتیں آ رہی ہیں۔ تم حویلی کے اندر آ کے ہم سب کو باہر کر دیا ہے۔ ابھی تم مجھ کو معافی دو، اور رخصت ہو جاؤ۔ میں میرانی کے قابل نہیں ہوں۔"

مرجیانہ پریشان ہو کر کبھی مجھے اور کبھی بھائی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ مجھ سے دور نہیں رہتا چاہتی تھی۔ بھائی کو ایسا ناقابل برداشت صدمہ پہنچا تھا کہ وہ میری حمایت میں کچھ بول نہیں سکتی تھی۔ پھر بھی وہ بات بناتے ہوئے بولی "مسٹر ارسلان! میرے برادر کے سینے میں بہت بڑا دل ہے۔ اتنا زبردست نقصان اور پریشانیوں کی وجہ سے میرانی سے انکار کر رہا ہے۔ جب اس کی پریشانی دور ہوگی تو یہ تمہیں بہت یاد کرے گا۔"

میں نے کاغذ خان کی سوچ میں کہا "سمان نے پریشانی دور کرنے کے لئے دو مشورے دیئے تھے۔ ہم دونوں بھائیوں نے ان پر عمل نہیں کیا۔ ایک تو بوسے کو چھو رہے ہیں اور دوسرے گل جانان کے خلاف انتقامی کارروائیوں سے باز نہیں آ رہے ہیں۔ مجھے عقل سے سوچنا چاہئے۔ یہ اتنی بڑی تباہی کسی دشمن کی طرف سے نہیں ہے۔ کوئی دشمن میرے گھر کے اندر نہیں تھا اور آگ گھر کے اندر سے شروع ہوئی ہے۔ یہ غلاب ہے، قہرانی ہے۔ یہ گل جانان سے نکلنے کا عبرت ناک انجام ہے۔ مجھے عبرت حاصل کرنا چاہئے۔"

کاغذ خان سر پکڑ کر اپنے داغ میں اپنے ہی خیالات سن رہا تھا۔ ایک حواری نے کہا "آقا! یلیانوں کا ل ہے۔"

وہ گاڑی کے اندر سے موبائل فون نکال کر لایا تھا۔ کاغذ خان نے ریسور اٹھا کر کہا "مکون بول رہا ہے۔ جلدی بولو! ابھی میرا منتر خراب ہے۔"

دوسری طرف پوٹیشل ایجنٹ نے کہا "تمہارے علاقے کے قحطانے دار نے فون پر بتایا ہے کہ تمہاری حویلی جل رہی ہے اور

قیامت خیز دھماکے دور ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟
 ”سچ ہے“ میں تباہ ہو گیا ہوں۔ میرے جسم پر صرف ایک کپڑا ہے اور بچہ باقی نہیں بچا ہے۔ اب میں بڑی حویلی میں جا رہا ہوں۔
 ”اگر آگ کے ملاقات کرو۔“

اس نے ریسور رکھ دیا۔ پولیس انسپکٹر ایک جپ میں سپاہیوں کے ساتھ آ رہا تھا۔ کافور خان نے ہاتھ اٹھا کر کہا: ”اے واہس جاؤ۔ اور مجھے پولیس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہاں سے علاقہ غیر جا رہا ہوں۔“

اس نے ہیرم خان اور مرجینا کو گاڑی میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ پولیس کی جپ قریب آ کر رگڑ گئی۔ انسپکٹر نے جپ سے اتر کر سلام کرتے ہوئے کہا ”خان! اعظم! اہم آپ کے تنگ خوار ہیں۔ ہمیں دشمن کا نام بتاؤ۔ ہم اسے.....“

اس نے زانت کر کہا ”زادہ مت بولو۔ تم لوگ سامنے کے مجرم کو چھوڑ کر پیچھے بے گناہوں کو پکڑو۔ میرے دشمن کو کیا پکڑو گے۔ اگر پکڑ سکتے ہو تو جاؤ اسے تلاش کرو۔ اس کا نام مقدور ہے۔“

یہ کہہ کر وہ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ مجھے ان کے ساتھ جانے کا شوق نہیں تھا اور نہ ہی مرجینا کا عاشق تھا لیکن اس علاقے میں جانا چاہتا تھا جو پاکستان کے جسم سے ایک ناسور کی طرح چپکا ہوا تھا۔ میں نے دنیا میں بڑے بڑے جرائم کے علاقے اور جزیرے دیکھے ہیں۔ ایک یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا اور اپنی بیاض کے مطابق کچھ کرنا چاہتا تھا۔

میں نے کافور خان کی وضاحت رگ پر اٹھی رکھی۔ اس کے بھائی ہیرم خان کو قاتل کیا۔ اس کی سوچ میں کہا ”سمان نے ہمارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ ہماری ہتھیاری کے لئے مشورے دیتا رہا۔ ہم نے مشوروں پر عمل نہیں کیا تو ہماری شامت آگئی۔ برادر اپنی تباہی کا غصہ اس پر امار رہا ہے۔“

اس نے بھائی سے کہا ”برادر! ایک گزارش ہے۔“
 ”بولو جان برادر!“

”سمان کو اور حمرت چھوڑو۔ لوگ باتیں باتیں گے کہ ہم نے تباہ ہوئے ہی سمان کو بوجھ کچھ کر پیچیک دیا۔“

”درست کہتے ہو۔ میرے منظر میں یہ بات نہیں آئی تھی۔ سمان کو چھوڑ کے نہیں جانا چاہئے۔“

وہ گاڑی سے باہر آیا۔ پھر مجھ سے بولا ”برادر! مجھے انسوس ہے میں نے عدسے کے باعث میرانی سے انکار کیا۔ تم مجھے پھر معافی دو اور میرے ساتھ چلو۔“

میں نے کہا ”میں معذرت چاہتا ہوں۔ ایک بار کسی کے دل سے نکل کر اس کے دواڑے پر نہیں جاتا۔“

”برادر! غصہ ٹھوک دو۔“
 ”مجھے غصہ نہیں ہے۔ دراصل میں خوش قدم نہیں ہوں۔“

خدا خواست بڑی حویلی میں کچھ گزرو ہوئی تو پھر کسی الزام آئے گا۔ اگر آپ میرے کام آنا چاہتے ہیں تو انسپکٹر سے کہہ دیں۔ مجھے پولیس ایجنٹ کے دفتر تک پہنچا دے۔ میں اس کی اجازت حاصل کر کے ایک بار آزاد علاقے میں جانا چاہتا ہوں۔“

کافور خان نے سوچا۔ سمان اس ہستی سے چلا جائے گا تو یہ بدنامی نہیں ہوگی کہ اس نے میرانی سے انکار کیا ہے۔ وہ انسپکٹر سے بولا ”یہ میرا ممتاز سمان تھا۔ اسے آرام سے اور عزت سے زرتاج خان کے پاس پکڑاؤ اور میرا نام لے کر بولو“ اس کے ساتھ تعاون کرے۔“

وہ مجھ سے معاف کر کے اپنی گاڑی کی طرف گیا۔ مرجینا کوئی سے جھانک کر مجھے حسرت سے دیکھ رہی تھی۔ میں انسپکٹر کے ساتھ جپ میں آکر بیٹھ گیا۔ ہمارے راستے الگ ہو گئے۔ میں نے بوقت فیصلہ کیا تھا کہ ان کے ساتھ علاقہ غیر کی بڑی حویلی میں نہیں جانا چاہئے۔ وہاں بھی ان پر ہوشیار عذاب نازل ہونے والے تھے۔ میرے وہاں جانے سے یقین پختہ ہو جاتا کہ میں خوش قدم نہیں ہوں۔

وہاں ہستی والوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ میں نے جپ میں جاتے ہوئے لوگوں کے درمیان نور زان کو دیکھا۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ یہ ہستی چھوڑ دے گا۔ شرمیں اس کی نوکری تھی۔ وہاں سمن کے ساتھ وہاں جا کر رہنا چاہتا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں اس کے ارادے کو مستحکم کیا کہ وہ آج ہی یہاں سے روانہ ہو جائے۔

میں نے سوچ لیا تھا کہ وہ شہر پیچھے گا تو میں آئی جی کے ذریعے اسے بستر ملازمت اور بستر رہائشی سموت فراہم کروں گا۔ دراصل گل جانان کم سنی میں ہی اتنی حسین تھی کہ دو چار برس میں اس کا حسن و شباب غریب بھائی کے لئے عذاب جان بن جاتا۔ شرمیں بھی خان! اعظم اور ہیرم خان جیسے درندوں کی کمی نہیں تھی۔

آگے جا کر انسپکٹر نے مجھ سے پوچھا ”تمہارا نام کیا ہے؟“
 ”ارسلان احمد نام ہے۔ رہائشی لندن میں ہے۔ علم نجوم زریہ معاش ہے۔ بہت عرصے بعد پاکستان آیا ہوں۔ سرحدی علاقوں کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔“

”میں نے صرف نام پوچھا تھا۔“
 ”تھا۔ دار صرف نام پوچھ کر نہیں رہ جاتا۔ ہمیں میرے نام سے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ تم پر ضرور معلوم کرنا چاہو گے کہ میں کون ہوں اور خان! اعظم تک کیسے پہنچ گیا تھا۔ یہ بتا چکا ہوں کہ نبوی ہوں۔ خان! اعظم نے اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے کے لئے مجھے سمان بنایا تھا۔“

وہ طنز پر انداز میں بولا ”تم نے خوب قسمت کا حال بتایا حویلی ریزہ ریزہ ہو گئی۔“

”میں یہ نہیں جانتا تھا کہ ایسی ہولناک تباہی ہوگی ویسے میں نے تباہی کی پیش گوئی کی تھی۔“

”میرا میرے مستقبل کی پیش گوئی کر سکتے ہو؟“
 ”میرا پیش کی ہے لیکن میرا معاذ خدا بڑے بڑے رئیس ہی ادا کر سکتے ہیں۔ پھر پولیس والوں کے لئے پیش گوئی کیا کروں گا۔ تم لوگوں کا سنی حال اور مستقبل کے حالات تو پچھ پچھ جانتا ہے۔“

”تم ضرورت سے زیادہ بول رہے ہو۔ اگر خان! اعظم کے سمان بنے تو زبان کھینچ لیتا۔“

”چلو پچھو تجھ پر ہے کہ زبان نہیں کھینچ سکو گے۔“
 اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔ پھر سختی سے ہونٹوں کو بھیج کر فاسوش رہا۔ ایک گھنٹے بعد تھا کہ پہنچ کر جپ رگ گئی۔ اس نے

پڑاری سے کہا ”خان! اعظم نے تمہیں پولیس ایجنٹ کے پاس پہنچانے کا حکم دے کر معیت کر دی ہے۔ یہاں سے ایک سو دس میل کا سفر ہے۔ جپ میں پڑاؤ دیکھنے لگیں گی۔ چلو آؤ میری کار میں چلو۔“

اس کے پاس تقریباً پانچ لاکھ روپے کی ہنڈیا کا آرام دہ کار تھی۔ میں نے پچھلی سیٹ پر بیٹھنے سے کہا ”میں پچھلی رات سے باگ رہا ہوں۔ آرام سے نیند پوری کرنا چاہوں گا۔“

جب کار چل پڑی تو میں نے انسپکٹر کی سوچ میں کہا ”چھا ہے یہ سوجانے جانتا رہے گا تو اتنی سیدھی باتیں کہے گا اور میں خان! اعظم کی وجہ سے برداشت کرنے پر مجبور رہوں گا۔“

پھر میں نے اپنے رباغ کو ہدایت دی کہ میں آرام سے دو گھنٹے تک سوں رہوں۔ اس دوران کوئی غیر معمولی بات ہو، پچھلی سیٹ پر کوئی میرے قریب آنا چاہے تو ہلکی سی آہٹ سے بھی میری آنکھ کھل جائے۔ اس کے بعد میں گہری نیند میں ڈوبتا چلا گیا۔

نا معلوم علاقہ تھا۔ انجی ہنم سفر تھا۔ انجانے راستے تھے۔ کچھ فزہ تھی کہ گاڑی کہاں کہاں سے گزر رہی ہے اور کہاں رک رہی ہے۔ انسپکٹر مجھ سے خار کھا رہا تھا۔ اس لئے اس نے کھانے پینے کے لئے بھی مجھے نہیں بچایا۔ اس کی مرہانی سے میں نے دو گھنٹے کی نیند پوری کر لی۔

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ دور تک اونچی نیچے پہاڑیاں۔ ہزاروں پناہیں نظر آ رہی تھیں۔ کہیں کہیں ہنڈیا دکھائی دیتا تھا۔ میں نے کہا ”آگے کوئی ہستی آئے تو زوراً گاڑی روک لینا“ چائے پینا چاہتا ہوں۔“

وہ غرا کر بولا ”مجھے گاڑی روکنے کا حکم نہ دو۔ میں کسی کی بات برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔“

”خان! اعظم کی باتیں برداشت کرتے ہو۔ پولیس کی وردی ہن کر گورنمنٹ کے بجائے علاقہ غیر کے سرداروں کی جی حضوری کرتے ہو۔“

اس نے اچانک بریک لگا کر کار روکی۔ پھر میری طرف گھوم کر بولا ”اب اگر تم نے ایک بھی توہین آمیز لفظ میرے خلاف کہا تو میں خان! اعظم کو بھلی جاؤں گا اور تمہیں گاڑی سے اتار کر پٹائی بھی

کروں گا اور اس دیرانے میں چھوڑ کر بھی چلا جاؤں گا۔“
 ”میرے لئے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہوگی کہ تم اس وردی میں رہ کر خان! اعظم کی غلائی پر ٹھوک دو گے۔ اور خان! اعظم کے سمان کو اس دیرانے میں پیچیک کر جاؤ گے۔“

وہ ریا اور نکال کر گھٹے دکھاتے ہوئے بولا ”چلو آؤ چھو میری گاڑی سے۔“

”یہ تمہاری گاڑی کیسے ہے؟ جب تم سچے سپاہی کی طرح خان! اعظم کی غلائی سے باز آ رہے ہو تو رشوت کی کار پر بھی لغت بھیج دو۔“

”میاں خان! اعظم اور قبائلی سرداروں کی تابعداری کے بغیر کوئی پولیس والا زندہ نہیں رہ سکتا۔ مجھے زندہ رہنا ہے اس لئے تمہیں برداشت کرنا ہوں۔ میں نے سوچا رہا اور کی دھمکی دے کر تمہاری زبان بند رکھوں گا مگر تم بڑے ہی ڈھب ہو۔ چلو آگے ایک آبادی ہے۔ وہاں تمہیں گرم گرام چائے پلاؤں گا۔ مگر خدا کے واسطے دوستی کرلو اور مجھے طعن نہ دو۔“

میں نے کہا ”دوست آگے پیچھے نہیں ساتھ ساتھ بیٹھتے ہیں۔“
 اس نے مسکرا کر معاف کیا۔ میں پچھلی سیٹ سے نکل کر انگلی سیٹ پر اس کے برابر آ گیا۔ جن لوگوں کو رشوت کی کمانی لگ جاتی ہے، وہ بعض طعن سن کر بھی باز نہیں آتے۔ میں اسے طعن دیتا رہتا تو میری زبان تھک جاتی لیکن وہ آخری سانس تک حرام کی کمانی سمیٹ سمیٹ کر بھی نہ تھکتا۔

اس نے ایک پر دو حق ہستی میں کار روکی۔ میں نے کہا ”دیکھو“ میں طعن نہیں دے رہا ہوں۔ صرف اپنے خمیر کی بات کہہ رہا ہوں۔ تمہارے پیسے کی جائے تو کیا پانی بھی نہیں بچوں گا۔“

وہ مسکرا کر بولا ”چلو کسی بھی۔ میں پولیس والا ہوں۔ سامنے والے کی جیب سے خرچ کرنا ہوں۔ آج تم سے چائے پانی لوں گا۔“

ہم نے ایک ہوٹل میں ڈک کر ناشتہ کیا۔ چائے پانی پھر میں نے دو جوڑے لباس بچوئے، جوتے، برائیں اور ضرورت کی چیزیں خریدیں۔ میری بھی اچھی حویلی میں جل گئی تھی۔ میں نے اس میں سے اپنے ہمیں ہزار روپے نکال کر رکھ لئے تھے۔ باقی چیزیں دانست جلتے کے لئے چھوڑ دی تھیں۔

ہم گہرا بے سرحدی چوکی پہنچ گئے۔ پولیس ایجنٹ زرتاج خان وہاں ایک ڈاک بیٹنگ میں رہتا تھا۔ اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے ہمیں آتے ہوئے دیکھا۔ کافور خان نے فون پر اطلاع دی تھی کہ اس کا ایک سمان آ رہا ہے۔ پھر مجھ پر دھمکا مجھے خوش آمدید کہنے کے لئے باہر نہیں آیا۔ اس علاقے میں وہ ایک گورنر سے بھی زیادہ اختیارات رکھتا تھا۔ دو قبائلی سردار اس کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایسے میں وہ ظاہر کر رہا تھا کہ اس کے پاس آنے والے کتر ہیں یعنی میں انسپکٹر کے ساتھ وہاں برآمدے میں

کھڑا رہ کر اس سے ملاقات کرنے کا خواہش مند ہوں گا۔
میں چاہتا تو اس کے دماغ میں گھس کر اسے دوڑاتا ہوا باہر
لے آتا لیکن ٹیلی میٹھی کا مظاہرہ مناسب نہیں تھا۔ اور یہ بھی
میرے مزاج کے خلاف تھا کہ میں انتظار میں کھڑا رہتا۔ میں نے
اس کی سوچ میں ہمدردی کے حوالے سے کہا "یہ مہمان
بہت دور سے آیا ہے، اگر میں نے اسے ویک نہیں کیا تو ہمارے
علاقے سے باہر جا کر پریس والوں کے سامنے اچھی رائے پیش نہیں
کرے گا۔"

وہ اپنی اس سوچ سے قائل ہو کر اٹھ گیا۔ باہر آئے میں
آیا۔ اس نے اسے دیکھ کر سلیوٹ کیا۔ پھر میرا تعارف کرایا۔
اس نے مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "خوش آمدید مسٹر ارسلان!
تشریف لائیں۔"

میں اس کے ساتھ کمرے میں آیا۔ اس نے دو سرداروں سے
تعارف کرایا پھر مجھ سے دریافت کرنے لگا کہ خان اعظم کی حویلی
کس طرح تیار ہوئی ہے؟ میں نے اسے وہاں کی تمام روداد سنائی۔
وہ اور دونوں سردار حیرت زدہ ہو رہے تھے کہ خان اعظم اور ہیرم
خان پر پاگل بن کا دورہ کیوں پڑتا ہے۔ انہیں خبریوں نہیں ہوتی کہ
وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے کتوں کو گولی مار دیتے ہیں۔ اپنے چاقو سے
خود کو زخمی کرتے ہیں۔ انہوں نے ایسی ہی غفلت کی حالت میں اپنی
حویلی کو آگ لگائی ہوگی۔ وہ تینوں اپنے طور پر صبح رائے قائم
کر رہے تھے۔

زرتاج خان نے کہا "مسٹر ارسلان! تم تو بہت پیچھے ہوئے
نہو ہو۔ کیا میرا ذاتی کچھ بھی بناؤ گے؟"
"نہو بناؤں گا۔ پہلے رہائش کی اطمینان بخش جگہ مل
جائے۔"

"یہ پورا علاقہ ہمارا ہے تو تمہارا بھی ہے۔ جہاں چاہو وہ سکتے
ہو۔ کو تو اس ڈاک پچھلے کا ایک کمرہ کھلوادو۔"

میں نے کہا "میں کسی غریب کسان یا مزدور کے گھر میں رہنا
چاہتا ہوں لیکن مہمان بن کر نہیں، میں اس گھر کے تمام اخراجات
برداشت کروں گا۔"

"میں اسے لوگ بڑے مہمان نواز ہوتے ہیں۔ وہ مہمانوں
سے پیسے نہیں لیتے۔ لیکن کسی غریب کو راضی کر لیا جائے گا۔ اس
سے چارے کی مدد بھی ہو جائے گی۔"

میں نے پوچھا "یہ رہائش علاقہ غیر میں ہوگی یا اسی علاقے میں؟"
"تم علاقہ غیر میں کہاں جا کر پھنسا چاہتے ہو۔ وہاں لا قانونیت
ہے۔ اندھی گولیاں چلتی ہیں اور وہ گولیاں دوست اور دشمن کی نیز
نہیں کرتی ہیں۔ تم اور میری رہو، اور نہ چاہو۔"

"میں اور میری جانا چاہتا ہوں۔ صرف تمہاری اجازت
چاہئے۔ اسی غرض سے ہزاروں میل دور سے آیا ہوں۔ علاقہ غیر
میں نہ رہا۔ وہاں کا پانی نہ پیا اور دوسروں کا پانی پلا بلکہ نہ گیا تو

حسرت رہ جائے گی۔"

"ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ مہمان کوئی حسرت
میں سے نہ جائے۔ یہ قائم کرنا اور درخواست کچھ کہ تم علاقہ
میں چند دنوں کے لئے جانا چاہتے ہو اور وقتہ مقررہ پر واپس
آجاؤ گے۔"

میں نے ایک عرضی لکھ دی۔ اس کے بعد کچھ کانفرنسی کا رول
عمل میں آئی۔ اس نے پوچھا "تمہارے پاس کتنی رقم ہے؟"
"اکتیس ہزار روپے سے زیادہ۔"

"کتنی رقم لے جاؤ گے تو اپنے لئے بے شمار رہن بڑا
کرلو گے۔ ایک ہزار اپنے پاس رکھو اور تیس ہزار میں چھ کرلو۔
ادھر کوئی منگنی چیز خریدنا تو تمہارا کارڈ اس علاقے کے سردار
و کھانا دہ مجھ سے فون پر رابطہ کرے گا۔ میں اس سے کہہ دوں گا
کہ تم تیس ہزار تک جو چیز بھی خریدو گے اس کی ادائیگی میں کرنا
گا۔ مزید رقم کی ضرورت ہو تو وہ بھی وہاں مل جائے گی۔"

میں نے پو لیکل اینجنٹ کو تیس ہزار روپے دے دیے۔ اس نے
اپنا ایک کارڈ دیتے ہوئے کہا "یہ بہت اہم ہے۔ تم جس قلعہ
جاؤ گے وہاں کے سردار یہ کارڈ دیکھ کر تم سے تعاون کریں گے۔"
پھر اس نے ایک صلح تحت کو حکم دیا "مسٹر ارسلان کو جبر
میں علاقہ غیر لے جاؤ۔ اور پہلے جنوبی ہستی چھ خیل کے سردار
پاس پہنچاؤ پھر واپس آجاؤ۔"

میں نے پوچھا "کیا میری رہائش کا انتظام وہاں کا سردار کر
گا؟"

"میں فون پر اسے تمام باتیں سمجھا دوں گا۔ تم اطمینان سے
جاؤ۔"

میں جب میں بیٹھ کر دوسرے دو بچے چہ خیل کی ہستی میں بیٹھا
گیا۔ وہاں ایک قلعے کے سردار نے میرے لئے زیورست کھانے کا
انتظام کیا تھا۔ میں نے پیٹ بھر کر کھانا۔ ایک غریب کسان وہاں
موجود تھا۔ سردار نے کہا "تم اس کے گھر میں رہ سکتے ہو اور اب
تک رہو گے کھانے کا سامان میرے پاس ہے جائے گا۔"

میں سردار کی بات سے انکار کر کے پورے قلعے کو دشمن نہیں
بنا سکتا تھا۔ اس لئے راضی ہو گیا۔ کسان کا چھوٹا سا مکان ہائے
ساتھ چٹانوں کے سامنے میں تھا۔ قریب ہی ٹھنڈے پھلے پانی کا
چشہ بہتا تھا۔ ندی کی چوڑائی پچاس گز ہوگی۔ اس پچاس گز کے
فاصلے پر یعنی ندی کے دوسرے کنارے پر پتھروں سے بنا ہوا قلعہ
تھا جہاں کچھ جوان لڑکے لڑکیاں اور بوڑھے قیدی بنا کر رکھے
تھے۔ جب بوڑھے کسان نے بتایا کہ وہ لوگ جس سے جانیوں رکے
گئے ہیں تو میں ندی کے پانی میں اتار کر ادھر جانے لگا۔ کمرانی آباد
نہیں تھی۔ درمیان میں صرف کمرنگ پانی تھا۔ جب میں نے صف
ندی پار کر لی تو قلعہ خانے کے سٹل پر سے داروں نے مجھے نشانہ
رکھتے ہوئے لگا رکھا۔ وہ مقامی زبان میں بول رہے تھے۔ لیکن مجھ

میں ہمارے مجھے ندی پار کرنے سے منع کر رہے ہیں۔

میں نے ادنیٰ حجب سے پو لیکل اینجنٹ کا کارڈ نکال کر اسے
مرے بلند کرتے ہوئے دکھایا، پھر کہا "یہ پو لیکل اینجنٹ کا کارڈ
ہے۔ میں تمہاری زبان نہیں سمجھتا ہوں۔"

انہوں نے ان نظروں کو واپس اپنے شانوں سے لٹکایا۔ ایک
دے کنارے پر آکر کہا "میں تمہاری زبان سمجھنے والے دو چار ہی
ہیں۔ کیا تم پو لیکل اینجنٹ کے نمائندہ ہو؟"

میں پانی سے نکلتا ہوا اس کے پاس آکر بولا "میں پو لیکل
اینجنٹ اور تمہارے سردار کا مہمان ہوں۔"

اس نے کہا "تم نے یہ کارڈ دکھایا۔ اس لئے ہم نے گولی نہیں
پلائی۔ تم واپس جاؤ۔ آقا سے اجازت لے کر آؤ۔ مالک کی
اجازت کے بغیر اس کنارے پر آنے والوں کو گولی مار دی جاتی
ہے۔"

میں نے دور قلعہ خانے کی طرف دیکھا۔ ایک روشندان جیسی
کڑی کی سلاخوں کے پیچھے سے ایک نوجوان اور ایک بوڑھا
حسرت سے اور رحم طلب نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے
پہلے دوسرے کہا "مجھی بات ہے، میں اجازت لے کر آؤں گا۔"
میں واپس ہو گیا۔ پانی میں اتار کر پہلے کنارے کی طرف جاتے
ہے اس سٹل پر سے دار کے اندر پہنچ گیا۔ وہ قلعہ خانہ کی سلاخوں
والی کڑی کے پاس آکر قیدیوں سے کہہ رہا تھا "ادھر گیا دیکھ رہے
ہو؟ تمہارا باپ نہیں تھا۔ تمہارے باپ یا سرپرست اگر تم آوا
کریں گے تو ہمیں رہائی ملے گی۔"

ایک جوان نے کہا "میں نے اپنے باپ کا چا اور فون نمبر
تمہارے آقا کو بتا دیا تھا۔ پلیز میرے ڈیڑی کو فون کو وہ میری رہائی
کے لئے ضرور تعاون دیں گے۔"

"تم سب کے ماں باپ اور سرپرستوں سے بات چل رہی
ہے مگر کوہ مقدس میں رہائی ہوگی تو رہائی ملے گی۔ موت ہوگی تو
موت ملے گی۔"

میں اس جوان قیدی کے اندر گیا۔ اس کے خیالات سے پتا
چلا۔ وہ چھپکے دونوں سے وہاں قید ہے۔ کچھ ایسے بوڑھے اور جوان
ہیں جو چار چھ دنوں سے ہیں۔ وہاں تین لڑکیاں ہیں، ایک لڑکی چھپکے
دل سے ہے۔

اس جوان نے میری مرضی کے مطابق اس لڑکی کو مخاطب
کئے ہوئے کہا "شینا! دو دنوں میں یہاں میرا دم گھٹنے لگے گا۔ تم
دلہنوں سے کیسے رہی ہو؟"

وہ بولی "مجھے دنوں کی امید میں جینا ہی پڑتا ہے۔"

میں شینا کے دماغ میں آیا۔ اس کے خیالات نے کہا۔ وہ
لوں کا ڈکے مل اور نہی ہے۔ وہ شینا کے قریب آتا تو قیدی کی
تعلیم اور اسے فیصل آباد سے آئی تھی۔ ان کھڑکات کا تعلق
لگتا ہے کہ وہ تھا اور وہ اس موضوع پر تھیں جس کا تعلق تھا۔

ایک پروفیسر اور چند طلباء طالبات کے ساتھ تھی لیکن بد قسمتی سے
وہ ایک کھنڈر میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئی تھی۔ تصویریں
آٹار لی ہوئی، وہ دوسری طرف نکل گئی تھی۔ ایک دو اشخاص نے
اسے پیچھے سے جکڑ لیا۔ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہاتھوں میں ایک
سرج کی سوئی پوسٹ کر دی۔ پھر اسے ہوش نہیں رہا کہ وہ کہاں
سے کہاں پہنچائی جا رہی ہے۔

آٹھ کلکی تو ایک بڑ گاڑی کی سیٹ پر بڑی ہوئی تھی۔ ہاتھ
پاؤں بندھے ہوئے تھے اور منہ پر نیپ چکا ہوا تھا۔ ایک جگہ گاڑی
دوڑ گئی تھی۔ دو خوار قسم کے قابضین نے اس کے منہ پر سے
پٹی ہٹا کر اسے کچھ کھانے پینے پر مجبور کیا۔ وہ دوسری تھی اور پوچھ
رہی تھی "مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ مجھ سے کیا دشمنی ہے؟"
ایک نے کہا "ہم معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی کسی پر
ہاتھ ڈالتے ہیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے، تم ایک بہت بڑے مل اور نہی
جینی ہو۔ تمہارا باپ تمہاری عزت بچانے اور رہائی دلانے کے لئے
کم از کم دس لاکھ روپے ضرور دے گا۔"

شینا نے کہا "اسے انکار کیا تو دوسرے نے کہا "ابھی تمہاری
عزت اور جان دونوں سلامت ہیں۔ ہماری باتیں مانتی رہو گی تو اسی
طرح سلامت رہو گی۔ ورنہ تمہاری جان سے پہلے تمہاری عزت
جائے گی۔"

وہ عزت و آہود کی خاطر کھانے پر مجبور ہو گئی۔ چہ خیل میں
اسے ہر طرف خوار اور بے رحم چرے نظر آئے۔ ان کے سردار
نے کہا "ہمارا ایک نمائندہ تمہارے باپ سے معاملات طے کرے
گا۔ تمہارا باپ جتنی جلدی رقم ادا کرے گا۔ اتنی ہی جلدی تمہیں
رہائی نصیب ہوگی۔"

اس بات کو دس دن گزر چکے تھے۔ اور اب تک اس کی رہائی
کے لئے رقم ادا نہیں کی گئی تھی۔ ایک ہفتے کی بھی خبر نہیں رہی کہ
شینا کا باپ کاروبار کے سلسلے میں گیا ہوا ہے۔ اور یہ پتا نہیں چل
ہا ہے کہ وہ کس ملک میں ہے۔

آنکھیں دن شینا کے سوتیلے بھائی سے رابطہ ہوا۔ نویں دن خبر
ملی کہ سوتیلے بھائی غنیم درانی رقم لے کر پشاور پہنچ گیا ہے۔ دسویں
دن کی صبح سردار نے شینا سے کہا "آج آخری دن ہے۔ کل
چھ بجے تک رقم نہ ملی تو تمام قیدیوں کے سرداروں کو دھوکہ دی
جائے گی کہ وہ آئیں گے اور زیادہ سے زیادہ بولی دے کر تمہیں اپنے
میش کر دے گے لے لے جائیں گے۔"

میں ندی کے اس پار کسان کے گھر میں گیا۔ وہاں دو کمرے
تھے۔ ایک بڑا کمرہ میرے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ سردار کے ملازم
بستر چارپائی کی کرسیاں اور ڈیو بیگسٹ دیکھا ڈرڈر وغیرہ وہاں لے آئے
تھے۔ کمرے کو میری رہائش کے قابل بنا رہے تھے۔ میں خیال خوانی
کے لئے تنہا چاہتا تھا۔ اس لئے دیکھا کہ اسے ایک چتر پر آکر بیٹھ
گیا۔ میں نے سردار کے پاس پہنچ کر اسے اپنے نمائندہ سے

رابطہ کرنے پر بائیں کیا۔ اس نے فون کے ذریعے نمائندے کو مخاطب کر کے پوچھا "نہیم درانی کیا بولتا ہے؟ آج رقم دے گا یا نہیں؟"

نمائندے نے کہا "یہ خنزیر کا بچہ معاملے کو ٹال رہا ہے۔ ادھر پشاور میں اپنے غنڈوں کے ساتھ آیا ہے۔ میں اسے دھمکی نہیں دے سکتا۔ اس سے ذہن سستی رقم نہیں لے سکتا۔ میں اس کو بس کے لئے غیرت دلاتا ہوں۔ وہ بے غیرت بولتا ہے، بس کو گولی اردوئے میں نمائندے کے پاس پہنچ گیا۔ سردار اس سے کہہ رہا تھا "ٹھیک ہے۔ دن لاکھ نہ سہی، کل اس کی بس کی ٹیلا ہوگی۔ کوئی نہ کوئی اس کے دوچار لاکھ دے دے گا۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ میں نے نمائندے کو نہیم درانی سے بات کرنے پر بائیں کیا۔ اس نے فون پر اسے مخاطب کیا "ہیلو درانی صاحب! میں اجنبی بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے ریسپورنڈر کا دیکھا۔ صاف ظاہر تھا۔ نہیم درانی کو سوتیلی بسن کی رہائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں نے نمائندے کے ذریعے پھر رابطہ کیا۔ میں اس کی آواز نہیں سن سکا تھا اور سننا ضروری تھا۔ اس بار مجھے ہی دوسری طرف سے ریسپورنڈر اٹھایا گیا۔ میں نے نمائندے کی زبان سے کہا "شینا کے باپ سے ہمارا براہ راست رابطہ ہو گیا ہے۔ اگر اپنی بھائی نہیں چاہتے ہو تو جنم میں جادے۔ اب میں فون نہیں کروں گا۔"

وہ بولا "معمور ریسپورنڈر نہ رکھنا۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تم فیصل آباد کے فون پر کسی سے بات نہیں کرو گے۔"

میں نمائندے سے ریسپورنڈر کو نہیم درانی کے داغ میں پہنچ گیا۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ وہ ایک آوارہ اور عیاش نوجوان ہے۔ باپ دل کا مریض تھا "اس نے بیٹے کو دس لاکھ دے کر کہا تھا فوراً بسن کو واپس لے آؤ۔ لیکن وہ پچھلے نو دنوں سے ایک طرف باپ کو اور دوسری طرف اغوا کرنے والوں کو ٹال رہا تھا۔ اس نے نو لاکھ روپے اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرائے تھے۔ ایک لاکھ روپے لے کر آوارہ دوستوں کے ساتھ پشاور آیا تھا۔ تاکہ باپ اس آسے میں رہے کہ شینا کی خاطر پشاور گیا ہے اور اسے واپس لے کر ہی آئے گا۔"

اس نے سوچا تھا۔ اغوا کرنے والوں کو رقم نہیں ملے گی تو وہ شینا کو گولی مار دیں گے یا اسے شہر دکھانے کے قابل نہیں چھوڑیں گے۔ باپ کو بھی کی موت کی اور بے آبروئی کی خطرے کی تو وہ صدمہ برداشت نہیں کر سکتے گا۔ دل کا مریض ہے اسے بھی مرنے میں دیر نہیں لگے گی۔"

میں دائمی طور پر حاضر ہو گیا۔ سوچنے لگا "کیا کیا جائے؟ بے غیرت بھائی کو ابھی سزا دینے سے شینا کا مسئلہ نہیں ہوگا۔ اس علاقے میں ایک سردار میرا دشمن ہے کہ تمام سردار بھی میرے دشمن بن جائیں گے، چاروں طرف دشمن ہوں گے تو یہی نتیجہ ہے

ذریعے اپنا بیانیہ نہیں کر سکتوں گا۔ ٹیکڑوں ہزاروں گولیاں برسرِ بارود چار گولیاں مجھے ضرور لگیں گی۔"

شام کے چھ بج رہے تھے۔ صبح بچے تک شینا کی تلاش تھی۔ ان درمیانی بارہ گھنٹوں میں اس کے لئے کچھ کر سکتا تھا۔ لے ہریلو سے غور کر رہا تھا۔ میں نے معلوم کیا تھا سردار اس کے اور باپ کو کاڈیو رکھا ہے۔ میں خان اعظم کی حویلی کی طرف میرا بھی دھماکہ کر تا تو پریٹیل ایجنٹ اور دوسرے تمام کاروبار پر شبہ کرتے کہ میں جہاں جاتا ہوں وہاں ایسی ہی بھینک پھانسی آتا ہوں۔

رات دس بجے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہاں صاحبانِ اقتدار صرف سردار ہے۔ باقی سب غلام ہیں۔ وہ رات کو دن کتا ہے۔ سب ہی دن کتے ہیں۔ اگر میں اس ایک شخص کی کھوپڑی الٹ دوں۔ اسے ایک شریف اور مذہب انسان بنادوں تو اس کے پاس ہلکے بھی شرافت دکھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔

جب وہ سونے کے لئے بستر پر آیا تو میں نے اس پر عمل کر لیا۔ اس کے داغ میں ہی نقش کیا کہ آئندہ وہ ایک ہاتھ میں شمشیر اور دوسرے ہاتھ میں دیو اور نہیں چکے گا۔ دوغلی حرکتوں سے باز آجائے گا۔ دیو اور بچیکہ کر صرف شیخ اور ایمان کا ہو کر رہے گا۔ موصوم اور بے گناہ انسانوں کو اغوا نہیں کرائے گا۔ جو اس کی زبان میں ہیں۔ انہیں رہا کر کے بحفاظت ان کے گھروں تک پہنچائے گا۔ انتظام کرے گا۔ آئندہ وہ میرا دوست بن کر رہے گا اور میرا مشوروں پر عمل کرے گا۔

میں نے اچھی اچھی باتیں اس کے ذہن میں نقش کر کے اسے سونے کے لئے چھوڑ دیا۔ پھر نہیم درانی کے پاس پہنچا۔ وہ ایک بے ہوش کے کمرے میں دوستوں کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ میں نے اسے باپ سے فون پر باتیں کرنے پر مجبور کیا۔ اس نے دیکھ کر اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر ایک ملازم کی آواز سنا دی "اس نے کہا "میں پشاور سے نہیم بول رہا ہوں، ابو کو فون دو۔" تو فون دیر بعد اس کے باپ و دسم درانی کی آواز سنا دی "ابو بول رہا تھا "بیٹے! کوئی خوشخبری سناؤ۔ شینا کی جدائی نے مجھے بڑے لگا دیا ہے۔"

"بس شینا کی بات کر رہے ہیں۔ وہ درندوں کی بستی میں ہے۔ اس کی آبرو کی دھجیاں اڑ چکی ہوں گی۔ وہ واپس آئے گی تو ہم بڑے داروں اور کاروباری عیالوں میں شہر دکھانے کے قابل نہیں بنیں گے۔ میرا نیک مشورہ ہے کہ آپ اس پر ناخوش ہو جائیں۔"

میں اس کے باپ و دسم درانی کے داغ میں تھا۔ وہ دل کا مریض تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا "وہ صدمہ سے مر جائے۔ اس کے اندر وہ کر حوصلہ پیدا کر رہا تھا۔ اس نے بیٹے سے کہا "کیا کہہ رہے ہو؟ ہوش میں ہو؟"

"پہلے ہوش میں نہیں تھا۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ ایک

کار فریڈا چاہتا ہوں۔ لیکن آپ نے کار کے لئے مجھے پانچ لاکھ تقاضا نہیں دئے۔ اور بیٹی کے لئے دس لاکھ روپے نکال کر دے دئے۔ میں اس حق نہیں ہوں۔ میں نے ایک آبرو باختہ لڑکی کے لئے دس لاکھ ضائع نہیں کئے۔ وہ رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرادی ہے۔ آپ کو کسی مشورہ دینے کے لئے فون کیا ہے کہ آپ بیٹی کے لئے ہمبر کریں۔ وہ ہمارے لئے مریض ہے۔ میں اسی لئے پشاور میں نہیں رہا کہ کسی طرح زندہ لوٹنے کی تو اسے گولی مار دیں گا۔ ایک مردہ کو کھانا کھانے کے لئے دنیا آپ کے غم میں شریک ہوگی۔ زندہ بیٹی کی بچاؤ کا کام کریں گے تو دنیا والے اس پر کچھ اچھا نہیں سمجھیں گے۔ آپ واپس پر غم کریں۔ ممبر کریں اور اسے شرم سے مر جائے دیں۔"

میں نے دسم درانی کے اندر بھڑکنے والے غصے کو دبا رہا تھا۔ اس کی سوچ میں سمجھا رہا تھا "مجھے غصے اور جن میں نہیں آتا چاہئے۔ مجھ آدمی سے کام لینے کا وقت ہے۔ مجھے اپنی بیٹی کی رہائی کے لئے خود رہا جانا چاہئے۔ میں اتنا بڑا نہیں ہوں کہ اپنی عزت اور غیرت کے لئے پشاور تک نہ جاسکوں۔"

اس نے ریسپورنڈر کو دیا۔ کچھ سوچا پھر ریسپورنڈر کا نمبر ڈائل کیا۔ ایک اعلیٰ پولیس افسر سے رابطہ قائم کر کے اسے اپنے بیٹے نہیم کے حلقے بتایا کہ وہ پشاور کے ایک ہوٹل میں ہے اس نے دس لاکھ ڈال دیا ہے۔ اسے پشاور پولیس کی مدد سے گرفتار کر کے فیصل آباد لے آئیں۔ افسر نے کہا "روانی صاحب! اطمینان رکھیں۔ وہ بچ کر آپ کے سامنے ہوگا۔"

"میں شاید صبح تک یہاں نہ ملوں۔ آپ میری واپسی تک اسے رات میں رکھیں اس سے دس لاکھ روپے کا حساب لیں اور اسے ایسی سزا دیں کہ میری سوسائٹی میں بدنامی نہ ہو اور وہ بھی آئندہ ایسی حرکتوں سے قویہ کر لے۔"

اس نے رابطہ ختم کیا۔ پھر ایک مل اور دوست سے رابطہ کیا۔ اسے اپنے بیٹے کے حلقے بتایا دوست نے کہا "فنی الحال بیٹے کو بھول جاؤ۔ اپنی شینا بیٹی کے لئے ہمیں خود رہا جانا چاہئے۔"

"میں نے اسی لئے فون کیا ہے۔ میرے پاس گھر میں نقد چندہ لاکھ ہیں تمہارے پاس کتنی رقم ہے؟"

"میرے پاس بھی اتنی ہی رقم ہوگی۔ میں صبح کی فلاٹ میں دو بیٹیں بھی کر رہا ہوں۔ تم اغوا کرنے والوں کو اطلاع دو کہ رقم لے کر کہے ہو۔"

میں نے سردار پر جیسا تو یہی عمل کیا تھا۔ اس کے بعد رقم کی ادائیگی ضروری نہ ہوئی۔ تمام قیدی مفت میں رہا ہو جاتے۔ اس کے بعد وہیں سے سوچا وہ دونوں سرمایہ دار زیادہ سے زیادہ رقم لے آئیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ رقم واپس جاسکتی تھی اور نیک کاموں میں خرچ بھی ہو سکتی تھی۔

اس رات میں اپنی کی خیریت معلوم کر کے آرام سے سو گیا۔

میری ہمت ہوئے والا تھا جس کے لئے میدان ہمارا کر چکا تھا۔ مگر بیش

وہ نہیں ہوتا جس کی تدبیر کی جاتی ہے۔ کبھی کبھی تدبیر بھی اپنی ضد پوری کر لیتی ہے۔ دوسری صبح اس قبیلے کا سردار بدل گیا۔ جس پر تو یہی عمل کیا تھا، اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بھائی جرار خان نے اسے قتل کر کے سرداری کا منصب سنبھال لیا۔

جرار خان پچھلے چھ برس سے افغانستان کے شمالی شہر قندھار میں تھا۔ یہ شہر دوسری سرحد کے قریب تھا۔ وہاں دوسری ایجنٹوں اور تحریک کاروں کی ایک جماعت میں شامل ہو کر سیاسی داؤ بچھ سکتا رہا تھا۔ وہاں رہ کر یہ سمجھ میں آیا کہ جب تک بھائی زندہ رہے گا اسے قبیلے کی سرداری نہیں ملے گی۔ وہ پچھلی رات اچانک قبیلے میں آیا تھا اور اپنے سردار بھائی کی زندگی کی حالت میں قتل کر کے اس کے سسر محافظوں کو پچاس پچاس ہزار روپے دیے اور انہیں اپنے اعتماد میں لے لیا تھا۔ پھر جمع ہوتے ہی اپنی سرداری کا اعلان کر دیا تھا۔

میں نیند سے بیدار ہوا تو میرزا کسان نے بتایا کہ قبیلے کا سردار بدل گیا ہے۔ میں نے مقتول سردار کے دست راست کے داغ میں پہنچ کر معلوم کیا۔ اس کی وفاداری بدل گئی تھی۔ اب وہ نئے سردار کا دست راست بن گیا تھا اور سردار جرار خان کو موجودہ آدمی کے ذرائع بتا رہا تھا۔ ان میں ایک موجودہ ذریعہ وہ تمام اغوا کے ہوئے قیدی تھے، جن سے لاکھوں روپے وصول ہونے والے تھے۔

جرار خان نے کہا "تمام قبیلوں کے سرداروں کے پاس اپنے آدمی روانہ کرنا۔ انہیں خوش خبری سناؤ کہ جرار خان سردار بن چکا ہے۔ اور اس خوشی میں چند حسدناؤں کو نیلائی کے لئے پیش کیا جائے گا۔ آج شام کے چھ بجے نیلائی شروع ہوگی۔"

میں غصا اور گمراہی نہ کر قیدیوں کی رہائی کے لئے کوشش کر دیا تھا۔ اب کسی خدشہ تک نکل کر سامنے آنے کی ضرورت تھی۔ میں نے سلمان سلطانہ، بیلی اور جو جو کو بلایا۔ انہیں سمجھا کر قیدیوں کو وہاں سے رہائی کیسے دلائی جاسکتی ہے۔ ہم نیک بیٹھی کے ہتھیار سے تمام دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ سلمان سلطانہ، بیلی اور جو جو یورپ کی میٹرز زبانیں جانتے تھے لیکن ایشیائی زبانوں کو بالکل نہیں سمجھ سکتے تھے۔

صرف ایک آسمانی تھی۔ افغانستان اور دوس کی سرحدوں سے انگریزی بولنے والے اسلحہ آتے جاتے رہتے تھے اور ان قبائلیوں کو پونڈ اور ڈالروں کی صورت میں منافع پہنچاتے تھے۔ جس اور ہیرودن لے جاتے تھے۔ اس لین دین میں وہاں کے سرداروں اور ان کے خاص حواریوں نے تو فوری موت انگریزی سیکھ لی تھی۔ میں نے اپنے خیال خوانی کرنے والوں کو اسی ایک زبان کے سارے جرار خان اور اس کے دوچار حواریوں کے داغوں میں پہنچا دیا۔ اور آپس میں ملے کر لڑا کہ جتنے دشمنوں کے اندر ہم پہنچ سکتے ہیں۔ انہیں آخر وقت تک زندہ رکھیں گے۔ تاکہ

کہنے کے ذریعے قیدیوں کو برا کرایا جاسکے۔
 پھر میں نے جرار خان کو مخاطب کیا ”ہیلو قاتل خان؟“
 اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام کر سوچا ”کیا میں
 اپنے اندر خود کو ہیلو کہہ رہا ہوں؟“
 ”تمہارے اندر ٹیلی جیتی کا علم ہوا ہے۔“
 اس نے جراتی سے پوچھا ”ٹیلی جیتی؟“
 ”ہاں تم علانہ غیر کے باہر چھ برس فرزند میں رہ چکے ہو۔
 روپیوں کے ایجنٹ بن کر آئے ہو۔ ٹیلی جیتی کے علم کے متعلق
 کچھ تو سنا ہوگا؟“
 ”ہاں۔ سنا ہے کوئی داغ کے اندر آکر ہوتا ہے۔“
 ”تو پھر میں بول رہا ہوں۔ تم اتنی دیر سے کسی کی باتوں کے
 جواب میں بول رہے ہو؟“
 ”ہاں سمجھ گیا۔ تم کو ٹیلی جیتی جاننے والے ہو لیکن اوصہ
 کیسے آئے ہو؟“
 ”تمہاری عاقبت سنوارنے آیا ہوں۔ تم نے افواہ کرنے والوں
 کو قید کر رکھا ہے۔ ان میں جو حسین لڑکیاں ہیں ان کی بیٹیاں کرنے
 والے ہو۔“
 ”بے شک یہ تو آدمی راست ہے۔“
 ”اب نہیں ہوگا۔ انہیں آزاد کر دو۔“
 ”اے تم مجھے لاکھوں روپے پیسے دینے کو کہہ رہے ہو؟ کیا
 مجھے پاگل سمجھتے ہو؟“
 ”تم سے بڑا پاگل تو کوئی ہو نہیں سکتا۔ یہ دیکھو تم اپنے دست
 راست سے کہہ رہے ہو کہ تم سے کچھ فاصلے پر جو سب خوار کی کڑا
 ہے اسے گولی مار دی جائے۔“
 پھر میں نے اسے بولنے پر مجبور کیا۔ وہ اپنے دست راست
 سے بولا ”کیا تم میرے وفادار ہو؟“
 ”بے شک وفادار ہوں۔“
 ”کیا میرے حکم پر کسی کو بھی گولی مار سکتے ہو؟“
 ”حکم کرو آقا۔“
 ”وہ سامنے دلال بھڑی والا شخص کڑا ہے اسے گولی مار دو۔“
 دست راست نے پریشان ہو کر کہا ”آقا! وہ میرا بھائی ہے۔“
 ”میں نے حکم دیا ہے۔ رشتہ نہیں ہو چکا ہے۔“
 ”آقا! ہم اپنی سلاحتی کے لئے ہتھیار اٹھاتے ہیں اور زندگی
 گزارنے کے لئے تمہاری غلامی کرتے ہیں۔ میرا بھائی بھی تمہارا
 وفادار غلام ہے۔ اگر اس کی وفاداری میں فرق آئے گا تو میں اسے
 ضرور گولی ماروں گا۔ تم اس کا قصور بتاؤ؟“
 جرار خان نے دوسرے خوار سے کہا ”یہ بحث کر رہا ہے تم
 حکم کی قید کر دو اس پر فائز کرو۔“
 خوار نے حکم کی قید کے لئے اپنی من سیدی کی لیکن اس
 سے پہلے کہ وہ گولی چلا تا دست راست نے اسے گولی مارنے سے

”ہاں۔ یہ وہی ہیں“ اور ہم انہیں حفاظت سے واپس لے
 جا رہے ہیں۔“
 ”کیا ان کے سربرستوں نے رقم ادا کر دی ہے؟ لیکن رقم کی
 ادائیگی دوسرے ذریعے ہوتی ہے۔“
 ”میں نے دست راست کی زبان سے کہا ”ادائیگی ہو چکی ہے۔“
 کیا پانچ کیش جانتے ہو؟“
 ”وہ بولا ”جی نہیں کوئی پوچھنے کی بات ہے؟“
 ”میں نے کہا ”جاؤ پہلے مسٹر ارسلان کے تیس ہزار لے آؤ۔“
 وہ دست باؤس کے اندر گیا۔ سلمان جرار خان پر قبضہ جمائے
 ہوئے تھا۔ میں نے کہا ”ان پانچ آٹھ کارڈوں میں سے ایک کم کرو۔“
 ایک خوار کی گولی مار کر اس دست راست کے داغ میں آؤ۔
 میں دوسری طرف مصروف ہوں گا۔“
 سلمان نے ایک خوار کی خوشم کیا۔ اس کے اندر ٹیلی جیتی وہ
 بیٹی جگہ دست راست کے داغ میں آئی۔ میں پو پٹیل ایجنٹ کے
 پاس آیا۔ اس نے ایک آئرن سیف میں باہر لاکھ روپے دس ہزار
 پو پٹ اور اٹھارہ ہزار ڈالر رکھے تھے۔ وہ ہر ماہ کے آخر میں ایسی نقد
 رقمیں لے جا کر شہر کے بینکوں میں اور کچھ کالی تجویروں میں جمع کرتا
 تھا۔ اس نے تمام رقم نکال کر ایک اپتھن میں رکھی اور اسے لے کر
 میرے ساتھ مجرور ویش آجینا۔ تمام گاڑیاں آگے پیچھے چلی گئیں۔
 ہم پانچ خیل خانی کرنے والے اپنی اپنی گاڑی میں بیٹھے ہوئے
 قیدیوں سے کہہ رہے تھے ”تم سب قیدی نہیں رہے۔ اب آزاد
 ہو۔ ہم تمہیں پشاور لے جا رہے ہیں۔ وہاں تمہارے سربرستوں
 سے رابطہ کر کے انہیں بلا کر تمہیں ان کے حوالے کیا جائے گا۔“
 وہ آزادی کی خوشخبری سن رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے۔
 راستے میں کھاتے پیتے بیٹھے بولے جا رہے تھے۔ میں نے آئی جی کو
 اطلاع دی کہ میں مجرموں کو اغوا ہونے والوں کے ساتھ لا رہا ہوں۔
 ان میں مل اور سیم درانی کی بیٹی شینا بھی ہے۔
 جب ہم پشاور شہر میں داخل ہوئے تو آئی جی نے پولیس ہائی
 کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔ میں نے سوچ کے ذریعے آئی جی سے
 کہا ”ان میں میرا ایک خاص بندہ ارسلان ہے جسے آٹھ کارڈ بنا کر
 محاسن سے اپنا کام نکالتا ہوں۔ آپ اسے زیادہ دیر نہ روکیں۔
 پو پٹیل ایجنٹ کے پاس جتنی رقم ہے اسے قوی خزانے میں جمع
 کر دو۔“
 آئی جی نے مجرور کے پاس آکر پوچھا ”مسٹر ارسلان کون
 ہیں؟“
 ”میں نے گاڑی سے اتر کر مصافحہ کیا۔ پانچ مجرموں کی نشاندہی
 کی۔ انہیں پینکٹیاں پسائی گئیں۔ آئی جی نے مجھ سے کہا ”مسٹر
 ارسلان! تلافی کارروائی کرنے اور اغوا ہونے والوں کے
 کارستوں سے رابطہ کرنے میں گھنٹوں لگ جائیں گے۔ آپ میری

رہائش گاہ میں چل کر آرام کریں۔“
 میں نے جانے سے پہلے شینا کو بتایا کہ اس کے والد کس ہوٹل
 میں ہیں۔ کرا انمبر اور فون نمبر بھی بتایا۔ پھر پو پٹیل ایجنٹ سے کہا۔
 ”تم بڑے عمدے پر ہو اپنے بچاؤ کی کوشش کرو گے لیکن تمہارے
 داغ پر فریاد علی تیور سوار ہے۔ تحریری طور پر اپنے تمام جرائم کا
 اعتراف کرلو۔ ورنہ فریاد کو اقبال جرم کرنا آتا ہے۔“
 میں نے آئی جی کی رہائش گاہ میں آکر غسل کیا۔ لباس تبدیل
 کر کے کچھ کھایا۔ پھر کمرے کا دروازہ بند کر کے نور زمان کی خبر لی۔ وہ
 ماں اور بہن کو لے کر پشاور آ گیا تھا۔ جس ہوٹل میں ملازم تھا۔
 اس کے مالک نے انہیں سرچھپانے کے لئے عارضی جگہ دے دی
 تھی۔ میں نے سوچ کے ذریعے آئی جی کو نور زمان کے متعلق تفصیل
 سے بتایا پھر کہا ”آپ ان کی رہائش کا انتظام کریں۔ پو پٹیل
 ایجنٹ کے پاس میرے تیس ہزار روپے تھے۔ وہ رقم نور زمان کو
 دے کر اسے کاروبار کرنے کا مشورہ دیں۔“
 آئی جی نے وعدہ کیا کہ آج ہی ان کی رہائش کا معقول بندوبست
 ہو جائے گا اور نور زمان کو تیس ہزار روپے مل جائیں گے۔ پھر میں
 نے کہا ”آپ و سیم درانی کو بتادیں کہ فریاد نے ان سب قیدیوں کو برا
 کرایا ہے اور وہ تھوڑی دیر بعد ان کے داغ میں آکر ضروری باتیں
 کرے گا۔“

جاسوسی ادب کی میعاد کی کتابیں کم سے کم قیمت میں

جاسوسی ناولوں کے مقبول ترین مصنف ایچ اے اے اے

عمران سیریز

بے شک لڑکی (دوسری جلد)

ایک جلد میں دو کتابیں ۰ قیمت ۲۰ روپے

ہرمود سیریز

جاسوس شہزاد (ایڈیٹری بلیک)

ایک جلد میں دو کتابیں ۰ قیمت ۲۰ روپے

آج ہی طلب فرمائیے

کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس ۲۳ کراچی ۱

اس کے بعد پو پوٹیکل ایجنٹ کے پاس آیا وہ کسی جرم کو تسلیم نہیں کر رہا تھا۔ میں نے اس پر قبضہ نہ کیا۔ وہ کاغذ قلم لے کر اپنے ایک ایک جرم کی تفصیل لکھنے لگا۔ آخر میں تمام جرائم کو قبول کر کے اپنے دستخط لگے۔ ایک اعلیٰ افسر نے آئی جی کی موجودگی میں وہ اعتراف نامہ لے لیا۔

اس کے بعد پو پوٹیکل ایجنٹ نے آئی جی سے اجازت لے کر فون کے ذریعے کافور خان سے رابطہ کیا پھر کہا "میں ذرا تاج خان بول رہا ہوں۔ اب پو پوٹیکل ایجنٹ نہیں ہوں۔ فریاد علی تھور نے مجھے بے نقاب کر دیا ہے۔ شاید تم فریاد اور اس کی ٹیلی پیٹھی کے متعلق نہیں جانتے۔"

کافور خان نے کہا "میں نے کبھی ٹیلی پیٹھی کے متعلق کچھ نہ سنا تھا۔ میرا یہ علم پر کبھی نہیں کیا۔"

"خان اعظم! اسی بے یقینی نے تمہیں تباہ کیا ہے۔ تمہاری حویلی میں جو ارسلان نامی مسلمان آیا تھا۔ وہ تجوی نہیں بلکہ فریاد کا آلہ کار تھا۔ وہ تمہیں علم نجوم کے چکر میں ڈالتا رہا اور فریاد تم لوگوں کے داغوں پر قبضہ جگا کر جنرل کی حرکتیں کراتا رہا۔ تم نے اس کا معمول بن کر اپنے کتوں کو مار ڈالا اور نور زمان اور اس کی ماں کو رہا کر دیا۔"

کافور خان نے حیرانی سے پوچھا "کیا ہم ٹیلی پیٹھی کا شکار تھے؟"

"ہاں اسی ٹیلی پیٹھی سے محرمہ ہو کر بیرم خان نے خود کو بری طرح زخمی کیا اور تم تین بہن بھائیوں نے اسی علم کے ذریعے غائب داغ ہو کر اپنی حویلی کو آگ لگا دی۔"

وہ حیرانی اور بے یقینی سے سن رہا تھا۔ یقین آ رہا تھا مگر یقین نہیں کرنا چاہتا تھا کہ حویلی، سونا چاندی، ہیرے جو اہرات اور کھڑوں کے قریب نقد رقم کو اپنے ہاتھوں سے آگ لگا چکا ہے۔

زور تاج خان نے کہا "سوچتے رہو۔ ابھی فریاد تمہارے داغ میں آ رہا ہے۔"

اس نے ریسور رکھ دیا۔ میں کافور خان کے اندر پہنچ گیا۔ وہ بڑی حویلی کے ایک بڑے شاندار کمرے میں اپنی بہن مریتا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ بستر بیرم خان لٹا ہوا تھا۔ حویلی کی تباہی کی بعد وہ اپنی آدھی دولت اور جائیداد سے محروم ہو گئے تھے لیکن علاقہ غیر کی اس بڑی حویلی میں ابھی اتنی دولت تھی کہ وہ اب بھی غور سے سر اٹھا کر اور سینہ تان کر چل سکتے تھے۔

مریتا نے پوچھا "برادر! یہ فون پر ٹیلی پیٹھی کا کیا ذکر ہو رہا تھا؟"

کافور خان نے کہا "تم لندن اور بیرس میں رہ چکی ہو۔ کیا وہاں ٹیلی پیٹھی کا ذکر کبھی نہ سنا تھا؟"

"کیا بار سن چکی ہوں۔ وہاں اس موضوع پر معلومات کتابتیں شائع ہوتی ہیں۔ لیکن میں نے نہیں پڑھیں۔ یہ مجھے قصہ کہانیوں

والی بات لگتی ہے۔"

"ابھی پو پوٹیکل ایجنٹ کہہ رہا تھا 'فریاد نامی ایک ملوث جانے والا ہم سے پاگل پن کی حرکتیں کر رہا تھا۔ وہ مسلمان نبوی نہیں فریاد کا ایک آلہ کار تھا۔"

وہ جو کچھ فون پر میرے متعلق سن چکا تھا۔ وہ انہیں بتا رہا تھا۔ بیرم خان نے کہا "اب سمجھ میں آ رہا ہے۔ اس کم بخت نے ہم کو کازانچہ نہیں بنایا تھا۔ ہمیں ستاروں کی چال میں الجھا کر ہمیں بیوقوف بنا کر رکھا تھا۔ اس نے ہمارے گھر میں اور ہمارے والد میں گھس کر بری طرح کیا ہے آخر اسے ہم سے کیا دشمنی ہے؟ کافور خان نے کہا "وہ بزدل دشمن ہے اس نے چھپ کر ہم کو ہلے ہے۔"

میں نے اسے مخاطب کیا تو وہ غلام میں گھٹے ہوئے ہوا ہوا میرے داغ میں فریاد آیا ہے؟"

"ہاں میں بول رہا ہوں۔ بزدل میں نہیں 'تم ہو۔ طاقت کے غرور میں غریبوں اور کمزوروں پر ظلم کرتے ہو۔ انہیں زندگی بھر کے غلام بنا لیتے ہو۔ ان کی حسین بہنوں اور بیٹیوں کو اغوا کرنا حرم سرا میں لے جاتے ہو۔"

وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔ بیرم خان نے پوچھا "کیا فریاد دشمنی کے لئے آیا ہے؟"

میں نے بیرم خان کے پاس آ کر اس کی زبان سے کہا "میں فریاد ہوں۔ اور بیرم خان کی زبان سے بول رہا ہوں۔ تاکہ تم تینوں باتیں سن سکو۔"

میں نے بڑی بزدلی والی باتیں دہرائیں اور کہا "تم لوگ مرن بزدل ہی نہیں 'بے ایمان بھی ہو۔ نور زمان سے میں بزار دہا وصول کرنے کے بعد ماں بیٹے کو مار ڈالنا چاہتے تھے۔ تم لوگ مرن بے ایمان ہی نہیں 'شیطان بھی بڑا چودہ برس کی ایک مسموم لڑکا برباد کر دیتا چاہتے تھے۔ پھر پوچھتے ہو مجھے تم سے کیا دشمنی ہے؟ جواب دو کہ ایک غریب نور زمان اور اس کی بہن سے تمہیں کیا دشمنی ہے؟"

کافور خان نے کہا "تم جن باتوں کو غلط سمجھ کر اعتراض کر رہے ہو 'یہ ہمارے علاقے میں صدیوں سے رائج ہیں۔ راجا اور راجا دور گزر گیا ہے لیکن جاگیرداروں کی حکومت اور دناؤوں کی حکومت کا دور رہا ہے اور رہا رہے گا۔"

میں نے کہا "فرعون اور حضرت موسیٰ کا دور بھی جا رہا ہے اور تمہارے جیسے فرعونوں کے لئے کوئی موسیٰ ضرور پیدا رہتا ہے۔"

"فریاد صاحب! ہماری طرح تم بھی اپنی ایک طاقت رکھتے ہو۔ تمہاری دنیا میں میں ہوتا آیا ہے اور ہو رہا ہے کہ ہم تمام طاقتور ہو۔ وہ سپرد زد کیوں نہ ہوں 'آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے ہیں ایک دوسرے کے خلاف طاقت کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن

لوگوں کو حکم بنا کر رکھنے کے لئے بڑی طاقتیں ایک ہو جاتی ہیں۔ اور ایک دوسرے کی طاقت کو دھمکانے کے اپنی برتری قائم رکھتی ہیں۔ ہم اور آپ بھی ایک ہو سکتے ہیں ایک دوسرے کی طاقت کو دھمکانا سکتے ہیں۔"

"موسیٰ مجھے حکومت کرنے اور برتری قائم رکھنے کا شوق نہیں ہے۔"

کہوئی بات نہیں۔ ہم نے نور زمان اور گل جانان کو دل دیا ہے۔ یہ نکال دیا ہے۔ اب تو تمہیں ہم سے دشمنی نہیں رہے گی؟"

"دشمنی رہے گی۔ ابھی حساب باقی ہے۔"

"کیسا حساب؟"

"تم نے بڑی حرکتیں میں جو حرم سرا بنائی ہے۔ اسے آباد رکھنے کے لئے غریب کسانوں اور مزدوروں کے گھروں سے بو بیٹیاں اغوا کر لائے ہو۔"

"ہم نے وہ عیش کدہ ختم کر دیا ہے۔"

"کیا اس مت کرو۔ میں چور خیالات پڑھ کر جھوٹ اور فریب کو سمجھ لیتا ہوں۔ اس وقت تمہاری حرم سرا میں ستائیس حسین عورتیں ہیں۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "ہاں۔ مگر میں ان پر جبر نہیں کرتا ہوں۔ یہ راضی خوشی رہتی ہیں۔ میں ان میں سے ہر عورت کے بوڑھے والدین کو اپنا تین سو روپے دیتا ہوں۔"

"کیا تم اپنا تین سو روپے انہیں اپنی بیویوں کے لئے دے گئے؟"

وہ اچھل پڑا۔ شے داڑھا ہوا بولا "تو میری بہن تک پہنچ رہا ہے۔ سر کا کچھ سے تو سنا ہے۔"

"کیا تم کوڑے لگائے؟"

وہ سینہ فونک کر بولا "ہاں سارے آ۔ میں تجھے بتاؤں گا کہ میں کیا سر کا کچھ ہوں۔"

"میں اپنی ماں کا کچھ ہوں۔ تعجب ہے کسی مرنے تمہیں کیسے پیدا کیا ہو گا؟"

"آس؟" وہ پہلے تو بولنے لگا "پھر گرتے ہوئے بولا "باتوں سے آلو جاتا ہے۔ خنزیر کے....."

گلیاں پوری ہونے سے پہلے ہی میں اس کی زبان دانستوں کے درمیان لے آیا۔ زبان کٹ کر آگ تو نہیں ہوئی۔ لیکن تکلیف دہ تھی۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر اصرار سے دھڑک رہا تھا کہ مجھے لگے۔ مرنے پریشان ہو کر پوچھا "برادر! کیا ہوا؟"

میں نے بیرم خان کی زبان سے کہا "برادر کو بولو۔ زبان سنبھال کر منہ کوڑے۔ ورنہ دوسری بار یہ کٹ کر آگ ہو جائے گی۔"

"پھر سزا فرما! ہم سے دشمنی نہ کرو۔"

مگر اس نے لئے ہر عورت کو پانچ لاکھ روپے ادا کر دیے۔ وہ حیرانی سے چیخ کر بولی "پانچ لاکھ! تم ایسی عورتوں کو پانچ لاکھ دینے کو کہہ رہے ہو؟ جنہیں کبھی پانچ روپے بھی نصیب نہیں ہوتے۔"

"رقم نہ دیکھو۔ عورت ہو کر عورت کی آبرو کا حساب کرو۔ آبرو کو نہیں سمجھو گی تو میں تمہارے بھائیوں کی آنکھوں کے سامنے تمہیں کھٹے پر پھانسیں لگاؤں گا۔"

کافور خان اتنی دیر میں بولنے کے قابل ہوا۔ اس نے کہا۔ "مریتا! تم اس سے نہ بولو۔ میں فریاد سے کہتا ہوں، ان عورتوں کو ابھی حرم سرا سے نکال دوں گا۔ مگر اسے لئے انہیں کچھ رقم بھی دے دوں گا۔ اس کے بعد تم کبھی ادا نہ آنا۔"

"میں نے ہر عورت کے لئے جتنی رقم ضرور کر دی ہے۔ اتنی ہی دوں گے؟"

وہ بولا "تم بوش میں نہیں دیا دولت کو بستی دھمکتے ہو۔ ہر عورت کو پانچ لاکھ دینے کا مطالبہ یہ ہوا کہ ستائیس عورتوں کو ایک کروڑ بیٹیاں لاکھ روپے ادا کئے جائیں۔ اور میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے۔"

"تمہارے پاس اس سے زیادہ ہے۔ تمہاری علاقہ غیر کی ایک خفیہ تجوری میں اس بڑا تر پونڈ 'دولاک ڈالر' ستر لاکھ روپے پندرہ کھوسوئے کے بکٹ 'تقریباً پچاس لاکھ روپے کے ہیرے جو اہرات' یہاں کی سوایکڑ زمین اور علاقہ غیر کی 'تیس ایکڑ زمینوں کے کاشتات ہیں۔ پشاور اور اسلام آباد کے بینکوں میں نوے لاکھ روپے بچھ رہے ہیں۔"

میں اس کی دولت اور جائیداد کا حساب بتا رہا تھا کہ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا "پھر وہ بولا "تت..... تم کیسے جانتے ہو؟"

"میں کبہ چکا ہوں خیال خوانی کے ذریعے کسی کے بھی چور خیالات پڑھ کر اس کے دل کا اور تجوری کا راز معلوم کر لیتا ہوں۔ اگر تم نے ان تمام عورتوں کو مقررہ رقم ادا نہ کی تو میں تمہاری وہ تجوری خالی کر دوں گا۔"

"کیسے خالی کرواؤ گے؟ میرے سوا کوئی اس تجوری کو نہیں کھول سکتا۔ وہ مخصوص نبیوں سے کھلتی ہے اور وہ نمبر صرف میں جانتا ہوں۔"

میں نے کہا "تجوری کے پینڈل کے پاس ڈائمنڈ سٹم ہے۔ تم پہلے ڈبل زیرو ڈبل دن داخل کرتے ہو تو ایک منیجری سرخ روشنی آن ہوئی ہے۔ پھر تین دن بدون سکس دن نوڈاں کے پینڈل تمہارے ہو تو تجوری کھل جاتی ہے۔"

پھر اس کا منہ کھل گیا۔ وہ دو ڈاؤن ہاتھوں سے سر کو تھام کر بولا۔ "میرا سر پک رہا ہے۔ تم جاؤ گے۔ اسے اندر کی باتیں صرف جاؤ کے ذریعے یہی معلوم ہو سکتی ہیں۔ اگر تم مسلمان ہو تو تمہیں

خدا کا واسطہ ہے ہمارا پیچھا چھوڑ دو۔
”جی ہاں شراٹکا پر عمل کرو گے تو یہ سب کے لئے پیچھا چھوڑ دوں گا۔“

”شراٹکا کیا ہے؟“
”ایک شرط بیان کر دیا ہوں۔ مقررہ رقم دے کر عورتوں کو آزاد کرو۔ پھر پتہ نہ قانون کو غلام بنا کر ہے ان کے قرضے معاف کر کے انہیں بھی آزاد کرو۔ تیسری اور آخری شرط یہ ہے کہ آئندہ ہمسایہ علاقہ غیر سے باہر نکلنے کی حماقت نہ کرنا۔“

وہ پریشان ہو کر بولا ”تینوں شراٹکا ناقابل عمل ہیں۔ بہت سخت ہیں۔ ان پر عمل کیسے ہو گا یہ سوچنے کی مصلحت دور۔“
”چوتھے گھنٹے تک غور کر سکتے ہو۔“
”یہ مصلحت کم ہے۔“

”چلو دو دن اور دو راتیں دے رہا ہوں۔ اس دوران کوئی چالاکی نہ دکھانا۔ ورنہ پچھتاوے کی بھی مصلحت نہیں ملے گی۔ میں جا رہا ہوں۔ آئندہ آؤ تائیس گھنٹوں کے بعد آؤں گا خدا حافظ۔“
میں ہیرم خان کو چھوڑ کر مرجینا کے پاس گیا۔ میرے توبی عمل کے مطابق وہ پرانی سوچ کی لہروں کو محسوس کر کے سانس روک سکتی تھی۔ صرف میری سوچ کی لہروں سے بے خبر رہتی تھی۔ کافور خان نے مجھے آواز دی ”فردا صاحب! کیا آپ جا چکے ہیں؟“
میں خاموش رہا۔ ہیرم خان نے کہا ”اب میں خود بول رہا ہوں“
میری زبان سے بولنے والا چلا گیا ہے۔

کافور خان نے کہا ”یہ ٹیلی فنی کاظم بہت خطرناک ہے۔ وہ کم بخت ہماری تجویز کے ایک ایک پیسے کا حساب جانتا ہے۔ ہمارا ذاتی اور خاندانی کوئی سامی راز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔“
”برادر! ہم نے بہت عرضائیں کر دی۔ ہمیں معلوم ہوا کہ یہ علم اتنے کمال کا ہے تو اسے ضرور دہتے اور سیکھتے۔ ہمیں معلوم کرنا چاہیے کہ یہ علم کتنے دنوں میں لیکھا جاتا ہے اور اس کا اسکول اور کالج کہاں ہے؟“

”جان برادر! یہ علم ہم آؤ تائیس گھنٹوں کے اندر نہیں سیکھ سکیں گے اور وہ فردا مصلحت ختم ہوتے ہی ہمارے سر پر سوار ہو جائے گا۔“

مرجینا نے کہا ”اس بار اس نے مصلحت کی صورت میں وارننگ دی ہے۔ اس سے پہلے وارننگ کے بغیر لاکھوں کی حویلی اور گزوں بونے جاکر لاکھ کر چکا ہے۔ یہ خیال نہ دشمنی ظاہر کرتی ہے کہ وہ ہم سے اپنی شراٹکا پر ضرور عمل کرانے کا۔“
”دو گز کی عورتوں کو ایک گز کو پچیس لاکھ دینے کو کہہ رہا ہے۔ کوئی ڈاکو ایسی نہیں لوٹا جیسے وہ لوٹ رہا ہے۔ آئندہ وہ ہمیں علاقہ غیر سے باہر قدم نہیں رکھنے دے گا۔ یعنی ہماری سوا کیئر زمیوں کو اور ان سے ہونے والی آمدنی کو بھی ہم سے چھین رہا ہے۔“

کافور خان نے کہا ”اپنے بچاؤ کے لئے کچھ کرنا ہو گا۔ ورنہ کم کٹال ہو جائیں گے۔ وہ ہمیں مجبور اور محتاج بنانے کے لئے ہی ایسی شراٹکا پیش کر رہا ہے۔“

میں نے مرجینا کو وہاں سے اٹھایا۔ وہ اپنی خواب گاہ میں آئی۔ اس نے اپنے بھائی ہیرم خان کی زبان سے میری آواز سنی تھی۔ تب سے اس پر عجیب سا محارطہ جاری تھا۔ کیونکہ میں نے اسی آواز اور لہجے میں اس پر توبی عمل کر کے اسے اپنی معقول بنایا تھا۔ میں نے سوچ کے ذریعے مخاطب کیا ”ہیلو مرجینا!“

وہ چونک کر آئینے میں خود کو دیکھنے لگی ”میں نے کہا“ میری آواز تمہارے دل اور تمہاری روح میں اتر چکی ہے۔“
وہ بولی ”مجھے ایسا لگتا ہے۔ میں نے تمہاری آواز خواب میں یا بے خودی کے عالم میں سنی ہے۔ کیا پہلے بھی تم میری زندگی میں! میرے دماغ میں آچکے ہو؟“

”یہ میرے سمجھانے کی نہیں، تمہارے سمجھنے کی بات ہے۔“
”پلیز میرے لئے معاف نہ ہو۔“
”نی اللال! معافی رہو! آؤ تائیس گھنٹے بعد تمہاری انہیں دور کروں گا۔“

”ارسلان کہاں ہے؟“
”بٹارو میں ہے۔“
”نہیں اس کے اور میرے تعلقات کاظم ہو گا؟“
”کیا اس سے ملنا چاہتی ہو؟“

”ہاں اس نے میری نیندیں اڑا دی ہیں۔“
”ارسلان میرا خاص آؤ کار ہے۔ میں اس کی خاطر تمہیں پاکستان آنے کی اجازت دیتا ہوں۔ جب چاہو بٹارو چلی آؤ۔“
”وہ اتنے بڑے شہر میں کہاں ملے گا؟“
”پہلے سڑک کا پتہ ارادہ کرو۔ پھر تھیں منزل کا پتہ مل جائے گا۔“

”میں تو کب سے ارادہ کر رہی ہوں پھر یہ سوچ کر رہ جاتی ہوں کہ ارسلان نہیں ملے گا تو میں بھینکتی رہ جاؤں گی۔“
”کیا تمہارے بھائی تمہیں اجازت دیں گے؟“

”میں نے چند برس لندن اور برس میں گزارے ہیں۔ برادر سمجھتا ہے کہ میں قبائلی عورتوں کی طرح چادر پارٹی میں قید رہتا ہوں نہیں کرتی۔ میں کل صبح میاں سے روانہ ہو جاؤں گی۔ مجھے اس کا پتا بتاؤ۔“

”تائی جی صاحب کے پاس چلی آنا۔ وہ تمہیں ارسلان تک پہنچا دیں گے۔ میں جا رہا ہوں۔ ارسلان کو تمہارے آنے کی خوشخبری سنا دیں گے۔“
میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ اس کمرے کو دیکھنے کا جانا مجھے مہمان بنا کر رکھا گیا تھا۔ آئی جی ان اغوا ہونے والوں کے معاملات میں مصروف تھا۔ جنہیں میں علاقہ غیر سے لایا تھا۔ اس کے ماتحت

افران اپنے اعلیٰ افسر کو ذاتی طور پر دلچسپی لیتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اس لئے ہری تیزی سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ان رہا ہو کر آنے والوں کے سرپرستوں سے رابطہ کر رہے تھے۔ دسم درانی اپنی بیٹی شینا کو ہوٹل کے ایک کمرے میں لے آیا تھا اور اسے بتا رہا تھا کہ اس کے بھائی فیہم نے بہن کو درندوں کے درمیان چھوڑ کر دس لاکھ روپے کا فراڈ کیا تھا۔ پولیس اسے گرفتار کر کے فیصل آباد لے گئی ہے۔ وہاں اس کے چنگ اکاؤنٹ سے دس لاکھ لکوائے جائیں گے۔

وہ بڑے دکھ سے بولی ”جب بھائی نظروں سے گرا رہا ہے تو دنیا والے بھی مجھے داغ دار سمجھیں گے۔“
”نہیں بیٹی! ایک ایسے شخص نے تمہاری عزت بھائی ہے، جس کا نام سن کر لوگوں کی زبانیں چپ ہو جائیں گی۔ وہ شخص فریاد علی بخور ہے۔“

”فریاد علی بخور؟“ وہ حیرانی سے بولی ”کیا آپ ٹیلی فنی جانتے والے فریاد کا ذکر کر رہے ہیں؟“
”ہاں! آئی جی صاحب کہہ رہے تھے کہ وہ میرے دماغ میں آکر کچھ ضروری باتیں کرنے والا ہے۔“

”اوہ ہاں! مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ فریاد صاحب ٹیلی فنی کی آنکھوں سے مجھے دیکھتے رہے ہیں اور میری مدد کرتے رہے ہیں۔“
میں نے اس کے دماغ میں کہا ”یقین کر لو۔ میں تمہارے داغ میں آنا چاہتا ہوں اور اس وقت بھی تمہارے اندر ہوں۔“

وہ گم حسی ہو کر خلا میں تک رہی تھی ”پھر اس نے پوچھا کہ آپ... آپ فریاد صاحب ہیں؟“
”ہاں میں نے ہی تمہارے بھائی کے فراڈ کو ظاہر کیا ہے لیکن تمہارے والد کو یہ نہیں بتایا کہ میں ان کے دماغ میں بھی پہنچا رہا ہوں۔“

”آپ نیکی کرتے ہیں لیکن ظاہر نہیں کرتے۔ آپ بہت عظیم ہیں۔“
”لیکن اب ایک ضرورت کے لئے ظاہر ہو رہا ہوں۔ اپنے پاپا سے کوئی موجود ہوں اور ان کے دماغ میں آ رہا ہوں۔“

بیٹی نے آپ کو میری موجودگی کے متعلق بتایا۔ دسم درانی نے ہاتھ اٹھا کر سلام کرتے ہوئے کہا ”میرے محسن! میں آپ کو سلام کرتا ہوں۔ آپ نے میری بیٹی کو درندوں سے بچا کر وہ احسان کیا ہے جس کے بدلے میں آپ پر جان بچاؤ کر دوں تو بھی کم ہے۔“

میں نے کہا ”احسان کا بدلہ یہ ہوتا ہے کہ آپ بھی کسی مجبور کے کام آئیں۔ کیا آپ ایک غریب اور امداد کے شوقین نوجوان کو ایک لاکھ روپے دے سکتے ہیں؟“
”ایک لاکھ سے بھی زیادہ دے سکتا ہوں۔ آپ اس نوجوان کا نام اور پتا بتائیں۔ میں خود اس کے گھر جاؤں گا۔“

”میں ابھی آکر رہتا ہوں۔“
میں نے معلوم کیا۔ آئی جی کے ایک ماتحت افسر نے نور زمان کی سی ماں اور بہن کی رہائش کے لئے ایک اچھے مکان کا انتظام کیا تھا۔ میں نے اس کی سوچ کے ذریعے مکان کا پتا معلوم کیا۔ پھر دسم درانی کو وہ پتا بتا دیا۔

وہ اسی وقت ایک چھوٹے بریف کیس میں دولاکھ روپے رکھ کر بیٹی سے بولا ”میں ابھی آتا ہوں۔ پھر ہم فیصل آباد کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔“

وہ ہوٹل سے باہر گیا۔ میں نے کہا ”اگر نور زمان رقم لینے سے انکار کرے تو آپ آئی جی کے ذریعے اسے رقم لینے پر آمادہ کریں اور اسے کا دیوار کرنے کا مشورہ دیں۔“

پھر میں نے شینا کے پاس آکر کہا ”تم نے مجھ سے محبت اور عقیدت ظاہر کی ہے اس لئے ایک مشورہ دیتا ہوں۔ اپنے والد کی نیازی کو پیش نظر رکھتے ہوئے کا دیوار میں ان کا ہاتھ بٹاؤ۔ فیہم پر اعتبار نہ کرو۔ خود اعتمادی سے ٹیکسٹائل ملز کی ذمہ داریاں سنبھالو۔“

”میں آپ کے مشوروں پر ضرور عمل کروں گی۔ آپ کہاں ہیں؟ کیا آپ سے ملاقات نہیں ہو سکتی؟“
”میں بہت دور ہوں۔ کبھی ایک جگہ سکون سے رہنے کا موقع نہیں ملتا ہے۔ کبھی فیصل آباد آؤں گا تو تم سے اور تمہارے والد سے ضرور ملاقات کروں گا“ ابھی مصروف ہوں اس لئے جا رہا ہوں۔“

”ذرا غصہ جائیں۔ چاہے ہمیں ہمارے شہر میں کب آئیں گے۔ لیکن دماغ میں تو آئے ہیں۔“ وہ نہ کہیں آپ آج یا کل ضرور آئیں گے۔“
”مصرفیات کا یہ عالم ہوتا ہے کہ میں خود کو بھول جاتا ہوں۔ تم سے وعدہ کر کے بھول گیا تو تمہیں دکھ ہو گا۔ اس لئے وعدہ نہیں کروں گا کوئی شراٹکا“ خدا حافظ۔“

میں وہاں سے چلا آیا۔ اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ میں کمرے سے باہر آیا۔ ایک ملازم نے کہا۔ ”صاحب! آپ کو یاد کر رہے ہیں؟“
میں ڈرائنگ روم میں آیا۔ آئی جی نے مسکرا کر پوچھا ”کیا سو رہے تھے؟“

میں نے جواباً مسکرا کر کہا ”کوئی شراٹکا تھا میرے وقت نیند نہیں آئی۔ رات کے کھانے کے بعد ہی نیند آئے گی۔“
”آپ کس وقت کھانا پھاند کریں گے؟“
”جب آپ اپنے معمول کے مطابق کھائیں گے۔ فریاد صاحب اپنے ساتھ مجھے بھی اس قدر مصروف رکھتے ہیں کہ کھانے اور سونے کا کوئی خاص وقت اور خاص اصول نہیں رہتا۔“
”تو پھر ایک گھنٹے بعد یعنی نو بجے کھائیں گے۔ آپ فریاد

صاحب کے متعلق بتائیں۔ آپ نے تو انہیں رو رو دیکھا ہو گا؟
وہ میرے متعلق بڑی دلچسپی سے سوالات کر رہا تھا۔ میں جواب دے رہا تھا۔ ایسے وقت اس کی بیٹی اچھے سے آنی پھر آئی جی سے بولی "اوہ ڈیڈ! یہاں تو تفریح کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ لندن بہت یاد آتا ہے۔"

باپ نے اس سے میرا تعارف کرایا "یہ مسٹر فراد کے معتقد خاص ہیں مسٹر ارسلان" یہ میری بیٹی راہبہ ہے۔ لندن میں رہنے کے باعث نام سکڑ کر رالی ہو گیا ہے۔
رالی نے مجھ سے کہا "پھر تو تم فراد کے ساتھ ساری دنیا کی سیر کرتے ہو گے؟"

"جی ہاں یہ میری خوش قسمتی ہے۔"
"اور میری بد قسمتی ہے کہ لندن اور پیرس سے آگے نہ جاسکیں۔ ڈیڈ نے اچانک یہاں بالیاں۔"
"ڈیڈ نے یہ بھی بتایا ہو گا کہ یودی تمہاری جان کے دشمن ہو گئے تھے۔"

"میں نہیں مانتی۔ میں نے یودیوں کو قریب سے دیکھا ہے۔ ان کے مذہب کا اور ان کے لہجہ کا بہت مطالعہ کیا ہے۔ یودی بہت زیادہ مذہب اور انسان دوست ہوتے ہیں۔"

آئی جی نے ڈانٹ کر کہا "جو اس مت کرو۔ میں رشوت خوری کی سزا پارہا ہوں۔ میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ میری بیٹی اور بیٹا یودیوں کی سرپرستی میں رہ کر اپنے مذہب کو بھول جائیں گے۔ تم بہن بھائی جب سے آئے ہو یودیوں کے گمن گارے ہو۔"

"ڈیڈ! یہ تہذیب کے خلاف ہے کہ آپ مسمان کے سامنے ڈانٹ رہے ہیں اور مجھے نالائق کہہ رہے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو باپ کا نظریہ ہو وہ اولاد کا بھی ہو۔ میں بالغ ہوں مجھے اپنی رائے اور نظریے کے اظہار کا حق ہے۔ میں وہی بات کہوں گی جسے بہتر سمجھتی ہوں۔"

وہ پاؤں پٹختی ہوئی کوٹھی کے اندر دوئی جھے میں چلی گئی۔ آئی جی نے کہا "مسٹر ارسلان! میری بیٹی اور بیٹے اپنے دین اور قوم سے دور ہو رہے ہیں۔ میں آپ کے ذریعے فراد صاحب سے استعفا کرتا ہوں کہ میرے بچوں کے ذہن کو نیلی بیٹی کے ذریعے بدل دیں۔ انہیں ہمارے دین کی طرف لے آئیں" یہ مجھ پر ایک اور احسان ہو گا۔

میں نے کہا "نیلی بیٹی اور توہمی عمل کے ذریعے وقتی طور پر اپنی طرف مائل کیا جاسکتا ہے۔ ہم صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعا اس لئے مانگتے ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی دعا قبول کرے اور راہِ راست پر لے آئے۔ آپ دعا کریں۔ فراد صاحب دعا کریں گے۔ ان سے رابطہ ہوئے تاکہ میں آپ کے بچوں کو سمجھاؤں گا۔"

روپے دینے گیا تھا۔ لیکن وہ بہت خوددار ہے۔ اس نے اتنی ہی رقم لینے سے انکار کر دیا ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں اسے رقم لینے پر راضی کریں۔ اس سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ رقم قرض ہے کاروبار چلنے کے لئے وہ قرضہ واپس کر سکتا ہے۔"

میں نے آئی جی سے کہا "اسے کسی بھی طرح سمجھا کر قرضی جاسکتی ہے۔ پلیز آپ درانی صاحب کے ساتھ جائیں۔ میں رالی کا مسئلہ حل کرتا ہوں۔"

وہ وہم درانی کے ساتھ چلا گیا۔ میں رالی کے خیالات دہن لگا۔ جیسے جیسے پڑھتا گیا "یاد ہو گیا۔ رشوت لینے والے اپنی اولاد کو ملک سے باہر بھیج کر یہ نہیں سوچتے کہ وہ صرف والدین اور وطن سے ہی نہیں اپنے دین سے بھی دور جارہے ہیں۔"

یودیوں نے رالی کو اپنے داخل میں رکھ کر اپنی تعلیمات کے ذریعے اس کا برہنہ داش کر دیا تھا۔ اس نے اور اس کے بھائی جادو نے ان کا مذہب قبول کر لیا تھا اور یہ بات اپنے باپ سے چھپائی تھی۔ اگر یہ بات میں آئی جی کو بتاتا تو وہ صدمے سے اوجھا ہو جاتا۔ اور پوری طرح شرم سے مرنے کے لئے یہ معلومات کافی تھیں کہ رالی کا فیئر یودیوں کے جوانوں سے تھا اور وہ اس بے حیائی پر شرمندہ نہیں تھی۔ کیونکہ مغربی سوسائٹی میں یہ شرم کی بات نہیں تھی۔ وہاں جتنے بوائے فریڈز ہوتے ہیں ان کی اپنی حسین اور پرکشش کمالات ہیں۔

وہ دلدل میں اتنی دھنسن گئی تھی کہ اسے نکالا نہیں جاسکتا تھا۔ اس کے وجود سے بچکر صاف نہیں کی جاسکتی تھی۔ اگر مجھ کو وہاں اور وہ یودیوں سے باز آکر اسلام قبول کر لیتی تو اسے دین واپس مل جاتا مگر اب وہ واپس نہیں مل سکتی تھی۔

میں اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ بے چارے باپ نے غلطیوں سے توبہ کر لی تھی لیکن توبہ کرنے میں دیر ہو جائے تو اندر ہو جاتا ہے۔ میں نے رالی کی سوچ میں کہا "مجھے ڈیڈ کی محبت اور شفقت کو سمجھنا چاہیے اور ان کی عزت کرنا چاہیے۔ میں پاکستان میں رہ کر خود کو یودی ظاہر نہیں کر سکتوں گی۔ یہاں کا بچہ مجھے بچہ مارے گا۔ بہتر ہے میں باپ کا دل نہ ٹوٹاؤں۔ مسلمان اور فراد بھائی بن کر رہوں یا پھر مذہب کے واپس لندن چلی جاؤں۔"

وہ سوچنے لگی "ضرور واپس جاؤں گی" یہاں تو قدم قدم پر پابندیاں ہیں۔ پتا نہیں یہاں عورتیں کس طرح زندہ رہتی ہیں۔ ڈیڈ نے جانے کی اجازت نہ دی تو میں دھوکا دے کر نیلی باؤں کی خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ دروازے پر دھک بولی تھی میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ رالی کھڑی ہوئی تھی "اندو آکر بولی "تم میرا ایک کام کرو گے؟"

"کام میرے بس کا ہو گا تو ضرور کروں گا۔"

"مسٹر فراد سے میرا رابطہ کرو۔"

"یہ بات تم اپنے ڈیڈ سے کہہ سکتی ہو۔ ان کا بھی رابطہ

ہمارے فراد صاحب سے رہتا ہے۔"

"میں ڈیڈ سے نہیں کہہ سکتی۔ میرا ایک پرسل براہم ہے۔"

"فراد صاحب میرے دماغ میں آئیں گے تو تمہارا بیٹا ہم پتھاروں گا۔"

"تم نے فراد صاحب کو رو رو دیکھا ہے؟"

"نہی بار دیکھ چکا ہوں۔"

"وہ بوڑھے ہیں یا جوان؟"

"ان کے دو جوان بیٹے ہیں۔"

"جوان بیٹوں کے ہونے سے آدمی بوڑھا نہیں ہوتا۔ میں نے چندہاپیلے ساتھ فراد نے مونیا سے شادی کی ہے۔"

"تم چاہتی کیا ہو؟"

میں نے یہ سوال کرتے ہی چونک کر کہا "وہ فراد صاحب! آپ اتنے وقت پر آئے ہیں۔ یہ میرے سامنے آئی جی صاحب کی بیٹی رالی ہے" آپ سے باتیں کرنا چاہتی ہے۔"

پھر میں جواب سننے کے انداز میں چپ ہوا اس کے بعد بولا "رالی! اپنی آواز سناؤ۔ کچھ بولو" وہ تمہارے دماغ میں آئیں گے۔"

وہ خوش ہو کر بولی "مسٹر فراد! میں تمہاری بہت بڑی فین ہوں تم سے ایک ذاتی مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا "اپنے کمرے میں چلو اور اپنا مسئلہ بیان کرتی رہو" میں منتارہوں گا۔"

وہ میرے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولی "پلے تم میرے خیالات بڑھ لو۔ میرے متعلق تمام معلومات حاصل کر لو۔ پھر آگے بات ہوگی۔"

میں تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا "اچھا تو تم یودی بن گئی ہو۔ اور یہ چاہتی ہو کہ میں نیلی بیٹی کے ذریعے تمہارے باپ کو کتاب دماغ کروں اور تمہیں یہاں سے فرار ہونے کا موقع دوں۔"

"بے شک میں یہی چاہتی ہوں۔ اگر تم نیلی بیٹی کی آنکھ سے دیکھ سکتے ہو تو میرے حسن و شباب کو ضرور دیکھ رہے ہو گے۔ میں نے سنا ہے کہ تم بے دل بیٹیک ہو۔ رہتیں مزاج ہو" میں اس ملک سے ہجرت نہ کر سکتی تھی ہمارے پاس آؤں گی اور تمہارا دل خوش کر دوں گی۔"

مگر میں نے کہا "یودیوں نے تمہیں زبردست بازواری بنا دیا ہے۔ بہنوئیں ایوی ہوگی۔ شہر کسی کا جھوٹا نہیں کھاتا اور تم تو ایسا یودی کھانا ہو" جس پر بھی مجھے جھینسا پسند نہیں کرے گی۔ تمہیں یودی مکمل ہمارک ہوگی۔"

وہ اپنی توتین پر تھکلائے لگی۔ میں اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ آئی جی کے آنے کے بعد میں نے رات کا کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر تک گاڑن میں ٹھٹھا رہا پھر کمرے میں آکر دروازے کو اندر سے بند

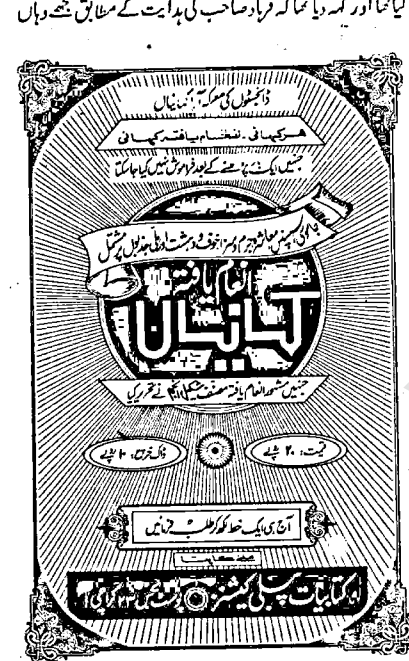
کر کے سو گیا۔

میں نے دوسری صبح صبحیہا کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ اپنی حویلی سے نکل پڑی تھی۔ ایک کار ڈرائیو کرتی ہوئی میری طرف آ رہی تھی۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ وہ اپنے بھائی سے اجازت لینے گئی تھی۔ پتا چلا وہ رات سکیں گیا ہے۔

بھائی کی عدم موجودگی میں اسے ایک تدبیر سوچی۔ اس نے ایک کانڈ پر لکھا "کافور خان! اس وقت میں نے تمہاری بہن کو غافل بنایا ہے اور وہ غفلت میں یہ خط تمہیں لکھ رہی ہے کہ فراد کو تم لوگوں پر بھروسہ نہیں ہے۔ پتا نہیں تم اس کی شرائط پر عمل کرو گے یا نہیں؟ اس لئے میں تمہاری بہن کو نیلی بیٹی کے ذریعے بر غمال بنا رہا ہوں۔ میری شرائط پر عمل کرو گے تو تمہاری بہن واپس کر دوں گا" خط راقم الحروف فرما۔"

اس نے یہ خط لکھ کر کانڈ کو اپنے بستر پر رکھ دیا۔ پھر وہاں سے چلی آئی۔ کمال کی چیز تھی مگر سے بھاگ کر آ رہی تھی لیکن بھائیوں کے قہر و غضب کو میری طرف موڑ دیا تھا کہ میں اسے غافل بنا کر لے جا رہا ہوں۔ اور وہ بے چاری اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہے۔

وہ بے چاری شام کے پانچ بجے پتھار پٹتی۔ میں نے اسے ایک رسٹ ہاؤس کی طرف ڈرائیو کرتے ہوئے آنے پر مجبور کیا تھا۔ اس رسٹ ہاؤس کا کرا میں نے آئی جی کے تعاون سے حاصل کیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ فراد صاحب کی ہدایت کے مطابق مجھے وہاں



رہتا ہے۔

مریٹا مجھے دیکھ کر خوش ہو گئی، میرانی سے بولی "میں ادھر کیسے چلی آئی؟ کیا یہ تمہارے فراد صاحب کا کمال ہے؟"

"ہاں میرے صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ تم بڑی چال بازی سے یہاں آئی ہو۔"

ہم باہمی کرتے ہوئے کمرے میں آئے، میں نے کہا "تم لمبی ذرا سو بنگ سے تھک گئی ہو۔ آرام سے لیٹ جاؤ۔ میں جا کر یہاں کے چوکیدار سے چائے لائے کو کہتا ہوں۔"

وہ بولی "ارسلان! میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میرے بھائی میرے متعلق کیا رائے قائم کر رہے ہیں۔ انہیں میرا خط ابھی ہے یا نہیں؟"

"طہیمان رکھو۔ فراد صاحب میرے داغ میں آئیں گے تو ان سے کہوں گا کہ وہ تمہارے بھائیوں کے پاس جا کر معلومات حاصل کریں۔"

میں کمرے سے باہر آیا۔ رست ہاؤس کے پیچھے ایک کوارٹر میں جا کر چوکیدار کو چائے تیار کرنے کے لئے کہا۔ پھر خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے کافور خان کے داغ میں پہنچنا چاہا تو اس نے فوراً ہی سانس روک لی۔

یاجیرت! یہ کیا ہو گیا؟ کافور خان نے میری سوچ کی لہروں کو محسوس کیا تھا۔ جبکہ اس کا داغ حساس نہیں تھا اور وہ یوگا کے سلسلے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔

میں نے پھر خیال خوانی کی پرواز کی، میرم خان کے داغ میں آیا اور آتے ہی باہر نکل گیا۔ اس نے بھی سانس روک لی تھی۔ جب دونوں نے سانس روک کر میرا راستہ روکا تو بات سمجھ میں آئی۔ دونوں بھائیوں نے کسی خوبی عمل جاننے والے کو ڈھونڈ نکالا تھا اور اس کے عمل کے ذریعے اپنے اپنے داغ کو لاک کر لیا تھا۔

پتا نہیں کسی عالم کو کمال سے چلا لائے تھے۔ مگر اپنا پناؤ خوب کیا تھا۔ اب میں ان کے داغوں میں اور ان کی خوبی میں نہیں جاسکتا تھا۔ ان سے اپنی شرائط نہیں مناسکتا تھا۔ انہوں نے اپنی دولت اور جائیداد کو بڑی کامیابی سے محفوظ کر لیا تھا۔ اور میرے لئے چیلنج بن گئے تھے کہ میں اپنے علم سے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سوں گا۔

مریٹا وہاں سے صبح ہی نکل پڑی تھی اگر وہ بھی وہاں ہوتی تو اس پر بھی خوبی عمل کیا جاتا۔ شاید میرے نصیب سے بچ کر رہتی تھی۔ چوکیدار نے آکر کہا "صاحب! دودھ ختم ہو گیا ہے۔ میں بازار سے لے کر آتا ہوں۔"

میں نے کہا "ادھر جا رہا ہے۔ چائے کو چھوڑو۔ رات کا کھانا تیار کرو۔ ہم فوجی کھائیں گے۔ اس سے پہلے دستک نہ دینا۔"

میں نے کمرے میں آکر دروازے کو بند کیا۔ وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی میں نے اس کے پاس آکر کہا "فراہ صاحب نے عجیب کی باتی۔ تمہارے بھائیوں پر کسی نے خوبی عمل کیا ہے۔ لیٹی چٹکی لہرس ان کے داغوں میں نہیں جاتی ہیں۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ فراد صاحب آئندہ میرے بھائیوں کے داغوں میں نہیں جاسکیں گے؟"

"ہاں! انہوں نے بڑی چال بازی سے لیٹی چٹکی کا راستہ روک دیا ہے۔"

وہ ہنسنے لگی، میں نے پوچھا "کیا ہوا؟" وہ ہنسنے پھٹنے پھولی "میرے بھائی لاکھوں کوڑوں میں ایک ہیں۔ فراد کے جاو کا توڑ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری دولت اور جائیداد محفوظ ہو گئی ہے۔ تمہارے فراد صاحب میرے بھائیوں کو یہاں آنے سے بھی نہیں روک سکیں گے۔ ہماری یہاں کی جانکوار بھی محفوظ رہے گی۔"

وہ ہنس رہی تھی خوش ہو رہی تھی اور مارے خوشی کے کچھ مہراں ہوئی جا رہی تھی۔ مجھے پتا نہیں جا کہ کتنا وقت گزرا ہے۔ دروازے پر دستک سن کر یاد آیا کہ چوکیدار نے کھانا تیار کر لیا ہے اور ٹھیک فوجی دروازے پر آیا ہے۔ پھر میں نے خیال خوانی کے ذریعے بھی معلوم کیا کہ وہ بند دروازے کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔

باہر چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے کمرے کی لائٹ آن نہیں کی۔ دروازے کو کھول کر پوچھا "دوئی تیار ہے؟"

"جی صاحب! اے آؤں؟" میں کہنے والا تھا "اے آؤ" لیکن کہہ نہ سکا۔ اچانک غامض کی آواز کے ساتھ کہیں سے گولی سنائی دینی لگی۔ میں اچانک کر دوڑ کر فرش پر جا کر آکر کمرے کی تاریکی میں مجھے چھپا لیا تھا۔ لیکن وہ گولی تھی۔ اس کے بعد گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ چوکیدار کی سٹائی دی۔ میں فرش پر لٹکا ہوا آیا پھر دروازے کو ایک لالٹ ماری۔ وہ ایک دھڑاکے سے بند ہو گیا۔

باہر سے کافور خان کی آواز سنائی دی "فراد! میں نے قہقہے چوہے دان میں بند کر دیا ہے۔ اب تمہاری لاش ہی یہاں سے نکلے گی۔"

مریٹا دوڑتی ہوئی میرے پاس آئی۔ اسی وقت باہر سے کافور خان نے دروازے کو لالٹ ماری۔ دروازہ پھر کھل گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے نازک لالٹ ماری۔ پھر ایک گولی سنائی دینی لگی اور مریٹا بھائی سے خوف زدہ ہو کر مجھ سے پلٹنے آئی تھی۔ گولی ان کی گئی۔ اس کے حلق سے آخری چیخ نکلی۔

دوسری بار مریٹا نے پناہ۔ خدا ایسا بھی بابر تو بچانے؟ تیسری بار یو آ آخری بار میں دعا ہی رہ جاتی ہے۔

اسے گرفت میں لیتے ہی جوالی ناز کیا۔ کافور خان کی چیخ سنائی دی۔ وہ اچھل کر برآمدے کے فرش پر گر کر۔ پھر زینے پر سے لڑکتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

چونکہ وہ چاندنی میں تھا۔ اس لئے میں نے اسے گولی کھا کر گرتے دیکھا تھا۔ گولی اس کی ران میں پھنسی ہو گئی تھی۔ وہ تکلیف کی شدت سے تڑپ رہا تھا۔ ایسے میں سانس نہیں روک سکتا تھا۔ اس کی سوچ کے ذریعے معلوم ہوا اس کے چھ مسلحہ تاخت ہیں جو رست ہاؤس کے چاروں طرف موجود ہیں۔ اپنے آقا کے گرتے ہی وہ تمام تاخت نازک کرتے ہوئے رست ہاؤس کے سامنے آئے تھے۔ ان میں سے دو تاخت اسے اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ میں نے دوبارہ جوالی نازنگ کی جس کے نتیجے میں وہ برآمدے تک آنے کی جرات نہ کر سکا۔ شہر کی بڑا ہوا میدان جنگ تمام میرے اس وقت تک لڑتے ہیں جب تک بادشاہ سلامت رہتا ہے۔ جب انہوں نے زخمی بادشاہ کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا تو نازنگ کرنے والوں نے بھی میدان چھوڑ دیا۔ وہاں سے بھاگتے ہوئے گاڑی میں آکر بیٹھ گئے۔ کافور خان تکلیف سے کراہتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "جلدی کرو۔ مجھے اسپتال پہنچاؤ۔ یہ گولی کٹاؤ۔ میں فراد کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

میں رست ہاؤس سے باہر آیا۔ برآمدے میں چوکیدار کی اور مریٹا کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ مسلسل نازنگ کی آوازیں رات کو دور تک گونجنی لگی تھیں۔ قہقہے سے پولیس والے دوڑے آئے تھے میں رست ہاؤس کے عقب میں دوڑنا چلا گیا۔ کسی کی نظروں میں نہیں آیا۔ خواہ مخواہ قتل کے کیس میں الجھنا مناسب نہیں تھا۔

میں ایک رکشا میں بیٹھ کر ریلوے اسٹیشن کی سمت جانے لگا۔ راستے میں آئی جی کو رست ہاؤس کی روداد سنا گیا۔ اس نے کہا "میں وہاں کے معاملات سن رہا ہوں گا۔ یہ آپ نے اچھا کیا کہ ارسلان کو رست ہاؤس سے ہٹا دیا وہ کہاں ہے؟ اسے میری کوٹھی میں رہنا چاہئے۔"

"میں اسے اپنے معاملات میں مصروف رکھوں گا۔ وہ یہاں دوسرے سوہو میں رہے گا۔ کسی کو نظر نہیں آئے گا۔ میں پھر کسی وقت رابطہ کروں گا۔"

میں ریلوے اسٹیشن کے قریب ایسی جگہ رکشا سے اتر گیا جہاں خاصی تاریکی تھی۔ میں نے کراہ ادا کیا۔ وہ آگے چلا گیا۔ میں نے آنکھوں سے ہنسنے لگاں لے "موتیچیں بنادیں" سر کی دگ آتاری! اس طرح چہرہ کی حد تک تبدیل ہو گیا۔ یہ احتیاط ضروری تھی۔ جو دشمن نیلی بیٹھی جانے والا مریٹا کے ذریعے رست ہاؤس میں میری موجودگی کو سمجھتا رہا تھا۔ اسے یقین ہو گا کہ فراد ابھی شاد میں ہے اور وہ یقیناً مجھے دوبارہ گھیرنے کی سازش کر رہا ہوگا۔ یا کوئی چال چل

کافور خان کے ساتھ اس کا بھائی بیرم خان نہیں تھا۔ کیوں نہیں تھا یہ جاننے کے لئے میں نے کافور خان کے خیالات پڑھے۔ اسے ایک اسپتال کے آپریشن تھیمیر میں پھنسا گیا تھا۔ اس پر بے ہوش طاری ہو رہی تھی۔ اس کے بے ہوش ہونے سے پہلے ہی میں نے معلوم کیا۔ اس کا بھائی بیرم خان دو مسلح ہتھیاروں کے ساتھ رست ہاؤس کے پیچھے چوکیدار کے کوارٹر سے ذرا دور چھپا ہوا تھا۔ دشمن خیال خزانہ کرنے والے نہ دونوں بھائیوں سے لگتا تھا "فریاد" کچھ تو حاضری داغ ہے اور کچھ قسمت کا دشمن ہے۔ مضبوط حصار کو توڑ کر نکل جاتا ہے۔ اگر وہ رست ہاؤس سے بچ نکلے میں کامیاب ہو گا تو پچھلے حصے سے فرار ہو گا کیونکہ رست ہاؤس کے آگے کچھ فاصلے پر پولیس اسٹیشن ہے۔

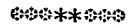
اس پلاننگ کے مطابق بیرم خان دور چھپا ہوا تھا۔ دشمن خیال خزانہ کرنے والے نے درست سوچا تھا۔ میں اسی راستے سے فرار ہوا تھا لیکن بیرم خان نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔ بڑے بھائی کو باپ سمجھ کر محبت کرتا تھا۔ اسے کوئی شک نہ تھا کہ وہ بھی اپنے بھائی کے پیچھے اسپتال پہنچ گیا تھا۔ کافور خان نے کراہتے ہوئے کہا تھا۔ "جان برادر! تم نے غلطی کی۔ تمہیں وہاں فریاد کو ٹھیک کرنا چاہیے تھا۔"

"برادر! ابھی تمہیں خون کی ضرورت ہوگی۔ پہلے میں تمہیں خون دوں گا پھر اس دشمن کو جنم میں پچاؤں گا۔ وہ چھپ نہیں سکے گا۔ میں اسے ذبح کر دوں گا۔"

اس کے بعد کافور خان کو آپریشن تھیمیر میں لایا گیا تھا۔ میں اس کے خیالات بڑھ رہا تھا۔ اس کی سوچ میں پوچھ رہا تھا کہ اس کے دوست ٹیلی پیجی جانتے والے کا نام کیا ہے اور وہ کس ملک سے تعلق رکھتا ہے؟

وہ جواب نہ دے سکا۔ اسی وقت بے ہوش ہو گیا۔ اب مجھے کسی طرح بیرم خان کے دماغ میں پہنچنا تھا اور اس دشمن خیال خزانہ کرنے والے کو پھنسا دینا تھا۔ پھر یہ بھی فکر تھی کہ وہ کمینٹ نور خان کو اس شرمیں ڈکھائے گا تو اس کے پورے کنبے کو قتل کر دے گا۔ اس سے پہلے ہی دونوں بھائیوں کو اس شر سے بچا دینا تھا۔ اس کا قصہ تمام کر دینا ضروری تھا۔

اور میری چھٹی حس کہہ رہی تھی۔ یہ صرف دو بھائی دشمن نہیں ہیں۔ اس ٹیلی پیجی جانتے والے دشمن نے بتائیں اور کتنے جوانوں کو آلودہ کرنا کراس شرمیں پہلایا ہے۔ وہ سکتا تھا، میں بیرم خان کو فریب کرنے جاتا تو خود کسی اندیشے میں آجاتا۔ اب مجھے چھوٹک چھوٹک کر قدم رکھنا تھا۔ ناپیدہ خطرات بڑھ گئے تھے۔



اس سربراہی میں چوٹا دینے والی شادی میں دلن پامیلا

تھی اور دلہا علی تیمور تھا۔ یہ شادی بڑی جلدی میں ہوئی تھی۔ جلدی اس لئے تھی کہ علی تیمور عرف کارمن بیرالڈ شادی کے معاملے کو ایک مہر سے نال رہا تھا۔ جب اس نے اچانک شادی کا ارادہ کیا تو پامیلا کے ماں باپ نے پوچھا۔ "جو میں تمہیں کے اندر شادی کیسے ہو سکتی ہے؟"

علی نے کہا "رشتے داروں اور دوست احباب کو انوشیہ کارڈ بھیجیے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ فون پر سربراہی میں کی دعوت دیں۔"

دراصل علی کو دلن سے دلچسپی نہیں تھی وہ جلد سے جلد وہاں کے ایکٹر ٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے پرائیویٹ شعبے میں پہنچنا چاہتا تھا۔ پامیلا کا باپ راجرموس اس پرائیویٹ شعبے کا نچانچ تھا۔ اپنے ہونے والے داماد کو حق دلا کر اپنے شعبے میں لانا چاہتا تھا۔

اور علی کو جلدی تھی وہ اس خفیہ شعبے میں رہ کر بجلی کے کنکشن کے ذریعے گولڈن بریڈ کے خفیہ ڈاؤس تک پہنچنا چاہتا تھا۔ ادھر پامیلا نے سوچا "کارمن (علی) بڑے انتظار کے بعد شادی کے لئے راضی ہوا ہے۔ اس لئے ایک دن کی بھی دیر نہ ہو۔ شادی فوراً ہو جائے۔"

دوسری طرف پامیلا کے ماں باپ نے دیکھا۔ بیٹی کارمن کی دیوانی ہو رہی ہے اور کارمن نہایت ہی شریف جوان ہے تو انہوں نے بھی دیر نہیں کی۔ دونوں کی شادی کر دی۔ علی پامیلا کو دلن بنا کر اپنے بنگلے میں لے آیا۔

شادی کا مطلب ہے خوشی، لیکن دلہا دلن کے درمیان پہلی رات کی خوشی نہیں تھی۔ علی نے پامیلا کو اپنی بیدار نشی سے لے کر جوان ہو کر شادی کرنے تک کی ایک من گھڑت کہانی سنائی تھی کہ دلن اسٹند یار نے پیش گوئی کی ہے اگر کارمن شادی کی پہلی رات دلن کی سچ پر جائے گا تو مہرانے گا اور اگر اپنی موت کے خوف سے شادی نہیں کرے گا تو مہرانے والی دلن مہرانے گی۔

من گھڑت کہانی کے مطابق دلن اسٹند نے اس مسئلے کا یہ حل پیش کیا تھا کہ شادی کے بعد میاں بیوی چالیس راتوں تک ایک دوسرے سے دور رہیں اور اس کے بعد ازدواجی رشتہ قائم کریں و موت مل جائے گی۔

علی نے یہ کہانی اس لئے بنائی تھی کہ وہ دھوکے سے شادی کر رہا تھا۔ اسے گولڈن بریڈ تک پہنچنا تھا لیکن شادی کا فریب دے کر وہ پامیلا کی عزت سے کھیلنا نہیں چاہتا تھا۔ اپنا مقصد پورا کرنے تک وہ اس سے دور رہنا چاہتا تھا۔

اب وہ دلن بن کر کمرے میں آئی تو پاس ہوتے ہوئے بھی اس سے دور تھی۔ حسرت سے اپنے محبوب کو دیکھ رہی تھی۔ جواب شوہر بن گیا تھا اور وہ شوہر کے گلے نہیں لگ سکتی تھی۔ علی نے کہا "میں تمہارے جذبات کو سمجھ رہا ہوں۔ تم بھی سمجھو کہ میں ایک مرد ہوں اور تم سے دوری کیسے برداشت کر رہا ہوں۔"

"تم زبردست قوت ارادی کے مالک ہو۔ مگر میں کمزور ہوں۔ تمہاری دیوانی ہوں۔ تمہارے ساتھ شادی کی رات کے کیسے کیسے رنگین خواب دیکھتی رہی ہوں۔ آج جاگتی آنکھوں سے سناگ کی جج تک آئی ہوں لیکن خواب کی تعبیر نہیں ملے گی۔ کیا ہم ایک ہی کمرے میں ثابت قدم رہ سکیں گے؟"

"ایک کمرے میں رہنا ضروری نہیں ہے لیکن ایک چھت کے نیچے رہنا ضروری ہے تاکہ رشتے داروں اور دوسرے لوگوں کو ہماری چالیس دنوں کی دوری دکھائی نہ دے۔"

"میں کل سے بت سوچتی رہی کہ تمہارے ساتھ ایک چھت کے نیچے دن کو کسی طرح گزاروں گی۔ شاید رات نہ گزارا سکوں۔ چالیس راتیں گزارنے کا ایک ہی طریقہ سمجھ میں آیا۔ میں اپنے ساتھ نیند کی گولیاں لاتی ہوں۔"

علی نے پریشان ہو کر اسے دیکھا پھر کہا "نہیں پامیلا! میں نہیں چاہتا تھیں خواب آور دواؤں کی عادت نہ بن جائے۔"

"پڑنے دو۔ اسی طرح سوئے دو۔ جاگتی رہی تو تمہیں بکاؤں گی۔"

"تص اس معاملے میں فواد ہوں۔ تم مجھے بکا نہیں سکو گی۔"

ویسے میں گمری نیند سونے کا طریقہ جانتا ہوں۔ اس پر عمل کرو گی تو فوراً نیند آجائے گی۔"

"وہ طریقہ کیا ہے؟"

اس نے بتایا کہ کس طرح ہسٹریٹ کر جسم کو ڈھیلا چھوڑ کر کس طرح دماغ کو ٹھہر ٹھہر کر ہولے ہولے دیات دینی چاہئیں۔ پوری توجہ کے ساتھ دماغ کو دیات دی جائیں تو نیند آجائی ہے۔ اس دوران لیٹی نے آکر اس سے کہا "میں پامیلا کے دماغ میں رہ کر یہ باتیں سن رہی ہوں۔ مجھے معلوم تھا کہ اسے آسانی سے نیند نہیں آئے گی۔ ہر حال اطمینان رکھو میں اسے خواب آور دوا استعمال نہیں کرنے دوں گی اسے اپنے طور پر سلا دوں گی۔"

پامیلا نے علی سے پوچھا "کیا اس طریقہ سے تمہیں نیند آجائی ہے؟"

"بے شک میں آؤمہدہ طریقہ بتا رہا ہوں۔"

"اور اگر نیند نہ آئے تو؟"

"میں دوسرے کمرے میں جا رہا ہوں۔ نیند نہ آئے تو مجھے آواز دینا۔ میں یہاں آکر تمہیں سلاؤں گا۔"

"نہیں! تمہیں سے کہہ رہے ہو تو جاؤ۔ میں سونے کی کوشش کرتی ہوں۔"

علی دوسرے کمرے میں گیا۔ پامیلا ساگ کی سچ پر آکر دلہا کے بھرتی ہوئی۔ دل اور دماغ پر کھوارے بن کا پوچھ رہا تھا۔ جب تک یہ لہجہ نہ اتر آئے اس نیند نہ آئی۔ خواہ وہ ہزار بار دماغ کو دیات دیتی ہمارا ساگن کی طرح جاگتی رہتی۔ صرف ٹیلی پیجی ہی اسے تھک سکتی تھی۔ لیٹی نے اسے تھک

تھک کر سلا دیا۔ وہ ذرا سی دیر میں گمری نیند سو گئی۔ اس نے علی کے پاس آکر کہا "وہ بے خبر سو رہی ہے۔ میں ہر رات اسی طرح اسے سلا دیا کروں گی اور کوئی کام ہو تو بتاؤ۔"

"شکریہ ای! آپ آرام کریں میں صبح چھ بجے تک سوتا رہوں گا۔"

"تھک ہے میں سات بجے آؤں گی۔" وہ چلی گئی۔ علی ایک ایسی چیز پر آرام سے نیم دراز تھا۔ اسے بھی سو جانا چاہئے تھا لیکن ماں کا انتظار تھا۔ رسونی ہر رات گیارہ بجے اس کی تحریرت معلوم کرنے آتی تھی۔ کچھ دیر بیٹے سے باتیں کرتی تھی۔ پھر مطمئن ہو کر چلی جاتی تھی۔

وہ تھک وقت پر آئی۔ بیٹے نے سلام کر کے خیریت پوچھی اس نے ڈھیر ساری دعامیں دیں۔ پھر کہا "تم مجھے دیکھ کر گھٹے تھے۔ میں صحت مند ہوں۔ تمہارے ساتھ جو میل کی دوڑ لگا رہی تھی۔ آج کل تین میل تک دوڑتی ہوں اور آؤمے کھتے تک سانس روکتی ہوں۔ کیا تمہاری مشقیں جاری ہیں؟"

"جی ہاں! آج صبح آٹھ کروڑ پش کروں گا۔"

"بیٹے! آج تو ہسٹریٹ رات ہے۔ کیا میری ہوسو رہی ہے؟"

"جی ہاں۔ ابھی ای اسے سلا کر گئی ہیں۔"

"ویسے یہ مجھے پسند نہیں ہے۔ میرے ارمان دل ہی میں رہ جاتے ہیں۔ پہلے ٹائی کو بوسنا چاہا تو تم نے کہا دو برس بعد شادی کرو گے اور اب پامیلا سے شادی کر کے بھی اسے میری ہوس نہیں بنا رہے ہو۔"

"آپ جانتی ہیں میں اور ٹائی ایک دوسرے کو کس قدر چاہتے ہیں اور ہم ہر معاملے میں ایک دوسرے کے ہم مزاج ہوتے ہیں۔ وہ صرف وہی میری شریک حیات بنے گی۔ ہماری زندگی ازدواجی رشتے کا بہترین نمونہ ہوگی۔ جہاں آپ نے اتنا صبر کیا ہے۔ کچھ عرصہ اور صبر کر لیں۔"

"کچھ عرصہ کا مطلب پچیس برس بھی ہوتے ہیں۔"

"اما! اسے عرصہ نہیں مدت کہتے ہیں اور اتنی مدت نہیں لگے گی۔"

"تم کیسے کہہ سکتے ہو۔ ٹائی ادھر جان لیوڑا کی سرپرستی میں ہے۔ چاہئیں کب ٹرانسفا رمر مشین سے گزرے گی اور کب دوبارہ ہمارے ہاتھ آئے۔ تم انتظار میں بوسے ہو جاؤ گے اور میں دنیا سے گزر جاؤں گی۔ اپنی گود میں پوتے پوتیوں کو کھلانے کی حسرت لے کر جاؤں گی۔"

"میں یہ باتیں نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوئی تو آپ اور سو برس نہیں گئیں گی۔"

"اچھا یہ بتاؤ شادی کے وقت دلن کیسے لگ رہی تھی؟"

"میں نے دلہا کی نظر سے نہیں دیکھا پھر کیا بتاؤں وہ کیسی لگ رہی تھی؟"

”بیٹے! اتنی شرافت اچھی نہیں ہوتی۔ پھر اسے دلہن سمجھنا کوئی بد معاشری نہیں ہے۔ تم نے قانون کے مطابق شادی کی ہے۔ میری ایک بات مان لو۔“

”بات ماننے والی ہو تو حکم دیں۔“

”کیا مانے تم سے غلط بات منوانے کی؟“

”آپ حکم دیں گی کہ میں پامیلا کو چھ آپ کی سہو بنا دوں۔“

”وہ جگہ ہے۔ تم چاہتی اسے انکار کر رہے ہو۔“

”میں اس کوتاہی کی بہتری کے لئے کر رہا ہوں۔“

”کیا بہتری کر رہے ہو؟ اپنا مقصد پورا ہونے ہی اسے روکنے اور آپس بھرنے کے لئے چھوڑ جاؤ گے پامیلا کے دل میں بیٹھ کر سٹو جنس اپنی ماں کی دھڑکنیں اور محرومیاں سنائی اور دکھائی دیں گی۔ جب بھی تمہارے پیلا مجھ سے دور ہو جاتے تھے۔ میں ویران ہو جاتی تھی۔ تم یہی ویرانی میری سو کے نصیب میں لکھنے والے ہو۔ وہ تمہارے نام پر بیٹے اور مرے لکھے ہیں۔ تم اسے اندر سے مار کر جاؤ گے۔“

”وہ! آپ! اب مجھے جذبات میں الجھ رہی ہیں۔“

”میں جذبات سے نہیں اخلاق اور انسانیت کے حوالوں سے بولی رہی ہوں۔“

”انسانیت کا تقاضا ہے کہ میں اسے حقیقت بتا دوں چاہے میں حقیقت معلوم ہونے کے بعد اس کے دل میں میری محبت رہے گی یا نہیں لیکن کام بگڑ جائے گا۔“

”کام نہیں بگڑے گا۔ میرا مشورہ ہے، جب تک گولڈن برنز کا سراغ نہ ملے اپنی حقیقت چھپاؤ۔ کامیاب ہونے کے بعد میری سہو کو دھوکا دے کر نہ جاؤ۔ اسے صاف صاف بتا دو کہ تم مسلمان ہو۔ اگر وہ راضی خوشی اسلام قبول کرے گی تو تم اسے ساری زندگی کے لئے قبول کر دو گے۔ لیکن میں ہے جب اسے معلوم ہوگا کہ تم نے اس کی عزت رکھنے کے لئے اسے قریب دیا تھا تو وہ ضرور تمہاری عزت کرے گی۔“

”اور اگر عزت نہیں کرے گی۔ محبت کے بجائے دشمنی پر آمادہ ہوگی تو پھر میں اسے چھوڑ کر روپوش ہو جاؤں گا اور یہاں سے چلا جاؤں گا۔“

”ہاں اپنی اصلیت ظاہر کرنے کے بعد تمہارا اخلاقی فرض ادا ہو جائے گا۔“

”آپ بہت اچھی ہیں! میں آپ کے مشورے پر عمل کروں گا۔“

”میں اپنی سہو کے خوابیدہ دماغ کو چم کر ابھی آتی ہوں۔“

رسوئی وہاں سے خیال ڈالنی کی پروا نہ کرتے ہوئے پامیلا کے دماغ میں پہنچ گئی۔ وہ اسے مخاطب نہیں کر سکتی تھی کیونکہ کارمن کی کوچہ ماں نہیں تھی۔ وہ سناں کی حیثیت سے پتہ بول نہیں سکتی تھی۔ پھر یہ کہ وہ ٹیلی ویژن کے ذریعے سلامتی گئی تھی۔ اسے مخاطب

نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اور اس کی یہ خاموشی سو مدد ثابت ہوئی۔ اس وقت پامیلا کے خوابیدہ دماغ میں کوئی بول رہا تھا۔ ”آج تمہاری ساگ رات ہے اور تم آدھی رات کو ہی سو گئی ہو۔ یہ معاملہ کیا ہے؟“

پامیلا کی خوابیدہ سوچ نے پوچھا ”تم کون ہو؟“

اس سوال نے رسوئی کو سمجھایا کہ دماغ میں آنے والا پامیلا کے لئے اجنبی ہے اور آدھی رات کی باراس کے پاس آیا ہے۔ آنے والا کہہ رہا تھا ”میں کوئی بھی ہوں تم مجھے نہیں جانتی ہو اور نہ ہی کبھی جان سکو گی۔“

رسوئی نے پامیلا کے دماغ کو اپنے قلوب میں رکھتے ہوئے اس کی سوچ میں کہا ”اپنے حلقے نہ بتاؤ۔ یہ تو بتاؤ مجھے کیسے جاننے ہو؟“

”میں تمہارے باپ کو بھی نہیں جانتا تھا۔ شام کو تمہارے بیٹے کے سامنے شادی کی چل پل دیکھی وہاں اعلیٰ حکام اور اعلیٰ فوجی افسران کی بھی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اس بیٹے کا کس راجرموس بہت اہم شخص ہے۔ جس کے گھر اسرائیل کی بڑی بڑی شخصیتیں پہنچی ہوئی ہیں۔“

وہ ایک ذرا توقف سے بولا ”پھر میں تمہاری شادی میں بن بلائے مسلمان کی طرح گیا۔ یہ معلوم کیا کہ تمہارا باپ الیکٹرک ٹیل ڈیپارٹمنٹ کے ایک خفیہ شعبے کا انچارج ہے۔ یہ بڑی جرنلی کی بات ہے۔ بجلی کے شعبے کے ایک عہدیدار کے ہاں اس ملک کے تمام خالص ٹیکنکس جمع ہو گئے ہیں۔ میں نے تمہارے باپ کے دماغ میں جانا چاہا اس نے سانس روک لی۔“

پھر وہ ذرا رک کر بولا ”پھر میں تمہارے دلہا کے پاس گیا۔ اس نے بھی سانس روک لی۔ دوسرے تمہارے دماغ میں جگہ مل گئی۔ کیا یہ حیرانی کی بات نہیں ہے کہ ایک ہی ڈیپارٹمنٹ کے سرورٹا دیو گے کے باہر ہیں۔“

رسوئی نے پامیلا کے ذریعے کہا ”اس میں تعجب کی بات کیا ہے۔ کیا ایک پولوان کسی جوان پولوان کو اپنا داماد نہیں بناؤ؟ کیا ایک سی گھر میں دو چار سیاست دان نہیں ہوتے؟“

”ایسا ضرور ہوتا ہے لیکن تمہارے لئے حاکموں اور جنرلوں کے رشتے آ رہے تھے تمہارے باپ نے کارمن کو کیوں داماد بنا لیا جس کا کوئی خاص خاندانی بیک گراؤ نہ نہیں ہے۔“

”کارمن میری پسند ہے۔ میرا محبوب ہے۔“

”میں نے شام کو تمہارے چور خیالات پر سے تھے کوئی خاص راز کی بات معلوم نہ ہو سکی۔“

”تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟“

”جو معلوم کرنا چاہتا ہوں وہ تمہارا دماغ نہیں بتائے گا۔ مجھے شبہ ہے کہ تمہارے دماغ کو لاک کیا گیا ہے۔ میں ابھی تم پر عمل کروں گا، تمہیں اپنی معمولی بناؤں کا تو مشغل راز باہر آجائے گا۔“

وہ پامیلا پر عمل کرنے لگا۔ رسوئی اس کی پشت پر تھی وہ محلو نہیں بن سکتی تھیں لیکن ظاہر کر رہی تھی جیسے عامل کے رانس میں آ رہی ہے اور اس کی معمول بن رہی ہے۔ جب اس جینی ٹیلی ویژن جانے والے کو یقین ہو گیا کہ وہ پوری طرح معمول ن بن چکی ہے تو اس نے پوچھا ”کیا تمہارا باپ راجرموس اور شوہر کارمن کچھ پراسرار لگتے ہیں؟“

وہ بولی ”پراسرار تو نہیں البتہ ریزرو رہتے ہیں بہت کم گو ہیں۔ میرے باپ کی بہت سی عادتیں کارمن میں ہیں اسی لئے میں سے بہت جانتی ہوں۔“

”کیا سرکاری ملازمت کے علاوہ بھی ان کی کچھ سرگرمیاں ہیں۔“

”ان کی ڈیوٹی کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ وہ آدھی رات کو بھی فون کال سن کر ڈیوٹی پر جاتے ہیں۔“

”کیا کارمن آدھی رات کے وقت بھی دلہن کو چھوڑ کر ڈیوٹی پر گیا ہے۔“

”شاید گیا ہے۔ میں ابھی سو رہی ہوں، میری آنکھیں بند ہیں۔ میں یہ دیکھ نہیں سکتی کہ وہ میرے بستر موجود ہے یا نہیں؟“

”اب میں تمہیں جو حکم دوں گا تم اس پر عمل کرو گی۔“

”عمل کروں گی۔“

”میں نے اس بیٹے کے بیرونی دروازے کے پاس ایک چھوٹی سی شیشی رکھی ہے۔ تم حج کارمن کی چائے میں اس شیشی کے دو قطرے ڈالو گی۔“

”میں کارمن کی چائے میں اس شیشی کے دو قطرے ڈالوں گی۔“

”تم ایک گھنٹے تک خوشی خند ہونے کے بعد انٹرویو بیرونی دروازہ کھول کر وہ شیشی فرش پر سے اٹھا کر کمرے میں واپس آؤ گی اور شیشی کو چھپا کر رکھو گی۔“

پامیلا نے حکم کی قلیل کا وعدہ کیا۔ وہ بولا ”تمہارا باپ راجرموس تم سے ملنے آئے گا۔ یہ تمہارے چھوٹے ملا کے باؤڈ گی۔“

”وہ وہاں ہے؟ میں اسی شیشی کے دو قطرے ملا کے باؤڈ گی۔“

پھر اس نے پامیلا کو ایک گھنٹے تک گہری نیند سونے کا حکم دیا۔ رسوئی نے علی کے پاس آکر اسے اجنبی ٹیلی ویژن جانے والے کی تمام روداد سنائی۔ علی نے یہ سننے کے بعد بیڑا لے کے انداز میں کہا۔ ”یہ کون شخص ہے۔ ہماری ٹوہ میں کیوں لگا ہے؟“

رسوئی نے کہا ”وہ شام کو تمہاری شادی کی تقریب میں موجود تھا کہ وہ اسی شیشی میں رہتا ہے۔“

”اما! آج کل تمام ٹیلی ویژن جانے والے اسے محتاط ہو گئے ہیں کہ جہاں ٹیلی ویژن کا کھیل کھیلنے ہیں وہاں خود موجود نہیں رہتے۔ اپنے آلہ کاروں کے ذریعے واردات کرتے ہیں۔ جان لہوڑا اپنے خیال خواتین کرنے والے ماتحتوں کو ان کی پتاہ گاہ سے نکلنے

نہیں دیتا ہے۔ ساک میں بھی اپنے اکلوتے خیال خواتین کرنے والے کو ساک سے باہر جانے نہیں دے گا۔ یہاں جو بھی خیال خواتین کرنے والا آیا تھا اور میری شادی انٹریڈ کی تھی اس کا تعلق بیوروں سے ہے۔ گولڈن برنز کے ماتحت رہنے والوں میں سے کوئی ٹیلی ویژن جانے والا باقی ہو گیا ہے۔ وہ اسرائیل کی اہم شخصیتوں تک اور گولڈن برنز تک پہنچنا چاہتا ہے۔“

”تمہارا یہ اندازہ بڑی حد تک درست لگتا ہے۔ پچھلے دنوں گولڈن برنز نے اپنے ایک ٹیلی ویژن جانے والے جنرل پارکن کو سزا دی تھی اسے اس کی رہائش گاہ میں نظر بند رکھا تھا۔ معلوم ہوتا ہے یہ قید سے نکل بھاگا ہے۔“

”اما! آپ کسی حاکم کے خیالات پڑھ کر کچھ معلوم کر سکتی ہیں۔“

”ٹھیک ہے میں ابھی آتی ہوں۔“

وہ ایک حاکم کے دماغ میں آئی۔ وہ سہو تھا۔ اس کے خوابیدہ خیالات نے بتایا کہ پچھلے بیس گھنٹے سے جنرل پارکن لاپا ہے۔ وہ اپنے بیٹے میں نظر بند تھا۔ ٹیلی ویژن کے ذریعے پھر اداوں کو فرپ کر کے فرار ہو گیا ہے۔ پورے ملک کے جاسوس چھوٹے بڑے مشروں میں اسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔

ماں نے بیٹے کے پاس آکر یہ باتیں بتائیں۔ علی نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا ”اما! پندرہ منٹ کے بعد پامیلا کی خوشی نیند کا ایک گھنٹا پورا ہو جائے گا۔ جنرل پارکن یہی سمجھ رہا ہے کہ خوشی عمل کامیاب ہوا ہے۔“

”ہاں وہ یہی سمجھ رہا ہے۔“

”وہ پامیلا کے دماغ میں آکر ہمارے بیٹے کے باہر چھپ کر یہ ضرور دیکھے گا کہ وہ بیرونی دروازہ کھول کر شیشی اٹھائے گی یا نہیں۔“

”بیٹے! میرا خیال ہے وہ پامیلا کے دماغ میں یہ کر رہی ہے معلوم کرے گا۔“

”پھر مجھ میں چھپ کر باہر جا رہا ہوں۔ جب آپ کو یقین ہو جائے کہ وہ پامیلا کے پاس نہیں ہے تو آپ میرے پاس آجائیں۔ اس کے بعد جو کرنا ہے وہ میں آپ کو بتاؤں گا۔“

وہ کمرے سے نکل کر بیٹے کے پچھلے بے طرف جانے لگا۔ رسوئی وقت کے مطابق پامیلا کے پاس آئی۔ اسے ٹھیک ایک گھنٹے بعد بجایا وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بیٹے سے اتڑ کر چلتی ہوئی کمرے سے باہر آئی پھر آگے بڑھتی ہوئی بیرونی دروازے تک پہنچی۔ اسے کھول کر بیٹے فرش پر دیکھا وہاں ایک شیشی رکھی ہوئی تھی۔ پامیلا نے اسے اٹھالیا۔ دروازے کو دوبارہ بند کر کے کمرے کی طرف واپس جانے لگی۔

اس کی سوچ نے کہا ”مجھے کارمن کے کمرے میں جھانک کر دیکھنا چاہئے وہ سہو ہے یا جاگ رہا ہے۔“

اسکی سوچ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یارکن ہاسٹل کے ذریعے کارمن کی مصروفیات معلوم کرنا چاہتا ہے۔ ہاسٹل کھڑکی کے پاس آئی وہ بند تھی اندر پردہ پڑا ہوا تھا۔ پھر وہ دروازے کے پاس آئی وہ اندر سے لاک تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ دوسری بار بھی دستک دینے سے دروازہ نہ کھلا تو رسوٹی نے اس کی سوچ میں کہا "اچھا سمجھ گئی کارمن! میری جیسی کال پر ڈیوٹی لے لئے گیا ہے۔" اس بات سے جزل پارکن کو اطمینان ہو گیا ہو گا۔ رسوٹی نے ہاسٹل کو کمرے میں لا کر اسے بستر پر لٹایا شیشی کو تھیکے کے نیچے رکھوایا۔ پھر اس کی آنکھ بند کرانی۔ اسے نیند کی آغوش میں پھانپانے لگی۔ علی بنگلے کے پچھلے حصے سے نکل کر اگلے حصے کی طرف گیا تھا۔ ایک جگہ چھپ کر دیکھ رہا تھا۔ اس کے بنگلے کے سامنے کھلی کے راستے پر ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ کوئی یہ دیکھنے آیا تھا کہ ہاسٹل دروازہ کھول کر شیشی پھانپاتی ہے یا نہیں؟ علی جھٹکا ہوا دے قدموں سے کار کے قریب پہنچا۔ سرانگہا دیکھا اندر کوئی نہیں تھا۔ پچھلا دروازہ بند تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ والا دروازہ کھلا تھا۔ وہاں سے کوئی نکل کر کارمن کے بنگلے کے احاطے میں گیا ہو گا۔

اس نے اندر ہاتھ ڈال کر پچھلے دروازے کو کھولا اور پھر اندر آکر دروازے کو بند کر کے اگلی پچھلی سیٹوں کے درمیان لیٹ گیا۔ اس کا راکٹ بالک جزل پارکن نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر وہ ہوتا تو کار کی سیٹ پر بیٹھ ہی بیٹھ ہاسٹل کے داغ میں بھی پہنچا اور کار کی کھڑکی ہی سے اسے دروازہ کھول کر شیشی اٹھا لے دیکھ سکتا تھا۔

رسوٹی ابھی تک بیٹے کے پاس نہیں آئی تھی۔ اس سے بھی علی نے سمجھ لیا تھا کہ پارکن ہاسٹل کے داغ میں ہے اور اما اپنی سو کے داغ کو کنٹرول کر رہی ہے۔

تھوڑی دیر بعد قدموں کی چاپ سنائی دی پھر کوئی اٹھا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ دروازے کو بند کر کے اس نے کار اشارت کی پھر اسے ڈرائیو کرتے ہوئے کہیں جانے لگا۔ علی دونوں سیٹوں کے درمیان خاموش پڑا ہوا تھا۔ اپنی ماں کا انتظار کر رہا تھا۔

رسوٹی نے آکر کوڈرڈز ادا کئے۔ اسے بتایا کہ پارکن ہاسٹل کے ذریعے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کارمن کمرے میں موجود ہے یا نہیں۔ پارکن کو یہ اطمینان دلا یا گیا ہے کہ کارمن ابھر جیسی ڈیوٹی پر گیا ہے۔

علی نے کہا "میں اس کا ردالے کو بولنے پر مجبور کروں گا۔ اگر اس کے داغ میں جگہ نہ ملے تو میں اسے سانس روکنے نہیں دوں گا۔ آپ معلوم کریں کہ یہ پارکن ہے یا اس کا کوئی آلہ کار ہے؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر وہاں سے اٹھ کر پچھلی سیٹ پر آیا تو ڈرائیو کرنے والا عقب نما آئینے میں دیکھ کر چونک گیا۔ فوراً بریک لگا کر گاڑی کو روکا اور پیچھے گھوم کر دیکھتے ہوئے بولا "کون ہو تم؟" دوسرے ہی لمحے اس نے سانس روک لی۔ علی نے پوچھا "کیا یہ سانس روک رہا ہے؟"

اس نے کہا "ہاں بیٹا!"

علی نے کرانے کا ایک فلوڈی ہاتھ اس کے منہ پر دھر لیا۔ کار والے کو ایسا ہی لگا جیسے منہ پر آہنی سلاح کی ضرب لگی گئی ہے۔ اس کی ناک اور پاچوں سے خون نکلنے لگا تھا۔ چند لمحوں کے بعد رسوٹی نے کہا "مبارک ہو۔ عیا اپنے دام میں خود آپ آگیا۔ یہ کینت جزل پارکن ہے۔"

"ٹھیک ہے اما! اسے یہ نہ معلوم ہونے دیں کہ آپ اس کے اندر موجود ہیں۔"

پارکن تکلیف برداشت کرتے ہوئے چوری چھپے جیب سے ریو اور نکال رہا تھا۔ علی نے دوسرا ہاتھ منہ پر رسید کیا۔ وہ ہاتھ ناقابل برداشت تھا۔ وہ چکر اکر اسٹرننگ کے نیچے لٹکنا ہوا گیا۔ پھر وہاں سے اٹھ نہ سکا۔

رسوٹی نے کہا "یہ بے ہوش ہو گیا ہے۔"

علی پچھلا دروازہ کھول کر آگے آیا۔ اٹھا دروازہ کھول کر اس نے پارکن کو اٹھا کر ساتھ والی سیٹ پر ڈالا۔ پھر اسٹرننگ سنبھال کر گاڑی کو اشارت کیا۔ رسوٹی نے کہا "اسے ختم کر دو۔ یودی خیال... خروانی کرنے والا ایک اور کم ہوجائے گا۔"

"نہیں اما! میں اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ اس ایک کے فرار ہونے سے یہاں کے اعلیٰ حکام سے لے کر گولڈن برنز تک پریشان ہیں۔ اگر میں اسے واپس ان کے پاس پہنچا دوں تو میرے محب وطن یودی ہونے کی دھماکا بیٹھ جائے گی۔ سب مجھ پر پلے سے زیادہ اندھا اعتماد کرنے لگیں گے۔"

"تم درست کہتے ہو لیکن ٹیلی فنی ایک خطرناک ہتھیار ہے۔ اسے پہلی فرصت میں خالص کر دینا چاہئے۔"

"آپ اس کے داغ میں پہنچ چکی ہیں۔ کسی وقت بھی اسے ختم کر سکتی ہیں۔ نی الحال مجھے اپنی چال پلے دیں۔"

وہ ڈرائیو کرتا ہوا ہاسٹل کے باپ راجر موس کے بنگلے کے سامنے پہنچا۔ چونکہ رات کے اس کے لئے گیت کھولا۔ وہ ڈرائیو کرتا ہوا احاطے میں آیا۔ کار سے اتر کر کال بیل کے فٹن کو دیا۔ تھوڑی دیر بعد راجر موس نے بند دروازے کے پیچھے سے پوچھا "کون ہے؟"

"انکل! میں ہوں کارمن۔"

دروازہ کھل گیا۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "بیٹا! خبیث ہے! اتنی رات کو آئے ہو۔ ہاسٹل کہاں ہے؟"

"وہ خبیثت سے ہے۔ میں ایک دشمن کو فوجی کر کے لایا ہوں۔ آپ کسی اعلیٰ پولیس افسر کو کال کریں۔"

اس نے کار کا دروازہ کھولا۔ بے ہوش پارکن لڑھک کر باہر آگرا۔ راجر موس نے پوچھا "یہ کون ہے؟ اسے کہاں سے لا رہے ہو؟"

"یہ رات کے دو بجے ہمارے بنگلے کے سامنے آیا تھا۔ کار سے"

اتر کر ہمارے احاطے میں ایک جگہ چھپ گیا تھا۔ میں ایک کھڑکی کے پیچھے سے دیکھ رہا تھا۔ پھر میں بنگلے کے پیچھے سے نکل کر چھپتا ہوا اس کی کار میں آکر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے کار کی کھڑکی سے دیکھا۔ ہاسٹل اینڈ کی حالت میں چلتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر آئی پرفرش پر ہے ایک شیشی اٹھا کر اندر چلی گئی۔"

راجر موس نے پوچھا "اس شیشی میں کیا تھا؟"

"میں نہیں جانتا۔ یہ ہوش میں آکر بتائے گا۔ میں نے اس کی پانی کی بے ہوش کر کے گاڑی میں ڈالا پھر بنگلے کے اندر جا کر دیکھا تو ہاسٹل کمرے میں تھی۔ مجھے شبہ ہے کہ یہ شخص ٹیلی فنی جیتا جاتا ہے۔ اس نے میری ہاسٹل کو چھتا کر دے وہ شیشی دی ہے۔"

علی بے ہوش پارکن کو اٹھا کر ڈرائنگ روم میں لایا۔ پھر اس کی جیب سے ریو اور نکالا اور راجر موس کو دے کر کہا "آپ پولیس کے آئے تک اس شخص کی نگرانی کریں۔ میں گھر جا کر ہاسٹل کو لے کر آتا ہوں۔"

وہ راجر موس کی کار لے کر تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا اپنے بنگلے میں آیا۔ اپنی ماں سے بولا "آپ ہاسٹل کے پاس جا رہی ہیں۔ اسے یاد دلانیں کہ وہ بھی سوری تھی اور بھی جاگ رہی تھی۔ ابھی جاننے کے بعد اسے یاد آئے کہ اس نے باہر سے ایک شیشی لا کر اپنے بنگلے کے نیچے رکھی تھی۔"

جب وہ اپنے بنگلے کے اندر آیا تو ہاسٹل بیدار ہو گئی تھی۔ اسے دیکھ کر بولی "میری سمجھ میں نہیں آتا میں اتنی دیر سے سوری تھی یا جاگ رہی تھی۔"

علی نے پوچھا "یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟"

"یہ شیشی ہے مجھے ایسا لگتا ہے میں نیند میں چلتی ہوئی باہر گئی تھی وہاں سے یہ بھری ہوئی شیشی لائی تھی۔"

وہ شیشی لے کر اسے پھٹکتے ہوئے بولا "کوئی ٹیلی فنی یا ہٹا ہٹا جانے والا تمہارے داغ سے کھیل رہا تھا۔ میں نے اسے ہتھیار کی خوب پائی کی ہے۔ اسے تمہارے ڈیڑی کے پاس پہنچا کر آتا ہوں۔ چلو ہم وہاں چلیں۔"

وہ حیرانی سے بولی "اتنا چھپ گیا اور مجھے خبر نہ ہوئی۔"

"وہ میرے ساتھ آکر اپنے باپ کی کار میں بیٹھ گئی۔ علی نے کہا۔"

"اتنا ہٹا ہٹا کی گئی تھی۔ ابھی اپنے حواس میں ہو۔ یہ یاد رکھو کہ ہم مایا بیوی ہیں۔ ہم نے سناگ رات گزار دی ہے۔"

اس نے کچھ مدد سے اور کچھ شرانے ہوئے سر کو جھکا لیا۔ وہ بولا "تم ایک کنواری کی طرح شرارہ ہو۔ تمہاری مٹی جمانا ہے۔ وہ ہماری چوری پکڑ لیں گی۔"

"میں نہیں جانتی ایک ساگن کیسے مسکراتی ہے مجھے اور آواز میں نہ ڈالو۔"

علی جانتا تھا کہ اما یہ باتیں نہ رہی ہیں۔ وہ ہاسٹل کی ماں کو اندر کی باتیں سمجھنے کا موقع نہیں دیں گی۔ وہ اپنے سرال پہنچ گیا۔

ماس نے اپنی بیٹی کو گنگے لگایا۔ وہاں پولیس کے اعلیٰ افسران پہنچ گئے تھے۔ ہاسٹل کا بیان سن کر انہیں یقین ہو گیا کہ یہ ٹیلی فنی کا چکر چل گیا ہے۔

اعلیٰ حکام سے رابطہ کیا گیا۔ گولڈن برنز تک خبر پہنچی اس کے بعد ہی اہل خیال خروانی کے ذریعے پارکن کے داغ میں آگئی۔ اس نے تصدیق کی کہ وہ جزل پارکن ہے۔ یہ انکشاف ہوتے ہی پارکن کو ہتھکڑی پہنادی گئی۔

اہل خیال خروانی کے ذریعے سوالات کرنے لگی۔ پارکن افسران کے سامنے زبان سے جوابا بولنے لگا۔ "میں نے فرار ہونے کے بعد فیصلہ کیا تھا کہ یہاں ہسپتال میں رہوں گا۔ تمام خیال خروانی کرنے والوں کا اور گولڈن برنز کا سراغ لگاؤں گا۔ مسٹر راجر موس کے ہاں شادی کی تقریب میں اعلیٰ حکام اور اعلیٰ فوجی افسران کو دیکھ کر میری عقل میں آیا کہ راجر موس غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ میں نے اس کے اور کارمن کے داغوں میں پہنچنا چاہتا تھا چلا دونوں سر داماد ہو گا کہ باہر ہیں۔"

اپنے لے کہا "اس لئے تم نے اس کی بیٹی ہاسٹل کے ذریعے ان کے داغوں میں پہنچنے کی کوشش کی اور وہ ضرور سامان واک شیشی اس کے پاس پہنچائی۔"

"ہاں! یہی ایک طریقہ تھا۔ میں کارمن اور راجر موس کے داغوں کو گزور دینا کر ان کی غیر معمولی اہمیت کو سمجھ سکتا تھا۔"

"تم کسی کو آلہ کار بنا کر وہ شیشی ہاسٹل کے دروازے پر رکھ سکتے تھے۔ تم نے خود وہاں جانے کی حماقت کیوں کی؟"

"جب تک فکھو نہ گئے اپنی حماقت سمجھ میں نہیں آتی۔ پھر یہ مجبور ہی تھی کہ کسی پر عمل کر کے اسے اپنا آلہ کار بنانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ یہ خود اعتمادی تھی کہ میں ٹیلی فنی کی حماقت سے تنہا یہ کام کر کر دوں گا۔ یہ خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ کارمن بڑی چالاکی اور خاموشی سے مجھے اس انجام کو پہنچا دے گا۔"

گولڈن برنز کے فیصلے کے مطابق ایک اعلیٰ حاکم نے پولیس افسران کو حکم دیا "جزل پارکن کو اسی وقت مٹری اسپتال کے آپریشن حلیہ پہنچاؤ۔ اس سے پہلے کہ ٹیلی فنی جانے والے دشمن راٹھا کی طرح پارکن کے داغ میں بھی پہنچیں۔ اس کا برین واش کر دیا جائے گا۔"

پھر گولڈن برنز کی طرف سے اعلیٰ حاکم نے کہا "مسٹر کارمن ہیرالڈ تم نے پارکن کو گرفتار کر کے ملک اور قوم کو ایک بڑے نقصان سے بچایا ہے۔ گولڈن برنز تمہاری حب الوطنی اور فرض شناسی سے بہت خوش ہیں اور مسٹر راجر موس کو..."

اعلیٰ حاکم نے اوپر اڑھ کر دیکھ کر پوچھا "یہ مسٹر موس کہاں چلے گئے؟"

راجر موس نے بنگلے کے اندر دھکیلے سے ڈرائنگ روم میں

آتے ہوئے کہا "یکیدوزی" ذرا دوش موم میں گیا تھا۔
اعلیٰ حاکم نے کہا "تم نے مسٹر کارمن کو داما دینا کر اور اپنے
شبے میں ترقی دے کر دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ گولڈن برنز تم سے
بہت خوش ہیں۔"

پولیس افسران جنرل پارکن کو لے گئے۔ رسوئی نے آکر کہا۔
"بیتے تم نے ان کا بھرپور امداد حاصل کیا ہے لیکن برن واشنگ
کے بعد پارکن کی آواز اور لہجہ بدل جائے گا۔ میں اس کے دماغ کو
گرفت میں نہیں رکھ سکوں گی۔"

"اما! میرا کام ہو گیا۔ اب آپ سلمان انکل سے کہیں کہ وہ
پارکن کی آواز اور لہجے میں جان لیوا دے مد کی اپیل کرے اور
اسے بتائے کہ اس کا برن واش ہونے والا ہے۔ اس کے بعد
یودی اور امریکی خیالی خوانی کرنے والے پارکن کے دماغ کو
میدان جنگ بنائیں گے۔ اب آپ جائیں۔ الپا وغیرہ میرے دماغ
میں اچانک آسکتے ہیں۔"

وہ چلی گئی۔ راجر موم نے کہا "بیتے کارمن! میں تم پر جتنا بھی
فخر کروں کم ہے۔ تم نے حکمرانوں اور گولڈن برنز کے سامنے میرا سر
اونچا کر دیا ہے۔"

اس نے پوچھا "انکل! یہ کچھ میں نہیں آیا کہ گولڈن برنز کی
باتیں یہاں تک کیسے پہنچ رہی ہیں؟"

وہ مسکرا کر بولا "ابراہامی جنس کا چیف اپنی کار میں بیٹھا
ہے۔ وہاں ڈیش بورڈ کے ساتھ ایک کمپیوٹر ہے۔ اس کمپیوٹر کے
ذریعے ہماری باتیں گولڈن برنز تک اور ان کی باتیں ہم تک پہنچ
رہی ہیں۔"

"لیکن یہ باتیں کون یہاں میں رہا ہے؟"

"تم سمجھ رہے ہو وہ اعلیٰ حاکم براہے اس لئے ایک کان میں
ایزرفون لگایا ہے۔ دراصل اس ایزرفون کے ذریعے اعلیٰ حاکم انٹیلی
جنس کے چیف کی باتیں سن رہا ہے۔ اور چیف کمپیوٹر اسکرین کی
تحریر پڑھ کر اس حاکم کو سن رہا ہے۔"

علی اس کی وضاحت سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ راجر موم
اپنے ہنگلے کے بار نہیں گیا۔ البتہ ہنگلے کے اندرونی حصے میں گیا تھا
اور یہ بتایا تھا کہ وہ دوش موم میں گیا تھا۔ بہر حال جب وہ باہر نہیں
گیا تھا تو اسے کس نے بتایا تھا کہ چیف کی گاڑی میں کمپیوٹر ہے اور
وہ گاڑی میں بیٹھ کر فون کے ذریعے اعلیٰ حاکم سے رابطہ کر رہا ہے۔
یہ بات سب ہی جان سکتے تھے یا اندازہ کر سکتے تھے کہ چیف
سراغ میں اور اعلیٰ حاکم کے درمیان رابطہ رہتا ہے لیکن یہ کسی کو
معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ گولڈن برنز کا پیغام ایک دوسرے تک
پہنچا رہے ہیں اور یہ بات کانوں میں ہیڈ فون لگانے بغیر راجر موم کو
معلوم ہوئی رہی تھی۔

دوسری جگہ سے ہو کر آیا تھا۔ علی کے اندر ایک گہری پگھلاؤ
جب تک اسے کھول نہ لیتا "ایک بے چینی سی رہتی۔
اعلیٰ حاکم اور دوسرے افسران وہاں سے رخصت ہو گئے
اس نے پاسیلا سے پوچھا "تم نہیں چلو گی؟"

"چلو رات پوری گزر گئی۔ چار بج رہے ہیں۔"
ساس نے کہا "اس وقت کہاں جاؤ گے؟ میں آرام کروں۔"
راجر موم نے کہا "بیتے کارمن! تم تمام رات جاگتے رہے
ہو۔ کل تمہاری چھٹی ہے۔ یہاں دیر تک نیند پوری کر سکتے ہو۔"

وہ خود وہاں رہتا چاہتا تھا۔ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ راجر
موم کا وہ دوش موم کہاں ہے جہاں وہ ایسے وقت گیا تھا جب ایک
اہم مفروضہ ٹیلی جیجی بنانے والا چکرا گیا تھا اور اس کا حامیہ کیا جانا
تھا۔ پاسیلا اپنے سیکے میں رہتا نہیں جانتی تھی۔ وہاں ہاں پاپ کے
سامنے اسے شوہر کے ساتھ ایک کمرے میں رہنا پڑتا اور وہ اتنی
بڑی آزمائش سے گزرنا نہیں چاہتی تھی۔

دونوں میاں یودی سرگوشیوں میں شورے کرنے لگے۔ پاسیلا
کے والدین سمجھتے تھے کہ وہ نڈھالہ لہن ہیں۔ زندگی کے نئے دن
اور نئی راتیں رشتہ داروں سے اور دوسری دھاتوں سے دور
گزارنا چاہتے ہیں۔ تاہم پہلی رات بڑی واردات ہوئی تھی کہ
بچی کا بھی سرال نہیں سمجھتا چاہتے تھے۔

ساس نے کہا "میں سمجھتی ہوں۔ بہت کچھ سمجھتی ہوں مگر ابھی
بچی کو نظروں سے دور کرنے کو دل نہیں مانتا۔ ابھی وہ جاؤ کل شام
کو چلے جانا۔"

دونوں کو وہاں رہنا پڑا۔ ساس نے ایک کمرے میں دودھ اور
پھل وغیرہ لا کر رکھ دیے۔ پھر انہیں وہاں چھوڑ کر چلی گئی۔ علی نے
دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے کہا "زندگی میں بڑی بڑی
آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ تم پہلی ہی آزمائش سے پریشان
رہی ہو۔"

وہ ایک ہاتھ سے سر تھام کر صوفے پر گر پڑی۔ اس کا نور اور
گلابی چہرہ ختم رہا تھا اور وہ آنکھیں بند کئے گہری سانس لے رہی
تھی۔ علی نے اسے غور سے دیکھا پھر پوچھا "کیا ہوا؟"

وہ کچھ نہ بولی۔ صوفے پر کبھی یہ بھلو کبھی وہ پھلو ہونے لگی۔
قریب آکر بولا "پاپی! طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

اس نے اس پر ہاتھ رکھا تو تپا پٹا بدن گرم ہو رہا ہے۔
اس نے پیشانی کو پتھر کر دیکھا اور کہا "تمہیں تو بخار ہے۔ سنو
چلو میں ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔"

پاسیلا نے ادھ کھلی آنکھوں سے اس انداز میں اسے دیکھا
جیسے کسی انڈی کو دیکھ رہی ہو۔ پھر وہی آواز میں بولی "ڈاکٹر کو
بلانا۔"

"کیوں نہ بلاؤں؟"
وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے بولی "مجید کھل جائے گا۔"

علی تھوڑا سا سر جھک گیا۔ بخار کچھ میں آیا۔ کسی کے بدن پر
کوڑے مارنا ایسا ظلم نہیں ہے جیسا کہ وہ ظلم کر رہا تھا۔ کیوں کر رہا
تھا؟ جبکہ وہ بڑی تھی۔ اس کے ساتھ جو تعلق ہوتا تھا وہ جائز ہوتا۔
وہ جس ذات سے سوچتا تھا اسی ذات نے اسے سمجھا دیا کہ
آئندہ کیا ہوگا؟ اس کا ظلم صرف خدا کو ہے۔ بندہ تو صرف سوچتا ہے
کہ ایسا ہو گا مگر دینا ہو جاتا ہے۔ وہ سوچتا تھا "ایک دن جب وہ پاسیلا
کو چھوڑ کر جائے گا تو پاسیلا اپنی عزت کا اور سماگ کا نام کرے
گی۔ جبکہ وہ ابھی اس ادھر سے "ناکمل اور محروم میں سے بھرپور
سماگ کا نام کر رہی تھی۔"

وہ بعد میں رانا نہیں چاہتا تھا اور ابھی رانا تھا۔ یہ کوئی
دانشمندی نہیں تھی۔ ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جو مستقبل کو خدا کی
رضائے نہیں دیکھتے۔ اپنی مرضی کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ
اپنے رب پر کمزور اعتماد کی دلیل ہے۔

وہ اسے دونوں بازوؤں میں اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ پاسیلا نے
آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اس کی گردن میں بائیں ڈال دیں۔ سینہ پہ
بند ہو کر دل کی دھڑکنیں خانے لگی۔ پھر جھک کر بولی۔ "میں"
مجھے چھوڑ دو۔ ہاتھ نہ لگاؤ۔ بلی کی پیش گوئی کے مطابق ہمارے
درمیان ناقص رہنا چاہئے۔

"تمہارا علاج ضروری ہے۔ ڈاکٹر دیر سے آیا ہے مگر آگیا
ہے۔"

"کہاں ہے وہ؟"

اس نے ہنگ کے پاس آکر اسے بستر لٹا دیا۔ اس کی گلابی
قلم کار نہیں کی رفتار دیکھی۔ مرض کی گفتار سنی، بخار کا نمبر پچھ دیکھا
گیا اور دوا کر آگیا۔ بعض مریض رات سے صبح کر دیتے ہیں۔ وہ
مریض بھی رشتہ داروں میں پہلی تھی۔

جب ہوش میں آئی تو گھبرا کر بولی "اوہ کارمن! میری جان! تم
نے قریب آکر اپنی زندگی داؤ پر لگا دی ہے۔"

وہ بولا "اسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم پہلی رات گیارہ بجے سو گئی
تھی۔ تھوڑی دیر کے لئے میری آنکھ کھلی گئی تھی۔ میں نے خواب
دیکھا کہ ایک بزرگ کو دیکھا۔ وہ شاید بلی استغیا رہتے۔"

"وہ خواب میں آئے تھے؟"

"ہاں! کہہ رہے تھے۔ تم دونوں نے اپنی جان کا فخر موم لے
کر شادی کی ہے۔ شادی کے بعد جذبات کو مارنا اور رہنمائی کا
راستہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ تم آزاد دینی رشتہ قائم کر سکتے ہو مگر
ایک شرط ہے۔"

پاسیلا نے پوچھا "کیسی شرط؟"

"میں نے کہا کہ ایک شرط یہ تھی کہ کارمن دلن کی بی بی پر جانے کا
اعتراف کرے گا۔ لہذا دلن کے لئے خاص طور پر سرال میں جو جج
ٹھکانے اس بی بی پر نہ جاؤ۔ اب بی بی شرط ہے کہ دلن کے سیکے میں
میرے لئے بی بی کا انتظام ہو۔ تم نے دیکھا پاسیلا! قدرتی طور پر ایسا

چکر چل گیا کہ پہلی رات ہی تم سرال سے نکلے آگئیں اور تمہاری
کمی نے مجھے یہ بی بی دی۔ بلی کی شرط پوری ہو گئی۔"

وہ خوش ہو کر بولی "یہ تو ہماری ازدواجی زندگی میں ایک معجزہ
ہو گیا۔ میں بیان نہیں کر سکتی کہ میں کتنی خوش ہوں۔ مجھے دنیا جہان
کی دولت مل گئی ہے۔"

"میں چاہتا ہوں تم چالیس راتوں تک میرے گھر کی بی بی پر نہ
آؤ۔ کیا ہم دوا چار دوا میں اس کمرے میں گزار سکتے ہیں؟"

"ضرور۔ میرے کمرے کی اور ڈھکی ہمارے یہاں رہنے سے بہت
خوش رہیں گے۔ ہم یہاں سے چالیس دن بعد جائیں گے۔"

"تمہیں! میں! اس دن سرال میں نہیں رہوں گا۔ مجھے دوسرا
شاندار بیٹھنا سرکاری طرف سے ملے والا ہے۔ ہم موجودہ ہنگلے کی
نحوت سے نکل کر نئے گھر میں ازدواجی زندگی گزاریں گے۔"

وہ مارے خوشی کے اس پر قربان ہو رہی تھی۔ علی کو یاد تھا کہ
صبح سات بجے اسی آنے والی تھی۔ وہ چاہتا تھا تھوڑی دیر کے لئے
تختی مل جائے تاکہ اسی سے ضروری باتیں کر سکے۔

سات بجے کے بعد تختی مل گئی۔ پاسیلا نے باتیں کرتے کرتے
آنکھیں بند کیں۔ پھر ایک منٹ کے اندر ہی سو گئی۔ لیٹی علی کو
مخاطب کیا کہ گولڈن برنز آگئے۔ پھر بولی "شادی مبارک ہو۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "اسی! آپ کے جانے کے بعد اما آئی
تھیں۔ پاسیلا کو کچھ سوچا۔ وہ بونائے کی ضد کر رہی تھیں۔ کچھ میرے
ذہن نے کہا کہ آئندہ کی باتیں خدا پر چھوڑنا چاہئے۔ اس لئے۔"

وہ بولی "اب تم وضاحت نہ کرو۔ یہ بہت اچھا ہوا۔ میں خوش
ہوں۔ تمہارے بابا کو بھی خوشی ہوگی۔"

"اسی! رات کو آپ کے جانے کے بعد وہ ٹیلی جیجی جانے والا
جنرل پارکن میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔"

"مجھے معلوم ہو چکا ہے۔ میں بہت دیر سے پاسیلا کے خیالات
پڑھ رہی تھی۔ ابھی میں نے ہی اسے ٹیلی جیجی کے ذریعے سنا
ہے۔ یہ یاد۔ دو چار روز سرال میں رہنے کا مقصد کیا ہے؟"

وہ بولا "مجھے شبہ ہے کہ راجر موم کا براہ راست تعلق گولڈن
برنز سے ہے۔"

"تمہیں کوئی سراغ مل رہا ہے؟"

اس نے بتایا کہ سراغ کس طرح لگایا جا سکتا ہے۔ وہ سرال
میں رہ کر دیکھنا چاہتا ہے کہ گھر کی چار دیواری میں راجر موم کس
طرح مصروف رہتا ہے۔ اور وہ اپنے سر کے بیڈ دوم وغیرہ کی بھی
حالتی لینا چاہتا ہے۔ لیٹی نے کہا "راجر موم دن رات کے کسی
حصے میں بھی دفتر آتا جا رہتا ہے۔ جب وہ دفتر جائے گا تو میں پاسیلا
کی ماں کو بھی شایک کے لئے باہر بھیج دوں گی۔ پاسیلا اسی طرح
سوئی رہے گی یا میں اسے جگہ میں مصروف رکھوں گی۔"

"میں یہی چاہتا ہوں لیکن ایک اندیشہ ہے اگر راجر موم
گولڈن برنز کا خاص آدمی ہے تو اس گھر میں یا اس بیڈ دوم میں خفیہ

کیرے اور رانیک چپا کر رکھے گئے ہوں گے۔ میں بیٹہ روم میں جاؤں گا تو کہیں دوسری طرف دیکھ لیا جاؤں گا۔
 ”تم بہت دور تک سوچنے ہو، علی! اور یہ اچھی بات ہے۔“
 ”میں جانتا ہوں آپ میری ساس کے داغ میں رہ کر اسے اپنے روم میں لے جائیں۔ ویسے تو وہ یہودی کی حیثیت سے اپنے شوہر کی خواہش میں جاتی ہوگی لیکن آج ہمارے نقطہ نظر سے جائے خواہاں اس کا اسٹور روم اور واش روم کو ایک جاسوس کی نظروں سے دیکھئے۔“

”ٹھیک کہتے ہو اسے آؤ کارہانے سے راجر موم کو شہ نہیں ہوگا۔ تم آرام کرو۔ میں موقع کا انتظار کروں گی۔ راجر موم دفتر جائے گا تو میں مسز موم کو بیٹہ روم میں لے جاؤں۔“
 ”اے وقت آپ مجھے نیند سے بیدار کریں تاکہ میں آپ کو بتا سکوں کہ مسز موم سے کس طرح تلاشی کا کام لیتا ہے۔“

”لیٹی پٹی گئی۔ علی تھوڑا سا اپنے داغ کو ضروری ہدایت دے کر سو گیا۔ تھوڑی دیر بعد پامیلا نے آنکھیں کھول دیں۔ حالہ کلاہ گمری نیند میں تھی۔ یہ ابھی علی اور لیٹی کو معلوم نہیں تھا کہ الپا اب پامیلا کے داغ میں آنے لگی ہے۔ پہلے پامیلا کی اہمیت نہیں تھی۔ اب ہو گئی تھی۔“

ہوایہ تھا کہ گولڈن برنز نے الپا سے کہا تھا ”الپا! ہم نے جزل پارکن کو اس کی رہائش گاہ میں نظر بند کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کسی دشمن خیال خونی کرنے والے نے جزل پارکن کو اپنا معمول بنا کر قید سے بھاگنے پر مجبور کیا ہو اور اسے پامیلا کے داغ تک پہنچایا ہو۔ اگر ایسا ہے تو ہم نے جزل پارکن کو گرفتار کر لیا ہے لیکن اس کے پیچھے چھپا ہوا دشمن آزاد ہے۔ وہ پامیلا کے داغ میں آتا جاتا ہوگا۔ اور اس کے ذریعے ان تمام اہم عہدیداروں تک پہنچنے کی کوشش کرے گا جن کا رابطہ پامیلا کے باپ راجر موم سے رہتا ہے۔ لہذا انہیں پامیلا کے پاس جاتے رہنا چاہئے۔“

اس حکم کے مطابق الپا پامیلا کے پاس آئی۔ اس وقت پامیلا علی سے باتیں کرتے کرتے سو رہی تھی۔ لیٹی لیٹی اس کے اندر چھپ کر اسے سلام دی تھی۔ لیٹی اور الپا کو پتا نہیں تھا کہ وہ دونوں بیک وقت پامیلا کے اندر موجود ہیں۔ البتہ الپا کو شہ ہوا کہ پامیلا اپنے شوہر کے ساتھ جاگے گا اور وہ رکھتے ہوئے اتنی جلدی کیسے سو گئی؟

اس نے اپنے طور پر سمجھا کہ شاید وہی دشمن خیال خونی کرنے والا پامیلا کے اندر ہو سکتا ہے جس نے پارکن کو ٹریپ کیا تھا۔ اب وہ پامیلا کو نیند کی حالت میں آؤ کارہانہ چاہتا ہے یا اس کے شوہر کارمن کو اس کے ذریعے وہابی گزند کی دوا کھانا چاہتا ہے۔ یہ سوچ کر وہ کافی دیر تک انتظار کرتی رہی۔

جب کسی نے پامیلا کو نیند کی حالت میں آؤ کارہانہ نہیں بنایا تو الپا نے اس کی آنکھیں کھول کر علی تھوڑا سا دھکا دیا۔ وہ پامیلا کے پاس

ہی گمری نیند میں تھا۔ تب اسے یقین ہوا کہ پامیلا بھی خود ہی سو گئی۔ کسی خیال خونی کرنے والے نے اسے نہیں سلا یا تھا۔ اور کوئی اس کے داغ میں نہیں ہے۔ اگر ہو تا تو اس کے ذریعے کارمن کو دوا کھلا کر اعصابی کمزوری میں مبتلا کرتا۔

بہر حال الپا مطمئن ہو کر مسز موم کے داغ میں آئی وہاں لیٹی موجود تھی اور وہ گھبرائی تھی کہ اس کا شوہر راجر موم کارمن کے دفتر جا رہا تھا۔ مسز موم سوچ رہی تھی۔ ”اب میں خواہاں میں جا کر تھوڑی دیر کے لئے سو جاؤں گی۔ پتا نہیں کیوں اپنے میاں کے باتے ہی میں ایک آدھ گھنٹے کے لئے سو جاتی ہوں۔“

یہ لیٹی کے لئے ایک نئی اطلاع تھی کہ مسز موم خواہاں میں جا کر ایک آدھ گھنٹے کے لئے سو جاتی ہے جبکہ الپا جانتی تھی وہ سوئی نہیں ہے۔ وہابی طور پر غائب رہ کر اپنے میاں کے کمرے کی صفائی کرتی رہتی ہے۔

یہ بات سمجھنے کی تھی کہ وہ غائب رہ کر خواہاں کی صفائی کیوں کرتی ہے؟ جواب سمجھ میں آتا ہے اس خواہاں میں پیکو اکیڈم چیزیں چھپائی گئی ہوں گی جنہیں اس کی نظروں میں لانا مناسب نہیں تھا۔ الپا اسے وہابی طور پر غائب کر کے وہاں کی صفائی کرائی تھی۔ یہ گولڈن برنز کا حکم تھا کہ ایسا کیا جائے۔ یوں ثابت ہو رہا تھا کہ راجر موم بڑی اہمیت کا حامل ہے اور گولڈن برنز اس کے گھر کے اندر بھی دلچسپی رکھتے ہیں اور توجہ دیتے ہیں۔

مسز موم خواہاں میں آئی۔ پھر تجھے ہوئے انداز میں بہتر لیٹ گئی۔ چند لمحوں تک سوچے سوچے اس کی آنکھیں بند ہوئے لیکن۔ الپا نے اسے سلا دیا تھا۔ لیٹی خاموشی سے یہ تماشہ دیکھ رہی تھی۔ دس منٹ کے بعد اس نے نیند کی حالت میں آنکھیں کھول دیں۔ آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ نیند کی حالت میں چلتی ہوئی اسٹور روم میں آئی۔ وہاں ایک ٹکڑی کا صندوق ٹوٹی کر میاں اور بہت سا پرانا سامان رکھا ہوا تھا۔ دیوار کے ساتھ بنی ہوئی ایک الماری تھی۔ اس نے ایک چابی سے اس کے پتھ کھول دیے۔

اس کے اندر کچھ فائلیں اور کچھ کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہاں ایک چھوٹا سا آئرن سیف تھا۔ اس نے دوسری چابی سے اس سیف کو کھولا۔ سیف میں کچھ ہیرے جو اہرات اور برطانوی پونڈ کی گولیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان کے پیچھے سیف کی آہنی دیوار پر ایک کی ہول تھا۔ مسز موم نے اس کی ہول میں ایک چابی ڈالی۔ پھر اسے گھمایا تو الماری کی پچھلی دیوار دو حصوں میں تقسیم ہو کر کھل گئی۔

کھلے ہوئے دروازے کے دوسری طرف اسٹور روم کے برابر دوسرا کمرہ تھا۔ اس کمرے میں ایک بڑے سائز کا کپینڈر تھا اس سے منسلک دیوار پر ایک اسکرین تھا۔ ایک طرف لیٹی دی گمری ڈی سی آر اور لیٹی دی تھا اس سے ثابت ہو رہا تھا کہ راجر موم کی خواہاں میں خفیہ لیٹی دی گمری ہے جس کو بھی خواہاں میں داخل ہونا

وہ اس خفیہ کمرے کی لیٹی دی اسکرین پر نظر آتا ہے۔ مسز موم بے خبر تھی۔ بے چاری نہیں جانتی تھی کہ اپنے ہی گھر کے ایک کمرے میں آئی ہے اور وہاں کی صفائی کر رہی ہے۔ لیٹی اس کے ذریعے ایک ایک سامان کو توجہ سے دیکھ رہی تھی۔ وہاں ایک پرائیویٹ فون اور ڈائریکٹر کے علاوہ ضروری فائلیں اور اہم دستاویزات بھی رکھی ہوئی تھیں انہیں پڑھنے سے ہی ان کی اہمیت کا پتا چل سکتا تھا۔

لیٹی نے اس کے ذریعے چھت کو اور دیواروں کو بھی دیکھا۔ پھر علی کو نیند سے جگا کر اس خفیہ کمرے کی تفصیلات بتائیں۔ وہ خوش ہو کر بولا۔ ”اللہ بڑا کار ساز ہے۔ اس مہود نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ یہ راجر موم یقیناً کچھ گولڈن برنز میں سے ایک گولڈن برنز ہے۔“

”اس خفیہ کمرے کو دیکھ کر میں بھی یہی سمجھ رہی تھی ویسے علی! ہم یہ سوچ رہے تھے کہ کوئی ذہن فریب اڈا ہوگا جہاں کچھ برنز آکر بیٹھے ہیں اور علی! نکام اور فوج کے اعلیٰ افسران سے رابطہ کرتے ہیں۔“

”جی ہاں۔ پہلے یہی طریقہ تھا۔ اب انہوں نے طریقہ کار بدل دیا ہے۔ راجر موم کے اس کمرے کو دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ باقی پانچ گولڈن برنز نے بھی اپنی اپنی خواہاں کے ساتھ ایسے خفیہ کمرے بنوائے ہیں اور وہاں بیٹھ کر کپینڈر کے ذریعے ایک دوسرے سے رابطہ کرتے ہیں۔“

”جی ہاں! اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام برنز ایک ہی وقت میں ایک ہی خفیہ اڈے میں ہمارے ہاتھ نہیں آئیں گے۔ نہیں ہر ایک کو باری باری تلاش کرنا ہوگا۔“

”جی ہاں! کام بڑھ گیا ہے۔ ان تمام کو ٹریپ کرنے میں پتا نہیں کتنے دن یا کتنے مہینے گزر جائیں گے۔“

”تم نے سوچا تھا جیسے راتوں میں پامیلا کو ٹرکھا کر اپنا کام کر جاؤ گے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ تم اپنی دلہن سے باقاعدہ رشتہ قائم کرو۔ اور ایمان منظم کر لو کہ آنے والے لمحات خدا کے مرضی سے گزرتے ہیں اور بندوں کی تدابیر پیش کام نہیں آتیں۔“

”یہ مشورہ میری ماما نے دیا تھا۔ وہ نہایت علی اسد اللہ حمیری کے حضور زانوئے ادب سے کھڑی ہیں اور ان سے دین اور دنیا کی ایمان افروز باتیں سیکھتی رہتی ہیں۔ آج ان کی ہی ایک ایمان افروز ذہانت پر میں نے عمل کیا ہے۔“

”میرا خیال ہے مجھے زیادہ دیر تمہارے پاس نہیں رہنا چاہئے۔ الپا نے مسز موم کے داغ میں جگہ بنائی ہے۔ تمہارے پاس آجاک آئے گی تو تیار ہوجو کھل جائے گا۔“

”دورست ہے۔ آپ جا میں پھر کسی وقت آجائیں۔“
 لیٹی میرے پاس آگئی۔ مجھے وہاں کے تمام حالات بتائے گئے۔ میں نے کہا ”میرے علی کی کیا بات ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک گولڈن

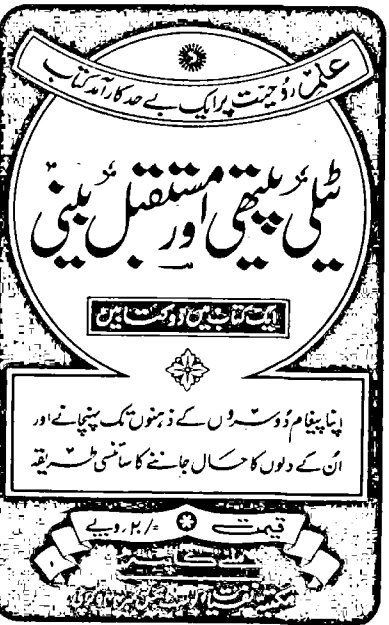
برین کو پہچان لیا لیکن باقی پانچ برنز تک پہنچنے میں بہت وقت لگے گا۔“

وہ بولی ”آپ علی کے پاس رہیں گے تو پانچ سرٹل کچھ آسان ہو جائیں گے۔“

”مجھے ابھی پاکستان میں رہنا چاہئے۔ پہلے تو بھارت اور اسرائیل کی دوستی تھی اب اسی دوستی میں امریکا شریک ہو گیا ہے۔ روس کو کسی قدر کمزور بنانے کے بعد مسوریہ چین کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز کرنا چاہتا ہے۔ ایک طرف وہ بھارت میں رہ کر چین کے لئے بہت بڑی دھمکی ہے گا۔ دوسری طرف اپنی امداد کے ذریعے بھارت کو پاکستان کے لئے منیبت بنانا چاہے گا۔“

”کیا ایسا ہو رہا ہے؟“
 ”ہاں منصوبے تیار ہیں۔ ان پر اس لئے عمل نہیں ہو رہا ہے کہ میں یہاں موجود ہوں۔ انہوں نے مجھے پاکستان سے نکالنے کی کوشش اپنے طور پر کر لی۔ اب کوئی اور چال چلیں گے۔“
 لیٹی نے پوچھا ”کیا یہ چال نہیں ہو سکتی کہ انہوں نے آپ کو سرحدی علاقہ میں مصروف رکھا ہے۔“

”یہ چال مجھے پہلے ہی معلوم ہو گئی تھی۔ میں انجان بن کر آیا ہوں وہ سمجھتے ہیں پاکستان کا سرحدی شہر لاہور میری ذات سے خالی ہو گیا ہے۔ ان کے فرشتوں کو بھی وہاں پاس کی موجودگی کا علم



نہیں ہے۔“

”آپ پشاور میں کب تک رہیں گے؟“

”میں اس سے اچانک ہی جاؤں گا۔ پارس کی طرف سے ایک خاص رپورٹ کا انتظار ہے۔ لاہور پہنچنے ہی میں پارس کو قتل ابیب روانہ کر دوں گا وہاں اس کی موجودگی سے علی کی منہ زبانی آسان ہو جائیں گی۔“

”دونوں بھائی ایک جگہ ہوں تو خاصی قیامت برپا کریں گے۔“
”تم بابا صاحب کے ادارے سے معلوم کرو ۱۰ اسرائیل میں ہمارے جاسوس کہاں کہاں ہیں اور پارس کس جاسوس کی جگہ وہاں جا کر شہادت سے بالاتر ہو کر رہ سکتا ہے۔“

دشمن دو طرفہ چالیں چل رہے تھے۔ ایک طرف مجھے پشاور سے علاقہ غیر تک ابھار رہے تھے۔ دوسری طرف لاہور میں یوگا جانے والوں کی ٹیم پر پٹائی تھی۔ میں انہیں خوش کرنے کے لئے پشاور گیا تھا اس میں میری ذاتی خوشی یہ بھی کہ میں پاکستان کے شمالی مغربی علاقوں میں جیسے پشاوروں سے ملنا اور ان کے ماحول میں رہنا چاہتا تھا۔

دشمنوں نے سوچا تھا اگر میں لاہور چھوڑ کر نہیں جاؤں گا تو وہ یوگا جانے والی ٹیم کے ذریعے میری ٹیلی پیٹھی کے ہتھیار کو ناکام بنا دیں گے۔ ایسے میں مجھے ان کے سامنے کل کر مقابلے پر آمادہ کرنے کا لیکن نہ تو مجھے ان کے خلاف خیال خرافی کرنی پڑی نہ ہی مقابلہ کرنا چاہا۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ پارس نے اس ٹیم کے تین یوگا جانے والوں کی بری طرح پٹائی کی تھی۔ وہ ایسے زخمی ہوئے تھے کہ سانس روکنا بھول گئے تھے۔

چودھری حاکم علی بیویوں کا بے غیرت ایجنٹ ان تین زخمیوں کے ساتھ ان کے سربراہ سے ملاقات کرنے گیا تھا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ فرائد کے مقابلے میں ان کا سربراہ فواد ہے۔ وہ چودھری حاکم علی کی حفاظت کرے گا۔ اس کی بیٹی صوفیہ کو آپ کی دولت اور جائیداد پر قبضہ کرنے نہیں دے گا۔

پارس نے سلمان سے کہا تھا کہ وہ چودھری اور تین زخمیوں کے دماغوں کے اندر رہ کر یوگا ٹیم کے سربراہ کا ٹھکانا معلوم کرے اور چودھری کو مجبور کرے کہ بیویوں کی شرکت سے قائم کی ہوئی دواؤں کی فیکٹری کو اپنی بیٹی صوفیہ کے نام قانونی طور پر منتقل کر لے۔ چودھری جیتے جیتے یہ نقصان اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے محض ٹانگے کے لئے وعدہ کیا تھا کہ دوسرے دن وہ فیکٹری جی کے نام کرے گا لیکن دوسرے دن سلمان نے اس کے دماغ میں پھینکا چاہا تو اس نے سانس روک لی۔ سمجھ میں آیا کہ چودھری حاکم کے دماغ کو تنہا ہی عمل کے ذریعے لاک کر دیا گیا ہے۔

سلمان نے ان تین زخمیوں کے ذریعے کوئی راستہ نکالنا چاہا۔ پتا چلا وہ تین اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ یوگا ٹیم کا سربراہ بہت محتاط تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ میں یا میرے بھائی جیتے جیتے

والے ان زخمیوں کے ذریعے اس کا سراغ نکالیں اور ان کی یہ تمام حکمت عملی بتا دی تھی کہ بیودی اپنی دواؤں کا فارمولا صوفیہ کو استعمال کرنے نہیں دیں گے۔

میں نے صوفیہ کو پارس کی پناہ میں چھوڑا تھا۔ اب یہ اندازہ تھا کہ وہ کسی وقت بھی قتل کر دی جائے گی۔ اس کے قتل ہونے کے بعد دواؤں کا فارمولا بھی اس کے ساتھ ختم ہو جائے گا کیونکہ تمام فارمولے صرف صوفیہ کو معلوم تھے۔

پارس صوفیہ کو ایک ہوٹل میں لے آیا تھا۔ وہ بھی سمجھ گئی تھی کہ اپنی کوٹھی میں رہے گی تو جان سے جائے گی۔ وہ میک اپ کا سامان لا کر اس کے چہرے کو عارضی طور پر بدلتے ہوئے کہا تھا۔ ”تمی اللہ اللہ تمہارے بچاؤ کا یہی طریقہ ہے۔ دشمن تمہیں نہیں پہچان سکیں گے۔“

اس نے پوچھا ”کیا ہم اسی ہوٹل میں رہیں گے؟“

”تم میری نہیں اپنی بات کرو۔ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ تمہیں کہیں بھی کچھ روز گزارنا ہو گا۔“

”کیا تم پاکستانی معاشرے کو نہیں سمجھتے ہو؟ یہ یورپ نہیں ہے۔ یہاں ایک تنہا جوان لڑکی کسی بھی محلے میں رہنا چاہے گی تو اسے اپنی بچھلی ہسٹری پیش کرنی ہوگی کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ ماں باپ یا شوہر کو چھوڑ کر تنہا رہنے کے لئے مکان کیوں تلاش کر رہی ہے۔ ہوٹل والے بھی شناختی کارڈ طلب کریں گے۔“
وہ درست کہہ رہی تھی۔ انہوں نے ایک فرسٹ کلاس کرائے پر حاصل کی۔ پارس نے کہا ”میں یہاں خود کو مصروف رکھوں۔ تمہیں جتنی دواؤں کے فارمولے دیں انہیں لکھتی جاؤ۔“

وہ بولی ”لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تمام تحریری فارمولے میرے ٹیک لاکر میں رکھے ہوئے ہیں۔“

”تم وہ فارمولے لا کر تے نکالے جاؤ گی تو دشمنوں کی نظروں میں آ جاؤ گی۔ مجھے ان کی ضرورت ہے۔“

”تم ان کا کیا کرؤ گے؟“

”میں دشمنوں تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ تمہارے نام سے اخبارات میں اشتہار دوں گا کہ ایک کیمسٹ اور لیڈی ڈاکٹر صوفیہ چند اہم دواؤں کے فارمولے فروخت کرنا چاہتی ہے۔ جو کچھ ان ڈاکٹر حضرات خریدنا چاہتے ہیں وہ ڈاکٹر صوفیہ کو مخاطب کر کے اخبارات میں اپنا نام اور فون نمبر شائع کریں۔ ڈاکٹر صوفیہ پہلے ان سے فون پر رابطہ کریں گی۔“

وہ بولی ”کیا اس طرح دشمن سامنے آئیں گے؟“

”وہ اشتہار پڑھ کر سب سے پہلے تو تمہارے باپ کے ہوٹل آئیں گے کہ تم نے وہ فارمولے فروخت کر دیے تو آئندہ وہ لاکھوں روپے نہیں کما سکے گا۔ جو دشمن تمہیں قتل کرنے کے لئے تلاش کر رہے ہیں وہ اس ناک میں رہیں گے کہ تم فارمولے فروخت کرنے کے لئے کن لوگوں سے ملاقات کرنے جا رہی ہو۔“

لیا میں خریداریوں سے ملاقات کرنے جاؤں گی؟“
”تمہاری ایک ڈی جائے گی۔ میں چپ کر اس ڈی کی عمرانی کروں گا اور دشمنوں کو آٹانے کی کوشش کرنا رہوں گا۔“
”تم بہت عمدہ ہے لیکن دشمن نادان نہیں ہیں۔ وہ اس چال کو سمجھ لیں گے۔“

”مجھے دو۔ میں تو تمہارے باپ کی فطرت سمجھ کر یہ چال چل رہا ہوں۔ وہ بے حد لالچ اور مبالغہ خور ہے۔ یہ بھی نہیں چاہے گا کہ تم وہ فارمولے کسی دوسری دوا ساز کمپنی کو دو۔ تم فارمولوں کا سودا کرنے جہاں جاؤ گی وہ تم سے پہلے وہاں پہنچ جائے گا۔“
”ہاں ڈیڈی ایسا ضرور کریں گے لیکن میں وہ فارمولے کاغذ پر کیوں لکھوں؟ ہم سچ چچان کا سودا نہیں کریں گے۔“

”میں سچ چچان کروں گا ان کے عوض لاکھوں روپے لے کر نہیں لوں گا۔ دوسرے ملک چلا جاؤں گا۔“

وہ جیتے ہوئے بولی ”تم میرے پیارے بچے ہو، بھلا تمہیں روپے ڈالر اور پونڈ کی کیا کی ہوگی۔ میں لکھ رہی ہوں مگر جس سے شام ہو جائے گی۔ تم اس دوران کیا کرؤ گے؟“

”میں اخبارات میں اشتہار دینے جا رہا ہوں۔“

”اوہ نو۔ تم مجھے چار دیواری میں تنہا چھوڑ کر باہر جا رہے ہو۔“

”میں تفریح کی غرض سے نہیں کام لے رہا ہوں۔“

”تم کام کرتے رہنا۔ میں تمہارے ساتھ تفریح کرتی رہوں گی۔“
”بالکل نہیں۔ میں تنہا جاؤں گا۔ مجھے ایک لڑکی کو پہچانتا ہے۔“

”لڑکی پہنچنے جا رہے ہو۔ شرم نہیں آتی۔ پرانی لڑکیوں کو بہن سمجھنا چاہئے لیکن مردوں میں اتنی شرافت نہیں ہوتی ہے۔“
”نہیں ہوتی ہے۔ اسی لئے تنہا جا رہا ہوں۔“

”میں نہیں جانے دوں گی۔“
”یہ تمہارے پیارے کا حکم ہے۔ ان کے لئے لڑکی تلاش کرنا ہے۔“

”کیا؟ پیارے کے لئے؟ اوہ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں اور پیار سے پوچھا بھی نہیں کہ اتنی عمر ہو گئی ہے انہوں نے شادی بھی کی ہے یا نہیں؟“

”شادی کیا خاک کریں گے۔ تم جیسی لڑکیوں کو جینی بنالیتے ہیں۔ کسی بڑے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ ایک عورت پسند آتی ہے مگر وہ شادی شدہ ہے۔ اس کے بڑے ہونے کے انتظار میں کتوارے بیٹھے ہیں۔“

”اس عورت میں کیا بات ہے؟ اگر وہ حسین ہے تو یہاں کتنی ہی عین بیواؤں میں مل جائیں گی۔“

”وہ عورت صرف حسین ہی نہیں چار بچوں کی ماں بھی ہے۔“

وہ چونک کر پارس کو دیکھنے لگی۔ وہ بولا ”کی تو مسئلہ ہے۔ یہ آج تک خدا ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کبھی عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟“

وہ اس بات پر غور کرنے لگی۔ جب بات سمجھ میں آئی تو اس وقت تک پارس جا چکا تھا۔ وہ سچ سچ ایسی لڑکی کو پہچانتا چاہتا تھا جسے صوفیہ کی ڈی کے طور پر استعمال کر سکے۔ پھر اسے میرا پاکستان کا انتظار تھا کیونکہ وہ جس لڑکی کا انتخاب کرتا۔ اسے ہم ٹیلی پیٹھی کے ذریعے آگاہ کر دیتا تھا۔ لڑکی کی ضرورت دوسرے دن تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ہم چوبیس گھنٹوں میں ایک بار اس سے رابطہ کرتے ہیں۔

مسئلہ صرف یہ نہیں تھا کہ ایک بیودی سرمایہ وارد دواؤں کے فارمولوں کے ذریعے پاکستان سے کروڑوں روپے کما رہا تھا۔ میں نے یہ منافع روک دیا تھا لیکن یہ ایسا مسئلہ تھا جس میں مجھے اٹھایا جا رہا تھا اور دوسری طرف درپردہ پاکستان کے خلاف گہری سازش جاری تھی۔

بھارت جو کبھی روس کی آغوش میں دودھ پیتا تھا اب امریکا کی گود میں لی رہا تھا۔ سانپ کو دودھ پینے سے غرض ہے۔ جہاں زیادہ دھماکہ ہواں جاتا ہے۔ روس تقریباً نوٹ کا تھا اب امریکا کو جمہوریہ چین سے اندیشہ تھا اور بھارت کو تو روز اول سے ہی پاکستان ٹھک رہا ہے۔ یہ راز نہیں کھل رہا تھا کہ پاکستان انٹیم ہم بنا چکا ہے یا نہیں؟

پاکستانی خطرے سے بچنے کے لئے یہ خفیہ معاہدہ ہو چکا تھا کہ امریکا بھارت کو اسلحہ جدید خریدے اور فوجی امداد دے گا اور بھارت امریکا کو چین اور بھارت کی سرحد کے پاس فوجی اڈے بنانے کی اجازت دے گا۔

فی زمانہ بالکل ملک جنگ کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔ اس لئے سیاسی بیان بازی کے ذریعے اقتصادی معاشی اور تہذیبی نقصانات پہنچانے کے لئے اپنے ایجنٹوں اور سرخار سائوں کے ذریعے دوسرے ملکوں میں سرگرمی بناتے ہیں اور انہیں کھوکھلا کرنے کی سرزد چکیں لڑی جاتی ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی بھارتی ایجنٹوں اور سرخار سائوں کی خفیہ سرگرمیاں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ غیر ملکی دشمنوں کو ہمارے ملک میں آرام سے رہنے کی جگہ کیسے ملتی ہے۔ ایک تو یہ کہ ہمارے جوان جن ملکوں سے شادی کر کے اپنی بیویاں اور جوان ساتھی لاتے ہیں ان میں بیشتر جاسوس ہوتے ہیں۔ جب تک میاں بیوی بن کر رہتے ہیں اپنی اصلیت ظاہر نہیں ہوتے۔ دوسرے یہ کہ راتوں رات امیر بننے کے خواب دیکھنے والے لوگ رشوت لے کر ان غیر ملکیوں کو اپنا رشتہ دار یا دوست بنا کر اپنے گھر لائیں رہنے کا موقع دیتے ہیں۔

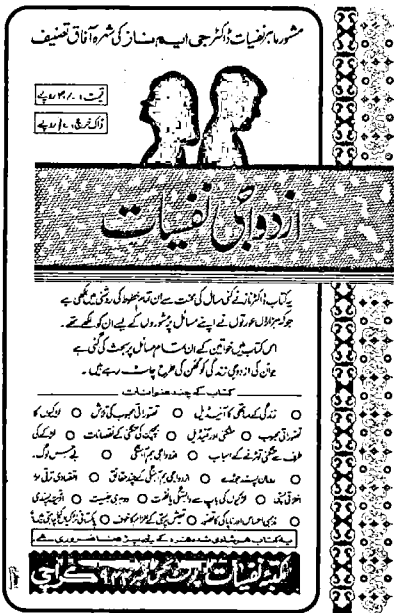
یہ قیام پاکستان سے ایک برس پہلے کی بات ہے ایک ہندو

کاسٹلہ بورے کے ایک خاندان دست پورہ میں رہتا تھا۔ وہاں ان دنوں ہندوؤں کی آبادی زیادہ تھی۔ اس کاسٹہ کی ایک خوبصورت بیٹی شاردہ اقبال حمید پر عاشق ہو گئی تھی۔ اقبال حمید بھی اس کا دوانہ تھا۔ جب ان کے عشق کا چرچا ہونے لگا تو ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف ہونا شروع کیا۔ بوں بھی پاکستان قائم کرنے کے لئے فعرے لگائے جاتے تھے جس کے نتیجے میں فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بجھتی رہتی تھی۔ ایک برس کے اندر یہ آگ پورے ہندوستان میں پھیل گئی تھی۔ چونکہ تقسیم ہند کے مطابق یہ معلوم ہو چکا تھا کہ لاہور پاکستان میں رہے گا۔ اس لئے سکھ اور ہندو یہ شہر چھوڑ کر بھاگتے تھے۔ ایسے ہی دنگے فساد کے دوران شاردہ ابھاکر اقبال حمید کے گھر آگئی۔

ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ تم نے مجھے بددعا دی۔ مگر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایمان دھرم سے سچ اور شرافت کو سمجھنے کی توفیق دے۔“

ہوئی مسلمان فیملی کی طرح وہاں رہیں گے ان کے نام اور طور طریقے مسلمانوں جیسے ہوں گے۔ ان کے چھ بچے فوجی اسکول میں تعلیم اور جاسوسی کی تربیت حاصل کرنے کے بعد ہمارے پاس مسلمان ناموں سے لندن پہنچ جائیں گے۔ ان سب کو کبھی وقت اور حالات کے مطابق ہدایات ملتی رہیں گی۔“

نہیں ہوتا۔



راستے بند کر دیا ہوں۔

یہ درست ہے، میں کچھ روز پہلے تک خفیہ تنظیم ”را“ کی سرگرمیوں سے بے خبر تھا۔ یہ جو کچھ بیان کر رہا ہوں، مجھے یہ بعد میں معلوم ہوا تھا۔ ابو داؤد نے فون کے ذریعے رانا حمید سے رابطہ کیا پھر کہا ”تمہارا بیٹا رانا جشید اور دونوں بیٹیاں رحمانہ اور رخسانہ اپنے اپنے مشن پر مت کامیاب ہیں۔ ان کی کامیابیوں کے پیش نظر میں چاہتا ہوں، وہ اب فریاد کو دوسرے معاملات میں الجھائے رہیں۔ ایک معاملہ جو چودھری حاکم علی حاکم کا ہے۔ اس کی بیٹی اپنے بارے کے ساتھ کہیں چھپ گئی ہے۔ اسے دھمک دینا ضروری ہے۔“

”کیا وہ اسی شہر میں ہوگی؟“

”ہاں۔ دو سالہ فیکٹری پر قبضہ جمانے کے لئے اس نے بھائی کو قتل کر دیا ہے۔ بیٹی کے خوف سے باپ چھپ گیا ہے۔ ہم نے اس چودھری کے دماغ کو لاک کر دیا ہے۔ اس کی بیٹی اسے فریاد کے ذریعے تلاش نہیں کر سکے گی۔“

”کیا فریاد اسی شہر میں ہے؟“

”آج کل نہیں ہے لیکن کسی دن بھی آسکتا ہے۔ وہ اپنے پیچھے اپنی جیسی کوئی طاقت چھوڑ کر جاتا ہے۔ اسی شہر میں طارق ثانی ایک نوجوان ہے۔ وہ صوفیہ کا محافظ ہے۔ وہ اتنا شبہ زور ہے کہ اس نے ہمارے تین فائزوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔“

”صوفیہ اور طارق کو صرف دھمک دینا کافی ہے یا انہیں ختم بھی کر دیتا ہے؟“

”دونوں کو گرفتار کر کے بریٹال بنایا جائے تو فریاد انہیں رہائی دلانے کے مسئلے میں الجھائے گا۔“

”کیا وہ دونوں فریاد کے لئے بہت اہم ہیں؟“

”فریاد جیسے بیٹی یا بہن بنالیتا ہے اس کے لئے جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ پھر وہ فریاد کا تخت طارق جو صوفیہ کا محافظ بنا ہوا ہے۔ اس جیسے شبہ زور نوجوان کی بھی اہمیت کچھ نہ کچھ ہوگی۔“

رانا حمید نے کہا ”میرا بیٹا رانا جشید صرف شبہ زوری نہیں بے حد چالاک بھی ہے۔ وہ چھپنے والوں کو چوہے کے بل سے بھی نکال لاتا ہے۔ میں آج سے اپنے لئے بتاؤں گا کہ صوفیہ اور طارق کو ہم ان کی پناہ گاہ سے کیسے نکالیں گے۔“

رابطہ ختم ہو گیا۔ رانا حمید تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے ریسپورڈر اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر کہا ”ہیلو بیٹے جشید! کیا وہاں ہے؟“

”ڈیڈ! اور کیا ہوگا۔ آئندہ الیکشن کے لئے غنڈوں کی فوج تیار کر رہا ہوں۔ یہ اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ دھن دھن اور دھانڈل کے ذریعے ہی اسے تک پہنچ سکتا ہوں۔“

”بیٹے! اپنی موجودہ مصروفیات کے علاوہ فریاد علی تیمور کے ایک معاملے میں غائب ڈھانڈا ہوگا۔“

”کیا چیف کا حکم ہے؟“

قوت بڑھا رہا تھا۔ دوسری طرف پاکستانی غوام کے دماغوں میں یہ نظریہ ٹھونس دیا تھا کہ خدا نخواستہ پاکستان کو منا کر مسلمان بھارت میں ہندوؤں کے ساتھ حکومت کر سکتے ہیں۔ جبکہ پاکستان کا مقصد صرف علیحدہ حکومت نہیں اسلامی حکومت قائم کرنا ہے۔ ہندوؤں کے اشتراک سے کوئی مسلمان صدر یا وزیر اعظم تو ہو سکتا ہے لیکن سیکور بھارت میں اسلامی قوانین نافذ نہیں کر سکتا۔ بات صرف بھارتی سرانفرسازوں کی نہیں ہمارے سکرانوں کی بھی ہے جو سکران اسلامی قوانین کے نفاذ میں ٹال مٹول کرتے ہیں وہ بھی درپردہ بھارتی ایجنٹ ہوتے ہیں۔

یوگا سٹرا رانا حمید کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں۔ یہ تینوں بیٹا اور بیٹیاں بھی یوگا کی ماہر تھیں۔ بیٹا رانا جشید ساہتہ ان تھا اسٹیبل میں بیٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بیٹی رحمانہ حمید انجمن خواتین کی چیئر پرسن تھی اور نمائش کی عادی خواتین کے درمیان اپنی نظریات کا زہر پھیلاتی آ رہی تھی۔ ایک اور بیٹی رخسانہ سینڈ ایئر میں تھی اور ایک طبیبہ طالبات کی یونین میں رہ کر یونیورسٹی میں سیاسی ہنگامے کراتی تھی۔

اب ایک نیا یوگا سٹرا ایسے ڈیوڈ آیا تھا۔ وہ یہودی تھا۔ وہ اپنے نام کے علی ترنہ ابو داؤد کے مطابق داؤد کہلاتا تھا۔ بھارت کی خفیہ تنظیم ”را“ کی پاکستانی رانچ کا چیف تھا۔ اس نے لاہور پہنچ کر ایسی ٹیم بنائی تھی جس کا ہر فرد یوگا کا ماہر تھا۔ اس میں رانا حمید اس کا بیٹا رانا جشید بیٹی رحمانہ اور رخسانہ وغیرہ خاص اہمیت رکھتے تھے۔ ظاہر ہے یوگا کا جاننے والوں کی جماعت اس لئے بنائی گئی تھی کہ میری ٹیلی چیٹی سے محفوظ رہیں۔ ابو داؤد کا خیال تھا کہ میں کسی بھی ٹیم کے ممبر کو آلا کار نہیں بنا سکوں گا۔ نہ ابو داؤد تک پہنچ سکوں گا نہ خفیہ تنظیم ”را“ کی موجودگی اور اس کی پلاننگ کو سمجھ پاؤں گا۔ پارس نے صوفیہ کی کو بھی میں اسی تنظیم کے تین افراد کو بری طرح زخمی کیا تھا اور ان یوگا جاننے والوں کے دماغوں میں مسلمان کو پہنچایا تھا۔ چار چلا وہ اپنی ٹیم کے سربراہ ابو داؤد کا اور ”را“ تنظیم کا نام نہیں جانتے ہیں۔ اس کے باوجود ابو داؤد کے حکم سے تینوں کو شت کر دیا گیا۔ شاید اس لئے کہ وہ تاہم شکست خوردہ ماتحتوں کو پسند نہیں کرتا تھا یا پھر اس لئے کہ وہ تینوں صوفیہ کے مددگار (پارس) کی نظروں میں آئے تھے۔ وہ مددگار ان تینوں کے ذریعے دوسرے ماتحتوں کو پہچان سکتا تھا اور انہیں بھی زخمی کر سکتا تھا۔ اصل اندیشہ یہی تھا کہ ان زخموں کے دماغوں میں فریاد پہنچ سکتا ہے۔

چنگل دو دونوں سے ابو داؤد میری طرف سے بے فکر تھا۔ اسے معلوم تھا کہ میں صوبہ سرحد میں مصروف ہوں۔ وہ چاہتا تھا میں جب بھی لاہور واپس آؤں پھر صوفیہ اور اس کے باپ چودھری حاکم علی حاکم کے معاملات میں الجھ جاؤں اور اسی خوش فہمی میں رہوں کہ پاکستان سے کاروباری منافع حاصل کرنے والوں کے

”چیف تم بھائی بہنوں سے بہت خوش ہے۔ اسے تم پر اعتماد ہے کہ تم ہی فریاد کو اصل ٹریک سے ہٹا کر دوسرے معاملے میں الجھائے ہو۔“

وہ اپنے بیٹے جشید کو چودھری حاکم علی صوفیہ اور طارق (پارس) کے متعلق بتاتے گا۔ جشید نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا۔ ”بات سمجھ میں آئی ہے۔ اس معاملے میں پہلے صوفیہ اور طارق کو ان کی خفیہ پناہ گاہ سے نکالنا ہے۔“

”میں نے تمہاری زبان اور جالا کی پر بھروسہ کر کے چیف سے وعدہ کیا ہے کہ تم آج سے گھنٹے بعد بتاؤ گے کہ انہیں کس طرح گرفتار کیا جاسکتا ہے۔“

”آپ کا بھروسہ قائم رہے گا۔ چیف سے کہہ دیں، مجھے چودھری حاکم علی صوفیہ اور طارق کی تصویروں کی ضرورت ہے۔ تصویریں ملنے کے بعد باہم گفتگوں کے اندر وہ دونوں ہماری قید میں ہوں گے۔“

”بیٹا! چیف کی تسلی کے لئے اپنی پانچ انگ بتاؤ۔“

”میں چودھری حاکم کی تصویر دیکھ کر اس کی ڈی تیار کر دوں گا اور اس ڈی کو شہر میں گھماؤں گا۔ صوفیہ دو سالہ فیکٹری کو اپنے نام کرانے کے لئے پہلے کسی خیال خوانی کرنے والے کے ذریعے دھمکی دے چکی ہے کہ باپ نے وہ فیکٹری قانونی طور پر اس کے خاں نے کی تو وہ زندہ نہیں رہے گا۔ جب صوفیہ اور طارق چودھری حاکم علی کی ڈی کو دیکھیں گے تو دھوکا کھا کر اس کے قریب آئیں گے اور ہمیں بدلنے کے باوجود دونوں پہچانے جائیں گے۔“

”شاباش بیٹا! ہزاروں برس جیو۔ تمہیں تصویریں مل جائیں گی۔“

اس نے ریسپورڈر دیکھا۔ پھر سرگھما کر دیکھا۔ کمرے کے دروازے پر شبیر کھڑی ہوئی تھی۔ وہ شبیر کو پہلے کبھی شادا تھی۔ اب عمر کے ساتھ برس سے آگے نکل چکی تھی۔ وہ اب بھی دانت کے دستے کی ایک چھڑی فرش پر لیٹے اپنے بیٹے رانا حمید کو دیکھ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ چھڑی کھینچتے ہوئے بیٹے کے قریب آکر بولی۔ ”فریادوں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ تم چیف سے اور میرے پوتے جشید سے باتیں کر رہے تھے اور گفتگو کے دوران فریاد علی تیمور کا نام لے رہے تھے۔“

”ای! ہمیں صرف ابو سے اندیشہ رہتا ہے کہ وہ ہم ماں بچوں کو وطن دشمنوں کی صورت میں نہ دیکھ لیں۔“

”ہاں میں ابہا سمجھا چکی ہوں، تمہارا باپ کتنا کستانی ہے اسے ہماری سرگرمیوں کا علم نہیں ہوتا چاہئے۔“

”وہ ای! وہ تو جان زدہ ہیں جو میں کھینچتے ہستہ بڑے رہتے ہیں اگر انہیں معلوم ہو جیو کیا تو وہ ہمارے خلاف کچھ کرنے کے لئے بہتر اندھ نہیں کیوں گے۔“

”تمہارے ابو کی بار خند کر چکے ہیں کہ ٹیلیفون ان کے

سہانے رکھا جائے۔ میں انہیں کب تک ٹالتی رہوں گی۔ ان کے قریب فون رہے گا تو وہ کمرے کے باہر دوست احباب سے باتیں کر کے دل بھلاتے رہیں گے۔ ایسے میں ہماری اصلیت معلوم ہوگی تو وہ ٹیلیفون ہمارے لئے خطرے کی گھنٹی بن جائے گا۔“

وہ بولا ”ہمارے لئے بڑی مشکل ہو جائے گی۔ چیف کا حکم ہے کوئی بھی ہمارے لئے خطرہ بنے اسے پہلی فرصت میں ختم کر دو۔ لیکن آپ کی شوہر پرستی مجھ میں نہیں آتی۔ جو شوہر پاکستان سے محبت کرتا ہے آپ اسے ختم کرنا نہیں چاہتیں پاکستان کو ختم کر کے انگریز بھارت بنانا چاہتی ہیں۔“

”دیکھو حمید! یہ تم دوسری بار میرا ساگ اجاڑنے کی بات کر رہے ہو کیا تم اس کے بیٹے نہیں ہو؟ تمہارا باپ نہیں ہے؟“

”ہے۔ لیکن یوڑھا ایاچ باج پہلے ہی زندہ لاش بنا ہوا اور وہ ہماری ماں کے لئے اور تمام اولاد کے لئے موت کا خطرہ بن جائے تو ہمیں کیا فیصلہ کرنا چاہئے؟ کیا زندہ لاش کو مایاں چھوڑ کر ہم سب کو اس دنیا سے چلے جانا چاہئے۔“

”میں صرف ایک ہی بات جانتی ہوں۔ جب تک میرا ساگ سانس لے رہا ہے اسے سانس لینے دو۔ اپنے طور پر مختار ہو، ہمارا کوئی راز اس کے کانوں اور آنکھوں تک نہ پہنچے دو۔“

”ہم بھی کر رہے ہیں۔ آپ ہماری آئیڈل مل ماں ہیں۔ آپ نے ہندو سرکار کے ذریعے ہمیں زمین سے آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا ہے۔ بھارت لندن اور پیرس کے شیکوں میں ہماری بے شمار دولت ہے۔ ہم سب لندن کے شہری بھی ہیں اور کسی خطرے کے وقت ہمیں بھارت میں عزت اور احترام سے پناہ مل سکتی ہے۔ ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے رہیں گے۔“

وہ اقبال حمید کی محبوبہ شادا تھی اور اقبال حمید کی شریک حیات شبیر تھی۔ مسلمان عورتیں شوہر کو مجازی خدا کہتی ہیں۔ ہندو عورتیں شوہر کو بھگوان، پتی پریشور سمجھتی ہیں۔ شادا بھی اپنے محبوب شوہر کو بھگوان سمجھ کر پوجتی تھی۔ جوانی سے لے کر بڑھاپے تک اس کی خدمت کرتی آ رہی تھی لیکن جس زمین پر خدمت کر رہی تھی اسے ہندوستان کی ملکیت سمجھتی تھی۔ اس نے اسی نظریے سے اپنی اولاد کو دھ دھ پلایا تھا اور اولاد کو کم عمری میں ہی تعلیم کے بجائے لندن بھیج دیا تھا۔ جہاں شادا کے بھائی اور بہنوں نے اس کی اولاد کو اپنی سرپرستی میں لے کر رتہ رتہ ان کے ذہن بدل دیے تھے۔

وہ قیام پاکستان سے یہاں کی زمین کا اتباع اور ملک کھارک ایک مسلمان کی شوہر پرست بیوی ہو کر بھی اندر سے شادا تھی۔ سر حال شادا نے بیٹے سے کہا ”میں ضروری شاپنگ کرنے جا رہی ہوں۔ میرے ساتھ چلو۔“

”ای! چیف کا فون آئے والا ہے۔ میں انتظار میں بیٹھا ہوں۔“

وہ چھڑی لپکتی ہوئی دروازے پر آئی پھر وہی "فون اٹینڈ کر کے بعد اپنے ابو کو اٹینڈ کرنا۔ شاید ایسی کسی چیز کی ضرورت ہو۔"

"کل رات اسی ایس ادھر جاؤں گا۔"

وہ چلی گئی۔ یہ سوچنے لگا "اسی نے ابو کو پرالم بنایا ہے۔ بے شک مجھے باپ سے محبت ہے لیکن باپ سے زیادہ اپنی اولاد سے محبت ہوئی ہے۔ اگر ابو نے ہمیں ملک دشمن عناصر سمجھ لیا اور ایک عجب وطن کی حیثیت سے ہمیں قانون کے حوالے کیا تو میں باپ کے ذریعے ملنے والی سزا بھگت لوں گا لیکن اپنی اولاد پر آج نہیں آنے دوں گا۔ اسی اپنے سہاگ کو بچا رہی ہیں۔ مجھے اپنی اولاد کو بچانا چاہیے۔"

اس نے کونڑی کے پاس آکر بار دیکھا اس کی ماں کا ریش بیٹھ کر جاری تھی۔ اس نے پلٹ کر ٹیلی فون کو دیکھا۔ آدھا ٹھنڈا گزر چکا تھا اور چیف نے ابھی تک رابطہ نہیں کیا تھا۔ شاید وہ کسی دوسرے معاملے میں مصروف ہو گا۔ وہ سوچتا ہوا کمرے سے باہر آیا، کمرہ دیکر دوسری طرف اس کے باپ اقبال حیدر کی خواگاہ تھی۔ اس نے دروازہ کھول کر دیکھا۔ اقبال حیدر ایک آرام دہ پنک پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ بیٹھ کر دیکھ کر مسکرایا پھر وہی کزور آواز میں بولا۔

"ایک ہی گھر میں رہتے ہو اور ایک ہفتہ بعد باپ کے کمرے میں آتے ہو۔"

وہ بولا "اسی لئے نہیں آتا کہ آپ طعنے دیتے ہیں ہماری مصروفیات کو نہیں سمجھتے۔ اپنی بیکار زندگی کی طرح ہمیں بھی بیکار سمجھتے ہیں۔"

اس نے پلٹ کر دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ باپ نے کہا۔

"ٹھیک کہتے ہو جیٹا، میں بیکار ہی رہا ہوں۔ تم لوگوں پر بوجھ بن گیا ہوں۔"

وہ قریب آتے ہوئے بولا "آپ بوجھ نہیں، خطرہ بن گئے ہیں۔ دانا کہتے ہیں کہ خطرے کو چننے نہیں دیتا چاہئے۔"

"تم مجھے خطرہ کیوں سمجھ رہے ہو؟ کیا تمہیں میری ذات سے نقصان پہنچ رہا ہے؟"

"پہنچنے والا ہے۔ آپ قیام پاکستان کے سپاہی ہیں۔ آپ لوگوں نے ہندوستان کے ٹکڑے کر دیے اس زمین کو پاکستان کا نام دے دیا۔ آپ لوگوں نے کس حق کے تحت اس کا کیا؟"

"بیٹا! تاریخ پڑھو۔ مسلمانوں نے کئی صدیوں تک ہندوستان پر حکومت کی ہے۔ وہاں کی زمینوں پر پیرسہ بھی بھایا ہے اور خون بھی۔ ہمارے پیتے اور خون کا حساب کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ ہم نے پاکستان بنا کر اپنے تمدنی، سیاسی اور اسلامی حقوق حاصل کئے ہیں۔"

اس نے باپ کے سر کے نیچے سے ٹکڑے کھینچ کر کہا "میں بھی اپنا حق حاصل کرنے آیا ہوں۔ مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں آپ کے پوتے ہو تو میں کی ہٹا کے لئے آپ کی سائنس سمجھ لوں۔"

اقبال حیدر نے حیرانی سے بیٹے کو دیکھا۔ وہ چند لمحات کی حیرانی تھی۔ پھر اس کے منہ اور ناک پر ٹکڑے آگیا۔ بوڑھے نے ایک ہاتھ سے ٹکڑے کو ہٹانے کی کوشش کی۔ دوسرا ہاتھ اور بائیں فلیج وہ تھکے۔ اس میں ایک ذرا جھنجھٹ نہیں ہوئی تھی۔ ٹکڑے کا دباؤ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ سانس لینے کے لئے ہوا نہیں مل رہی تھی۔

جدوجہد کے لئے ایک ہی بوڑھا اور کزور ہاتھ اور ایک بائیں رہ گیا تھا۔ وہ اکیلا ہاتھ کاٹنے کا پتہ نہ دیتا تھا۔ بوئی شاخ کی طرح سبز تر کر رہا۔ جدوجہد تمام ہو گئی۔ آخری بار اس کا کزور جسم ڈراما پھر پھرایا پھر ایک دم سے ساکت ہو گیا۔ اس بوڑھے کی سانس روکنے کے لئے پانچ منٹ بہت زیادہ تھے لیکن وہ پندرہ منٹ تک ٹکڑے کو منہ اور ناک پر دبوچے رہا۔ پھر ٹیگ سے اتر گیا۔ بیٹے پر کان رکھ کر اور بعض ٹیبل کرٹین ہوا کہ وہ شہم ہو چکا ہے۔

اس نے بجلی ہوئی مردہ آنکھوں کو بند کیا۔ زیادہ دباؤ کے باعث ناک زرد پڑ گئی تھی اس نے نتھنوں میں انگلی ڈال کر ناک کو سیدھا کیا، ٹکڑے کو دوبارہ سر کے نیچے رکھا۔ لاش کو ایسی پوزیشن میں لے آیا جیسے حرکت قلب بند ہونے سے موت واقع ہوئی ہے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے تک آیا۔ اسے کھولنے کے بعد باپ پر ایک نظر ڈالی۔ ماں نے حکم دیا تھا "جب تک میرا ساگ سانس لے رہا ہے، اسے سانس لینے دو" اور اس نے ماں کے حکم کی تعمیل کی تھی۔ ہلاک کرنے کا تو قص ایک بہانہ تھا۔ مقدمہ میں اتنی ہی سائنس نہیں، جو حکم ملتی تھیں۔

فون کی گھنٹی سنائی دے رہی تھی۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرے میں آیا، پھر ریسورٹھا کر کہا "ہیلو رانا حیدر! سیکنڈ۔"

چیف کی آواز سنائی دی "آدھا ٹھنڈا کزور کا ہے۔ پلاننگ بتاؤ؟"

اس نے اپنے بیٹے جیش کی پلاننگ سنا دی۔ چیف نے خوش ہو کر کہا "جیش کا جواب نہیں ہے۔ پلاننگ بہت عمدہ ہے۔ چودھری اور صوفیہ کی تصویریں تمہیں ایک ٹکڑے کے اندر مل جائیں گی۔ طارق ایک ہی بار نظروں میں آیا تھا" اس لئے اس کی تصویر نہیں ہے۔"

رانا حیدر نے کہا "آج میں نے تنظیم کے مفاد کے لئے ایسا کام کیا ہے، جو بہت کم فائدہ دار کر پاتے ہیں۔"

"اگر ایسا ہے تو تم انعام کے حق دار ہو جاؤ گے۔ بتاؤ کیا کیا ہے؟"

"میرے ابو کو ہم لوگوں پر شہ ہو گیا تھا۔ وہ مجھ سے طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے۔ انہیں ہماری سرگرمیوں کا علم ہو رہا تھا۔"

"یہ بڑی تشویش ناک بات ہے۔ تنظیم کے قوانین یاد ہیں؟"

"جی ہاں۔ ہم پر لازم ہے کہ باپ بھی تنظیم کو نقصان پہنچائے

تو خون کے رشتے کو بھول جاؤ" ورنہ ہم سب کا خون ہو جائے گا۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض کر رہا ہوں کہ میں نے پانچ منٹ پہلے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔"

"شباب! رانا! تم نے وفاداری کی انتہا کر دی ہے۔ بدگیا انعام چاہتے ہو؟"

"میں اپنے پارے ابو کا حقہ بٹاؤں گا۔ دس لاکھ بھیج دیں۔"

"ایک ٹکڑے کے اندر ان تصویروں کے ساتھ رقم بھی مل جائے گی۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ اس نے ریسورٹ رکھ دیا۔ پھر باپ کی موت پر انفس کرتے ہوئے سوچا "ایک باپ کو بھگتانے کے دس لاکھ روپے آہ! انفس میرا ایک ہی باپ تھا۔ دس ہوتے تو ایک ہی دن میں کمزور پٹی بن جاتا۔"

○●○

پلے ریمانہ گھر میں آئی۔ قہقہوں پر بعد چھوٹی بہن رخسانہ پہنچ گئی۔ رانا حیدر نے دونوں بیٹیوں کو راز داری سے سمجھایا کہ خانقاہ نظریات رکھنے والے باپ کا کس طرح خاتمہ ہوا ہے۔

آوے گئے بعد اس کا بیٹا رانا جیش بھی آگیا۔ وہ بھی اس راز میں شریک ہو گیا۔ آخر میں شادرا آئی تو یہ وہ ہونے کی خبر سننے ہی ہوئی شوہر کے پاس آئی پھر اس سے لپٹ کر بہن کرنے لگی۔

"ہائے میں غصنا بھر پلے میاں سے گئی تو سہاگن تھی۔ واپس آئی تو بڑھ ہو گئی۔"

اس نے روتے ہوئے اور بولتے ہوئے اپنے بیٹے اور پوتے پوتیوں کو دیکھا۔ وہ سب سر جھکے چہرے سے گھرے صدمے کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ شادرا نے ایک ایک کے پاس آکر پوچھا۔

"چپ کیوں ہو؟ میں ابھی طرح سمجھ رہی ہوں۔ یہ تمہارے چہروں پر ابھی خاموشی نہیں ہے، بھانہ خاموشی ہے۔"

رانا حیدر نے کہا "جی! کیا آپ نہیں چاہتی کہ مجھے پوچھنا چاہتی ہیں۔ پھر اس نے بیٹے سے کہا "جیش! فتن و فن کا فورا انتظام کرو۔ یہ کام جلدی نشاؤ، ابھی بہت سے کام پڑے ہیں۔"

جیش باہر چلا گیا۔ رخسانہ اور رخسانہ رشتے داروں کو فون پر اطلاع دینے چلی گئیں۔ شادرا نے گھور کر اپنے بیٹے رانا حیدر کو دیکھا۔ پھر کہا "میں جلدی کیا تھی؟ دو چار روز مہر کر لیتے تو قدرتی موت ہو جاتی۔"

"آپ دو چار روز کی بائیں کر رہی ہیں۔ ہم برسوں سے مہر کرتے آئے ہیں۔ بیش دھڑکا لگا رہتا تھا کہ بڑے میاں کسی بھی وقت خدا بن جائیں گے۔"

"کیا کسی کو شہ نہیں ہو گا؟"

"بالکل نہیں ہو گا۔ حرکت قلب بند ہوئی ہے اور طبی موت ایسے بھی ہوتی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ دوسرے کمرے میں اپنی بیٹیوں کے پاس چلا گیا۔

رشتے دار ہاتھ کرتے آ رہے تھے۔ ابو کو دس رقم اور تصویریں بھیج دی تھیں۔ جیش نے کہا "ڈیڈ! ہمیں اپنے اعداد کے آدمیوں میں ایسے شخص کا انتخاب کرنا ہے جو چودھری حاکم علی کے ایک اپ میں صوفیہ اور طارق کو کامیابی سے دھوکا دے سکے۔"

باپ نے کہا "ایسے انتخاب کریں۔ ابھی تو بڑے میاں کی تجویز تکلیف کی آخری رسومات باقی ہیں۔"

"سب ہو جائے گا ڈیڈ! ابھی پوری رات بڑی ہے۔ میں صبح تک چودھری کی ڈی تیار کر لوں گا۔"

وہ تمام رات مصروف رہے۔ اپنے باپ کو قبر میں اتار کر صوفیہ کے باپ کی ڈی تیار کرتے رہے۔ صبح چار بجے ڈی کو ہدایت دی کہ وہ دن کے نو بجے تک فینڈ پوری کرے اور پھر دس بجے تک صوفیہ کی کوٹھی میں جائے۔ ایک اندازہ تھا کہ صوفیہ کسی ضرورت سے اپنی کوٹھی میں آئی ہوگی یا ڈاکٹر زایوسو الٹن کی لابی سیری میں جاتی ہوگی۔

رخسانہ نے کہا "میں دن کے دس بجے سے شام چار بجے تک روزی دوسرے ڈی کی نگرانی کرتی رہوں گی۔"

رخسانہ نے کہا "میں شام چار بجے سے رات نو بجے تک نگرانی کروں گی اگر ڈی کو یہ شبہ ہو کہ صوفیہ اور طارق اس کے قریب آ رہے اور اسے نہپ کرنا چاہتے ہیں تو ڈی اپنا سر کھجائے گا۔ میں سمجھ لوں گی کہ دونوں شکار ہماری نظروں میں آ گئے ہیں۔ میں خاموشی سے ان کا تعاقب کر کے ان کی خفیہ پناہ گاہ تک پہنچا چاہوں گی اور ٹرانسمیٹر کے ذریعے جیش اور ڈیڈ کو اطلاع دیتی رہوں گی۔"

اس پلاننگ کے مطابق انہوں نے اپنی فینڈ پوری کیں۔ دن کے دس بجے ڈی صوفیہ کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوا۔ رخسانہ اپنی کار میں بیٹھ کر اس کی نگرانی کے لئے گئی۔ ان دونوں کے جانے کے بعد جیش نے صبح کا اخبار پڑھا تو صوفیہ کی طرف سے شائع ہونے والے اشتہار پر نظر پڑی اس نے اپنے باپ اور چھوٹی بہن کو وہ اشتہار پڑھا۔ رانا حیدر اسے پڑھنے کے بعد کہا "معلوم ہوتا ہے فریڈ لاہور آگیا ہے۔ وہ اشتہار کے ذریعے حاکم علی کے اندر رہے چھٹی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ کبھی نہیں چاہے گا کہ اس کی بیٹی وہ فارمولے کسی کو فروخت کرے۔ بیٹی کو اس دھاندلی سے روکنے کے لئے وہ خفیہ پناہ گاہ سے نکلے گا فریڈ کی گرفت میں آ جائے گا۔"

جیش نے کہا "ضروری نہیں کہ فریڈ میاں موجود ہو۔ ویسے یہ خوب ہے کہ ہم صوفیہ اور طارق کو نہپ کرنے کے لئے ڈی چودھری کو چار بار بنا رہے ہیں اور وہ چودھری حاکم علی کو نہپ کرنے کے لئے اشتہار کا سامرا لے رہے ہیں۔"

اس نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنی بہن رخسانہ کو اخباری اشتہار کے متعلق بتایا پھر کہا "فریڈ! اس کا ماتحت طارق اشتہار کے ذریعے چودھری کو نہپ کرنا چاہتے ہیں۔ ہوشیار ہو۔ دشمن ڈی چودھری

سے دھوکا کھا کر اسے ٹریپ کریں گے۔ ایسی کوئی بات ہو تو فوراً رابطہ کرنا۔“

اس نے ٹرانس میٹر کو آف کیا۔ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ رانا جید نے ریسپورڈ اٹھا کر بیلو کما۔ دوسری طرف سے ابوداؤد نے پوچھا۔ ”تم نے آج کے اخبار میں صوفیہ کا اشتہار پڑھا ہے؟“

”ہی ہاں“ میں اپنے بچوں سے انہی اسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا۔ ہم نے چودھری کی ڈی کو صوفیہ کی کوٹھی کی طرف روانہ کیا ہے۔ رشتہ دار اس ڈی کی نگرانی کر رہی ہے۔“

ابوداؤد نے کہا ”جو دوا ساز کپتیاں صوفیہ سے فارمولے خریدتا چاہیں گی وہ کل کے اخبارات میں اپنے نام“ پتے اور ٹیلی فون نمبر شائع کرا دیں گی۔ تمہارا کیا خیال ہے“ صوفیہ ان خریداروں سے معاملات طے کرنے جائے گی؟“

”میرا خیال ہے وہ ہماری ہی چال چلیں گے۔ ہم نے انہیں پھانسنے کے لئے ڈی چودھری کو پیش کیا ہے۔ وہ ڈی صوفیہ کو خریداروں کے پاس بھیجیں گے۔“

”ٹھیک ہے اسی طرح دشمنوں کی چالیں سمجھتے ہوئے جوابی کارروائی کرتے رہو۔“

جیشہ نے ریسپورڈ لے کر کہا ”ہاں! ایک اور آئیڈیا ہے۔ چودھری حاکم علی شیخ دوا ساز کپتیاں کے مالکان سے واقف ہے۔ ان کے فون نمبروں سے بھی واقف ہو گا۔ اگر آپ اپنے کسی خیال خوانی کرنے والے کا تعاون حاصل کریں اور وہ چودھری حاکم کی فون کال کے ذریعے ان دوا ساز کپتیاں کے مالکان کے دماغوں میں پہنچ جائے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ صوفیہ فون کے ذریعے کن لوگوں سے فارمولوں کا سودا کر رہی ہے۔“

”یہ اچھی تدبیر ہے۔ میں اس پر غور کروں گا۔“

ادھر سے رابطہ ختم ہو گیا۔ انہوں نے ہر پہلو سے صوفیہ اور طارق کو ٹریپ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اگر طارق ڈی چودھری کو پکڑنے کا تاؤ خود پکڑا جائے۔ ابوداؤد اور جیشہ دیکھو ڈی صوفیہ سے دھوکا نہ کھاتے بلکہ وہ اپنے کسی ٹیلی بیٹھی جاننے والے کے ذریعے فارمولے خریدنے والوں کے دماغوں تک پہنچ رہے تھے اور یہ جو کچھ بھی ہو رہا تھا اس کا علم مجھے اور پارس کو نہیں تھا۔

پارس شیڈز میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ اس کے خیال میں آج فرصت کا دن تھا۔ کیونکہ آج ہی اخبار میں صوفیہ کی طرف سے اشتہار شائع ہوا تھا۔ اس اشتہار کے جواب میں فارمولے خریدنے والے کل کے اخبارات میں صوفیہ کو مخاطب کرنے اور اپنا نام پتا اور فون نمبر شائع کرانے والے تھے۔

صوفیہ چاہتی تھی آج کا دن پارس کے ساتھ تنہائی میں گزارے لیکن وہ ہمانے کر کے تھا چلا آیا تھا۔ اپنے طور پر کوشش کر رہا تھا کہ صوفیہ کے ساتھ کہیں تنہا وقت نہ گزارے۔ وہ عیاش نہیں تھا مگر ہاں حسن پرست تھا۔ اور حسن پرستی بھی وقت اور

حالات کے مطابق کرتا تھا۔ میں نے اسے صوفیہ کا حافظہ بنایا تھا۔ اس لئے وہ صرف اس کی جان کا نہیں آہو کا بھی حافظہ رہتا تھا۔ انسان اگر شیطان کی حد تک پیچھے تو وہ برا ہے۔ یہ کاربہ اگر انسان کی حد میں رہ کر غلطیاں کرے تو اس میں اتنے برے کی چیز باقی رہتی ہے اور وہ اچھائی کی طرف لوٹتا رہتا ہے۔

وہ شیڈز میں جس میز پر چائے پی رہا تھا۔ اس کے پیچھے والی میز کے اطراف تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے دو انکسٹام کی کرسیوں کی پشت پارس کی کرسی کی پشت سے لگی ہوئی تھیں۔ ان کی گفتگو صاف طور سے اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ ایک نے کہا ”یار! ایک بچ گیا۔ وہ یونیورسٹی کے لڑکے ابھی تک نہیں آئے۔“

دوسرے نے کہا ”ایک تو تیری جلد بازی نے پریشان کیا ہوا ہے۔ تو سمجھتا کیوں نہیں کہ یونیورسٹی کے مندرے وقت پر اپنی کلاسوں میں نہیں جاتے۔ پھر وقت پر ادھر کیسے آئیں گے۔“ تیسرے نے کہا ”اصل میں یہ شیدا ہو چکی بار وادرات کرنے والا ہے اس نے گھبرا کر گھڑی گھڑی دیکھ رہا ہے۔“

وہ بیٹھے گا، شیدے نے کہا ”میں بڑول اور گھبرانے والا نہیں ہوں مگر ہنگامے لگانے کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔“

”اے جیپ“ ایک نے سرگوشی میں ڈانٹ کر سرگھماتے ہوئے پارس کو دیکھا۔ ان سب کو غلطی کا احساس ہوا کہ ایک انہی ان کے پیچھے ہی بیٹھا ہوا ہے اور اس نے گفتگو سنی ہوگی۔

تینوں نے ایک دوسرے کو سوا لیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر ایک نے اسی طرح سرگھما کر پارس کے پیچھے کا کارا۔ اس کے کھانکے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ سوچ میں ڈوبا ہوا چائے پی رہا تھا۔ دوسرے نے طنز پر انداز میں پوچھا ”ڈاڈی! میرے بیٹے کی اینٹنگ کر رہے ہو۔“

پارس ٹس سے مس نہ ہوا۔ ایک نے اس کے کان کے قریب کہا ”اے جیپ تو بول سبزی کی اولاد!۔“

پارس نے گالی سن کر بڑے ضبط سے کام لیا۔ دوسرے نے کہا ”یہ کتنے کا بچہ گالیاں سن کر بھی خاموش ہے، کیا بچ بڑا ہے؟“

تیسرا اپنی جگہ سے اٹھ کر پارس کے پاس آیا پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا ”کیا تم ہرے ہو؟“

اس نے چونک کر تیسرے شخص کو دیکھا۔ پھر فوراً ہی جب میں ہاتھ ڈال کر انٹون فون سے لگاتے ہوئے بولا ”ہی کیا فرمایا آپ نے؟“

وہ تینوں بیٹھے گئے۔ پارس ایک ہرے کے سرور میں تھا وہ خوش ہو رہے تھے کہ اس نے کچھ نہیں سنا ہے، ایک نے چونک کر کہا ”وہ دیکھو اسٹوڈنٹس نے کہا تھا“ جو بس سچ سڑک میں آکر رکے ہم اس کو آگ لگا دیں گے۔“ انہوں نے رنگین چوک کے قریب ہی پہنچ کر شاہراہ پر بس کو

زنجی ہو کر رکھ دیکھا تھا۔ ایک نے میز کے نیچے سے پینڈول کا کین اٹھایا پھر وہ میرے کو چائے کے عوض میں روپے دیتے ہوئے باہر چلے گئے۔

پارس نے بھی اٹھ کر میرے کو دس کا نوٹ دیا۔ پھر وہ بس کے باہر آیا۔ رنگین چوک پر لوگ دوڑتے آ رہے تھے۔ ترہمی گھڑی ہوئی بس کے اندر سے مسافر ہانگے ہوئے باہر آ رہے تھے۔ چار چھ طلباء بس پر چڑھا کر رہے تھے۔ ایک جوان ہاکی سے گھڑی کے شیشے توڑ رہا تھا۔ لوگ پوچھ رہے تھے کیا بات ہے؟ کس بات کا جھگڑا ہے۔

ایک جوان کہہ رہا تھا ”کنڈیکٹر جھگڑا کرتا ہے۔ ہم نے یونیورسٹی کا کارڈ دکھایا پھر بھی پورا کرایہ مانگتا تھا۔ اب تو نہ یہ بس رہے گی۔ نہ یہ پورا کرایہ مانگے گا۔“

جس شخص کے ہاتھ میں پینڈول کا کین تھا، وہ دوڑتا ہوا بس کی طرف جا رہا تھا۔ سمیٹنے سے فائدہ اٹھا کر بس کو آگ لگانا چاہتا تھا۔ اگر طلباء کے احتجاج میں زور پیدا ہو جائے تو لوگ بھی سمجھیں کہ طلباء بری طرح مشتعل ہو گئے ہیں۔

وہ دوڑتا ہوا بس کے اندر آیا۔ پھر انجن ڈرائیور کی سیٹ کی طرف پینڈول چمکے لگا۔ اس کے پیچھے شیدا بھی آیا تھا۔ پارس دوسرے دروازے سے دوڑتا ہوا اندر آیا۔ اس نے پینڈول پھرنے والے کے منہ پر ایک الٹا ہاتھ رسید کیا۔ وہ لڑکھاتا ہوا دروازے سے گزرتا ہوا باہر جا کر سڑک پر گرا۔ کین کا باقی پینڈول اس پر الٹ گیا تھا۔ شیدا اچس کی تیلی جلا کر چمکے ہوئے پینڈول پر پھینکا چاہتا تھا۔ پارس نے اس کے ہاتھ پر پلاٹ ماری۔ چلتی ہوئی تیلیا ہاتھ سے نکل کر فضا میں اڑتی ہوئی باہر گرنے والے شخص پر گئی۔ وہ یکبارگی پھرنے ہوئے شعلوں میں لپٹ گیا۔

پارس نے شیدے کی گردن دلوچ لی۔ وہ جلتے والا سڑک سے اٹھ کر ادھر اُدھر بھاگ رہا تھا اور لوگ آگ کے شعلوں سے بچنے کے لئے اس سے دور بھاگ رہے تھے۔ کچھ لوگ پانی کی بوتلیاں اٹھا کر لڑا رہے تھے۔ پارس نے شیدے کو سپاہیوں کے سامنے دھکا دے کر کراتے ہوئے کہا ”یہ اندر جا کر آگ لگانا چاہتا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ جل رہا ہے اور دوسرا سا تھی۔“

اس نے بیٹھیں نظر دوڑائی۔ تیسرا ساتھی نظریں لٹے ہی ہانگے لگا۔ پارس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ”پکڑو۔ اے۔ وہ بھی غم ہے۔“

لوگ اسے چاروں طرف سے گھیرنے لگے۔ اس نے فرار کا کوئی راستہ نہ پا کر لانا سا چاٹو نکال لیا۔ لوگ اپنے بھاؤ کے لئے پیچھے ہٹنے لگے۔ پارس نے پینڈول کے خالی کین کو اٹھا کر اس کی طرف پھینکا۔ تب دوسرے لوگ بھی پھرتا اٹھا کر اسے دور سے مارنے لگے۔ رنگین چوک کا ایک مضمی راستہ بن رہا تھا۔ اس راستے پر پھرنے والے تھے۔ پھر بے شمار تھے، مارنے والے بھی بے شمار

تھے۔ آخر وہ زخمی ہو کر گر پڑا۔ تمام طلباء ہاں سے چلے گئے تھے۔ صرف وہ پکڑا گیا تھا جو ہاکی سے گھڑی کا شیشہ توڑ رہا تھا۔ پارس نے اپنے ایک کان میں انٹون فون لگا کر کہا ”ہاکی ہمارا قوی مکمل ہے۔ جب سے تم لوگوں نے خراب کاری اور دنگے فساد کے لئے استعمال کرنا شروع کیا ہے تب سے ہماری قوی ٹیم کے مکمل کامیاب رہا ہے۔“ پولیس انسپکٹر نے کہا ”جوان تم نے بڑی پھرتی دکھائی ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ تم نے بس کو جلتے سے بچایا ہے لیکن جلتے والے کو جلا دیا۔“

وہ بولا ”میں نے دانستہ نہیں جلا یا ہے اور آپ کی اطلاع کے لئے عرض کر دوں کہ یہ تینوں اسٹوڈنٹس نہیں ہیں۔ کرائے کے غنڈے ہیں۔“

ہاکی والے طالب علم نے کہا ”میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ ہم احتجاج کے طور پر تھوڑی سی توڑ پھوڑ کرنا چاہتے تھے۔ آگ لگانا ہماری پلاننگ میں شامل نہیں تھا۔ یہ بھائی صاحب درست کہتے ہیں۔ یہ تینوں غنڈے ہیں۔ ہم نے بھی انہیں یونیورسٹی میں نہیں رکھا ہے۔“

انسپکٹر نے کہا ”تم غنڈوں کے ساتھ تمہاری خیریت بھی پوچھیں گے“ پھر اس نے پارس سے کہا ”تم کسی بیان دینے کے لئے تھانے چلو۔“

پارس نے کہا ”ذرا ایک منٹ آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

انسپکٹر اس کے ساتھ سمیٹے ہوئے ہاتھ سڑک سے دور آیا۔ وہاں ذرا فاصلے پر کچھ کابریں گھڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک کار رخشا نہ کی تھی جو انسپٹرنگ سیٹ پر بیٹھی وہ ہنگامہ دیکھ رہی تھی۔ اسی کے ایک ہاتھ میں موبائل ٹیلیفون کا ریسپورڈ تھا۔ وہ اسے کان سے لگا کر دیکھ رہی تھی ”ایک نوجوان نے کھیل لگا ڈیا ہے۔ پلاننگ پڑھنی کا بیانی سے عمل ہو رہا تھا“ پتا نہیں یہ کہاں سے آ رہا ہے۔ جین اسے ٹریپ کر کے لائی ہوں۔ پہلے تم اس کا ٹھہرو پتا پھر اس کی ہڈیاں توڑ کر سر میں پھینک دیتا۔ میں آ رہی ہوں“ انتظار کرو۔“

اس نے ریسپورڈ رکھا۔ پھر کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ اس کا رخ پارس کی طرف تھا۔ وہ انسپکٹر کو ایک طرف لے جا کر کہہ رہا تھا ”میں پولیس تھانے کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔ مجرموں کو اچھی خاصی سزا مل سکتی ہے۔ ایک جیل چکا ہے۔ دوسرے نے اتنے پتھر کھائے ہیں کہ جنوں کی روح کانپ گئی ہوگی۔ وہ دو دن تک اسپتال کے بستر پر نہیں اٹھ سکے گا۔ میرا فرض پورا ہو چکا ہے“ مجھے جانے دیں۔“

”کیسے جانے دوں؟ یہ قانون کا معاملہ ہے۔ یہاں بچے نہیں کھیل رہے تھے۔ خراب کاری ہو رہی تھی۔ ہمیں تو تھانے چلنا ہی

کون کون مرنا چاہتا ہے؟“
وہ لائیکر کی ننھی چابی کو داغوں تک لایا۔ چادوں باڈی بلڈرز
ایک دم سے پلٹ کر دوڑتے ہوئے، گرتے پڑتے بھاگ گئے۔
رخسانہ چیختے لگی ”رک جاؤ۔ مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ ننگ حرامو!
مجھے مرنے کے لئے چھوڑ کر نہ جاؤ۔“
پارس نے کہا ”اے تم بھر چیخ چیخ کر مجھے گالیاں دے رہی
ہو۔“

وہ رونے کے انداز میں بولی ”لغت ہے تم پر۔ تم نے ازفون
کیوں توڑا؟ خدا کی قسم میں نہیں دے رہی ہوں گالی۔“
وہ برے کی طرح کان لگا کر رہا تھا، پھر سر ہلا کر بولا ”گالی“
یہی تو کہہ رہا ہوں اور تم پھر ”گالی“ بول رہی ہو۔“
وہ ایک دم سے رو پڑی، کہنے لگی ”ایک طرف موت ہے
دوسری طرف برا۔ ہم کے چھٹنے سے شاید جیج جاؤں مگر اس کے
سامنے جیج کر مر جاؤں گی۔“
پھر وہ پارس کا ہاتھ پکڑ کر اشارے کی زبان سے بولی کہ وہ ہم
بلاست نہ کرے۔ اس کی جان بخش دے۔ وہ سر ہلا کر بولا ”اچھا
سمجھ گیا۔ میں اس کی چالی نہیں نکالوں گا لیکن ہاتھ میں پکڑے
رہوں گا جیسے ہی تم مجھے نقصان پہنچانے کی چالاکی دکھاؤ گی تو.....“
وہ نہیں نہیں کے انداز میں سر ہلا کر اشارے کی زبان سے بولی
کہ اس کا کچھ مر نکل رہا ہے وہ اوپر سے ہٹ جائے۔ وہ ہٹ گیا۔
رخسانہ عارضی نجات کی گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ وہ اٹھ کر
کھڑا ہوا تو رخسانہ بھی اٹھ کر بولی ”کیا میں جاؤں؟“
”جاؤں؟ تم گانا چاہتی ہو؟ کمال ہے میرے ہاتھ میں موت کا
لائیکر ہے اور تم گانا سنانا چاہتی ہو۔“

وہ جیج کر بولی ”گانا نہیں جانا چاہتی ہوں، جانا۔“
”کمانا، اچھا اب سمجھا۔ مجھے بھی بھوک لگی ہے۔ چلو کسی
ہوٹل میں جا کر آرام سے بیٹھ کر کھائیں گے۔“
رخسانہ نے دونوں ہاتھوں سے سرو کو تھام لیا۔ اس کے ساتھ
چلتی ہوئی باہر آئی۔ وہ جیب سے کار کی چابی نکال کر دیتے ہوئے بولا۔
”میں پہلے سے محتاط رہنے کا عادی ہوں۔ سوچا کیسے تم چھوڑ کر نہ
بھاگ جاؤ اس لئے یہ چالی رکھ لی تھی۔“
وہ سمجھ نہ بولی۔ چیختے چیختے سر پکڑانے لگا تھا۔ وہ کار کا دروازہ
کھول کر اندر آئی۔ پارس اس کے برابر بیٹھ گیا۔ اسی وقت موبائل
فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ ہاتھ بڑھا کر ریسور اٹھاتا چاہتی تھی۔ اس
نے ہاتھ پکڑ کر پوچھا ”کس کو فون کرنا چاہتی ہو؟“
وہ بولی ”میں فون نہیں کر رہی ہوں۔ گھنٹی بج رہی ہے، کوئی
مجھے کال کر رہا ہے۔“

”تم کیا کہہ رہی ہو؟ کچھ کہتی بھی ہو یا صرف منہ پلاتی ہو۔“
اس نے معافی مانگنے کے انداز میں دونوں ہاتھ جوڑ کر
اشارے سے سمجھایا کہ کیسے دوسری جگہ سے فون آیا ”وہ بولا ”اچھا
سمجھ گیا۔ اگر تمہارے ماں باپ کا فون ہو تو کہہ دینا ابھی تم میرے
سامنے میں سانس لے رہی ہو۔ اگر کسی نے پولیس سے رابطہ کیا یا
چھپ کر مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی تو میرے ساتھ تم بھی
مرو گی۔“
وہ ریسور اٹھا کر کان سے لگا کر بولی ”ہیلو“ میں رخسانہ بول رہی
ہوں۔“
دوسری طرف سے اس کے بھائی رانا جشیہ نے پوچھا ”تم
خیریت سے ہو؟ ابھی ان بزدل ننگ حراموں نے فون پر بتایا ہے کہ
تم سر تاج نامی کسی نوجوان کے چنگل میں پھنس گئی ہو اور اس کے
پاس کوئی خطرناک بم ہے۔“
”ہاں۔ بہت ہی تباہ کن بم ہے۔ ہم نے اس کی دل بلا دینے
والی بلاسٹنگ آنکھوں سے دیکھی ہے۔ سو مگر ہم اس کے ہاتھ میں
ہے۔ یہ بالکل سگریٹ لائیکر نظر آتا ہے لیکن ہینڈ گریڈ کی طرح
داغوں سے چالی بناتے ہی تین چار سیکنڈ میں ایسا دھماکا اور تباہی
ہوتی ہے کہ میں وہ منظر دیکھنا نہیں چاہتی۔ میں مرنا نہیں چاہتی۔
مجھے اس باگل سے کسی طرح نجات دلاؤ۔“
”اے ریسور دو، میں بات کروں گا۔“
”یہ کبوت برا ہے۔ تم جیج چیخ کر تھک جاؤ گے ایک لفظ بھی
اس کے کان میں نہیں گھے گا۔“
”تم اس سے پوچھو وہ کیا چاہتا ہے، اس کا مطالبہ کیا ہے؟“
”بھائی! میں بھی جیج کر پائل ہو رہی ہوں۔ یہ ابھی کھانے
کے لئے مجھے کسی ریسٹوران میں لے جائے گا۔ میں اسے مال روڈ پر
ہوٹل انٹرنیشنل اپرل کان میں لے جاؤں گی۔“
”ٹھیک ہے، میں پیچ رہا ہوں۔“
”لیکن اس نے وارننگ دی ہے کہ پولیس سے رابطہ کیا گیا یا
کوئی چالاکی دکھائی گئی تو یہ بم کے ذریعے خود بھی مرے گا اور مجھے
بھی مار ڈالے گا۔“
”فکر نہ کرو۔ ایسا کام دکھاؤں گا کہ ہم اس کے ہاتھ سے نکل
جائے گا اور تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔“
”بھائی! آپ کی ذہانت کا تو چیف بھی قائل ہے۔ مجھے
اطمینان ہو گیا ہے، میں آ رہی ہوں۔“
اس نے ریسور رکھ دیا۔ پارس نے اس موبائل فلیفون کو
اٹھایا پھر اسے کار کی کفری سے باہر پھینک دیا۔ وہ جیج کر بولی ”تم نے
اسے کیوں پھینک دیا۔“
وہ دروازہ کھول کر باہر جانا چاہتی تھی۔ اس نے بازو پکڑ کر
کھینچا تو وہ آغوش میں اٹری ”وہ بولا ”سیدھی طرح بیٹھو اور گاڑی
چلاؤ۔“

”وہ فون میرے لئے ضروری ہے۔“
”کیا کیا؟ گاڑی نہیں چلاؤ گی؟“
وہ جیج کر بولی ”میں گاڑی کی نہیں فون کی بات کر رہی ہوں۔ ان

گاؤ میں جتنے جتنے مرنے والے تھے۔

”کھجور کا؟“ میں نے نہیں گھر نہیں جانے دوں گا۔ پہلے ہم کسی رستوران میں کھانے جائیں گے۔“

وہ پھوٹ پھوٹ کر دنا چاہتی تھی۔ پھر خیال آیا۔ تھوڑی دیر کی بات ہے۔ ہوٹل میں جتنے ہی اس کا بھائی اس سرے سے پچھا چھڑا ہے۔ وہ کار اشارت کر کے لیبارٹری کے احاطے سے باہر آئی۔ پھر اسے لاہور کی سمت موڑنا چاہتی تھی، وہ بولا ”ادھر نہیں ادھر۔ ہم کو جراتوالہ جائیں گے۔“

”تمہارا داغ چل گیا ہے۔ میں اتنی دور نہیں جاؤں گی۔“

”کھاؤ؟“ تمھیک ہے میں کھانے ہی لے جا رہا ہوں۔ گو جراتوالہ کے کباب بہت لذیذ ہوتے ہیں۔“

وہ دونوں ہاتھ جو ڈر اشارے کی زبان سے بولی ”بڑی مرنائی ہوگی۔ لاہور کی طرف چلو۔“

وہ گو جراتوالہ کی طرف اشارہ کرنے لگا۔ اس کی بات ماننے سے وہ مال روڈ کے ہوٹل نہیں جاسکتی تھی۔ اپنے بھائی کے ذریعے رہائی حاصل نہیں کر سکتی تھی، وہ جھنجھلا کر جانے سے انکار کرنے لگی۔ اس نے کہا ”انکار کرو گی تو پہلے کار کی چابی چھین کر باہر جاؤں گا۔ پھر یہ ہم کار کے اندر تمہارے پاس پیکیج کر دوں گا۔“

اس نے کار کی چابی کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ ہاتھ پکڑ کر بولی۔ ”میں تمہارے پاؤں پکڑتی ہوں۔ تم اپنی ہر بات منوالو مگر میری ایک بات ان لو۔ ہم کل کان میں چل کر کھائیں گے۔“

پارس نے لاٹری کی چابی کو دانتوں میں دبایا۔ اس نے جلدی سے کار اشارت کر کے اسے گو جراتوالہ کی طرف موڑ دیا۔ تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے بڑا دے لگی ”میرے خاندان کی سہیلی اولاد! میرا داؤ چلتے دے۔ کن کن کر بولے لوں گی۔ تیری بولی بولی کر کے تجھ پر تھوکتی رہوں گی۔“

وہ خاموش بیٹھا رہا۔ وہ بولتی رہی۔ پھر بولتے بولتے تھک کر چپ ہو گئی۔ گو جراتوالہ پیچ کر اس نے ایک بڑے جنرل اسٹور کے قریب روکتے ہوئے کہا ”مجھ میں اتنی سکت نہیں رہی کہ تمہارے سامنے قلعہ بنا دوں۔ چلو اترو۔ میں ابھی تمہارے لئے ایک نیا آلہ ساعت خریدوں گی۔“

وہ دکان کے اندر آئے۔ وہاں سے ایک آلہ ساعت خریدا۔ رخسانہ نے ٹانگ کی ڈیا میں سیل لگا کر ایڈیو کو اس کے کان میں گھس کر پوچھا ”اب سنائی دے رہا ہے؟“

”ہاں! تمہاری سریلی آواز صاف سنائی دے رہی ہے۔“ وہ پرس سے رقم نکال کر آلہ ساعت کی قیمت ادا کرنے لگی۔ جیسے ہی اس کی توجہ ادھر ہوئی ”ادھر مارنے سے ٹانگ کی ڈیا میں سے سیل نکال کر چھپا لیا۔ پھر ڈیا کو اوپری جیب میں رکھ کر ایڈیو کو کان سے لگایا اب وہ آلہ ساعت نہ ہونے کے برابر تھا۔“

وہ قیمت ادا کر کے بولی ”تمھیں گاؤ! ایک مصیبت دور ہوئی! چلو۔“

وہ باہر آئے۔ رخسانہ نے کار میں بیٹھنے کو کہا ”جلدی سے کچھ کھاؤ۔ پھر میرے جانے دو۔“

”ابھی جانے کی بات نہ کرو۔ میں کچھ ضروری باتیں کروں گا۔“

”توجہ جلدی کرو۔“

”بھوکے پیٹ سے بات نہیں نکلی گی۔“

”میں اس ریلوے پھاٹک کے پاس بہت مشہور کباب اور چرنے کی دکان ہے لیکن شام چھ بجے کے بعد یہ کباب نصیب ہوں گے۔“

”کوئی بات نہیں۔ ہم ایک منگے ہوٹل میں کرائیں گے۔ اس کمرے میں کچھ منگوا کر کھائیں گے۔“

”ہوٹل میں کرائیں یا ضروری ہے؟“

”ضروری باتیں کرنے کے لئے تنہائی ضروری ہے۔“

”تمہارے ارادے کیا ہیں؟ میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں۔“

”یہ ابھی بات ہے میں بھی ایسا ہوں نہ دیا ہوں گاؤی چلاؤ۔“

اس نے گاؤی اشارت کی۔ پھر ڈرائیو کرتے ہوئے بولی ”میں موت کے خوف سے تمہاری ہر بات ماننے جا رہی ہوں لیکن عزت پر آج آئے گی تو موت سے نہیں ڈروں گی۔ اس لاٹری سے ہونے والی موت کو ترجیح دوں گی۔“

”تمہاری پاکیزہ باتیں سن کر میرا ایمان تازہ ہو رہا ہے۔ جس طرح آبرو کی حفاظت کرنے سے پاکیزگی قائم رہتی ہے۔ اس طرح ذمے دارانہ عمل سے وطن سلامت رہتا ہے۔ تم آبرو کی سلامتی چاہتی ہو لیکن وطن کی آبرو کا تمہیں خیال نہیں ہے تم پاکستانی کھلائی ہو اور پاکستان کے ایک خوب صورت شہر میں قریبی کارروائیاں کرتی ہو۔ شہر کا حسن اجاڑتے وقت یہ نہیں سوچیں کہ تمہارے بدن کا شہر بھی کوئی اجاڑ سکتا ہے۔“

”میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہے۔ میں طلباء یونین کی سیکریٹری ہوں۔ طلباء و طالبات کے جائز حقوق کا مطالبہ کرنا ہمارا حق ہے۔“

”ٹھیک ہے، مطالبات منوانے کے لئے ہوں کہ جانا تو جھوڑ کرنا اور امن وامان کا مسئلہ پیدا کرنا تمہارا حق ہے تو آج ایک سو تم سے رات بھر اپنے مرد ہونے کے حقوق حاصل کرتا رہے گا۔“

”آخر تم ہو گون؟ کیا امن وامان کے ٹھیکیدار ہو؟ اگر سرکاری آدمی ہو تو لین دین کی بات کرو۔“

”میں لین دین کی بات کے بغیر ہی نہیں لے آیا ہوں۔“

اس نے ایک ہوٹل کے سامنے کار روکنے کو کہا۔ وہ کار روک کر بولی ”میں ہوٹل میں نہیں جاؤں گی۔“

”تمہارا پچھلا چھوڑ دوں گا۔ ورنہ میں نے قسم کھائی ہے کہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

اس کے لہجے میں ایسی چٹکی تھی کہ رخسانہ کو لاٹری سے ہونے والی موت کا یقین آیا۔ اس نے سوچا ”ہوٹل کے کمرے میں جانے کا ایک فائدہ ہے۔ وہاں موقع ملنے ہی میں فون پر بھائی یا ڈیڈے رابطہ کر سکیں گی۔“

وہ کار کو ایک طرف پارک کر کے ہوٹل میں آئی۔ پارس نے گاؤی کے پاس آکر ایک کمرہ حاصل کیا۔ اس وقت سلمان نے آکر گاؤی کو دکان کے پاس لے کر ”میرے ساتھ یہ لڑکی رخسانہ ہے۔ آپ میرے خیالات پڑھتے رہیں۔ آپ کو بہت کچھ معلوم ہوگا اگر یہ یوگا جاننے والی ہے۔“

پارس نے نہیں دے گی۔ دیکھیں میں تھوڑی دیر میں اسے داعی گروہ میں مبتلا کروں گا۔“

پھر وہ گاؤی سے بولا ”وہ کون سا گروہ ہے۔ ہمیں بھوک لگی ہے۔“

وہ رخسانہ کے ساتھ میز پر بیٹھتے ہوئے سیکنڈ فلوئر پر جانے لگا۔ وہ بولی ”تم مسلسل لاٹری پکڑتے ہوئے ہو۔ دیکھنے والے کیا سوچتے ہوں گے۔“

”تمہارے معاشرے میں لاٹری پکڑ کر رہنا مقبوض اور قابل اعتراض نہیں ہے۔ اعتراض صرف تمہیں ہے۔“

وہ کمرے میں پہنچ کر بولی ”میں ہاتھ دوم میں جاؤں گی۔“

”ہاں ضرور چلو۔ آؤ۔“

”کیا؟“ وہ گھور کر بولی ”تم وہاں بھی میرے ساتھ جاؤ گے؟“

”اگر میں ساتھ نہ گیا تو تم فرار کا کوئی راستہ نکال لو گی۔“

”ہاتھ دوم کا ایک ہی دواؤہ تھا ہے۔ تم دواؤہ سے پر موجود رہنا۔“

پارس نے باتوں کے دوران اپنی انگوٹھی کی خفیہ سوئی نکال لی۔ پھر ہاتھ اس کے بازو پر رکھتے ہوئے بولا ”کوئی بات نہیں جاؤ۔ اس لئے سے آزاد ہو۔“

ہاتھ میں لگی بھی جیپن محسوس ہوئی۔ رخسانہ نے آہ کی۔ پھر ہاتھ سے سر کو تھام کر ڈنگائی کوئی پکڑ پکڑ کر بھینچ کر سلمان کو مل گیا۔ ”میں نے تمہارے خیالات پڑھ کر رخسانہ کے متعلق کچھ معلوم کیا ہے۔ اب اسے معمول بن کر بہت سے راز معلوم کر لوں گی۔“

پارس نے رخسانہ سے پوچھا ”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔“

”کسے تم نے میرے بازو میں سوئی چھوئی تھی۔“

”میں سوئی چھوئے والا ڈاکٹر نہیں ہوں۔“

اس نے ہاتھ دکھاؤ۔ ”اگر میں نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر دکھائے۔ انگلی میں ایک دھماکا دے رہی تھی۔ وہ بظاہر ایک عام سی انگوٹھی تھی۔“

اس کے اندر جو خاصیت تھی وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ اس نے پوچھا ”تم ہاتھ دوم جانا چاہتی تھیں؟“

”ہاں! مگر گروہ سی لگ رہی ہے۔ یہ اچانک کیسے ہو گیا؟ تم نے ضرور کچھ کیا ہے۔“

”تم گروہ سی کا بہانہ کر کے میرے سوالوں سے بچنا چاہتی ہو۔ چلو میں تم سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔ آرام سے لیٹ جاؤ۔ میں باہر جا رہا ہوں۔“

وہ خوش ہو کر بولی ”مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو؟“

”ہاں! اور یہ لاٹری تمہیں دے کر جا رہا ہوں۔ یہ لو۔“

اس نے وہ لاٹری اس کی طرف بڑھایا۔ اسے یقین نہیں آیا کہ جس ہتھیار کے ذریعے وہ اسے مٹی میں بکڑے ہوئے تھا۔ وہ ہتھیار اس کے حوالے کر رہا ہے ”وہ بولا “تمہیں یقین نہیں آ رہا ہے“

اس نے ہم کی چابی کو دانتوں میں دبایا۔ وہ گروہ کے باوجود چھ کر بولی ”نہیں۔ نہیں میں مرنے نہیں چاہتی۔“

اس نے چابی کو دانتوں سے ہٹا لیا۔ لاٹری کے اندر سے پھر کی آواز کی ساتھ دھواں نکلا تو وہ اچھل کر پارس سے لپٹ گئی۔ وہ بولا ”چند سیکنڈہ رہ گئے ہیں۔ آخری وقت لپٹنے سے کیا حاصل ہو گا؟“

وہ خوف سے کانپتے ہوئے اور اس کی آغوش گھسیتی ہوئی بولی۔ ”سب کچھ حاصل ہوگا۔ میرا حق، امن اور دھن سب تم پر بھجوا کر دوں گی۔ مجھے بچاؤ۔ میں زندگی تمہارے نام کروں گی۔“

”وعدہ کرتی ہو؟“

”وعدہ کرتی ہوں۔ قسم کھاتی ہوں۔“

”تو پھر تم نہیں ہوگی۔ موت کا وقت مل گیا ہے۔ دیکھو یہ ہم ہماری محبت کے مارے بھنا نہیں جاتا۔“

اس نے ڈرتے ڈرتے الگ ہو کر لاٹری کو دیکھا۔ چابی پہلے ہی الگ ہو گئی تھی۔ اب دھواں بھی ختم ہو گیا تھا۔ وہ کچھ مطمئن تھی کچھ سسکی ہوئی تھی۔ پارس نے اس کے ہاتھ میں زبردستی لاٹری پکڑا دیا۔ تب اسے پورا یقین ہوا۔ وہ گھور کر بولی ”یہ ہم نہیں تھا؟“

”نہ تھا نہ ہے۔“

”تم مجھے الٹی رہا ہے؟“

”نہیں۔ انوکھا رہا تھا۔“

”یو جیٹ“ فریج۔“

وہ غصے سے لاٹری پیکیج کرنا چاہتی تھی۔ پارس نے گھبرا کر کہا ”اسے نہ پھینکا۔ یہ پھٹ پڑے گا۔“

اس نے لائیکو اس کے گریبان کے اندر ڈال دیا۔ پھیلٹ کر دروازے کے پاس آیا، وہاں رک کر بولا "میں جا رہا ہوں، تمہیں کھنے بعد آؤں گا۔"

یہ بات اس نے سلمان کو سنائی۔ پھر کمرے سے باہر آیا۔ دیگر آؤر لینے دروازے پر آگیا تھا۔ اس نے کہا "ابھی ضرورت نہیں ہے، جاؤ۔"

وہ چلا گیا۔ پارس ہوٹل سے باہر آکر مارش بیٹھ گیا۔ پھر اسے ڈرائیو کرتے ہوئے دوسری جگہ جانے لگا۔ تاکہ رخصانہ کے بچے تلاش کرتے ہوئے ادھر آئیں تو وہ مار ہوٹل کے سامنے نہ دیکھائی دے۔ ورنہ وہ اس کمرے میں پہنچ جائیں گے۔

سلمان نے انکار کہا "رخصانہ مت اہم ہے۔ میں اسے سلا کر آیا ہوں، ابھی جا کر عمل کروں گا۔ آجیہ وہ تمہاری پابند رہے گی۔"

"اس کے پس پردہ کیا ہے؟"

"تمہارا خیال درست نکلا۔ رخصانہ، اس کے بھائی، بن، اس کا باپ اور اس کی دادی سب کے سب بھائی خفیہ تنظیم "را" کے بہت ہی قابل اعتماد جا سو ہیں۔ دادی کو چھوڑ کر سب ہی یوگا کے ماہر ہیں۔"

"انکل! جس یوگا ٹیم کے متعلق ہمیں اطلاع ملی تھی۔ یہ سب اسی سے متعلق رکھتے ہیں۔ کیا ان کے سربراہ کا نام اور نمکنا معلوم ہوا ہے؟"

"صرف اتنا کہ سربراہ کا نام ابوداؤد ہے۔ وہ یہودی ہے۔ اصل نام ایسے ہی ڈیڑھ ہے۔ نرا سربراہ بن کر رہتا ہے۔ کبھی کسی کے سامنے نہیں آتا۔ رخصانہ کی فیملی میں بھی کسی نے آج تک اسے دیکھا نہیں ہے۔ رخصانہ کا بھائی رانا جیش بہت ہی چالاک، مکار اور فلاحی فائز مانتا جاتا ہے شاید وہ ابوداؤد کو ابھی طرح پہچانتا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے انکل! آپ رخصانہ کو قابو میں کریں۔ اس پر عمل کرنے کے بعد ایک درخواست ہے۔ پلیز صوفیہ کے پاس جا کر پایا کے لیے میں کہیں کہ طارق دوسرے شہر میں مصروف ہے۔ کل یا پرسوں تک آئے گا۔ وہ تمہارا بہتر نکل۔"

"ٹھیک ہے، سمجھاؤں گا۔"

سلمان چلا گیا۔ پارس ڈرائیو کرتا ہوا بہت دور نکل آیا تھا۔ اس نے کار کو ایک کچے راستے پر موڑ دیا۔ تھوڑی دور جا کر اسے روک دیا۔ پھر اچنی کو بند کیا۔ باہر آکر دروازے لاک کئے۔ چابی جیب میں رکھی اس کے بعد پتہ مرکب پر واپس آگیا۔ وہاں سے ایک بس میں سوار ہو کر پھر کو جرنال پہنچا تو دیکھنے کو گر پڑے تھے۔ مزید ایک گھنٹا گزارنے کے لئے وہ صدر بازار آکر روحانی رہنمائی میں جانے بیٹھ گیا۔

رخصانہ کے دماغ میں خیال خوانی کی سرگم رہی تھی اس کے ذریعے "را" تنظیم کے چیف تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔

بھی نہیں رہا تھا۔ آگے چل کر مزید کامیابیاں حاصل ہو سکتی تھیں۔ صوفیہ کے نام سے جو اشتہار شائع کرایا گیا تھا اب اس کی اہمیت رہ گئی تھی کہ پارس چودھری حاکم علی کو چھانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا اور ابوداؤد وغیرہ کو یہ سمجھنے دیا کہ فریاد اور اس کا احتجاج چودھری کے بیچے بھگ رہے ہیں اور سر تاج نامی نوجوان کو کئی مہر وطن تھا، جو رخصانہ کو سزا دینے کے بعد کسی کم ہو گیا ہے۔

جب وہ تین گھنٹے بعد ہوٹل کے کمرے میں پہنچا تو تھوڑی دیر سے بیدار ہو چکی تھی۔ اسے دیکھ کر مسکراہٹیں بھی اور اس کی مسکراہٹ تیار تھی کہ حینان مان گئی ہے۔

پارس نے پوچھا "کیسا محسوس کر رہی ہو؟"

وہ بدستور مسکراتی ہوئی "مجھے کیا ہوا تھا کہ میں کچھ محسوس کروں؟"

"تم کدوڑی محسوس کر رہی تھیں۔ میں نے تمہیں لینے کے لئے کہا۔ مگر تم لینے ہی سو گئیں۔"

"ہاں۔ میں گھڑی دیکھ کر حیران ہو رہی تھی کہ بے وقت کیے سو گئی۔"

"اور میں بھوکا رہ کر تمہاری بیداری کا انتظار کرتا رہا۔"

"اوہ سو سو رہی۔ چلو کیسے کھانے بیٹھے ہیں۔"

"باہر تمہارے لوگ تمہیں تلاش کر رہے ہوں گے۔"

"ہاں، تم مجھ دن کے ایک بجے سے جکڑے رہے ہو۔ اب رات کے دس بج چکے ہیں۔ ڈیڑھ اور جیش بھائی کے کتے ہمیں ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔"

پارس نے فون پر ہوٹل سروس کو کھانے کا آرڈر دیا۔ پھر رخصانہ سے پوچھا "کھانے کے بعد گھر واپس جاؤ گی؟"

وہ گردن میں ہاتھیں ڈال کر بولی "پتا نہیں تمہارے اندر کیا بات ہے۔ میں اپنے سیکے والوں کو بھول جانا چاہتی ہوں۔"

"انہیں یاد رکھو۔ اس سسرال والے کا بیٹلا ہو گا۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ جب میں جانا چاہتی تھی تو تم ایک کھلونے سے مجھے ڈرا کر روکتے رہے۔ اب میں نہیں جانا چاہتی ہوں تو مجھے گھر والوں کی یاد دل رہی ہے۔"

"تمہیں آج یا کل اپنے گھر جانا ہو گا۔"

"جی چوچو تو مجھے ملک کے ان دشمنوں سے نفرت ہو گئی ہے۔"

سلمان نے توبیہ عمل کے ذریعے خوب برین واش کیا تھا۔ اس کے اندر حب الوطنی کے جذبات بھڑکتے تھے۔ پارس نے کہا "جنگ ملک دشمن عناصر سے نفرت کرنا چاہئے خواہ وہ باپ اور بھائی کیوں نہ ہوں لیکن اس خفیہ تنظیم کی جڑوں تک پہنچنے کے لئے ان سے مصافحہ محبت کرو۔ انہیں بھی شہ نہ ہونے دینا کہ ہم بدل گئی ہو۔"

"میں شہ نہیں ہونے دوں گی۔ اپنا مول عہدگی سے ادا کروں گی لیکن تم چھڑ جاؤ گے تو میں اندر سے خالی ہو جاؤں گی۔ تمہارے

بہر توجہ اور دل چسپی سے کام نہیں کر سکتی گی۔ تم میرے ساتھ رہنے کی تدبیر کرو۔"

"میں کل شام کو تم سے ایک نئے روپ میں ملوں گا۔ تم مجھے روانے فریڈ یا کر اپنے گھر والوں سے میرا تعارف کرا سکو گی۔"

"میں تمہیں نئے روپ میں کیسے پہچانوں گی؟"

"اپنی انگوٹھی مجھے دو۔ میں نے روپ میں وہ کر تمہیں انگوٹھی واپس کروں گا۔ پس مجھے پہچان لو گی۔"

اس نے انگوٹھی اتار کر دی۔ اسی وقت ہوٹل کا ملازم کھانا لے کر آگیا۔ جب وہ تمام ڈشیں رکھ کر چلا گیا تو رخصانہ نے کہا "یہ انگوٹھی میرے پیار کی نشانی ہے۔ کیا تم کوئی نشانی نہیں دو گے؟"

"اتنی رات ہو گئی ہے۔ فریڈ کی دکان میں بند ہو چکی ہوں گی، کل صبح تمہارے شایان شان ہیرے کی انگوٹھی دوں گا۔"

"مجھے تم مل گئے گویا کو نور میرا مل گیا۔ مجھے ہیرے کی نہیں یہ ملائی انگوٹھی دے دو۔"

پارس نے اپنی انگوٹھی دیکھی "اسے دیکھنے سے ماما (سونا) یاد آجاتی تھی۔ وہ مسکراتی بولا "یہ میری ماں نے مجھے پہنائی ہے۔ اسے صرف وہی اتار سکتی ہیں۔"

"صرف وہی کیوں اتار سکتی ہیں؟"

"میری ممانکتی ہیں، بیٹے کی زندگی میں ہو اگر اس کے خیالات بدل دیتی ہے۔ اس کی کمپوزی سے عقل نوج لیتی ہے۔ ایسی حالت میں بیٹا ماں کو بھول جاتا ہے۔ میری ممانے کے اگر کسی لڑکی نے میری انگلی سے یہ انگوٹھی اتار لی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ بیٹے کو ماں سے چھین رہی ہے۔ لہذا وہ ایسی لڑکی کو کبھی ہوس نہیں بنائیں گی۔"

"نہیں۔ تم جہم اسے پہنے رہو۔ مجھے اپنی ماں سے ملادو۔"

"ابھی تو مجھ سے ہی ملتی رہو۔ یہ سلسلہ جاری رہا تو ماما سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔"

وہ لقمہ بچاتے ہوئے سوچنے لگی "مجھے صرف سر تاج سے ہی میں اس کی ماں سے بھی اپنائیت محسوس ہو رہی ہے۔ اگر یہ میرا تین سالہ بچہ بن جائے گا تو میں خوشگوار ازدواجی اور گھریلو زندگی گزاروں گی۔ ویسے یہ خواب بورا کرنے کے لئے پہلے سر تاج کا ٹیگ مندر پورا کرنا ہو گا۔ خفیہ تنظیم کی جڑوں تک پہنچنا ہو گا۔"

دوسری صبح میں پارس کے پاس آیا تو وہ رخصانہ کو ہوٹل سے رخصت کر رہا تھا اور اسے سمجھا رہا تھا کہ ان دونوں کو یہاں سے ہوا ہو جانا چاہئے۔ وہ شام کو پرل کان کے سو منگ پول کے پاس ٹپکا۔

وہ اسے چھوڑنا نہیں چاہتی تھی لیکن شام کو ملاقات کرنے کی فریادیں مل رہی تھیں۔ اس نے کہا "سلمان نے رخصانہ کے تمام خاندان والوں کے متعلق بتایا ہے۔" "را" تنظیم کا چیف ابوداؤد اپنی پردوں کے نیچے ہوا ہے۔ اسے باہر لانے اور اس تنظیم کو جڑ سے اکھاڑ

پھینکنے کے لئے جلد ہی محسوس منصوبے پر عمل کرنا ہو گا۔"

وہ بولا "اب اس شہر میں میرا بھی خاندانی بیک گراؤنڈ ہونا چاہئے۔ میں رخصانہ کے ذریعے اس کے باپ اور بھائی سے ملاقات کروں گا تو وہ میری بیٹی کی سہیلی معلوم کریں گے اور میں جو سہیلی سناؤں گا وہ اس کی تصدیق کرائیں گے۔"

"ہاں، رخصانہ کے گھر والوں سے تمہیں گہری دوستی کرنی چاہئے۔ میں ابھی تمہارے لئے کچھ کر رہا ہوں۔"

میں وہاں کے آئی کی اکبر درانی کے پاس پہنچا۔ اپنے دماغ میں میری سوچ کی لہروں کو سننے ہی اس نے خوش ہو کر پوچھا "فریاد صاحب! کیا آپ بلا ہو رو آپس آگئے ہیں؟"

"میں پشاور سے بول رہا ہوں۔ میرا ایک ماتحت طارق وہاں ہے۔ وہ ملک دشمن عناصر کی خفیہ تنظیم کے سربراہ تک پہنچنا چاہتا ہے۔ آج کل میں ان سے دوستی کرنے والا ہے۔ اس سے پہلے لازمی ہے کہ میں طارق کو کوئی فیملی بیک گراؤنڈ ہو۔ کیا آپ کے علم میں کوئی ایسا کمر ہے جہاں صرف ایک نوجوان اور اس کے ماں باپ ہوں۔ وہ لوگ بظاہر شریف ہوں مگر جرائم پیشہ ہوں اور قانون کی دسترس سے بچتے رہتے ہوں۔"

"ہمارے ملک میں ایسے شریف جرائم پیشہ افراد کی کمی نہیں ہے۔ ان کے پیچھے بڑے بڑے ہاتھ ہوتے ہیں۔ جو ہم جیسے اعلیٰ افسران کو بھی قانونی کارروائیوں سے روک دیتے ہیں۔ مجھے پندرہ منٹ سوچنے دیں۔ میں سمجھتا چاہتا ہوں کہ آپ کے ماتحت کے لئے کون سا مختصر خاندان مناسب رہے گا۔"

میں نے پوچھا "میں کوئی پلاسٹک سرجری کا ماہر ہے؟"

"میں ایک پلاسٹک سرجن کو جانتا ہوں۔ میری ڈائری میں اس کا فون نمبر ہے۔ کیا آپ اس سے رابطہ کریں گے؟"

"جی ہاں۔ آپ فون کر کے اس کی آواز سناؤں پھر ریسورٹ کر دیں۔"

اس نے ڈائری کھول کر نمبر دیکھا۔ پھر ریسورٹ انکوارڈل کیا۔ رابطہ قائم ہونے پر کسی نے پوچھا "ہیلو! آپ کون ہیں؟"

آئی بی نے ریسورٹ کر دیا۔ میں بولنے والے کے دماغ میں پہنچا۔ وہ پلاسٹک سرجن یوسف شامی تھا۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ وہ پلاسٹک سرجری کے پیشے میں بے انتہا دولت کماتا ہے۔ بے انتہا دولت بیش غلط راستوں سے کمائی جاتی ہے۔ ہمیں اتنا وقت نہیں ملتا ہے کہ ہم ہر کسی کو دناں کے دماغوں میں جھانکتے پھرے۔ اگر ہر ایک کو اندر سے بڑھتے رہیں تو کتنی ہی معزز پیشے سے متعلق رکھنے والوں کے جرائم کا انکشاف ہو تا رہے گا۔

یہ انکشاف ہوا کہ سرجن یوسف شامی کو "را" تنظیم سے لاکھوں روپے ملتے رہتے ہیں۔ اس تنظیم کا کوئی بندہ قانون کی نظروں میں آتا ہے تو اسے چھپانے کے لئے یوسف شامی سرجری کے ذریعے اس کا چہرہ بدل دیتا ہے پھر وہ بندہ نئے چہرے اور نئے نام

اس نے کئی بار کوشش کی کہ گاڑی روک کر واپس گھر جائے لیکن میں اس کے ارادوں کو ناکام بناتا رہا۔ وہ بولا "میں نے سنا ہے کہ ہمارا ایک سی ڈی دھن فریڈ ہے کیا تو سی ڈی ہو؟"

"ہام نہ ہو۔ موت کا کوئی نام نہیں ہوتا۔ جلدی فیصلہ کرو" پانی میں ڈوب کر مروجہ یا خشکی پر؟

وہ ڈرائیو کرتے ہوئے چیخنے لگا "نہیں! میں مرنا نہیں چاہتا۔ مجھے چھوڑ دو۔ میرے داغ سے چلے جاؤ۔ مجھے سے سودا کرو۔ میں تمہیں ڈالر زار پونڈ کی صورت میں سنا جاتی رقم ادا کروں گا۔"

وہ اپنی مرضی سے بول رہا تھا اور میری مرضی سے رفتار بڑھاتا جا رہا تھا۔ سامنے سے آگلی ٹیکر آ رہا تھا۔ رفتار خطرناک حد تک بڑھ چکی تھی۔ اس کے نتیجے میں وہ گاڑی اتھری اور قوت سے ٹکرائی کہ اگلا حصہ چپک کر رہ گیا ہو گا۔ اس کے کھڑے ہو گئے ہوں گے۔ میں یہ سب کچھ معلوم نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس کے مردہ داغ نے کٹھری بند کر دی تھی۔

میں نے ڈاکٹر زائد کے داغ میں آنکر دیکھا۔ وہ عمو کی تصویریں دیکھ چکا تھا اور سرجری کی تیاری کر رہا تھا۔ میں نے پارس کے پاس آنکر اسے ششمار کی موت کی خبر سنائی اور بتایا کہ عمو کا کاما رہا ہے۔ یعنی وہ بھی ابوداؤد کی پوگا ٹیم سے تعلق رکھتا ہے۔

"بابا! عمو کے داغ کو کنزرویڈ کر اس کی ذاتی زندگی کی بھی بہت سی خفیہ باتیں معلوم کرائی ہوں گی۔"

میں نے کہا "عمو کھمیں نہیں تھا۔ کس باہر گیا ہوا تھا۔ اب باپ کی آخری رسومات ادا کرنے آئے گا تو اسے ٹریپ کیا جائے گا۔"

وہ بولا "رخسانہ کے گھر والے اور امادیک سی خفیہ تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس تعلق سے وہ سب ایک دوسرے کو جانتے ہوں گے۔ ہو سکے تو آپ رخسانہ کے ذریعے عمو کی مشکو سٹیں۔ اسے دماغی کنزرویڈ میں جھلا کرنے کے سلسلے میں رخسانہ سے تعاون حاصل ہو گا۔"

یہ مشورہ مناسب تھا۔ وہ سلمان کی معمول تھی۔ اپنے عامل کے سوا کسی بھی پرانی سوچ کی لہروں کو محسوس کر کے سانس روک سکتی تھی۔ میں سلمان کی سوچ کا کچھ اپنا کر اس کے داغ میں پیچھ گیا اور اس کے خیالات بڑھنے لگا۔

وہ پچھلی رات گھر سے باہر رہنے کے بعد دن کے دس بجے واپس آئی تھی۔ اس کی بہن رخسانہ اور باپ رانا جمد نے اسے دیکھ کر کچھ لگایا۔ وہ منسوبے کے مطابق دوڑنے لگی۔ آنکر والے سر تاج کو برا بھلا کہنے لگی۔ باپ نے کہا "ہم نے کل کئی بار تمہیں فون کیا پھر نعمان لیبارٹری گئے تو وہاں تمہارا موبائل ٹیل فون ایک طرف پڑا ہوا تھا۔ وہ بد معاش تمہیں کہاں لے گیا تھا؟"

وہ بولی "میں اسے بچ کے لئے جیشید بھائی کے پاس پل کان میں لانا چاہتی تھی لیکن وہ مجھے گوجرانوالہ لے گیا۔ میں بالکل مجبور

ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے ایک ہاتھ میں لائٹرم پکڑے رہتا تھا۔ رخسانہ نے کہا "ہمارے توی کو جرانوالہ کی طرف بھی گئے تھے۔ پورے شہر میں ڈھونڈتے پھرے۔ تمہاری گاڑی کس گھر نہیں آئی۔"

جیشید نے کمرے میں داخل ہو کر کہا "مچاؤی دہان سے میرا گھوڑو روڑ ایک کپے راستے پر پائی گئی ہے۔"

رخسانہ نے کہا "ابھی میں یہی بتانے جا رہی تھی کہ اس گاڑی کو وہاں چھوڑ دیا تھا پھر پختہ سڑک پر ایک رکشال لگا گیا۔ مجھے رکشال میں بٹھا کر ایک ہوٹل میں لے آیا۔ وہاں اس نے ڈار کے لئے کرا کر اپنے لئے کمرے۔"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر دوڑتوں ہاتھوں سے منہ چھاکر دوڑ گئی۔ بڑی بہن رخسانہ اسے سننے سے لگا کر تھپکنے لگی۔ جیشید نے اسے کہا "میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میرے سوال۔ جواب دو۔ کیا وہ پیشہ ور بد معاش تھا؟"

وہ بولی "میں کیا جواب دوں۔ آج کل تو معمولی سڑک چما بد معاشوں کی جیون میں بھی ہم اور یہ سول ہوتے ہیں۔"

جیشید نے کہا "توی کو اس کی مشکو سے پچانو۔ کیا تمہیں ٹریڈنگ میں دی گئی ہے؟"

"وہ بہت سلیقے سے بولتا تھا۔ بہت قلعیم یافتہ اور۔ خاندان کا لگتا تھا۔ غریبی اچھی طرح بول نہیں پاتا تھا۔ کچھ بننے کی کوشش کرتا تھا۔"

وہ پارس کے سلسلے میں اصل باتیں چھپا رہی تھی اور سیدھے جوابات دے رہی تھی۔ رخسانہ نے کہا "جیشید بھائی کل سے پریشان ہے۔ اسے آرام سے نیند پوری کہنے دیں۔"

وہ بولا "رخسانہ سے مجھے بھی پتا رہا ہے۔ مجھے بھی اس پریشانیوں کا خیال ہے لیکن یہ خیال پریشان کر رہا ہے کہ وہ فریاد کا آواز دے رہا ہو۔"

رخسانہ نے کہا "اگر وہ فریاد کا آواز دے رہا ہو تو میرے ہا کنزرویڈ کیا جاتا لیکن میں بالکل نارمل ہوں۔ معمول کے مطابق منٹ تک سانس روک سکتی ہوں۔ آپ آزمائیں۔"

"میں اپنی بہن پر انحصار اعتماد کرتا ہوں مگر ہماری بھلائی کے لئے بریڈنگ بیگ سے منسلک ہو کر سانس روک ان کی کوکھی کے ایک کمرے میں جتنا زہم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کھیتوں سے گزرنے کے لئے ایک اسٹاپ واپس جی جی کے سانس روکنے کا صحیح وقت معلوم ہوتا تھا۔ جس طرح پچھلے آپریشن کے وقت مریض کی سانسوں کا اندازہ کرنے کے لئے بریڈنگ بیگ ہوتا ہے وہی ایک بیگ وہاں بھی تھا۔"

رخسانہ اپنی بہن اور بھائی کے ساتھ آنکر بیگ سے بچہ چنے گئی۔ ایک آنکھیں ایک کو اپنے منہ پر چڑھا لیا ایک نکلی بریڈنگ بیگ سے منسلک تھی۔ رخسانہ کے سانس لینے

ایک دم بیگ پکچتا تھا اور سانس چھوڑنے سے ایک پھول پھٹتا۔

اگر رخسانہ قریب دینے کے لئے پیچھے سے ذرا سی سانس بھی دے تو اس بیگ کے پھولے اور پکچنے سے چوری پکڑی جاتی۔ جیشید نے اسٹاپ واپس لے کر کہا "سانس روکو۔"

اس نے سانس روکی۔ جیشید نے واپس کا بٹن دبایا۔ گھڑی کا انڈیکس کے حساب سے حرکت کرنے لگا۔ ریڈ کا بیگ پھولا ہوا کل ساکت تھا اور بتا رہا تھا کہ رخسانہ سانس نہیں لے رہی ہے۔ ایک ایک سینکڑ کر کے پہلے ایک منٹ گزرا پھر دو منٹ پھر تیسرے منٹ کے ختم ہوتے ہی ریڈ کا بیگ پھولے اور پکچنے لگا۔ وہ سانس لے رہی تھی۔

جیشید نے مطمئن ہو کر کہا "تمہیں کچھ گاڑا ہمارے داغ میں نہ لے آیا۔ خواتین کسے والا آیا ہے اور نہ کوئی آنکرے گا۔ جاؤ آرام دو۔"

وہ اپنی خواب گاہ میں آئی۔ پہلے اس نے غسل کیا پھر بستر پر گئی۔ جب جب پچھا تو وہ گھم کی نیند میں تھی۔ میں نے اس کے یہ داغ سے پوچھا "ششاد علی اور اس کے بیٹے عمو کو جانتی ہو؟"

"میں طرح جانتی ہوں۔"

"اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟"

"میرا خیال ہے اسٹارٹ جوں ہے۔ ایسے کسی تھی جوان میرا دل لگی کو کشش کرتے رہتے ہیں۔"

"تمہارا دل کیا کہتا ہے؟"

"میں داغ سے کام لینے کی ٹریڈنگ دی گئی ہے اور یہ سکھایا ہے کہ کس طرح کام کے آدمیوں کو بھاننا چاہئے اور کس طرح مل خواتین میں آنے سے پہلے رخسانہ چاہئے۔ میں کسی کو گھاس نہ لاتا ہوں۔"

"میں نے کہا "سر تاج سے تمہارا عشق چھپا نہیں رہے گا۔"

"جیشید نے تعلق رکھنے والی ٹریڈنگ کو اجازت ہے کہ وہ خفیہ لائیکس۔ لیکن یونیورسٹی کے جوائن اور سرکاری اہم افراد کے لئے خود کو کنواری ظاہر کریں۔ میرا سر تاج دوسرے یورپ کے ایک گاؤں میں گھروالوں کو اور تنظیم کے چیف کو ہماری دوستی کے لئے نہیں ہو گا۔ وہ جانتے ہیں کہ کنواری لڑکیاں جلدی بیکٹی لائیکس غلطی کے بعد دوسری غلطیاں کرتی جاتی ہیں۔ اس لئے یہ باتیں پوچھا "عماد تنظیم کی کون سی ڈسے دایاں پوری کرتا ہے؟"

وہ بھارتی سرخ راسوں کی رہائش کا انتظام کرتا ہے۔ پاکستانی شہری ثابت کرنے کے لئے ان کے ڈویژنل اور ڈیپارٹمنٹ جوائن ہے۔ ان شبیوں کے افراد میں سے دوستی رکھتا ہے۔

ہے۔ ان کی جیبیں گرم کرتا ہے۔

"وہ زیادہ وقت کہاں گزارتا ہے؟"

"ایسے ہی افرادوں کے دفاتر یا گھروں میں جاتا رہتا ہے۔"

"ایسے افراد کے نام اور فون نمبر یاد رکھو تو بتاؤ۔"

وہ بولی "ایسے افراد میں سے ہمارا بھی کام لگا رہتا ہے۔ اس لئے ان کے نام اور فون نمبر ڈائری میں درج ہیں۔ مجھے یاد نہیں ہیں۔"

"ڈائری خواب گاہ میں ہے؟"

"ہاں اسی کمرے میں بیڑ ہے۔"

"دو منٹ کے لئے آنکھیں کھول کر اٹھو۔ میرے پاس جاؤ۔"

ڈائری کھول کر متعلقہ افراد کے فون نمبر دیکھو۔ اس نے میری ہدایات کے مطابق آنکھیں کھول دیں۔ بستر سے اٹھ کر میرے پاس آئی "ڈائری کو اٹھا کر کھولا۔ ان افراد کے نمبر تلاش کئی کئی اور پتہ چکی۔ میں نے وہ تمام نمبر فون کر لئے۔"

وہ ڈائری بند کر کے میرے پاس اٹھ گئی۔ وہاں سے چلتی ہوئی پلنگ کے پاس آئی۔ دو منٹ پورے ہو رہے تھے۔ اس نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ پھر گھم کی نیند میں دوبارہ ڈوب گئی۔

میں نے اپنی جگہ حاضر ہو کر ٹیلیفون کا ریسیور اٹھایا۔ ان میں سے ایک نمبر ڈال کر کیا۔ رابطہ قائم ہونے پر کسی کی آواز سن کر میں نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے داغ میں پہنچ گیا۔ وہ ششاد علی کا رہا تھا۔ فرانس کے مطابق مطلوبہ ششاد علی کارڈز بناتا تھا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ عمو ایک گھنا پسند آیا تھا۔ ایک اجنبی شخص کا ڈویژنل حاصل کرنے گیا ہے۔

میں نے اس آفس انچارج کے نمبر ڈال کر جو رشوت لے کر کسی انکوائری کے بغیر ڈویژنل بنوا دیا تھا۔ اس طرح "را" تنظیم کے سرخ راسوں کو پاکستانی شہریت حاصل ہو جاتی تھی۔ ان سرخ راسوں کے لئے لاہور گیٹ وے آف پاکستان تھا۔ وہ یہاں آنکر پاکستانی شہری کی حیثیت سے اپنی پوزیشن مضبوط کرتے تھے، پھر اسلام آباد کی طرف روانہ ہو جاتے تھے۔

اس آفس انچارج کے سامنے بیڑ کے دوسری طرف عمو بیٹھا ہوا کہ رہا تھا "سسر خالد! میں کام کرنے کا کام مانگا معاوضہ دیتا ہوں۔ اور حریبان کھولے ہوئے دھڑا پھر پھر تم کو دیتا ہوں۔ پھر آج کل میرے کام میں دیر کیوں ہو رہی ہے؟"

"عماد صاحب! یہ مجھ اکیلے کا کام ہوتا تو ڈویژنل کے کاندھات پر فوراً ہی دستخط کر کے دے دیتا لیکن ہمارے بڑے صاحب لوگ فریاد سے سہے ہوئے ہیں۔ ایسے ہلاک کرتا ہے کہ قتل نہیں خودکشی کا کس معلوم ہوتا ہے ہمارے بڑے صاحب لوگ ایسی خودکشی نہیں چاہتے اس لئے اچھی طرح جانچ پڑتال کے بعد کاندھات پر دستخط کرتے ہیں تاکہ فریاد بھی ان کے داغوں میں آئے تو وہ دیانت دار اور فرض شناس افراد نہ لگائیں۔"

اسے ادھر آنے کا موقع نہیں دیں گے۔

رحمان صاحب نے میری مرضی کے مطابق کہا ”فردا ذرا مل میل دور رہ کر بجی شہر کے قریب رہتا ہے۔ ابھی وہ اچانک میرے دماغ میں گھس آئے اور میری مرضی کے خلاف یوں دیوالیہ اٹھالے۔“

اس نے نہ پہرے رہے اور اٹھایا پھر کہا ”دوڑیوں دیوالیہ کارن تمہاری طرف کرے۔“

اس نے دیوالیہ کی نال حاد کی طرف کر دی۔ پھر کہا ”سڑو! تم یہی سمجھو گے کہ میاں فریاد نہیں ہے۔ یہ رحمان تھیں فریادے ڈرا رہا ہے لیکن جب گولی چل پڑے گی اور ایسے چل پڑے گی تو جہیں تھیں نہیں آئے گا۔“

اس نے ٹھیکر کر دیا۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ گولی گھل سے گزر گئی۔ حاد کراتے ہوئے اپنا زخمی بازو تمام کر ڈگایا پھر سنبھل کر بولا ”تم... تم نے مجھ پر گولی چلائی ہے۔ اس کا انجام جانتے ہو؟“

میں حاد کے اندر پہنچ گیا۔ وہ افسر ریٹائر ہو رہا تھا کہ گولی کے چل گئی؟ دفتر کے لوگ فائر... کی آواز سن کر دوڑتے ہوئے آئے تھے۔ افسر نے کہا ”ختم کیا دیکھتے ہو۔ جلدی باز فرسٹ ایڈیاکس لاؤ۔“

پھر وہ دیوالیہ کو دراز میں رکھ کر حاد کے پاس آیا اور بولا ”مجھے معاف کر دو۔ بالکل اچانک ہی بالکل بے خیالی میں...“ چل گئی۔ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ ہم تو اچھے دوست ہیں۔ میں انکو دستخط کر کے دوڑیساں کر دوں گا۔“

وہ بولا ”گولی بات نہیں۔ آپ میرا کام کر کے گولی ڈھم پڑا لگا دیں گے۔“

ایک شخص فرسٹ ایڈیاکس لے آیا۔ زخم کی مرہم پٹی کا لگا۔ ایک ہینڈ ٹرک لے پوچھا ”سرایہ کیسے ہو گیا؟“

حاد نے افسر کے کچھ کہنے سے پہلے وضاحت کی ”جی ہاں نہیں ہوا ہے۔ جب میں نے بھی پہلی بار ایک ہینڈ ٹرک کو ہاتھ لگا دیکھا تو اندر سے خواہش ہو رہی تھی کہ اسے چلا کر دوں۔ انا فطرت ہے، ہتھیار ہاتھ آئے یا طاقت، وہ کسی طرح بھی طاقتور ہے بے اختیار اس طاقت کو استعمال کرتا ہے۔“

افسر نے کاندھ دستخط کر کے دے دیے۔ میں حاد کے خیالات پر حاد تھا۔ ابھی اسے باپ کی موت کی اطلاع نہیں تھی۔ کاروائی کمیشن میں اس کے جسم کے ٹکڑے ہوئے تھے۔ ناقابل شناخت ہو گیا تھا۔ کار کے نمبروں سے سراغ لگایا جا سکتا تھا۔ وہ کارس کی ملکیت تھی۔

حاد کے خیالات بتا رہے تھے کہ گھر میں اس کے بیٹے رہے۔ اندر کوئی چیز کماں رکھی ہے۔ الماری کی چابی کار کے بورڈ والے خانے میں تھیں۔ الماری کے اندر جو چھوٹا سا

حاد نے کہا ”انہیں سمجھاؤ، فریاد اس شہر سے جا چکا ہے اور جب تک ہم صوبہ سرحد میں اسے مسائل میں الجھاتے رہیں گے وہ ادھر واپس نہیں آسکے گا۔“

”بہتر ہے، تم دروازہ کھول کر اندر جاؤ اور بڑے صاحب سے مل لو۔ یہ فریاد والی بات انہیں سمجھاؤ۔ میری عقل تو یہی تسلیم نہیں کرتی ہے کہ ایک آدمی دوسرے کے دماغ میں گھس جاتا ہے۔“

اس نے انٹر کام کے ذریعے اپنے افسر سے رابطہ کیا، پھر کہا ”سرا! مسٹر حاد آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔“

افسر نے کہا ”یہ خالق صاحب ابھی میرے پاس سے اٹھ کر جا رہے ہیں۔ ان کے بعد حاد کو بھیج دیتا۔“

افسر نے انٹر کام کا مین آف کر کے سامنے بیٹھ ہوئے شخص سے کہا ”خالق صاحب! آپ کی بھاگ دوڑ سے یہ دیوالیہ اور لائنس مل گیا۔ روز حکومت نے لائنس جاری کرنے پر سختی سے پابندی لگائی ہے۔“

خالق نے اٹھ کر کہا ”رحمان صاحب! ہم تو آپ کے خادم ہیں۔ یہ جو قانونی پابندیاں ہوتی ہیں نا، یہ عوام کے لئے ہوتی ہیں۔ آپ جیسے خاص بندوں کے لئے یہ دیوالیہ کیا چیز ہے۔ حکم کریں تو توپ کالائسنس لا کر آپ کے قدموں میں رکھ دوں۔“

اس بات پر دونوں نے قہقہہ لگا کر مصافحہ کیا۔ خالق کمرے سے باہر جانے لگا۔ رحمان صاحب نے نیا دیوالیہ اٹھا کر خوش ہوتے ہوئے اسے دیکھا حاد نے آکر سلام کیا۔ پھر مصافحہ کرتے ہوئے بولا ”رحمان صاحب! ہمیں بھی حکم دیں۔ یہ دیوالیہ کیا چیز ہے۔ میں ٹی ٹی گن لا کر دے دوں۔“

رحمان صاحب نے ناگواری سے کہا ”میں نے یہ دیوالیہ ذاتی حفاظت کے لئے حاصل کیا ہے۔ ٹی ٹی اور کلا مشکوف تمہارے جیسے بد معاشر کے لئے ہوتے ہیں۔“

حاد نے غصہ برداشت کرتے ہوئے پوچھا ”آپ نے کس ثبوت کی بنا پر مجھے بد معاشر کہا ہے؟ افسر کی گری پر بیٹھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ سامنے والے کی عزت نہ کریں۔“

”تو اس مت کر۔ کس لئے آئے ہو؟“

”میں نے اپنے ایک کزن کے ڈویسائل کے کاندھات پر کر کے آپ کے پاس پہنچائے تھے۔ ان کاندھات کے پیچھے ہزار ہزار کے پانچ نوٹ تھے۔“

”ہستہ بولو، کیا مجھے مروانا چاہتے ہو۔“

”آپ کا قانون آج تک نہ مارا۔ پھر کس سے ڈرتے ہیں؟

فریاد ہے؟“

”میں نے فریاد کی سن کے دروازے پر ٹیلی بیجی کے ذریعے مرنے والوں کا تماشا دیکھا ہے۔ اس کے بعد خود تماشا نہیں بننا چاہتا۔“

”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ فریاد پشاور میں ہے اور ہم

تھا؛ وہ مخصوص نبیوں سے کہلاتا تھا۔ اس سیف میں ملکی اور غیر ملکی بیگنوں... چنگ بھی لاکر ڈی چاہا اور اہم دستاویزات تھیں۔ الماری میں ایک اہم تھا۔ جس میں دوست احباب کی تصویریں تھیں۔

چونکہ پوگا کا مہر تھا اس لئے شراب اور سگریٹ سے پرہیز کرتا تھا۔ حیرانناہی ایک لڑکی سے دوستی تھی۔ میں نے اسے کار ڈرائیو کر کے ڈاکٹر زادہ کے گھر جانے پر مجبور کیا۔ وہاں پارس کا چو تبدیل ہو چکا تھا۔ میں نے حماد کی زبان سے ڈاکٹر زادہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”ڈاکٹر! میں حماد کو لے آیا ہوں۔ آپ اپنے حماد سے اس کا موازنہ کر لیں۔“

پھر پارس سے کہا ”اس کی بول چال کی اسٹڈی کرو۔ اور اس کے دستخط کی نقل کرو۔ میں ایک منٹ کے لئے اس کے دماغ سے جا رہا ہوں تم اسے قابو میں رکھو۔“

میں نے سلمان کے پاس آکر کہا ”میرے دماغ میں آؤ۔ میں حماد ناہی ایک جوان کے دماغ میں تھیں پچاؤں گا۔ پارس وہاں حماد کی... سے رہنے والا ہے۔ تم اس کے دماغ پر قبضہ جتا کر اسے قائل رکھو گے۔“

میں سلمان کے ساتھ آیا۔ حماد اس وقت پارس پر حملے کر رہا تھا۔ میں نے اس کے ذریعے پارس سے کہا ”میں آگیا ہوں۔ اب یہ تم سے نہیں لڑے گا۔“

اس نے کہا ”آپ اسے کچھ دیر لڑنے دیں۔ میں اس کے حملہ کرنے اور لڑنے کا نشانہ نہ دیکھ رہا ہوں۔“

سلمان نے کہا ”میں اس کے اندر رہوں گا۔ آپ اپنا کام کریں۔“

میں نے کہا ”اس سے حیرانناہی لڑکی کے نمبر ڈاکٹر کراؤ۔“

حماد نے نمبر ڈاکٹر کے رابطہ قائم ہوا۔ حیرانناہی آواز سنائی دی سلمان نے حماد سے ریمور کھوا دیا۔ میں حیرانناہی کے پاس آگیا۔ حیرانناہی کے پاس آکر معلوم ہوا کہ وہ کیا ہے؟ آخری قیامت ہے؟ نوڈ ازل سے جو عورت کی مکاریاں چلی آ رہی ہیں وہ ان کی ابتدا اور اختتام ہے۔ وہ صرف دولت چاہتی تھی اور دولت کے لئے کچھ بھی کر سکتی تھی۔

اس نے سات برس کی عمر میں اپنی ماں کو ایک دولت مند کے ہاتھوں بچے دیکھا۔ وہ داشتہ بن کر وہ بیٹیوں کی پرورش کرتی تھی۔ جب اس نے دسویں جماعت پاس کی تو ماں سرخ ہوئی۔ بڑی بہن بچے لگی۔ ایسے حالات اسے غصہ اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا کرتے تھے اور وہ سوچتی تھی کہ کیا ہمارا پورا خاندان جسم کی قیمت لگا کر زندگی کی سائیں خریدنے کے لئے پیدا ہوا ہے؟

اس نے آنکھ کھولتے ہی اپنے خاندان میں کوئی مرد نہیں دیکھا تھا۔ باپ مر چکا تھا کوئی بھائی نہیں تھا۔ ماں لاکر انہیں کھاتی اور پرہانہ تھی ماں کے بعد بڑی بہن نے اس کی تعلیم جاری رکھی۔ اس

نے ماں اور بہن سے یہ بنیادی باتیں سیکھیں کہ کسی مرد پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ کسی بھی دولت مند کو ایک غریب لڑکی کے مستقبل اور اس کی عزت سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ صرف اس کے گھر سے بدن سے دلچسپی ہوتی ہے۔ وہ قسموں اور وعدوں سے بزر باغ دکھاتے ہیں۔ ماں اور بہن دونوں نے کہا تھا وہ عورت جیتی اور انمول ہوتی ہے جو اپنی جوانی کی ہوا لگتے دیتی ہے لیکن بدن کا ہاتھ لگاتے نہیں دیتی۔ یہ الگ بات ہے کہ ماں اور بہن نے حالات سے مجبور ہو کر خود کو سستا کر دیا تھا۔ حیرانناہی نے قسم کھائی تھی کہ وہ بہت مہنگی اور ناقابل خرید بن کر رہے گی۔

یونیورسٹی میں اس کی دوستی شاید زمان سے ہوئی۔ وہ اسٹوڈنٹس یونین کا جنرل سیکریٹری تھا۔ وہ تعلیم سے کم اور سیاست سے زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ اسے ایک خفیہ تنظیم سے اچھی خاصی رشتہ ملتی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس تنظیم کی جڑیں ”را“ سے لگتی ہیں۔ اس کی مخالف یونین کا جنرل سیکریٹری ایک جوان عباس واحدی تھا۔ یونیورسٹی میں دونوں اسٹوڈنٹس یونین کا تقاضا ہوتا رہتا تھا۔ لیڈر شپ میں عباس واحدی کھڑا تھا۔ آثار تارہ پنے تھے کہ شاید زمان کے طلبا ساتھی آئندہ الیکشن تک رتن رتن رہیں واحدی کی طرف چلے جائیں گے۔ بات اسے پریشان کر رہی تھی۔ وہ کسی بھی طرح عباس واحدی کو لیڈر شپ کی سطح سے نیچے کرنا چاہتا تھا۔

حیرانناہی پوچھا ”اگر میں عباس کو بدنام کر دوں اور اسے منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑوں تو کیا انعام دو گے؟“

”تم جو مانگو گی۔“ وہ دوں گا۔ میں اسے ذلیل کرنے کے لئے ہزاروں روپے خرچ کر سکتا ہوں۔“

”مجھے کتنے ہزار روپے سکتے ہو؟“

”پورے دس ہزار روپے گا۔“

”میں اسے منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ میں بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔ اتنی بڑی قربانی مول لینے کا معاوضہ صرف دس ہزار؟“

”بے شک یہ تمہاری عزت کا معاملہ ہے۔ میں جیسی ہزار دوں گا۔“

”تم اتنی بڑی بڑی رقیب کہاں سے لاتے ہو؟“

”میرا باپ بہت دولت مند ہے۔ تم میری دولت کا حساب کرو۔ اپنے فائدے پر نظر رکھو۔“

”تمہارا کام کرنے میں فائدے سے زیادہ نقصان ہے۔ تم غم اور بڑھاس جو کبھی ہوں وہ کرتے جاؤ تو عباس واحدی کو یونیورسٹی سے نکال دو گی۔“

وہ خوش ہو کر بولا ”تم اسے یونیورسٹی سے نکال دو تو میں تم قریب ہو جاؤں گا۔ چالیس ہزار روپے گا۔“

”کل میں ہزار سے بیک میں میرا اکاؤنٹ کھلو۔ مجھے چنگ

میں ایک لاکر بھی چاہئے۔“

دوسرے دن بیک میں اس کا اکاؤنٹ کھل گیا۔ ایک لاکر بھی حاصل ہو گیا۔ وہ اپنے گریبان میں ایک چھوٹا سا پاکٹ کیٹ رکھا۔ یہ چھوٹا چھوٹا کیٹ تھی اس سے وہ فائدے حاصل کرتی تھی۔ ایک تو کلاس پر فوٹو کے لیچر لکھا ہوا ہوا تھا۔ جنہیں گھر میں بیٹہ کر سکون سے سنتی تھی، گفتی تھی اور یاد کرتی تھی۔ دوسرے اس نے دیکھا تھا کہ لوگ اپنی زبان سے کسی بولی باتوں سے کھراتے ہیں اس کی ماں اور بہن سے وعدہ کرنے والے وعدے بھولتے رہے تھے۔ یہ سبق اس نے حاصل کیا تھا اس لئے جو اس سے لگاؤ کی باتیں کرتا تھا۔ وہ باتیں اس کے گریبان کے اندر رکھا ہوا ہوا تھا۔

اس کے چاہئے والوں میں عباس واحدی بھی تھا۔ اگرچہ سنجیدہ اور ذہین طالب علم تھا لیکن آدم کا بیٹا تھا۔ سینے میں دل اور دل میں کسی کو چاہئے اور کسی سے چاہئے جانے کی آرزو رکھتا تھا۔ اور یہ آرزو حیرانناہی سے پوری کرنا چاہتا تھا۔ حیرانناہی کے پاس جو کیٹ تھی ان میں عباس واحدی کے بے شمار عبت بھرے مکالمے لکھے رکھا ہوا ہو چکے تھے۔

ایک دن اس نے دل سے مجبور ہو کر کہا ”حیران! میں تم سے تنہائی میں ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

وہ بولی ”تنہائی میں ملنے والی لڑکی بدنام ہو جاتی ہے۔“

”میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تمہیں بدنام نہیں ہونے دوں گا۔ کل ایک بچے کلاس ختم ہو جائے گی۔ اس کے بعد لیبارٹری خالی رہے گی۔ میں ایک بجے کے بعد وہاں تمہارا انتظار کروں گا۔“

”وعدہ کرو۔ مجھے ہاتھ نہیں لگاؤ گے تو آؤں گی۔“

”ٹھیک ہے۔ دل پر بھر کروں گا اور تمہیں ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔“

اسی شام حیرانناہی نے شاید زمان سے ملاقات کی۔ اسے ٹیپ

رکھا رڈ کے ذریعے عباس واحدی کی باتیں سنائیں۔ وہ خوش ہو کر بولا ”کل تم اس سے لیبارٹری میں ملنے جاؤ گی؟“

”ہاں جب لیبارٹری کے اندر چلی جاؤں تو ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد تم دو ایک پروفیسروں اور چند طلبا طلبات کو لے کر چلے آنا۔ میں ایسا ڈراما کروں گی کہ اسی دن یونیورسٹی سے عباس واحدی کی جمنی ہو جائے گی۔“

”میری جان! تم تو کمال کر رہی ہو۔“

”کمال دکھانے کی قیمت ہوتی ہے۔ کل صبح دس بجے تک میرے اکاؤنٹ میں پچاس ہزار جمع کر دو۔“

”کیا! وہ چونک کر بولا ”چالیس میں بات ملے ہوئی تھی! میں ہزار روپے چکا ہوں۔ میں اور دوں گا۔ تم پچاس کا مطالبہ کر کے پورے ستر ہزار وصول کرنا چاہتی ہو۔“

”میں چالیس ہزار عباس واحدی کے سلسلے میں لے رہی ہوں اور تیس ہزار تمہیں بدنامی سے بچانے کے لئے مانگ رہی ہوں۔“

”کیسی بدنامی؟“

حیرانناہی نے ریکارڈر سے پلا کیٹ نکال کر دو سر اکیٹ لگا کر پھر اسے آن کر کے سنایا۔ اس میں وہ باتیں ریکارڈ کی ہوئی تھیں۔ شاید زبان اپنے مخالف عباس کے متعلق کتا رہا تھا۔ پھر وہ معاملات بھی تھے جو اس نے حیرانناہی سے چالیس ہزار میں ملے تھے۔ وہ کیٹ سننے کے بعد شاید کو بھی یونیورسٹی سے نکالا جاسکتا تھا۔ اگر وہ اپنے ذرائع استعمال کر کے وہاں رہ بھی جاتا تو یونین کا لیڈر نہ رہتا۔ طلبا اور طالبات ایسے طالب علم کو کوئی عمدہ نہ دیتے جو کسی بچہ پر اچھا لے اور کسی کو یونیورسٹی سے نکالنے کے لئے پانی کی طرح رقم خرچ کرتا ہے۔

اس نے حیرانناہی سے ریکارڈر چھین کر کہا ”تم مجھے بلیک میل کرؤ گی؟ تم ہو کی چیز؟ میں ایک چنگی میں تھیں جیو کی طرح مسل دوں گا۔“

”تم نہ بھی کو تو میں سمجھتی ہوں کہ ایک کمزور لڑکی ہوں کوئی بھی مرد مجھے چنگی میں مسل سکتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم اپنے لباس میں ہتھول چھپا کر رکھتے ہو۔ چھپ کر مجھے کل کر سکتے ہو۔“

”بے شک کسی کو بچا بھی نہیں چلے گا کہ کس نے تمہیں حرام موت مارا ہے۔ یہ تمہارا کیٹ اور ریکارڈر اب میرے پاس رہے

آمنہیں بڑی نعمتیں

* کیا آپ کی آنکھیں کس زور ہیں۔
* کیا آپ کی آنکھیں کس جھنجھکی ہیں۔
* کیا آپ چشمدار بن گئے ہیں۔
* یا آنکھوں کے کسی مضمون کا شکار ہیں؟

نورنگت ہے

نم نظری اس کد کتاب

قیمت ۱۵ روپے، رنگ فرم ۱۰ روپے

آپ کے پتے پر بھیجیے۔

* ایک سے چھ ڈاکٹر طرح مان لیا ہوا کتبہ یونیورسٹی
کے نام پر بھیجیں۔ کتبہ یونیورسٹی کے نام پر بھیجیں۔
* کتبہ یونیورسٹی کے نام پر بھیجیں۔ کتبہ یونیورسٹی کے نام پر بھیجیں۔
* کتبہ یونیورسٹی کے نام پر بھیجیں۔ کتبہ یونیورسٹی کے نام پر بھیجیں۔

بر شخص کے لئے کیا طوطی پر مفید کتاب

* کتبہ یونیورسٹی کے نام پر بھیجیں۔ کتبہ یونیورسٹی کے نام پر بھیجیں۔
* کتبہ یونیورسٹی کے نام پر بھیجیں۔ کتبہ یونیورسٹی کے نام پر بھیجیں۔
* کتبہ یونیورسٹی کے نام پر بھیجیں۔ کتبہ یونیورسٹی کے نام پر بھیجیں۔
* کتبہ یونیورسٹی کے نام پر بھیجیں۔ کتبہ یونیورسٹی کے نام پر بھیجیں۔

”میں نے ایک تجربہ اپنے لاکر میں رکھی ہے اس میں لکھا ہے کہ میرے قتل یا حادثاتی موت کی ذمہ داری شاید زمان پر ہوگی۔ وہ مجھے ہماری معاوضہ دے کر غیر قانونی کام کرا کر اپنے لاکر میں جو کیٹ رکھے ہوئے ہیں۔ انہیں سن کر یقین ہو جائے گا کہ یونیورسٹی کے ایک جوان کو صرف بدنام کرنے کے لئے وہ چالیس ہزار کی خلیفہ رقم ادا کرتا ہے۔“

وہ غصے سے بولا ”چھوڑ تم نے اسی لئے لاکر حاصل کیا تھا اور ان کیسوں کی نقلیں لاکر میں ہیں۔“

”افضل تو تمہارے ہاتھوں میں ہیں۔ لاکر میں اصل ہیں۔“

”تمہیں یہ سمجھ ہے کہ خطرات سے کھیل رہی ہو؟“

”میں کمزور عورتوں کی طرح عزت بچ کر نہیں خطرات سے کھیل کر مرنا چاہتی ہوں۔ اچھی طرح سوچ لو مجھے قتل کو گمے یا کھل مچ دس بچے بیگ میں ملو گے۔“

وہ غصے سے پانس پٹتا ہوا چلا گیا۔ دوسری صبح وہ بیگ میں پہنچی تو وہاں رخسانہ تھی۔ سکرار کھیرا سے مصافحہ کرتی ہوئی بولی ”تم نے شاید کی چھٹی کراوی لیکن میں تمہارے پچاس ہزار لالائی ہوں اور یہ تمہارا ریکارڈ رہی ہے اسے شاید چھین کر لے گیا تھا۔“

حیرانے کا ”تم شاید کی اسٹوڈنٹس یونین کی سیکریٹری ہو گیا اس کی طرف سے یہ رقم لائی ہو؟“

”ابھی کوئی سوال نہ کرو۔ یہ رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کراؤ اور آج عباس واحدی کا ڈراپ سین کرو۔ اس کے بعد میں تمہیں ایسا کام دوں گی جس کا معاوضہ ایک لاکھ سے کم نہیں ہوگا۔“

اس نے رقم جمع کرا دی۔ رخسانہ کے ساتھ یونیورسٹی آئی ایک بیج عباس واحدی لیبارٹری میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر بولا ”چائیس تم میں کیا بات ہے۔ دن رات تمہارے بارے میں سوچتا ہوں۔“

وہ بولی ”جب لڑکی سامنے ہو اور کوئی تیسرا نہ ہو تو سوچنا نہیں چاہئے تم سوچنے کے علاوہ مجھی کچھ کر سکتے ہو۔“

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا ”میں نہیں سمجھا۔“

”میں سمجھتی ہوں۔ میری ایک نفسیاتی کمزوری ہے۔ میری یہ شدید خواہش ہے کہ میرے پاس آنے والا دوسرا دین جائے اور میرے کپڑے پھاڑ ڈالے۔“

”یہ... یہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟“

”دیکھو ایسے“ حیرانے اپنی ایک آستین پھاڑ ڈالی۔ پھر پوچھا ”کیا یہ روپے پھاڑ سکتے ہو۔ اسے لو پھاڑ دو۔“

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ وہ اپنے دوپٹے کو پھاڑتے ہوئے بولی ”ہیزار اچھے ہاتھ نہ لگانا۔“

پھر اس کا گریبان کچڑ کچینے لگی ”چھوڑو مجھے چھوڑ دو۔ کہنے شیطان! کیا تو نے اسی لئے یہاں بلایا تھا۔“

بہت سے قدموں کی آواز میں خانی دیں۔ پھر دروازہ کھل گیا۔ وہ ”ہیچاؤ ہیچاؤ“ کہتی اور دوڑتی ہوئی اندر ایک پروفیسر کے قدموں میں گر پڑی۔ سکتے ہی طلباء و طالبات وہاں موجود تھے۔ دوسرے پروفیسر نے کہا ”عباس! اہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے تمہارے جیسا ڈپن اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کی ہوتی حرکت کرے گا۔ آفس میں آؤ۔“

تمام طلباء اور طالبات عباس واحدی کے خلاف فحشے لگا رہے تھے۔ ایک گھنٹے بعد عباس واحدی کو پرنسپل کی طرف سے ایک کانٹہ ملا جس پر لکھا تھا کہ ”اس کی بدچلتی کے باعث یونیورسٹی سے نکالا جا رہا ہے۔ اس کی ایک نعل و زارت تعلیم کو بھیجی جا رہی ہے اور درخواست کی جا رہی ہے کہ ایک سال تک عباس واحدی کو ملک کی کسی یونیورسٹی اور کالج وغیرہ میں داخلہ نہ ملے۔“

عباس نے وہ کانٹہ لے کر بڑے دکھ سے حیرا کو دیکھا۔ حیرا نے منہ بھریا۔ رخسانہ کے ساتھ اس کی کار میں آکر بیٹھ گئی۔ رخسانہ نے کہا ”آج تم نے کمال کر دیا ہے۔ عباس واحدی ہمارے راستے کا بہت بڑا پتھر تھا۔ کیا تم ہمارے لئے کام کر دے گی؟“

”تم نے کہا تھا کسی کام کے لئے ایک لاکھ دوپٹے مل سکتے ہیں۔ اگر یہ معاوضہ ہے تو ضرور کروں گی۔“

”کیا تم ایک شخص کی بہن اور ایک ماں کی بیٹی بن کر نہ سکتی ہو؟“

”وہ شخص کون ہے؟“

”تمہیں رفتہ رفتہ سب معلوم ہو جائے گا۔ اس کام کے لئے تمہیں اپنے گھر سے رابطہ ختم کرنا ہوگا۔ تم کسی رشتے دار سے نہیں ملو گی۔ انہیں دور سے دیکھ کر کڑا جاؤ گی۔“

”میری ایک ہی بہن ہے۔ میں اسے سمجھا دوں گی تو وہ مجھ سے نہیں ملے گی لیکن یہ سلسلہ کب تک رہے گا؟“

”سال دو سال تک رہے گا۔ اگر تمہاری کارکردگی بہتری تو یہ سلسلہ طویل ہو جائے گا۔“

”یہ تو کوئی بہت بڑا کام نہیں ہے۔“

”تم نے جس جال کی سے عباس واحدی کو یونیورسٹی سے نکلایا اور ہماری یونین کے لئے میدان ہوا کیا پھر بیگ وقت شاید زمان کو بلیک میل کیا۔ تمہارا یہ طریقہ کار اور مکانات ہمارے پاس کو بہت پسند آتی ہیں۔“

”باس“

”ابھی تم نے ریکارڈ اپنے گریبان میں نہیں چھپایا ہے۔ میرا آواز ریکارڈ نہیں ہو رہی ہے اس لئے تمہیں راز کی بات بتا رہی ہوں۔ میرا تعلق ایک ایسی تنظیم سے ہے جو موجودہ حکومت کے خلاف سرگرم رہتی ہے۔ کیا تم ایسی سرگرمی میں حصہ لو گی؟“

”میں دولت مند بننے کے لئے سب کچھ کر سکتی ہوں۔ صرف عزت کو داؤ پر نہیں لگاؤ گی۔“

”جو شخص بھائی بن کر رہے گا وہ ہمیں بنا کر اعلیٰ سرکاری

افران اور عہدے اور ان سے ملایا کرے گا۔ جس عہدے دار سے کوئی سرکاری راز اٹھوگا وہ اس سے تم فخرت کرو گی۔ اس کے ساتھ تنہائی میں وقت بھی گزارا کرو گی۔“

”میں کہہ چکی ہوں عزت نہیں دوں گی۔“

”تمہاری عزت محفوظ رہا کرے گی۔“

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تنہائی میں کوئی موہمارے ساتھ بیٹھ نہیں چھتا۔“

”تمہارے پاس ایک ایسی دوا رہا کرے گی۔ جس کا ایک قطرہ پائے بغیر بول ہی شراب میں ملاؤ گی تو پینے والے کو کچھ محسوس نہیں ہوگا وہ بالکل نارمل رہے گا۔ تمہاری خواہش کرتا رہے گا۔ نہیں ہاتھ لگا رہے گا لیکن تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکے گا۔ اس کی دوا کی عارضی طور پر باقی کے دوائی کی طرح ہوگی جو دکھانے کے لئے ہوتے ہیں کھانے کے لئے نہیں ہوتے۔“

وہ راضی ہو گئی۔ ایک جوان شخص اور ایک اچھڑ عمری عورت کے ساتھ شاموار کو کھنی میں رہنے لگی۔ ابتدا میں اسے یہ نہیں بتایا گیا کہ جس بھائی اور ماں کے ساتھ رہتی ہے وہ دونوں ہماری جاسوس ہیں۔ جب وہ ذات بھری مکاریوں سے یہاں کے اعلیٰ عہدے داروں کو بھانسنے اور اپنے حسن و شباب کے جلوں سے دیوانہ بنا کر اہم سرکاری راز معلوم کرنے لگی تو تنظیم کے سربراہ نے اسے اپنا راز دیا بتایا۔ وہ قابل اعتماد کارکن بنائی گئی۔ اس تنظیم میں وہ کر اس کی ملاقات عہدے ہوئی۔ یہ ملاقات دوسری میں اور دوسری محبت میں بدلنے لگی لیکن اس نے حمار کو تنہائی میں بھی ہاتھ پکڑنے کی اجازت نہیں دی۔ وہ جتنا فاسل رکھتی تھی وہ اتنا ہی اس کے لئے تڑپا تھا۔ آخر اس نے کہا ”مجھ سے شادی کرو۔“

اس نے پوچھا ”مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو؟“

”میں تم سے محبت کرتا ہوں۔“

”محبت کیوں کرتے ہو؟“

”یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے تم مجھے اچھی لگتی ہو۔“

”میں اچھی کیوں لگتی ہوں؟“

”تم سب کچھ سوالوں سے چڑا رہی ہو۔“

”یہ سب کچھ سوالات تمہیں ہیں۔ میں سمجھتا چاہتی ہوں کیوں کر سکتے ہی عاشقوں نے مجھے شادی کی آفر دی لیکن کسی نے میری دل سے اور میری بہن سے شادی نہیں کی۔ انہیں داشتہ بنا کر رکھا گیا۔ ان سے انصافی کیوں کی گئی؟“

”میں نہیں جانتا کیوں انصاف نہیں کیا گیا۔ میں تو انصافا تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“

”کی تو میں پوچھتی ہوں کہ شادی کیوں کرنا چاہتے ہو؟“

”تم تمہیں ہو جو ان ہو اور پرکشش ہو۔“

”بے شمار لڑکیاں حسین جوان اور پرکشش ہوتی ہیں۔“

”بے شمار حسیناؤں میں کوئی ایک دل میں مالتی ہے۔“

”میں یہی جواب چاہتی ہوں کہ تمہارے دل میں کیوں ماری ہوں؟“

وہ جھملا کر بولا ”میں اپنا سر پھولوں گا۔“

”تمہارا سر ہے تمہاری مرضی ہے۔ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔“

”کیا تم کبھی شادی نہیں کرو گی؟“

”میرے سوال کا جواب مل جائے گا تو ضرور کروں گی۔“

”میں دعوے سے کہتا ہوں دنیا کا کوئی شخص تمہارے بے گنے سوالوں کے جواب نہیں دے پائے گا۔“

”جو شخص صحیح معنوں میں عورت کو اپنا بنانا چاہتا ہے اس کے پاس عورت کے ہر سوال کا جواب ہوتا ہے۔“

دراصل ماں اور بہن کے ساتھ جو زیادتی ہوئی تھی۔ اس نے حیرا کو سراپا انتقام بنایا تھا۔ وہ اس کے دوائے مردوں کو ٹھنکا کر دلی تسکین حاصل کرتی تھی۔ اس نے سوچا تھا کبھی شادی کرے گی تو ایسے موٹے جو اس سے کتر ہو اور اس کا محتاج رہے تاکہ کبھی اسے چھوڑ کر کوئی داشتہ نہ رکھے۔

میں نے حیرا کے ذریعے چند غیر ملکی سراغ رساؤں کے نام اور پتے معلوم کئے پھر حماد کے پاس آگیا۔ پارس اس کی آواز اور لہجے میں بول رہا تھا اس کے دستخط کی نقل کر رہا تھا۔ پھر اس نے ڈاکٹر زاہد کا شکر ادا کر کے رخصتی مصافحہ کیا۔ اس کے بعد حماد کے ساتھ اس کی کار میں آکر بیٹھ گیا۔ اسے ڈرائیو کرتا ہوا ایک دکان کے سامنے آیا۔ وہاں سے تیزاب کی بوتل خریدی۔ پھر کار میں آکر اسے ڈرائیو کرتا ہوا اشرفی آبادی سے بہت دور نکل آیا۔

میں نے حماد کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس نے پارس کو دیکھ کر کہا ”تم میرے ہم شکل بن گئے ہو۔ وہاں کسی کو کھنی کے اندر مجھ سے لڑ رہے تھے اور یہ یہ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ میرے دماغ میں کون ہے؟“

پارس نے کہا ”تمہارے دماغ میں ملک دشمنی ہے۔ حساب کرو! آج تک کتنے جاسوس یہاں لایے ہو۔ کتنے چھوٹے بڑے ملکی راز غیر ملکوں تک پہنچا دیے ہو۔ تم اس زمین کو پرانی بنانے کی کوشش کرتے رہے لیکن یہ زمین تمہیں پرلایا نہیں رہنے دے گی۔ تمہیں ایک قبر کی صورت میں اپنے اندر سمیٹ لے گی۔“

میں نے اس کی زبان سے کہا ”دیر کرنا مناسب نہیں ہے۔ میں اسے ختم کرنا ہوں تم اسے ناقابل شناخت بنا دو۔“

میں اسے گاڑی سے باہر لاکر آہستہ آہستہ دو دائرے لگا۔ پارس نے کار اشارت کر کے تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے اسے ٹکر ماری۔ وہ دور جا کر گر کر اس نے کار موڑ کر پھر ڈرائیو کرتے ہوئے اسے پکڑتے ہوئے گر لیا۔ ایسا دوبار کیا۔ میں نے کہا ”وہ ختم ہو چکا ہے۔“

پارس نے کار سے اتر کر اس کے کپڑے اتارے۔ ان کپڑوں

میں آگ لگائی۔ پھر اس کے چہرے اور ہاتھوں کی انگلیوں پر تیراب ڈال دیا تاکہ کوئی اسے چہرے اور... انگلیوں کے نشانات سے بھی نہ پہچان سکے۔ کپڑے جل کر راکھ ہو گئے تھے وہ کار میں بیٹھ کر واپس ہو گیا۔

میں نے اب تک درجنوں ملک دشمن عناصر کے نام اور پتے معلوم کر لئے تھے لیکن ان میں سے صرف ششاد اور حماد کو موت کی سزا دی تھی۔ ان میں سے صرف ششاد کی حادثاتی موت ظاہر ہوئی تھی۔ حماد کا عبرت ناک انجام چھپ گیا تھا۔ کیونکہ پارس وہاں جہاں کہیں پہنچ گیا تھا۔

اگر میں ہر دشمن کو موت کی سزا دیتا تو خبیث تنظیم کا سربراہ چوکتا ہو جاتا۔ سمجھ لیتا کہ میں یوگا کے ماہرین کی فوجی دیواریں توڑتا ہوں اس تنظیم کے بہت اندر تک پہنچ گیا ہوں۔ وہ اپنے بچاؤ کے لئے نوپوش ہو کر اور زیادہ محفوظ اور آسرا میں جاتا۔ اس لئے میں یوگا کے ماہر سربراہ اور اوداؤ کی شہ رگ تک پہنچنے کی خاطر چھپ چاپ اقدامات کر رہا تھا اور ہاتھ آئے ہوئے دشمنوں کوئی الحال زندہ رہنے کا موقع دے رہا تھا۔

پارس حماد کے گھر پہنچا تو پہلے ہی باپ کی لاش وہاں پہنچ گئی تھی۔ دوست احباب افسوس کرنے اور آخری رسومات میں شریک ہونے آ رہے تھے۔ ریحانہ اور رانا جیشید بھی آئے تھے۔ لیکن ریحانہ نہیں آئی۔ پارس نے شام کو چول کان کے سونٹک پول کے پاس ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ ریحانہ نے اس سے کہا تھا کہ تنظیم کے دستور کے مطابق اسے حماد کے دکھ درد میں شریک ہونا چاہئے اور ریحانہ نے کہا تھا: ”وہ ایک مہینے بعد پرے سے آئے گا۔“

پارس نے ریحانہ سے پوچھا ”ریحانہ نہیں آئی؟“

اس نے جواب دیا ”وہ ابھی آجائے گی۔“

وہ سمجھ گیا جب تک وہ اپنے سرناج سے نہیں ملے گی۔ وہیں سونٹک پول پر انتظار کرتی رہے گی۔ اس نے کمرے میں آکر ریحانہ کے موبائل فون کے نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ ہونے پر کہا۔

”ہیلو ریحانہ میں سرناج پول رہا ہوں۔“

اس نے پوچھا ”تم کہاں ہو؟ میں انتظار کر رہی ہوں۔“

وہ بھلا کیسے جاسکتی تھی۔ وہاں یا رکا دیا ہوئے والا تھا۔ اس نے کہا ”میں آئی ہوں تو حماد سے مل کر افسوس کر کے جاؤں گی۔“

ادھر پارس مشکل میں پڑ گیا تھا۔ ششاد کی موت پر اسے دوست احباب ملے آئے تھے جنہیں پہچانا ممکن نہیں تھا۔ وہی ناموں سے واقف تھا لیکن ان نام والوں کے چہرے نہیں پہچان سکتا تھا۔ پھر سادہ دلوں کے جواب میں ہوں ہاں کہہ کر ٹال رہا تھا۔

وہ قبرستان پہنچ کر وہاں کے مٹی کے کمرے میں آیا۔ اسے تدفین کی مقررہ رقم سے دو سو روپے زیادہ دے کر یوگا ”آپ پانچ منٹ کے لئے باہر جائیں۔ میں فون پر ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

وہ دو سو لے کر خاموش ہو گیا۔ باہر چلا گیا۔ پارس نے مارے موبائل فون کے ذریعے رابطہ کیا ”پھر کہا ”فرخسانہ! میں تمہیں پلے سے بتا دوں کہ آج سے حماد کے سرہوش میں ہوں۔“

”کیا واقعی! حماد کہاں ہے؟“

”ابھی کوئی سوال نہ کرو۔ ملاقات ہوگی تو اطمینان سے باتیں گا اور ثبوت کے طور پر تمہاری انگوٹھی بھی دکھاؤں گی۔ اللہ میری ایک مشکل آسان کرے۔“

”بولو کیا بات ہے؟“

”میں حماد کے کسی دوست اور رشتے دار کو نہیں جانتا ہوں۔ تم ہر ایک سے واقف ہو۔ جیسے میں ہی واپس آؤں تم میرے ساتھ لگی رہنا اور کچھ بچے ہر ایک کے متعلق بتاتی رہنا۔“

ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ جو بھی پارس کے پاس پرے سے آئے اس میں اس کے دماغ میں پہنچ کر اس کا نام ”اس کی دوستی جاننے کو پہچان کر پارس کو اس کے متعلق بتا دیتا لیکن وہاں کئی یوگا کے ماہر تھے۔ ان کے پاس پہنچنے ہی وہ سانس روک لیتے پھر بات بھل جاتی کہ فرمان کے دماغوں میں پہنچنے کی کوششیں کر رہا ہے۔

وہ بیٹے ہوئے بولا ”میں تمہارے خاتمی انتظامات کو جانتا ہوں۔ تم ایک انجینیئر شخص کو بھائی اور ایک انجینیئر عورت کو ماں بنا کر رہتی ہو۔ اس کے علاوہ تم نے ایک کو مٹی خریدی ہے۔ جہاں خرافت گزرتی ہے۔ اپنی ذاتی کو مٹی کا پتھر اور فون نمبر کسی کو نہیں پائی ہو۔ مگر دیکھ لو میں تمہارے اسی پرائیویٹ فون پر بول رہا ہوں۔“

”مائی ہوں کہ تم میری ٹوہ میں گئے رہتے ہو۔ فون تک پہنچے ہو تو کسی دن کو مٹی کے اندر بھی آجاؤ گے۔“

”کسی دن نہیں“ آج ہی رات کو آؤں گا۔ ابھی سات بج رہے ہیں۔ ٹھیک پانچ گھنٹے بعد آؤں گی رات کو تمہاری مائیں کے قریب رہوں گا۔“

”تم کو مٹی میں داخل نہیں ہو سکتے۔“

”جانتا ہوں۔ تمہارے تین مسلح باڈی گارڈز ہیں مگر اب وہ میرے زہر خیز ہیں۔ میں تمہیں خریدنے کا لیکن تمہارے خاتموں کو خرید چکا ہوں۔“

”یہ نہیں ہو سکتا۔“

”دنیا میں سب ہو جاتا ہے۔ اس فون کا رابطہ ختم ہوتے ہی اس کے آثار کٹ دیے جائیں گے۔ تم کو مٹی سے باہر نہیں جاسکو گی۔ کہہ کر وہ دے لے نہیں بلا سکو اور تمہارا کوئی شناسا اس کی کو مٹی کا پتھر نہیں جانتا ہے۔“

”تم کہاں آؤ گے تو پہنچاؤ گے۔“

”تمہاری کوئی دھمکی اور کوئی دوا اثر نہیں کرے گی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم ایک دوا کے اثر سے اپنے قریب آئے والوں کو ہلاک بنا دیتی ہو۔ میں وہاں پہنچ کر ایک گلاس پانی بھی نہیں پیوں گی۔“

اس نے بیٹے ہنسنے رابطہ ختم کر دیا۔ وہ حیران پریشان ہو کر سوچ رہی تھی۔ یہ اچانک کیا ہو گیا ہے؟ کیا واقعی وہ اپنی ذاتی کو مٹی میں قید ہو کر رہ گئی ہے؟

وہ بولی ”وہ تمہیں خریدنے والا کون ہے؟“

”میں میں سے کوئی نہیں جانتا میڈم!“

”تم تینوں نے اس سے جتنی رقم لی ہے۔ میں اس کا دو گنا دوں گی۔“

”سوری میڈم!“ وہ اباؤٹ ٹرن ہو گیا۔ فوجی انداز میں چٹا ہوا ہاتھ اٹھا کر۔ دروازہ بند ہو گیا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئی۔ دروازے کو کھولنے کی کوشش کی۔ وہاں پر سے بند کر دیا گیا تھا۔

پھر وہ تیزی سے چلتی ہوئی دوسرے تیسرے دروازوں پر آئی۔ باہر کی طرف کھلنے والے تمام دروازے قفل ہو گئے تھے۔ وہ ڈرائنگ روم میں واپس آئی۔ ریسپر کو اٹھا کر نمبر ڈائل کرنا چاہا۔

پہلا فون مڑا ہو چکا ہے۔ اس کے آثار کٹ دیے گئے تھے۔ اس نے دُور گرو دوازے پر ہاتھ راتے ہوئے ایک چیخ ماری۔

”پہچاؤ مجھے بچاؤ۔“

اس کے ساتھ ہی اونچی آواز میں باپ میوزک گونجنے لگی۔ کو مٹی کے چاروں طرف بڑے بڑے ڈیک سے موسیقی شور مچا رہی تھی۔ وہ لاڈلا جھپکری آواز سے زیادہ نہیں جھپکتی تھی۔ اس کی چیخ پکار تارخانہ میں طوطی کی آواز کی طرح ڈوب کر رہ گئی تھی۔

آخر وہ تھک بار کر ایک صوفے پر گر پڑی۔ اس کی خاموشی کے ساتھ باپ میوزک بھی خاموش ہو گیا۔ دوسرے باڈی گارڈز نے اندر آکر کہا ”ہم اس علاقے میں بار بار ریکارڈنگ کا شور مچا نہیں کریں گے۔ آپ سے درخواست ہے کہ خاموش رہیں۔ ورنہ ہم انجینئرس کے ذریعے آپ کو اٹا کر زہر دیا دیں گے کہ پھر منہ سے آواز نہیں نکال سکیں گی۔“

وہ دھمکی دے کر باہر چلا گیا۔ حمیرا صوفے پر بڑی ہوئی ایک مست غلام تک رہی تھی اور سوچ رہی تھی ”کیا مجھ پر بھی وہی وقت آ رہا ہے جو میری ماں اور میں پر آیا تھا؟ وہ دونوں کمزور تھیں۔ میں نے شہ زور بننے کے لئے مکاریاں کیں۔ زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کی کیونکہ دولت مند عورت کو کوئی آسانی سے ہاتھ نہیں لگاتا۔ میں نے بد معاشرے سے محفوظ رہنے کے لئے تین مسلح باڈی گارڈز رکھے۔ اپنی اس کو مٹی کو قلعہ بنالیا۔“

پھر وہ سرد آہ بھر کر بولی ”آہ! میں یہ بھول گئی تھی کہ یہ باڈی گارڈز بھی مرد ہیں۔ یہ تنگ حرام میرا نہیں کسی مردی کا ساتھ دے رہے ہیں۔ میں کیا کروں؟ آخر وہ کون ہے جس نے مجھے چاروں طرف سے جکڑ لیا ہے؟“

میں بھی اسی سوال پر غور کر رہا تھا کہ آخر وہ کون ہے؟

اس نے فون پر حمیرا سے جتنی گفتگو کی تھی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ حمیرا کا دیرینہ دوست بلکہ ایسا دوست ہے جو لاکھ لاکھ حاصل کر لیتا ہے۔ عورت کا انکسار اس کے لئے پہنچن جاتا ہے۔

پھر یہ معلوم ہوا کہ وہ حمیرا کے متعلق بڑی معلومات رکھتا ہے۔ اندر کی بات جانتا ہے کہ وہ کسی انجینیئر کی بہن اور کسی انجینیئر عورت

میرے مرحوم شوہر کی دولت اور جائیداد پر قبضہ بنانے آئے ہو۔ چل جائیساں۔“

رخسانہ گہرا لکڑی تختی کے بچیدار محل گیا ہے۔ پارس بھی ٹھوٹکی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور سمجھتا تھا جتنا تھا کہ اس نے سچ سچ پہچان لیا ہے یا پاگل ہیں اس لیے کہہ رہی ہے؟

یہ پاگل بن ہی تھا۔ وہ رخسانہ سے کہہ رہی تھی ”اور تم۔ تم۔ تم میری بیوی بن کر مجھے دھروے کر اس گھر میں ران کرنے آئی ہو۔“

”میں آنٹی! میں ابھی مادہ کو لے کر یہاں سے چلی جاؤں گی۔“

آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔“

وہ قریب آکر بولی ”ہاں اس لڑکے کے ساتھ چلی جانا۔ شہزادہ مرحوم کی دولت کا لالچ نہ کرنا۔ یہاں کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔ یہ سب حرام کی ہیں۔ یہ باپ بیٹے حرام کاتے تھے اور حرام کھاتے تھے۔ اسی لئے میں اسے چٹا نہیں کستی۔ تم حرام کھانے

والے سے شادی کر لینی حرام ہے۔ اسی سبب یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر وہ قسے لگائے۔ مگر یہ بھرتے ہیں اچانک دوتے ہوئے بولی "میں کہتی تھی۔ دیکھ شمشاد! تو بہ کر لے۔ یہ زمین کتنی اچھی ہے۔ ہم اس پر پاؤں شیخ کر چلے ہیں۔ اسے لائیں مارتے رہتے ہیں پھر مجھی سے اپنے سینے پر ہمیں اٹھائے رہتی ہے۔ اس کا سودا نہ کر۔ دلائی نہ کر۔ دوند حرام موت مرے گا اور مر گیا۔ آخر حرام موت مر گیا۔"

سنے سے لگایا۔ اسے چمکتے ہوئے بڑے "می" چپ ہو جاؤ۔ اگر تم بائیں ہاتھ تو میری دعا ہے کہ ہم سب پاکستانی ایسے بندوں سے بائیں ہو جائیں۔ چپ ہو جاؤ می!"

وہ اس کی آغوش میں ساکت ہو گئی تھی۔ نیم ہو بیٹھی کی حالت میں تھی۔ اس نے آغوش میں اسے اٹھا کر ستر ڈال دیا۔ اس کی بند آنکھوں سے جو آنسو نکل چکے تھے انہیں محبت سے پونجا۔ اس پر ایک چادر ڈال دی۔ پھر اس کی بیٹھانی پر بوسہ دے رخسانہ کے ساتھ کمرے سے باہر آیا اور دروازے کو آہستہ سے بند کر دیا۔

وہ اسے الگ کرتے ہوئے بولا "ٹٹنے کی خوشی میں یہ نہ بھولو کہ
 عمو کا باپ مر گیا ہے اور ہمارے ملک میں گلے لگ کر ماتم کرنے کا
 رواج نہیں ہے۔"

”میں تمہیں اور صرف تمہیں چاہتی ہوں۔“
 ”تو پھر ہماری باتیں نہ کرو۔ اس سلسلے میں کوئی سوال نہ کرو۔
 آؤ مہمانوں کو رخصت کریں۔“

حماد کی ماں باپ مل گئی۔ وہ اپنے شوہر اور بیٹے کو کبھی پہچانتی تھی کبھی بھول جاتی تھی۔ زیر لب بیزبانی رہتی تھی۔ کوئی بھی اس کے اندر تمام کمروں میں بھٹکتی پھرتی تھی۔ ادھر کا سامان اٹھا کر ادھر رکھتی تھی۔ جیسے گھر کو ساری ہو۔

پارس نے قریب جا کر مخاطب کیا "ہی!"
اس نے چونک کر دیکھا۔ پارس پر اس کی نگاہیں یوں جم گئیں
جیسے وہ کسی اجنبی کو پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ رخسانہ نے ہلکا
سے کہا "معاذ! انکل کی موت نے تمہیں اپن کر دیا ہے۔ تم آئی
میں آگے ہو۔"

کی بنی بن کر رہتی ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ تنظیم کے اندر راز کا بی کوئی شخص ہے جو یہ راز کی بات جانتا ہے۔ اس سے بھی آگے یہ جانتا ہے کہ حیدر اکے پاس ایسی دوا ہے جو اس کے قریب آنے والوں کو مارتا رہتی ہے۔

ایک نہیں تین باڑی گاؤں کو اپنا وفادار بنانا ممکن نہیں تھا۔
 بیک وقت سب ہی نمک حرام نہیں ہوتے اس کا مطلب یہ تھا کہ
 وہ نمک حرام نہیں تھے شروع سے اپنے مالک کے وفادار تھے اور
 اسی کے حکم پر حیرانے باڑی گاؤں میں کر رہے تھے۔

اگر میں درست سمجھ رہا تھا تو وہ تینوں بھی یوگا کے ماہر ہوں گے۔ خفیہ تنظیم کا سربراہ اور دادو یا اسی کی سطح کا کوئی یوگا ماسٹر میرا کو حاصل کرنے کی شہ کر بیٹھا تھا۔ آج رات اس کے پاس آنے والا تھا اور اس کی یہ شہادت اسے متنبی پڑنے والی تھی۔

میں رخصانہ کے پاس آیا۔ پارس اس کے بھائی حبشیہ وغیرہ کے ساتھ قبرستان سے واپس آتا تھا۔ رخصانہ نے قریب آکر کہا ”ہماؤ مجھے افسوس ہے۔ میں تمہارے دکھ کو دل سے محسوس کر رہی ہوں۔“

اس وقت ایک شخص نے آکر یارس سے کہا "حماد! تمہیں باپ کی جدائی کا مدد ہے لیکن کچھ کام چاہنا بھی ضروری ہے۔ تمہاری بھائی کہہ رہی ہیں ہمارے ساتھ گھروں پر کھانا پلو۔ میں نے یارس سے کہا "رخسانہ کی سوچ بتا رہی ہے اس شخص کا نام نجیب ہے یہ تحقیق کے حوالے سے حماد کا دوست ہے۔"

پارس نے کہا: ”نجیب! بھابی سے کہنا ابھی دوست احباب کی آمد کا سلسلہ رہے گا۔ مجھے گھر میں رہنا چاہیے۔“

”ٹھیک ہے، میں گھر سے کہنا بھیج دوں گا۔“

رخسانہ نے کہا ”میں پہلے ہی عداوت طے کر چکی ہوں۔ ہم یہاں رات گیارہ بجے تک رہیں گے۔ پھر میں اسے گھر لے جاؤں گی۔“

جہشید نے کہا ”یہ اچھی بات ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ تم حماد کے ساتھ آ جاؤ۔“

وہ چاہیگا۔ رخسانہ پارس کا بازو تمام کرانے کسی الگ کمرے میں لے جانے لگی لیکن ہر کمرے میں عورتیں موجود تھیں۔ اور ایک ایک کر کے رخصت ہو رہی تھیں۔ ایک گھنٹے بعد ذرا تنہائی نصیب ہوئی تو وہ بولی ”ثبوت پیش کر دو۔“

بارس نے کہا "میری انٹلی میسج تم نے میری ماں کی دی ہوئی انٹروپکسی کل دیکھی تھی اور یہ رہی تمہاری انٹروپکسی۔"

اس نے جیب سے ڈھال کر انٹروپکسی اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ وہ خوش ہو کر اس سے پلٹ گئی پھر بولی "تم نے تو کمال کر دیا۔ یہ حماد کے لیے بھی ہے۔"

میں نے پارس سے کہا "مجنوں کی اولاد! یہ ماتمی ماحول ہے۔
اسے اپنے سے الگ کرو۔"

اندرونی آئین سب کو کھلا۔ اس میں پوز اور دار کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ کچھ ضروری دستاویزات تھے۔ ایک سائیکس کے ساتھ ایک رولر رکھا ہوا تھا۔ رولر پوری طرح لوڑھا تھا۔ اس نے سائیکس کے ساتھ اسے اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔

ہم باپ بیٹے اور سونگیا اپنے پاس بٹھیا رہیں رکھتے تھے۔ کبھی ضرورت کے وقت دشمنوں سے ہی بٹھیا چھین کر استعمال کرتے تھے لیکن آج حیرا کی کوٹھی کے اطراف سخت پہرا تھا۔ باہر سے آنے والا احاطے میں بھی قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ سخت پہرے کو توڑنے کے لئے سائیکس گئے ہوئے بٹھیا کی ضرورت تھی اس لئے اس نے احتیاطاً گھر لیا تھا۔

رخسانہ نے پوچھا ”تم نے یہ نہیں بتایا کہ حاد کہاں ہے؟ کیا وہ ختم ہو گیا ہے؟“

”ہاں“ برے کو برے انجام تک پہنچا ہی تھا۔ اس لئے میں نے اسے بھی دوسری دنیا میں پہنچا دیا ہے۔“

”تھے افسوس کی بات ہے کہ ایسے ملک دشمن قانون کے ہاتھوں سزا نہیں پاتے یا اپنے پیچھے جرائم کے ثبوت نہیں چھوڑتے یا پھر قانون کے محاذوں کو خرید لیتے ہیں۔“

”یہی وجہ ہے کہ ہم اپنی عدالت میں پورے انصاف کے ساتھ اپنے لوگوں کو سزا موت دیتے ہیں۔“

وہ الماری سے ایک اہم نکال کر دیکھنے لگا۔ آج جو لوگ شمشاد کی آخری رسومات کے لئے آئے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگوں کی تصویروں اس میں تھیں۔ رخسانہ پھر ان تصویروں کو دیکھ کر اسے بتانے لگی کہ کس کا نام کیا ہے۔ اور تقسیم سے اس کا کیا تعلق ہے؟

وہ دونوں کمرے کے اندر مصروف تھے۔ باہر بیگم شمشاد کھڑی سے لگی کھڑی تھی۔ اس نے بیٹے کی موت کے متعلق سن لیا تھا۔ وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ دیوار سے ٹک لگے خود کو سنبھال رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ایک سایہ وار درد سخت کی طرح جڑ سے اکھڑتی ہے اور اب بچے گرنے ہی والی ہے۔

شہر نے بھی اسے سمجھ نہیں دیا تھا۔ وہ سمجھاتی رہی تھی کہ دولت کی ہوس نہ کرو۔ وہ اسے بار بار بیٹھ رہتا تھا اور کتا تھا ”نوادہ“ بولے کی توالت مار کر گھر سے نکال دوں گا اور بیٹے کو جین کر اپنے پاس رکھ لوں گا۔“

پھر بیٹا جوان ہونے لگا تو اسے بھی اپنے راستے پر لگایا۔ وہ بیٹے پر مٹا کا اثر ڈالتی رہی لیکن پھر جنوں پر کلام نرم و نازک بے اثر ہوتا ہے۔ وہ باپ سے ہی اثر لیتا رہا۔ اس نے کئی بار سوچا۔ ایماندار اور حب الوطنی کا تقاضا ہے کہ شہر کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرے لیکن ایک بیوی کا دل نہیں مانتا تھا۔ عقل نے کہا۔ وہ دو چار سال کی سزا کاٹ کر آئے گا تو ملک دشمنی سے توبہ کر لے گا۔ وہ ہمیشہ شکش میں رہی۔ یہ شکش اس وقت اور بڑھ گئی جب

بیٹا بھی باپ کے نقش قدم پر بیٹے لگا تو وہ بیٹی اختیار میں چلا ہو گئی۔ کبھی وہ وفا کی توازن کو دیتی تھی۔ جسکی جسکی باتیں کرنے لگتی تھی اور کبھی نارمل ہو جاتی تھی۔

دراصل بیٹے کو قانون کے حوالے کرانے کی بات دماغ میں آتی تو وہ ایک دم سے بکھر جاتی تھی۔ بیٹے کے جرائم کو بھولنے کے لئے پاگل پن میں پناہ لیتی تھی تاکہ عقل کی اور حب الوطنی کی باتیں دماغ میں نہ آئیں۔ یہ ایک نفسیاتی کس تھا۔ بہت سے لوگ اندر سے بکے مسلمان رہتے ہیں مگر اوپر سے بے ایمانی پر بھی مجبور ہوتے رہتے ہیں۔ یہی بیگم شمشاد کا معاملہ تھا۔

وہ ڈنگائی ہوئی اپنے کمرے میں آئی۔ دروازے کو اندر سے بند کر کے الماری کو کھولا۔ پھر اس میں سے بیٹے کی تصویر نکال کر دیکھی۔ وہ تصویر میں مسکرا رہا تھا۔ ماں کی مٹا کو پکار رہا تھا۔ وہ دونوں ہوئی ہنسنے لگیں۔ حاد کی تصویر پر اپنا چہرہ رکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرنے لگی۔

مٹا انگڑوں پر لوٹ رہی تھی۔ اور آنسوؤں میں ڈوب رہی تھی۔ کیجا پھٹ رہا تھا۔ وہ بیٹے کے قاتل کو معاف نہیں کر سکتی تھی۔ اندر ہی اندر لاڈلا پکار رہا تھا۔ کس وقت بھی آتش فشاں پھٹ پڑے گا تو تھا۔

پھر وہ اٹھ بیٹھی۔ ہنگ کے پاس سے چلتی ہوئی اپنے شوہر شمشاد علی کی الماری کے پاس آئی۔ اسے کھول کر اس میں سے ایک رولر نکالا۔ اسے پوری طرح نکال دیا۔ پھر تیزی سے چلتی ہوئی کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آئی وہاں سے چلتی ہوئی اپنے منقول بیٹے کے کمرے میں آئی۔ وہ مگر خالی تھا۔ پاس وہاں نہیں تھا۔

باہر گاڑی اشارت ہونے کی آواز سنائی دی۔ پاس رخسانہ کے ساتھ جا رہا تھا۔ بیگم شمشاد ہاتھ میں رولر اور لگے دوڑتی ہوئی باہر جانا چاہتی تھی لیکن رگڑے میں آتے ہی ٹھوکر کھا کر فرش پر اونڈھے منہ گر پڑی۔ پھر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ جھلی جھلی حاد کی کار احاطے سے باہر جا چکی تھی۔

حیرانے بھی سوچا بھی نہیں تھا کہ لاکھوں روپے کی کوٹھی میں رہ کر اور مسلح محافظ رکھ کر بھی وہ غیر محفوظ رہے گی اور اپنے ہی گھر میں قید ہو کر رہ جائے گی۔

وہ شام سے رات کیا رہے تک بار بار گھڑی دیکھتی رہی تھی اور اپنی غیر معمولی ذہانت سے بچاؤ کی تدبیر سوچتی رہی تھی لیکن ہر طرف سے بے دست و پا ہو کر یوں لگ رہا تھا کہ ایسے وقت غیر معمولی ذہانت بھی معمولی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسے کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے بھی جان لیوا بٹھیاؤں کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ وہ صرف دوری سے حسن و شہاب کا چار ڈال کر ذہانت اور مکاری سے شکار بچا رہی تھی۔

جس میں ہنری کاٹنے والا اور بیڈ دوم میں پھل کاٹنے والا چاقو

تھا۔ اس سے دشمن دشمنی ہو سکتا تھا۔ سر نہیں سکتا تھا اور دشمنی ہو کر جالی بننے کر سکتا تھا۔ پھر یہ کہ اس کے پاس رولر اور ہو گا تو وہ رولر اور دکھا کر چاقو چھین لے گا۔

وہ طرح طرح سے بچاؤ کے طریقے سوچ رہی تھی لیکن کوئی طریقہ کام آتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ آخر اس نے سوچا کہ خوابگاہ کے دروازے کو اندر سے بند کر کے بیٹھ جائے اگر وہ دروازہ توڑنا چاہے گا تو یہ ہاتھ میں چاقو لے کر اس کی نوک اپنے سینے پر رکھ کر دھمکی دے گی کہ دروازہ ٹوٹے کے بعد اسے زندہ نہیں ملے گی۔

وہ موت سے نہیں ڈرتی تھی لیکن طبعی عریک جینا چاہتی تھی۔ زندگی سے بہت پیار تھا۔ وہ دنیا کا سارا حسن ساری مسرتیں حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے چاقو کی نوک کو اپنے سینے پر رکھنے کے خیال سے ہی پریشان ہو رہی تھی۔

رات کے باہر بیٹھے لگے۔ آدھی رات ہوئے کو آئی تو وہ عاجزی سے بولی ”خدا یا تو نے یہ کیسی دنیا بنائی ہے؟ یہاں عورت کی کوئی عزت نہیں ہے۔ عورت ہزار جہنم کے باوجود اپنی حفاظت نہیں کر سکتی۔“

میں نے اس کی سوچ میں کہا ”عورت شادی سے پہلے باپ اور بھائی کی سرپرستی میں اور شادی کے بعد شوہر کی پناہ میں رہے تو وہ اکثر محفوظ رہتی ہے۔ میں تمہارے ضمیر کی آواز ہوں۔ تم نے وہ راستے اختیار کئے جو سلامتی کی طرف نہیں لے جاتے۔ تم نے عموہ طرازیوں سے مردوں کو لپیٹا۔ ان کے لئے چیلنج بن گئیں کہ تم ناقابلِ خمیر ہو۔ مگر عورت کے چیلنج کی ایسی کی تھیں کر رہا ہے۔ اگر کوئی ایسی کی تھیں کرنے آ رہا ہے تو ختم خدا کی بنائی ہوئی دنیا پر تنقید کیوں کر رہی ہو؟“

وہ ضمیر کی باتوں کو تسلیم کرتی ہوئی بولی ”اپنی جہاں کو سامنے رکھ کر ضمیر کی باتیں سمجھ میں آ رہی ہیں لیکن سمجھ لینے سے مصیبت نہیں ملے گی۔“

”مگر صدق دل سے توبہ کی جائے گمراہی کو چھوڑ کر راستی پر آنے کا عزم کیا جائے تو خدا نیک بنی کو سمجھ کر اپنے بندوں کے ذریعہ مدد پہنچا آئے۔ پہلے خدا پر ایمان پختہ کرو۔“

”میرا ایمان خدا پر ہے۔ میں صدق دل سے عزم کرتی ہوں کہ ملک دشمن سرگرمیوں سے باز رہوں گی اور مردوں کو لپیٹنے والا اشتہار نہیں بنوں گی۔“

”تو پھر یقیناً کامل رکھو کہ خدا نے اپنے ایک بندے کو تمہاری حفاظت کے لئے بھیج دیا ہے۔“

وہ پورے یقین کے ساتھ الماری سے ایک لباس نکال کر ہاتھ دھو کر اس میں لپیٹ لیا۔ صاف ہو کر خدا کے سامنے سجدہ کرے۔ وہ بچپن میں نماز پڑھا کرتی تھی۔ آج ایک طویل مدت کے بعد پھر ایمان آ رہا کرنے والی تھی۔

کوٹھی کے احاطے میں ایک کار آکر رک گئی۔ کار کے اندر

تاریکی تھی۔ اس کا اگلا دروازہ کھول کر ایک قد آور شخص باہر آیا۔ اس نے سر سے چہرے کے نیچے تک پتلا سامک چڑھایا ہوا تھا۔ کوئی اسے پہچان نہیں سکتا تھا۔

اس نے ایک باڈی گارڈ سے پوچھا ”آس پاس سب ٹھیک ہے؟“

”جی جناب! ہم تینوں محتاط ہیں۔ کوئی انسان کا بچہ بھی باہر دلی کے اندر نہیں آئے گا۔“

”وہ گزبہ کر رہی تھی؟“

”نہیں جناب! بالکل خاموش ہے۔“

”بالکل خاموشی کا مطلب کیا ہو؟ کبیں مروت نہیں گئی؟“

”نہیں جناب! زندہ ہے۔ نماز پڑھ رہی ہے۔“

وہ بیٹھے ہوئے بولا ”انسان کے پاس یہی ایک آخری راستہ ہوتا ہے۔ مگر افسوس نماز بھی اسے ایسے کر کے گی۔“

اس نے دائیں بائیں آگے پیچھے دوڑ تک دیکھا۔ کسی طرف سے اندیشہ نہیں تھا۔ وہ ایمان سے چلنا ہوا کوٹھی کے اندر آیا۔ اندر گہری خاموشی تھی۔ اس نے ذرا تنگ دھم میں آکر چاروں طرف دیکھا۔ وہاں سے گورڈز دور میں آیا پھر مختلف کمروں میں دیکھا ہوا خوابگاہ میں بیٹھ گیا۔

وہ فرش پر قبلہ ٹوٹتی دعا مانگ رہی تھی۔ آنے والے نے جب سے ایک موبائل فون نکال کر نمبر ڈائل کئے پھر رابطہ ہونے پر بولا ”راستہ صاف ہے۔ اندر یہ اکیلی ہے اور کوئی نہیں ہے۔ باہر ہمارے تینوں وفادار بہت ہو شماری سے۔۔۔۔۔“

دوسری طرف سے کہا گیا ”موت کے سامنے ہوشیاری کام نہیں آتی۔ باہر تینوں وفادار موت کی نیند سو گئے ہیں۔ کسی نے سائیکس کا کار نہیں شوت کیا ہے۔“

”ماں! گاڈ کیا آپ کو یقین ہے کہ یہی میرا مطلب ہے ابھی میں اندر آیا تو وہ تینوں زندہ تھے۔“

”میں نے سیکٹر ٹرانسفر سے رابطہ کیا تھا۔ تینوں میں سے کوئی جواب میں سیکٹر نہیں دے رہا ہے۔ تم باہر نکل کر دیکھو۔“

وہ دونوں ہاتھ انھار کے دوسری طرف گھوم گیا۔ پارس نے کہا۔
 "رخسانہ! اس کی جیب سے دیو اور نکال لو۔"
 وہ آگے بڑھ کر اس کے قریب آئی۔ غلاب پوش نے سرگوشی
 میں کہا "میں اصل آواز میں بول رہا ہوں۔ اپنے بھائی کو پہچانو۔"
 وہ حیرانی سے بولی "جشید بھائی؟"
 "ہاں۔ میں ہوں۔ حماد کو سمجھا کر یہاں سے لے جاؤ۔"
 وہ بھائی کی جیب سے دیو اور نکال کر بولی "حماد! یہ میرے
 جشید بھائی ہیں۔"
 وہ پارس کے پاس آگئی۔ اس نے پوچھا "بھائی! کا ساتھ دو گی یا
 میرا؟"
 "میں حق کا ساتھ دوں گی۔ یہ بھائی ہے مگر دشمنوں کا دلائی
 ہے۔"
 جشید نے ڈانٹ کر پوچھا "کیا کبھی ہو گیا ہے مجھ سے حاصل کی
 ہوئی تمام تعلیم و تربیت بھول گئی ہو؟ اور حماد! تم... تم تو ہمارے
 آدمی ہو؟"
 "وہ حماد جنم میں پہنچ گیا ہے۔ اگر تم بھی وہاں نہیں جانا چاہتے
 تو بتا دو کہ اب وہاں کہاں ہے؟"
 "میں کسی ابوداؤد کو نہیں جانتا۔"
 رخسانہ نے کہا "میرے سامنے جھوٹ نہ بولو۔ ابوداؤد "را"
 تنظیم کا کایف بن کر یہاں آیا ہے۔ تم اس کے معتبر خاص ہو۔
 تمہیں اس کا پتا ٹھیکاً ضرور معلوم ہو گا۔"
 حمیرا نے صفے سے اٹھ کر کہا "ابھی یہ فون پر کسی کو انعام کر
 رہا تھا کہ میں یہاں اکیلی ہوں اور راستہ صاف ہے لیکن جسے انعام
 کر رہا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ باہر تینوں پریدہ مارے گئے
 ہیں۔"
 رخسانہ نے پوچھا۔ "جشید بھائی! اس کا مطلب کیا ہوا؟ کیا
 ابوداؤد حمیرا کے پاس آنا چاہتا تھا اور تم اس کے لئے راستہ صاف
 کرنے آئے تھے؟"
 جشید نے ایک جھٹکے سے حمیرا کو کھینچ کر اپنے سامنے ڈھال
 بنایا پھر ایک چاقو کی نوک اس کی گردن پر رکھتے ہوئے کہا "ایک
 بھی گولی چلی تو یہ میرے ساتھ مرے گی۔ راستہ چھوڑو۔ مجھے
 جانے دو۔ اپنے اپنے ہتھیار پیچھ کر دو۔"
 رخسانہ اور پارس نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ گرج کر بولا۔
 "وقت ضائع نہ کرو۔ اپنے اپنے دیو اور کرے سے باہر پھینکو۔"
 دونوں نے دیو اڑانے کی طرف گھوم کر دونوں دیو اوروں کو باہر
 پھینک دیا۔ دیو اڑانے سے دور ہٹ گئے۔ جشید، حمیرا کو چاقو کی
 نوک پر رکھ کر آہستہ آہستہ دیو اڑانے کی طرف بڑھتا ہوا کہ رہا
 تھا۔ "خبردار! میں کسی کا لٹا نہیں کروں گا۔ ذرا میری چالاکی دکھائی
 تو پلک جھپکتے میں اس کی گردن کاٹ ڈالوں گا۔ چلو اصرار ناؤ۔"

وہ دونوں ہنگ کی طرف جا رہے تھے۔ جشید نے رخ بدل لیا
 تھا۔ اب دونوں کی طرف رخ کر کے دیو اڑانے کی طرف پست کرنے
 ہوئے پیچھے ہٹ رہا تھا اور کرے سے نکل رہا تھا۔ اس نے دیو اڑانے
 کرنے کے لئے ایک قدم باہر رکھا۔ اسی وقت غلاب پوش کی آواز
 رات کے سانے میں گونج گئی۔
 رخسانہ کے حلق سے نکل نکلی۔ گولی نکتے ہی جشید کی گھوڑی کا
 تھوڑا سا حصہ اڑ گیا تھا اور وہ فرش پر اتر رہی تھی۔ مگر گر کر زخپ رہا
 تھا۔ حمیرا دوڑتی ہوئی رخسانہ کے پاس آگئی تھی۔ پھر ان تینوں نے
 دیو اڑانے کی طرف دیکھا۔ وہاں بیٹھے شمشاد بیکلی دونوں ہاتھوں میں
 دیو اور تھا پارس کو نشانے پر رکھے کہیں ہوئی تھی۔
 جشید زخپ کر اٹھا۔ پھر ایک۔ بیٹھے شمشاد نے ڈانٹ میں گرج
 پارس کو گھور کر کہا "قاتل! میرے بیٹے کا قاتل!"
 رخسانہ نے کہا "آئی! کیا کہہ رہی ہو۔ یہ ہمارا بیٹا۔"
 وہ بات کاٹ کر بولی "پارس! موت کر لو! میں نے اپنے گھر
 میں تم دونوں کی باتیں سن لی ہیں۔ اس نے اعتراف کیا ہے کہ برے
 کا انجام برا ہوتا ہے۔ اس لئے میرے برے بیٹے کو اس نے مار ڈالا
 ہے۔"
 پارس دونوں لڑکیوں سے ڈر رہا تھا کہ بولا "میں نہیں چاہتا کہ
 نشانہ بنے اور یہ لڑکیاں ماری جائیں۔ موت کی سزا صرف مجرم کو
 ملنی چاہئے جبکہ میں بھی مجرم نہیں ہوں۔"
 بیٹھے شمشاد نے کہا "میں باقی ہوں تم نے ایمان اور قانون کے
 مطابق مجرم کو سزائے موت دی ہے لیکن موت کی عدالت میں تم نے
 جرم کیا ہے۔ میں جیس برس سے شخص میں ہوں کہ میں نے بیٹا پیدا
 کیا ہے یا حمل؟ وہ قوم کا خون چوس رہا تھا اور ملک کی جڑوں میں
 دشمنوں کو بچھا رہا تھا۔ میں اسے خطرناک مجرم کو متا سے مجبور ہو کر
 بیٹا کہہ رہی تھی میں اسے نقصان پہنچے تھیں دیکھنا چاہتی تھی۔ میں
 نے خود کو سمجھانے کے لئے کہا تھا کہ بیٹا رہا ہے تو خدا سمجھے گا۔"
 بوڑھی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ وہ کانپتی ہوئی آواز
 میں بولی "آج خدا نے مجھ لیا ہے۔ تمہیں اس کے جبریت کا انجام
 کا واسطہ بنایا ہے تو مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے۔ میری متا خدا
 کے فیصلے سے بھی انکار کر رہی ہے۔ یہ کتنا بڑا گنہگار ہے۔ میں بیٹے کی
 محبت میں کافر ہو رہی ہوں۔ میرے مسلمان ہونے کا ایک ہی راستہ
 ہے کہ میں اپنے اندر کی کافر بائبا کو مار ڈالوں۔"
 اس نے دیو اور کا رخ اپنی طرف کر لیا۔ اس کی ٹال کو پیشانی
 سے لگا کر پارس سے بولی "میرے بیٹے! جب تک میرے شہر میں رہنا
 میرے حماد کے روپ میں نکلیاں کرتے رہنا۔ ایک ماں اپنی آخری
 خواہش بیان کرنے آئی تھی۔"
 یہ کہتے ہی اس نے ٹیکر دیا دیا۔ غلاب پوش کی آواز کے ساتھ
 تینوں کے پیچھے کانپ گئے۔

گندہ ہم جنس باہم جنس پروا کو زبردستی تیار باز۔

یہ قدمی! امر ہے کہ کو زبردستی کے ساتھ اور باز کے ساتھ
 پروا کرتا ہے۔ جھوٹا ہونے کے ساتھ چل نہیں سکتا اور گزروں
 زور پر حملہ نہیں کر سکتا۔ کافر خان اپنے علاقے کا بیٹھ خان تھا
 لیکن میں اس کے مقابلے میں شہر زور تھا۔ اسے مجھ پر حملہ نہیں کرنا
 چاہئے تھا لیکن اس نے غلطی کی اور غلطی کے نتیجے میں اپنا حال بچھ
 گیا۔

انتقام لینے والے اسپتال تو کیا قبرستان پہنچ جاتے ہیں؟ اب
 بھی ان کا انتقام جاری رہتا ہے۔ اب اس کا بھائی ہم خان طیش
 میں آکر تمہیں کھا رہا تھا کہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اگرچہ اس
 کی اہمیت نہیں تھی وہ ہتھیاروں کا ذخیرہ اور دشمنوں کی فوج لا کر بھی
 میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ تاہم ایک انجینی نے اس کا پلڑا بھاری
 کر دیا تھا۔

اور وہ کوئی خیال خواتین کرنے والا انجینی تھا۔ پتا نہیں کافر
 خان سے اس کی ملاقات کیسے ہو گئی تھی۔ وہ اس خان اعظم سے
 دوستی کر کے ان ہتھیاروں کو آلا رہا کہ مجھ تک پہنچنا چاہتا تھا۔
 اسے یہ معلوم ہو گا کہ میں گرفت میں آکر بھی نکل جاتا ہوں۔ لہذا
 وہ یقینی گرفت کا انتظار کر رہا ہو گا۔

اس نے کافر خان اور ہم خان پر عمل کر کے ان کے داغوں
 کو لاک کر دیا تھا۔ وہ دونوں مطمئن تھے کہ میں ان کے اندر آکر
 انہیں نقصان نہیں پہنچا سکوں گا۔ اسی زعم میں انہوں نے رست
 بازوں کو چاروں طرف سے گھیر کر مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا اور یہ
 سبق حاصل کیا تھا کہ میرے لئے داغوں کے اندر پہنچنا ضروری
 نہیں ہے۔ میں باہر متا بلے پر آکر بھی مشکلات پیدا کر دیتا ہوں۔

وہ بڑی مشکل میں تھا۔ آپریشن کے ذریعے جسم سے گولی نکال
 دی گئی تھی لیکن مرہم پٹی کے وقت میں ایک ڈاکٹر کے داغ میں تھا۔
 میں نے اسے زوردار دوا لگانے سے روک کر یومی پٹی کرادی تھی
 جس کی وجہ سے وہ گولی نکل جانے کے بعد بھی تکلیف میں مبتلا تھا۔

مجھے اس دوران پارس، رخسانہ اور حمیرا کے معاملات میں
 مصروف رہنا تھا۔ اس لئے میں نہیں چاہتا تھا کہ کافر خان آپریشن
 کے بعد اس حد تک نارمل ہو کہ میری سوچ کی لہروں کو روکنا شروع
 کر دے۔ تکلیف میں مبتلا نہ رہے کہ وہ مجھے اس انجینی خیال خواتین
 کرنے والے کے متعلق کچھ بتا سکتا تھا۔

میں نے اسے مخاطب کیا "بیٹو خان!"

وہ کراہتے ہوئے بولا "میں بڑی دور سے انتظار کر رہا ہوں۔ تم
 کمال نہ گئے تھے؟ فریاد پھر میرے اندر آئے گا۔ میں اس کی گولی
 سے نکالیا۔ اس کی ٹیلی جیسی سے نہیں بچ سکتا ہوں گا۔ میرے لئے کچھ
 کرو۔"

"ضرور کروں گا۔ پہلے یہ بتاؤ۔ میرے بارے میں کیا جانتے
 ہو؟"

"میں کیا جان سکتا ہوں۔ تم ہر امر میں کر رہے ہو۔ میں نے
 کئی بار پوچھا لیکن تم نے اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا۔"
 میں اس کے چور خیالات پڑھنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میرے
 داغ کو کسی طرح پھرے لاک کر دو۔ ورنہ وہ مجھے مار ڈالے گا۔ بتاؤ
 میرے لئے کیا کر رہے ہو؟"

میری طرف سے جواب نہیں ملا۔ وہ اپنے ساتھی ٹیلی جیسی
 جانتے والے کو پکار رہا تھا۔ اس کے چور خیالات نے بتایا کہ وہ
 میرے دشمن خیال خواتین کرنے والے کے نام سے بھی واقف نہیں
 ہے۔ البتہ ایک فراہمی باشندہ آواز علاقے میں آیا تھا۔ اس نے
 کافر خان کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ وہ ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ اور
 فراد کے مسئلے میں اس کے کام آنا چاہتا ہے۔

امیر کا کیا چاہے؟ دو آنکھیں۔ کافر خان اور ہم خان ہر قیمت
 پر مجھے اپنے داغوں میں آنے سے روکنا چاہتے تھے۔ انہوں نے
 فوراً ہی اس شخص کو حویلی میں بلا دیا۔ اس نے پوچھا "تم کون ہو؟
 اور یہ کیسے جانتے ہو کہ فراد ہمارے لئے مسئلہ بن گیا ہے؟"

اس نے کہا "میرا نام جوزف ہے۔ میں جیس سے آیا ہوں۔
 کچھ عرصے سے میرے داغ کے اندر کوئی بولتا ہے۔ پہلے تو میں بہت
 پریشان ہوا۔ پھر خوش ہونے لگا کیونکہ مجھے دولت اور خوش حالی
 دی گئی۔ دو دن پہلے اس نے کہا کہ مجھے پاکستان کے صوبہ سرحد
 میں جانا ہو گا۔ وہاں ایک جاگیر میں فراد علی تیور پہنچا ہوا ہے۔ مجھے
 فراد کے خلاف دہاں کچھ کرنا ہے۔"

کافر خان نے کہا "ہم دونوں پہلے جرگہ سے ملے آئے ہیں۔
 فراد نے ہمیں کروڑوں روپے کا نقصان پہنچایا ہے اور ہماری قلعہ
 لہا حویلی کو کھنڈر بنا دیا ہے۔"

جوزف نے کہا۔ "مجھے یہاں پہنچ کر یہ سب کچھ معلوم ہوا۔
 جرگہ سے ایک شخص کو گاڑیڈیا کر اگلی آپ کے پاس آیا ہوں۔"
 ہم خان نے پوچھا "تم ٹیلی جیسی میں جانتے ہو گولی دو سرا
 جانتا ہے؟"

"جی ہاں۔ یہ ابھی میرے داغ میں ہے اور تم دونوں کی باتیں
 سن رہا ہے۔"

"جو یہاں ہمارے داغ میں ہے اور جو فراد کا دشمن اور
 ہمارا دوست ہے، ہم اسے خوش آمدید کہتے ہیں۔ یہاں سے بولو! ہم
 سے باتیں کرے۔"

انجینی نے اس کے داغ میں آکر کہا "میں فراد کو خلاش کر رہا
 ہوں۔ میں تمہیں نہیں جانتا تھا۔ جرگہ پہنچ کر یہ معلوم ہوا کہ فراد
 نے تمہیں بہت نقصان پہنچایا ہے تو میں دوست بن کر ہمارے پاس

”یہ ہماری خوش بختی ہے کہ تم ہمارے پاس آئے ہو۔ وہ ہمیں وارننگ دے کر گیا ہے۔ اوائس مٹھنوں کے بعد بیس بالکل تیار کر دے گا، ہمیں سڑکوں کا بیکاری بنادے گا۔ خدا کے لئے اس کا راستہ روک دو۔ اس کو ہمارے دماغوں میں نہ آنے دو۔“

”میں تم پر تو خیر عمل کر کے دماغ کو لاک کر دوں گا۔ وہ تمہارے اندر بھی نہیں آسکے گا۔ تمہیں ٹیلی بیسی کے ذریعے بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔“

”اے ٹیلی بیسی جانتے والے میرا! میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ میرے دماغ کو جلدی منتقل کر دو۔“

”ابھی کروں گا لیکن یہ سمجھ لو۔ اگر تم ذہنی ہو جاؤ گے یا تیار ہو جاؤ گے تو تمہارا دماغ بھی تیار اور کمزور ہو گا ایسے میں وہ دشمن پھر تمہارے اندر آ جائے گا۔“

وہ بولا ”ہم دونوں بھائی صحت مند ہیں۔ ابھی شاید بیمار نہ ہیں۔ یہ ذہنی ہونے والی بات تو کسی کی مجال نہیں ہے کہ ہمارے مقابلے پر اگر وہ ہمارے جسم پر بھی خراش بھی لائے۔“

”فراڈ سے کچھ بعید نہیں ہے، وہ دشمنوں کے اندر پہنچنے کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اس سے محفوظ رہنا چاہیے جو تو اسے پہلی فرصت میں ختم کر دو۔“

”تم ہمارے دماغوں کو لاک کر دو۔ ہم اسے تلاش کر کے گولی مار دیں گے۔“

اس اجنبی نے تو خیر عمل کے ذریعے دونوں کے دماغوں کو لاک کر دیا۔ جب وہ تو خیر خفیہ سے بیدار ہوئے تو اس نے کہا ”میری بہن مرہینا پر بھی عمل کرنا اور نہ تو تمہاری بہن کے دماغ میں رہ کر دشمنی جاری رکھے گا۔“

کافور خان نے کہا ”بے شک ہم اپنی بہن کو بھی دشمن سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی خرابگاہ میں ہوگی۔ میں ابھی اس سے باتیں کرنا ہوں۔ تمہارا تحارف کرنا ہوں۔ پھر تم اس پر عمل کرو۔“

وہ اپنے کمرے سے نکل کر مرہینا کی خرابگاہ میں آیا لیکن پچھلی رات میرے اور مرہینا کے درمیان یہ طے ہو گیا تھا کہ وہ ارسلان سے ملنے پشاور آئے گی۔ اپنی حویلی کو اور بھائیوں کو چھوڑ کر جانے کے لئے اس نے ایک چال چلی، وہ بھائیوں کو ناراض کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے مجھ پر الزام لگایا کہ فراڈ اسے اغوا کر کے کہیں لے جا رہا ہے۔

اس نے میری طرف سے ایک کانڈ پر لکھا تھا۔ ”کافور خان! اس وقت میں نے تمہاری بہن کو غافل بنایا ہے اور یہ غفلت میں تمہیں خط لکھ رہی ہے کہ فراڈ کو تم لوگوں پر بھروسہ نہیں ہے۔ تاہم تم اس کی شرائط پر عمل کرو گے یا نہیں؟ اس لئے میں تمہاری بہن کو ٹیلی بیسی کے ذریعے یہ غماں بنا رہا ہوں۔ میری شرائط پر عمل

کر گے تو تمہاری بہن واپس کر دوں گا۔ نظر راقم الحروف فرماؤ۔“

اس نے یہ خط اپنے بستر پر رکھ دیا تھا۔ پھر وہاں سے پشاور چلی آئی تھی۔ گھر سے بھاگ کر آئی تھی لیکن بھائیوں کے قہر و غضب کو میری طرف موڑ دیا تھا۔

دونوں بھائی وہ خط پڑھ کر غیبت اور غصے سے گرج رہے تھے۔ اجنبی نے خیال خواتی کے ذریعے کہا ”غصہ نقصان پہنچائے گا۔ عقل سے کام لو۔“

ہرم خان نے کہا ”وہ ہماری بہن کو لے گیا ہے۔ اب عقل نہیں صرف بددقت کام کرے گی۔“

”جب تک فراڈ نظر نہیں آئے گا تم گولی کے مارو گے؟“

”وہ خدا یا! ایسی مجبور ہے۔ پتا نہیں وہ بد بخت کہاں چھپا ہوا ہے۔“

”میں تمہاری بہن کی آواز سن کر اس کے دماغ میں پہنچ سکتا ہوں۔ اگر اس کے پاس موبائل فون ہو تو اس سے رابطہ کر دوں۔ میں تمہارے ذریعے اس کی آواز سنوں گا۔“

مرہینا موبائل چھوڑ کر گئی تھی۔ کافور خان نے کہا۔ ”ایک بار اس نے لندن سے ایک کیسٹ میں اپنی آواز ریکارڈ کر کے بھیجی تھی۔ میں ابھی وہ کیسٹ سنا ہوں۔“

اس نے کیسٹ کے ذریعے آواز سنائی۔ ”اجنبی وہ آواز سن کر مرہینا کے پاس آیا اس نے سانس روک لی۔ یہ بات سمجھ میں آئی کہ فراڈ نے اس کے دماغ کو لاک کیا ہے۔ وہ میرے لب و لہجے میں اس کے اندر گیا تو دماغ میں جگہ مل گئی۔“

اس نے خیالات پڑھ کر اس کے بھائی کو بتایا کہ وہ ارسلان سے ملاقات کرنے پشاور جا رہی ہے اور یہ غلط ہے کہ فراڈ اسے یہ غماں بنا کر لے جا رہا ہے۔ وہ خود ہی ارسلان کی دیوانی ہے۔ فراڈ ہمارا دشمن ہے لیکن اس دشمن میں یہ خرابی ہے کہ وہ کسی عورت کو جبراً اپنی طرف مائل نہیں کرتا ہے۔ وہ اپنے آلہ کار ارسلان کو بھی یہ اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ تمہاری بہن خود بے حیائی کے لئے یہ گھر چھوڑ کر گئی ہے۔

وہ اجنبی خیال خواتی کرنے والا بھی یہی سمجھتا رہا کہ فراڈ اور ارسلان دو انگل شخص ہیں لیکن جب میں رست ہاؤس کے بند کمرے میں مرہینا کے ساتھ مٹھن کر رہا تھا تب وہ مرہینا کے دماغ میں موجود تھا۔ اس نے میری آواز اور لہجے سے پہچان لیا۔ دونوں بھائیوں کے پاس جا کر بولا۔ ”ارسلان ایک فراڈ ہے۔ دراصل وہی فراڈ ہے۔ اس وقت مرہینا کے ساتھ رست ہاؤس کے بند کمرے میں ہے۔ اسے گھر کر قتل کرنے کا اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا۔“

یہ معلوم ہوتے ہی انہوں نے رست ہاؤس کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ میں بیان کر چکا ہوں۔ اب کافور خان کا کمزور دماغ مجھے اس اجنبی خیال خواتی کرنے

والے کے متعلق بتا رہا تھا۔ اتنا کچھ بتانے کا باوجود یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کون ہے۔ امریکی ٹیلی بیسی جانتے والا ہے یا اسرائیلی؟ ان دو ملکوں کا ہی کوئی دشمن ہوگا۔ ایک خیال خواتی کرنے والا، ایک میں کے پاس تھا۔ ایک میں نے اس کا بہترین آپریشن کر لیا تھا۔ میرے انداز سے کے مطابق ابھی وہ زہر قہریت ہوگا۔ ایک میں اسے اتنی جلدی میرے مقابلے پر نہیں لائے گا۔

پھر یہ کہ ایک عرصہ ہوا، ایک میں نے کوئی دشمنی نہیں چل رہی تھی۔ البتہ بیوی چاہتے تھے کہ میں صوبہ مرحد میں مصروف رہوں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ صوبے میں میری کوئی خاص مصروفیت نہیں رہی ہے اور میں کسی وقت بھی واپس جاسکتا ہوں تو وہ اپنے ایک خیال خواتی کرنے والے کو میرا رستہ روکنے کے لئے آئے تھے۔

میری کو کشش بھی تھی کہ میں اس اجنبی کو کسی طرح پہچان لوں۔ اس مقدمہ کے لئے میں بہت دیر تک کافور خان کے دماغ میں خاموش رہا۔ کبھی اس کے اندر جاتا رہا کبھی آتا رہا لیکن دشمن خیال خواتی کرنے والے کی آواز سنائی نہیں دی۔ وہ بہت محتاط تھا۔ یہ سمجھتا تھا کہ میں کافور خان کے کمزور دماغ میں رہ کر اس کی آواز اور لہجے سے اسے پہچان سکتا ہوں۔

کافور خان! آئینہ وارڈ کے ایک بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ ہرم خان نے آکر کہا ”برادر! میں فراڈ کو تلاش کر رہا ہوں۔ وہ بڑول اسی شہر میں چھپا ہوا ہے۔“

کافور خان نے کہا ”اسے بڑول نہ کو۔ دشمن اگر شیر ہے تو شیر بولے گا۔ ایک چھوٹے سے کمرے میں تھا۔ ہم نے چاروں طرف سے اسے گھیر لیا تھا۔ ہم اسے کچھ سمجھ رہے تھے لیکن اس نے ایک منٹ میں ہمیں میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔“

”ٹھیک ہے، تم کہتے ہو تو اسے بڑول نہیں سمجھوں گا لیکن سمجھ میں نہیں آتا اسے کہاں تلاش کروں؟“

”ہمارا مرہینا ٹیلی بیسی جانتے والا اسے تلاش کر سکتا ہے۔“

”وہ کتنا ہے۔ ابھی مجھے فراڈ سے دور رہنا چاہیے۔ ورنہ وہ تمہارے دماغ میں آکر تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔“

”باب! یہ اندیشہ ہے کہ وہ میرے دماغ میں پہلے کی طرح آئے گا تو اب مجھے ذمہ نہیں چھوڑے گا۔ مرہینا سے بولو میرے دماغ میں آکر مجھ سے باتیں کرے۔“

”یہ میرے دماغ میں ہے۔ تمہاری ہر بات کا جواب دے گا لیکن تمہارے دماغ میں جانے سے فراڈ اس کو بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔“

”کیا مصیبت ہے۔ ہمارا مرہینا فراڈ کی طرح ٹیلی بیسی جانتا ہے۔ وہ فراڈ کے برابر بھولان ہے۔ پھر مجھے مقابلے پر نہیں آتا۔ اس لئے منہ چھپاتا ہے۔“

”برادر! یہ مرہینا بولا ہے۔ فراڈ اندھیرے سے چلنے والا تیر

ہے۔ مرہینا جب تک اندھیرے میں رہے گا اس اندھے تیرے محفوظ رہے گا۔“

کافور خان نے کہا ”اے اپنی حفاظت کا خیال ہے تو پھر وہ تمہاری۔۔۔ پہلے میرے دماغ میں کیوں آیا تھا؟“

”مرہینا کتنا ہے، جب سے تمہیں گولی لگی ہے، یہ تمہارے دماغ میں نہیں گیا ہے۔ تمہیں دھوکا ہوا ہے۔ فراڈ آیا ہوگا۔“

میں نے کہا ”ہاں میں تمہارے پاس آیا تھا اور اب بھی موجود ہوں۔ اپنے مرہینا سے پوچھو، کیا وہ تمہیں مجھ سے بچا سکتا ہے۔ میں تمہیں ابھی ہلاک کرنے والا ہوں۔“

وہ گھبرا کر بولا ”مرہینا! مجھے بچاؤ۔ فراڈ میرے اندر ہے۔ مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ مجھے کسی طرح بچاؤ۔“

ہرم خان نے بھائی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا ”فراڈ! یہ بڑولی ہے۔ مرد کے بچے کو تو سامنے آکر حملہ کر دو۔“

”تم دونوں بھائی کیسے مرد ہو؟ مجھے قتل کرنے کے لئے رست ہاؤس کے بند کمرے میں مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ اکیلے شخص کو پوری فوج کے ساتھ گھیرنا بڑولی نہیں ہے۔ غریب دھاتوں کی بیٹیوں اور بیٹیوں کو اٹھا کر اپنی حرم سرائی میں لے جانا کون سی مردانگی ہے؟“

کافور خان نے بھائی سے کہا ”میں نے ابھی تمہیں سمجھا دیا تھا فراڈ کو بڑول نہ کہ کر دو۔“ پھر اس نے مجھ سے کہا ”فراڈ بھائی! تمہیں خدا کا واسطہ ہے دشمنی ختم کر دو۔ ایک بار ہمیں دوست بنا کر آزاد۔ ہم تمہارے لئے جان بھی قربان کر دیں گے۔“

”جان تو ہی تو گنتے آیا ہوں۔ چلو دوست بن کر ہی قربان ہو جاؤ۔“

”میں! میں مرنا نہیں چاہتا۔ خدا کے لئے بتاؤ جان بخشے کا کیا لوگے؟“

”میں نے کہا تھا! پاکستان میں قدم نہ رکھنا لیکن تم خود کو طاقتور اور مجھے کمزور سمجھ کر دوبارہ یہاں آ گئے۔ اس کی سزا تو ملے گی۔“

”ہم۔۔۔ میں آج ہی پاکستان چھوڑ دوں گا۔ یہاں سے چلا جاؤں گا۔“

”میں نے کہا تھا، تمہارے بھائی کی حرم سرائی جتنی عورتیں ہیں ان میں سے ہر عورت کو بچاؤ لاکھ دے کر آزاد کر دو۔“

”میں تمہارے حکم کی تعمیل کروں گا۔ کل ہی یہ تمام ادا کی گئی۔ جو عورت جہاں جانا چاہے گی، اسے وہاں پہنچا دوں گا۔“

”میری تیسری شرط یہ تھی کہ تمام غلاموں کو آزاد کر دو گے اور ان کے قرضے معاف کر دو گے۔“

”میں ذمہ رہنا چاہتا ہوں کل ہی تمام قرضے معاف کر کے غلاموں کو آزاد کر دوں گا۔“

”تو پھر اپنے بھائی سے کہو، ابھی تمہیں یہاں سے لے جائے۔“

ہو سکتا ہے یہ بات نہ ہو۔ وہ اس حقیقت کو سمجھتا ہو کہ وہ
فرغ ہو کر اپنے رب کے پاس پہنچا ہے اور اس کی شکر گاہ کی
کوشش کر رہا ہے اور اس کی شکر گاہ کی کوشش کر رہا ہے۔ اس
کوشش کے لئے اس کی ضروریات پر نظر رکھنے کے لئے اب وہی ایک لڑکی

ادھر سے ریور رکھ دیا گیا۔ میں نے کہا۔ ”جی ہاں“ میں فریاد ل رہا ہوں۔ آپ مستحکم ارادہ کر لیں کہ ریور راتھ میں مضبوطی سے پکڑے رہیں گے اور اسے کریڈل پر نہیں رکھیں گے لیکن میں کھوادوں گا۔“

”جی ہاں۔ مجھے ان پر شبہ ہے۔ آپ اپنے علم سے میرے
نجات کو غلط طور پر ثابت کر سکتے ہیں۔“

”آپ ان کے نام اور پتے بتائیں۔ یا ان کی آوازیں
نمائیں۔ میں ان سب کی اصلیت معلوم کرنے کی کوشش کروں
گی۔“

[illegible]

ہیں۔ میں ابھی جان ریڈی سے گفتگو کرتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے وہ خیالات پڑھیں، جنہیں میں زبان پر لاتا نہیں چاہتا۔“

”ابھی بات ہے، میں پڑھوں گا۔ تم اپنا کام کرو۔“

اس نے جان ریڈی سے رابطہ کر کے پوچھا ”ہیلو مشر ریڈی! خیریت سے ہو؟“

وہ ہلکا ”یہ تم خیریت معلوم کرنے کے بہانے مجھ پر نظر رکھتے ہو۔“

”نہ تو نہ کوئی نظر آتا ہے نہ نظر رکھی جاتی ہے۔ تم ہمارے ملک میں مہمان ہو۔ اس لئے تمہاری خیریت معلوم کرنا میرا فرض ہے۔“

”میں بہت مصروف ہوں کام کی بات کرو۔“

”کام کی بات یہ ہے کہ تمہارا کام تمام ہونے والا ہے۔“

سرفراز نے ریسور رکھ دیا۔ اس نے ہیلو کیلئے کہ کر کیڈل کو کھٹکھٹایا پھر گالیاں دیتے ہوئے ریسور کو رخ دیا۔ اس کے ابتدائی خیالات پڑھتے ہی معلوم ہو گیا کہ وہ بین الاقوامی شہرت کا حامل سیکرٹ ایجنٹ راجر ہڈ ہے۔ امریکی اسے فخر سے کہتے تھے کہ وہ بین الاقوامی شہرت کا حامل ہے۔ دوسرے تمام ممالک اسے بدنام زمانہ جاسوس کہتے تھے۔ وہ جس ملک میں جاتا تھا وہاں کے اہم معاملات کی جڑوں تک پہنچ جاتا تھا۔

فی الحال امریکا، روس، اسرائیل اور بھارت ہمارے ملک کے دو اہم معاملات کی یہ تک پہنچنے اور ثبوت حاصل کرنے کے لئے بے چین تھے۔ ایک معاملہ انٹیم کہ تھا پاکستان انٹیم بم بنانے کا دعویٰ نہیں کرتا تھا۔ لیکن دشمن ممالک بھند تھے کہ بم تیار ہو چکا ہے اور وہ بم انہیں راتوں کو سونے نہیں دیتا تھا۔ اگر سوتے تھے تو ان کے خوابوں میں آکر زبردست دھماکے سے پھٹ پڑتا تھا۔ پاکستان کے ناپیدہ بم سے ان کے دماغ پھٹ رہے تھے۔

دوسرا معاملہ پاکستان کی فوجی مشقوں کا تھا۔ پچھلے برس پاکستان کی بحری، بری اور فضائی افواج نے بڑی کامیاب جنگی مشقیں کی تھیں۔ یہ مشقیں اپنے وطن کے آسمان میں کی گئی تھیں لیکن ہڈی ملک کی ٹینڈیں اڑ گئی تھیں۔ اب وہ سرفراز سانوں کے ذریعے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ہماری فوجی طاقت میں کس حد تک اضافہ ہو چکا ہے۔

ان دو اہم معاملات کی یہ تک پہنچنے کے لئے امریکا اپنے بہترین سیکرٹ ایجنٹ کی خدمات پیش کرتے ہوئے بھارت سے تعاون کر رہا تھا اور اسرائیل کا دل خوش کر رہا تھا۔

سیکرٹ ایجنٹ راجر ہڈ نے یہاں قدم رکھنے سے پہلے معلومات حاصل کی تھیں کہ اس ملک کے لوگوں کی کمزوریاں کیا ہیں؟ ویسے تو ہر قوم میں کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں لیکن ہمیں دوسری قوموں سے کیا لینا ہے؟ ہمیں تو اپنے گریبان میں جھانکنا ہے۔

ہماری پہلی کمزوری یہ ہے کہ ہم راتوں رات امریکا پہنچتے ہیں اور دولت کی نمائش میں اپنے بھائی سے برتر اور اپنے پلوں سے افضل نظر آنا چاہتے ہیں۔

اسی پہلی کمزوری سے باقی دوسری کمزوریاں جنم لیتی ہیں۔ لیکن اگر ایک اپنے خاندان سے بھی زیادہ اعلیٰ خاندان کی لڑکی سے شادی کرتا ہے تو دوسرا متاقلتا امریکی یا یورپی لڑکی کو دل میں بگاڑے آتا ہے اور مونچھوں پر آؤ دے کر بولتا ہے تمہارے پاس کوئی مال ہے۔ میں قارن کا آئینہ لایا ہوں۔

سیکرٹ ایجنٹ ایسی ہی کمزوریوں کے پیش نظر شراب اور شباب کا اچھا خاصا ذخیرہ لایا تھا۔ منگی سے منگی اسکاچ و منگی حسین سے حسین گوری اور گھائی لڑکیاں، ٹوٹوں کی گڈیاں اعلیٰ افسران اور اہم عہدیداران کی بیگمات اور ان کی جوان اولادوں کے لئے گرین کارڈز لایا تھا۔

قارن کا اتنا چرکش سامان ہو تو ایسے ایماندار بھی بک جاتے ہیں جن کے اندر بے ایمانی سوئی رہتی ہے۔ کبھی جاتی ہے تو بے چارے ایماندار اسے تھک کر سلاتے ہیں۔ یوں ان کے اندر بے ایمانی کبھی سوئی ہے کبھی جاتی ہے۔ کبھی ایک آنکھ کھول کر گوری گوری ٹانگیں اور گرین کارڈ دیکھتی ہے۔ پھر ہڑڑا کر اٹھ بیٹھی ہے۔

سیکرٹ ایجنٹ راجر ہڈ کو ابتدا میں دشواریاں پیش آئی تھیں کیونکہ ایٹمی پلانٹ اور سائنسی شعبے سے تعلق رکھنے والے ذہین سائنس دان نہایت فرض شناس تھے۔ صرف اپنے کام سے انہیں دلچسپی تھی۔ انہیں دو تہند بننے کی نہیں بلکہ بہترین کارنامے انجام دینے کی لگن تھی۔

وہ قاعدت چنہ تھے۔ زندگی گزارنے کے لئے جو مخصوص آمدنی تھی اس سے زیادہ حاصل کرنے کی خواہش نہیں تھی۔ چونکہ شاعر اور عاشق مزاج نہیں تھے اس لئے کوئی حسن کی ملک بھی انہیں متاثر نہیں کرتی تھی۔ وہ اپنے بیوی بچوں کی دنیا میں مطمئن رہتے تھے لیکن انسانی کمزوری کہیں ضرور چھپی ہوتی ہے۔ ایسے ہی وہ فرض شناس اور دے دار سائنس دانوں کی بیویاں اور جوان بچے گرین کارڈز کے لئے ترستے تھے اور وہ کارڈز ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتے تھے۔

راجر ہڈ نے کہا ”تمہارا شوہر اسلام حسین ہم سے دوستی کرے گا تو تم اپنے تمام بچوں کے ساتھ امریکا جا کر رہ سکو گی۔“ وہ بولی ”دوستی کرنا اچھی بات ہے لیکن میرے میاں بہت سی خشک مزاج اور آدم ہیزار ہیں۔ کسی شخص سے دوستی تو دور کی بات ہے وہ بات بھی نہیں کرتے۔“

اس نے کہا ”تم صرف بیوی نہیں اپنے بچوں کی ماں بھی ہو۔ ان کا مستقبل امریکا ہی میں بنا سکتی ہو۔“

جوان بیٹی نے کہا ”میں ممی! نیا کرا قال! ہالی ووڈ اور ڈونٹی لینڈ کی

دن رگڑی اور حسین مناظر مجھے خوابوں میں نظر آتے ہیں۔
 بیٹے نے کہا "مسی! اس چھوٹے سے ملک میں کیا رکھا ہے۔
 امریکا دنیا کا جدید ترین ملک ہے وہاں ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے
 جو سہولتیں ہیں۔"
 بیگم نے اس رات اسلام حسین سے کہا "دنیا کہاں سے کہاں
 پہنچ رہی ہے اور آپ دیکھیں کہ وہیں ہیں۔"
 اس نے سر جھکا کر کہا "میں بھی یہی سوچتا ہوں۔ دنیا کے
 سائنس دان بڑے بڑے تجربات کر رہے ہیں۔ میں بھی اپنے ملک
 کی ترقی کے لئے بہت سے کامیاب تجربات میں مصروف ہوں۔
 انشاء اللہ جلدی۔"
 وہ بات کات کر رہی "میں بات کچھ کرتی ہوں۔ آپ کا جواب
 کچھ اور ہوتا ہے۔ سائنس کی دنیا سے باہر نکل کر بھی باتیں کیا
 کریں۔"
 "میری دنیا تو سائنس اور پاکستان ہے۔ اس کے بعد تم فور
 پہنچے ہو۔"
 "بچوں کی بھلائی کے لئے کہہ رہی ہوں۔ میں انہیں امریکا لے
 جانا چاہتی ہوں۔"
 "پاکستان میں کیا تکلیف ہے؟"
 "بات تکلیف کی نہیں، ترقی کرنے کی ہے۔"
 "ہم کیا میں نے یہاں ترقی نہیں کی ہے۔ ملک کے اندر اور باہر
 میری شہرت نہیں ہے۔ کیا ملک کے سربراہ میری عزت نہیں کرتے
 ہیں کیا یہ ناموری ترقی نہیں ہے۔ بچے امریکا جا کاپاپ میوزک پر
 ڈانس کریں گے تو ترقی ہوگی؟"
 "آپ تو یہ پتہ چراتے ہیں باتیں نہیں کرتے۔"
 بیٹے نے کہا "ڈیڈی! ہم نے دور کی پیداوار ہیں۔ آپ پرانے
 زمانے کے والد صاحب کی طرح ہمیں اس ملک کا پابند نہ
 کریں۔ ہمیں دنیا دیکھنے دیں۔"
 بیٹی نے کہا "ڈیڈی! میں امریکا ضرور جاؤں گی۔ اگلے جان
 (راجرز) بہت اچھے ہیں۔ آپ ان سے ایک بار ملیں گے تو بیشک
 کے لئے ان کے دوست بن جائیں گے۔"
 "بیٹی! فخر! میں اس قدر اہم شخصہیں ہوں اور ایسی اہم ذمہ
 داریاں سنبھال رہی ہوں کہ اس کے پیش نظر کسی انجی سے ملاقات
 نہیں کر سکتا۔ کسی غیر ملکی سے بات کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتا۔"
 بیگم نے کہا "اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت نے آپ کو
 قیدی کا عظام بنا کر رکھا ہوا ہے۔"
 "یہ غلامی نہیں فرض شای ہے۔ اپنے ملک کے اہم رازوں
 کی حفاظت کے لئے مجھے ہزاروں پابندیوں منظور ہیں۔ میرے پابند
 رہنے سے جلدی پوری قوم سائنس کے حوالے سے مجھ پر فخر کرے
 گی۔"
 دوسرے دن بیگم نے راجرز سے کہا "مشر جان! میرا مرد

ایک دم پھر ہے۔ کونسی کامیڈنگ ہے۔ کوئی دوسرا راستہ بتاؤ۔
 "بتا سکتا ہوں لیکن یہ بات اپنے شوہر سے کہو کی تو وہ اس
 ملک سے نکلوا دے گا یا قتل کرادے گا۔"
 "انہی کیا بات ہے؟"
 "پتلے رازداری کا وعدہ کرو۔ تم اور بچے رازدارین جاؤ گے
 میں آج ہی تمہیں ایک لاکھ روپے پر مل دوں گا۔ امریکا میں کہاں
 ہزار ڈالر سے تمہارا اکاؤنٹ کھلوادوں گا۔ جسمانی چینی فائبر
 بچے جیم کو ہمیں اسکول اور میکینیکل انشینیوٹ میں داخلے ل
 بائیں گے۔ رہائش کا مفت انتظام ہو جائے گا۔"
 وہ تین ماہ بیٹے تاج سے سن رہے تھے۔ حیرت سے ان کی
 آنکھیں کھیل گئی تھیں۔ سرت سے منہ کھل گئے تھے۔ فائبر
 پوچھا "راز کیا ہے بتاؤ؟ ہم وہ راز اپنے سامنے کبھی نہیں تھا
 کرتے۔"
 اس نے رازداری سے کہا "تمہارے ڈیڈی کی تحویل میں گی
 اہم قاتلین رہتی ہیں۔ ان میں سے ایسی قاتلوں کی مائیکرو فیس
 چاہتا ہوں جن میں یورپیہم کے اسٹاک اور ایٹم کے فارمولے کی
 تفصیلات درج ہیں اور وہ نامی درج ہے جب پاکستان نے پلانٹ
 ہم بنایا تھا۔"
 فیم نے شدید حیرانی سے پوچھا "کیا پاکستان نے ایٹم بم
 بنائے؟ یہ تو یقین نہ کرنے والی بات ہے۔"
 راجرز نے کہا "ابھی تم فوجان ہو۔ تمہارے کمانے کھنے
 کے دن ہیں۔ تم ایسی رازداری اور سیاست کو نہیں سمجھو گے۔"
 بیگم نے پوچھا "لیکن ہمیں ان قاتلوں کی مائیکرو فیس کیسے
 حاصل ہوں گی؟"
 "وہ خود حاصل نہیں ہوں گی۔ انہیں حاصل کرنا ہوگا۔ میں
 ایک چھوٹے لائسنس ساز کا کیمرا دوں گا۔ اگر فخر اور فیم اپنے
 ڈیڈی سے ضد کریں کہ وہ انہی پلانٹ کی عمارت کو اندر سے دیکھا
 چاہے ہیں تو باپ اپنے بچوں کی ضد پوری کر سکتا ہے۔"
 "سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرا میاں اپنے اصولوں اور فرض
 شناسی کی خاطر اولاد کا دل توڑ دے گا۔ مگر ضد پوری نہیں کہے
 گا۔"
 "کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ کچھ کے بغیر تو کچھ بھی حاصل نہیں
 ہوتا۔"
 "میں نے اپنے سائنس دان میاں کے ساتھ افغان بر
 گزارے ہیں۔ اسے اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ ہمارے مذہب میں
 تقویٰ ایسا عمل ہے کہ اس عمل سے گزرنے والا دنیا کی ہر خواہش کو
 مار دیتا ہے۔ صرف اتنا ہی حاصل کرتا ہے جتنا زندگی گزارنے کے
 لئے لازمی ہوتا ہے۔ اسلام حسین شریعت کا سخت پابند ہے۔ اس
 لئے وہ کسی لالچ میں نہیں آئے گا۔"
 "تو پھر ایک ہی راستہ ہے۔ اسے اس قدر کمزور بنا دیا جائے کہ

"شریعت کو بھول جائے اور ہمارے سامنے کھینے لگ کر وہ قاتلین
 بنی کر دے۔"
 "سے کس طرح کمزور بنا دیا جاسکتا ہے؟"
 "اگر ہم فخر کو اغوا کرنے کا زامانہ کریں اور اسے یقین
 ہو جائے کہ جو ان بنی بد معاشرہ کے جنگل میں ہے اگر ان قاتلوں کی
 انگریز فلم نہ دیکھیں تو وہ بے آبرو ہو جائے گی۔ اس کی زندگی برباد
 ہو جائے گی۔"
 بیگم نے اپنے منہ پر روک کر کہا "میرے تمہا پر کچھ ہوئے ہو۔
 میرے سامنے میری بیٹی کو اغوا کرنے اور اس کے بے آبرو ہونے کی
 انہی کہہ رہے ہو۔"
 "میں پاگل نہیں ہوں۔ جسمانی چینی کوچ کوچ اغوا نہیں کیا
 جائے گا۔ ہم فخر اور فیم کو تمہیں چھپا دیں گے اور اسلام حسین
 کی پادار نہ محبت کو قاتل میں جھٹکا دیں گے۔"
 "پہلے تمہاری تدبیر میں کچھ نہیں آ رہی ہے۔"
 فخر نے خوش ہو کر کہا "مسی! بڑا زبردست ایڈوکیٹر رہے گا۔
 ڈیڈی میرے اور فیم کے لئے تیرے تھیں گے۔ وہ خواہ کتنے ہی
 اصولوں کے پابند ہوں ہمارے لئے تمام پابندیاں توڑ دیں گے۔"
 فیم نے بھی تائید کی۔ بیگم بھی راضی ہو گئی۔ ماں کو اندیشہ
 نہیں تھا کہ جو ان بنی ہاتھ سے بے ہاتھ ہوگی۔ یہ یقین تھا کہ بھائی
 کے ساتھ رہے گی پھر جان ریڈی (راجرز) ان کا سرست ہوگا۔
 پہلے بیگم نے کہا کہ وہ بھی بیٹی کے ساتھ دھو دھو ہوگی۔ راجرز
 نے سمجھا "بیگم کو اپنے شوہر کے پاس رہنا چاہیے تاکہ بیٹی کی داپہی
 کے عوض اسلام حسین سے قاتلوں کی مائیکرو فلم کا مطالبہ کیا جائے
 تو وہ اپنے شوہر کو لودا کی خاطر مطالبہ منظور کر کے پے مجبور کرتی
 نہ۔"
 اس منصوبے کے مطابق راجرز شام کے پانچ بجے فخر اور
 فیم کو اپنے ساتھ لے گیا۔ رات کو اسلام حسین نے مہر پر پوچھا۔
 "بچے کہاں ہیں؟"
 بیگم نے کہا "اب وہ بچے نہیں ہیں۔ جو ان ہو گئے ہیں۔ کیس
 گھوٹے پھرنے گئے ہیں۔ ابھی آجاسیں گے۔"
 "جو ان لڑکی کو اندر حیرا ہونے سے پہلے گھر آ جانا چاہئے۔"
 "وہ بھائی کے ساتھ گئی ہے۔"
 "بھائی چھوٹا ہے۔ ناواں ہے۔"
 "تو ہے؟ آپ اولاد کو امریکا نہیں جانے دیتے۔ بازار تک تو
 جانے دیا کریں۔"
 وہ اپنے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کرنے لگا۔ بیگم کچن میں
 کہاں کہاں کرتے ہوئے بڑبڑانے لگی "دودھ کا پیو دستور ہے۔ صبح
 انگریز کے کاموں میں لگے رہو۔ شام کو تفریح کے لئے جاؤ تو طرح
 طرح کے سوالات پوچھتے جاتے ہیں۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ امریکا
 کا اندم کھا تے ہیں۔ مہر امریکا جانے نہیں دیتے۔"

وہ لڈر دور سے بڑبڑا رہی تھی تاکہ میاں کے کاتوں تک پہنچی
 کی مظلومیت اور فخر کی چپٹی رہے۔ اسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجے
 گئی۔ اس نے کہا "میں سالن گرم کر رہی ہوں۔ آپ فون انشیز
 کریں۔"
 اسلام حسین نے ڈرائنگ روم میں فخر کو فون پر مہر پر اٹھایا۔
 پھر کہا "بیگم۔"
 فخر کی طرف سے پوچھا گیا "کچھ ہمارے ملک کے
 مصروف سائنس دان اسلام حسین ہیں؟"
 "مسی میں ہا ہوں۔"
 "میں بھی ہوں ہا ہوں۔ راز تو وہ سے سونہم ہے تمہاری بیٹی
 فخر اور بیٹے فیم کو اغوا کیا ہے۔ دلوں ہمارے گھسے میں ہیں۔ اگر
 اس مسئلے میں تم نے پولیس کو اطلاع دی یا کسی خفیہ کارروائی کی
 حفاظت کی تو ہمیں ان کی لائسنس ملیں گی۔"
 "مکون ہو تم؟ یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟"
 "میرے بچوں کی آوازیں سنو اور یقین کرو کہ یہ بکواس نہیں
 ہے۔"
 چند سیکنڈ کے بعد فخر کی دوتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "ڈیڈی
 مجھے پھاؤ۔ مجھے اور فیم کو بیدردی سے مار رہے ہیں۔"
 باپ نے تڑپ کر پوچھا "بیٹی! جو حملہ کرو؟ یہ کون لوگ ہیں۔ کیا
 تم کسی کو پہچانتی ہو؟"

انجمن خیرات پاکستان اور خیرات اسلامیہ

نئی سورتیا رنگ نیلا ہر تیار رنگ

مرتبہ کھانا و مشروبات

شکاری

نئی شکل میں دستیاب

قیمت فی حصہ ۲۵ روپے
ڈیٹھریج فی حصہ ۱۰ روپے

نماشہ کے ان مشاہیر کی زور دہجہ
گوشت پیوستہ کے ان مشاہیر کی زور دہجہ
سین شریہ تھے۔ کینک برونش و شوہر نوجوان
کے ان مشاہیر کے شوہر و شوہر کی زور دہجہ
کمزور تھے۔ جلدی دن۔ شکاری زور دہجہ
پاس خوف و ہراس شویں شویں شویں

نئی کتابیات **بک شریہ** **بک شریہ** **بک شریہ**

ایک زور دار طمانچے کے ساتھ جی کے رونے اور چیکنے کی آواز سنائی دیں پھر نعیم نے فون پر کھارا۔ ”ڈیڈی! یہ لوگ آپ کو مار رہے ہیں۔ کہتے ہیں آپ نے ان کا مطالبہ پورا نہ کیا تو ہم دونوں کو جان سے مار ڈالیں گے۔ پلیز! ہمیں ان سے نجات دلائیں۔“

”گھبرو! انہیں جیلے! میں ان کا مطالبہ پورا کروں گا۔ ان سے پوچھو یہ کتنی رقم چاہتے ہیں؟“

ریسیور سے ایک بھاری بھر کم آواز سنائی دی۔ ”رقم نہیں بڑھے۔ ان فالوں کی مانگیو قلم اتار کر دو۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تم لوگوں نے یورینیم کا کافی ذخیرہ کیا ہے اور فلاں تاریخ کو ایک ایٹم بم یہاں تیار ہو چکا ہے۔“

اسلام حسین نے کہا ”اوہ تو اس لئے میرے بچوں کو اغوا کیا گیا ہے ویسے تم لوگوں نے غلطہ دوڑا دے پورے دی ہے ابھی چند لمحے پہلے بچوں کا باپ امریکا ہے۔ صرف ایک پاکستانی سائنسدان یہاں رہتا ہے۔ میرا نام اسلام حسین ہے اور حسین کا اسلام بچوں کی قربانیاں دے کر ہی زندہ رہتا ہے۔“

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ نعیم نے پوچھا ”کیا ہوا؟ آپ ابھی کہہ رہے تھے کہ ہمارے بچوں کو اغوا کیا گیا ہے۔ کس نے کیا ہے؟ کیوں کیا ہے؟ آپ ابھی جانیں، میرے معصوم بچوں کو واپس لائیں۔“

وہ رونے لگی اور شور ہو کر پکڑ کر جھجھوڑنے لگی۔ اسلام حسین نے خود کو چھڑا کر کہا ”بوش میں آؤ۔ فائر اور نعیم کی واپسی کے لئے ایسا مطالبہ کر رہے ہیں جس میں بھی پورا نہیں کر سکتا۔“

وہ ریسیور اٹھا کر خبردار اگلے کہنے لگا۔ ”نعیم نے کڑیل پر ہاتھ رکھ کر فون کرنے سے روکتے ہوئے پوچھا ”کسے فون کر رہے ہیں؟“

”قانون کے محاذوں کو صورت حال سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔“

”کیا قانون کے محافظ ہمارے بچوں کو زندہ سلامت لے آئیں گے؟“

”میں بچوں کے لئے نہیں، ان فالوں کی حفاظت کرانے اور ایسی پلانٹ کے اندر اور بار بخت پیرا لگنے کے لئے فون کر رہا ہوں۔ خود وقت ضائع نہ کرو۔“

”جنم میں ہمیں تمہاری فالیں۔ کیا وہ اولاد سے بڑھ کر ہیں؟“

اس نے جواب نہیں دیا۔ نعیم کو زور سے دھکا دے کر دور فرش پر گرایا۔ پھر خبردار اگلے کہنے لگا۔ ”نعیم فرش پر پڑی اسے دیکھتی رہ گئی۔ منصوبہ کمزور ہو رہا ہے۔ وہ ایک باپ کے جذبات سے کھیلنے میں ناکام رہے تھے۔ سامنے کھڑا ہوا اسلام حسین فون پر باتیں کرتے وقت ایک انسان سے زیادہ فولادی تجویز دکھائی دے رہا تھا۔ جس کے اندر ملکی راز چھپے ہوئے تھے۔ اس تجویز کو توڑنے

والے نوٹ کتے تھے۔ تجویز کا کچھ نہیں کاڑھ سکتے تھے۔

شہر سے دور ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ایک چھوٹا سا مکان تھا جہاں فائر اور نعیم کو پھنسا گیا تھا۔ وہاں بیٹھے۔ کہ بعد انہیں بتا چلا کہ وہ ڈراما نہیں تھا، بلکہ حقیقت تھی۔ وہاں باغیچہ میں ماشوں نے ان دونوں کی بیج بٹائی کی تھی۔ رابرڈ موبائل فون لے کر آیا تھا۔ فائر نے رونے ہوئے پوچھا ”نکل جان! ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہے ہو؟“

وہ بولا ”بھئی! فائر! تمہاری پٹائی میں ہوگی تو بیج آج انوس نہیں نکلیں گے۔ آواز میں درد پیدا نہیں ہوگا تو باپ کو فون پر یقین نہیں آئے گا کہ تم دونوں حقیقتاً انوا گئے ہو اور تم پر بیج بیج قلم ہو رہا ہے۔“

وہ خبردار اگلے کہتے ہوئے بولا ”میں تمہارے باپ کو کال کر رہا ہوں۔ جب بات کرنے کو کہوں تو اسی طرح رونے لگتا ہوں۔ ذرا سے میں حقیقت کا رنگ بھر جائے گا۔“

”میں ڈیڈی سے صاف صاف کہہ دوں گی کہ تم فراڈ ہو تمہارا نام رابرڈ ہے اور تم نے۔۔۔“

وہ بات پوری نہ کر سکی۔ اس کی کینٹی سے رپوڈر کی ٹال لگ گئی۔ وہ بولا ”میرا نام لوکی۔ ہمارے بارے میں کوئی اشارہ دینے کی کوشش کرو گی تو کوئی مار دوں گا۔ پہلے ہمیں پھر تمہارے بھائی کو۔“

دونوں بہن بھائی نے مجبور ہو کر اس کے حکم کے مطابق باپ سے بات کی۔ مجبورہ فون کو آف کر کے غصے سے بولا ”وہ سائنس دان کتنے کی موت مرنا چاہتا ہے۔ اگر اس نے مطالبہ پورا نہ کیا تو میں تم دونوں کے ساتھ تمہارے ماں باپ کو بھی مار ڈالوں گا۔ اب ایک آخری حربہ رہ گیا ہے۔ کیرالاؤ۔“

وڈیو کیرالاؤ رائلٹس وغیرہ کمرے میں لائی گئیں۔ رابرڈ نے کرائے کے غنڈوں سے کہا ”اپنے چوڑ پر ہانک چڑھاؤ۔ جیسے ہی کیرالاؤ اشارت ہو۔ تم میں سے تین اس لڑکے کو پکڑ لیتا اور باقی دو اس لڑکی کا لباس چھائیں گے۔ خوب تماشا بنا کر آہستہ آہستہ دونوں کو بے لباس کرتے رہو۔ جتنے اطمینان سے لباس کی دھجیاں اڑانے رو گئے ان کا باپ اپنے دی سی آر پر یہ منظر دیکھ کر اتنی غیرت سے مرتا رہے گا لیکن لڑکی کی عزت نہ لیتا۔ میں پھر ان کے باپ کو سوچنے سمجھنے کا موقع دوں گا اور کہوں گا، ”مج تک میری مطلوبہ مانگیو قلم نہ لی تو پھر فائر کے ساتھ شرمناک ویڈیو قلم تیار ہوگی۔“

تمام لائٹس آن ہو گئیں۔ غنڈوں نے چوڑ پر ہانک چڑھا لے کیرالاؤ اشارت ہوا اور غنڈے ایکشن میں آئے تو فائر اور نعیم کی چیخیں گونجنے لگیں۔ اب انہیں معلوم ہوا کہ امریکا کا کریبن کارڈ لٹنا منگا پڑتا ہے۔

اسلام حسین کی رہائش گاہ میں پولیس کے اعلیٰ افسران آئے تھے۔ وہ ٹیلی فون اور ڈائریکٹس کے ذریعے مختلف پولیس باڈیوں سے مطلع کر رہے تھے کہ وہ پولیس والے فائر اور نعیم کو کہاں کہاں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ اسلام حسین اپنی بیگم سے پوچھ رہا تھا ”وہ امریکی کونسا ہے جو تمہارے اور بچوں کے ذریعے مجھ سے دوستی کرنا چاہتا تھا؟“

بیگم نے کہا ”وہ تو نہایت شریف آدمی ہے۔ فائر اور نعیم کو اپنے بچوں کی طرح چاہتا ہے۔“

”وہ شریف ہے یا نہیں؟ اس کی تحقیقات پولیس والے کریں گے۔ اس کا کام اور بتانا؟“

ایک جاسوس نے کہا ”جناب! ہم ایسے لوگوں کو نظروں میں رکھتے ہیں جو آپ سے یا آپ کی فیملی سے رابطہ برقرار ہے۔ اس کا نام جان ریڈی ہے۔ یہاں فائر اور نعیم ہولٹ کی قبر کے لئے بطور انجینئر آیا ہے۔ میرے دو ماتحت اس کی رہائش گاہ میں اسے چیک کرتے ہیں۔“

بیگم پریشان ہو گئی۔ وہ جانتی تھی جان ریڈی (رابرڈ) اپنی رہائش گاہ میں نہیں ہوگا۔ فائر اور نعیم کے ساتھ کہیں چھپا ہوگا اور ان بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش آ رہا ہوگا۔ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ایک پولیس افسر نے ریسیور اٹھا کر پوچھا ”یہ کون ہے؟“

”دوسری طرف سے پوچھا گیا ”تم کون ہو؟ اسلام حسین کو فون دو۔“

”میں آنی جی پولیس بول رہا ہوں۔ اسلام حسین صاحب سے کیا کام ہے۔ پہلے اپنا نام اور شناخت بتاؤ۔“

”میں نے اسلام حسین کو دارنگہ دی تھی کہ میرے معاملات اپنی جی موت چاہتا ہے۔ اس سے کو رہائش گاہ کے بالکل سامنے سڑک کے دوسری طرف درخت کی جڑ کے پاس ایک ویڈیو کیسٹ رکھا ہوا ہے۔ اسے اپنے ٹی وی اسکرین پر دیکھئے۔ اپنے بچوں کا انجام دکھائی دے گا۔“

”دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ پولیس افسر نے ایک پاسی سے کہا ”سامنے سڑک کے اس پار ایک درخت کے پاس ویڈیو کیسٹ رکھا ہوا ہے۔ اسے لے آؤ۔“

پاسی نے حکم کی تعمیل کی۔ اسے لے آیا۔ اسلام حسین نے کیسٹ لے کر کہا۔

”اس کیسٹ کے ذریعے وہ مجھے کچھ ایسے مناظر دکھائے گا جو میرے لئے ناقابل برداشت ہوں گے۔ مگر ہے اسے ضائع کر دیا جائے۔“

ایک افسر نے کہا ”اسلام صاحب! ہو سکتا ہے اسے دیکھ کر تمیں مجرم کا کوئی سراغ مل جائے یا وہ بچوں کی واپسی کی نئی شہادت

پیش کر رہا ہو تو شاید وہ شہادت ہمارے لئے قابل قبول ہوں۔“

”اچھی بات ہے، لیکن یہ کیسٹ پہلے کسی لیڈی پولیس افسر کو دکھائی جائے۔ قابل اعتراض باتیں نہ ہویں تو ہم اسے دیکھیں گے۔“

بیگم نے کہا ”مجھے دس۔ میں دیکھ لیتی ہوں۔“

”بیگم! اب یہ سرکاری معاملہ ہو گیا ہے۔ اسے صرف قانون کی کوئی محافظ عورت دیکھ کر رپورٹ پیش کرے گی۔“

میں منٹ بعد ایک لیڈی انجینئر نے آکر ایک بند کمرے میں اس کیسٹ کے ذریعے فائر اور نعیم کو دیکھا پھر بار بار ”قاخہ“ ”قاخہ“ اور نعیم کے ساتھ برا سلوک کیا جا رہا ہے۔ بات ابھی تک بے لپاسی تک پہنچی ہے۔ وہ دھمکی دے رہا ہے کہ مطالبات پورے نہ کئے گئے تو معاملہ بے آبروئی تک پہنچے گا اور شرمناک مناظر کی فلمیں شہر شد دکھائی جائیں گی۔“

ایک افسر نے غصے سے کہا ”یہ مجرم بے حیائی اور شیطنت کی انتہا کر رہا ہے۔ ایک بار یہ ہاتھ آجائے تو۔۔۔“

اسلام حسین نے کہا ”ہاتھ آنے کی ہی بات ہے۔ جو ہاتھ نہیں آتے وہ ہمیں مجبور اور بے بس بنا دیتے ہیں۔“

وہاں بیٹھے ہوئے جاسوس سرفراز نے اپنے اعلیٰ افسر کا فون ریسیور کیا۔ یہ وہی فون تھا جس کے ذریعے میں سرفراز کے داغ میں پہنچا۔ پھر سرفراز نے معلوم کیا کہ جان ریڈی اپنی رہائش گاہ میں موجود ہے۔ اس نے فون پر اس سے باتیں کیں۔ اس طرح میں جان ریڈی کے داغ میں پہنچ گیا۔

رابرڈ (جان ریڈی) ایک گھنٹا پہلے اس پہاڑی مکان میں تھا جہاں فائر اور نعیم کی ویڈیو قلم تیار کی تھی۔ مجبورہ ویڈیو کیسٹ لے کر اسلام حسین کے بیٹکے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کیسٹ کو ایک درخت کے پاس چھوڑ گیا تھا۔ گھر آکر فون کے ذریعے اسلام حسین کو بتا چکا تھا کہ وہ درخت کے پاس سے کیسٹ اٹھا کر ٹی وی پر اپنے بچوں کو دکھائے۔

وہ تماشے دکھا رہا تھا اور چپ کر مطمئن تھا کہ اسے کوئی ڈھونڈ نہیں پائے گا۔ زیادہ سے زیادہ اس پر شبہ کیا جائے گا لیکن بہت بڑی سہارے کے بیکٹر ایجنٹ پر شبہ کر کے اسے گرفتار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اگر ثبوت کی بنا پر گرفتار ہوا تو امریکا ہماری حکومت پر سیاسی دباؤ ڈالے گا اور اسے ہمارا کر کے لے جاتا۔

میں نے اسے مائل کیا کہ وہ اپنے غنڈوں سے رابطہ کرے۔ اس نے رابطہ کیا۔ میں آواز سننے ہی ایک غنڈے کے داغ میں پہنچ گیا۔ پہلے یہ معلوم کیا کہ وہ کون سی جگہ ہے۔ پھر جاسوس سرفراز کے پاس آکر اس جگہ کی نشاندہی کی اسے بتایا کہ فائر اور نعیم وہاں موجود ہیں۔ ایک پولیس باڈی جا کر انہیں حفاظت سے لے آئے۔

سرفراز نے یہ خوش خبری اسلام حسین اور دوسرے افسران کو

سنائی۔ میں نے ایک غصے کے پاس آکر دوسرے غصوں کی آوازیں سنیں۔ پھر ایک ایک کو مخاطب کرنے لگا۔ وہ پریشان ہو کر اپنا سر پکڑ رہے تھے اور دوسرا دھڑکتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔
”کون ہے؟ یہ کون ہے؟ مجھے اپنے اندر کسی کی آواز سنائی دے رہی ہے۔“

دوسرے نے کہا ”میں بھی اپنے اندر ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں۔“
تیسرے نے کہا ”میرے اندر بھی کوئی بول رہا ہے۔“
اس تیسرے نے فخرہ کا لباس اس کے جسم پر ڈالے ہوئے تھا۔ ”ہم دوسری طرف منہ پھیرتے ہیں۔ تم یہ لباس پہن لو۔“
پھر اس نے ساتھیوں سے کہا ”ادھر کیا دیکھ رہے ہو؟ ادھر منہ کرو۔“

ایک نے پوچھا ”اے تو چاکر فرشتہ کیسے بن گیا؟“
”پانچ پوچھنے والے کے منہ پر ایک گھونسا مارا پھر کہا ”فرشتہ نہیں بنایا گیا ہوں۔ یہ میری بہن ہے۔“
ایک اور ساتھی نے کہا ”اے رمنو! تیرا داغ چل گیا ہے۔ ابھی جس کے کپڑے اتارے اسے بہن کہہ رہا ہے۔“
رمنو نے اسے کرانے کا ایک ہاتھ رسید کیا۔ دوسرے کو گھوم کر ایک لک ماری۔ وہ فاشنگ کا یہ انداز نہیں جانتا تھا۔ میں اس کے اندر وہ کران سب کی پٹائی کرنا جا رہا تھا۔ بھی رمنو انہیں مارا تھا اور بھی وہ خود میری مرضی کے مطابق ایک دوسرے کی پٹائی کرنے لگتے تھے۔

فخرہ اور جیم لباس پہن کر ایک گوشے میں سے کھڑے تھے اور حیرانی سے انہیں آپس میں لڑتے مرنے دیکھ رہے تھے۔ ایک نے چاقو نکال کر دوسرے کو ہلاک کر دیا تھا۔ جب میں نے اس کے داغ کو آزاد چھوڑا تو وہ خود کو قاتل اور دوست کو مقتول پا کر گھبرا گیا۔ رمنو نے اس کے ہاتھ سے چاقو چھین کر پوچھا ”یہ تو نے کیا کیا؟ جب ہاتھ میں چاقو ہو تو قتل نہیں کرنا چاہئے۔ صرف زخمی کرنا چاہئے۔ دیکھو اس طرح۔“

اس نے چاقو کے وارے اسے زخمی کیا۔ تیسرے ساتھی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا ”رمنو! تو بھی وہی حرکت کر رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہم سب پاگل ہو گئے ہیں۔ یہ چاقو چھینک دے۔“
اس نے رمنو کے ہاتھ سے چاقو چھینا۔ میری مرضی کے مطابق اسے ہاتھ میں لے کر ایک اور ساتھی کو زخمی کر دیا۔ ان حالات میں وہ سب بد خواص ہو گئے۔ رمنو نے کہا ”معلوم ہوتا ہے کوئی غیبی طاقت ہمیں سزا دے رہی ہے۔ ہم نے معصوموں پر ظلم کیا ہے۔ ہمیں اس کی سزا مل رہی ہے۔“

ایک زخمی نے تکلیف سے کہا ”میں تو کہتا ہوں بھاگ چلو۔“
ایک اور نے کہا ”کیسے بھاگ جائیں؟ ہم نے مہر جان سے

دس دس ہزار لے ہیں۔ میں نے جان صاحب کو تعین دلا یا تھا کہ تم سب جان پر کھیل جائے والے بندے ہو۔ بزدلوں کی طرح بھاگ کر تو میں تم سب سے رقم واپس لے لوں گا۔ گھوڑے کو رقم لے کر لے آؤں گا۔“

”استاد فخرہ! غصہ نہ کرو“ غور کرو۔ ہم خود بخود بے بس ہو رہے ہیں۔ خواہ تو ایک دوسرے کو زخمی کر رہے ہیں۔ اگر اس آسپ ذہ مکان میں رہیں گے تو ہمیں نقصان پہنچانے والا آسپ جلدی حالات پہنچا دے گا اور ہم اپنے بچاؤ کے لئے کچھ نہیں کر سکیں گے۔“

فخرہ استاد نے کہا ”میری تو عقل کام نہیں کر رہی ہے۔ میں جان صاحب کی میاں کے حالات بتا کر انہیں ہلا تا ہوں۔“
اس نے موبائل فون کے ذریعے رابطہ کیا پھر کہا ”جان صاحب! آپ فوراً آجاسیں! ادھر گروہروں سے ہے۔“
راجہ بڑے پوچھا ”کیا پولیس آگئی ہے؟“

”نہیں! کچھ عجیب قسم کا معاملہ ہو رہا ہے۔ آپ تعین نہیں کریں گے۔ ہم تمام ساتھی میاں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ جبکہ ہم گھرے دوست بھی ہیں لیکن بے اختیار ایک دوسرے کی پٹائی کر رہے ہیں۔ میرے ایک ساتھی نے دوسرے ساتھی کو چاقو سے قتل کر دیا ہے۔ دوسرا زخمی زخمی ہو گئے ہیں۔“

وہ پریشان ہو کر بولا ”کیا تمہارے دماغوں میں کوئی بول رہا ہے؟“
”ہاں! ہم سب نے اپنے اندر کسی کی آواز سنی ہے۔“
”اڑو گاؤ! یہ ٹیلی ویژن جانے والا تمہارے دماغوں تک کیسے پہنچ گیا؟“

”جان صاحب! کیا تم کسی ایسے جاوہر کو جانتے ہو جو دوسروں کے دماغوں میں آکر بولے ہو اور باہر کی بات دے؟“
”وہ جاوہر کون نہیں ہے۔ فرہاد علی تیرو ہے۔“

”یہ فرہاد کون ہے؟“
”کوئی بھی ہے۔ اب مجھ سے رابطہ نہیں کرنا۔ میں خود تم سے بات کروں گا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہ جگہ فوراً چھوڑ دو اور جگہ چھوڑنے سے پہلے فخرہ اور جیم کو قتل کرو۔“

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ فخرہ استاد نے پہلو ہیلو کہہ کر پکارا پھر موبائل فون کو آف کر کے ساتھیوں سے کہا ”جان صاحب! کاظم ہے ان دونوں کو قتل کر کے فوراً یہ جگہ چھوڑ دو۔“
”نہیں۔۔۔“ وہ بہن بھائی خوف سے چیختے اور گڑگڑانے لگے۔
”ہمیں جان سے مارو۔ ہمیں چھوڑ دو۔“
فخرہ نے کہا ”رمنو بھائی! ابھی تم نے مجھے بہن کہا ہے کیا بہن کو قتل کرو گے؟“

رمنو نے کہا ”کوئی تمہیں ہاتھ نہیں لگائے گا۔ جو جیمیں مارے آئے گا وہ خود کو مارے گا۔“
فخرہ استاد نے پوچھا ”رمنو! کیا پھر تیرا داغ گھوم رہا ہے؟“

رمنو نے کہا ”مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ وہ چاقو فرش پر پڑا ہے۔ نہیں زندگی عزیز نہیں ہے تو ان بچوں پر قاتلانہ حملہ کرو۔“
”ہمیں یہ قصہ فوراً ختم کر کے میاں سے بھاگنا ہو گا۔“

یہ کہتے ہوئے فخرہ استاد نے فرش پر سے چاقو اٹھا پیلے فخرہ ل طرف بڑھایا۔ وہ بھائی سے لپٹ کر روئے اور چیختے لگی۔ استاد نے اس کے قریب پہنچ کر وہ چاقو اپنے بائیں ہاتھ میں پیوست کر دیا۔
”تکلیف سے چپٹا ہوا پیچھے ایک دوا رہے جا لگا۔“

بھائی بہن نے حیرانی سے اسے خود کو زخمی کرتے دیکھا اور دونوں ہاتھ دھاک لے لگا کر کہنے لگے ”اللہ میاں! ہمیں صاف کر۔ ہم امریکا میں رہنے کے لئے اپنے وطن سے غداری کر رہے تھے۔ رہا پے زیادہ ماں کو قتل نہ سمجھ رہے تھے۔ ہمیں ایک بار لاشی دے دو۔ ہم آئندہ کبھی غلطی نہیں کریں گے اور ڈیڑی کے ٹیڈم پر چلیں گے۔“

میں نے رمنو کی زبان سے اس کے ساتھیوں سے کہا ”دیکھو استاد! ان پر حملہ کرنا چاہتا تھا“ خود پر حملہ کر بیٹھا۔ پھر بھی مجرت مل نہیں ہو رہی ہے تو جو حملہ کرنا چاہتا ہے وہ آگے بڑھے۔
”پھر فرش پر پڑا ہے۔“

کسی نے آگے بڑھنے کی جرات نہیں کی۔ فخرہ استاد نے کہا۔
”سب کو مرگ بنی کی ضرورت ہے۔ ہمیں فوراً میاں سے بھاگنا ہے۔ ان دونوں کو قتل کر دیتے۔“

رمنو نے پوچھا ”کیوں رہتے دو۔ ہم نے ان پر ظلم کیا ہے۔ ہم واپس گھر پہنچنا ہم سب کا فرض ہے۔“
”نہیں! باتیں کرتے ہو۔ انہیں واپس لے جا کر گرفتار ہونا ہے؟“

اس کی بات ختم ہوتے ہی دروازے پر دھک سنائی دی پھر دو اور آواز میں کہا ”اس مکان کو پولیس نے چاروں طرف گھیر لیا ہے۔ تم لوگوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ ایک ایک کر کے اٹا ہاتھ اٹھا کر باہر آتے جاؤ۔“

میں نے رمنو کے ذریعے کہا ”استاد! ہمیں گرفتاری کا خوف ہو کر گرفتاری چل کے تمہارے پاس آگئی ہے۔“

میں نے اسے کچھ سوچنے اور بولنے کا موقع نہیں دیا۔ اس کے رجا کر اسے مکان سے باہر دھکا دے دیا۔ اسی طرح میں نے باقی کو بھی پولیس کی تحویل میں پہنچا کر جاسوس سرفراز سے کہا۔
”لوں بہن بھائی! اندر سے ہوئے ہیں۔ انہیں پوری حفاظت کا دلا کر اسلام حسین صاحب کے پاس پہنچا دو۔ میں تھوڑی دیر تمہارے پاس آؤں گا۔“

میں وہاں سے راجہ بڑے کے پاس پہنچا۔ وہ ایک انٹی میں مل سامان لے کر اپنے سفیر کی ہائٹس گاہ میں پہنچ گیا تھا۔ اندر ملی طرح سہا ہوا تھا۔ گھبرا کر سفیر سے کہہ رہا تھا ”میں ابھی آتے میاں سے جاؤں گا۔“

”کہاں جاؤ گے؟“
”جس ملک کی فلاح میں جگہ مل جائے“ میں اسی میں بیٹھ کر پاکستان سے باہر نکل جانا چاہتا ہوں۔“

سفیر نے انٹر کام پر یکے بڑی سے کہا ”مسٹر جان! ریڈی کے کسی بھی پہلی فلاح میں سیٹ حاصل کرو۔ پاسپورٹ اور ضروری کاغذات میاں آکر لے جاؤ۔“

پھر اس نے انٹر کام کو آف کر کے پوچھا ”مسٹر جان! تم اس قدر پریشان اور گھبرائے ہو کیوں ہو؟“

”چاکر ٹیلی ویژن کی مصیبت نازل ہو گئی ہے۔ میں بڑے اطمینان سے نام اور شخصیت بدل کر کام کر رہا تھا۔ شاید بیج تک اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا لیکن آدھا گھنٹا پہلے معلوم ہوا کہ فرہاد علی تیرو میرے غصوں کے دماغوں میں پہنچ گیا ہے۔“
سفیر نے پوچھا ”کیا تم نہیں جانتے تھے کہ وہ پاکستان میں ہے؟“

”جانتا تھا“ جانتا ہوں۔ مجھے کہا گیا تھا کہ فرہاد کو دوسرے بہت سے مسائل میں الجھا کر رکھا جائے گا۔ اسے میری کوئی خبر نہیں ملے گی۔ وہ لاہور اور ریٹائر ہو رہی مصروف رہے گا۔“

”کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ تمہارے دماغ میں نہیں ہے؟“
”پورا یقین ہے۔ جب میرا آواز کا فخرہ استاد فون پر مجھ سے باتیں کر رہا تھا اس وقت فرہاد میری آواز سن کر اٹسکا تھا لیکن وہ ابھی تک نہیں آیا ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ فخرہ جب مجھ سے باتیں کر رہا تھا تب وہ اس کے دماغ میں نہیں تھا۔ کسی دوسرے کام سے چلا گیا تھا۔“

”خداوند یسوع کی مہربانی سے ایسا ہی ہو۔ ورنہ تمہارے ساتھ میں بھی اس کی نظروں میں آجائیں گا۔ اسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں میاں اپنے ملک کے سیکرٹ ایجنٹوں اور تحریک کاروں کی پشت پناہی کے لئے سفیر بن کر آیا ہوں۔“

”ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ فرہاد نے میری آواز نہیں سنی ہے۔ اس سے پہلے کہ میاں کے جاسوس میری پاسپورٹ والی تصویر فرہاد کو دکھائیں اور وہ تصویر کے آنکھوں میں جھانک کر میرے دماغ میں آئے“ میں اپنا پاسپورٹ لے کر میاں سے چلا جاؤں گا۔“

میں اس کے دماغ سے چلا آیا۔ ابھی اسے مخاطب کرنا مناسب نہیں تھا۔ میں اسے اپنے ملک میں گرفتار کرنا یا اسے ملک دشمنی کی سزا دے تو امریکا کی حکام ہمارے حکمرانوں پر سیاسی دباؤ ڈال کر اسے بچا لیتے اور وہ ہمارا بدترین مجرم ہو کر بھی ایک فاحش کی شان سے اپنے ملک پہنچ جاتا۔ ابھی اس کا برا وقت نہیں آیا تھا۔ اس لئے میں نے ڈھیل دے دی۔

فخرہ اور جیم اپنے گھر پہنچ گئے تھے اپنے باپ سے لپٹ کر غلطیوں کی معافی مانگ رہے تھے۔ بیکر اپنے کمرے میں منہ چھپا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ بھید کھل گیا تھا کہ ماں کی رضامندی سے

وہ ریور روڈ پر لڑا، وہ اسٹریمز میں گھرے ہوئے رہے۔
میں ارشاد احمد کے داغ میں آیا۔ وہ ایک چائیز رستوران
میں ایک حسین عورت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ چارواں شاہدہ زریں
ہے۔ ان درمیان میز پر کینڈل لٹکی ہوئی تھی۔ دھیمی دھیمی
رومانی ماحول پیش کر رہی تھی۔ پھر انا ارشاد احمد رومانی ماحول میں
اپنی گزری ہوئی جوانی کو آواز دے رہا تھا۔

”اگر تم شاہد نہیں شاداد ہو تو میری محبت اور بڑھ جائے گی۔ تم نے دھرم کو نہیں دیکھا۔ ایک مسلمان سے محبت کریں۔ میں ہمیشہ تمہاری عزت کرتا رہوں گا۔“

”آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ میں مسلمان بن کر کیوں رہتی ہوں؟“

”ہاں۔“ وہ جتنا جاننے والا اصل نہیں، دیکھ کر میں ساری دنیا

میں نے اسے مسکراتے نہیں دیا۔ وہ بے اختیار بخجیدگی سے "میں آخری بار پوری سچائی سے بول رہی ہوں۔ میں ہندی ملک کا پانچواں سوہرا ہوں۔"

ارشاد احمد ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بھی اٹھتے ہوئے بھارتی سولہویں "آپ مجھے پولیس کے حوالے کریں گے؟"

[illegible]

”تم نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے۔ میں کس دل سے جسیں سزا دلانا لگا۔ اگر تمہاری محبت میں قانونی کارروائی نہیں کروں گا تو میرا ضمیر مجھے بھی ملک کا دشمن کہے گا۔ اگر تم مجھ سے سچی محبت کرتی ہو تو جج تیار کرو کہ اب تک تم نے ہمارے ملک کے خلاف کیا کچھ کیا ہے؟“

”میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ ابھی تک میں نے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں یہاں رہ کر آپ سے دوستی بڑھاتی رہوں اور آپ کو ایسا دوانہ بنا دوں کہ آپ دیوانگی میں مجھے پاکستان کی سیکرٹ سروس کے متعلق بہت کچھ بتاتے چلے جائیں۔“

”میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں نے تمہیں کوئی راز کی بات نہیں بتائی ہے۔ یہ بتاؤ یہاں تمہارے ساتھ اور کون لوگ ہیں؟“

”یہاں سفارت خانے میں دو افراد ہیں۔ وہ مجھے گائیڈ کرتے ہیں۔ میں پہلی بار پاکستان آئی ہوں۔ یہاں کئی معاملات میں مجھ سے غلطی ہو جاتی ہے۔ اگرچہ مجھے اپنے ملک میں مسلمان عورت کی طرح زندگی گزارنے کی طویل تربیت دی گئی ہے۔ اس کے باوجود میں ان دونوں افراد سے رہنمائی حاصل کرتی رہتی ہوں۔“

”میرا ماتحت سرفراز ان دونوں سے واقف ہے۔ میں ان سے نمٹ لوں گا۔ اگر تم نے میرے ملک کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے تو میں تمہیں کل شام تک مہلت دیتا ہوں۔ پاکستان چھوڑ دو۔ اس دوران سرفراز کو تمہارے دماغ میں سمجھوں گا۔ یہ تصدیق ہوگی کہ تم نے ابھی تمہیں یہاں کوئی جرم نہیں کیا ہے تو تم خیریت سے سرحد پار چلی جاؤ گی ورنہ سرفراز کسی جرم سے رعایت نہیں کرتے ہیں۔“

اس نے کار اشارت کر کے آگے بڑھادی۔ وہ شاردہ کو اس کی رہائش جگہ تک پہنچانے جا رہا تھا۔ میں نے سرفراز کے پاس آکر کہا۔ ”تم بہت ذہین اور عجیب وطن ہو۔ تمہارا شبہ درست نکلا۔ اس کا اصل نام شاہدہ زریں نہیں شاردہ ہے۔ ایک غیر ملکی عورت ہے۔ تم نے بڑی ملک کے سفارت خانے کے جن دو آدمیوں کو اس سے ملنے دیکھا ہے۔ ان میں سے ایک کا نام راما راؤ اور دوسرے کا نام انت انت کار ہے۔ شاردہ ان سے رہنمائی حاصل کرتی ہے لیکن ان کے حلقے زیادہ نہیں جانتی ہے میں فون نمبر تیار رہا ہوں اس پر رابطہ کرو۔ دوسری طرف کی آواز سناؤ۔“

میں نے نمبر بتایا۔ وہ ریموٹر اٹھا کر ڈائل کرنے لگا۔ آدھی رات ہونے کو تھی۔ فون کی تھنی دوسری طرف بج رہی تھی۔ بڑی دیر بعد کسی نے ریموٹر اٹھا کر نیند بھری آواز میں پوچھا ”کون ہے بھائی! اتنی رات کو کیا مصیبت آگئی ہے۔“

میں نے سرفراز کو ریموٹر رکھنے کے لئے کہا۔ پھر راما راؤ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ کوئی جواب نہ پا کر ریموٹر کو کیٹل پر پھینک کر پھر سو گیا۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ وہ اور انت انت کار دراصل جاسوس ہیں۔ اپنے سفارت خانے کے ملازم بن کر یہاں آئے ہیں اور اہم ثبوت حاصل کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پاکستان سکھ

قوم کو بھارتی حکومت کے خلاف بھڑکا رہا ہے اور بے شمار سکھوں کو خفیہ طور پر بے صدا کی ٹریننگ دے رہا ہے۔

چونکہ یہ سچ نہیں تھا، محض الزام تھا۔ اس نے کوئی دستاویزی یا تصویری ثبوت نہیں مل رہا تھا۔ انہوں نے چند پاکستانیوں کو بھارتی رستوں سے کر انہیں بلکہ بنا کر ان کی تصویریں انامی تھیں۔ ان میں سے دو نے پاک آرمی کی وردی پہنی تھی اور تصویر کے ذریعے یہ دکھایا تھا کہ ہماری آرمی کے افسران سکھوں کو گورلا جنگ کی ٹریننگ اور ہتھیار دے رہے ہیں۔

وہ جموں نے الزام کو جج بنا کر پوری دنیا میں پاکستان کے خلاف شور مچانا چاہتے تھے۔ راما راؤ کی خوابیدہ سوچ نے بتایا کہ یہ تمام تصویریں اور جموںی دستاویزات سفیر کی تحویل میں ہیں۔ وہ مناسب موقع دیکھ کر جیسے جیسے ہنگامہ ارسال کرنا چاہتا ہے۔

میں نے سرفراز کے پاس آکر اسے یہ باتیں بتائیں پھر کہا۔ ”سفیر کی آواز سناؤ۔“

اس نے ریموٹر اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر سفیر کی نیند بھری آواز سنائی دی۔ ”کیا مصیبت ہے؟ کون ہے؟ کیا بات ہے؟ کیا ابھی فون کرنا ضروری تھا؟“

سرفراز نے ریموٹر رکھ دیا تھا۔ سفیر کو جواب نہیں ملا۔ میں نے اس کے چور خیالات سے معلوم کیا کہ اس نے وہ جموںی دستاویزات اور تصویریں کہاں چھپائی ہیں؟ اس کے علاوہ ہمارے ملک کا ایک اہم راز چرچا کر رکھا تھا۔

میں نے ایک خفیہ ادارے کے چیف سے رابطہ کیا اسے تمام روداد سنائی۔ راما راؤ اور انت انت کار کی رہائش گاہوں کا بتایا پھر کہا ”سفیر سمیت تمہیں کی رہائش گاہوں میں گھس کر تینوں کو گرفتار کرو۔ ان کے خلاف ثبوت اور پاکستان کا ایک اہم راز سفیر کے ہتھ پر دو تکیوں کے اندر چھپا کر رکھا گیا ہے۔“

آرمی کے جوانوں نے فوراً کارروائی شروع کی۔ سفیر کی رہائش گاہ میں گھس گئے۔ ملازموں نے اعتراض کیا۔ اس کے باوجود انہوں نے سفیر کی خواب گاہ کے دروازے پر دستک دی۔ پھر دروازے کو ٹھوکروں سے مارا۔ اندر سے آواز آئی ”کیا بدترین ہے؟ کون ہے؟“

ایک افسر نے کہا ”آفسران اسٹیشن ڈیوٹی۔ دروازہ کھولو۔“

سفیر نے پریشان ہو کر دو تکیوں کی طرف دیکھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا ”تکبرانے کی بات نہیں ہے۔ کسی کا دھیان تھکی طرف نہیں جانے گا۔ مجھے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانا چاہیے۔“

وہ دروازہ کھول کر بولا ”آفسر! ایسی کیا بات ہوئی کہ آدھی رات کو نیند خراب کئے آئے؟“

”نیند ہم نے نہیں“ ان تکیوں نے خراب کی ہے جن پر ہم رکھ کر سوتے ہو۔“

اس نے گھبرا کر تکیوں کی طرف دیکھا پھر جلدی سے گھبراہٹ

کہا جاتے ہوئے بولا ”آپ کتنا کیا چاہتے ہیں؟“

افسر نے ایک چاقو نکالا اسے کھولتے ہوئے بستر کے پاس آکر بٹکنے کو اٹھایا۔ پھر اس میں چاقو بیسٹ کر کے ہونے اسے بے سرے سے دوسرے سرے تک چیر دیا۔ اندر سے کاغذات تصویریں نکال کر بستر پر گرنے لگیں۔

پھر اس نے دوسرے بٹکنے کو بھی اٹھا کر اسی طرح چیر دیا۔ اس سے بھی اہم کاغذات برآمد ہوئے۔ دو افسران نے ان تمام ثبوتات کا مطالعہ کیا۔ پھر کہا ”سفارتی قوانین کے مطابق ہم ہیں گرفتار نہیں کر سکتے تم پر مقدمہ نہیں چلا سکتے لیکن تمہیں بیدار کر سکتے ہیں۔“

پھر افسر نے جوانوں سے کہا ”ٹیلی فون کے تار کاٹ دو۔“

زہن کو یہاں سے نکال دو۔ کاہوں کی چابیاں سفیر صاحب سے لالہ بڑی ملک کے حکمرانوں کو اس کے کالے کمرے سے آگاہ کے اسے سرحد پار بھیج دیا جائے گا تب تک یہ یہاں نظر بند رہے۔“

دوسری رہائش گاہوں سے راما راؤ اور انت انت کار کو بھی گرفتار کیا گیا تھا۔ میں پھر شاردہ کے پاس آیا۔ ارشاد احمد نے ہاتھ اسے اس کی رہائش گاہ میں چھوڑ کر اپنے گھر جانے گا۔ نا سینہ کو چھوڑ کر جانے کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ اس کے تنگ دھم میں بھاگتا رہا تھا۔ ”تم چل جاؤ گی تو میری دنیا ویران اپنے کی۔ میں یہ ملازمت چھوڑ دوں گا۔ مجھے یقین ہے تمہاری ٹی مجھے مار ڈالے گی۔“

میں نے اس کی سوچ میں کہا ”بڑھاپے کا عشق ایسا ہی ہوتا ہے۔“

اس نے اپنے سر کو تھام کر سوچا ”کیا میں اپنے ہی بارے میں سوچ رہا ہوں؟“

”یہ میں نہیں میرا ضمیر بول رہا ہے۔ میں وطن کے لئے اپنے بیٹے نہیں سوچ رہا ہوں بھٹاکہ ایک عورت کے لئے۔“

”پریشان ہو کر بولا ”میں وقت ضائع کر رہا ہوں۔ مجھے ان دو لڑکائیوں کو گرفتار کرنا چاہیے۔“

وہ ریموٹر اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ شاردہ نے اس کا ہاتھ لکھا ”آپ مجھے بچانے کے لئے اپنا دھیان دوسرے مجرموں کی طرف کر رہے ہیں۔ پہلے آپ اسے گرفتار کریں جو سامنے“

”مفضل باتیں نہ کرو۔ مجھے اپنا فرض ادا کرنا ہے۔“

وہ شاردہ سے ہاتھ چھڑا کر پھر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا ”واہ کیا فرض کی ادائیگی ہے۔ یہ فرض نہیں کا فرض ادا کیا جا رہا ہے۔“

رابطہ قائم ہو گیا اس نے کہا ”ہیلو سرفراز! میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اس کے سفارت خانے میں ملازمت کرنے والے راما

راؤ اور انت انت کار کو گرفتار کرو۔“

”جناب آپ نے حکم دینے میں دیر کر دی۔ وہ دونوں اپنے سفیر صاحب سمیت گرفتار ہو چکے ہیں۔ فراد صاحب نے ان کے خلاف ٹھوس ثبوت پیش کئے ہیں۔“

”تعب ہے۔ سرفراز! کون ان کے متعلق کیسے معلوم ہوا؟“

”میں نے شبہ ظاہر کیا تھا۔ فراد صاحب نے خیال خوانی کے ذریعے تصدیق کر دی۔“

ارشاد احمد نے کئی انکبوں سے شاردہ کو دیکھا۔ پھر سرفراز سے پوچھا ”تم نے اور کس کے خلاف شبہ ظاہر کیا تھا؟“

سرفراز نے میری مرضی کے مطابق کہا ”اس کے خلاف بھی جو آپ کے ساتھ صوفے پر بیٹھی ہے۔“

”کیا؟“ وہ چونک کر بولا ”تم کیا جانتے ہو؟ کیسے جانتے ہو کہ میں کہاں ہوں اور کس کے ساتھ ہوں۔“

”جناب میں کچھ نہیں جانتا۔ فراد صاحب جانتے ہیں۔“

”سرفراز! کہاں ہیں؟“

”چائیں جناب! وہ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔“

”کیا تمہیں فراد صاحب نے بتایا ہے کہ میں شاہدہ زریں کے ساتھ ہوں؟“

”فراد صاحب غلط بات نہیں کہہ سکتے۔ آپ شاہدہ کے ساتھ نہیں ہیں۔“

”پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میرے ساتھ کوئی صوفے پر بیٹھی ہے۔“

”جناب آپ کے ساتھ شاہدہ نہیں شاردہ ہے۔“

ارشاد نے فوراً ریموٹر رکھ کر کہا ”میرے ماتحت کو بھی معلوم ہو گیا ہے کہ تم شاردہ ہو۔“

”کیسے معلوم ہو گیا؟“

”یہ سب خیال خوانی کا کھیل ہے۔ راما راؤ انت انت کار اور تمہارے دہلی کا سفیر بھی ٹھوس ثبوت کے ساتھ گرفتار ہو گئے ہیں۔ سوری شاردہ! اب تمہیں کوئی نہیں بچا سکے گا۔“

”فراد آپ کو بھی نہیں چھوڑے گا کیونکہ آپ میرے خلاف کارروائی کرنے سے کھڑے آ رہے ہیں۔“

”میں نے اس لئے تمہارے خلاف قدم نہیں اٹھایا کہ تم نے ابھی تک میرے ملک کو نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ چونکہ نقصان پہنچانے آئی ہو اس لئے تمہیں ملک سے نکل جانے کا حکم دے رہا ہوں۔ فراد جب میرا دماغ بڑے گا تو دل کا حال بھی معلوم کر لے گا کہ میں تم سے بے انتہا محبت کرتا ہوں۔“

شاردہ سوچ رہی تھی یہاں سے لاہور اور لاہور سے بڑیہ ٹرین ہندوستان چلی جائے گی۔ میں نے بھی یہی فیصلہ کیا کہ اس عورت کو معاف کر دیا جائے کیونکہ وہ سرفراز کی معاملات میں اناڑی تھی۔ اس نے نہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ عورت پر

رحم کرنا چاہئے اس لئے میں نے اسے نظر انداز کر دیا۔

ارشاد احمد اس سے رخصت ہو کر باہر آیا۔ پھر اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے جانا چاہتا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کیا ”ارشاد! میں آخری بار تمہارے پاس آیا ہوں۔ تم مجھ سے ایک لفظ نہ کہو۔ صرف میرا حکم سنو اور اس پر عمل کرو۔ تم نے اپنے فرض شناس باحت سرفراز کو شادرا کی اصلیت تک پہنچنے سے کئی بار روکا اور اس کے خلاف تحقیقات نہیں کرنے دی۔ تم موجودہ عہدے کے قابل نہیں ہو۔ معاف استعفا پیش کر دو۔“

”میں تمہارے حکم پر عمل کروں گا۔ اپنے لئے ابھی ایک لفظ نہیں کہوں گا۔ تمہارے شادرا اور تم کرو۔“

”تم نہیں جانتے شادرا! آٹھ برس کے ایک بچے کی ماں ہے۔ وہ بچے کو مجبوراً ہندوستان میں چھوڑ کر آئی تھی۔ میں نے تمہاری مجبور کو نہیں! ایک ماں کو معاف کیا ہے۔ خدا حافظ۔“

میں اس کے داغ سے چلا آیا۔ راجہ بڑو میسنگ فلائٹ سے رات ہی کو کراچی چلا گیا تھا۔ پھر دوسری صبح داکشمن کے لئے روانہ ہو گیا۔ میں نے اس کے سفر کے پاس آکر کہا ”ہیلو مشر اور نرا“ وہ چونک کر غلام نہیں گئے۔ میں نے کہا ”میں غلام نہیں نظر نہیں آؤں گا۔“

اس نے گھبرا کر پوچھا کہ ہونے؟

”وہی ہوں۔ جس کے خوف سے تم نے راجہ بڑو کیساں سے بھگا دیا ہے۔“

”اے مشر! فراد! آپ ہیں؟“

”ہاں میں اس وقت بھی تمہارے اندر تھا جب راجہ بڑو تمہارے پاس بیٹھا مجھ سے دور بھاگ جانے کے لئے بے چین تھا۔ تم نے اپنے وسیع ذرائع استعمال کر کے اور اسے بھگا دیا۔“

”جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب کیا چاہتے ہیں آپ؟“

”جو ہونا تھا وہ نہیں ہوا۔ اب ہو گا۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ اگر میں پاکستان کے اندر راجہ بڑو کے خلاف قانونی کارروائی کرتا تو تمہاری حکومت سیاسی چال بازیوں سے اسے بچا لیتی اور میں اپنے ملک کے دشمن کو بچ کر جانے نہیں دیتا۔“

”نت۔۔۔ تم کیا کرو گے؟“

”راجہ بڑو طیارے میں آرام سے سفر کر رہا ہے۔ پاکستان سے باہر جا چکا ہے ایسے میں وہ حرام موت مرے گا تو ہماری حکومت پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔ ہماری زمین پر اس کا خون گرتا تو تمہارے حکمرانوں کو مصافی پیش کرنی پڑتی۔ تم نے اسے بھگا کر میرے لئے آسانی فراہم کر دی ہے۔“

”مشر! فراد! وہ تمہارے ملک سے دور جا چکا ہے۔ اس پر یہاں کا قانون لاگو نہیں ہو سکتا۔“

”تم کسی کی نہیں اپنی فکر کرو۔ اپنے ملک کے سیکرٹریجنٹوں کو

یہاں پناہ دیتے ہو اور جاسوسی کے لئے سوتیں فراہم کرتے ہو۔ تمہارے جیسا مجرم سخت سزا کا مستحق ہے۔ سفارتی قوانین کے مطابق میں تمہیں سزا نہیں دے سکتا۔ ہماری حکومت صرف تمہاری حکومت سے شکایت کر سکتی ہے اور مجھے کمزوروں کی طرح شکایت کرنا یا فراد کرنا نہیں آتا۔“

میں نے اس کے داغ میں ڈنڈہ پیدا کیا۔ ساتھ ہی اس کاٹر بند کیا تاکہ وہ چیخیں نہ مار سکے وہ فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ کانوں سے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مر چکا ہے اور مرنے کے بعد سمجھ رہا ہے کہ موت کیسی اذیت ناک ہو کر آئی ہے۔

جب ذرا تکلیف کم ہوئی تو دور حرم کی بجلیک اٹھنے لگا۔ میں نے کہا ”جتنی جلدی ہو سکے میرے ملک سے چلے جاؤ۔ ورنہ ہر ماہ گئے بعد ایسی ہی اذیتوں میں مبتلا ہوتے رہو گے۔“

”میں وعدہ کرتا ہوں بارہ گھنٹے سے پہلے چلا جاؤں گا بلکہ ابھی کسی پہلی فلائٹ سے پاکستان چھوڑ دوں گا۔“

واسطے میرے داغ میں اور ایسی قیامت نہ لانا۔ میں میراٹھس کاٹ۔ ”ٹھیک ہے۔ اب اپنے حکمرانوں سے رابطہ کر دیا اپنے ہر ماشر سے کہو کہ ان کا قابل فخر سیکرٹریجنٹ اپنی زندگی کا آخری سطر کر رہا ہے۔ فراد اس کے سر پر سوار ہے۔ جان لیوا اور دوسرے ٹیلی جیتھی جاننے والے اسے بچانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔“

اس نے پانچ منٹ کے اندر ایک حاکم سے رابطہ قائم کرنے کے بعد کہا ”میں سفیر برائے پاکستان بول رہا ہوں۔ میں اپنے عہدے سے دست بردار ہو کر ابھی کسی پہلی فلائٹ سے واپس آیا ہوں۔“

پوچھا گیا ”ایسی جلدی کیا ہے؟ یہ فیصلہ ہم کریں گے کہ جنس وہاں کی ذمہ داریوں سے کب بیکدوش کیا جائے۔“

”آپ سے پہلے فراد علی تیمور فیصلہ کر چکا ہے۔ اس نے مجھے ایسی دماغی اذیت پہنچائی ہے جسے یاد کر کے کانپ جاتا ہوں۔ میں نے بارہ گھنٹوں کے اندر یہ ملک نہ چھوڑا تو پھر میرے داغ میں ڈنڈے پیدا کئے جائیں گے۔“

”کیا فراد نے ہماری کوئی سازش پکڑی ہے؟“

”جی ہاں! ہماری کبھی ناکام نہ ہونے والا جاسوس فراد کے سامنے بے نقاب ہو گیا ہے۔ اس نے سائنس دان اسلام حسینؒ جو جال پھینکا تھا اس میں خود الجھ گیا۔ یہاں سے جان بچا کر جانا ہے۔ ابھی طیارے میں سفر کر رہا ہے۔ فراد نے کہا ہے کہ ہمارے ٹیلی جیتھی جاننے والے راجہ بڑو کو بچا سکتے ہیں تو اپنی سی کوششیں کر لیں۔ آپ یہ خبر ہر ماشر تک پہنچائیں، ہو سکتا ہے ہمارے ٹیلی جیتھی جاننے والوں کی کوششوں سے راجہ بڑو کو قتل و زندگی ل جائے۔“

یہ خبر ہر ماشر تک پہنچائی گئی۔ پھر انہوں نے پاکستان کی

وزارت خارجہ اور داخلہ سے رابطہ کر کے میرے خلاف شکایت کی۔ ”فراد کو قانون ہاتھ میں لینے سے روکا جائے۔ وہ ہمارے ایک انجینیر جان ریڈی (راجہ بڑو) کو پاکستان میں ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ وہ جان بچا کر تمہارے ملک سے باہر نکل آیا ہے اب فراد کو اس کا پتہ چھوڑنا چاہئے۔“

ہماری وزارت خارجہ کے سیکریٹری نے جواب دیا ”آپ کوئی نیت پیش کریں کہ فراد آپ کے آوی ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ پھر یہ کہ وہ ہمارے ملک سے باہر ہے اس کی ہلاکت یا سلامتی کے ذمے دار ہم نہیں ہیں۔“

”وہ ہمارے سفیر کو بھی دماغی اذیتوں میں مبتلا کر رہا ہے۔“

جواب دیا گیا ”میں سفیر محترم کا طبی معائنہ کرائیں گے۔ یہ سچ راجہ بڑو فراد کو اس حرکت سے باز رہنے کے لئے کہا جائے گا۔“

”طبی معائنہ تو سفیر نارل ثابت ہو گا۔“

”جب وہ نارل ہو گا تو کوئی دماغی تکلیف نہیں ہوگی تو پھر فراد کو بے الزام دیا جائے گا۔“

”کیا آپ ہم جیسی سپہاڑے سے سفارتی تعلقات بگاڑنا چاہتے ہیں؟“

”ہرگز نہیں۔ انجینیر جان ریڈی نے ہمارے سائنس دان، چند اہم راز حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک شریف لی کو بے لیاں کیا۔ اس کے باوجود ہم نے آپ سے شکایت لی کہ کیوں کہ ہم سفارتی تعلقات بحال رکھنا چاہتے ہیں۔“

”جان ریڈی نے جو زیادتی کی اس کی تلافی ہم کریں گے۔ اس سلامتی کے لئے بڑی سے بڑی رقم ادا کریں گے۔ یہ رشوت ہوگی گناہ ہو گا۔“

جواب دیا گیا ”فراد علی تیمور پاکستان کی حدود میں ہمارے دلال پر عمل کرتا ہے۔ جو معاملات ہماری سرحد سے باہر ہوں اسے دھنسنے کے لئے خود بخود ہوتا ہے۔“

وہ بحث کرتے رہے لیکن یہ تسلیم کرنا پڑا کہ جو ادوات سرحد سے باہر ہو رہی ہو اس کے لئے پاکستانی حکمرانوں پر دباؤ نہیں ڈالا جا سکتا۔ اور یہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا تھا کہ سفیر کو دماغی عذاب میں لایا جاتا ہے۔ میں نے کہا ”مشر! راجہ بڑو! ہو سکتا ہے تم پر توخوی مار کے میرا راست روک دیا جائے۔ ایسی صورت میں تمہارے ناپسندیدہ اثرات نہ بین گے۔“

وہ دونوں کانوں کو پکڑتے ہوئے بولا ”چاہے جان چلی جائے یا ہمارا کا صدر بتا دیا جائے تب بھی میں پاکستان میں نہیں رہوں گا۔“

میں راجہ بڑو کے داغ میں گیا۔ وہاں جان لیوا اس سے بول کر ”تم نے پاکستان چھوڑ کر مدت بڑی غلطی کی ہے۔ اگر وہاں بڑو ہماری حکومت جس کسی طرح کا نقصان نہ پہنچتے دیتی۔ اسے نہایت چالاکی سے ہمیں بھانسنے کا موقع دیا اور تم بھاگ

آئے۔“

”کیا یہاں میرے لئے خطرہ ہے؟“

”موت تمہارے سر پر سوار ہے۔ پتا نہیں اس وقت فراد یہاں موجود ہے یا نہیں لیکن وہ اس کو پڑی میں جگہ بنا چکا ہے۔“

”قار گاڑیک مشر لیوا! اسے یہاں نہ آنے دو۔ تم بھی ٹیلی جیتھی کے ماشر ہو۔ اس کا راست روک دو۔“

”ایک ہی راست تھا کہ تم پر توخوی عمل کر کے تمہارے داغ کو لاک کیا جائے۔“

”تو پھر کرو۔“

”فراد توخوی عمل کو بے کام بنادے گا۔“

”ہو سکتا ہے وہ ابھی موجود نہ ہو۔“

میں نے ایک چومک ماری۔ وہ گھبرا کر بولا ”یہ چومک مارنے کی آواز کیسی ہے؟“

”یہ صورا اسرائیل ہے۔“ جان لیوا نے کہا ”جیسے یقین کرنا چاہئے کہ وہ موجود ہے۔“

”موجود ہے تو میں اس سے التجا کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے اور تم سے بولے۔ میری جان بچنے کے لئے وہ جو چاہتا ہے، ہم اس کا مطالعہ پورا کریں گے۔“

اسے جواب نہیں ملا۔ جان لیوا نے کہا ”مشر! فراد! آپ موجود ہیں یا آپ کا کوئی ساتھی ہے۔ جو بھی ہے میں اس سے صلہ اور بھجوتے کی درخواست کرتا ہوں۔“

میں نے جواب نہیں دیا۔ یہ لوگ اسی سے مصیبت دوہتی کرتے ہیں جو ان پر سوار ہوئے ہیں ورنہ چھوٹے بڑے ملکوں کو سپہاڑ بن کر اپنے قدموں میں رکھتے ہیں۔ وہ دونوں بار بار مجھے مخاطب کر رہے تھے اور میں دباؤ میں رہا تھا۔ کبھی وہ سوچتے تھے ”میں ہوں کبھی خود کو بھونٹی تکی دیتے تھے“ میں نہیں ہوں۔

راجہ بڑو نے کہا ”وہ نہیں ہے۔“

”جی۔“ جان لیوا نے کہا ”تم خیال خواتی کرنے والوں کے جھکنڈوں کو نہیں جانتے ہو۔ میں بھی اکثر ایسے جھکنڈے آزماتا رہتا ہوں۔ یہ ظاہر کرتا ہوں کہ نہیں ہوں لیکن موجودہ کراس کی حرکتیں دیکھتا رہتا ہوں۔“

”مشر! لیوا! اچھے تم خوف زدہ کر رہے ہو۔“

”میں خیال خواتی کی جھیکتا بنا رہا ہوں۔“

”جسم میں جائے جھیکتا میری سلامتی کی کوئی صورت نکالو۔“

وہ میرے اندر نہیں ہو گا تب بھی میں یہ سوچ سوچ کر مرنے والوں کا کہ وہ ہے اور کبھی مجھے ہلکے ہلاک کرنے والا ہے۔“

”مشر! راجہ! آسمانی زندگی اسی وقت تک ہے جب تک فراد خاموش ہے۔ وہ بولے گا تو موت کا ٹکڑہ کھولے گا۔“

”تم صرف بائیں ہمارے ہو۔“

”میں تدبیر بھی سوچ رہا ہوں۔ ابھی ایک بات سمجھ میں آئی

ہے کہ اس نے ہمیں سڑکے دوران زندہ کیوں رکھا ہے؟

"کیوں رکھا ہے؟"

"اے بے گناہ انسانوں کی سلامتی کا بہت خیال رہتا ہے۔ وہ عورتوں اور بچوں کا محافظ ہے۔ اس طیارے میں ہمیں ہلاک کر کے دہشت نہیں پھیلانے کا۔"

"یعنی میرے ساتھ عورت اور دو چار بچے ہوں تو وہ مجھے ہلاک نہیں کرے گا؟"

"وہ معصوموں اور بے گناہوں کو نقصان نہیں پہنچاتا ہے۔"

اس نے اس طیارے میں گڑبڑ نہیں کر رہا ہے لیکن جب ہمارا سفر تمام ہو گا اور تم طیارے سے باہر جاؤ گے، تمہارے آس پاس کوئی بے گناہ نہیں ہو گا تو وہ ہمیں کیسے دورِ خدائی میں لے جا کر قتل کرے گا۔"

"خوشی دہرے کیوں لے جائے گا؟ میرے قتل سے دوسروں کو نقصان کیسے پہنچ سکتا ہے؟"

"وہ جانتا ہے تمہارے پاس ایک ریو اور ہے۔ وہ ہمیں ریو اور استعمال نہیں کرنے دے گا لیکن میں وہ ہتھیار تمہاری جیب سے نکلوا کر آس پاس کے لوگوں پر فائرنگ کرا سکتا ہوں۔ یہ باتیں میں تمہارے ذریعے فساد کو سنا رہا ہوں۔ اگر وہ صحیح معنوں میں انسان ہے تو وہ راجہ کو ہلاک کرنے سے پہلے دوسروں کو بے وقت اور بے موت مرنے سے بچائے۔"

میں خاموش رہا۔ جواب میں کچھ بولنا ضروری نہیں ہے۔ میں نے بیشک کو شش کی ہے کہ میری اتفاقی کارروائی کے وقت کوئی بے گناہ مارا نہ جائے۔ اس وقت بھی میں راجہ کو دوسرے مسافروں کے طفیل زندہ رہنے کی مصلحت دے رہا تھا۔

میں نے سلمان کو بلا کر اسے راجہ کے داغ میں پہنچایا۔ پھر کہا۔ "اس کے آس پاس مسلسل رہنا ضروری نہیں ہے۔ یہ چھ گھنٹے کے بعد نیو مارک پہنچے گا۔ اس کے داغ میں آتے جاتے رہو۔ اگر یہ سڑک کے دوران سونا چاہے اور کوئی اس پر تیرخی عمل کرنا چاہے تو اس عمل کو ناکام بنانا مجھے بلا لینا۔ میں صرف چار گھنٹے اپنی نیند پوری کرنا چاہتا ہوں۔"

میں اسے سلمان کے حوالے کر کے اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ میرا پشاور میں بھی کچھ اہم مسائل تھے۔ میں ٹیلی فنی جاننے والے ایوان راسکا کو بے نقاب کرنا چاہتا تھا اور وہ ایک دوسری ٹوکی فرمونا آئروڈ کے ذریعے میری موجودہ رہائش گاہ کا معلوم کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ ریسٹ ہاؤس کی طرح یہاں بھی مجھے گھیر کر قتل کرنے کی کوشش کر سکے۔

ایوان راسکا نے سوچا ہو گا کہ میں فرمونا نامی کسی حسینہ کا ذکر سن کر اس کے ہونٹ کے کمرے میں یا اس کے داغ میں پہنچا چاہوں گا اس طرح وہ میری مصروفیات پر نظر رکھتے ہوئے کرائے کے قاتلوں کو مجھ پر مسلط کر دے گا۔

لیکن اسے ایسی ہوری ہوگی۔ جو نہیں سمجھنے گذر گئے تھے اور میں نے فرمونا کو تلاش نہیں کیا تھا۔ مجھے ابھی راجہ جے فرمت نہیں مل رہی تھی اور جب فرمت ملی تو نیند پوری کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ میں آرام سے چار گھنٹے تک سوتا رہا پھر بیدار ہو کر غسل کیا۔ بیٹ کی آگ بجائی اس کے بعد سلمان کو مخاطب کیا۔ اس نے کہہ " دشمن خیال خدائی کرنے والوں نے آپ کی غیر موجودگی میں دوبار راجہ جے پر عمل کرنا چاہا لیکن میں نے اس کے داغ کو لاک کر کے نہیں دیا۔"

"شکریہ سلمان! اب تم آرام کرو۔"

میں راجہ کے پاس آ گیا۔ اس دوران اس نے طیارے میں سڑ کرنے والے ایک میاں بیوی اور ان کے بچوں سے دوستی کر لی تھی۔ جان لیوڑا اس سے کہہ رہا تھا "فکر نہ کرو۔ میرے ٹیلی فنی جاننے والے ماتحتوں نے ایک اور ٹیلی کے داغوں میں جگہ بنائی ہے۔ وہ ٹیلی میاں سے نیو مارک تک تمہارے ساتھ رہے گی۔ ہمیں ختم نہیں چھوڑا جائے گا۔"

وہ بولا "مجھے کچھ اطمینان ہو رہا ہے۔ میں سوچ کے ذریعے فساد سے کتنا رہوں گا کہ وہ میرے ساتھ رہنے والے بچوں اور عورتوں کی سلامتی کا خیال رکھے۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "مگر میں ماتحت میں تو اکیلا رہوں گا۔"

"آں؟" وہ گہرا کر بولا "مسٹر لیوڑا! یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں تھا کہ مجھے ماتحت کے اندر رہنا پڑا ہو گا۔ کیا میں دوا زہ کھول کر سب کے سامنے کوڑے پھینوں گا؟"

وہ نیو مارک پہنچ گیا تھا۔ وہاں سے ڈو میسنگ فلائٹ میں واشنگٹن جانے والا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "اگر ٹیلی فنی کے ذریعے ایسی موت ہو جائے کہ وہ قتل نہ لگے تو ساتھ رہنے والے دہشت زدہ نہیں ہوں گے۔"

وہ لیوڑا سے یہ بات کہنا چاہتا تھا۔ لیوڑا نے کہا "تم نہ کوئیں تمہاری سوچ پڑ رہا ہوں۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے فساد ہمارا سوچ میں ہی باتیں سمجھا رہا ہے۔"

"یہ تو سب ہی سمجھتے ہیں کہ موت کسی بھی زمانے سے آجائی ہے لیکن میں طبعی عمر تک زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

"ہم ہمیں سلامت رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارا پیرا مشن جناب علی اسد اللہ حمزوی سے رابطہ کر رہا ہے۔" بابا صاحب کے ادارے کے بزرگ اول ہیں۔ فساد سونا اور رسوئی سب ہی بزرگ اول کے مطلع اور فرائض برادر ہیں۔ ان کا حکم ہو گا تو فساد ہمیں ایک ذرا نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"کیا جناب حمزوی صاحب مجھ سے یہ سنا کریں گے؟" میں نے اس کی سوچ میں کہا "شیطان سے تنگی بے غمروئی ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "میں کسی کسی الٹی سیدھی باتیں سوچنے لگا ہوں۔ میں شیطان کو نہیں ہوں۔"

وہ ایک ٹیلی کے ساتھ راجہ جے فرمت سے گزرتے ہوئے باہر آیا۔ اس ٹیلی نے اسے اپنی گاڑی میں سرکاری ہنگے تک پہنچایا۔ اس ہنگے میں پہلے ہی سرکاری عورتیں اور بچے پہنچائے گئے تھے۔ انہوں نے ایسا انتظام کیا تھا کہ وہ بھی مرنے کے لئے ختم نہ رہے۔

اب اس مسئلے پر غور کیا جا رہا تھا کہ وہ عورتیں اور بچے اس کے ساتھ ماتحت میں کیسے رہیں گے؟ میں اسے ٹیلی کے سامنے بڑے سکون سے موت کی گود میں ملا سکتا تھا۔ کوئی دھماکا یا ہنگامہ نہ ہوا تو کوئی دہشت زدہ نہ رہتا لیکن میں نے بھی طے کر لیا تھا کہ راجہ جب تک زندہ رہے اپنی سلامتی کے انتظامات کرتے کرتے مرنا رہے۔

ٹیلی کی ایک خاتون نے کہا "راجہ! آئیے میں اپنا حلیہ دیکھو۔ ہمیں شیو کرنا چاہئے۔"

اس نے آئیے میں دیکھا۔ شیو بڑھا ہوا تھا۔ موت کے خوف سے چوڑے زرد ہو گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا برسوں کا بیڑا ہے۔ اس نے اپنی کونھل کو شیوٹ کا سامان نکالا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "ایک دانشور نے کہا ہے۔ قیام سے کبھی دشمنی نہ کرو۔ اس کا استرا تمہارے قتل کے قریب رہتا ہے۔"

وہ شیوٹنگ اسکیم میں دو حماروں ہائیڈ لگا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ سے ہائیڈ چھوٹ گیا وہ پریشان ہو کر سوچنے لگا "میں اپنے ہاتھ سے شیو کر رہا ہوں۔ میں خود قتل ہونا چاہتا ہوں۔ میرا ہائیڈ میرے قتل کے قریب رہے گا۔ فساد کسی لئے بھی میرا ہائیڈ بڑھا سکتا ہے۔ میرا ہائیڈ میرے قتل کے آریا کر سکتا ہے۔"

وہ ایک دم شیوٹنگ کا سامان پھینک کر چیخنے لگا۔ "میرا کیا ہے گا؟ میں محفوظ کیسے رہوں گا؟ نہیں وہ سکون گا۔ ایک طرف سے پھاڑ کر آہوں تو دوسری طرف سے موت کا راستہ کھل جاتا ہے۔" اس کی چیخ رینگاں سن کر عورتیں اور بچے سہم کر دوڑ ہو گئے۔ وہ جان لیوڑا کو پکار رہا تھا۔ "مکالم ہو لیوڑا! کیا میری باتیں برس کی خدشات کا یہ صلہ ہے کہ میری حکومت اور میرے خیال خدائی کرنے والے ایک شخص سے مجھے تحفظ نہیں دے سکتے؟ کہاں ہو لیوڑا! جواب دو۔"

خاتون نے پوچھا "راجہ! کیوں چیخ رہے ہو؟ بچے سہم گئے ہیں۔ ہمیں ڈر لگ رہا ہے۔ ہم سب یوں خوف زدہ رہیں گے تو فساد سوچے گا۔ تم خود ہی ہمارے دلوں کو دھڑکا رہے ہو تو پھر ہمیں ماری ڈالا جائے۔"

اس کے اندر لیوڑا نے کہا "خاتون درست کہہ رہی ہیں۔ تم اسی لئے اب تک زندہ ہو کر عورتیں اور بچے سکون سے ہیں۔ ان کا سکون برباد کر دے تو وہ فوراً ہی تمہاری سانسوں کی پٹائی بند کر دے گا۔"

دے گا۔"

وہ باؤں بچتا اور جھنجھلا کر ادھر سے ادھر جاتا ہوا بولا "میں شیو بھی نہیں کر سکتا۔"

"کیوں نہیں کر سکتے؟"

"کیوں کہ ہائیڈ میرے قتل کے قریب سے گزرتا رہے گا۔ تم کبھی میرے پاس رہتے ہو اور کبھی چلے جاتے ہو۔ وہ ہائیڈ سے میری سانسوں کی ٹانگی کاٹ سکتا ہے۔"

"وہ گاڑا میں نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا۔ تمہاری حفاظت کرنا ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔"

"تم۔۔۔ تم میری حفاظت کرنے والے یہ کہہ رہے ہو کہ میں محفوظ نہیں رہوں گا۔ جب تمہارا ارادہ کمزور ہے تو میری حفاظت کیسے کرو گے؟"

"تم موت کے خوف سے چڑھے اور بد مزاج ہوتے جا رہے ہو۔ یہ تو سوچو کہ تمہاری موت کے ہزاروں راستے ہیں۔ پھر بھی تم زندہ ہو اور زندہ رہو گے۔ عقل سے کام لو گے تو اسی طرح سانس لیتے رہو گے۔"

"عقل سے کس طرح کام لو؟"

"فراہم ہمیں کسی ہتھیار سے ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔ ایسا وہ اب تک آسانی سے کر چکا ہو آئندہ ہمیں دہشت سے مارنا چاہتا ہے اور تم دہشت زدہ نہ کر اس کا مقصد پورا کر رہے ہو۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ وہ موت کی طرح چپ چاپ آتا جاتا ہے۔ موت ٹیلی نظر آتی ہے تو کیا آدمی ایسے میں خوف زندہ نہیں ہو گا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک دس برس کا لڑکا ایک کمرے سے دوڑتا ہوا آیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ایک ریو اور کو پکڑ رکھا تھا۔ راجہ کے سامنے آتے ہی اس نے زک کر کہا "خبردار! راجہ جے کی ٹنگوں میں کامیابی سے جاسوسی کرنے والا موت کو دیکھتے ہی چیخ پڑا۔ لڑکے نے زنگ کو دیا۔ غمخس کی آواز کے ساتھ ایک ریلنگ اس کی پیشانی سے آکر چپک گیا۔ وہ آخری چیخ مار کر کرسی سمیت پیچھے الٹ کر فرش پر گر پڑا۔ پھر چاروں شانے چت ہو گیا۔"

ہارنے والا پہلوان چت ہو کر آئندہ لانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے لیکن موت سے بچنے کھانے والا بیشک کے لئے چت نہ جاتا ہے۔ چت نہ کر ہی کھن پھتا ہے۔ چت نہ کر ہی تابوت میں لٹا ہے اور قیامت تک چت رہنے کے لئے قبر میں پڑا رہتا ہے۔ میں ریو اور والے لڑکے کے داغ میں آ گیا۔ وہ ٹیلی ہتھیار تھا۔ اس میں سے زوردار آواز کے ساتھ رز کی ٹنگی نکلی تھی اور سامنے والی دیوار یا کسی ٹانگ پر جا کر چپک جاتی تھی۔ وہ راجہ جے کی پیشانی سے جا کر چپک گئی تھی۔ اس نے یہی سمجھا تھا کہ لڑکے نے بچے کے ذریعے اصلی ریو اور سے گولی چلائی ہے۔ موت ایسے بھی آتی ہے۔ بعض

مجرم چھائی کے پھندے تک پہنچنے سے پہلے یہ دہشت سے مر جاتا ہے۔ اس کا بھی قصہ تمام ہو گیا۔

فرمونا آندروف دوسری نہیں تھی۔ بلخاریہ کے شہر دونا سے آئی تھی۔ اس کا دادا جو جوزف آندروف دوس سے ہجرت کر کے روٹامیں آکر اپنے کنبے کے ساتھ آباد ہو گیا تھا۔ فرمونے نے بھی دوس کی زمین پر قدم بھی نہیں رکھا تھا۔ اس کے باوجود دادا کے خوالے سے دوس تھی۔

فرمونا کا باپ جو دونا آندروف تجارت کے سلسلے میں اختبول جایا کرتا تھا۔ وہاں مولانا دوتھی کی بادشاہی ایک ایمان افروز درس گاہ تھیں کہ مکی ہے۔ جو دونا آندروف اس درس گاہ میں حاضری دیتے دیتے مسلمان ہو گیا۔

وہ اپنے چچا اور بھائی کے ساتھ اختبول آیا تھا۔ چچا پر چھتا تھا۔ ”کیا تیرا داغ پھر رہا ہے؟“ اس مسلمان نام کی درس گاہ میں کیوں جاتا ہے؟“

وہ جواب دتا ”اگلے شلوم! میں نہیں جانتا پہلی بار ادھر کیسے کشاں کشاں چلا گیا تھا۔ تب سے مجھے وہاں ایسا روحانی سکون ملا ہے جسے میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔“

یہ سلسلہ کئی برس تک چتا رہا۔ اگلے شلوم نے تمام کنبے اور برادری میں کہہ دیا تھا کہ ”یہاں ہوتا ہوتا ہے۔ نکلا جا رہا ہے۔ رتا کے مذہبی پیشوا بلی المناوت نے نا تو بلا کر نصیحت کی“ ”تورت آسمانی کتاب ہے۔ اسے پڑھو اور اپنے دین سمجھو۔“ ”سمجھو۔ تبارا دین عمل ہے۔“

جو دونا نے کہا ”میں تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتا ہوں۔ آپ نے ایک وعظ میں فرمایا تھا ”آخری بات اتنی محسوس اور مدلل ہو کہ اس کے بعد کوئی بات کہنے کو نہ رہ جائے۔“

”بے شک میں نے کہا تھا۔“

”تو پھر آپ تسلیم کر لیں کہ آخری کتاب (قرآن مجید) اتنی محسوس اور مدلل ہے کہ اس کے بعد کوئی اور بات کہنے کے لئے کوئی اور کتاب دنیا میں نہیں آئی۔“

انہوں نے سخت لہجے میں پوچھا ”کیا تم اپنے رب سے مذہبی بحث کرو گے؟“

”نہیں! میں ہنچ رہا ہوں۔ آپ سے علمی اور مذہبی بحث نہیں کر سکتا۔ درس گاہ حضرت دوتھی میں یہ درس دیا گیا ہے کہ اگر تم عالم نہیں ہو تو بحث نہ کرو۔ کلام پاک کی صرف ایک آیت دہراؤ کہ تمہارا دین تمہارے ساتھ اور تمہارا دین تمہارے ساتھ۔“

وہ چچا شلوم اور ایک بھائی کے ساتھ تجارت کے لئے اختبول جایا کرتا تھا۔ مال کی خرید و فروخت کے بعد بھائی اور چچا شلوم سرائے میں آرام کرتے تھے اور دوسرے گاہ میں حاضری دیتے جایا کرتا تھا۔ اس بار وہ اپنی آباؤ اجداد کی طرح تھا۔ اس نے چچا اور بھائی کو مضامی پیش کی۔ انہوں نے قبول کی بھر کھاتے ہوئے پوچھا ”کس خوشی میں ہے یہ مضامی؟ معلوم ہوتا ہے تاجر صلاح الدین سے کوئی بڑا سودا ہو گیا ہے۔“

”ہاں میں آخرت کا سودا کر کے آیا ہوں۔“

”یہ آخرت کا سودا کیا ہوتا ہے؟ اصل بات کو تم نے دام بڑھا کر دے اس لئے تمہیں مال کی بجائی بلخاریہ کے لئے مکی ہے۔ اگر تم مار نہ بڑھاتے تو وہ اب بھی مجھے مل جاتی۔“

”میں کہہ چکا ہوں میں نے دنیاوی نہیں آخرت کا سودا کیا ہے۔ مجھے اب بھی اور مال و دولت کا لالچ نہیں ہے۔ میں بیعت کو ترک کر کے اسلام قبول کر چکا ہوں۔“

”کیا بیکو اس کرتے ہو؟“ بھائی غصے سے کھڑا ہو گیا تھا۔

اگلے شلوم نے پوچھا ”جو دونا! تم کچھ کہہ رہے ہو؟“

وہ بولا ”جو دونا! تم کو علی میں بھی کتنے ہیں۔ آج سے میرا نام محمد بنی آندروف ہے۔“ ”بجی کے معنی ہیں ”جیتا ہے“ اور میں آج سے نئی زندگی کی رہا ہوں۔“

چچا شلوم نے غصے سے کہا ”تم خود غرض اور موقع سے بہرہ منے ایک مسلمان تاجر صلاح الدین سے لاکھوں ڈالروں کی بچھن حاصل کرنے کے لئے اسلام قبول کر کے اسے خوش کیا ہے۔“

”آپ کا یہ الزام غلط ہے میں جب سے آیا ہوں آپ تاجر صلاح الدین کا ذکر کر رہے ہیں۔ جب کہ میں نے اس کا مال اٹھانے سے انکار کر دیا ہے۔ اس سے بہتر نامن جرنالہ کا مال ہے۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے۔ میں نے بلخاریہ کے لئے نامن کے مال کی اب بھی ہے۔“

محمد بنی آندروف نے ثابت کر دیا کہ اس نے مال اور تجارتی منافع کے پیش نظر اسلام قبول نہیں کیا ہے۔ جو کیا ہے وہ دل اور داغ کی قبولیت سے کیا ہے۔ اس میں کسی کا جبر اور کسی طرح کا لالچ شامل نہیں ہے۔

بلخاریہ کے ساحلی شہر دونا میں یہودیوں کی اکثریت تھی۔ وہاں سب نے بجی سے متاثر ہو کر پھر لیا۔ خاندان کے افراد نے اس سے تعلقات ختم کر دیے۔ بجی اپنی بیٹی فرمونا کو لے کر مسلمانوں کے محلے میں آ گیا۔ شریک مختلف بازاروں میں یہودی تاجروں نے عید کا کہ بجی کا مال نہ کوئی خریدے گا اور نہ اپنا مال کوئی اسے فروخت کرے گا۔

لیکن بجی نے پورے بلخاریہ کے لئے اب بھی حاصل کی تھی۔ مال کی کوئی قیمت ہمہ تھی اس لئے خریداروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ یہ ساری دنیا جانتی ہے کہ یہودی سب سے پہلے اپنے

منافع کو اہمیت دیتے ہیں۔ بجی کا پیش کردہ مال نہایت منافع بخش تھا۔ وہ پہلے چوری چھپے پھر علانیہ مال خرید کر فروخت کرنے اور منافع کمانے لگے۔ انہوں نے اپنے پیشوا بلی المناوت سے کہا ”بجی۔ ساجی اور تجارتی بانکات کرنے سے تمام یہودی تاجر نقصان اٹھاتے رہیں گے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ بجی کو ذلت نصیب ہو تو اس سے اس کی اب بھی چھین لی جائے۔“

ایک بت بڑے یہودی سرمایہ دار نے نامن جرنالہ سے کہا ”میں تمہارے مال کی زیادہ قیمت دوں گا۔ بجی سے اب بھی کے حقوق واپس لے کر مجھے دے دو۔“

نامن نے کہا ”میں اس میرے مال کی قیمت زیادہ دوں گے اور وہاں بازار میں اسی مال کی قیمت بڑھاؤ گے۔ خریداروں پر بوجھ ڈالو گے تو میرے مال کی سیلائی اور کھیت میں کمی ہوگی۔ پھر یہ کہ کاروباری معاملات میں مجھے بجی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔“

اس نے پوچھا ”کیسی کیا صورت ہو سکتی ہے کہ یہ اب بھی ہمیں مل جائے؟“

”ایک سی صورت ہے کہ بجی ہمارا مال اٹھانے سے انکار کر دے۔“

وہاں سے ناکامی ہوئی۔ مخالفین نے سر جو ذکر سوچا۔ بجی اس قدر منافع بخش مال اٹھانے سے انکار نہیں کرے گا۔ ہاں اگر اسے موت آجائے تو وہ اب بھی ان کے ہاتھ آجائے گی۔

ایک ہفتے کے اندر ہی بجی کو کسی نے قتل کر دیا۔ فرمونے نے دوست اور بچپن کرتے ہوئے کہا ”میرے بابا کو کاروباری عداوت کے نتیجے میں قتل کیا گیا ہے۔ میں قاتل کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ اسے قتل کروں گی یا قاتل کو اس کی۔“

باب کی تدفین کے بعد اگلے شلوم نے آکر کہا ”بجی فرمونا! تمہارے باب کی زندگی میں ہمیں اس سے شکایت تھی۔ اب نہیں رہی۔ وہ مسلمان تھا۔ محرم ہمارے خون کے رشتے سے ”قوم کے رشتے سے یہودی ہوئے۔“ رے ساتھ چلو۔“

”آپ کو یہ سن کر خوشی نہیں ہوگی کہ مسلمان باب کی اولاد از خود مسلمان ہو جاتی ہے۔ میرے پاپائے مجھے کلمہ توحید پڑھایا تھا۔ پڑھانے والا حرم کا۔ کلمہ زندہ ہے اور جو تاقیامت زندہ رہنے والا ہے اسے آپ میرے ہاں نہیں مار سکیں گے۔“

”تمہاری مرضی ہے۔ میں تو یہ سوچ کر ساتھ لے جا رہا تھا کہ تمہارے باب کے قاتل کو تلاش کروں گا۔“

”میں نہیں جاری ہوں تو کیا آپ اسے تلاش نہیں کریں گے؟“

”کس رشتے سے تلاش کروں۔ اس مسلمان سے کوئی رشتہ نہیں تھا۔ تم بھی یہودیت سے انکار کر رہی ہو۔“

”کیا آپ انسانیت کے رشتے سے قاتل کو سزا نہیں دلا سکتے؟“

”تم سزا دلانے کی بات کر رہی ہو“ میں تو اسے انعام دوں گا۔

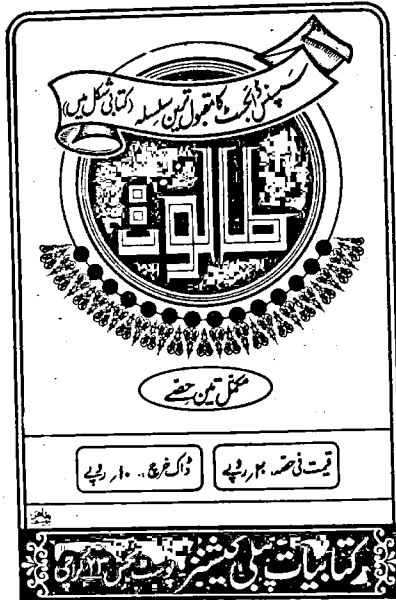
اس نے ایک مسلمان کو قتل کر کے ہماری قوم پر احسان کیا ہے۔“ وہ جانے لگا۔ فرمونے نے کہا ”میرے باپ کے قاتل کو انعام دینے والے آج سے میں تمہیں قاتل کا شریک سمجھوں گی۔ کبھی یہ ثابت ہو جائے کہ تم قاتل کی سازش میں شریک تھے تو تمہاری موت میرے ہی ہاتھوں سے ہوگی۔“

وہ چلا گیا۔ فرمونے نے پولیس افسر کی رہائش گاہ میں آکر اس سے ملاقات کی۔ وہ چالیس برس کا نوجوان تھا۔ شادی کی ضرورت نہیں سمجھتا تھا۔ ضرورت ہوتی تو کسی نہ کسی کی مجبور یوں سے بھگن لیا کرتا تھا۔ اب وہ فرمونا کو قاتل کی گرفتاری کا بھانسانے کر اس کے ساتھ راتیں گزارنا چاہتا تھا۔

فرمونے نے پوچھا ”تم نے مجھے اپنے بچکے میں آنے کو کہا تو میں نے سوچا، تمہیں قاتل کا سراغ مل چکا ہے۔ میں بڑی آس لے کر آئی ہوں۔“

وہ ہاتھ تمام کر بولا ”میں نے بھی بڑی آس لے کر تمہیں یہاں بلایا ہے۔ آئی دونوں ہاتھوں سے جیتی ہے۔ تم میرے بیٹے کے لگ کر کھینے کو ٹھنڈے پینچائی رہو میں تمہارے باپ کے قاتل کو جلد از جلد تلاش کر کے عدالت میں پہنچا دوں گا۔“

وہ ہاتھ چمڑا کر بولی ”تمہارے درمیان فاصلہ رہنا چاہئے اور مجھے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ فاصلہ رہے گا اور میں تمہارے ہاتھ



نہیں آؤں گی تو کیا قاتل بھی تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا؟
 ”ہر انسان کی اپنی اپنی ضرورت ہے۔ تمہیں قاتل کی ضرورت ہے اور مجھے تمہاری۔“
 ”اور فرض کی ادائیگی کی چیز نہیں ہے؟“
 ”ہم ایک دوسرے سے راضی رہے تو قانونی فرائض بھی ادا ہوتے رہیں گے۔“

”اگر میں راضی نہ ہوئی اور وہ قاتل تمہاری نظروں میں آجائے تو کیا کرو گے؟“
 ”میں قاتل کو صرف نظروں میں رکھوں گا۔ یوں سمجھو کہ وہ میری نظروں میں آچکا ہے۔ تم مان جاؤ گی تو اسے پھٹکی پستانوں گا۔“

”کیا واقعی وہ تمہاری نظروں میں آچکا ہے؟“
 ”میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ قاتل میری نگاہ میں ہے۔“
 ”تم قسم کھا رہے ہو تو میں راضی ہو جاؤں گی لیکن میرے مذہب میں گناہ کی اجازت نہیں ہے۔ اگر تم اسے عدالت سے سزا دلاؤ گے تو میں تم سے شادی کر دوں گی۔ اس سے پہلے تم مجھے ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔“

وہ جینے ہوئے بولا ”پولیس والے... رشوت پہلے لیتے ہیں کیونکہ کام نکل جانے کے بعد کوئی پلٹ کر نہیں پوچھتا۔“
 ”میں آج ہی بلکہ ابھی شادی کر دوں گی۔ اس طرح تمہیں یقین ہو جاتا ہے کہ قانونی اور مذہبی طور سے تمہاری ہو چکی ہوں۔ تمہیں دھوکا نہیں دوں گی لیکن قاتل کو سزا دینے کے بعد تمہاری خواب گاہ میں آؤں گی۔“

”نہیں میری جان! جب شادی تب ساگ رات۔“
 ”اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو اور خود کو بہت عقل مند اور تجربہ کار پولیس افسر مانتے ہو۔ میں سمجھ گئی ہوں۔ قاتل تمہاری نگاہ میں نہیں ہے۔“

افسر نے مسکراتے ہوئے ریسور اٹھایا۔ فبرڈائل کے پھر رابطہ قائم ہونے پر کہا ”ہیلو! میں بول رہا ہوں۔“
 پھر دوسری طرف سے گفتگو سن کر بولا ”تم نے مجھے قتل کیا تھا۔ اس کی جیٹی میرے سامنے ہے۔“

یہ کہتے ہی افسر نے ریسور کو فرموتا کے کان سے لگا دیا۔ دوسری طرف سے کوئی کہہ رہا تھا ”مکالم کرتے ہو آفسر! فرموتا کے سامنے مجھے اس کے باپ کا قاتل کہہ رہے ہو۔ کیا تمہیں جو بچپن بزار داروں دے گئے ہیں وہ کم ہیں؟ فرموتا کو اپنے پاس بلا کر کیا پکڑ چلا رہے ہو؟“

وہ غور سے بولنے والے کی آواز سن رہی تھی اور یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی ”وہ آواز کہاں سے ہے؟ اسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ دوسرے سہیلی“ اسے یاد آجائے گا۔ افسر نے ریسور اس کے کان سے ہٹا کر اپنے کان سے لگا لے

ہوئے کہا ”ہاں! کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے سنا نہیں، دھیان دوسری طرف تھا۔ ہاں۔ اچھا اچھا۔ چلو ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔ مجھے کینہ کہہ لو۔ یہ تم سب جانتے ہو کہ فرموتا کتنی حسین اور پرکشش ہے اس کے لئے کوئی بھی کینہ بن سکتا ہے۔ ویسے اپنے سوا یہ دارباپ اور بھائی سے کوئی مجھے اور بچپن بزار داروں اور ادا کریں۔ میں فرموتا کو ٹال دوں گا۔“

اس نے دو چار باتیں کرنے کے بعد ریسور رکھ دیا پھر کہا ”تم مجھے جھوٹا سمجھ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ قاتل میری نگاہ میں نہیں ہے۔ میں نے فون پر اس کی آواز سنا دی۔ ثبوت پیش کر دیا۔ اب بولو منظور ہے؟“

”میں تمہارے مقابلے میں بہت کم عمر اور تجربہ کار ہوں لیکن اتنا سمجھتی ہوں کہ تم تمہاری کے بیٹن ہو۔ اور سہ سے مزید بچپن بزار داروں میں گئے تو مجھے آسانی سے ٹال دو گے۔ یہ بات ابھی تمہاری زبان سے نکل چکی ہے۔“

وہ واپس جانے لگی۔ افسر نے پوچھا ”جاری ہو؟ باپ کے قاتل سے انتقام نہیں لو گی؟“

”اسے تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گی اور اس کا ساتھ دینے والے بھی عبرت ناک انجام کو پہنچیں گے۔ آج سے تم بھی میرے پایا کے تانوں کی فرست میں ہو۔ میں یہ معاملہ تمہارے اعلیٰ افسران کے پاس لے جاؤں گی۔“

افسر قہقہے لگاتے لگاتے دھڑکے آکر سوچنے لگی۔ فون پر بولنے والا ابھی تھا مگر وہ ابھی یادداشت کی حالت تھی۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ ایک ہی بار سہیلی کسی تقریب میں یا پبلک ٹیلیس میں وہ آواز ضروری تھی ہے۔

وہ بڑی دیر تک سوچتی رہی۔ رات کو سوئے وقت اچانک اسے پولیس افسر کی فون والی آخری گفتگو یاد آئی ”اس نے کہا تھا“ اپنے سوا یہ دارباپ اور بھائی سے کوئی مجھے اور بچپن بزار داروں اور ادا کریں۔“

اس آخری فقرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ قاتل کا باپ سوا یہ دار ہے اور اس قاتل کا ایک بھائی ہے یعنی ایک سوا یہ دار کے دو بیٹے ہیں ان میں سے ایک نے اس کے باپ کو قتل کیا ہے۔

اس حد تک انکشاف ہونے کے بعد یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ وہ سوا یہ دار کون ہے جس کے دو بیٹے ہیں اور جنہیں بچپن کے قتل سے فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ اس کے شہر دو تائیں اور پورے بلخاریہ میں بے شمار سوا یہ دار تھے۔ وہ سب کو نظر انداز کر کے صرف یہودی سوا یہ داروں کو بھانپنا چاہتی تھی۔ اس نے پہلے اپنے شہر کے یہودیوں کو یادداشت میں نامہ کرنا شروع کیا۔ ایسے یہودیوں کو جو بڑے سوا یہ دار تھے، جن کے دو بیٹے تھے اور جو اس کے باپ کے قتل سے کوئی فائدہ اٹھا رہے تھے۔

ایسی معلومات حاصل کرنے میں پانچ نہیں کتنے دن اور مینے لگ

جاتے۔ وہ دوسرے دن انسپکٹر جنرل کے دفتر میں آئی۔ انسپکٹر جنرل نے اسے اندر بلایا۔ فرموتا نے اپنا تعارف کرایا پھر کہا ”آپ کا ایک پولیس افسر قاتل سے رشوت لے چکا ہے اور مزید بچپن بزار دار حاصل کرنے والا ہے۔ وہ قاتل کو کبھی گرفتار نہیں کرے گا۔“

”میں فرموتا! بہتر ہے کسی ثبوت کے بغیر ایک افسر کو الزام نہ دو۔“
 وہ بولی ”سرا میری ایک ہوئی ہے۔ میں اکثر گفتگو کرنے والوں کی آواز دیکھتا رہتا ہوں۔ پھر غنائی میں ان کی آوازیں اور باتیں سن کر ان کے کردار کا نفسیاتی تجزیہ کرتی ہوں۔ کیوں کہ میں علم نفسیات کی طالبہ ہوں۔“

”کیا تم نے پولیس افسر کی باتیں دیکھ رکھی ہیں؟“
 ”جی ہاں۔ میں اس پرس میں نئی دیکھ رہی ہوں۔ پھر اسے کسی کو شبہ نہیں ہو تا اور میں مظاہرہ گفتگو دیکھ کر کہتی ہوں۔“

اس نے پرس میں سے ایک دیکھ کر نکال کر اسے آن کیا پھر اعلیٰ افسر کے سامنے رکھ دیا۔ اس میں سے پہلے اس کے یہودی انگل شلوم کی گفتگو سنائی دی۔ وہ یہ کہہ کر گیا تھا کہ بچپن کے قاتل کو انعام دے گا کیوں کہ اس نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے۔ پھر پولیس افسر کی شروع سے آخر تک کی گفتگو سنائی دی۔ انسپکٹر جنرل نے دیکھ کر اسے آف کرنے کے بعد کہا ”تم نے یہ طریقہ اختیار کر کے قانون کے ہاتھ مضبوط کیے ہیں۔ قاتل کی نشان دہی بھی کی ہے۔ وہ پولیس افسر بھی سزا سے نہیں بچے گا۔ تم نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے کہ میں غرے تمہیں جی کتنا چاہتا ہوں۔“

فرموتا کی آنکھیں جھپک گئیں۔ وہ بولی ”یہ میرے لئے فخری بات ہے بلکہ خوش قسمتی ہے کہ باپ کے بعد مجھے باپ کی کی محسوس نہیں ہوئی۔“

ان باتوں کے دوران انسپکٹر جنرل نے ایک مہینہ دبا کر کیٹ کو روائٹ کیا تھا اور پوچھا تھا ”کیا تم نے اس کیٹ کی دوسری کاپی رکھی ہے؟“

”نہیں“ مجھے اس کا موقع نہیں ملا۔ میں پولیس افسر کی گفتگو دیکھ کر کہتی ہی آپ کے پاس اسے لے آئی۔“

”اچھا تم کسی سوا یہ دار کے متعلق کچھ کہہ رہی تھیں؟“
 وہ بتانے لگی ”پولیس افسر کی فون والی گفتگو سے پتا چلا کہ قاتل کا باپ سوا یہ دار اور اس قاتل کا ایک بھائی ہے۔“

وہ جو کچھ یہودی سوا یہ داروں کے متعلق سوچ رہی تھی وہ سب تفصیل سے بتاتی چلی گئی۔ اعلیٰ افسر نے کہا ”تم نے باپ کے قتل ہوتے ہی بہت قریب کھائے ہیں۔ کسی نے تمہارا ساتھ نہیں دیا لیکن میں صرف قانون کا محافظ نہیں۔ باپ بن کر بھی عدالت تک تمہارا ساتھ دوں گا۔“

”آپ کی محبت بھری سرپرستی سے مجھے نئی زندگی مل گئی ہے۔“
 وہ دیکھ کر اسے آف کرتے ہوئے بولا ”لیکن جی! مجھے باپ کتنی

ہو تو باپ کے پولیس ڈیپارٹمنٹ کو عدالت میں بدنام کرنے کی کوشش نہ کرو۔“

”پولیس ڈیپارٹمنٹ کیسے بدنام ہو گا؟“
 ”میرا بحث پولیس افسر گرفتار ہو گا تو وہ بیان دے گا کہ اس نے رشوت کے بچپن بزار داروں میں سے صرف پانچ بزار داروں کے تھکائی میں بزار گئے دئے تھے۔“

وہ حیرانی سے بولی ”آپ کو؟ یعنی آپ بھی.....؟“
 ”ہاں! میں بھی۔“
 وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اعلیٰ افسر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آتے ہوئے بولا ”میرا بحث بہت بڑا کینہ ہے۔ تمہیں خواب گاہ میں لے جا کر راشٹا بنانا چاہتا تھا۔ مجھ میں شرافت اور اعلیٰ خلقی ہے۔ میں نے تمہیں جی بنایا ہے۔“

پھر وہ فرموتا سے پرس جھین کر بولا ”ہو سکتا ہے تم نے دوسرا دیکھ کر دھوکا کھا کر رکھا ہو۔ ہم دودھ کے بٹلے ہیں۔ چھاپہ چھوٹک چھوٹ کر پڑے ہیں۔“

اس نے پرس کھول کر تلاشی لی پھر مطمئن ہو کر اس کا منی دیکھ کر دے دئے ہوئے کہا ”میں نے تمہاری گفتگو کے دوران اس کا دیکھ کر شک نہیں دبا کہ اپنے ماتحت افسر کی تمام باتیں مٹا دی ہیں۔ اسے گھر جا کر سنو۔ اس میں سے صرف وہی باتیں سنائی دیں گی جو تم یہاں کر رہی ہو۔ اب جاؤ۔“

اس نے غصے سے اعلیٰ افسر کو دیکھا پھر تیزی سے چلتی ہوئی دفتر سے باہر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد اعلیٰ افسر نے ریسور اٹھا کر ماتحت سے رابطہ کیا پھر کہا ”مگر اسے کچھ اتنم کی دن میری گردن پھنساؤ گے۔“

”سرا! مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟“
 ”غلطی کے بچے! جب فرموتا تمہارے پاس آئی تھی تو اس کے پرس میں ایک نئی دیکھ کر تھا۔ وہ تمہاری تمام گفتگو دیکھ کر چکی تھی۔ تمہارے اور قاتل کے خلاف خامے ثبوت لے کر آئی تھی۔“

”وہ گاڑا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس قدر چالاک ہو گی۔ پھر آپ نے کیا کیا سر؟“
 ”میں نے اس کیٹ سے تمہاری گفتگو مٹا دی ہے اور اس کے پاس اس کیٹ کی دوسری کاپی نہیں ہے۔ وہ بری طرح مایوس ہو کر گئی ہے۔“

”سرا! آپ نے کمال کر دیا۔ میں اپنی غفلت کی معافی چاہتا ہوں۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں ہو گی۔“
 انسپکٹر جنرل پولیس نے ریسور رکھ دیا۔ اس رات جب وہ گہری نیند سو رہا تھا تب فون کی مسلسل گھنٹی کی آواز نے اسے جگا دیا۔ اس نے ناگوار سے ریسور اٹھا کر کہا ”ہیلو کون ہے؟“

دوسری طرف سے آواز آئی ”میں فرموتا بول رہی ہوں۔“

وہ غصے سے بولا "یہ کوئی فون کرنے کا وقت ہے؟"
 "شامت وقت ہے وقت آجاتی ہے تم نے مجھے بیٹا کر
 بہت بڑی غلطی کی ہے"
 "تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"
 "ہمیں کہ تم نے میرا پس چیک کیا لیکن بیٹا کا لباس چیک نہیں
 کر سکتے تھے اگر صرف پولیس افسر رہتے تو تلاشی کے نتیجے میں
 میرے پاس سے ایک اور ریکارڈر برآمد ہوتا جس میں تمہاری یہ
 گفتگو ریکارڈ ہے سنو۔"
 چند لمحوں کے بعد اسے اپنی ہی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔
 "میرا بخت پولیس افسر گرفتار ہو گا تو وہ بیان دے گا کہ اس نے
 رشتہ کے بچوں ہزار ڈالر میں سے صرف پانچ ہزار ڈالر لئے ہیں
 باقی میں ہزار بچے دے دیں۔"
 انسپکٹر جنرل نے اور جتنی باتیں فرمونہ سے کی تھیں وہ سب
 فون کی دوسری طرف سے سنائی دے رہی تھیں۔ پھر وہ بولی "آئیفر
 میں نے تم سے باتوں کے دوران دیکھ لیا تھا کہ تم ریکارڈنگ مشین
 کر اپنے بخت کی گفتگو منارہے ہو۔ میں دیکھ کر بھی انجان بنی
 رہی۔ تم سے جھوٹ کہا تھا کہ اس کیسٹ کی دوسری کاپیاں نہیں
 ہیں۔ یہ سوتلو۔"
 تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے اپنے بخت افسر کی وہ تمام
 باتیں سنائی دینے لگیں۔ جنہیں وہ اپنی رازت میں مان چکا تھا۔ وہ
 غصے سے دھاڑتے ہوئے بولا "بہت چالاک فنی ہو۔ صبح ہونے سے
 پہلے تمام کیسٹوں کے ساتھ فٹا ہوا جاتا۔"
 "آئیفر! فٹا کرنے والے مجھے کہاں تلاش کریں گے؟"
 "اچھا تو تم روپوش ہو گئی ہو؟"
 "ہاں میں نے تمام کیسٹوں کی کاپیاں پیرسٹرجمید الاسلام اور
 جنس شیل میں کے پاس پہنچا دی ہیں۔ کل صبح تمہاری اور بخت
 افسر کی گرفتاری عمل میں آئے گی۔ اب اٹھو اور پچاؤ کی گھر میں
 اپنی حیرت خیز کر۔"
 فرمونہ نے ریسیور رکھ دیا۔ اٹلی افسر نے فوراً ہی دوسرا نمبر
 ڈائل کر کے پوچھا "کیا فون نیپ ہو رہا تھا؟"
 "نہیں سرا۔"
 "مجھے نوٹ کراؤ وہ کہاں سے فون کر رہی تھی۔"
 اس نے کانڈ قلم کے فرمونہ کا موجودہ پتہ اور فون نمبر
 کیا پھر اپنے بخت سے رابطہ کر کے اسے تمام حالات بتائے۔ اس
 کے بعد کہا "پیرسٹرجمید الاسلام اپنا خاص آدمی ہے۔ میں اس سے
 نہٹ لوں گا۔ تم جنس شیل میں کی تحویل سے وہ تمام کیسٹ نکال
 لاؤ پھر فرمونہ کی رہائش گاہ میں گھر کر تلاشی لو۔ تمام کیسٹوں کو
 اپنے قبضے میں لو۔ اس کے بعد ہم اس پناہ گاہ میں جائیں گے جہاں
 وہ چھپی ہوئی ہماری گرفتاری کا انتظار کر رہی ہے۔"
 فرمونہ کو یقین تھا کہ دشمن اسے تلاش نہیں کر سکیں گے۔

اس کے ایک مسلمان بڑے نے کہا تھا "بیٹا! تم میری بیٹی کے گھر
 چل جاؤ۔ کل جب دشمن گرفتار ہو جائیں تو واپس چل آنا۔"
 اس کی بیٹی گھر کے مغربی حصے میں رہتی تھی۔ انسپکٹر جنرل اور
 اس کے بخت کا دھیان دوسرے جانا اگر وہ ہر گھر کی تلاشی لیتے تو
 صبح ہو جاتی اور صبح اور پولیس والوں کی شامت آنے والی تھی۔
 وہ بڑی بے فکر سی ہو رہی تھی۔ رات کے دو بجے اس نے
 خواب میں ایک قد آور شخص کو دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا "کیا بے
 فکری نقصان پہنچاتی ہے۔ دشمن تمہیں قتل کرنے آئے ہیں۔"
 فرمونہ نے پوچھا "دشمن کو میرا پتا کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟"
 "تم نے انسپکٹر جنرل سے فون پر گفتگو کی تھی۔ تمہارا فون
 ڈیٹیکٹ کیا گیا تھا۔ فون نمبر کا سراغ ملنے ہی اس پناہ گاہ کا بھی پتا
 چل گیا۔"
 "تم کون ہو؟ اور تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟"
 "میں تمہارا دوست ہوں۔ تمہاری ایک تصویر دیکھ کر تم پر
 ہزار جان سے عاشق ہو گیا ہوں۔"
 "تم نے میری تصویر پہلے دیکھی ہے۔ میں ایک مکان کے پاس سے گزر
 رہا تھا وہاں میں نے دو آدمی دیکھے، وہ بڑی رازداری سے چوڑی کی
 طرح مکان میں داخل ہو رہے تھے۔ میں بھی ان کے پیچھے داخل
 ہوا۔ ایک خواب گاہ میں تمہاری بہت ہی خوب صورت سی تصویر
 دیوار پر لگی ہوئی تھی۔ میں دیکھتے ہی تمہارا دوا بند ہو گیا۔"
 "مفضل باتیں نہ کرو۔ ان کے متعلق بتاؤ جو مکان میں داخل
 ہوئے تھے۔"
 وہ بولا "میں نے ان دونوں کی پٹائی کی۔ پھر ان کے خیالات
 پڑے تو پتا چلا کہ ان میں سے ایک پولیس افسر ہے اور دوسرا ایک
 فٹنڈ ہے۔ وہ تمہارے گھر سے تمام آڈیو کیسٹ اٹھا کر لے جاتا
 چاہتے تھے۔ پھر میں نے ان کے خیالات پڑھ کر۔"
 وہ بات کاٹ کر بولی "یہ خیالات پڑھنے کا مطلب کیا ہوا؟"
 "مطلب یہ ہوا کہ میں خیال خوانی کرتا ہوں۔ ٹیلی پتھی جانا
 ہوں۔ میں نے معلوم کیا وہ پولیس افسر تمہاری عزت سے کھلتا
 چاہتا تھا۔ تمہارے باپ کے قاتل کو چھپا رہا تھا۔ تم نے اس کے
 خلاف کیسٹ ریکارڈ کیا تھا۔ کیسٹ کی ایک کاپی جنس شیل میں کو
 دی تھی۔ اس افسر نے شیل میں کے گھر میں گھر کر اسے قتل کر دیا
 ہے وہاں سے کیسٹ لے آیا ہے۔"
 فرمونہ نے بڑے دکھ سے پوچھا "کیا جنس شیل میں قتل کر دیا
 گیا ہے؟"
 "ہاں اور تم پیرسٹرجمید الاسلام سے دھوکا کھا گئیں۔ وہ انسپکٹر
 جنرل کا دوست ہے۔ اس نے تمہارے دے ہوئے کیسٹوں کو انسپکٹر
 جنرل کے حوالے کر دیا ہے۔ اب وہ اپنے بخت افسر کے ساتھ
 تمہاری طرف آ رہا ہے۔"

"جیسی! تم نے مجھے الجھا دیا ہے۔ کیا واقعی ٹیلی پتھی جانتے
 ہو۔"
 "اس بات کا یقین بعد میں بھی کر سکتی ہو۔ پہلے آنکھیں
 کھولو۔"
 اس نے آنکھیں کھول دیں۔ بڑے دم میں دھیمی دھیمی سی ہیر
 دھنسی تھی۔ اس نے سوچا "وہ میں تو خواب دیکھ رہی تھی۔"
 اسے اپنے دماغ میں وہی اجنبی آواز سنائی دی "ہاں تم مجھے
 خواب کے دھندلے میں دیکھ رہی تھیں۔ اب دماغ میں میری باتیں
 سن رہی ہو۔"
 وہ فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کہنے لگی "یہ کیا جارجا ہے! خواب
 میں بھی وہی آواز بیداری میں بھی اسے سن رہی ہوں۔"
 "میں ٹیلی پتھی کے ذریعے تمہارے اندر موجود ہوں۔"
 اسی وقت دستک سنائی دی۔ اجنبی نے کہا "تو دشمن جاں آگئے۔"
 انھوں نے رازہ کھولی۔
 "کیا کچھ کہہ رہے ہو؟"
 "اجنبی تم ان کی صورتیں دیکھو گی۔"
 "نہیں میں ان کے سامنے نہیں جاؤں گی۔"
 "گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ شاید تمہاری میزبان
 سیلی کا شرہ روزانہ کھول رہا ہے۔ میں ابھی آتا ہوں۔"
 مکان کا دروازہ کھلتے ہی انسپکٹر جنرل اپنے بخت کے ساتھ بے
 چارے میزبان کو دھوکا دیتے ہوئے اندر آیا۔ پھر گرج کر بولا "تم نے
 فرمونہ کو کہاں چھپا رکھا ہے؟ اسے باہر نکالو۔"
 بخت افسر نے کہا "یاد رکھو۔ پچھلے دروازے پر بھی ہمارا
 ایک مسلح آدمی موجود ہے۔ فرمونہ دوسرے بھاگنا چاہے گی تو اسے
 گولی مار دی جائے گی۔"
 پھر اس نے میزبان کو روپالور کے نشانے پر رکھتے ہوئے کہا۔
 "فرمونہ کو پرلاؤ۔ ورنہ تمہیں ختم کر دیں گے۔"
 وہ سامنے آکر بولی "میرے میزبان کو چھوڑ دو۔"
 انسپکٹر جنرل نے اسے دیکھ کر کہا "تم نے بڑی تیزی دکھائی
 تھی۔ ہمیں جیل بھیجے میں کوئی کسٹرنس جھوڑی تھی۔ مگر ہم پولیس
 والے ہیں۔ خطرناک مجرموں کی کھال اتار کر ان کے جوئے بنا کر
 پتے ہیں۔ اور تم ہم سے چالاک دکھائی دے رہی۔"
 بخت افسر نے کہا "اب چالاکیاں رکھاؤ اور میاں سے بچ کر
 باؤں۔ اس گھر سے تو تمہاری لاش ہی باہر جائے گی۔"
 ایک منٹ بعد۔ دروازے پر ہانک کر کہا "میاں سے فرمونہ کی
 نہیں تم۔ ذرا کی۔"
 انسپکٹر جنرل نے ڈانٹ کر کہا "جسپ پچھلے دروازے پر رہنے
 کا حکم دیا تھا۔ میاں کیوں آئے ہو؟"
 "میں خود نہیں آیا ہوں لایا گیا ہوں۔ میرے اندر ٹیلی پتھی
 جاننے والا موجود ہے۔"

"یہ کیا کہو اس ہے۔"
 فرمونہ نے ہنسنے ہوئے کہا "یہ ٹیلی پتھی جاننے والا میرے اندر
 بھی تھا۔ اب تمہارے آدمی کے اندر ہے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ
 وہ خیال خوانی کرنے والا میرا دوست اور مددگار ہے۔"
 "یہ تمہارا دوست نہیں ہمارا بخت ہے۔"
 مسلح بخت نے انسپکٹر جنرل کا نشانہ لیتے ہوئے کہا "میں صرف
 فرمونہ کا دوست ہوں اور اس کا ثبوت یہ ہے۔"
 اس نے قاز کیا۔ انسپکٹر جنرل چیخا اور اپنا زخمی بازو پکڑتے
 ہوئے پیچھے گیا۔ اس کے بخت افسر نے پوچھا "یہ تم نے کیا کیا۔"
 اس سے ظاہر ہوا ہے کہ کسی نے تمہارے دماغ پر قبضہ کیا ہے۔ تم
 ہمارے دل خلوں۔ مجھے ہو۔"
 اس نے مسلح شخص کو گولی مار دی۔ اس کی موت پر فرمونہ
 گھبرا گئی کہ اس کا دوست ٹیلی پتھی جاننے والا مر گیا ہے۔ وہ بولی
 "ظالمو! یہ تم نے کیا کیا؟ میرے ایک مضبوط سمارٹ کو ختم کر دیا۔"
 ایک صحت مند اور قد آور شخص نے کمرے میں داخل ہوتے
 ہوئے کہا "ان کے باپ بھی مجھے نہیں مار سکتے۔ میں زندہ ہوں۔"
 فرمونہ نے خواب میں اس کی دھندلی سی شکل دیکھی تھی اور
 اس کی آواز سنئی تھی۔ پھر اس کی باتیں سن کر خوش ہو گئی۔ اجنبی
 نے کہا "فرمونہ! تمہارا بھوکو۔ یہ روپالور پیسٹک دے گا۔"
 بخت افسر نے نشانے پر رکھ کر کہا "میں جس کوئی ماروں
 گا۔"
 لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے روپالور کو اجنبی کی طرف
 پھینک دیا۔ اجنبی نے اسے فرش سے اٹھا کر بخت افسر کی ٹانگ
 میں گولی مار دی۔ وہ چیخ مار کر لڑکھاتا ہوا گر پڑا۔ اجنبی نے کہا "میں
 تمہیں ابھی زندہ رکھوں گا اور تم فرمونہ کو اس کے باپ کے قاتل
 تک پہنچاؤ گے۔"
 وہ خوش ہو کر بولی "اے! اجنبی! تم نے میرا دل بیت لیا ہے، تم
 کسی مطالبے کی لالچ پاؤ ہو اس کے بغیر میرے باپ کے قاتل کو بے
 نقاب کر رہے ہو۔ میں تمہارے احسان کا بدلہ نہیں دے سکوں گی
 پھر بھی اپنی حیثیت کے مطابق دوں گی۔"
 اجنبی نے بخت افسر کو بولنے پر مجبور کیا۔ وہ بولنے لگا "اس
 یسودی سرمایہ دار کا نام میل بروکس ہے۔ وہ فرمونہ کے باپ کو
 کاروباری دنیا سے نکال دینا چاہتا تھا۔ اس نے استیصال کے نام سے
 جبرائیل کو زیادہ رقم دے کر مجھ کی اجنبی چھین لینے کی کوشش کی۔
 جب ناکام ہوا تو اس کے بڑے بیٹے وان بروکس نے مجھ کو قتل کر
 دیا۔ اب اس کی اجنبی بڑی آسانی سے میل بروکس اور اس کے
 دونوں بیٹوں کو لٹے والی ہے۔"
 فرمونہ نے غصے سے دانت چب کر پوچھا "تم اعتراف کرتے ہو
 کہ وان بروکس میرے باپ کا قاتل ہے اور تم انسپکٹر جنرل کے ساتھ
 مل کر قاتل کو پناہ دے رہے ہو؟"

”ہاں۔ میں اعتراف کرتا ہوں؟“ وہ آگے بڑھ کر اسے دونوں ہاتھوں سے مارنے لگی۔ اس کے اعلیٰ افسر کی بھی پٹائی کرنے لگی۔ جنہوں نے اس کے سر سے باپ کا سایہ چھین لیا تھا۔ اسے باپ کی محبت سے محروم کر دیا تھا۔ انہیں صرف ہاتھوں سے مارنے سے تسلی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ لڑائیوں سے بھی مار رہی تھی۔ گالیاں بھی دے رہی تھی۔ پھر انہیں سے رہو اور لے کر ان کے جسموں میں تمام گولیاں اتار دیا جانتی تھی لیکن انہیں نے کہا ”انہیں قتل کر کے عدالت کے چکر میں نہ دو۔ یہ حرام موت مرے گی لیکن اپنے تمام اگلے پچھلے جرائم کو قبول کرنے کے بعد خود موت کو گلے لگا نہیں گے۔“

پھر اس نے دونوں سے کہا ”چلو اٹھو اور اپنے اس آدمی کی لاش اٹھا کر یہاں سے کسی قریبی تھاں میں جا کر اپنے اپنے خلاف بیان لکھو اور جنس ٹیل میں سے قتل کا جرم بھی قبول کرو۔“ وہ کڑکڑا کر معافی مانگنے لگے۔ وہ بولا ”میں بکواس نہیں سنتا چاہتا۔ وقت ضائع نہ کرو۔ فوراً حکم کی تعمیل کرو۔“

وہ پھر کچھ کہتا چاہتے تھے، اس نے دونوں کے دماغوں میں زلزلے پیدا کئے تو وہ تکلیف کی شدت سے ترس پڑے گئے اور کہنے لگے ”ہم اپنے تمام جرائم کا اعتراف کریں گے ہم ابھی اس لاش کو لے جائیں گے ہمیں دماغی عذاب میں مبتلا نہ کرو۔“ وہ تکلیف کم ہونے کے بعد اٹھے اور اس لاش کو وہاں سے اٹھا کر لے گئے۔ فرمونا نے انہیں سے کہا ”تم میرے بہت کام آرہے ہو لیکن اہم کام رہ گیا ہے۔ میرے پاپا کے قاتل کو بھی اسی طرح تڑپاؤ۔ اسے اذیتیں پہنچاؤ۔ میں اس کے منہ پر تھوکتنا چاہتی ہوں۔“

”میں نے خیال خوانی کے ذریعے افسر کے دماغ سے معلوم کیا تھا کہ قاتل اپنے باپ اور بھائی کے ساتھ جو زکالونی میں رہتا ہے۔“ ”میں اس سرمایہ دار رسوئی میل بروکس کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ میرے ساتھ آؤ۔“

”اس کے گھر جانا ضروری نہیں ہے۔ فون پر بات کرو۔ میں تمہارے ذریعے اس کی آواز سنوں گا پھر اس کے دماغ میں پہنچ کر جہاں تم کوہی اسے لے آؤں گا۔“

اس نے میل بروکس سے رابطہ کیا۔ رات کے تین بج کر پچاس منٹ ہوئے تھے۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ ریسور نہیں اٹھا رہا تھا۔ فرمونا نے کہا ”کوئی اینڈ نہیں کر رہا ہے۔“

وہ بولا ”کبوت گہری نیند میں ہوگا۔ انتظار کرو۔“ ”تھوڑی دیر بعد کسی نے جھنجھلا کر کہا ”کون ہے؟ کیا اس وقت فون کرنا ضروری تھا۔“

انہیں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ فون پر بولی ”میں فرمونا ہوں۔“ ”کون فرمونا؟“

”یہ وہی جس کے بے گناہ باپ کو تم لوگوں نے قتل کیا ہے۔“ انہی نے فرمونا کے پاس آکر کہا ”یہ میل بروکس کا بیٹا ہون بروکس ہے۔“

ہون بروکس نے فون پر پوچھا ”تم نے اتنی رات کو فون کیوں کیا ہے؟ کیا تم کوئی نفسیاتی حربہ استعمال کر رہی ہو؟ کیا یہ سوچ رہی ہو کہ میں گہری نیند سے چونک کر اقبال جرم کر لوں گا۔ جب کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔“ وہ بولی ”تمہارے بھائی وان بروکس نے قتل کیا ہے اور تم سب قتل کی سازش میں شریک ہو۔“

”تم کیوں اس کر رہی ہو۔ ثبوت کے بغیر کوئی یقین نہیں کرسے گا۔“ اس نے ریسور رکھنا چاہا۔ انہی نے اسے رکھنے نہیں دیا۔ فرمونا نے پوچھا ”یہ کیوں ہے یا حقیقت؟“ ابھی جہیں معلوم ہو جائے گا۔ تمہاری کھوپڑی میں موت تھسی ہوئی ہے۔ ویسے یہ فون تمہارے باپ کا ہے اور بات تم کر رہے ہو۔ اسے بلاؤ۔“

وہ کہتا چاہتا تھا ”میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔ لیکن وہ اپنی مرضی سے نہ بول سکا اس نے کہا ”ڈیڈی سی پورٹ پر ہیں۔ جنازے مال اتر رہا ہے۔“ اس نے اپنے باپ کا موبائل فون نہرہٹایا۔ فرمونا نے اس سے رابطہ ختم کر کے اس کے باپ سے رابطہ کیا پھر کہا ”میل بروکس، سمندری جنازے مال اتر رہے ہو۔ سمندر کی کمرائی بھی نظر میں رکھو۔“ ابھی جہیں ڈوبتا ہے۔

”کون ہو تم؟ یہ کیا بکواس ہے۔“ انہی فرمونا کے ذریعے میل بروکس کے اندر پہنچ گیا وہ بولی۔ ”انپیکٹر جنرل اور اس کے ماتحت نے خود کو قانون کے حوالے کر دیا ہے۔ میرے باپ کے قتل میں جتنے لوگ شریک تھے ان میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا۔“

”چھپاؤ تم فرمونا ہو؟“ میل بروکس بحری جنازے ذرا دور بندرگاہ کے پلیٹ فارم پر کھڑا ہوا تھا۔ اس کے سامنے دور تک سمندر پھیلا ہوا تھا۔ بچے سے دوسرے بیٹے وان بروکس نے مخاطب کیا ”ڈیڈی باکس کا فون ہے؟“

وہ پلیٹ کر بولا ”وہ باگل کی بیٹی فرمونا ہے۔ کہتی ہے، مجھے سمندر میں ڈوبنا ہوگا۔“ انہی نے وان بروکس کی زبان سے کہا ”ڈیڈی اورو رت کہہ رہی ہے۔“ ”کیا کہہ رہے ہو؟ ہوش میں تو ہو؟“

”یہ ہوش کی بات ہے۔ میں نے فرمونا کے باپ کو قتل کیا ہے۔ اور تمہیں اس مقتول کا پرنس اور منافع مل رہا ہے۔“ ”آہستہ بولو۔ کیا یہ جگہ ایسی باتیں کرنے کے لئے ہے؟“

وہ پریشان ہو کر بولا "یہ باتیں بے اعتبار میری زبان سے ادا ہو رہی ہیں۔ اب میرا خیال چاہتا ہے میں تمہارا گریبان پکڑ کر تمہاری خوب چٹائی کروں۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو؟ کیا اپنے باپ کا گریبان پکڑو گے؟"

وہ یکبارگی گریبان پکڑ کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولا "تو کیسا باپ ہے؟ کیا باپ اپنے بیٹے کو قتل کرنا سکھاتا ہے؟"

"ارے میرا گریبان چھوڑ دو میں نے تم دونوں بھائیوں کا مستقبل بنانے اور زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کا ایک طریقہ بتایا تھا۔ بعض اوقات کسی کی لاش پر بیٹھ کر بھی منافع کیا جاتا ہے۔"

"تو پھر میں اس سبق پر ابھی عمل کروں گا۔ تمہاری لاش گرا کر تمام کاروبار کا منافع تمہارا حاصل کروں گا۔ اپنے بھائی کو بھی قتل کر دوں گا۔"

اس نے یہ کہتے ہی باپ کو اٹھا کر پانی میں پھینک دیا۔ انجینی نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑا تو اس نے بوکھلا کر باپ کو دیکھا۔ ڈوبنے والا ہاتھ پاؤں مارے ہوئے مدد کے لئے چیخ رہا تھا۔ بیٹا بھی چیخے ہوئے جہاز اور دفاتر کی طرف دوڑنے لگا "بچاؤ۔ میرے ڈیڑھی کو بچاؤ۔ وہ ڈوب رہے ہیں۔ ہم باپ بیٹوں کو تیرنا نہیں آتے۔ یہ وہ ڈوب جائیں گے انہیں بچاؤ۔"

جب وہ کچھ لوگوں کے ساتھ واپس آیا تو پلیٹ فارم کے کنارے موبائل فون ڈالا ہوا تھا۔ اس کے ریسور سے فرمونا کے قصبے سنائی دے رہے تھے اور ڈوبنے والا پورٹ کے کمرے پانی میں کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

دو غوط خوروں نے پانی میں چلا گنگ لگائی۔ وان بروکس نے قتبہ اٹکنے والے ریسور کو اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا "یو شٹ اپ" میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

مجھے قتل کرنے سے پہلے یہ تو دیکھو کہ مجھے میرے باپ کی لاش مل گئی تھی۔ تمہیں اپنے باپ کی لاش بھی نہیں ملے گی۔"

"یو شٹ اپ۔ تم کسی سے کالا جادو کر رہی ہو۔ تم نے میرے ہاتھوں سے میرے ڈیڑھی کو۔ ڈیڑھی کونسی؟"

وہ کہتے کہتے گر گیا۔ لوگ اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کی باتیں سن رہے تھے وہ دوسروں کے سامنے یہ نہیں کہنا چاہتا تھا کہ اس نے خود اپنے ہاتھوں سے باپ کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔

فرمونانے کہا "مرگ کیوں گئے؟" اعلان کرو کہ تم عادی قاتل بن چکے ہو۔"

وہ ریسور پر بیٹھ کر دوڑا ہوا اپنی کار میں آجیہا سے ڈرائیو کرتے ہوئے اپنے گھر کی طرف جانے لگا۔ ادھر فرمونا انجینی کے ساتھ آکر کار میں بیٹھ گیا۔ کار میں بیٹھ کر روانہ ہونے تک انجینی نے خیال خرابی نہیں کی۔ وان بروکس کا دماغ آزاد ہوتے ہی اس نے سوچا "یہ میں کہاں جا رہا ہوں۔"

اس نے گاڑی روک دی۔ وہ اسے واپس بندرگاہ کی طرف

مڑنا چاہتا تھا۔ اسے میں انجینی نے پھر اس کے اندر آکر اسے آگے بڑھا دیا۔ وہ چالیس منٹ کی ڈرائیو تک کے بعد اپنی رہائش گاہ کے احاطے میں آیا۔ رات کو دوسری ملازمہ رہا کرتے تھے۔ اس نے دونوں کو چھٹی دے دی۔ پھر تیزی سے چلا ہوا اندر آیا اور اپنے بھائی کے دروازے کو دونوں ہاتھوں سے پٹنے لگا۔

وہ سوئے والا ہڑوا کر اٹھ بیٹھا۔ انجینی تھوڑی دیر پہلے فرمونا نے فون کے ذریعے اسے جگایا تھا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا "یہ کون بد تمیز ہے۔"

وان بروکس نے کہا "دروازہ کھولو، ڈیڑھی سمندر میں ڈوب گئے ہیں۔"

"کیا؟" اس نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ وان بروکس نے اندر آتے ہی اس کے منہ پر گھونسا مارا۔ پھر کہا "باپ ڈوبا نہیں" میں نے اسے ڈوبا ہے۔"

وہ جھنجھوڑ کر بولا "یہ کیا حرکت ہے؟ ڈیڑھی کہاں ہیں؟"

"میں نے بڑھے کو قتل کر دیا ہے۔ فرمونا کے باپ کو قتل کرنے کے بعد میرے سر پر خون سوار ہو گیا تھا۔ میں نے انجینی ڈیڑھی کو ہلاک کیا اور اب تجھے قتل کرنے آیا ہوں۔"

اس نے حملہ کیا۔ بھائی نے روک لیا۔ پھر دونوں سولی جہاں چلے گئے۔ ایک مارنا چاہتا تھا تو دوسرا اپنی جان بچانا چاہتا۔ دونوں میں جم کر لڑائی ہو رہی تھی۔ پھر وہ تالی کی آواز سن کر رک گئے۔ فرمونا دروازے پر کھڑی تالی بجاری تھی اور کہہ رہی تھی "دو پاؤں ملے قتل کی لڑائی میں مزہ آتا ہے۔ جنگ جاری رکھو۔"

انجینی نے وان بروکس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس نے پریشان ہو کر اپنے بھائی سے کہا "ہوں! میرے بھائی! میں اپنے اختیار میں نہیں ہوں۔ یہ لڑکی کسی سے جادو کر رہی ہے۔ میں جس طرح لڑ رہا ہوں اسی طرح ڈیڑھی کو مارنے بیٹھے ہیں انہیں سمندر میں پھینک دیا تھا۔ میرے ہاتھوں تمہارا بھائی قتل ہو جائے گا۔ مجھ سے دور بھاگو۔ اپنی جان بچاؤ۔"

انجینی نے بون کی زبان سے کہا "کیسے بھاگوں! جس جادو کا ذکر تم کر رہے ہو وہ اب میری کھوپڑی میں ہے۔ اب تم مجھ سے بچو اور بھاگو۔"

بون نے وان کے منہ پر گھونسا مارا۔ وہ مار کھا کر غصے سے فرمونا کو مارنے کے لئے دوڑا۔ وہ گھبرا کر پیچ پڑی لیکن وہ مارنے سے پہلے رک گیا۔ پھر بولا "تکبراً نہیں تمہارا دوست اب میرے دماغ میں ہے۔"

پھر وہ پلٹ کر بھائی سے بولا "ہوں! اب وہ جادو میرے سر پہ کر رہا ہے۔ مجھے آسانی سے قتل کرنے دو۔ اس لئے کہ اب ہم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔ پتا نہیں تمہارے بعد میں کیسی موت مرنے والا ہوں۔"

فرمونا نے دونوں بھائیوں کے درمیان ایک ریوالور پھینکتے

ہوئے کہا "تم دونوں فیصلہ کرلو پہلے کے مرتا ہے۔ جو زندہ رہ جائے وہ ہار جاتا ہے۔"

وہ جانے لگی۔ وان نے جلدی سے ریوالور اٹھا کر فرمونا کا نشانہ لیا۔ لیکن سوچنے لگا کہ گولی کیسے مارے؟ ریوالور کیسے چلایا جاتا ہے؟ حالانکہ وہ جانتا تھا لیکن انجینی نے اس کی کھوپڑی کھمادی تھی۔

انجینی فرمونا کی کار میں بیٹھا ٹیلی فنی کے ذریعے مکان کے اندر یہ قہقہے کر رہا تھا۔ جب وہ مکان سے باہر آکر کار میں بیٹھ گیا تو ٹھانیں کی آواز اندر سے آئی۔ اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے انجینی نے کہا "ہوں مرچکا ہے اور تمہارے باپ کا قاتل وان زندہ رہ گیا ہے۔"

"میں خود اسے ہلا کر ہلاک کروں گی۔ اسے سڑک پر لے آؤ۔"

وان بروکس ریوالور پر بیٹھ کر دوڑا ہوا مکان کے باہر آیا۔ پھر سڑک پر پہنچا۔ فرمونا نے کار اشارت کی پھر تیزی سے ڈرائیو کرتی ہوئی قاتل کی طرف بڑھنے لگی۔ اسے سڑک کے درمیان سے بھاگ کر فٹ پاتھ پر جانا چاہئے تھا۔ اور وہ چیخ بھی رہا تھا کہ گاڑی روک لو نہیں تو میں مر جاؤں گا۔

یہ سمجھنے کے باوجود وہ ٹیلی فنی کے ذریعے اڑا کر ڈرا رہا۔ فرمونا نے رفتار بڑھا کر ایسی زبردست گھماری کی کہ وہ چھل کر فٹ پاتھ پر گیا۔ اسے سخت چوٹیں آئی تھیں، وہ تکلیف سے چلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "چھوڑو۔ مجھے معاف کر دو۔ آئندہ میں تمہارے باپ کو قتل نہیں کروں گا۔"

وہ باپ کو قتل کر چکا تھا۔ اب بھلا کون سے باپ کو قتل کرنا؟ وہ بدحواسی میں ایسا کہہ رہا تھا۔ انجینی پھر ٹیلی فنی کے ذریعے اسے کھینچا ہوا سڑک پر لے آیا۔ فرمونا نے پھر کار اشارت کی "گھیر بدلا، گاڑی آگے بڑھنے لگی۔ وہ سڑک پر پڑا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخ رہا تھا۔ "نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔"

کار تیز رفتاری سے اسے پکچھتی ہوئی گزر گئی۔ پھر آگے جا کر رک گئی۔ وہاں سے دوبارہ اپنے شکار کی طرف رخ پھیرنے لگی۔ وہ لمبے تر تیز ہوا تھا۔ اب اس میں چیخنے کی جگہ سکنت نہیں رہی تھی۔ صرف اس کے ہاتھ پاؤں لرز رہے تھے۔ وہ گاڑی تیزی سے دوڑتی ہوئی آئی پھر ٹھیک اس کے سامنے اچانک رک گئی۔ فرمونا کار کا دروازہ کھول کر آئی اور بولی "میں اپنے پیپا کے قاتل کو ایک ہی وقت میں موت نہیں دوں گی۔ تم آگے مر چکے ہو آئندہ بھی تمہیں اوحا ماتی رہوں گی۔ جب تم اچٹال سے مر چکے ہو تو میرے لئے یہ کہہ کر اس نے گاڑی کو کھمکایا۔ انجینی نے پوچھا "اب کیا ارادہ ہے؟"

"مجھ ہونے والی ہے۔ تم میرے گھر چلو اور اطمینان سے اپنے بارے میں بتاؤ۔"

وہ ڈرائیو کرتی ہوئی گھر کی طرف جانے لگی۔ وہ بولا "میرا اتنا تعارف کافی نہیں ہے کہ میں تمہارا کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی سب کچھ ہوں۔ کوئی تمہارے راستے سے ایک پتھر نہیں ہٹا سکتا تھا میں نے پناہ بنا دیا۔"

"بے شک، تم نے میری تمام مشکلیں آسان کر دی ہیں۔ اگر تم میرے جیون سماجی بن جاؤ اور میں تمہاری شریک حیات بن جاؤں تو بے فکر زندگی گزاروں گی لیکن تمام عمر ساتھ رہنے کے لئے ایک دوسرے کی سبزی معلوم کرنا لازمی ہے۔ تم تو خیالات پڑھ لیتے ہو۔ میں صرف پوچھ سکتی ہوں۔"

"پوچھ کر سوچا کھا سکتی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ میں اپنی اصلیت نہ بتاؤں۔ تم سے جو بات بول کر کوئی دوسرا شخص بن کر تمہارے حسن و شباب سے مکمل کریمیاں سے جا سکتا ہوں۔"

"تم سب کچھ ہو سکتے ہو، جھوٹے اور فریبی نہیں ہو سکتے۔ میری حفاظت کرنے والا میرے پیپا کے قاتلوں کو سزا دینے والا دھوکے باز نہیں ہو سکتا۔"

اس نے اپنی رہائش گاہ کے سامنے کار روک دی۔ وہ دونوں کار سے اتر کر مکان کے اندر آئے۔ اس نے کہا "فرمونا! مجھ سے جتنے فائدے اٹھا سکتی ہو اٹھا لیں مگر لیکن میرا نام اور میری حقیقت معلوم نہ کرو۔"

"یہ کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تم میرے سامنے اندھے میں رہو اور میں تمہیں دیکھتے ہوئے بھی تمہاری ہڈیاں کو ہونی تاری میں تمہاری صورت نہ دیکھ سکوں اور ایک انجینی کو اپنی زندگی کا مالک و مختار بناتی رہوں۔ کیا ایسی زندگی بھی کسی نے گزارا ہے؟"

وہ اس کے دونوں بازو پکڑ کر اپنے قریب کرتے ہوئے بولا۔ "میں مجبور ہوں۔ تمہیں اپنی اصلیت نہیں بتا سکوں گا۔"

"ایسی کیا مجبوری ہے؟"

"تمہیں کیسے بتاؤں؟ آؤ مجھ دنیا میری دشمن ہے۔ سرپاؤر کھلانے والے ممالک مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ میں اپنا اصلی چہرہ اصلی نام اور اپنی پناہ گاہ کسی کو نہیں بتاتا۔ اپنے سامنے پر بھی بھروسہ نہیں کرتا۔"

وہ اپنے بازوؤں کو اس کی گرفت سے الگ کرتے ہوئے بولی۔ "پلیز! ابھی مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔ پہلے ہم شادی کریں گے۔"

"میں کسی ایک جگہ نہیں ہو سکتا۔ کہیں گھر نہیں بنا سکتا تو پھر شادی کیسے کر سکتا ہوں؟ بیوی اور بچوں کو کس طرح دشمنوں سے پوشیدہ رکھوں گا۔ کہاں کہاں سے بچوں گا؟"

"تمہاری باتوں سے یوں لگتا ہے جیسے تم گناہ مکرنا چاہتے ہو۔ میری جو مدد کی ہے اس کی قیمت وصول کر کے جانا چاہتے ہو۔"

"گناہ اور ثواب کی بات نہ کرو۔ میری ذرا دانت داری یہ ہے کہ میں قیمت وصول کر کے تم سے منہ پھیر کر نہیں جاؤں گا۔ جہاں سے تمہیں ضرورت ہوئے گا۔ باوجود دنیا کے آخری سرے پر جا کر بھی تم سے

”میں بہت دور جا چکا ہوں۔ لیکن تمہارے اندر ہمیشہ رہوں گا۔“

”خدا کے لئے میرا بچھا چھوڑ دو۔“
 ”تم مجھے کیوں نہیں؟ میں تمہارا عاشق ہوں۔“
 ”عاشق ہو تو اپنی حقیقت بتاؤ کیا نام ہے تمہارا؟“

”میرا نام ساری نہیں تو اوسمی دنیا جاتی ہے۔ سوچتا ہوں تم بھی جان لوگی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیا تم ملی جیٹھی کے شہنشاہ کا نام جانتی ہو؟“

ہوں۔ پلیز اپنا نام بتاؤ۔“
 ”اچھی بات ہے سنو، میرا نام فراد علی تیور ہے۔“
 وہ کوئی زبردست مکار تھا۔ میرا نام اور میری شخصیت اقتدار

کر رہا تھا۔ میں نے بھی ٹپ ٹپسی کا شنفٹا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی کسی بھی لڑکی پر جبر کیا۔ اگر ایسے وقت میں فرمونے کے داغ میں ہوتا تو اس سے نفٹ لیتا لیکن یہ تمام باتیں مجھے بعد میں معلوم ہوئی تھیں۔

بہر حال فرمونے میرا نام سن کر بولی ”ایسا لگتا ہے یہ نام میں نے

مطلقی فراق دے گا ” حسین دوشیزا میں میرا نام ضرور سختی میں اور مجھے ضرور خوش کرتی ہیں۔ تم جو ہیں گھٹنے کے اندر یہ شہر چھوڑ دو گی اور پاکستان کے ایک شہر شاد علی جاؤ گی۔“

”میں نہ جانا چاہوں گی تو مجبور کرو گے؟“

”ہاں“ یہ میری مجبوری ہے۔ وہاں ایک ایسا ٹیلی ہتھی جانتے
والاد دشمن ہے، جسے تمہارے ذریعے کا بوسہ کروں گا۔“

”کون ہے وہ ٹیلی ہتھی جانتے والا؟ اس سے کیا دشمنی ہے؟“

میں اس کا دشمن تھا۔ وہ مجھے قتل کرنے کا سازش کر رہا تھا۔

چاہتا تھا لیکن اس نے فرمنا سے کہا ”وہ دشمن خیال خوانی کرنے والا ایک یہودی ہے۔ ان یہودیوں نے تمہارے باپ کے بعد تمہیں بھی ختم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ تمہارا فرض ہے کہ اس یہودی کے خلاف میری مدد کرو۔“

”میں کیسے مدد کر سکتی ہوں؟“
 ”تم پھاؤر پہنچو گی تو میں تمہیں جہیں تادوں گا۔“
 ”تم نے میری بہت مدد کی ہے۔ میں ضرور تمہارے کام آؤں
 گی لیکن میری ایک بات مان لو۔ ایک ہفتہ بعد مجھ سے شادی
 کرلو۔“

”فراہد کو جو کھانا ہوٹل میں مل جاتا ہے اسے وہ گھر میں پکا کر نہیں کھاتا۔ مجھ سے شادی کی بات نہ کرو۔ میں جا رہا ہوں۔ پھر آؤں گا۔“

وہ خلا میں تکتے تھے۔ میں اس کے دماغ میں آنے والے کو فریاد
 نوکوں گا۔ وہ کسخت ٹوا اس مجبور لڑکی کے ساتھ کوئی چکر چلا کر مجھے

الماری کی پچھلی دیوڑھ پر ایک کی ہول تھا۔ اس کی ہول میں چابی ڈال کر گھماتے ہی الماری کی پچھلی دیوڑھ حصوں میں دروازے کی طرح کھلتی تھی۔

دروازے کے پیچھے ایک کمرہ تھا۔ اس کمرے میں ایک بڑا سا
 ٹرائسٹر، آڈیو اور وڈیو ریکارڈر، کمپیوٹر اور ٹی وی وغیرہ تھے۔ دیوار پر
 ایک ہائیکلو فون لگا ہوا تھا۔ معمول نے دیکھ کر آئے کو ہائیکلو فون

سے منسلک کر کے اس کے پیچھے چھاپا جا۔ ہمدردوں نے نکل کر اسٹور
کی الماری کا دروازہ بند کر کے الماری کو بھی بند کیا۔ اس کے بعد
اسٹور دم سے آکر خواب گاہ میں سو گئی۔ لیٹے آدھے گھنٹے بعد
اسے بکایا تو وہ نامل تھی۔ یہ نہیں جانتی تھی کہ اسے ٹریپ کیا گیا
تھا۔

اس دوران سلطانی علی کے دماغ میں یہ گہرا راجر موس کی
 عکرائی کرتی رہی۔ اگر راجر موس کام چھوڑ کر دفتر سے گھر جانے کا
 ارادہ کرنا تو وہ فوراً ہی اسے خفیہ کرے سے باہر لے آئی لیکن ایسی
 کوئی بات نہیں ہوئی۔ سراغ رسائی کا یہ مرحلہ آسانی سے طے
 ہو گیا۔

”ہمیں جلد سے جلد معلوم ہونا چاہئے کہ اس خفیہ کرے میں کس قسم کی ہتھکنڈ ہوتی ہے۔“

سلطانہ نے کہا ”جب راجرموس اس کرے میں کسی

خودوں کی تعبیر ان کی حقیقت اور ان کی افادیت کے بارے میں ایک نادر کتاب

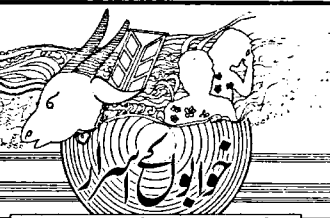
قیمت، ۱۵ روپے ۱۰۰ روپے

① خواب کیا موت ہیں ؟

② ان کی تعبیر کیا ہوتی ہے ؟

[illegible]

خواب کی تعبیر اُن کی حیثیت اور ان کی افادیت کے باعث اسے ایک نامکتاب



قیمت: ۱۵ روپیہ، خاصہ حرج: ۱۰ روپیہ

○ خواب کیا ہوتے ہیں ؟
 ○ ان کی تعبیر کیا ہوتی ہے ؟
 ○ خواب کیوں نظر آتے ہیں ؟

خوابوں کے بعض نقل و مکاتبات

کتبہ کی چند خصوصیات :

■ تفسیر	■ خوابی حواس	■ قبول نفسی کی فراخ
■ بچوں کی خواب	■ ان کی خواب	■ بوجہ مزاج
■ کثرت سے قوت آئے خواب	■ خواب بوجہ نفس	■ خواب آواز آئی
■ خواب بوجہ ریت	■ خواب آواز سم	■ خواب قوت بین
■ ہمیں کی خوابی ریت	■ خواب کی ریت	

خواہشمند ہیں کہ مسئلہ مشکل اور بہت گہرا مسئلہ

ضرورت سے جا کر کسی سے باتیں کرے گا تو معلوم ہوگا۔
 ”آئی اے جرموس کو وہاں جا کر باتیں کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے؟“
 ”وہ کیسے؟“

”آپ پاپا سے کہیں وہ اسرائیلی حکام اور گولڈن برنز کو چیلنج کریں۔ ان کے لئے کوئی مسئلہ پیدا کر دیں۔ ایسی صورت میں تمام گولڈن برنز ایک دوسرے سے رابطہ کریں گے۔ پھر میرا سر راجرموس بھی اپنے خفیہ کمرے میں ضرور جائے گا۔“

لیٹی نے مجھے مخاطب کیا اور علی کے حالات بتائے۔ میں نے تمام حالات معلوم کرنے کے بعد ایک اسرائیلی حاکم سے دافنی رابطہ کیا اور کہا ”ہم اکثر تمہاری دشمنی کے جو اب میں تمہیں سزا دے کر چھٹی دہشتی کو نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن تم لوگ پھر کسی نئی دہشتی کی ابتداء کر دیتے ہو۔“

وہ بولا ”ہم کوئی دہشتی نہیں کر رہے ہیں۔ آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”دافنوں میں تمہیں کھنکھانے کا حق معلوم کرنے والا کبھی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اپنے گولڈن برنز سے کہو ان کا ایک ٹیلی فنی جاننے والا میرے نشانے پر ہے۔ وہ اس کی زندگی کا سودا کر سکتے ہیں۔“

یہ سن کر اسرائیلی حکام کے درمیان کھلبلی مچ گئی۔ انہوں نے مخصوص سٹنل کے ذریعے گولڈن برنز کو اہم اجلاس کے لئے طلب کیا۔ علی تیور پائینڈ کے ساتھ خواب گاہ میں تھاماس کاسر اپنی بیگم کے ساتھ اپنے بیڈ روم میں تھا۔ لیٹی نے اطلاع دی کہ الپا راجرموس کی بیوی کو ٹیلی فنی کے ذریعے سلام دی ہے تاکہ راجرموس خفیہ کمرے میں جاسکے۔

ادھر سلطانہ نے علی کی بیوی پامیلا کو گہری نیند سلا دیا۔ لیٹی نے اپنے سوٹ کیس سے ایک چھوٹا سا ڈائریکٹ سیٹ نکالا۔ اس کے بیڈ فون کو کانوں سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔

سلطانہ ”لیٹی! اور جو علی کے دماغ میں تھے تاکہ مختلف بولنے والوں کی آواز اور لہجوں کو یادداشت میں محفوظ کر سکیں۔ تھوڑی دیر بعد راجرموس کی آواز سنائی دی ”ہیلو ہیلو۔“

یادداشتیں تیار ہوئیں۔ لیٹی نے آواز سنائی دی ”ہیلو نمبر ۱۔“

دوسری طرف سے بیگزہ والے کی آواز سنائی دی ”ہیلو نمبر ۲۔“

نمبر ۱ راجرموس نے کہا ”بقول فراڈ ہمارا ایک ٹیلی فنی جاننے والا اس کی نظروں میں آگیا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو ہمیں اس سے سمجھنا پڑے گا۔ اپنے کپیٹر براؤزی دی وغیرہ کا کنکشن وزیر داخلہ کے ٹی وی کے ساتھ ملاؤ۔ ابھی کپیٹر کے ذریعے فراڈ سے گفتگو ہوگی۔“

اس کے تھوڑی دیر بعد پھر راجرموس کی آواز سنائی دی ”ہیلو

مسٹر واکوڈی! میں نمبر ۱ بول رہا ہوں۔“
 دوسری طرف سے واکوڈی کی آواز سنائی دی ”ہیلو نمبر ۱! واکوڈی تمہارا حاضر ہے۔“

نمبر ۱ راجرموس نے اسے بھی بتایا کہ فراڈ سے اہم گفتگو ہونے والی ہے۔ وہ اپنے کپیٹر براؤزی دی وغیرہ کا کنکشن وزیر داخلہ کے ٹی وی کے ساتھ ملائے۔ اس وقت تک ہم راجرموس کے علاوہ دو گولڈن برنز کی آوازیں سن چکے تھے۔

نمبر ۱ نے چوتھے گولڈن برنز کو مخاطب کیا۔ اس کا نام جان موبن تھا۔ پانچویں کا نام جان فیل اور چھٹے کا نام ایڈر تھا۔ ان سب نے وزیر داخلہ کے ٹی وی سے رابطہ کیا تھا پھر نمبر ۱ نے کپیٹر کے ذریعے وزیر داخلہ اور دوسرے حکام سے کہا ”ہم حاضر ہیں اور فراڈ علی تیور سے پوچھتے ہیں، ہمارا وہ ٹیلی فنی جاننے والا کون ہے جو اس کی نظروں میں آیا ہے؟“

یہ گفتگو تحریر کی صورت میں اسکرین پر بڑھی جاری تھی میں نے ایک حاکم کے ذریعے وہ تحریر پڑھ کر کہا ”تمہارا ایک ٹیلی فنی جاننے والا آج کل پاکستان کے شہر پشاور میں ہے۔“

اسکرین پر تحریر ابھری ”ہم نے اپنے تمام خیال خوانی کرنے والوں کو کبھی ملک سے باہر جانے نہیں دیا۔ تم نے جسے پشاور میں دیکھا ہے اسے فوراً قتل کر دو۔ کیوں کہ وہ ہمارا آدمی نہیں ہے۔“

میں نے کہا ”مجھے یہاں جہانسی طور پر کوئی دشمن نظر نہیں آیا ہے۔ وہ خیال خوانی کے ذریعے اس شہر میں ہے۔ اس نے ایک رشتہ ہاؤس میں مجھ پر قاتلانہ حملے کرائے۔ تاہم ہونے کے بعد وہ اب دوسرے حملے کے لئے جال بچھا رہا تھا۔“

”ہم پورے ہوش و حواس میں رہ کر یقین دلا رہے ہیں کہ وہ حملہ آور ہمارا آدمی نہیں ہے۔ اگر ہمارا ہوتا تو اس خیال خوانی کرنے والے کو سلامت رکھنے کے لئے ہم تم سے ہر طرح کا سودا اور سمجھوتہ نہ کرتے۔“

میں نے کہا ”اسے یقین سے کہہ رہے ہو تو یقین کر لیتا ہوں۔ میں اسے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر ختم کر دوں گا۔ میرا مشورہ ہے کہ اپنے تمام خیال خوانی کرنے والوں کو ابھی طرح چیک کر لو۔ ہو سکتا ہے دانیال اور جنرل پارکن کی طرح پھر کوئی خیال خوانی کرنے والا تم سے غداری کر رہا ہو۔“

”تم چیک کر رہے ہیں۔ چندہ منٹ بعد پھر تم سے رابطہ کریں گے۔“

میں علی تیور سے پاپا سے ”یہ وہ ڈائریکٹ سیٹ کو آواز سنائی دی ”ہیلو نمبر ۱! میں نمبر ۱ بول رہا ہوں۔“

میں علی تیور سے پاپا سے ”یہ وہ ڈائریکٹ سیٹ کو آواز سنائی دی ”ہیلو نمبر ۱! میں نمبر ۱ بول رہا ہوں۔“

”یہ معلوم کرنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ میں اپنے سر راجرموس کو اصرار کی ضرورت میں جلا کر دوں گا۔“
 میں نے کہا ”ہم سب نے ایک ایک گولڈن برنز کی آواز سن لی ہے۔ ان سب کی آوازیں اور لہجوں کو اپنے ذہنوں میں نقش کر لو۔ علی کوئی مناسب موقع دیکھ کر نمبر ۱ گولڈن برنز راجرموس کے دماغ کو کھود دے گا۔ چونکہ وہ نمبر ۱ ہے۔ اپنی پانچ گولڈن برنز کا سربراہ ہے اس لئے ان کے متعلق جاننا ہوگا کہ کون یوگا کا ماہر ہے اور کون نہیں ہے۔“

یہ شاندار کامیابی ہمیں یقین دلا رہی ہے کہ ہم ابھی ان سب کے دماغوں میں پہنچ سکتے ہیں۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ سب ہی یوگا کے ماہر ہوں لیکن زیادہ خوشی اور خوش فہمی بننا ہوا کام لگا ڈیوٹی ہے۔ احتیاطاً ڈاکٹر امبر کرائی میز تھا۔

ہم سب علی کے دماغ سے ملے آئے۔ صرف لیٹی نہ مل سکی۔ علی نے کہا ”اسی“ الپا نے میری ساس کو خیال خوانی کے ذریعے سلا یا تھا۔ آپ ڈاکٹر دیکھیں کیا وہاں الپا ہے؟ اگر نہ ہو تو میری ساس کی آنکھیں کھول کر اس کے ذریعے معلوم کریں کیا میرا سر خفیہ کمرے سے نکل آیا ہے؟“

پھر وہ کچھ سوچ کر بولا ”اگر وہ میرا سر خواب گاہ میں خاموش بیٹھا غلامی تک رہا ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ الپا یا ہے۔ مورکن اس سے خیال خوانی کے ذریعے باتیں کر رہے ہیں ایسے وقت آپ راجرموس کے دماغ میں جائیں گی تو وہ آپ کی موجودگی کو سمجھ نہیں پائے گا۔“

لیٹی جی جی۔ وہ بیڈ فون کو پھر کانوں سے لگا کر ڈائریکٹ سیٹ کو کنٹرول کرنے لگا۔ خفیہ کمرے میں خاموشی تھی۔ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ لیٹی نے آکر کہا ”میں نے مسزوس کی آنکھیں کھول کر دیکھا وہاں بیڈ روم کے اندر راجرموس نہیں ہے۔“
 وہ بولا ”خفیہ کمرے سے بھی کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے۔“

”شاید وہ اسی خفیہ کمرے میں خاموشی سے لکھنے پڑھنے میں مصروف ہوگا۔“

اس کی بات ختم ہوتے ہی راجرموس کی آواز سنائی دی ”ہیلو مسٹر واکوڈی تمہارا! ہمارے بانی گولڈن برنز نے کپیٹر کے ذریعے اپنی رائے پیش کی ہے کہ فراڈ درست کہہ رہا ہے۔ وہ پاکستان کے شہر پشاور میں ہے اور جو ٹیلی فنی جاننے والا اس پر قاتلانہ حملے کر رہا ہے اس کا تعلق سپر اسٹار اور جان لیوڈا سے ہے۔“

واکوڈی تمہارے کہا ”ہم فراڈ کو پاکستان سے نکالنے میں اب تک ناکام رہے ہیں۔ وہ جب تک وہاں رہے گا ہم بھارت کے تعاون سے نہ انہم معاملات کی سراغ رسانی کر سکیں گے اور نہ ہمارا کوئی پاکستانی زر خریدہ ایجنٹ ہمارے لئے کچھ کر سکے گا۔“

”اگر کسی دوسرے ملک میں فراڈ کے لئے کوئی ایسا مسئلہ پیدا

کر دیا جائے جسے حل کرنے کے لئے وہاں جانے پر مجبور ہو جائے تو پاکستان میں ہمارے لئے میدان صاف ہو جائے گا۔“

”میں نے اس پہلو سے سوچا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ پارس اور علی تیور سر ملک میں ہیں تو ہم وہاں ان کے لئے ایسی مشکلات پیدا کر سکتے ہیں، انہیں زندگی اور موت کے درمیان اس طرح پھنسا سکتے ہیں کہ باپ اپنے بیٹوں کی دیکھ بھال کے لئے وہاں جانے پر مجبور ہو جائے گا۔“

”مسٹر تمہارا! ہم جیسا سوچتے ہیں ویسا ہوتا نہیں ہے۔ ان کے لئے کوئی مشکل مشکل نہیں ہوتی۔“

”نمبر ۱! تمہارے داماد کارمن (علی) نے ہمارے غدار ٹیلی فنی جتنی جاننے والے جنرل پارکن کو گرفتار کرایا تھا۔ کسی خیال خوانی کرنے والے پر قابو پانا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ ذہانت کا کھیل ہے۔ تمہارا داماد صرف دلہری نہیں ذہین بھی ہے۔ اسے ابھی سے ٹینک دو گئے تو وہ آئندہ تمہاری جگہ گولڈن برنز کا عمدہ منبجہال بن سکے گا۔“

”تم نے میرے دل کی بات کہہ دی ہے۔ اگر ہم اسے گائیڈ کریں گے تو وہ بہت ترقی کرے گا۔“

”اسے گائیڈ کیا کرتا ہے۔ عملی میدان میں لے آؤ۔ اسے فراڈ کے معاملے میں شریک کر دو۔ اس سے مشورے لیا کرو اور اس کی ذہانت کو آزمایا کرو۔“

”جی! ابھی تو شادی کو دو ہی دن ہوئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں میری بیٹی ابھی اس کے ساتھ مسرتوں بھری زندگی گزارے۔ یہ ان کے ہنسنے کیلئے دن ہیں۔“

”میرا خیال ہے، وہ ہنسنے کھیلنے بھی ہمارے لئے کچھ کر سکتا ہے۔ ان دونوں کو شادی کے بعد ہی مون کے لئے کہیں جانا چاہئے تھا لیکن وہ تمہارے ہی گھر میں ہیں۔ میرا مشورہ ہے، بیٹی اور داماد کو میرے پاس بروٹھم بھیج دو۔ اس طرح ان کی آؤٹنگ بھی ہو جائے گی۔ اور میں کارمن (علی) سے فراڈ کے مسئلے پر تفصیلی گفتگو کروں گا اور جو اب اس کی ذہانت کا اندازہ لگاؤں گا۔“

نمبر ۱ راجرموس نے ہنسنے ہوئے کہا ”کیس ایسا نہ ہو کہ میرا داماد پھر پھر ذہانت کا مظاہرہ کرے اور تمہاری گولڈن برنز والی حیثیت کو بچان لے۔“

”اب تمہارا داماد ابھی ذہین نہیں ہو سکتا کہ ہم جیسے تجربہ کار گولڈن برنز کی پوشیدہ خفیت کو بچان لے اور اگر بچان لے گا تو میں اسے ساتواں گولڈن برنز بنانے کی بھرپور سفارش کروں گا۔“
 ”بھئی وہ صرف میرا ہی نہیں، ہم سب گولڈن برنز کا داماد ہے۔ ہم اسے پوری دیانت داری سے آزمائے رہیں گے جب وہ آزمائشوں میں پورا اتر جائے گا تو گولڈن برنز کی ساتویں کرسی اسے انعام میں دے دی جائے گی۔“

”تو پھر یہ ملے ہو گیا کہ پامیلا اور کارمن میرے پاس آ رہے

”پہلے ان سے پوچھ لینے دو کہ یہ وہی وہی علم جانے کے لئے راضی ہیں یا نہیں؟“

”نہروں! یہ تقریبی پروگرام ہوتا تو ان کی مرضی دیکھی جاتی۔ اس تقریب کے نتیجے ہمارے اہم مقاصد ہیں۔ کارمن ادھر آئے گا۔ قصہ کہے گا تو پامیلا خود ہی اس کے ساتھ چلی آئے گی۔“

”درست کہتے ہو۔ تو پھر یہ طے ہو گیا وہ دونوں کل شام تک تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔“

”اے مونا فار!“

”رابطہ ختم ہو گیا۔ علی نے بھی وائرلیس سیٹ کو آف کر کے ایک طرف رکھ دیا۔ لیٹی نے کہا ”خدا ہم پر مہربان ہے۔ تمہارے لئے راستے کھل رہے ہیں۔“

”بے شک خداوند کریم کا جتنا بھی شکر ادا کریں ہم ہے۔ آپ پاپا اور ماما سے اس سلسلے میں بات کریں۔ پہلے تو یہ ارادہ تھا کہ تمام گولڈن رینز کو باری باری ٹیپ کریں گے۔ اب سوچنا ہوں مجھے گولڈن رینز کی ساتویں سیٹ حاصل کرنا چاہئے۔“

”تمہیں ساتواں گولڈن رین بننے میں کافی عرصہ لگے گا اور یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ اتنے عرصے تک رہنا بھی چاہیے ہو کیوں کہ پامیلا کا جادو تم پر چل رہا ہے۔“

”ای! آپ پامیلا کے چور خیالات بھی پڑھتی ہیں۔ یہ اعتراف کریں گی کہ وہ بہت اچھی بہت محبت کرنے والی شریک حیات ہے۔“

”ہاں بیٹے! میری دعا ہے اللہ تعالیٰ تم دونوں کو سلامت اور خوش حال رکھے۔ میں جاری ہوں اب آرام کرو۔“

”لیٹی کے جانے کے بعد علی نے وائرلیس کے پچھ پڑے نکال کر وائرلیس کی ساخت بدل دی اور وہ ایک عام ساریڈیو بن گیا اس نے اسے میز پر رکھ دیا پھر پامیلا کو پارسہ دیکھا۔ وہ گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ نیند کی حالت میں اس کے گلہائی ہونٹ ذرا سے کھل گئے گلاب کی ہونٹیاں کھل گئی تھیں۔ وہ کھلے اور کھلنے کا انداز اسے بکار رہا تھا۔ وہ خوابوں میں بیکار نے والی پر جھک گیا۔“

”دوسری صبح اس نے لیٹی سے کہا ”ابھی میں خواب گاہ سے نکلوں گا تو راجرموس مجھے بروہم کر دیا۔“

”لیٹی نے کہا ”میں وہاں جانے سے پہلے ان کے لئے ایک اور کارنامہ انجام دینا چاہتا ہوں۔“

”کھلیا کرنے کا ارادہ ہے؟“

”سوسانہ اور جبرائیل گرانٹ یہاں اسرائیلی حکام کے لئے دہرو سرے ہوئے ہیں۔ میں انہیں یہاں سے بھاگ دوں گا تو یہ لوگ میری ذہانت کے اور زیادہ قائل ہو جائیں گے۔“

”سوسانہ اور جبرائیل اب یہاں ضروری نہیں ہیں۔ یہ تمہارے کارنامے کے باعث چلے جائیں گے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تم کرنا کیا چاہتے ہو؟“

”دیکھئے ای! یہ قدرتی بات ہے کہ شہ زور نہایت ہی کمزور سے ڈرتا ہے یا سرتا ہے۔ مثلاً باغی کی سوسائٹی میں چوٹی کھس جائے تو اس پھاڑ پیچھے جانور کی جان پرین آتی ہے۔ اگر ہم یہ ظاہر کریں کہ سوسانہ اور جبرائیل جیسے ناقابل شکست دیوتہ کا کالج (لال بیگ) سے ڈرتے ہیں اور وہ دونوں یہاں کا کالج کی تعداد زیادہ دیکھ کر ملک سے چلے جائیں تو میسوں کے سر سے پھاڑ اتر جائے گا اور میری کارکردگی کی حاکم جینے جائے گی۔“

”میں سوسانہ اور جبرائیل کو جا کر سمجھاتی ہوں کہ آئندہ انہیں کالج کو دیکھتے ہی خوف زدہ ہونے کی بجائے رات بیکنگ کرنا ہے۔“

”وہ چلی گئی۔ علی لباس تبدیل کر کے باہر آیا۔ پامیلا میز پر ناشتے کی ڈشیں رکھ رہی تھی۔ راجرموس پوچھ رہا تھا ”بیٹی! کیا ابھی تک کارمن سو رہا ہے؟“

”علی نے آتے ہوئے کہا ”میں اکل! میں حاضر ہوں۔ میں بے وقت سوئیں اور بے وقت جاگتا بھی نہیں اور ان میں سے بھی نہیں جنہیں وقت کی غور رکھنا ہے۔“

”شاباش بیٹے! تم اسوں کے پابند ہو۔ تمہاری ذہانت اور اصول پسندی بہت جلد تمہیں غیر متوجہ بلندیوں پر لے جائے گی۔“

”وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا ”یہ بلندی کم نہیں ہے کہ میں آپ کا وادہ بن گیا ہوں۔“

”پامیلا مسکرا کر اس کے آگے ناشتے کی پلیٹ رکھنے لگی۔ راجرموس نے کہا ”تم دونوں کو شادی کے بعد سوشل لینڈ میٹرو جاٹا چاہئے تھا۔ تمہاری نئی ملازمت کے باعث پامیلا نے جانے سے انکار کر دیا کیوں کہیں تو تفریح کے لئے جانا چاہئے۔“

”اکل! مصروفیات زیادہ ہوں تو تفریح کا مود نہیں بنتا۔“

”میں تمہاری یہاں کی ذمہ داریاں سنبھال لوں گا۔ تم کم از کم بروہم تک ہو آؤ۔ وہ ہمارے لئے مقدس مقام ہے۔ وہاں میرا ایک دوست واسکوڈی قہر ہے۔ اس کے بچنے میں تم دونوں کو ہر طرح کا آرام ملے گا۔“

”آپ کا مشورہ میرے لئے حکم کے برابر ہے۔ میں ضرور جاؤں گا۔ لیکن میں اپنے ملک کے کسی شہر کو گزور نہیں دیکھنا چاہتا۔ ہمارا یہ شرٹل ایبب دو عدد دیوتہ کے باعث کمزور ہو گیا ہے۔ ہمارے لوگ ان پھاڑ پیچھے میاں بیوی سے سبے رہتے ہیں۔ ہماری پریس ”ہماری فوج ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔“

”ہاں! وہ دن بن جائے سمان اور آفتاب جاں ہیں۔ فراد نے انہیں ایک ریوٹ کنڈونگ بم کی طرح ہمارے سینے پر لا کر رکھ دیا۔ انہیں یہاں سے بھاگنا تو کیا نامکن ہے۔“

”میں نامکن ہو سکتا ہوں۔ اگر حکومت مجھ سے تعاون کرے تو میں ایک ہفتے کے اندر اندر انہیں یہاں سے بھاگ سکتا ہوں۔“

”ایسی بات ہے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ حکومت کا

بھروسہ تعاون تمہیں حاصل ہوگا۔“

”یہ تعاون اس طرح حاصل ہونا چاہئے کہ اس کا علم فراد اور اس کے قریبی چیتھی جاننے والوں کو نہ ہو سکے۔ یعنی میرے طریقہ کار کا علم صرف ہمارے ان افراد کو ہو جو یوگا کے ماہر ہوں اور دشمن خیال خوانی کرنے والے ان کے داغوں تک پہنچنے میں ناکام رہتے ہوں۔“

”یہ رازداری ممکن ہے۔ تم طریقہ کار بتاؤ؟“

”کیسے بتاؤں! ہمارے سامنے آئی اور پامیلا بیٹی ہیں اور دشمن ان کے داغوں میں آسکتے ہیں۔“

”راجرموس قائل ہو گیا۔ ناشتے کے بعد علی کے ساتھ اپنی خواب گاہ میں آکر بولا ”میرا دل کہتا ہے تم آہنی ارادوں کے مالک ہو۔ تمہیں ضرور کامیابی ہوگی۔ بتاؤ انہیں یہاں سے کیسے بھاگ سکتے ہو؟“

”اکل! وہ دونوں دیوتہ جب سے یہاں آئے ہیں ”میں ان کی تاک میں رہتا ہوں۔ ان کی کسی کمزوری کی تلاش میں رہتا آیا ہوں اور اب میں ان کی ایک کمزوری معلوم کر چکا ہوں۔“

”اس نے بے تابی سے پوچھا ”کیا ہے وہ کمزوری؟“

”وہ دونوں کالج سے ڈرتے ہیں۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟“

”دینی بات کہ چوٹی کوئی بھی کبھی باغی کی موت کا سبب بنتی ہے۔ یہ قدرت کا عجیب تماشا ہے کہ بالشت بھر کا نیلا کر بھر کے زہریلے سانپ کو مار ڈالتا ہے۔ کسی کث زور کے جسم پر ایک چھوٹی سی پھنسی ہوتی ہے جو چھوڑا بن جاتی ہے۔ پھر سانپ زہرین کرش زور کے کسرتی جسم کو گھا دیتی ہے۔“

”ہاں۔ ان مثالوں سے تمہاری بات سمجھ نہیں آ رہی ہے۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ کالج سے ڈرتے ہیں؟“

”میں نے ایک روز انہیں ایک جنرل اسٹور میں دیکھا۔ وہ اپنی ضرورت کا سامان قیمت ادا کرتے بغیر اٹھ رہے تھے۔ ایسے ہی وقت سوسانہ نے ایک جراثیم کش دوا کی بوتل اٹھائی تو بوتل کے لیبل پر کالج کی تصویر دیکھتے ہی وہ چیخ پڑی اس کے ہاتھ سے بوتل چھوٹ کر گر پڑی۔ جبرائیل بھی ٹوٹی ہوئی بوتل کے لیبل پر وہ تصویر دیکھ کر سہم گیا۔ فوراً ہی سوسانہ کا بازو پکڑ کر دوڑا ہوا اسٹور سے باہر چلا گیا۔“

”راجرموس نے کہا ”وہ کالج کی تصویر دیکھ کر ڈر گئے تھے۔ بس یہ آڑنا چاہئے کہ کالج ایک کالج ان کے سامنے آجائے“

”وہاں کا وہ عمل کیا ہوگا؟“

”یہ میں نے آڑنا ہے۔ ہمارے شہر میں مشکل سے کالج نظر آتے ہیں۔ میں نے بڑی تلاش کے بعد ایک کالج پکڑا تھا پھر سے ان کی رہائش گاہ کے اندر چھپک دیا تھا۔ تو وہی دیر بعد ہی دونوں کی چھپیں نکالی۔ وہ کالج باہر نکل آیا تھا۔ اگر اندر رہتا

تو شاید خوف سے وہ مر جاتے۔ جبرائیل نے کھڑکی کے پاس آکر دور بین سے کالج کو جاتے ہوئے دیکھا پھر سوسانہ کو دکھایا تو دونوں مطمئن ہو گئے۔“

”تم نے بڑی سخت اور کھوج کے بعد ان کی یہ کمزوری معلوم کی ہے۔ میں اپنے ذرائع استعمال کروں گا اور دو چار کالج ان کی رہائش گاہ کے اندر پہنچاؤں گا۔“

”علی نے کہا ”دو چار سے کام نہیں چلے گا۔ ہو سکتا ہے انہوں نے کالج مارنے کی دوا اپنے پاس رکھی ہو۔ وہ دو چار کو اور دو چار سو کو دور ہی سے دواؤں کے ذریعے ہلاک کر سکتے ہیں۔ اپنی رہائش گاہ چھوڑ کر دوسروں کے بنگلوں میں ٹھک رہے ہیں۔“

”تو پھر انہیں کس طرح بھاگایا جاسکتا ہے؟“

”سب سے پہلے تو دل ایبب سے بلکہ تمام شہروں کی دکانوں سے کالج مارنے کی دوا میں غائب کرادی جائیں۔ پھر بڑا دلوں لاکھوں کالج اپنے ملک میں پیدا کئے جائیں۔ چوں کہ ان کی پیدائش اور افزائش نسل میں کافی وقت لگے گا اس لئے دوسروں ملکوں سے کالج امپورٹ کئے جاسکتے ہیں۔“

”میں سمجھ رہا ہوں۔ کالج کلر دوا میں اس لئے غائب کی جائیں کہ سوسانہ اور جبرائیل وہ دوا کس سے حاصل نہ کر سکیں اور شہر میں اتنے کالج ہو جائیں کہ وہ دونوں جس گھر میں پناہ لینے جائیں وہاں وہ انہیں نظر آئیں۔“

”میں یہی چاہتا ہوں انہیں کالج سے کہیں نجات نہ ملے۔ ہو سکتا ہے انہیں دل ایبب میں کہیں پناہ نہ ملے تو وہی بھاگ کر ہمارے کسی دوسرے شہر میں چلے جائیں۔ اس لئے دوسرے شہروں میں بھی لا تعداد کالج ضرور ہوں۔“

”وہ قائل ہو کر بولا ”اگرچہ یہ بڑا ہی مشکلہ خیر طریقہ ہے لیکن اس طریقے پر عمل کرنے سے وہ دونوں ضرور بھاگ جائیں گے۔ میں یہ ملک گیر کالج مہم آج سے ہی شروع کرتا ہوں۔“

”لیکن اس طرح کہ فراد ہمیں الزام نہ دے۔ یہی محسوس ہو کہ قدرتی طور پر کالج ہمارے ملک میں پیدا ہو گئے ہیں۔“

”بیٹے! اطمینان رکھو۔ یہ کام نہایت رازداری سے ہوگا۔ دیے آج چھٹی کا دن ہے۔ تمہارا ایک پروگرام ہے؟“

”پامیلا کے ساتھ کس تفریح کے لئے جاؤں گا؟“

”بہتر ہے بروہم چلے جاؤ۔ میں ابھی واسکوڈی قہر کو فون پر کہہ دیتا ہوں۔“

”علی نے سعادت مندی سے یہ مشورہ قبول کر لیا۔ وہ جانتا تھا کہ راجرموس بیٹی واداد کو گھر سے دور بھیج کر خفیہ کرے میں جائے گا۔ اس نے یہی کیا۔ پامیلا اور علی کے جانے کے بعد اس نے اپنی بیوی سے کہا ”میں رات کو ابھی طرح سو نہ سکا۔ اب دو روزہ اندر سے بند کر کے ایک آدھ گھنٹہ سوؤں گا۔ تم دو روزے پر دستک نہ دینا۔“

یہی گھر کے کاموں میں لگ گئی۔ وہ خواب گاہ کے دروازے کو اندر سے بند کر کے خفیہ کمرے میں پہنچ گیا۔ وہاں آرام سے بیٹھ کر تمام گولڈن رینجز کو باری باری سیکھل دیا۔ جس کے مطابق سب ہی اپنے اپنے کیمپ ٹرکی ڈریلے ایک دوسرے سے منسلک ہو کر کاکوچ کے موضوع پر گفتگو کرنے لگے۔

ان کے درمیان اس معاملے میں تنقید بھی ہو رہی تھی اور تائید بھی کی جا رہی تھی۔ ایک گولڈن رین نے کہا ”ملک گیر کاکوچ مسم چلانا ایک وقت طلب مسئلہ ہے اس کے نقصانات بھی ہیں۔ ہمارے تمام شہری اور ہر گھر کا ہر فرد پریشان ہو گا۔ کاکوچ کی بسات سے کھائے جیتے اور دوسری استعمال کی چیزوں کو نقصان پہنچے گا۔“ دوسرے گولڈن رین نے کہا ”ملک کے تمام باشندے حکومت کی بد اعتدالی پر احتجاج کریں گے۔“

تیسرے نے کہا ”لائقہ اولال بیگم کو کنٹرول نہیں کیا جائے گا۔ وہ دفتروں اور عسکروں کی ہائیکس گاؤں میں پھیلیں گے۔ سڑکوں اور گلیوں میں دوڑتے پھریں گے۔ انہیں مارنے کی دوائیں نہیں ہوں گی۔ ہاتھوں سے کتے مارے جائیں گے۔“

راجرموس نے کہا ”جب تک وہ دونوں دہشت گرد ہیں تو ہمیں کاکوچ کو نہیں مارا جائے گا۔ یہ ہماری پوری سودی قوم کے لئے تکلیف دہ بات ہوگی۔ ہمیں یہ مقررہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایک دائمی تکلیف سے نجات حاصل کرنے کے لئے دوسری عارضی تکلیف کو برداشت کرنا چاہئے۔“

وہ سب کیمپ ٹرکس پر تھریں کر رہے تھے۔ دونوں دہشت گرد پوری قوم اور ملک کے لئے مسئلہ بن گئے تھے۔ کاکوچ بھی مسئلہ بننے والے تھے۔ گولڈن رین واسکوڈی قمرانے کہا ”ہمیں اگر ان دہشت گردوں سے پیچھا پھڑانا ہے تو پوری قوم کے ساتھ کاکوچ کا عذاب برداشت کرنا ہو گا۔ مجھے راجرموس کے داماد کارمن ہیرالڈ کی تدبیر پسند آئی، اگر ہم سوسانہ اور جبرائیل کو یہاں سے بھگانے میں کامیاب ہو جائیں گے تو یہ کارمن ہیرالڈ کا دوسرا بڑا کارنامہ ہو گا۔“

دوسرے تمام گولڈن رینز نے کئی اعتراضات کے باوجود اس بات سے اتفاق کیا کہ ہزار مصائب برداشت کر کے بھی دونوں دہشت گردوں سے نجات حاصل کی جائے۔

انہوں نے فوج کے افسران سے رابطہ کر کے رازداری سے سمجھایا کہ ملک کے ہر شہر اور ہر مکان سے کاکوچ بکھر دوائیں ضبط کر لی جائیں اور یہ جواز پیش کیا جائے کہ میڈیکل رپورٹ کے مطابق وہ دوائیں ناقابل استعمال ثابت ہوئی ہیں۔ ان کے استعمال سے انسانی جانوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

پھر ان لیبارٹریز پر توجہ دی گئی جہاں جانوروں اور کیتوں کو ڈوپلر پر طبی تجربات کئے جاتے تھے۔ فوجی افسران نے ان لیبارٹریز کے ڈاکٹروں کو حکم دیا کہ وہ مرغی فارم کی طرح کاکوچ فارم

قائم کریں اور انجکشن اور دواؤں کے ذریعے زیادہ سے زیادہ کاکوچ پیدا کریں۔

چوبیس گھنٹوں کے اندر ملک کے تمام شہروں میں سیکھوں کاکوچ فارم قائم ہو گئے۔ ان تمام فارموں سے ایک دن میں ہزاروں کاکوچ پیدا ہونے لگے۔ پھر ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ ابتداء میں انہیں باریک آہنی جالیوں کے بیچوں اور بڑے بڑے ڈبوں میں بند رکھا گیا لیکن بڑھتی ہوئی تعداد کا قابو نہ رہا ہونے لگی۔ وہ سڑکوں اور گلیوں میں نکل آئے۔ انہیں خاص طور پر قتل ایب میں اور اس علاقے میں لایا گیا جہاں سوسانہ اور جبرائیل قائم تھا۔

لیٹی نے مجھے علی کی پلاننگ بتائی تھی۔ میں نے سوسانہ اور جبرائیل کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ وہ کاکوچ کو دیکھتے ہی ایسے خوفزدہ ہوں جیسے ان کی جان نکلی جا رہی ہو۔ علی کی پلاننگ کے پانچویں دن وہ کاکوچ منظر عام پر آئے۔ لگے سوسانہ اور جبرائیل نے اداکاری شروع کر دی۔ وہ جیتے چلتے مارش گاہ سے باہر آئے۔ سامنے والی ایک کوٹھی میں پہنچ کر مالک مکان سے کہا ”ہم ایک اعلیٰ حاکم سے فون پر رابطہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں فون کرنے دو۔“

مالک مکان نے کہا ”فون تو آپ کے گھر پر بھی ہے۔“ ”ہے، مگر وہاں کاکوچ ہیں۔ ہم اپنے گھر میں نہیں جائیں گے۔“

”کاکوچ ہمارے گھر میں بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ ہم خود ان سے پریشان ہیں۔“

سوسانہ نے سہم کر پوچھا ”کیا یہ بلا ہمارے گھر میں بھی ہے؟“ پھر وہ دونوں جواب دے بغیر وہاں سے بھاگتے ہوئے اپنی کار میں آئے۔ اس میں بیٹھ کر ایک حاکم کے بیچنے کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں بے شمار لوگ پریشان نظر آ رہے تھے۔ عورتیں گھروں سے نکل کر علاقے کی دوسری عورتوں سے اسی بلا کی شکایتیں کر رہی تھیں جو اب ایک عام شکایت بن چکی تھی۔

وہ حاکم کے بیچنے میں پہنچے تو وہ بیچنے سے باہر ملازمین کو ڈانٹ رہا تھا ”یہ اتنے کاکوچ کہاں سے آئے؟ تم لوگ دوائیں نہیں چھڑکتے؟“

پھر اس نے دونوں دہشت گرد کو دیکھ کر پریشانی سے پوچھا ”مجھ سے کیا شکایت ہے؟ فون پر کہہ دیا ہوتا، یہاں آنے کی زحمت کیوں کی؟“

جبرائیل نے کہا ”ہماری رہائش گاہ میں کاکوچ آ گئے ہیں۔ جب تک وہاں مکمل صفائی نہیں ہوگی، ہم یہاں ہمارے ساتھ رہیں گے۔“

وہ بولا ”میرے گھر میں بھی یہی مصیبت ہے، اسی لئے میں اپنے گھر سے نکل آیا ہوں۔“

اعلیٰ حاکم کے سیکرٹری کے ہاتھوں میں ایک موبائل فون تھا۔ وہ کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے ریسپورڈ کر کہا ”سراسیمہ شہری ہپارٹمنٹ کا افسر کہہ رہا ہے، ڈی ڈی ٹی اور دوسری تمام جرائم میں کل دوائیں ختم ہو چکی ہیں۔ حتیٰ کہ بازار میں بھی یہ دوائیں نہیں ہیں۔“

حاکم نے کہا ”میں انہیں ہیں تو حیف،“ جانف یا یروہلم سے دوائیں منگواؤ۔“

سیکرٹری پھر رابطہ قائم کرنے لگا۔ یکے بعد دیگرے تمام شہروں کے متعلقہ شعبوں اور افسروں سے باتیں کرنے لگا۔ ہر جگہ سے یہی جواب ملا کہ وہاں بھی کاکوچ بلا کی طرح ہر طرف نظر آ رہے ہیں اور دوائیں آؤٹ آف مارکیٹ ہیں۔

جب یہ معلوم ہوا کہ پورے ملک میں یہ بلا پھیلی ہوئی ہے تو سوسانہ نے کہا ”جبرائیل، انرپورٹ چلو۔ ہم اس ملک میں ایک منٹ بھی نہیں رہیں گے۔“

وہ دونوں دوڑتے ہوئے اپنی کار میں آئے۔ اس وقت تک کار میں بھی کچھ لال بیک بیچ گئے۔ وہ دونوں چینی مارکر دوڑ چلے گئے۔ حاکم کے ملازموں نے کار میں گھیر کر انہیں قتل کیا۔ پھر انہیں باہر نکال کر پچھکابت وہ دونوں اندر آئے۔ گاڑی کو اشارت کیا اور انرپورٹ پہنچ گئے۔

اس دوران میں وہاں کے اعلیٰ حکام سے شکایتیں کر رہا تھا کہ انہوں نے میرے دونوں دہشت گرد وہاں سے بھگانے کے لئے اپنے پورے ملک میں کاکوچ کی وبا پھیلانی ہے تاکہ انہیں کسی علاقے میں پناہ نہ ملے۔ وہ جہاں جائیں انہیں وہاں نظر آتی رہے۔ اور وہ یقین دلا رہے تھے کہ انہوں نے لاکھوں کاکوچ پیدا نہیں کئے ہیں۔ یہ قدرتی عذاب ہے۔ وہ اعلیٰ حکام واقعی یہی سمجھ رہے تھے۔ گولڈن رینز نے انہیں رازدار نہیں بنایا تھا۔ انہوں نے صرف انرپورٹ پر دواؤں کا خاص انتظام رکھا تھا۔ اصرار آنے والے کاکوچ مر رہے تھے یا رات بدل رہے تھے۔ یہ خصوصی انتظام اس لئے تھا کہ دونوں دہشت گرد صرف انرپورٹ میں پناہ لے اور وہ وہاں سے دوسرے کسی ملک کے لئے روانہ ہو جائیں۔“

آخر کار وہ دونوں وہاں سے روانہ ہو گئے لیکن اپنے پیچھے پوری سودی قوم کو کاکوچ کے عذاب میں مبتلا کر گئے۔ کاکوچ بکھر دوائیں کا انتظام خاص مقدار میں کیا گیا تھا اور انہیں چھپا کر رکھا گیا تھا۔ دونوں کے جاتے ہی دوائیں باہر دواؤں میں آ گئیں۔ سرکار کی طرف سے دوائیں سپرے کرنے والے دن رات سڑکوں گلیوں اور بازاروں میں دوائیں پھرنے لگے۔ مقامی کی جسم میں لاکھوں افراد مصروف رہتے تب ایک ہفتے کے بعد کسی نہ کسی ناکارہ دوا سے نجات ملی۔ اس کے بعد بھی مکانات اور درکانوں کے گوشوں میں اور گوداموں میں رہ گئے جو میمون تک نظر آتے رہے۔

راجرموس نے علی کو مشورہ دیا تھا کہ وہ پامیلا کو لے کر بحری جہاز میں چلا جائے۔ وہ جہاز اسرائیل کے مغربی ساحل کے قریب سمندر میں تھا۔ وہاں کاکوچ پہنچ نہیں سکتے تھے۔ علی وہاں سکون سے پامیلا کے ساتھ وقت گزار سکتا تھا لیکن اس نے کہا ”موترا نکل! ہماری پوری قوم مصیبتوں میں مبتلا رہے گی۔ اپنے لوگوں کے ساتھ میں بھی مصیبت برداشت کروں گا۔ یہی حب الوطنی ہے۔“

دوسرے تمام گولڈن رینز نے بھی اس کے اس جذبے کی قدر کی اور اس کے دو اہم کارناموں کے ریکارڈ کی ایک فائل تیار کر لی۔ یہ بہت بڑا کارنامہ تھا کہ علی نے یوروپ کے باقی جہز پار کرنے کو گرفتار کیا تھا اور اس ٹیلی ویژن جانے والے کو ہاتھ سے نکلے نہیں دیا تھا۔ ورنہ یہ ملک ایک خیال خوانی کرنے والے سے محروم ہو جاتا۔ اب جہز پار کرنے کا رین واش کر کے پھر اس کے ٹیلی ویژن کے علم کو کام میں لایا جاسکتا تھا۔

دوسرا بڑا کارنامہ یہ ہوا کہ علی کی تدبیر سے دو خطرناک دہشت گرد کسی خون خرابے کے بغیر ملک چھوڑ کر چلے گئے تھے اور علی کی یا کارمن کی حب الوطنی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی قوم کو مصیبت میں چھوڑ کر نہیں گیا تھا۔ اپنے لوگوں کے ساتھ مصیبت کے وہ دن گزار رہے تھے۔

ان دنوں وہ نئے یروہلم کے ایک بیچنے میں پامیلا کے ساتھ تھا۔ واسکوڈی قمرانے وہ لنگا انہیں عارضی رہائش کے لئے دیا تھا۔ لیکن وہاں تقریباً پانچ دنوں تک اپنی مومن نہ مٹا سکے۔ دن رات کاکوچ مارتے ہوئے گزار دئے۔ پامیلا اپنا سر پکڑ کر کہتی تھی ”یہ ہم پر کیسی مصیبت آگئی ہے۔ آخر اتنے کاکوچ کہاں سے پیدا ہو رہے ہیں؟“

علی نے کہا ”معلوم ہوتا ہے، یہ آسمانی عذاب ہے۔“ ”ہم قتل ایب واپس جائیں گے۔“

”وہاں بھی لال بیگم کی سرخ فوج شاہراہوں اور گلیوں میں پڑھ کر رہی ہے۔ ہمارے ڈی ڈی نے فون پر بتایا ہے کہ پورے ملک میں یہ آفت آئی ہوئی ہے۔“ وہ پریشان ہو کر بولی ”اوه گاڈ! یہ لال بیک دیکھنے کے بعد کھانے کو بھی نہیں کرتا۔“

”لال بیک کھانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔“ وہ ہنس پڑی۔ پھر بولی ”پلیز مجھے نہ ہنساؤ۔ یہ لال فوج دیکھ دیکھ کر دل گھبرا رہا ہے۔“ ”جب دل گھبرا کر تو دل کو بھلانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ چلو باہر چلیں۔“

”پوری کہہ رہے تھے کہ راستے گلیوں میں بھی یہ مصیبت پہنچ چکی ہے۔ تفریح کا خاک مزہ آئے گا۔“ ”مزہ آئے گا۔ ہم گاڑی کے پیچھے چھا دیں گے۔“ انہوں نے دو ملازم خاص طور پر کاکوچ مارنے کے لئے رکے

تھے ان میں سے ایک ملازم نے کار کی صفائی کی۔ جو کالوچ اندر تھے۔ انہیں باہر نکالا۔ پھر علی پامیلا کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی کے شیشے پر حماد نے پامیلا نے گاڑی اشارت کر کے آگے بڑھائی۔ اعلیٰ سے باہر آکر راستوں سے گزرتے ہوئے انہوں نے لوگوں کو پریشان دیکھا۔ انکو غور میں اور بچے کالوچ سے ڈرتے ہوئے جی رہے تھے۔ ادھر سے ادھر بھاگ رہے تھے۔ ان کے لوگ انہیں سمجھا رہے تھے کہ لال بیک سے جانی نقصان نہیں پہنچتا اس لئے خوف زدہ نہیں ہونا چاہئے۔

پانچادس میں دوکانیں بند تھیں۔ گوشت، بڑی اور پھلوں کی دوکانیں کھلی تھیں۔ دوکان والوں اور خریداروں نے خرید و فروخت بھی جاری رکھی تھی اور کالوچ بھی مارتے جا رہے تھے۔ پامیلا نے کہا ”مجھے ساتھ کیوں لاتے ہو۔ یہ قابل دید مناظر تو ہیں۔“

”جو مناظر قابل دید نہیں ہوتے۔ وہ سبق آموز ضرور ہوتے ہیں۔ انسان ان دیکھنے والے حقیر جانداروں کو جو تلوں سے مل رہا ہے۔ آج یہ حقیر تھوڑا دین سے شاعر ہیں تو جوتوں سے سلنے والا انسان ان سے پناہ مانگ رہا ہے۔ ان سے امان چاہتا ہے۔“

”واقعی آج ہم ان کے مقابلے میں کم تر ہیں۔ آخر ان پر کس طرح قابو پایا جائے گا؟“

”جب تک انہیں مارنے والی دوائیں بازار میں نہیں آئیں گی۔ یہ ہمارے اعصاب پر سوار ہیں گے۔“

اس نے ایک بینک کے قریب پہنچ کر پامیلا سے کہا ”گاڑی روکو۔“

اس نے کار روک دی۔ بینک کے اندر سے چند عورتوں کے چنچے کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ اس کے بعد ایک گولی چلنے کی آواز آئی تھی۔ وہ کار کا رداؤہ کھول کر باہر نکلا۔ پامیلا نے پوچھا۔

”کہاں جا رہے ہو؟“

”بینک کے اندر کوئی گڑبڑ ہے۔ میں ابھی آتا ہوں۔“

وہ رداؤہ بند کر کے تیزی سے چلا ہوا بینک کے رداؤہ پر آیا۔ ایک شخص نے شاٹ گن سے اس کا نشانہ لیٹے ہوئے کلمہ ”رک جاؤ۔ بینک بند ہے۔“

علی نے کہا ”واہ کیا منظر ہے۔ تم نے میرا نشانہ لیا ہے اور کوئی تمہارا نشانہ لے رہا ہے۔“

نشانہ لگا لینے والے نے بے اختیار پیچھے سر ہموار کر دیکھا۔ علی نے ایک ٹھوکہ ماری۔ شاٹ گن اس کے ہاتھوں سے نکل کر فضا میں بلند ہوئی۔ علی کا دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ وہ بینک کے اندر جا کر فرش پر گر گیا۔ علی نے شاٹ گن کو کھینچ کر دیکھا۔ اندر صرف ایک شخص کے ہاتھ میں ربو الیور تھا۔ اس نے بینک میگزین کو نشانے پر لے رکھا تھا۔ بینک کا سیکورٹی گارڈ فرش پر مردہ پڑا ہوا تھا۔ علی نے اندر مچھتی سی شاٹ گن سے فائر کیا۔ ربو الیور والے کے ہاتھ میں گولی لگی۔ ربو الیور چھوٹ کر میز پر آیا۔ وہ دوسرے ہاتھ سے

اٹھانا چاہتا تھا۔ علی نے کہا ”خیر دارا ذرا بھی حرکت کرو گے تو زہر نہیں چھوڑوں گا۔“ میگزین ربو الیور اٹھالیا۔ زخمی ڈاکو کو نشانے پر رکھ کر ہلا ”تم سب اپنے ہتھیار چھینک دو۔ ورنہ تمہارا یہ لیڈر مر جائے گا۔“

ایک ڈاکو نے ہتھیار چھیننے سے پہلے میدان مارنے کی کوشش کی۔ میگزین کے ہاتھ سے ربو الیور گرنا چاہا۔ اس نے صبح نشانہ لیا۔ لیکن ہاتھ نہ گیا۔ گن سے نکلنے والی گولی اپنے ہی سامنے کو جا گئی۔ وہ دونوں بے حرکت رہا تھا۔ اچھل رہا تھا چلا کالوچ اس کی چٹون میں گھس گئے تھے اور اسے نچا رہے تھے۔

ناچنے والے کے ایک ہاتھ میں گن اور دوسرے ہاتھ میں ایک اپنی تھی۔ لباس کے اندر سے کالوچ کو باہر نکالنے کے لئے دونوں ہاتھوں کی ضرورت تھی اور وہ گن نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس گن کے ذریعہ جان بچا کر بھاگ جانے کی امید تھی۔ وہ اپنی پیچیدگی کر کالوچ مار سکتا تھا لیکن اپنی بھی امید تھی۔ اس میں ڈاکے کا مال بھرا ہوا تھا۔

علی ان سب کا راستہ روک کے رداؤہ پر کھڑا ہوا تھا۔ اس نے راستہ صاف کرنے کے لئے رداؤہ کی طرف دوڑ لگاتے ہوئے علی پر فائر کیا لیکن لباس کے اندر کی لال بیکیوں نے پھر اپنی چٹائی تھی۔ وہ دوڑنے کے دوران لڑکھڑا کر اون سے منہ فرش پر کر گیا۔ اس کے ساتھ اپنی بھی گن کر کر کھل گئی۔ اندر سے نوٹوں کی گڈیاں اور کئی کانڈات اور ایک ڈائری نکل کر فرش پر پھلتی ہوئی علی کے قدموں میں آئیں۔ علی نے پھسل کر آنے والے کے بازو میں گولی مار کر اس سے گن چھین لی۔

بینک کا عملہ ڈاکو والے والوں پر قابو پارہا تھا۔ علی جب تک ڈائری اور کانڈات فرش پر سے اٹھا رہا تھا۔ بازو پر گولی کھا کر زخمی ہونے والے نے کراہتے ہوئے کہا ”دوست! میرا ساتھ دو۔ میں تمہیں منہ مائی رقم دوں گا۔ ڈائری اور کانڈات چھالو۔ میں گرتا رہا ہوں گا۔ کوئی بات نہیں۔“ ان کانڈات پر جو نام اور پتہ لکھا ہے انہیں اس سچے پر پھینچا دو۔ پلیر انہیں فوراً چھادو۔“

علی نے فوراً یہ وہ کانڈات موڑ کر جب میں ٹھونس لئے۔ ڈائری بھی چھالی۔ پھر زخمی کے گردبان کو پکڑ کر اٹھائے ہوئے بینک کے ایک ملازم کو مخاطب کیا ”اے مسٹر! ادھر آؤ اور یہ نوٹوں کی گڈیاں میگزین کے پاس لے جاؤ۔“

میگزین نے آگے بڑھ کر علی کا شکر ادا کرتے ہوئے مصافحہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد پولیس والے آگئے۔ انہوں نے ڈاکو والے والوں کو حراست میں لیا اور علی سے پولیس اسٹیشن چلنے کو کہا۔ اس نے ٹھنی انجنس کے چپ و اسکوڈی تھرا کا قانون نمبر تھرا انیسپر سے کہا ”پلے اس نمبر بات کرو۔“

انیسپر نے رابطہ کیا۔ چپ کو بینک دیکتی اور کار مارن ہیرالڈ کے متعلق بتایا۔ پھر علی نے ربو الیور لے کر کہا ”ہیلو انکل! میں کار مارن

بول رہا ہوں۔“

واکوڈی تھرا نے کہا ”شاہاش بیٹے! تم نے فرض شناسی اور لہری کا ثبوت دیا ہے۔ تم سے بہت خوش ہوں۔“

”نکل! باہر کار میں پامیلا میرا انتظار کر رہی ہے“ پولیس اسٹیشن جاؤں گا تو وہ پور ہو جائے گی۔“

”تم ہماری بیٹی کے ساتھ جاؤ۔ ربو الیور انیسپر کو دو۔“

اس نے ربو الیور سے دیا۔ وہ ربو الیور کان سے لگا کر ”پلیس سر! میں سر کرنا رہا پھر علی سے بولا ”آپ جا سکتے ہیں۔“

وہ تیزی سے چلا ہوا باہر آیا۔ پامیلا نے اسے دیکھ کر رداؤہ کھول کر کہا ”تم پولیس والے نہیں ہو۔ پھر خطرات میں کودنے کیوں چلے گئے۔ اگر کوئی لگ جاتی تو؟“

”میں پولیس والا نہیں ہوں لیکن وطن کے ہر فرد کو ضرورت کے وقت سپاہی بن جانا چاہئے۔“

وہ کار آگے بڑھاتے ہوئے بولی ”ڈیڑی تمہاری ذہانت اور لہری پر قریان ہوتے رہتے ہیں لیکن میری تو جان نکلتی رہتی ہے۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ تمہاری لہری کی نہیں۔“

”میری جان! اصلہ اور لہری کے بغیر مرمو نہیں ہوتا۔“

”اپنی مرمو جی! صرف میری ذات تک رکھو۔ دوسروں کو لہری دکھاؤ گے اور تمہیں ہلکی سی بھی خراش آئے گی تو میں رو دو کر جان دے دوں گی۔“

علی مسکرا کر رہ گیا۔ اب اسے کیا بتا کہ زندگی کا ہر دن خطرات سے کھینچے ہوئے گزر رہا ہے۔ ان لمحات میں بھی اس نے خطرات کی بیٹی کو دلہن بنا رکھا تھا۔ گولڈن بریڈ میں سے کسی کو اس کی اصلیت معلوم ہوئی تو کہیں سے بھی ایک اندھ می گولی انکرا اس کا کام تمام کر دیتی۔

وہ اپنے بیٹکے میں پہنچ گئے۔ انہوں نے قتل ایب سے آتے وقت سوچا تھا۔ وہ ہٹوں میں کھایا کریں گے اور دن رات تفریح کرتے رہیں گے لیکن کالوچ کی بلا نازل ہونے کے باعث وہ ہٹوں کا کھانا قابل قبول نہیں تھا۔ کیوں کہ باورچیوں کی ذرا سی غفلت سے کالوچ کا سان تیار ہو سکتا تھا۔ اس لئے پامیلا خود ہی کھانا تیار کرتی تھی۔

وہ بچن میں جا کر مصروف ہو گئی۔ علی بیڈ روم میں آکر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ پھر جب سے وہ کانڈات نکال کر پڑھنے لگا۔ وہ ڈائری اور کانڈات بینک کے لاکر سے نکالے گئے تھے۔ ان کانڈات پر مسز ایڈر کا نام پڑھ کر علی چوک گیا۔ کیوں کہ ایڈر سلومن ایک گولڈن برین کا نام تھا۔

ایک ہی نام کی بے شمار لوگ ہوتے ہیں۔ کوئی ضروری نہیں تھا کہ ان کانڈات کا تعلق گولڈن برین ایڈر سلومن سے ہوتا۔ کسی ایڈر کی بیوی نے اپنی اہم دستاویزات لاکر میں رکھی ہوئی تھیں جو ایک ڈاکو کے ذریعے علی کے ہاتھ لگ گئی تھیں۔

ان کانڈات کے مطابق ایڈر کی بیوی امریکا کی ایک اسٹین کیلیفورنیا میں دس ہزار گز زمین کی مالک تھی۔ دوسری دستاویز کے مطابق ایڈر کا بیٹا سن شاٹن کار بھٹی کا مالک تھا۔ ایک اندازے کے مطابق اس بھٹی سے سالانہ لاکھوں ڈالر کا منافع حاصل کرتا ہو گا۔“

علی نے ڈائری کی ورق گردانی کی۔ اس کے صفحات پر بینک اکاؤنٹ کا حساب درج تھا۔ جس تاریخ کو بھٹی رقم جمع کرنا لگتی تھی، ان رقم کو جوڑنے سے پتا چلا کہ ایڈر کی بیوی نے امریکا کے ایک بینک میں ایک کروڑ بیس لاکھ ڈالر جمع کیے ہیں۔ یہ کوئی معمولی رقم نہیں تھی۔ اتنی رقم تو خوابوں میں نظر آتی ہے یا پھر اپنا وطن بچ کر اپنے مہیر کو بچ کر حاصل ہوا کرتی ہے۔ ایڈر کی بیوی اور بچے اسرائیل میں پڑا ہوا ہاتھ مار رہے تھے۔

علی نے لپٹی کا انتظار کیا۔ جب وہ مقررہ وقت پر آئی تو اس نے ایڈر کی فلیپ کی منتقلی اسے بتایا پھر کہا ”ان کانڈات پر جو نمبر درج ہیں میں ان نمبروں پر رابطہ کرتا ہوں۔ آپ ذرا ایڈر کی بیوی کی اصلیت معلوم کریں۔“

اس نے ربو الیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر دوسری طرف سے کسی نے رازدار سے پوچھا ”ہیلو! کون؟ مسٹر جیک؟“

لپٹی بولنے والے کے اندر پہنچ گئی۔ وہ ایڈر کا بیٹا شور سلوسن تھا۔ امریکا میں سن شاٹن موٹر کھیتی کا مالک بھی شور سلوسن تھا۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ اس کا باپ ایڈر ایک گولڈن برین ہے۔

گولڈن برین ایڈر نہایت ذمے دار اور فرض شناس تھا۔ اس نے اپنی بیوی اور بچوں پر کبھی ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ ایک گولڈن برین ہے۔ وہ ایک سرکاری افسر کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کی بیوی دیر سلوسن اور بڑے بیٹے شور سلوسن کو اس کی اصلیت معلوم تھی۔

جان لہوڈ کا شبہ تھا کہ ایڈر ایک بہت ہی اہم شخصیت کا مالک ہے۔ وہ یوگا کا ماہر تھا۔ اس کے چور خیالات نہیں پڑھے جا سکتے تھے۔ اس لئے لہوڈ نے اس کی بیوی دیر کو دولت اور جائداد کا لالچ دیا۔ امریکا لاکر سے معاہدہ کیا کہ وہ ایڈر کے خلاف جاسوسی کرے گی اس کی اصلیت بتائے گی یا اعصابی کمزوری کی دوا اسے کھلا کر اس کے دماغ میں پہنچے گا موقوف دے گی تو اسے امریکی حکومت تحفظ فراہم کرے گی۔

جان لہوڈ چاہتا تو دیر کے دماغ پر قبضہ جاکر ایڈر کو اعصابی کمزوری میں مبتلا کر سکتا تھا لیکن ایڈر کھانے پینے کے معاملہ میں محتاط رہتا تھا۔ بیوی بچوں سے ہنسنے میں ایک بار لپٹی آتا تھا۔ ان کے ساتھ کچھ وقت گزارا تھا۔ کھانے پینے کے معاملے میں صاف کہہ دیتا تھا کہ وہ صرف اپنے ہاتھ کا تیار کیا ہوا کھانا کھاتا ہے۔ بازار کا

کوئی شروب تو کیا ہی نہیں بیٹا ہے۔

ایسے میں جان لیوڑا کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا جس سے ایڈر کو شبہ ہو اور وہ پہلے سے زیادہ محتاط ہو جائے۔ ویرانے جاسوسی کی۔ اس نے بتایا کہ اس کے شوہر کی برسات وادج میں ایک ننھی سی سرخ روشنی بھی کبھی چلتی جھپتی ہے اور وہ بیوی بچوں سے باتیں کرتے کرتے اچانک ضروری کام کا باندھنا کر چلا جاتا ہے۔

لیوڑا نے پہرا سڑک کے حتم سے ویرانہ کو کیلیفونو میں فینس دینا اس کے بیٹے شوہر سلومن کو سن شان موٹر کھنی کا مالک بنا دیا تب ویرانے اپنے شوہر ایڈر کو چھوٹی بیٹی کی ساگرہ میں شریک ہونے اور کھانے پینے پر مجبور کیا۔ چھوٹے بچوں کی ضد اور محبت سے مجبور ہو کر اس نے پہلی بار ان کے ساتھ کچھ کھایا پیا اور اعصابی کمزوری کا شکار ہو گیا۔ اتفاقاً ایڈر کے پہلے سے بچہ بیمار تھا۔ اس لئے اعصابی کمزوری کو برومی ہوئی بیماری سمجھ بیٹھا۔ اسے بیوی اور بڑے بیٹے پر شبہ نہیں ہوا اور جان لیوڑا اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔

ایک بار قافلوں میں آنے کے بعد پھر وہ لیوڑا کے چنگل سے نہ نکل سکا۔ خوبی عمل کے ذریعے اس کا مشغول اور تابعدار بن کر وہ گیا۔ اب نازل حالت میں بھی سمجھتا تھا کہ وہ کسی کے زیر اثر نہیں ہے۔

لیٹی نے علی کو یہ تمام روداد سنائی۔ علی نے پوچھا "ایڈر پر توئی عمل کب ہوا تھا؟"

"ایک ہفتہ پہلے اس کی چھوٹی بیٹی کی ساگرہ تھی۔ اسی رات وہ اعصابی کمزوری کا شکار ہو گیا تھا۔ اس حساب سے جان لیوڑا اس کے دماغ میں چھ دن سے قہقہہ جمانے ہوئے ہے۔"

علی نے کہا "ابھی میں نے فون کیا تھا تو ایڈر کا بیٹا کسی جینک کو پوچھ رہا تھا۔ یہ جینک کون ہے؟"

"شاید وہی شخص ہے جسے تم نے جینک میں ڈھکی کیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ کانڈا میں جس کا نام اور پتا دوج ہے اس کے پاس جاؤ گے تو ہمیں منہ مانگی رقم ملے گی۔"

"اکروہ مجھے ایڈر کے بیٹے شوہر سلومن کے پاس جانے کو کہہ رہا تھا تو پھر اس نے شوہر اور اس کی ماں کا لاکر توڑ کر کیوں یہ کانڈا نکالے تھے؟"

"قصہ یہ ہے کہ شوہر کی ماں ویرا بچھلی رات مر گئی۔ مرنے سے پہلے اس نے فون پر اپنے شوہر ایڈر سے کہا کہ اب شاید میں مر جاؤں۔ اس سے پہلے اپنے خیر کار بوجھ بٹکا کر چاہتی ہوں۔ کیا ابھی میرے پاس آؤ گے؟"

دوسری طرف سے ایڈر نے کہا "تم ناحق مرنے کے متعلق سوچتی ہو۔ معمولی بیماری ہے، صبح تک ٹھیک ہو جاؤ گی۔ میں فرصت لیتے ہی آ جاؤں گا۔"

وہ بولی "تمہیں کبھی فرصت نہیں ملے گی ہر حال مجھے کچھ ہو جائے تو میرا لاکر کھول کر وہ دستاویزات پڑھ لیتا جو میں نے تم سے

چھپا کر دیاں رکھی ہیں۔"

فون پر ہونے والی ماں باپ کی باتیں بیٹے نے سن لی تھیں۔ اس نے سوچا۔ ماں مرنے سے پہلے خیر کار بوجھ بٹکا کر دی ہے۔ باپ کو حقیقت معلوم ہو گئی تو ماں کی کیلیفونو والی زمینوں کے ساتھ میری موٹر کھنی بھی ہاتھ سے نکل جائے گی۔ میرا محب وطن باپ رشتہ کی دولت اور جائیداد قبول نہیں کرے گا۔ مجھے سمجھ ہوتے ہی اپنے اور میری کے لاکر سے تمام اہم چیزیں نکال لینا چاہئے۔

یہ سوچ کر وہ اپنے کمرے سے نکل کر ماں کے کمرے میں آیا تو وہ بستر پر جاووں شانے چت پر ہی تھی۔ اس نے دروازے پر سے کہا "کسی تمہیں مرنے پر توشوق ہے مر جاؤ مجھے تو نکال بنا کر نہ جاؤ۔ پلیز ڈیڈی کے سامنے اپنے خیر کار بوجھ بٹکا نہ کرو۔ اپنے لاکر کی چابی مجھے دو۔"

ماں کی طرف سے جواب نہیں ملا۔ اس نے قریب آکر دیکھا تو پتا چلا وہ مرجی ہے۔ اس کی موت نے پریشان کر دیا۔ وہ لاکر کی چابی دینے سے پہلے مر گئی تھی۔ وہ چابی باپ کو مل جاتی۔ یا نہ بھی جاتی تو بیوی کی موت کے بعد شوہر کو لاکر کھولنے یا تڑوانے کا حق حاصل ہو جاتا۔

اس نے مردہ ماں کی تلاشی لی۔ نکلنے کے نیچے دیکھا۔ الماریاں اور سوٹ کیس وغیرہ کھول کر ایک ایک چیز کو الٹ پلٹ دیا لیکن لاکر کی وہ چابی نہیں ملی۔ مرنے والی شوہر سے یہ کہہ گئی تھی کہ وہ لاکر کھول کر دستاویزات نکالے گا اور بڑے گا تو وہ اہم باتیں معلوم ہو جائیں گی جو وہ فون پر نہیں کہہ پائی تھی۔

اس طرح یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ ایڈر مرنے کے بعد ہی اپنی بیوی کا لاکر ضرور... کھولے گا۔ شوہر سلومن کے سامنے۔ لاکھوں کوڑوں کی دولت اور جائیداد بچانے کا ایک ہی راستہ تھا کہ قانونی طور پر لاکر کھولوانے سے پہلے بیٹا باپ سے پہلے لاکر تڑوا دے۔

انہی حالات سے مجبور ہو کر شوہر سلومن نے ایک بدنام مجرم جینک کو پچیس ہزار شیال جینٹی ادا کئے اور کہا "جینک میں ڈاکا ڈالو۔ لاکر نمبر دو سو دو اور دو سو تین کو توڑ کر اس کے تمام کانڈا نکال لے آؤ۔ اس ڈاکے میں جتنی رقم ہاتھ آئے گی، وہ سب تمہاری ہوگی۔ مجھے صرف دونوں لاکر کے کانڈا اور ایک ڈائری لادو۔"

لیٹی نے علی کو تمام روداد سناتے ہوئے کہا "اس طرح وہ ڈاکے کی واردات عمل میں آئی اور یہ کانڈا تمہارے ہاتھ آ گئے۔"

علی نے کہا "اس کا مطلب ہے کل رات سے جان لیوڑا ان میں سے کسی کے دماغ میں نہیں آیا ہے۔ اگر آتا تو شوہر سلومن کو یقین دلاتا کہ اس کا باپ لاکر کھول کر بھی بیٹے کو موٹر کھنی وغیرہ سے محروم نہیں کرے گا کیوں کہ باپ اس ٹیلی بیٹھی جاننے والے کا تابعدار ہے۔"

میں مصروف ہے۔"

علی نے ریسور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے پھر رابطہ ہونے پر واسکوڈی تھا ہے کہا "انکل! ایک اہم معاملے پر بات کرنا چاہتا ہوں۔ آپ یہاں آ جائیں یا مجھے بلا لیں۔"

"میں ابھی آ رہا ہوں۔"

علی نے ریسور رکھ کر کہا "اسی اہم خوش ہو رہے تھے کہ ہم نے اپنی ذہانت سے گولڈن رینجز کے درمیان جگہ بنا لی ہے لیکن دشمن بھی ہم سے کم نہیں ہیں۔ لیوڑا بھی ان کی درمیان جگہ بنا چکا ہے۔"

"بیٹے! تمہارے مقابلے میں آنے والا کوئی بھی دشمن معمولی نہیں ہو سکتا دیکھو آج تو تم اسے گولڈن رینجز کے درمیان سے اکھاڑ دی جھینگو گے۔"

جان لیوڑا واقعی پچھلی رات سے دوسرے معاملات میں مصروف ہو گیا تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ ایک گولڈن برین اس کا تابعدار ہے۔ وہ ہمیشہ قابو میں رہے گا۔ کوئی ٹرپ نہیں ہوگی۔ مگر گڑبڑ ہو چکی تھی۔ وہ اپنے معمول گولڈن برین ایڈر کے پاس آیا تو اس کے خیالات نے بتایا کہ اس کی بیوی ویرا مرجی ہے اور مرنے سے پہلے یہ بتا گئی ہے کہ چند خفیہ کانڈا جینک کے لاکر میں رکھے ہوئے ہیں۔

لیوڑا نے اس کے بیٹے شوہر کے دماغ میں آکر کہا "تمہاری ماں نے مرنے سے پہلے حماقت کی ہے لیکن میں تمہارے باپ کو لاکر کے وہ کانڈا نکال دیتے ہیں۔ دوں گا۔ تم پر کوئی شبہ نہیں کرے گا۔" شوہر نے کہا "کل سے کہاں غائب تھے؟ معاملہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔ جب تم نہیں آتے تو میرے سامنے ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ تمہاری لاکر کو تڑوا کر دیاں سے کانڈا نکالوں۔"

لیوڑا نے پوچھا "تم جینک کا لاکر کیسے تڑوا سکتے تھے؟"

"ایک بدنام مجرم نے میرے لئے ڈاکا ڈالا تھا۔ مجھے امید تھی وہ لاکر سے میری مطلوبہ چیزیں لے آئے گا۔ جب کافی انتظار کے بعد وہ نہیں آیا تو میں جینک کی طرف گیا۔ وہاں پتا چلا ڈاکا ڈالنے والے پکڑے گئے ہیں۔ پتا نہیں وہ ہمارے لاکر تک پہنچا تھا یا نہیں؟ اگر پہنچا ہو گا تو ہمارے کانڈا تو پولیس کے ہاتھ لگ گئے ہوں گے۔"

لیوڑا نے غصے سے کہا "تم نے جلدی بازی میں بڑی حماقت کی ہے۔ جینک میگزین کا فون نمبر ڈائل کرو۔ میں کانڈا کی متعلق ابھی معلوم کروں گا۔"

میں ہے کہ وہ سامان کہاں غائب ہو گیا ہے۔ لیوڑا نے میگزین کو مائل کیا کہ وہ متعلق پولیس افسر سے رابطہ کرے اس نے رابطہ کر کے افسر سے پوچھا "کیا مجرم نے بتایا ہے کہ دونوں لاکروں کے کانڈا کہاں ہیں؟"

افسر نے کہا "میں۔ مجرم بہت ڈھٹ ہے۔ کہتا ہے تمام سامان اپنی جگہ میں تھا۔ وہ اپنی جینک میگزین کے پاس پہنچادی گئی تھی۔" لیوڑا اس افسر کو حوالات میں جینک کے پاس لے گیا پھر جینک کے خیالات پڑھ کر معلوم کیا کہ ایک جوان نے اچانک جینک میں آکر ڈاکے کی واردات کو کاغذ بنایا تھا۔ وہی تمام کانڈا لے گیا ہے۔

لیوڑا نے پھر اس افسر کی سوچ پڑھ کر معلوم کیا کہ وہ نو جوان ملٹری انٹیلیجنس کے چیف واسکوڈی تھا کہ عزیز ہے اور اس کا نام کارمن ہیرالڈ ہے۔

افسر نے لیوڑا کی مرضی کے مطابق نمبر ڈائل کئے رابطہ قائم ہونے پر ایک ماتحت نے بتایا کہ چیف واسکوڈی قہراً دفتر سے گھر گئے ہیں۔

افسر نے گھر کا فون نمبر پوچھا۔ پھر اس نے نمبر رابطہ قائم کیا۔ دوسری طرف سے علی نے پوچھا "کیلو کون ہے؟"

افسر نے کہا "میں پولیس افسر ہوں۔ چیف سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"



علی نے ریسور و اسکوڈی قہرا کو دیتے ہوئے کہا "گوئی پولیس افسر ہے۔"

اس نے ریسور لے کر پوچھا "ہیلو چیف بول رہا ہوں۔ تم کس علاقے سے بول رہے ہو۔"

دوسری طرف سے ریسور رکھ دیا گیا۔ وہ بھی ریسور رکھتے ہوئے بولا "شاید لائن کٹ گئی ہے۔"

اسی لمحے اس نے پرانی سوچی کی لہروں کو محسوس کیا پھر کہا "کوڈ ورڈز ادا کرو۔"

یہ کہتے ہی اس نے سانس روک لی۔ پھر دوبارہ سانس لیتے ہوئے انتظار کرنے لگا۔ جان لیوڈا نے ایڈر کے داغ میں مدھ کرے مورگن کے کوڈ ورڈز سننے سے جیسے مورگن کبھی ایڈر کے داغ میں اگر ضروری باتیں کیا کرتا تھا۔

جب واسکوڈی قہرا نے کوڈ ورڈز کے متعلق پوچھا تو لیوڈا نے دوبارہ داغ میں جا کر وہی کوڈ ورڈز ادا کئے۔ واسکوڈی قہرا نے فوراً ہی سانس روک کر اسے بھگا دیا اور سوچا۔ یہ کوڈ ورڈز بے مورگن ایڈر کے داغ میں ادا کرتا ہے۔ اگر ابھی بے مورگن آیا تھا تو اس نے وہ کوڈ ورڈز کیوں ادا نہیں کئے جو میرے لئے مخصوص ہیں۔

لیوڈا نے افسر کے ذریعے فون پر پہلے علی کی آواز سنی تھی۔ وہ واسکوڈی قہرا کے پاس سے نکام ہو کر علی کے داغ میں آیا۔ اس نے بھی سانس روک لی۔ کیوں کہ لیلی اس کے پاس آتے ہی کتنی تھی "امی ہوں۔"

علی نے کہا "انکل! ابھی کوئی میرے داغ میں آتا چاہتا تھا۔"

"ہاں بیٹے! میرے داغ میں بھی کسی نے آنے کی کوشش کی تھی۔"

"گوئی ٹیلی فنی جانے والا اس پولیس افسر کے ذریعے ہمارے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے ان کاغذات سے دلچسپی ہے۔"

واسکوڈی قہرا نے وہ کاغذات اور ڈائری پڑھنے کے بعد علی کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اور شور ایک گولڈن برین ایڈر کی بیوی اور بیٹا ہیں۔ ابھی لیوڈا نے ایڈر کے لئے مخصوص رہنے والے کوڈ ورڈز ادا کر کے اس شے کی تصدیق کی تھی کہ وہ گولڈن برین ایڈر اور اس کی فیملی وطن سے غدار کی کر رہے ہیں۔

وہ کاغذات اور ڈائری لے کر وہاں سے اٹھتے ہوئے بولا "کارمن بیٹے! تم نہیں جانتے کہ اب تیری بار تم ایک اور کارنامہ انجام دے رہے ہو۔ میں تم سے بعد میں باتیں کروں گا۔ ابھی میرا جانا ضروری ہے۔"

وہ باہر کار میں آکر بیٹھ گیا۔ اسے اشارت کر کے دور تک ڈرائیو کرنا ہوا تھا پھر ایک جگہ روک کر اس نے ڈائیں بوڑھے خانے سے ایک جھوٹا زائسٹر نکالا۔ اسے آہستہ کیا۔ رابطہ قائم ہونے پر اس نے کہا "ہیلو! اپنا اڈا جی بی ٹی و اسکوڈی قہرا اسپیکنگ

مجھے پورا یقین ہے جی بی تھری ایڈر غدار ہے۔ تم جان لیوڈا کی آواز اور سب سے خوب پہچانتی ہو۔"

"جی ہاں۔ اچھی طرح پہچانتی ہوں۔"

"اس کا لہجہ اختیار کر کے ایڈر کے داغ میں جاؤ۔ کسی کوڈ ورڈز کے بغیر جگہ مل جائے تو اس کا مطلب ہے ہو گا کہ ایڈر، جان لیوڈا کا معمول ہے اور تابعدار بن چکا ہے۔ تم خاموشی سے چور خیالات پڑھ آؤ۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ پھر کار اشارت کر کے اسے ایک پرائیویٹ بنگلے تک آیا۔ اس بنگلے میں ویسا ہی ایک خفیہ کمرہ تھا جیسا کہ راجر موس کے بنگلے میں تھا۔ اس نے وہاں آکر کپیڈ ٹرکے ذریعے راجر موس سے رابطہ کیا اور اسے موجودہ حالات بتائے۔

راجر موس نے کہا "میرے پاس اپنا آئی ہے۔ ابھی میرے اور اس کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اسے میں کپیڈ ٹرکے ذریعے تمہارے سامنے پہنچا رہا ہوں۔"

اپنے نے کہا "سرا! ایڈر کب وطن ہے۔ کسی فریب میں آکر لیوڈا کا غلام بن گیا ہے۔ اس کی سوچ نے بتایا۔ اس کی بیوی دیر امر چکی ہے۔ اس نے موت سے پہلے کہا تھا کہ اس کے بچک کے لاکر سے اہم کاغذات نکال کر ضرور پڑھے جائیں لیکن بچک میں ڈاکا ڈالنے والوں نے وہ کاغذات غائب کر دیے ہیں۔"

واسکوڈی قہرا نے کہا "وہ کاغذات ہمارے پاس پہنچ گئے ہیں۔"

"سرا! ایڈر کے بیٹے شور کے بیٹے کے پاس جی تھی اس کی سوچ نے بتایا کہ جان لیوڈا نے ان ماں بیٹے کو کیلیفورنیا میں زمینی دی ہیں اور انہیں ایک موٹر کھیتی کا مالک بنادیا ہے۔"

"شعری! اپنا! تم آرام کرو۔"

پھر اس نے راجر موس سے کہا "مفہوم! ہم نے ضرورت دھوکا کھایا ہے۔ جان لیوڈا ہمارے ایڈر کے داغ میں مدھ کر ہمارے تمام گولڈن برینز کے نام اور بچے معلوم کر چکا ہے۔ بہت سے اہم معاملات ہمارے راز دارانہ فیملی میں چکا ہے۔ ایسے بہت سے راز معلوم کر چکا ہے جنہیں ہم دنیا سے چھپاتے آ رہے ہیں۔ پھر یہ بھی معلوم کر چکا ہے کہ ہم امریکا کو کیسے کیسے جھنجھوڑوں سے بلیک میل کر کے اس سے ہماری امداد حاصل کرتے ہیں۔"

"بے شک" یہ ہمارے ساتھ میرا ہوا ہے۔ ہمیں فوراً حفاظتی اقدامات کرنے چاہئیں۔ سب سے پہلے ہم اپنے نام "بچے" اور کوڈ ورڈز تبدیل کریں گے۔ یہ بات ہمارے حق میں ہے کہ ایڈر کسی گولڈن برین کو شکل سے نہیں پہچانتا تھا۔ یہ تو صرف ہم اور تم دو سرے گولڈن برینز کو شکل و صورت سے پہچانتے ہیں۔"

وہ آئندہ کے لئے اپنے طریقہ کار میں اور اپنی پالیسیوں میں تبدیلیاں کرنے کی پلاننگ کرنے لگے۔ راجر موس نے ایک اعلیٰ حاکم سے کہا کہ وہ امریکی حکام سے شکایت کرے کہ جان لیوڈا

ہمارے ملکی معاملات میں مداخلت کر رہا ہے۔

ادھر لیوڈا نے سمجھ لیا تھا کہ ایڈر کو گولڈن برین کے وعدے سے ہٹایا جائے گا۔ اس نے اس کے بیٹے شور سے کہا "تم باپ بیٹے کی شامت آگئی ہے اور یہ شامت لانے والا ملٹری اٹلٹی جس کا بیٹا واسکوڈی قہرا ہے۔ اگر تم کسی طرح چیف کو زخمی کر دو تو میں اس کے داغ پر قبضہ جما کر اسے تمہاری حمایت میں بولنے پر مجبور کر دوں گا۔"

جان لیوڈا کی اب بھی کوشش تھی کہ کسی بھی گولڈن برین کے داغ پر قبضہ جتا کر ان کے درمیان پہلے کی طرح مدھ کرے۔ وہ ایڈر کے ذریعے تمام گولڈن برینز کے نام بچے معلوم کر چکا تھا۔ اس نے یہ نام اور بچے شور کو بتائے اور وہاں قیام کرنے والے اپنے چند برٹ انجنیں کو بھی بتائے انہیں تاکید کی کہ ایک کھٹے کے اندر کسی کو بھی زخمی کرنا کسی طرح ان کے داغوں کو کمزور نہ کرے۔ دیر وئی تو وہ موجودہ رہائش گاہیں چھوڑ کر کسین روپوش ہو جائیں گے۔ امریکا ایک باپ کی طرح اسرا نیل کو اولاد سمجھ کر اس کی پرورش کرتا آ رہا ہے۔ اسے اسلامی ممالک کے مقابلے میں پرہیزگار رہا ہے۔ لیکن یہ بھی سمجھتا ہے کہ اسرا نیل ناجائز اولاد ہے۔ وطن ملتے پر یہ باپ بھی پیٹھ پیچھا گھونپ دے گا۔ اس لئے پھر سڑک پر یہ منظور نہیں تھا کہ گولڈن برینز اسرا بن کر رہیں اور امریکا کے مشورے کے بغیر وہ خارجہ پالیسیاں مرتب کریں جن سے بھی امریکا کو بھی نقصان پہنچ سکے۔

لیلی نے آکر علی سے کہا "ابھی میں شور کے پاس تھی۔ جان لیوڈا نے اس جوان کو تین گولڈن برینز کے نام اور بچے بتائے ہیں۔ اسے تاکید کی ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی فوراً دماغی طور پر نلور نہ بنائے تاکہ اسے خیال خانی کے ذریعے گولڈن برینز کے رہبان رہنے کا موقع ملتا رہے۔"

علی یہ سنتے ہی کار میں آکر بیٹھ گیا پھر بولا "آپ شور کو دیکھیں! اہم جانے وہاں تک آپ میری رازبانی کریں۔"

وہ بولی "ڈرا! قہر۔ شور اسی طرف آ رہا ہے کیوں کہ واسکوڈی ہاکی ہاٹش ہیں۔ میں اسے ایک اور گولڈن برین جان نوئل طرف لے جاتی ہوں۔ وہ شرایلات میں رہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے! اس طرح ایک اور گولڈن برین سے میرا تعلق ہو جائے گا۔ میں ایلات کی طرف جا رہا ہوں۔"

لیلی چلی گئی۔ وہ تیز رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سوچنے جان لیوڈا صرف شور سے کام نہیں لے رہا ہوگا۔ اس کے اپنے موس اور دوسرے آلہ کار بھی تمام گولڈن برینز پر حملہ کرنے لے ہوں گے۔

تھوڑی دیر بعد لیلی نے آکر کہا "میں نے شور کو ایلات کے سنے پر لگا دیا ہے۔"

"امی! پتا نہیں لیوڈا کتنے آلہ کاروں سے کام لے رہا ہے ان

میں سے کوئی واسکوڈی قہرا کو نقصان پہنچانے آئے گا تو اس بنگلے میں پامیلا تنہا ہوگی۔"

"نگر نہ کرو۔ میں اس کا انتظام کرتی ہوں۔"

وہ پامیلا کے پاس آئی تو علی کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ وہ شخص جبراً بنگلے میں محسوس آئے تھے اور واسکوڈی قہرا کو پوچھ رہے تھے۔ پامیلا غصے سے کہہ رہی تھی "نکل جاؤ یہاں سے۔ انکل تم لوگوں سے نہیں ملیں گے۔"

ان دونوں نے پامیلا کو حمایت کر ایک کمرے میں بند کر دیا تھا۔ ایک نے کہا "اگر تمہارا وہ انکل ہمیں نہ ملا تو تمہیں گوئی مار دیں گے۔"

لیلی بولنے والے کے داغ میں آگئی۔ اسے اپنا آلہ کار ہاکی اس کے ریز اور سے گوئی چلائی۔ اس کا ساتھی جیج مار کیش کے لئے خاموش ہو گیا۔

پھر لیلی نے اس کی زبان سے علی تھوڑے لمحے میں کہا "پامیلا! میں آگیا ہوں۔ تم پریشان نہ ہو۔ تمہارے کمرے کا دروازہ کھول کر دوسرے دشمن کو بھی ختم کر کے جا رہا ہوں لیکن تم ابھی باہر نہ آنا۔"

پامیلا نے کمرے کے اندر سے پوچھا "مجھے تنہا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟"

لیلی نے پھر اس کے ذریعے کہا "ان دشمنوں سے پتا چلا ہے کہ ان کے ساتھی جان نوئل کو نقصان پہنچانے ایلات گئے ہیں۔ انکل آئیں تو تیار میں ایلات گیا ہوں۔"

لیلی نے اس آلہ کار کے ذریعے دروازے کی جتنی نیچے کر دی۔ پھر اسے خود کشی پر مجبور کر دیا۔ پامیلا نے دوسری مرتبہ فائزنگ کی آواز سن کر پوچھا "کارمن! تم خیریت سے ہو؟"

اب گوئی جواب دینے والا نہیں تھا۔ لیلی پامیلا کے پاس آگئی۔ وہ دوسری تھی اور سوچ رہی تھی وہ دوسری گوئی کارمن کو قتل ہے اسی لئے جواب نہیں مل رہا ہے۔

لیلی نے اس کی سوچ میں تھکی دی "نہیں! میرا کارمن ایلات گیا ہے۔ وہ خیریت سے ہے۔ مجھے کمرے سے نکل کر دیکھنا چاہئے۔"

وہ ڈرتے ڈرتے باہر آئی۔ پھر دونوں دشمنوں کی لاشیں دیکھ کر مطمئن ہو گئی۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسور اٹھا کر بیلو کیا۔ دوسری طرف سے واسکوڈی قہرا نے کہا "بیٹی! چار مسلح گارڈز بھیجا رہا ہوں۔ وہ بنگلے کے اطراف میں پہرا دیں گے کارمن کہاں ہے؟"

"انکل! یہاں وہ بد معاشوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ کارمن نے دونوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ ان کی لاشیں یہاں پڑی ہیں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"ریسیور کارمن کو رو۔"

257

”وہ ایلات گئے ہیں۔ یہ ہلاک ہونے والے بد معاش کہہ رہے تھے کہ ان کے ساتھی وہاں کسی جان نویل کو قتل کرنے گئے ہیں۔“

”بنی! تم ایک دلبر نوجوان کی شریک حیات ہو۔ حوصلے سے رہو۔ سٹل گاؤڑ بچ رہے ہیں۔“

رابطہ ختم ہو گیا۔ لٹلی نے علی کے پاس آکر یہ ساری روداد سنا دی اس نے کہا ”یہ آپ نے سمجھا کیا۔ اب یہ جواز پیدا ہو گیا کہ مجھے کسی جان نویل کے بارے میں جیسے معلوم ہو۔ ویسے امی! جان لیوڑا کی ناکام کوششوں سے ہمیں قائدہ بچ رہا ہے۔“

”یہ بات خود لیوڑا سمجھ رہا ہے کہ تمام گولڈن برنڈز کی رہائش گاہوں کے اطراف اب تک پہرا لگا چکا ہوگا۔ وہ ایک سوہوم سی امید پر کوششیں کر رہا ہے۔“

واقعی اتنی دیر میں تمام گولڈن برنڈز کی حفاظت کا انتظام ہو چکا تھا۔ ان سب کی رہائش گاہوں کے اطراف مسلح فوجی جوان پہرا دے رہے تھے لیکن جہاں ٹیلی فنی ہو، وہاں فوج اور ہتھیار بھی محض نمائش کی چیزیں بن کر رہ جاتے ہیں۔

جان لیوڑا اور اس کے ماتحت ٹیلی فنی جاننے والے کسی نہ کسی کو ذریعہ بنا کر فوجی جوانوں کے دماغ میں بچ رہے تھے۔ اسی طرح ایلات میں جان نویل کے بچنے کے اطراف سخت پہرا تھا۔ شور وہاں پہنچا تو جان لیوڑا نے اس کی مدد کی۔ بڑی سکت عملی سے سپرد اہل کونرپ کر آیا اور شور کے لئے بچنے کے اندر پہنچنے کا راستہ بنا لیا۔

راستہ اپنے لئے بنایا جاتا ہے اور جب بن جاتا ہے تو پھر دوسرے بھی اس پر چل کر آتے جاتے ہیں۔ شور کے پیچھے علی کے لئے بھی راستہ صاف ہو گیا تھا۔ جان نویل نے شور کو دیکھا پھر پریشان ہو کر پوچھا ”تم کون ہو؟ میری اجازت کے بغیر کیسے آئے ہو؟“

وہ بولا ”اجازت تم کبھی نہ دیتے۔ اسی لئے پہرا توڑ کر آیا ہوں۔ تمہیں جان سے نہیں ماموں گا۔ زندہ رہنا چاہتے ہو تو دماغ کے دروازے کھلے رکھو۔ آئے والے کو سانس روک کر نہ بگاڑو۔“

”میں کسی کو آئے نہیں دوں گا۔ میرا یہ دماغ ملکی رازوں کا امین ہے۔ جو بھی ان رازوں تک پہنچنے کے لئے آئے گا، میں سانس روک لوں گا۔“

وہ ریوالتور سے نشانہ لے کر بولا ”میں ہمیشہ کے لئے تمہاری سانس روک دوں گا۔“

لیوڑا نے کہا ”شور! یہ میرے جاتے ہی سانس روک لیتا ہے! اسے زخمی کر دو۔“

شور نے ٹیکر پر انگلی کا دباؤ دھتا چاہا۔ الپا نے کہا ”لیوڑا ایک تم ہی خیال خوانی نہیں کرتے۔ تمہارا یہ آلہ کار میری مرضی کے بغیر ٹیکر نہیں دبا سکے گا۔“

شور کا دماغ لیوڑا اور الپا کی مکملش میں الجھ گیا۔ دونوں خیال خوانی کا زور لگا کر اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے تھے۔ کبھی یوں لگتا تھا جیسے گولی چل جائے گی اور کبھی ریوالتور کا سنہ دوسری طرف ہو جاتا تھا۔ ایسے ہی وقت علی نے آکر اس کے ریوالتور پر ٹھوکر ماری۔ پھر محکوم کر دوسری طرف ٹھوکر مارتے پر سید کر دی۔ ریوالتور ایک طرف گیا وہ دوسری طرف جا کر دیوار سے ٹکرا گیا۔ جیسے گیند دیوار سے ٹکرا کر واپس آتی ہے۔ ویسے یہ وہ آیا۔ آتے ہی کرائے کا ہاتھ مارنا چاہتا تھا۔ علی نے ہاتھ پکڑ کر سوز دیا۔

الپا شور کے اندر تھی۔ اسے یوں لگا جیسے شور کا ہاتھ آہنی کلکتے میں آیا ہو۔ جان لیوڑا اس کے اندر رہ کر زور لگا رہا تھا۔ گویا شور اور لیوڑا کی دفنی طاقت استعمال ہو رہی تھی اس کے باوجود آہنی کلکتے میں مڑا ہوا ہاتھ سیدھا نہیں ہو رہا تھا۔

علی نے کہا ”شور! میں نہیں جانتا کہ یہ مسٹر جان نویل کون ہیں لیکن تم انہیں کمزور بنا کر کسی ٹیلی فنی جاننے والے کو ان کے دماغ میں گھسانا چاہتے ہو تو اس کا مطلب ہے، مسٹر جان نویل میرے ملک کی اہم ترین شخصیت ہیں۔ میرے جیسے ہی کوئی میرے وطن کے کسی بھی اہم یا معمولی شخص کو کبھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔“

یہ کہتے ہی اس نے مڑے ہوئے ہاتھ کو ایک جھٹکا دیا۔ شور کے حلق سے ایک زوردار چیخ نکلی۔ اس کے ہاتھ کی پڈی ٹوٹ گئی تھی۔

الپا چونک کر اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہو گئی۔ بے اختیار اپنے ہاتھ کو یوں سلانے لگی جیسے شہ زور نے اس کا ہاتھ موڑا ہو۔ دل کی دھک دھک کہہ رہی تھی ”چھوڑ میری نازک کلائی!“ پھر وہ اپنی کلائی کو دیکھ کر اسے سلانے ہوئے سوچ رہی تھی ”اچھی تو یہ آزاد ہے۔ اس نے پکڑا نہیں ہے۔ جکڑا نہیں ہے۔ یہ تو احساس ہے جس نے جکڑ لیا ہے۔“

ادھر علی نے اس کا ہاتھ توڑ کر دھکا دیتے ہوئے اسے جان نویل کے قدموں میں میں گرا دیا پھر کہا ”سزا میں نے اسے توڑ دیا ہے۔ مگر آپ ہوشیار رہیں۔ اس کے دماغ میں کوئی دشمن چھپا ہوا ہے۔“

جان نویل نے قریب آکر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا ”جوان، تم کون ہو؟“

”میرا نام کارسن ہیرالڈ ہے۔ میں راجرموس کا داماد ہوں۔“ اس نے حیرانی اور خوشی سے دیکھا پھر اسے گلے لگاتے ہوئے کہا ”تم مسٹر موس کے داماد ہو تو پھر میرے بھی بیٹے ہو۔“

علی نے گلے لگنے کے بعد اسے ایک طرف دھکا دیا۔ اس لئے غنائیں کی آواز کے ساتھ ایک گولی ان کے درمیان سے گزری۔ علی نے محکوم کمر لات ماری۔ ریوالتور پھر ایک بار شور کے ہاتھ سے نکل کر دور چلا گیا۔ جان لیوڑا، شور کی تکلیف کے باوجود اسے حمایت کر فرش پر پڑے ہوئے ریوالتور کے طرف لے جانے لگا۔

علی نے رہ اور اٹھا کر جان نوبل سے کہا "میں نے کہا تھا کہ اس کا ہاتھ توڑ دیا ہے لیکن کوئی دشمن اس کے اندر ہے اس نے ہمیں غافل سمجھ کر گولی چلائی تھی۔ اب میں اسے گولی ماروں گا تو دشمن اس کے دماغ میں نہیں رہ سکے گا۔"

یہ کہنے ہی اس نے شور کو گولی مار دی۔ جان لیوڈا کا محاذ ختم ہو گیا۔ اب وہ جان نوبل کو نقصان پہنچا کر اس کے دماغ میں جا سکتا تھا۔ اس لئے گولڈن برین راجروس کی طرف گیا تاکہ کارسن سے انتقام لینے کے لئے اس کے سر کے دماغ میں اپنے آئندہ کاروں کے ذریعے جگہ بنانے کی کوشش کرے۔

ادھر الپا پھر شور کے پاس آئی تھی اور اسے گولی لگتی ہی اپنی جگہ حاضر ہو گئی تھی۔ اب وہاں کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ چائیں اپنے اندر کیا ہو گیا تھا کہ وہ پھر اس کی آواز اور پھر جیسا لہجہ سنتا چاہتی تھی۔

اس نے ریمپور اٹھا کر جان نوبل کے نمبر داخل کیے۔ دوسری طرف جان نوبل نے ریمپور اٹھا کر کہا "ہیلو کون ہے؟"

"سر میں الپا ہوں۔ کوڈ نمبر اے ایل اے ڈبل دن ہے۔"

"ہاں بولو۔ خیریت ہے؟"

"جی ہاں۔ تھوڑی دیر پہلے میں اس قاتل کے دماغ میں تھی جو اب محتول ہو گیا ہے۔ آپ کی حفاظت کرنے والا جوان شاید کارسن بیرلڈ ہے۔ مجھے اس کا موبائل نمبر چاہئے تاکہ میں اس کی ذہانت اور دلیری سے کام لے سکوں۔"

جان نوبل نے علی سے کہا "ہماری ایک خیال خوانی کرنے والی الپا کا فون ہے۔ تم اپنا موبائل فون نمبر بتاؤ۔"

علی نے نمبر بتاتے جان نوبل نے وہ نمبر الپا کو بتا دئے۔ علی نے کہا "مجھے من الپا کے کوڈ نمبر معلوم ہونے چاہئیں۔"

الپا نے فون کے ذریعے کہا "کوڈ نمبر میں کوڈ ورڈز بتا رہی ہوں اور وہ یہ ہیں۔ محبت کے ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوتا ہے۔"

جان نوبل نے ہنستے ہوئے کہا "بہن جانوں کے کوڈ ورڈز ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

اس نے علی کو کوڈ ورڈز سنائے پھر ریمپور دیا۔ وہ ریمپور کان سے لگا کر پھر جیسے جیسے میں بولا "مجھے یہ کوڈ ورڈز پسند نہیں ہیں۔ جب بھی مجھ سے رابطہ کرو تو یہ کوڈ محبت کو بھول جاؤ فرض کو یاد رکھو۔"

وہ بولی "چلو فرض ہی سہی۔ رابطہ کا کوئی توبانہ رہے گا۔ یہ بتاؤ ابھی تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں۔"

"سسر راجروس کی خیریت معلوم کرو۔"

وہ گئی۔ پھر چند سیکنڈ بعد آکر بولی "میری خبر ہے تمہاری ساس یعنی راجروس کی بیوی کو دشمنوں نے مار ڈالا ہے اور بچنے کے اندر وہ راجروس کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔"

علی نے کہا "دماغ میں نہیں فون پر آؤ۔"

یہ کہنے ہی اس نے سانس روک لی۔ وہ باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ علی نے فون ریمپور کو کان سے لگایا۔ وہ بولی "اگر دماغ میں رہے دیتے تو کیا سمجھا کھاتے! ایسی بھی کیا بے رخی ہے۔"

"کام کی باتیں کرو۔"

"میں معلوم کر چکی ہوں سسر راجروس خیریت ہے ہیں۔"

"تم نے کیسے معلوم کیا؟"

"یہ ایک سرکاری راز ہے۔ میں نہیں بتاؤں گی۔"

"اس کا مطلب ہے میرے سر کی بھی بہت زیادہ سرکاری اہمیت ہے۔ یہ بتاؤ۔ بچنے کے سامنے والے دو دروازے کو بلاست کیا جائے تو سسر راجروس کو نقصان پہنچے گا؟"

"میں وہ محفوظ رہیں گے۔"

"تمہارے اس یقین سے ظاہر ہوتا ہے کہ سسر مونس اسی بچنے کے اندر ہیں مگر کسی محفوظ گوشے میں ہیں۔"

"تم بہت چالاک ہو۔ باتوں کی ہیرا پیمیری سے بہت کچھ معلوم کر لیتے ہو۔"

"کیا فوجی جھڑپی سے ایک درجن کتے آسکتے ہیں؟"

"ضرور آسکتے ہیں۔"

"میں فوراً یہاں لانے کی کوشش کرو۔"

آدھے گھنٹے میں ایک درجن کتے آگئے۔ کتوں کے دو نیز بھی تھے علی نے ایک آئیسر سے کہا "ہینڈ گرنیڈ سے وہ سامنے والا دروازہ توڑ دو۔"

افسر نے اعتراض کیا۔ الپا نے کہا "مجبوراً رولے کا حکم ہے کہ سسر کارسن کے ہر حکم کی قیبل کی جائے۔"

افسر نے ایک کم قوت کا بم بچنے کے دو دروازے کے سامنے پھینکا ایک دھماکے کے ساتھ دروازہ ٹوٹ گیا۔ لیوڈا کے آئندہ کار اندر سے فائرنگ کرنے لگے۔ علی نے جوتانی فائرنگ سے منع کر دیا۔

ادھر خاموشی رہی تو ادھر سے بھی فائرنگ بند ہو گئی۔ تب علی کے حکم کے مطابق دونوں نیزوں نے اپنے کتوں کو بچنے کے اندر جانے کا نکل دیا وہ ایک درجن کتے تھری سے دو ذکر بھونکتے ہوئے اندر جانے لگے۔ اندر سے فائرنگ ہونے لگی۔

فائرنگ کے نتیجے میں دو چار کتے گولیاں کھا کر گرے۔ باقی اندر بچ گئے۔ فائرنگ کرنے والوں کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ وہ جان بچانے اور کتوں سے بچنا چھڑانے کے لئے باہر آنے لگے اور گولیاں کھا کر گرے۔ پھر منٹوں میں میدان صاف ہو گیا۔

الپا نے خیال خوانی کے ذریعے راجروس کو بتایا "خطوہ ٹل گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی بچنے کے اندر آئے آپ خفیہ کرے سے نکل آئیں۔"

جب وہ خفیہ کرے سے خواب گاہ میں آیا تو مکان کے مختلف حصوں میں فوجی بوٹوں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ اس نے بلند آواز میں کہا "میں یہاں خیریت سے ہوں۔ کوئی کوئی نہ چلائے۔"

خواب گاہ میں سب سے پہلے علی آیا۔ راجروس نے اسے گلے لگا کر کہا "ہمارے بیٹے! تم نے ایسے ایسے کارنامے انجام دئے ہیں کہ میرا سر فخر سے اونچا ہو گیا ہے۔ تمہیں جلد ہی ایک ایسے مہم سے پر فائز کیا جائے گا جس کے متعلق تم بھی سوچ بھی نہیں سکتے۔"

مختلف شہروں سے خیال خوانی کے ذریعے راجروس کو اطلاع ملنے لگی کہ تمام گولڈن برنز خیریت سے ہیں اور ایک گولڈن برین ایڈر کو حراست میں لے لیا گیا ہے۔

لیٹی نے میرے پاس آکر کہا "اسلی ہو اکی رفتار سے بھی زیادہ فاسٹ ہے۔ اس نے تمام گولڈن برنز کے دل و دماغ کو تسخیر کر لیا ہے۔ بہت جلد اسے ایڈر کی جگہ گولڈن برین بنا دیا جائے گا۔"

میں نے کہا "میں خوش خبری اس کی سونیا ماما کو سناؤ۔"

وہ سونیا کے پاس آئی۔ اس نے کہا "لیٹی! خاموشی سے مجھے بگھو اور چل جاؤ۔ پھر چہا نک مجھ سے کوئی رابطہ نہ رکھے۔"

بہ بابا صاحب کے ادارے میں تھی۔ اس ادارے میں بابا فرید واسطی مرحوم کا ایک جڑو تھا۔ جہاں وہ زندگی کا بیشتر حصہ عبادت میں گزار کر گئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد وہ جڑو منتقل رہتا تھا۔ وہاں صرف وہی ہتیاں جاتی تھیں۔ جناب علی اسد اللہ تھریزی اسے کھول کر اپنی عمرانی میں صفائی کراتے تھے پھر اسے مقتل کر دیتے تھے۔ دوسری ہستی سونیا تھی جو وہاں قدم رکھ سکتی تھی۔

وہ جبرے کا قتل کھول کر وہاں کی صفائی کر رہی تھی۔ بابا صاحب کے مزار سے اگرتی کا خوشبودار دھواں نفا میں پھیل رہا تھا۔

بابا صاحب نے اپنی تعلیمات میں کہا تھا۔ مسلمان اور با ایمان رہنے کے لئے صرف اپنی نیت نیک رکھو۔ ہماری دنیا میں بہت کم لوگ ہیں جو ہر پہلو سے اپنی نیت صاف رکھتے ہیں۔ ایسے بھی لوگ ہیں جو اپنی ہی نیت کی خرابی کو سمجھنا نہیں چاہتے۔

ایسے بھی لوگ ہیں جو ایک برائی کرتے ہیں۔ پھر ایک بھلائی کرتے ہیں۔ پھر ایک برائی کرتے ہیں۔ پھر ایک بھلائی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حساب برابر ہوتا جا رہا ہے۔ وہ غلطی پر ہیں اگر یہ سمجھتے ہیں کہ آخرت میں پکڑ نہیں ہوگی۔

جبرے کی صفائی کرتے وقت سونیا کو بابا مرحوم کی بتی یا تھیں یاد آ رہی تھیں۔ انہوں نے آخری وقت سونیا سے کہا تھا "بیٹی! تیری نیک نیتی بے مثال ہے۔ خدائے واحد پر تیرا ایمان مستحکم ہے۔ اتنا مستحکم کہ تو بندوں سے کچھ نہیں مانگتی۔ اپنی ذات کو اور اپنی خواہشات کو خدا کی رضا پر چھوڑ دیتی ہے۔"

اس لئے تیری وہ خواہشیں بھی پوری ہوں گی جو ادھر وہ گئی ہیں۔

تجھے تیرا وہ بے وقوف ایک دن جیون ساتھی کی حیثیت سے ملے گا۔

جب تو منکوحہ بن جائے گی تو میرے جبرے میں دوبارہ آئے گی، ایک بار چہماہ کے لئے۔ دوسری بار چہماہ کے لئے۔

اور جب چہماہوں کے لئے آئے گی تو وہ تیری زندگی کے آخری دن ہوں گے۔

سونیا نے صفائی کے بعد وضو کیا۔ پھر اس جگہ نماز کے لئے کھڑی ہو گئی جہاں بابا مرحوم نماز پڑھا کرتے تھے۔

انہوں نے فرمایا تھا۔ تو چہماہ تک میرے جبرے میں تھام رہے گی۔ کوئی تجھ سے ملاقات کے لئے نہیں آئے گا۔ تو خود پکائے گی اور کھائے گی۔ حتیٰ کہ چہماہ کے آخری ایام میں اس وقت بھی کسی کو آنے کی اجازت نہیں ہوگی جب تو دروازہ میں جھار رہے گی۔

اور تو اس وقت بھی تھام رہے گی جب ایک بچے کو جنم دے گی۔

خدا کہتا ہے "کن" اور سب کچھ ہو جاتا ہے۔

اور خدا عالم الغیب ہے۔

جان لیوڈا کو آزادی اور خود مختاری حاصل تھی۔ وہ ٹیلی
جیٹھی کے ذریعے اپنے ملک کے پیچیدہ مسائل حل کرتا آ رہا تھا۔
وہاں کے اعلیٰ حکام اور سپرائسر ہولی مین وغیرہ اس پر اتمہا وند
اعتماد کرتے تھے۔ جب الونٹنی اور غرض شاشی کے پیش نظر وہ واقعی
قابل اعتماد تھا۔
جن دنوں ٹرانسفا مرشین موجود تھی اور علی تیمور نے اسے
ساتھ نہیں لیا تھا، اُن دنوں جان لیوڈا نے ایک نوجوان کے لئے
سفارش کی تھی کہ اسے بھی ٹرانسفا مرشین سے گزار کر ٹیلی جیٹھی
کا علم سکھایا جائے۔ اس کا نام بی جی قمرال تھا، پورا نام بین جین
قمرال تھا۔ وہ اسے مختصر کر کے بی جی قمرال لکھتا تھا۔
قمرال کو مختلف آزمائشی مراحل سے گزارا گیا تھا۔ ملٹری
ٹرننگ سینٹر میں اسے ہر طرح کی تربیت دی گئی تھی۔ وہ جان لیوڈا
اور سپرائسر ہولی مین کا وفادار تھا۔ دونوں نے بڑی رازداری سے بی
جی قمرال کو ٹیلی جیٹھی کا علم دیا تھا۔ ٹاپ سیکرٹ فائلوں میں بھی اس
کا نام اور ریکارڈ نہیں رکھا تھا۔
وہ اب تک یہی دیکھتے آ رہے تھے کہ میں ان کے خفیہ ریکارڈز
کے ذریعے ان کے ٹیلی جیٹھی جاننے والوں کے نام جان لیا کرتا
ہوں، اس لئے انہوں نے بی جی قمرال کو آف دی ریکارڈ رکھا تھا۔
اس کی فوٹنی صرف ایک سخی صرف ایک کہ وہ مجھے تلاش کرے۔
کسی جگہ بھی میری موجودگی کا ہر پہلو سے یقین کرے اور جب یقین
ہو جائے کہ میں نظروں میں آیا ہوں اور درمیان میں کوئی دیوار
نہیں ہے تو وہ مجھے قتل کر دے۔
اور جب تک مجھے قتل نہ کرے، یہ ظاہر نہ کرے کہ وہ ٹیلی
جیٹھی جانتا ہے اس کا نام بی جی قمرال ہے اور اس کا تعلق جان
لیوڈا اور سپرائسر ہے۔
جب علی تیمور نے اس ٹرانسفا مرشین کو پناہ کیا تو قمرال نے
لیوڈا سے کہا ”مجھے اجازت دی جائے، میں علی تیمور کو قتل کروں گا
وہ غشی کشی کے آس پاس کہیں ہوگا۔“
لیوڈا نے کہا ”۳۰ ہمارے تمام جاسوسی اور پولیس والے
تلاش کر رہے ہیں، تمہیں صرف فراہمی موت بنایا گیا ہے، تم اسے
تلاش کرو۔“
دشمن بڑی مشکلوں سے سراغ لگاتے ہیں کہ میں کس ملک اور
کس شہر میں ہوں۔ سراغ لگانے کے بعد بھی یقین نہیں ہوتا تھا کہ
وہ میں ہوں اسے میری ڈی سمجھا جاتا تھا۔ جب میں سونپا کے ساتھ
قل ایب میں تھا، تب بھی وہ تھقیق نہ کر سکتے۔ سونپا سے میرا نکاح
پر دھابا گیا۔ تب بھی انہیں یقین نہیں تھا کہ ہم دہما دہن ایک ہی شہر
اور ایک ہی گھریں میں ہیں اور کہیں ہیں۔
بی جی قمرال میری ہو سکتا پھر ہوا تھا اور مجھے اس کے جدوجہد کی
خبر نہیں تھی۔ وہ کبھی امریکا سے اسرائیل پھر اسرائیل سے فرانس
جاتا رہا، جہاں میری موجودگی کی اطلاع ملتی وہاں پہنچ جاتا تھا۔

پھر ایک غلط اطلاع ملی کہ میں بلخاریہ میں ہوں اس نے وہاں پہنچ کر فرموا کہ آدرو ف کو دیکھا تھا۔

وہ پہلے ہی اپنا یہ طریقہ کار طے کر چکا تھا کہ مجھے حسین ترین عورتوں کے ذریعے پکارتے گا۔ سہرا سڑنے اس طریقہ کار پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ”فہراد عمر کے لحاظ سے بدل چکا ہے بلکہ جیسا عاشق نہیں ہے تمہاری کوئی آواز کار حسینہ اسے محرزہ نہیں کر سکتی۔“

تھمال نے کہا ”آوی کی عمر جتنی گزرتی جاتی ہے وہ اتنی ہی ہوس پرست ہوتا جاتا ہے۔ فہراد کے دو جوان بیٹے ہیں۔ اس نے اب وہ جو بچہ کر رہا ہوگا چھپ کر کرتا ہوگا۔“

”یہ تمہاری قیاس آرائی ہے۔“

”وہ پارسا میں گیا ہوگا تب ہی بدنام ہوگا اور جو حسینہ اسے بدنام کرے گی، وہ حسن و شباب کے اعتبار سے غیر معمولی کشش رکھتی ہوگی۔ فہراد اسے دیکھ کر توبہ توڑ دے گا۔“

تھمال ایسی ہی کسی جاویدگر حسینہ کی تلاش میں تھا۔ اس نے چند حسین ترین لڑکیوں کو آواز کار بنا رکھا تھا۔ وہ ایسی لڑکیاں تھیں جن کے سامنے مقابلہ حسن میں اول آنے والیاں نامزد ہوجاتیں۔ پھر جب اسے فرموا کہ آدرو ف نظر آئی تو تھمال کی پچھلی منتخب لڑکیاں بھی فرموا کہ حسن کے آگے بھگ کر گئیں۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ فرمونا کو آواز کار بنائے۔ ایسے ہی وقت لیوڈانے آکر کہا ”فہراد پاکستان میں ہے۔“

”مسٹر لیوڈا! کیا تم نے تصدیق کی ہے؟“

”ہاں وہ پچھلے دنوں سے پاکستان کے ایک شہر لاہور میں تھا۔ آج کل پشاور میں ہے۔“

”آپ نے یہ معلومات کیسے حاصل کی ہیں؟“

”ہمارا ایک بہت سی جالاک جاسوس راجہ بڑا اسلام آباد میں ہے۔ اس نے علاقہ فیر کے ایک پو لیٹیکل ایجنٹ سے فون پر گفتگو کی تھی۔ میں نے اس پو لیٹیکل ایجنٹ کے دماغ میں جا کر معلوم کیا کہ کافور خان کی حویلی میں ایک ارسلان نامی مسلمان آیا تھا۔ وہ کچھ پراسرار سا ہے۔ کافور خان کی حویلی اور کورڈوں دوپے کے زبورات اور اسلحہ تیار ہو گیا ہے۔ میں فون کے ذریعے کافور خان کے پاس پہنچ گیا تھا۔ تم میرے دماغ میں آؤ۔ میں تمہیں اس کے پاس پھاندوں گا۔“

لیٹی تھی تھمال نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ جان لیوڈا کے دماغ میں آیا۔ لیوڈانے اسے کافور خان کے دماغ میں پھاندیا۔ اس کے تمام خیالات پڑھنے کے بعد تھمال نے ایک فرانسیسی شخص جوزف کو اپنا آواز کار بنا کر کافور خان کے پاس بھیجا۔ پھر اس سے اور بہتر خان سے دوستی کی۔ ان کے دماغوں کو لاک کیا تاکہ میں ان کے دماغوں میں آکر پھر انہیں تیار نہ کروں اور ان کے اندر چھپ کر تھمال کی آواز نہ سن سکوں۔

جس رات قہرمان نے ان کے دماغوں کو لاک کیا تھا۔ اس کی جہان کی بہن مرچینا مجھ سے ملے پٹاور آ رہی تھی۔ اس کے بھائی نے مرچینا کی آواز کا کیٹ سنایا۔ جسے سن کر قہرمان مرچینا کے دماغ سے آیا۔ اس لڑکی نے سانس روک لی۔ تب قہرمان نے اندازہ لگایا۔

میں نے مرچینا کے دماغ کو لاک کیا ہے۔

وہ میری آواز اور لہجہ اختیار کر کے اس کے دماغ میں گیا تو اس نے سانس نہیں روکی۔ اس طرح پختہ یقین ہو گیا کہ میں مرچینا سے مل رہا ہوں اس کے ذریعے اس کے بھائیوں کی دولت اور جاگیر لٹاؤ کر رہا ہوں اور اب پٹاور کے ایک رست ہاؤس میں مرچینا سے ملاقات کرنے والا ہوں۔

دہاں میری موجودگی کا عمل یقین کرنے کے بعد قہرمان نے بنوں بھائیوں کو غیرت والا کر رست ہاؤس کا حاصر کرایا تھا۔ اس شہر نہیں کہ وہ مجھے قتل کرنے کے لئے زبردست چال چل چکا لیکن جسے خدا رکھے اسے کون چکھے کے صداق میں دہاں سے مدد سلامت نکل آیا تھا۔

اس دوران قہرمان بلغاریہ کے ایک شہر دنا میں تھا اور دہاں رہتا تھا۔ وہ صرف کو اپنی معمول چال چاتا تھا۔ اس نے فرموتا کو بڑی بڑی نکالتا سے نکالا تھا۔ اس کے باپ کے قاتلوں سے انتقام لیا تھا۔ اس کا دل جیت لیا تھا۔ اس قدر فرشتے کے بعد وہ شیطان بن رہا اس کی عزت سے ٹکھتا چاہتا تھا۔ وہ عاجزی سے بولی "میں ایسی لی نہیں ہوں۔ بے حیائی سے پہلے جان دے سکتی ہوں۔ تم ہاں فرشتے سے شیطان بن رہے ہو، آخر تم کون ہو؟"

"میں تمہارا سچا عاشق ہوں۔"

"عاشق ہو تو اپنا نام بتاؤ۔"

"میرا نام ساری نہیں تو آدمی دنیا جانتی ہے، میں فرہاد علی در ہوں۔"

قہرمان زبردست مکار تھا۔ میرا نام اور میری شخصیت اختیار رہا تھا، اس نے فرموتا سے کہا "تم چہ میں کہتے کے اندر یہ شہر دڑو گی اور پاکستان کے ایک شہر پٹاور جاو گی۔ دہاں ایک ایسا ایچتی جانے والا دشمن ہے جسے تمہارے ذریعے قابو میں کروں۔"

"وہ بولی "میں تمہارے ضرور کام آؤں گی لیکن میری ایک بات مانو مجھ سے شادی کرو، میری عزت کے دشمن نہ بنو۔"

وہ بولا "فرہاد کو کھانا ہوئی میں مل جاتا ہے" اسے وہ گھر میں نہیں کھاتا۔ مجھ سے شادی کی بات نہ کرو۔"

وہ دہی فرہاد جسے میں فرہاد تو کہوں گا، عزت مکار تھا۔ وہ فرموتا کو یہ کہہ کر پریشان کر رہا تھا کہ ایک ہفتہ بعد اس کی عزت سے در کھیلے گا۔ جبکہ وہ ایسا کر نہیں چاہتا تھا۔ اسے میرے ریکارڈز ذریعے معلوم ہوا تھا کہ میں ایسی کسی سینہ کی طرف مائل نہیں آئے پہلے ہی کوئی ہاتھ لگا چکا ہو۔ اس لئے وہ مجھے نہرپ کرنے

کے لئے فرمونا کہ ہاتھ نہیں لگا ہوا تھا۔ صرف اسے دھکی دے رہا تھا۔

فرمونا نے کہا ”جہیں ایسا شیطانی علم حاصل ہے جس کے ذریعے میرے دماغ کو اپنے بس میں کر لیتے ہو اور میں اپنے بس میں نہیں رہتی۔ میں اپنا ملک چھوڑنا نہیں چاہتی لیکن تم مجھ کو دے۔“

”جب اچھی طرح جان لی ہو کہ میرے اشاروں پر ناپتے رہتا ہے تو پھر پاکستان جانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔“

”میں جانوں گی، مگر دل سے تمہارا کوئی کام نہیں کر دوں گی۔ مجھے موقع ملے گا تو میں تمہارا بننا ہوا کام لگا کر ڈروں گی۔“

”کیا تم اتنی خوب صورت زندگی سے محروم ہونا چاہتی ہو؟“

”جب تم میری عزت چھین لو گے تو بے حیا زندگی جی کر کیا کر دوں گی؟“

”تم میرے کام آتی رہو گی تو میں جہیں ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔“

”سچ کہہ رہے ہو؟“

”میں جھوٹ بھی کہوں گا تو کیا بگاڑ لو گی؟ بہتر ہے مجھ پر بھروسہ کرو اور میرا کام کرتی رہو۔“

دوسرے دن وہ بلخاریہ سے پاکستان کے لئے روانہ ہوئی۔ سفر کے دوران اس نے مخاطب کیا ”فردا اپنی تم موجود ہو؟“

اسے جواب نہیں ملا۔ اس نے دوسری بار آواز دی پھر یقین ہو گیا کہ فردا موجود نہیں ہے۔ وہ سیلف بلیٹ کھول کر آرام سے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر سونے لگی ”فردا سے کیسے نجات حاصل کروں؟“

طیارہ زمین پر تھانہ آسمان پر۔ اسے اطمینان حاصل ہو رہا تھا کہ وہ فردا اس کا پیچھا کرتا ہوا زمین اور آسمان کے درمیان طیارے میں نہیں آسکے گا۔ شاید خیال خوانی کی لہر بس بھی اتنی بلندی پر نہیں آتی ہو گی۔ خدا کرے ایسا ہی ہو اور وہ سفر کے دوران اس سے دور رہے۔

وہ اس سے دور رہنے اور ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کرنے کے متعلق سوچتی رہی۔ جب انسان اپنی مدد آپ نہ کر سکے تو وہ دوسروں کا سارا ذخیرہ ختم ہے۔ اس نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے مسافر کو دیکھا، وہ مسکراتے ہوئے بولا ”میرا نام رابرٹ ہے، میں عیسٰی سے آ رہا ہوں۔“

اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ وہ مصافحہ کرتے ہوئے بولی ”میں فرمونا آندروف ہوں۔ پاکستان جاری ہوں۔“

”میں بھی اسلام آباد جا رہا ہوں۔ صوبہ سرحد کے بار جو علاقہ میرے اس کی تاریخ کے بس منظر میں موجودہ دور کے خالق کہنا چاہتا ہوں۔“

وہ بولی ”میرا خیال ہے کسی بھی علاقہ کے متعلق بہت زیادہ سچی باتیں نہیں لکھنی چاہئیں۔ وہاں کے باشندوں کے دلوں کو نہیں جتنی ہے۔“

”یہ درست ہے لیکن سچ لکھنے سے وہاں کے خناس اور غیرت مند لوگ اپنے گمراہ لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں اور ایسے قواعد اور قوانین بناتے ہیں جن پر عمل کر کے جرائم سے پاک معاشرہ قائم کرتے ہیں۔ بانی دی وے“ تم کیا کر رہی ہو؟“

”میں؟ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ کچھ نہیں کرتی ہوں۔ اپنے اختیار میں نہیں رہتی اس لئے اپنی زندگی نہیں گزار رہی ہوں۔ میری زندگی کوئی اور گزار رہا ہے۔“

”تم کوئی فلسفہ بیان کر رہی ہو؟“

”نہیں! یہ میری حقیقت ہے۔“

”اس حقیقت کی وضاحت کرو، تاکہ کچھ سمجھ سکوں۔“

”کیا تم ٹیلی بیٹھی کے متعلق کچھ جانتے ہو؟“

”میرا خیال ہے، میں بہت کچھ جانتا ہوں۔“

”کیا تم نے فریاد علی تیور کا نام سنا ہے؟“

”کئی بار سنا ہے۔“

”وہ بہت جلد فریاد مجھے کچھ بتا رہا ہے۔ جب چاہتا ہے میرے دماغ پر قبضہ جمالتا ہے۔ میں خود مختار نہیں رہ پاتی۔ اس کے اختیار میں رہنے لگتی ہوں۔ اس وقت بھی اس کے حکم کے مطابق سفر کر رہی ہوں۔“

”کیا ابھی وہ تمہارے دماغ میں ہے؟“

”اگر ہوتا تو میں اس کے خلاف بول نہ پاتی۔ میں سوچتے سوچتے تھک گئی ہوں اس سے نجات پانے کے تدبیر سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ کیا تم میری مدد کر سکتے ہو؟“

”وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا ”وہ ٹیلی بیٹھی جاننے والا بعد میں تمہارے خیالات پر چڑھ کر معلوم کر لے گا کہ میں اس کے خلاف تمہاری مدد کر رہا ہوں۔ پھر وہ میرا دشمن بن جائے گا۔ مجھے بھی ذہنی طور پر اپنا غلام بنالے گا۔“

”ہاں یہ بڑی مشکل ہے۔ میں تمہارے تعاون کو چھپانا چاہوں تب بھی وہ چڑھ لے گا۔ دنیا کا کوئی شخص مجھے اس شیطان فریاد سے نجات نہیں دلا سکے گا، مجھے مرنانا چاہئے۔“

”وہ خود کشی کے ارادوں کو سنے گا تو تمہیں مرنے بھی نہیں دے گا۔“

”اسی لئے کہتی ہوں کہ میں اپنی زندگی نہیں گزار رہی ہوں میری زندگی وہ گزار رہا ہے۔ یہ کیسی بد نصیبی ہے کہ میں مر رہی نہیں سکتی۔“

”تمہیں کوئی ایسا شخص نجات دلا سکتا ہے جو ٹیلی بیٹھی جانتا ہو کیونکہ لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔“

”واقعی کوئی ٹیلی بیٹھی جاننے والا ہی فریاد کو مٹ توڑ جواب دے گا۔ تم نے یہ بات کہہ کر میری آدھی پریشان ختم کر دی ہے۔“

”وہ خوش ہو رہی تھی پھر ایک دم سے مایوس ہو کر بولی ”لیکن ایسا فرشتہ کہاں لے گا؟ تم کسی کو جانتے ہو؟“

”میں جانتی نہیں ہوں لیکن سنا ہے، فریاد بیٹھ امریکیوں اور اسرائیلیوں سے بھگڑا کرتا رہتا ہے۔ ان دو ملکوں میں ضرور ٹیلی بیٹھی جانتے والے رہتے ہوں گے جو فریاد کو اپنے ملکوں سے بھگاتے ہوں گے۔“

”وہ ناگوار سی بولی ”بہت ہی ذلیل ہے، بڑی طاقتوں سے لڑ نہیں سکتا۔ اس لئے میرے دماغ پر حکومت کر رہا ہے۔“

”تمہیں فریاد سے بہت نفرت ہے؟“

”شدید نفرت ہے اور شدید عداوت ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ خیال خوانی کرنے والے تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے؟“

”سوری“ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہم جن ٹیلی بیٹھی جانتے والوں کے نام اور پتے نہیں جانتے ہیں ان کے دواؤں سے تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟“

”وہ سوچ میں ڈوب گئی۔ کہیں سے بچاؤ کا کوئی راستہ ڈھونڈ رہی تھی۔ کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ رابرٹ نے کہا ”تم بہت پریشان ہو، میرے بس ہو تاؤ دشمن کو تمہاری زندگی سے بھگا کر تمہارا دل جیت لیتا۔ تم اتنی حسین ہو کہ میں جان کی بازی لگا سکتا ہوں لیکن جان دینے سے بھی تمہارا بھلا نہیں ہو گا۔“

”وہ سوچتے ہوئے بولی ”فریاد مجھے پشاور جانے کے لئے اس وجہ سے مجبور کر رہا ہے کہ میرے ذریعے کسی دشمن کو پھانسا جاتا ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ فریاد کا وہ دشمن ٹیلی بیٹھی جانتا ہو گا۔“

”بے شک جانتا ہو گا۔ اس لئے خود اس پر قابو پانے میں ناکام ہونے کے بعد تمہیں استعمال کر رہا ہے۔“

”وہ چٹکی بجا کر بولی ”پھر تو میں اس کے ٹیلی بیٹھی جاننے والے دشمن سے دوستی کروں گی۔ وہ فریاد کی دشمنی میں میری مدد ضرور کرے گا۔“

”وہ پھر خوش ہونے لگی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور چہرے پر تازگی آگئی تھی۔ رابرٹ نے کہا ”تم بار بار خوش ہوتی ہو اور بار بار مایوس ہو جاتی ہو۔ پہلے یقین کر لو کہ یہ خوشی قائم رہے گی اور اگر رہے گی تو کیسے رہے گی؟ تمہارا طریقہ کار کیا ہو گا؟“

”میں جو بھی طریقہ کار سوچوں گی وہ فریاد خیال خوانی کے ذریعے معلوم کر لے گا۔ اس سے کچھ چھپانے کی کوشش کرنا حماقت ہے۔“

”پھر تو وہ تمہیں اپنے دشمن ٹیلی بیٹھی جاننے والے سے دوستی نہیں کرنے دے گا۔“

”کوئی بات نہیں! میرے دماغ پر قبضہ ہمارے دشمن سے دشمنی کرانا رہے لیکن فریاد کا دشمن بھی میرے چہرے پر خیالات پر چڑھ کر معلوم کر سکتا ہے کہ میں مجبور ہو کر اس سے دشمنی کر رہی ہوں اور اس سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔“

”ہاں فریاد کا دشمن تمہاری مجبوریوں کو سمجھ لے گا۔ تم میرے انداز سے بے زیادہ چالاک ہو۔“

”وہ مسکرائے لگی ”رابرٹ نے کہا ”چالاک بھی ہو اور احسان فراموش بھی۔“

”وہ تیرا بدل کر بولی ”یہ کیا کہہ رہے ہو؟“

”فریاد نے تمہارے دشمنوں سے انتقام لیا۔ تمہارے باپ کے قاتل کو اور قاتل کا ساتھ دینے والوں کو چن چن کر قتل کیا۔ تمہیں اس کا احسان ماننا چاہئے مگر تم اس سے دشمنی کا منصوبہ بن رہی ہو۔“

”یوش اپ۔ کسی کا احسان مند ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اپنی عزت و آبرو کو داؤ پر لگا دوں۔“

”فرمونا“ تم میری ملکیت ہو، تمہاری آبرو میری چٹکی میں ہے۔“

”وہ حیرانی اور سراسیمگی سے رابرٹ کا منہ دیکھنے لگی۔ اس نے کہا ”میں فریاد ہوں“ اور رابرٹ کی زبان سے بول رہا ہوں۔ تمہاری زبان سے تمہارے ارادے سن چکا ہوں۔ اب یہ سوچتی رہو کہ میں تمہارے ارادوں کو کس طرح ناکام بنائوں گا۔ میں جا رہا ہوں پاکستان میں ملاقات ہوگی۔“

”یہ بات ختم ہوتے ہی رابرٹ ایسے چمک گیا جیسے نیند سے جڑوا کر اٹھا ہو۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر گیارے کے اندر دھنواں حل کر دیکھنے لگا۔ فرمونا اسے ٹوٹتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولی ”تم کچھ پریشان ہو؟“

”اس؟ ہاں! مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں بیٹھے بیٹھے سو گیا تھا اور نیند میں تم سے کچھ باتیں کر رہا تھا۔“

”بستر ہے تم پھر نیند میں ڈوب جاؤ اور خواب میں مجھ سے باتیں کرتے رہو۔ میں بی بی الحال خاموش رہنا چاہتی ہوں۔“

”وہ بری طرح مایوس ہو گئی تھی۔ اسے فریاد پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے چالاک سے رابرٹ کے دماغ میں وہ کرائی کی تمام پلاننگ سن لی تھی۔ نہ بھی سنتا تو بعد میں خیال خوانی سے معلوم کر لیتا۔ غصہ اس بات پر آ رہا تھا کہ اس نے رابرٹ کے دماغ میں وہ کرائی سے اتو بنایا تھا اور یہ سمجھا دیا تھا کہ اس کی کوئی چالاک کام نہیں آئے گی اور کوئی اس کے کام نہیں آسکے گا۔“

”اس نے مجبور ہو کر خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ خاموشی سے سفر کرتی ہوئی کراچی آئی۔ وہاں سے اسلام آباد پہنچی۔ کراچی سے ایک خاتون اس کی ہم سفر رہی تھی۔ اس نے سفر کے دوران فرمونا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”تم بہت خاموش اور فکر مند ہو گیا بات ہے؟“

”وہ بولی ”بات کیا بتاؤں؟ وہ تمہارے بھی دماغ میں ہو گا اور میری باتیں سن رہا ہے گا۔“

”کون میرے دماغ میں رہے گا؟ کیا یہ کوئی ٹیلی بیٹھی کا معاملہ ہے؟“

”ہاں! کیا تم اس سلسلے میں کچھ جانتی ہو؟“

”ہاں! مجھے یہ علم کھینچے گا بڑا شوق تھا لیکن ہزار کوششوں کے باوجود نہ کچھ سکی۔ میں نے سنا ہے کہ فریاد علی تیور اسلام آباد آیا پشاور میں ہے۔ میں اسے تلاش کرنے جا رہی ہوں۔“

”کیا تم اس عیاش کی فین ہو؟“

”یہ کیا کہہ رہی ہو؟ کیا تم نہیں جانتیں کہ فریاد کسی شریف عورت کو ہاتھ نہیں لگا تا ہے۔ ہو سکتا ہے ایسی عورتوں کی وجہ سے بدنام ہو رہا ہو جو خودی دیوانی ہو کر اس کے پاس چلی آئی ہوں۔“

”تم بھی اس سے ملنے جا رہی ہو؟“

”میں دو بچوں کی ماں ہوں۔ میرا خاندان مجھ سے بہت محبت کرتا ہے اور مجھ پر اعتماد کرتا ہے، یہ باتیں فریاد میرے دماغ میں پڑے گا تو مجھے ضرور بہن بنائے گا۔“

”تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ وہ میری عزت کا دشمن بنا ہوا ہے۔“

”میں نہیں مانتی۔“

”وہ میرے دماغ میں آتا ہے۔ ذرا انتظار کرو، وہ کسی بھی وقت آسکتا ہے۔ پھر میں تمہیں اس کی اصلیت بتاؤں گی۔“

”یہ میری خوش نصیبی ہے کہ اسلام آباد پہنچنے سے پہلے ہی تمہارے ذریعے فریاد صاحب سے گفتگو کروں گی۔“

”تم اسے دیکھو اور مجھے بغیر اس کی عقیدت مند کیوں بن گئی ہو؟“

”محبت اور عقیدت کے لئے یہ بہت ہے کہ ہم دونوں شاہ کوٹ میں پیدا ہوئے تھے۔ ہم دونوں پاکستانی ہیں۔“

”اچھا تو وہ پاکستانی ہے۔ مجھے اپنے ملک میں بلایا ہے تاکہ خود امریکی اور اسرائیلی ٹیلی بیٹھی جاننے والوں سے محفوظ رہے۔“

”خاتون نے ہنسنے ہوئے کہا ”تم فریاد صاحب کے متعلق کچھ نہیں جانتی ہو یا پھر دشمنوں نے اس کے خلاف تمہیں برکایا ہے۔ وہ ایسا ناقابلِ تفسیر ہے کہ دنیا کے تمام ٹیلی بیٹھی جاننے والے اس سے دور بھاگتے ہیں۔“

”تمہارے خاتون کے دماغ میں کہا ”لیکن اب فریاد دنیا سے بھاگے گا۔“

”خاتون نے ایک ہاتھ سے سر تھام کر خلاء میں نکلتے ہوئے کلمہ ”میرے دماغ میں کوئی بول رہا ہے۔“

”فرمونا جلدی سے بولی ”وہی فریاد ہو گا۔“

”نہیں! یہ کوئی اور ہے۔ فریاد کے خلاف بول رہا ہے۔“

”اگر اس کے خلاف بول رہا ہے تو میں اس سے دوستی کروں گی اسے کو ”میرے دماغ میں آئے۔“

”وہ آکر بولا ”ٹوٹا“ فریاد کیا فرماتی ہو؟“

”تم نے تو وہی فریاد ہو۔“

”ہاں! تمہارے لئے مصیبت ہوں۔ جب تک دشمنی سے سوچتی رہو گی تمہارے اندر آتے جاتے تمہارا خون خشک کرتا

خاتون نے پوچھا ”تم زور پڑھتی ہو گلیات ہے؟“
تھرہال نے اس کے پاس آکر کہا ”اسے دو بچوں کی اماں!
خاموش رہ۔ اس لڑکی سے بات نہ کرو۔ ورنہ کھوپڑی لٹا دوں گا۔“
وہ حیرانی سے بولی ”فردا صاحب! میں آپ کی عقیدت مند
ہوں، ہم دونوں کی جانے پیدائش۔“

وہ بات کات کر بولا ”پوش اپ۔ ایک ہی جگہ پیدا ہونے
والے سب کے سب فرشتے نہیں ہوجاتے۔ ساری دنیا جاتی ہے کہ
میں عیاش اور بدکار ہوں“ اس لڑکی کو اپنے مقصد کے لئے اس ملک
میں لایا ہوں۔“

خاتون کا دل ٹٹ گیا تھا۔ عقیدت سے بنایا ہوا فردا کا بت
پاش پاش ہو رہا تھا۔ اس کے آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ آنسو
بھرے لیے میں بولی ”میرا دل نہیں مان رہا ہے کہ سفید سیاہ ہو گیا
ہے اور فرشتہ شیطان بن گیا ہے۔ خدا کے لئے کہہ دو کہ یہ مذاق
ہے۔ تم ہی تمام پاکستانیوں کے تمیزیل ہو۔ اگر تم جھوٹے ہو تو
جھوٹی ہی سہی دے دو۔“

”تم میرا اور اس لڑکی کا وقت ضائع کر رہی ہو۔ دیکھو گیارہ
اسلام آباد پہنچ گیا ہے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اس سے
باتیں کر دینی تھیں تمہارے بچوں کو مارواؤں گا۔“

وہ گھبرا کر بولی ”نہیں نہیں۔ ایسے ظالم نہ بنو۔ میرے بچوں کی
طرف نہ جاؤ۔ میں وعدہ کرتی ہوں اس لڑکی سے باتیں کرنا تو کیا
اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کروں گی۔“

وہ فرموتا سے منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ اس نے بات کی تو خاتون نے
اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں غونسن لیں۔ دونوں آنکھوں کو بند
کر لیا۔ فرموتا سمجھ گئی کہ فردا اس خاتون کو بھی اس سے دور
کر رہا ہے۔ اسے کسی کا تعاون حاصل کرنے کا موقع نہیں دے رہا
ہے۔

وہ تھرہال کے حکم کے مطابق اسلام آباد سے پشاور گئی۔ اس
نے اپنے ایک آلہ کار کے ذریعے ریسٹ ہاؤس میں فرموتا کے قیام
کا بندوبست کیا تھا۔ ان دنوں میرا رابطہ مرہینا سے تھا۔ اس لئے
تھرہال فرموتا کو چھوڑ کر مرہینا کی تصویر کے ذریعے اس کے داغ میں
پہنچ گیا تھا جب یہ معلوم ہوا کہ وہ جگہ سے لئے ریسٹ ہاؤس میں
آ رہی ہے تو اس نے فرموتا کو ریسٹ ہاؤس سے نکل کر ایک فور
اشارہ ہوٹل میں جانے پر مجبور کیا۔ تھرہال کو یقین تھا کہ وہ مرہینا کے
داغ میں رہ کر میری پوزیشن معلوم کرتا رہے گا۔ اور ریسٹ ہاؤس
کا خاصہ کر کے مجھے قتل کرادے گا۔

اس منصوبے پر پوری طرح عمل کرنے کے باوجود ناکامی
ہوئی۔ میں بال بال پہنچ گیا۔ خدا کو میری سلامتی منظور تھی۔ چنانچہ
میرے نام سے آنے والی کوئی مرہینا کو لگ گئی تھی۔ اور لیٹی تھی تھرہال
حیرانی سے سوچ رہا تھا کیا فردا علی طور حیات خضر لے کر آیا ہے۔

ہر پہلو سے مکمل منصوبہ پر عمل کرنے کے بعد بھی بچ نکلا ہے۔

اس نے جان لیوڑا اور سپراس ہولی میں کو یہ روادار سنا۔
سپراس نے کہا ”اس میں شبہ نہیں کہ تم نے زبردست پلاننگ کی
تھی اور اس پر چاروں طرف سے حملہ کر لیا تھا۔ وہ کم بخت قسمت
کا دعویٰ ہے۔“

لیوڑا نے کہا ”قسمت بیشہ ساتھ نہیں دیتی۔ اگر تم اسی طرح
زبردست پلاننگ کر کے اس پر عمل کرتے رہو گے تو وہ جلد ہی حرام
موت مرے گا۔“

لیٹی بھی تھرہال کو اپنے بیروں سے شاباشی مل رہی تھی اس کا
حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ مرہینا کے بعد اب فرموتا رہ گئی تھی جسے وہ
میرے لئے چار بنایا کر لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میں زخمی کافر خان کے
داغ میں جاؤں گا۔ اس نے ہیرم خان کے ذریعے کافر خان کے
سامنے فرموتا کا ذکر کیا تھا تاکہ میں کسی حسین دوشیزہ کا ذکر نہ کر
انے دیکھنے جاؤں یا اس دوشیزہ کے ذریعے تھرہال کو ٹریپ کرنا
چاہوں تو فرموتا کے حسن و شباب کا اس پر ہواؤں۔

میں اس کی توقع کے مطابق فرموتا کے پاس نہیں گیا۔ وہ اس
کے داغ میں چھپ کر میرا انتظار کرتا رہا۔ اگر وہ ہوٹل کے کمرے
میں کسی دوشیزہ کو ضرورت سے ملائی تو تھرہال اس دوشیزہ کے داغ میں
جا کر معلوم کرنے کی کوشش کر تاکہ فردا وہاں چھپ کر آیا ہے یا
نہیں؟

فرموتا ڈانٹنگ ہال میں کھانے کے لئے جاتی۔ ہوٹل کے خیریا
کسی انجینی سے کوئی بات کرتی تو تھرہال کو یہی شبہ ہوتا کہ فردا انجینی
بن کر آیا ہے اور اس سے دوستی کرتا چاہتا ہے۔ جبکہ اس حینہ سے
ہر دل والا دوستی کر سکتا تھا۔

جب ایک دن اور ایک رات گزر گئی اور میں نے فرموتا سے
دلچسپی نہیں لی تو وہ پریشان ہو گیا۔ مجھے نظروں میں رکھنے کا اور میری
معروفیات کو سمجھنے کا ذریعہ وہی ایک حینہ رہ گئی تھی۔ باقی ہیرم خان
اپنے زخمی بھائی کافر خان کو علاقہ غیر لے گیا تھا۔

وہ پریشانی کے عالم میں دل کو سمجھا رہا تھا کہ فردا خاموشی سے
فرموتا کے داغ میں رہتا ہے اس کے خیالات پر دھتا ہے اور دشمن
سوچ کی لمبوں کو سننے کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ اس لئے تھرہال اب
براہ راست فرموتا کو مخاطب نہیں کرتا تھا۔ اس کے خیال کے
مطابق فرموتا کے داغ میں دو خیال خواتین کرنے والے خاموشی سے
ایک دوسرے کو دبوچنے کی فکر میں تھے۔

دوسرا دن بھی گزرنے لگا تو تھرہال کے صبر کا پتہ نہ لہر رہا ہو گیا۔
اس نے سوچا پھر کافر خان کو پکڑنا چاہئے اور اسے مجبور کرنا چاہئے
کہ وہ فردا کی شراکت پوری نہ کرے۔ جتنی عورتوں کو داشتہ اور
مردوں کو غلام بنایا کر رکھا ہے انہیں آزاد نہ کرے۔
اگر شراکت پوری نہیں ہوں گی تو فردا پھر زخمی کافر خان کے
داغ میں آئے گا تو تھرہال کو اس کا سراغ ملتا رہے گا۔

محالہ بڑا پیچیدہ ہو گیا تھا۔ ایسے ہی وقت ایک خبر ہو جوان
فرموتا کے قریب آیا۔ تھرہال مخاطب ہو گیا کہ فردا آیا ہے۔
ہوا یہ کہ فرموتا ڈنر کے لئے ڈانٹنگ ہال میں آئی تو انجینی
نوجوان نے اس کی میز کے پاس آکر پوچھا ”کیا میں یہاں بیٹھ سکتا
ہوں؟“

”ضرور۔“
وہ کرسی پر بیٹھا تو فرموتا نے جل کر پوچھا ”کیا مجھے پھانسنے آئے
ہو؟“

”مجھے غلط نہ سمجھو“ میں کسی غلط ارادے سے نہیں آیا
ہوں۔“

”میاں اور بھی میزیں خالی ہیں وہاں کیوں نہیں گئے۔“
”میں تمہیں دو دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔ تم میں ایک عجیب سی
طسمانی کشش ہے۔ میں پرسوں سے یہاں آ رہا ہوں۔ تمہیں دور
سے دیکھتا رہتا ہوں پھر چلا جاتا ہوں۔ مگر جا کر رات بھر کو نشیدان
رہتا ہوں۔“

”یعنی مجھ سے عشق ہو گیا ہے؟“
”تم خطرہ انداز میں پوچھ رہی ہو اور میں سنجیدگی سے کہہ رہا
ہوں میں ہر وقت پر تمہیں اپنی دلسن بناؤں گا۔“

وہ ناگوار سے بولی ”فردا! اور زیادہ ڈراما نہ کرو۔ اتنا
بتا دو میں کب تک اس ہوٹل میں رہوں گی؟“
وہ سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا ”اسی بھی تم نے مجھے فردا
کہا ہے؟“

”کیا تمہیں سنائی نہیں دیا؟ پھر سے تمہیں فردا کہوں؟“
”لیکن میں فردا نہیں سرفراز خان ہوں۔ میری آٹھ عدد
فلاننگ کوچ ہیں۔ یہ گاڑیاں پشاور سے لا ہو اور لا ہو سے پشاور
تک چلتی ہیں۔ جی ٹی روڈ پر میرا ایک پٹرول پمپ ہے۔“
”ناستی ہوں کہ تم بھی ہو، لیکن تمہارے اندر فردا چھپا ہوا
ہے۔“

”آخر یہ فردا ہے کون؟ اور وہ میرے اندر کیسے چھپ
سکتا ہے؟“

”ٹیلی فنی کے ذریعے۔“
وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ تھرہال اس کے
اندر چھپا ہوا تھا اور سرفراز خان کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر اس نے
خیال خواتین کی پر داز کرتے ہوئے سرفراز کے داغ میں جانا چاہا تو
اس نے سانس روک لی۔ وہ داپس فرموتا کے داغ میں آکر بولا۔
”میں میرا ٹیلی فنی جتنی جاننے والا دشمن ہے۔“

اچانک فرموتا کی دلچسپی بڑھ گئی۔ وہ دشمن کہہ رہا تھا اور یہ
دوست بنانے کا سوچنے لگی۔ تھرہال نے سوچ بڑھ کر کہا ”مجھے دھوکا
نہیں دے سکوگی۔ ویسے میں چاہتا ہوں کہ دوستی کرتی رہو میں
تمہاری دوستی کے پیچھے اسے قتل کرنے کا سنہری موقع تلاش کرتا
ہوں گا۔“

روہں گا۔

سرفراز آہستہ آہستہ سانس لیتے ہوئے سوچ رہا تھا ”ابھی
میرے داغ میں بے چینی کیوں پیدا ہوئی تھی؟ میں نے اچانک
سانس کیوں روک لی تھی؟“

وہ ٹیلی فنی کے متعلق بہت کم معلومات رکھتا تھا اور یہ نہیں
جانتا تھا کہ آدمی حساس ہو تو ٹرائی سوچ کی لمبوں کو محسوس کرتے ہی
داغ بے چین ہو کر سانس روکنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

وہ باڈی بلڈر تھا۔ روز صبح ورزش کرتا تھا اور دو تین میل کی
دوڑ لگایا کرتا تھا۔ نماز کا پابند نہیں تھا لیکن اذان ہو رہی ہو اور وہ
مسجد کے قریب سے گزر رہا ہو تو اندر جا کر نماز پڑھ لیتا تھا۔ جو لوگ
ظاہری اور باطنی طور پر پاک صاف رہتے ہیں اور دماغی طور پر صحت
مند رہتے ہیں ان کے اندر بھی شیطان داخل نہیں ہوتا۔

اسی لئے تھرہال اس کے اندر نہ جا سکا۔ فرموتا کو اس سے
دوستی بڑھانے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ بولی ”میں دوستی کروں گی لیکن
تمہارے خلاف ضرور زہر افشانی کروں گی۔“

وہ یہی چاہتا تھا کہ فردا کے خلاف زہر افشانی رہے۔ وہ ہنستے
ہوئے بولا ”میرا نام فردا علی تیور ہے۔ تم میرے خلاف بکواس کرتی
رہو گی تب بھی دنیا والے مجھے دیوتا (فرشتہ) سمجھتے رہیں گے۔“

فرموتا نے سرفراز سے کہا ”تم بہت پنڈت ہو۔ مجھے اچھے لگ
رہے ہو لیکن تم مجھے حاصل نہیں کر سکو گے۔“
”کیا اس لئے کہہ رہی ہو کہ انگریز ہو، عیسائی ہو؟“
”الحمد للہ میں مسلمان ہوں۔“

”یہ تو میرے لئے بہت ہی خوشی کی بات ہے، عمارتی شادی
ضرور ہوگی۔“

”فردا نہیں ہونے دے گا۔“

”آخر یہ فردا ہے کون؟“

”ایک ٹیلی فنی جتنی جاننے والا شیطان ہے، کیا تم بھی ٹیلی فنی
جاننے ہو؟“

”بالکل نہیں۔“

”پھر فردا کو تم سے کیا دشمنی ہے؟“

وہ سوچتے ہوئے بولا ”کوئی سات برس پہلے میں نے یہ نام کسی
ڈانٹست میں پڑھا تھا۔ ہاں یاد آ رہا ہے، وہ فردا ٹیلی فنی
جانتا تھا۔“

”جانتا تھا نہیں؟ جانتا ہے۔ وہ اس وقت بھی میرے داغ میں
موجود ہے۔“

”اس سے کون؟ مجھ سے باتیں کرے اور مجھ سے دشمنی کی وجہ
بتائے۔“

تھرہال نے کہا ”فرموتا! اس سے کون مجھے اپنے داغ میں آنے
دے، میں خیال خواتین کے ذریعے ننگوں کروں گا۔“
فرموتا نے کہا ”سرفراز! فردا کو اپنے داغ میں آنے دو۔“

”کیسے آئے دوں؟ کیا اس کا کوئی طریقہ ہوتا ہے؟“
 قہرمان نے فرموتا ہے کہ ”اس کم بخت سے کم از کم زیادہ ڈراما نہ کرے“ میں آؤں تو سانس نہ روکے۔“
 فرموتانے نے بات اسے سمجھائی۔ قہرمان اس کے دماغ میں آیا لیکن سرفراز نے بے چین ہو کر بے اختیار سانس روک لی پھر کہا۔
 ”میرے اندر کچھ عجیب سا ہونے لگتا ہے“ میں نہ چاہتے ہوئے بھی سانس روک لیتا ہوں۔“
 قہرمان نے غصے سے کہا ”فرموتا! یہ بڑا چالاک ہے“ یہ جانتا ہے کہ میں اس کے اندر جا کر اس کی اصلیت معلوم کر لوں گا۔“
 وہ بولی ”ہو سکتا ہے“ تم اسے غلط سمجھ رہے ہو۔“
 ”غلط ہو یا صحیح“ صرف ایک منٹ میں حقیقت معلوم ہو جائے گی“ اسے کو سانس نہ روکے۔“
 وہ سرفراز سے بولی ”میں بات بڑھارہے ہو۔ وہ دماغ میں آتا ہے“ آئے دو“ سانس نہ روکے۔“
 ”میں نہیں روکتا۔ یہ خودی رک جاتی ہے۔ فرما دے بولو وہ مرد کا بچہ ہے تو سامنے آکر بات کرے۔“
 قہرمان نے کہا ”دیکھو فرموتا! مجھے پہنچ کر رہا ہے تاکہ میں جوش میں آکر اس کا سامنا کر لوں۔“
 وہ مسکرا کر بولی ”یہ پلا شخص ہے جس کے دماغ میں تم جانیں سکتے اور اپنی جان کے خوف سے سامنے بھی نہیں آسکتے۔“
 آج میں بت خوش ہوں اور اسی لمحے سے سرفراز خان کو دل و جان سے پسند کر رہی ہوں۔“
 ”کیا اس نہ کرو؟ تم خاموش رہو۔ میں تمہاری زبان سے اس کے ساتھ باتیں کر لوں گا۔“
 اس نے فرموتا کے دماغ پر قبضہ جمایا، وہ ہنسنے لگی پھر بولی۔
 ”سرفراز وہ کبھت چلا گیا ہے۔ پتا نہیں تم سے کیوں ڈرتا ہے۔“
 ”میں بھی حیران ہوں“ ایک ٹیلی جیجی جاننے والا مجھ سے ڈرتا کیوں ہے۔ میرے سامنے کیوں نہیں آتا۔“
 ”پہلے وہ دوسروں کو آواز کا رہتا کران کے دماغ میں رہ کر ان کی زبان سے باتیں کرتا تھا۔ میں سمجھتی تھی وہ میرا ہر درد اور دوست ہے بعد میں اس کے قریب کا پتا چلتا تھا۔ اب میں مطمئن ہوں کہ وہ ہمیں اپنا آواز کار نہیں بنائے گا۔“
 ”میں تمہیں یقین دلا نا ہوں کہ فرما تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ ہم اتنی دیر سے باتیں کر رہے ہیں اور تم نے اپنا نام نہیں بتایا ہے۔“
 ”میرا نام فرموتا آندروف ہے۔ میں بلغاریہ سے آئی ہوں۔ تم کیا کھانا پسند کرو گے؟ اس میرے تم میرے مہمان ہو۔“
 ”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ پشمانی کی روایت کے خلاف ہے۔“
 میں تمہارا مہمان نہیں“ تم اس ملک میں میری مہمان ہو۔“
 اس نے کھانے کا آڈر دیا۔ پھر وٹر کے جانے کے بعد بولا۔

”میں تمہیں دو دنوں سے تنہا دیکھ رہا ہوں۔ کیا تمہارا کوئی عزیز ساتھ نہیں ہے؟“
 ”میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ میں بالکل تنہا ہوں۔“
 ”پھر ہوئی میں کیوں ہو؟ میرے گھر چلو میری والدہ تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔“
 ”میں ضرور چلوں گی۔ اس سے پہلے میں ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھتا جاؤں۔ کیا خیال ہے کھانے کے بعد کس چائنی کالٹف اٹھانے چلیں۔“
 ”ضرور چلیں گے۔“
 ”میں ایسی جگہ جانا چاہتی ہوں جہاں تنہائی اور دیرانی ہو۔“
 دیرانے میں چائنی کچھ اور بارہو رہی ہے۔“
 ”بڑا شاعرانہ خیال ہے۔ یہاں قریب ہی کچھ تاریخی کھنڈرات ہیں وہ جگہ تمہیں پسند آئے گی۔“
 وٹر کھانے کی ڈالی لے آیا، قہرمان نے فرموتا کے دماغ کو آزاد چھوڑ کر کہا ”اس کے ساتھ کھاؤ اور یہ جہاں لے جائے وہاں جاؤ۔“
 ”ابھی میرا دماغ تمہارے قبضے میں تھا۔ میں سن رہی تھی تم اسے دیرانے میں لے جا رہے ہو۔ اس پر کوئی مصیبت لاؤ گے۔“
 ”تم اس کے ساتھ ہر مردی کرتی رہو لیکن ہو گا وہی جوش تمہارے ذریعے کر رہا ہوں۔“
 ”پلیئر مجھے بتاؤ، کیا کرنا چاہتے ہو؟“
 ”میرے چند کرائے کے فنڈز اسے زخمی کریں گے۔ اس کے بعد یہ سانس نہیں روک سکے گا۔ میں اس کے اندر گھس کر اس کی اصلیت معلوم کر لوں گا۔ اگر یہ میرا دشمن ثابت ہو گا تو میں اسے وہیں قتل کر دوں گا۔ اگر کوئی غیر متعلق شخص نکلا تو زندہ چھوڑ دوں گا۔“
 وہ یہ سن کر پریشان ہو رہی تھی۔ اس نے کہا ”چہرے سے پریشانی ظاہر نہ کرو۔ اس کے ساتھ مسکرائی اور کھاتی رہو۔ میں جال بچانے جا رہا ہوں۔“
 ”تم اپنی پلاننگ مجھ پر ظاہر کر کے جا رہے ہو۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ میں اسے بچانے کی کوشش کروں گی۔ اسے خطرے سے آگاہ کر دوں گی؟“
 ”بے شک کر دو۔ میرا جو دشمن ہے وہ بے حد چالاک ہے۔ اپنی سلامتی کا راستہ نکال لیتا ہے۔ اس کی بس ایک ہی کمزوری ہے یہ حسن و شہاد کا دیوانہ ہے اس پر آفت آنے کے بعد بھی تمہاری جیسی آفت کو حاصل کرنے سے باز نہیں آئے گا اسی لئے میں نے ٹیکڑوں بڑا درد حسناؤں میں سے تمہارا انتخاب کیا ہے۔ یہ تم سے جدا نہیں ہو گا۔ تمہاری خاطر خطرات سے کھینک رہے گا اور میری نظروں میں رہا کرے گا۔“
 قہرمان چلا گیا۔ فرموتا کا دل یہ سن کر سرفراز سے اور زیادہ

محبت کرنے لگا کہ وہ خطرات سے کھینک رہے گا لیکن اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ وہ اتنی بڑی دنیا میں ایسا ہی جانا زسامی چاہتی تھی۔ اس نے کھانے کے دوران کہا ”سرفراز کیا تمہیں اندازہ ہے کہ میری وجہ سے مصیبت میں گرفتار ہونے والے ہو جن کی تمہاری جان بھی جاسکتی ہے۔“
 ”یہ ایک جان تمہارے لئے جائے۔ اسے جانیے چاہئے۔ یہ تمہارے لئے ہے۔“
 وہ خوش ہو کر بولی ”تم نے میرا دل بیت لیا ہے۔ تمہارا وہ دشمن بھی یہی کہ رہا تھا کہ میرے لئے تم خطرات سے کھینکتے رہو گے۔“
 ”کیا وہ دشمن فرما موجود ہے؟“
 ”نہیں... کرائے کے غنڈوں کے پاس گیا ہے۔ ہم چائنی کا لطف اٹھانے جہاں جاسیں گے وہاں وہ غنڈے آکر تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔“
 وہ ہنسنے ہوئے بولا ”تجربہ کیا ہے۔ ہمیں ہوشیار کر کے اپنی پلاننگ پر عمل کر رہا ہے۔ یہ بات کچھ پہلے نہیں پڑی۔“
 ”ابھی یہ سوچنے کا وقت نہیں ہے کہ وہ کیوں ایسا کر رہا ہے۔ اپنے بچاؤ کی تدبیر کرو۔“
 ”سیدھی سی تدبیر یہ ہے کہ میں گھریں چھپ کر بیٹھ جاؤں اور یہ بڑی ہمارے خون میں نہیں ہے۔“
 ”کیا تم جان بوجھ کر میرے ساتھ آؤنگ کے لئے جاؤ گے؟“
 ”تم صرف اتنا بتا دو کہ فرما تمہاری جان کو نقصان پہنچا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچائے تو تمہارے ساتھ بل صراط سے بھی گزر جاؤں گا۔“
 ”خدا کی قسم میں بھی تمہارے لئے جیوں گی اور تمہارے لئے مروں گی۔ بس کسی طرح اس شیطان سے میری جان بچاؤ۔“
 ”خدا اس کی مدد کرے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ اطمینان رکھو۔ جہر و جہد ہماری ہوگی اور کامیابی اللہ تعالیٰ دے گا۔“
 وہ کھانے کے بعد ہوئی سے اپر آئے۔ سرفراز خان نے سرسبز کا اگلا دروازہ کھولا، وہ بیٹھ گئی۔ وہ دروازہ بند کر کے اسٹرنگ سیٹ پر آگیا۔ کار کو اشارت کر کے پارکنگ ایریا سے باہر نکلے لگا۔ وہ بولی ”میں بڑل نہیں ہوں۔ مگر تمہارے لئے پریشان ہوں۔“
 ”کیوں پریشان ہو؟“
 ”میں تمہیں کھانا نہیں چاہتی۔“
 ”میں بھی تم سے محروم رہتا نہیں چاہتا۔ دن رات تمہیں سانسوں کے قریب رکھنا چاہتا ہوں۔ دل سے پریشانی نکالو۔ مصیبت آئی ہو تو پورے حوصلے کے ساتھ حاضر دماغ رہنا چاہئے۔ جو دماغ سے کام نہیں لیتے ان پر مصیبتیں غالب آجاتی ہیں۔“
 قہرمان فرموتا کے پاس آچکا تھا۔ اس نے کہا ”دیکھو یہ بالکل

فرما کے انداز میں بول رہا ہے۔“
 فرموتا نے حیرانی سے پوچھا ”فرما کے انداز میں! تم کون ہو؟ کیا فرما نہیں ہو؟“
 وہ گڑبڑا گیا۔ بے دھیانی میں ایسا کہ گیا تھا۔ پھر جلدی سے باتیں بناتے ہوئے کہا ”مہ۔ میں فرما ہوں۔ دراصل یہ کتنا چاہتا تھا کہ میرا دشمن اسی انداز میں گفتگو کرتا ہے۔ یہ اپنی اصلیت چھپا رہا ہے مگر باتوں سے بچنا جا رہا ہے۔“
 سرفراز کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ دشمن اسے مختلف پہلوؤں سے فرما سمجھ رہا ہے۔ وہ مقتول رفتار سے ڈرائیو کرتا جا رہا تھا۔ فرموتا بار بار پیچھے پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ کچھ گاڑیاں تیزی سے آتی تھیں پھر انہیں اور ٹیک کرتی ہوئی آگے چلی جاتی تھیں۔ کچھ گاڑیاں پیچھے ہی کسی راستے پر مڑ جاتی تھیں۔ یونیورسٹی روڈ کے بعد گاڑیوں کی تعداد کم ہو گئی۔ فرموتا نے پوچھا ”کہاں جا رہے ہو؟“
 وہ بولا ”آگے چند میل کے فاصلے پر علاقہ غیر ہے۔ یہاں سے راستہ سنانا ہوتا جا رہا ہے۔ تمہارے دماغ میں آنے والے فرما کی آرزو پوری کر رہا ہوں۔ اس کے غنڈے مجھے دیرانی میں گھیرنا چاہتے ہیں۔“
 اب گھیرنے والی گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ ایک آگے جا رہی تھی، دوسری قنابق میں آ رہی تھی۔ تھوڑی دور تک وہ گاڑیاں اس انداز میں دوڑتی رہیں تو تین ہو گیا کہ دشمن آگے پیچھے سے راستہ روکنے والے ہیں۔ پھر قہرمان نے بھی کہا ”فرموتا! اپنے عاشق سے کو گاڑی روک دے۔“
 اس نے پوچھا ”کیا آگے پیچھے تمہارے کرائے کے تو ہیں؟“
 ”ہاں! اب کوئی سوال نہ کرو۔ گاڑی رکاوٹ۔“
 وہ بولی ”سرفراز! وہ میرے دماغ میں ہے اور گاڑی روکنے کے لئے کہ رہا ہے۔ ہمارے آگے پیچھے دشمنوں کی گاڑیاں ہیں۔“
 سرفراز نے کبھت گاڑی کی رفتار بڑھائی۔ جس کے نتیجے میں آگے پیچھے والی گاڑیوں کی بھی رفتار بڑھ گئی۔ اس نے دیرانے کا کلن کے بل پر سے گزرنے کے بعد اچانک بریک لگائے۔ سرسبز آہستہ آہستہ رکتے ہوئے واپس محوم گئی۔ سرفراز نے کو دیش رکھے ہوئے ریوالور کو اٹھا کر پیچھے آنے والی گاڑی کا نشانہ لیا۔ بے درپے تین فائر کئے۔ ایک پیچھے زوردار آواز سے پھلا۔ اس کے ساتھ ہی وہ گاڑی بے قابو ہو گئی۔ ایک طرف محوم گئی، دوسری کی ریٹک کو توڑتی ہوئی دیرانے کا کلن کی کٹ زور لروں میں چلی گئی۔
 وہ بڑی چھٹی دکھا رہا تھا۔ گھیر بلی کر پھر اسی بل پر سے گزرتا جا رہا تھا۔ پہلے جو گاڑی آگے جا رہی تھی اب وہ پیچھے آنے لگی۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھ لیا تھا۔ اس لئے کافی فاصلہ رکھ کر قنابق کر رہے تھے۔ سرفراز نے واپس اسی بل کو پار کر کے پھر اپنی گاڑی اچانک ہی روک لی۔ اسے پیچھے آنے والی گاڑی کی

طرف موڑنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے فائزنگ کی۔ یہ فائزنگ محض دھماکے کے لئے تھی۔ فائزنگ کرنے والی گاڑی پل پر آکر رک گئی۔ قہرمان نے ایک آواز کا رسے کہا ”آگے بڑھو اور جوالی فائزنگ کرو۔ وہ تھکا ہے۔“

آواز کا رسے کہا ”ہماری جائیں اتنی سستی نہیں ہیں۔ ہمارے تین ساتھی گاڑی سمیت دریا میں چلے گئے ہیں۔“ اس کی بات ختم ہوتے ہی دینا اسکرین کا شیشہ ایک چھتا کے سے ٹوٹا۔ سرفراز کے ربوہ کی آخری گولی وہ شیشہ توڑتی ہوئی اس آواز کی پیشانی میں آکر پھوٹ ہوئی وہ گاڑی کی اسٹیرنگ پر اوردھا ہو گیا۔ اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے سب افراد گاڑی سے نکل کر بھاگنے لگے، قہرمان نے کہا ”رک جاؤ کماں جا رہے ہو؟“ دوسرے آواز کا رسے کہا ”میں پل کے پار جا رہا ہوں۔ ہم وہاں محفوظ رہ کر جوالی فائزنگ کریں گے۔“

اوردھا دیا کہ اس پار گئے اوردھا سرفراز ڈرائیو کرتا ہوا شہر کی طرف جانے لگا۔ وہاں قریب ہی باغ نارن کے نزدیک تھیں آئی جی ہدایت اللہ خان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا بائیں کر رہا تھا۔ آئی جی کے ساتھ ایک اور جیپ میں پولیس کے مسلح سپاہی تھے۔ فائزنگ کی آوازیں سن کر آئی جی نے غصہ کیا ”موو آن۔ دیکھو کماں فائزنگ ہو رہی ہے۔“

جب آگے بڑھ گئی۔ ہماری گاڑی اس کے پیچھے دوڑنے لگی۔ آگے جا کر پولیس والوں نے سرفراز کی گاڑی کو روک لیا۔ انپکڑ نے پوچھا ”تم اوردھا سے آ رہے ہو جہر فائزنگ ہو رہی تھی۔ معاملہ کیا ہے؟“

سرفراز نے کہا ”چند نامعلوم افراد مجھے گھیر کر قتل کرنا چاہتے تھے۔ میری کرن کو اغوا کرنا چاہتے تھے۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر آ رہا ہوں۔“

انپکڑ نے کہا ”اپنا ہتھیار ہمارے حوالے کرو۔“ سرفراز نے حکم کی تعمیل کی۔ انپکڑ نے خالی ربوہ اور دو دیکھ کر کہا ”تم نے چھ گولیاں چلائی ہیں۔ قتل کتنے کئے ہیں؟“

”میری فائزنگ سے بدعاشوں کی ایک گاڑی دریا میں چلی گئی ہے۔ دوسری گاڑی میں ایک شخص ہلاک ہوا ہے“ بانی بھاگ گئے ہیں۔“

انپکڑ نے فرموتا سے پوچھا ”تم غیر ملکی ہو۔ اس کی کرن کیسے ہو گئیں؟ یہ معاملہ کیا ہے؟“

انپکڑ مقامی زبان پشتو میں بول رہا تھا اور فرموتا اس کی بات نہیں سمجھ رہی تھی۔ وہ سرفراز کے ساتھ گاڑی سے باہر آگئی تھی۔ میں اس سینہ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سرفراز جیسے قد آور خوبصورت انسان کے ساتھ بیٹھ رہی تھی۔ آئی جی نے انگریزی میں پوچھا ”مس تمہارا نام کیا ہے؟“

”میرا نام فرموتا آندروف ہے۔ میں بلناریہ سے آئی ہوں

سرفراز کو پسند کرتی ہوں اس نے شادی کر کے یہاں رہنا چاہتی ہوں مگر وہ شیطان فرموتا علی تیمور میرے دشمنی کر رہا ہے۔“ جس عزت سے وہ میرا ذکر کر رہی تھی اسے سن کر میں نے اسے حیرانی سے دیکھا۔ پھر اس کے چور خیالات پر ہنسنے لگا۔ آئی جی نے مجھے کن انکھیں سے دیکھ کر کہا ”مس فرموتا! فرموتا صاحب کا نام عزت سے لو۔ وہ ہمارے لئے رحمت کا فرشتہ ہیں۔“

”آپ کے لئے ہو گا۔ میرے لئے وہ ظالم اور بدکار ہے۔“ ”تمیں اس سے کیا شکایت ہے؟“

”میری شکایت سن کر آپ سے دور نہیں کر سکیں گے۔ وہ ٹیلی بیٹھی جانے والا اپنی من مانی کر رہا ہے گا۔“

اچانک ہی آئی جی نے اپنا ربوہ اور نکال کر سرفراز کو نشانے پر رکھتے ہوئے کہا ”ہاں میں اپنی من مانی کر رہا ہوں اور کر رہا ہوں گا۔ ابھی تمہیں زخمی کر کے تمہاری اصلیت معلوم کروں گا۔“ قہرمان بڑی دیر سے فرموتا کے دماغ میں رہ کر آئی جی اور انپکڑ کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ کرائے کے غنڈوں کے ذریعے سرفراز کو نقصان پہنچانے میں ناکام رہا تھا۔ غنڈے کام نہ آئے۔ اب پولیس کا بڑا افسر یہ مسئلہ حل کر سکتا تھا۔ اس لئے وہ آئی جی کے دماغ پر حاوی ہو کر سرفراز کو زخمی کرنا چاہتا تھا۔ میں بھی آئی جی کے دماغ پر حاوی ہو گیا۔ اس کے ربوہ کی نال بچی ہو گئی۔

قہرمان نے یہ دیکھ کر پوری طرح دماغ پر قبضہ جتانا چاہا لیکن میری سوچ کی لہریں اسے آئی جی پر مسلط ہونے سے روک رہی تھیں۔ بے چارہ سرفراز یہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ اس کے سامنے زندگی کی کیسی ممکنش جاری ہے۔ وہ دشمن کی کوشش سے مر سکتا تھا اور میری کوشش اسے نئی زندگی دے سکتی تھی۔

اس نے بڑی جوانمردی اور جنگجویی سے غنڈوں کو مار مگایا تھا لیکن پولیس کے بڑے افسر کی گولی سے بچنا نامکن تھا۔ جبکہ اپنا خالی ربوہ انور بھی انپکڑ کے حوالے کر چکا تھا لیکن جو جوان مرد ہوتے ہیں، مقدران کا ساتھ دیتا ہے۔ میں نے آئی جی کو ربوہ اور والیں رکھنے پر مجبور کر دیا۔

ابھی وہ ربوہ اور جیپ میں رکھ رہا تھا کہ انپکڑ نے اپنے ہولنر سے ربوہ اور نکالا۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ دشمن اس انپکڑ کو آواز کا رسا رہا ہے۔ میں نے آئی جی کے ہاتھوں سے فوراً ہی گولی چلائی۔ انپکڑ کے ہاتھ سے ربوہ اور چوٹ کر زین پر آ گیا۔ پھر آئی جی نے میری مرضی کے مطابق انپکڑ سے کہا ”میری اجازت کے بغیر تم مسٹر سرفراز کو ربوہ اور سے نشانہ بننا رہے تھے؟“

وہ الرٹ ہو کر ہلا ”سراہیں بے اختیار ہو کر ایسا کر رہا تھا۔“ آئی جی نے تائید کی ”بے شک تھوڑی دیر پہلے میں بھی اپنے اختیار میں نہیں تھا۔ ایک دشمن ٹیلی بیٹھی جانے والا ہمارے ذریعے مسٹر سرفراز کو قتل کرنا چاہتا ہے۔“

فرموتا پشتو زبان میں سمجھ رہی تھی۔ اس نے حالات کو دیکھتے

ہوئے کہا ”تھیرا آپ تسلیم کر لیں کہ یہ تمام مجھانہ حرکتیں فرموتا کر رہا ہے۔“

آئی جی ہدایت اللہ خان نے کہا ”فرموتا تمہیں اور مسٹر سرفراز کو دشمن ٹیلی بیٹھی جانے والے سے بچا رہا ہے۔ ابھی انپکڑ کا ربوہ اور میں نے تمیں میرے ذریعے فرموتا سے گرایا ہے۔“

”لیکن میرے دماغ میں جو فرموتا آتا ہے وہ مجھے بلناریہ سے ریشان کرنا آ رہا ہے۔ وہ مجھے جڑاں لایا ہے میرے ذریعے اپنے کسی خیال خواتی کرنے والے دشمن کو قتل کرنا چاہتا ہے۔“

”میں اس شخص میں خیال خواتی کرنے والا ہمارا فرموتا علی تیمور ہے اس نے تمہیں آج ہی دیکھا ہے بلناریہ سے تمہیں ٹرپ کر کے لانے والا کوئی دشمن ہے اوردھا خود کو فرموتا کا ہر کر رہا ہے۔“

پھر آئی جی نے انپکڑ سے کہا ”میں اس جو فائزنگ ہوئی اور بندے ہلاک ہوئے ہیں ان کے خلاف تمہانے میں رپورٹ درج کرو کہ چند نامعلوم دہشت گرد ایک غیر ملکی لڑکی کو اغوا کر کے لے جانا چاہتے تھے، پولیس کی کاؤنٹر فائزنگ سے کچھ بدعاش ہلاک ہو گئے ہیں۔ یہ فوجوں بے قصور ہے۔ اسے جانے دو۔“

سرفراز شکر ہے ادا کر کے فرموتا کے ساتھ جانے لگا۔ آئی جی نے سوچ کے ذریعے پوچھا ”مسٹر فرموتا! ابھی میں نے اس فوجوں کو بے قصور کہا ہے اور اسے جانے کی اجازت دے رہا ہوں، کیا آپ نے یہ فیصلہ میرے دماغ میں کیا ہے؟“

میں آئی جی کے پاس تھا۔ دشمن ٹیلی بیٹھی جانے والا کافر خان کے ذریعے یہ جانتا تھا کہ ارسلان نامی شخص ہی فرموتا ہے اور اب مجھے آئی جی اور دوسرے پولیس والوں کے ساتھ دیکھ کر یہ نہ سمجھ سکا کہ میں ہی وہ ارسلان ہوں۔

وہاں جو کچھ ہو رہا تھا اس دوران میں خاموش رہا تھا کہ دشمن میری آواز اور سب سے مجھے ارسلان کی حیثیت سے نہ پہچان سکے۔ وہ یہ جانتا تھا کہ فرموتا ہی ارسلان بن کر مرجعیت کی زندگی میں آیا تھا اور آج بھی پشاور شہر میں موجود ہے۔ البتہ اب وہ خود کو سرفراز کہہ رہا ہے اور حسین فرموتا کا حافظہ بنا ہوا ہے۔

میں نے آئی جی سے کہا ”میں نے ہی آپ کی زبان سے یہ فیصلہ سنایا ہے کہ سرفراز بے قصور ہے۔ آپ موجودہ فائزنگ کے سلسلے میں اسے قتلے اور پولیس کے پکڑیں نہ ڈالیں۔“

انپکڑ چاہوں کے ساتھ جانے واردات کی طرف گیا۔ میں نے آئی جی کے ساتھ شہر کی طرف جاتے ہوئے کہا ”ابھی فرموتا صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ انہوں نے فرموتا کے خیالات پڑھے ہیں۔ اس لڑکی کے ساتھ بڑے پریشان کن حالات پیش آتے رہے ہیں۔ یہ لڑکی ہمارے لئے قابل احترام ہے اس نے بیوی کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا ہے۔ اس کے باپ نے مسلمان بن جانے کی امت بڑی سزا پائی ہے۔ اسے قتل کرنے والے یہودیوں کو ایک

معلوم ٹیلی بیٹھی جانے والے نے ہلاک کر دیا ہے لیکن وہ فرموتا کو

اپنی معمول بنا کر یہاں لے آیا ہے۔“ آئی جی نے پوچھا ”یہ ٹیلی بیٹھی جانے والا کون ہے؟“ ”پتا نہیں کون ہے؟ دیکھنے کوئی بھی ہو فرموتا صاحب سے چھپ نہیں سکے گا۔“

ہم بائیں کمرے ہوئے ہوٹل ڈین میں آئے۔ وہاں میرا قیام تھا۔ میں نے گاڑی سے اتر کر کہا ”میں ابھی یہ ہوٹل چھوڑ دوں گا۔ اس ابھی خیال خواتی کرنے والے کو میرا نام معلوم ہے۔ وہ میرے ذریعے فرموتا صاحب تک پہنچنے کے لئے مجھے نقصان پہنچا سکتا ہے۔“

”تم کہاں جاؤ گے؟“ ”آپ فکر نہ کریں۔ میں کیس بھی اپنے لئے جگہ بنا لوں گا۔“ ”ٹھیک ہے مجھے یہ رابطہ ضرور رکھنا۔“

میں نے معافی کا وہ پلے گئے۔ میں ہوٹل کے کمرے میں آکر اپنا مختصر سامان سمیٹنے لگا۔ جو خیال خواتی کرنے والا دشمن میرا نام اختیار کر کے واردات کر رہا تھا، وہ مجھے کسی وقت بھی اس ہوٹل میں گھیر سکتا تھا۔ اسے یہ تو معلوم تھا کہ میں ہی ارسلان بن کر رہتا ہوں لیکن یہ نہ معلوم کر سکا کہ وہ ارسلان پہلے آئی جی کی کوشش میں تھا اور اب ہوٹل ڈین میں ہے دیکھو وہ معلوم کر سکتا تھا۔

وہ مجھے چرے سے نہیں پہچانتا تھا۔ صرف نام کا مسئلہ تھا۔ میں نے ارسلان کے نام کا شناختی کارڈ اپنے سفری بیگ میں چھپا دیا پھر دوسرا شناختی کارڈ نکالا اس میں میرے موجودہ مسئلے کی تصویر تھی اس شناختی کارڈ کے مطابق میرا نام فرزان ہو گیا۔

میں ٹی بی روڈ پر آیا۔ پھر ایک درمیانے درجے کے ہوٹل امین میں ایک کمرہ حاصل کیا۔ وہاں آرام سے ایک صوفے پر بیٹھ کر سوچنے لگا۔ یہ ابھی ٹیلی بیٹھی جانے والا میرے خلاف کچھ زیادہ ہی تیزی دکھا رہا ہے۔ ایک بار مجھے قتل کرنے کے لئے کافر خان اور ہرم خان کو ذریعہ بنایا اور اب فرموتا آندروف کے ذریعے میری موت بننا چاہتا ہے۔

مجھے فرموتا کی سوچ نے بتایا تھا کہ وہ سرفراز کو دشمن ٹیلی بیٹھی جانے والا یعنی اسے فرموتا سمجھ رہا ہے۔ اس لئے اس نے اپنی دانت میں دوسری بار مجھ پر حملہ کرایا تھا اور سرفراز کی شامت ابھی تھی۔

میں نے کئی بار اس سلسلے میں غور کیا تھا کہ وہ جان لیوا کا کوئی خیال خواتی کرنے والا ہے یا اس کا تعلق اسرائیل سے ہے کیونکہ دونوں ہی حکومتوں کو میرا پاکستان میں رہنا گراں گزر رہا تھا۔ اگر میں شکایت کرتا کہ انہوں نے ایک قابل خیال خواتی کرنے والے کو میرے پیچھے لگا رکھا ہے تو وہ بھی یہ الزام تسلیم نہ کرتے۔ یہی کہتے کہ یہ شرارت مالک میں کی ہے۔

اب تک میں بھی مالک میں کے اکلوتے خیال خواتی کرنے والے ایوان راسکا پر مشہور کر رہا تھا لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب میں فرموتا آندروف کو ایک دوسری لڑکی سمجھ رہا تھا۔ اب اس کے

خیالات بڑھنے سے معلوم ہوا کہ وہ خود مظلوم ہے۔ دوسری امریکی یا اسرائیلی نہیں ہے۔ اسے معمول بنایا گیا ہے اور وہ یہودی سے مسلمان بننے کی سزا پاتا ہے۔

ان حالات کے پیش نظر قتل کر دی گئی کہ وہ دشمن خیال خوانی کرنے والا ایوان راسکا نہیں ہے۔ یہی ذات سے اس کی دشمنی بتا رہی تھی کہ وہ کوئی یہودی خیال خوانی کرنے والا ہے۔

میں اس معاملے پر غور کر رہا تھا، ایسے وقت لپٹی نے آکر کہا۔

”علی ہوا کی رفتار سے زیادہ فاسٹ ہے۔ وہ تمام گولڈن بریز کے دلوں اور دماغوں کو تسخیر کر چکا ہے۔ اسے بہت جلد ایک گولڈن بریز ایڈمرل کی جگہ دی جائے گی۔“

میں نے کہا ”یہ خوش خبری اس کی سونیا ماما کو سناؤ۔“

وہ چلی گئی۔ میں نے علی کے پاس آکر گولڈن رزدا کے پھر اسے شاندار کامیابی پر مبارکباد دی۔ اس وقت وہ اپنے سر راجر موس سے گفتگو کر رہا تھا۔ میں نے کہا ”اوسے گھنٹے بعد آؤں گا۔ تم سے ضروری کام ہے۔“

میں علی کے پاس سے آیا تو لپٹی نے پھر آکر خوش خبری سنائی ”مبارک ہو“ آپ باپ بن رہے ہیں۔“

میں نے پوچھا ”یہ کیا مذاق ہے؟“

”مذاق نہیں حقیقت ہے۔ سسر سونیا کو یہ چہ تھا مینہ ہے۔“

میں نے حیرانی سے کہا ”مگر لپٹی! امیرا خون کی قدر نہ رہا ہے۔“

میں باپ نہیں بن سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ تم آج تک ماں نہ بن سکیں۔ پھر سونیا کیسے بن رہی ہے؟“

”یہ خدا کی قدرت ہے اور سسر کی ذہانت ہے۔ سسر نے ثابت کر دیا ہے کہ جو ذہانت سے کوشش کرتا ہے خدا اس کے مقصد میں اسے کامیاب کرتا ہے۔“

”میں سمجھا نہیں سونیا نے کس طرح کی کوشش کی ہے؟“

”بہرلی ماریا کی برسوں سے سسر سونیا کے ساتھ رہتی رہی اور مختلف تربیتیں حاصل کرتی رہی لیکن تالی دونوں ہاتھوں سے جیتی ہے۔ صرف ماریا نے سسر کی صلاحیتیں حاصل نہیں کیں۔ سسر بھی ماریا کے ذہن کی عادی بنی رہی ہیں۔ یہ عمل کئی برسوں تک جاری رہا۔ آج وہ آپ کے مقابلے میں ذہرلی بن کر آپ کے بچے کی ماں بننے والی ہیں۔“

آخری فقرہ ادا کرتے وقت لپٹی کی آواز جیسے آنسوؤں سے بھرا گئی۔ میں نے کہا ”میں تمہارے دکھ کو سمجھ رہا ہوں۔ شادی کے بعد عورت ماں بننے کے انتظار میں رہتی ہے۔ تمہارا انتظار کبھی ختم نہیں ہو گا۔ تم میرے بچوں کی ماں نہیں بن سکو گی۔“

وہ بولی ”مجھے میں سسر جیسا حوصلہ نہیں ہے۔ میں ذہر کی ننھی سی بوند کا عشرہ عشرہ میری برداشت نہیں کر سکو گی۔ سسر کو یقین تھا کہ وہ ذہر کو شکست دے دیں گی۔ مجھے یقین ہے کہ یہی کوشش میں کر دوں گی تو یہ سراسر خودکشی ہو گی۔“

”جواب تمہارے لئے انسوئی ہے اس کے لئے غم نہ کرو۔“

”میں اس پر راضی ہوں جو خدا کو منظور ہے۔ آپ کو ابھی سسر کے پاس جانا چاہئے۔ میں پھر آؤں گی۔“

وہ چلی گئی۔ میں نے سونیا کے پاس آکر گولڈن رزدا کے۔ وہ بابا فرید واسطی مرحوم کے حجرے میں فرش پر دو زانو بیٹھی ہوئی تھی۔ ابھی عبادت سے فارغ ہوئی تھی۔ میرے آتے ہی وہ سر ہٹا کر شہر نے اور مسکرائے گئی۔ میں نے کہا ”مجھے یقین نہیں آتا ہے سونیا!“

وہ کچھ نہ بولی ”میں اس کے خیالات پر ہنسنے لگی۔ لپٹی نے درست کہا تھا کہ وہ ماریا کے ذریعے اس حد تک ذہرلی ہو گئی تھی کہ اب میرے بچے کی ماں بننے والی تھی۔“

اور مجھے یہ بات آج معلوم ہوئی کہ بابا فرید واسطی مرحوم نے اپنی زندگی میں پیش گوئی کبھی کی کہ اس کا بے وقوف صاحب اسے جیون سا بھی کے طور پر لے گا۔ اور میں اسے حاصل ہو چکا تھا۔

یہ بھی انہوں نے فرمایا تھا کہ سونیا دوبار حجرے میں آئے گی ایک بار چھ ماہ کے لئے جب وہ ماں بنے گی۔ دوسری بار چھ ماہ کے لئے جب وہ اپنی زندگی کی آخری سانسیں ختم کر دی ہو گی۔

سونیا ایک ایسا زندہ جاوید کردار ہے کہ اس کی موت کا تصور کرنے کو بھی یہی نہیں چاہتا لیکن موت برحق ہے۔ ایک دن سب کو فنا ہوتا ہے وہ بھی ہو جائے گی۔

فی الحال یہ خوشی کا مقام تھا کہ اس کی گود بھرنے والی ہے۔ جب میں نے خیالات پڑھ لئے تو وہ بولی ”میرے بابا نے کہا تھا، چھ ماہ تک کوئی اس حجرے میں نہیں آئے گا۔ کوئی مجھ سے باتیں نہیں کرے گا۔ صرف تم علی الصباح بلا تاغ میرے پاس آیا کرو گے۔ مجھے فجر کی اذان سنایا کرو گے۔ یہ اذانیں تمہاری خیال خوانی سے میرے دماغ کے ذریعے اس ننھے سے وجود تک پہنچتی رہا کریں گی۔ یہ اس کی روحانی خوراک ہو گی۔“

”میں آؤں گا۔ ہر صبح بلا تاغ آتا رہوں گا۔ بابا صاحب کی کچھ اور پیش گوئیاں سناؤ۔“

”وقت سے پہلے کچھ سننے اور کہنے کی اجازت نہیں ہے۔ میں مجبور ہوں۔ تمہارے لئے بابا صاحب کا اتنا ہی حکم تھا کہ فجر کے وقت آؤ گے، اذان سننا کہ ایک باپ کا فرض ادا کرو گے پھر میں وضو کر کے نماز کے لئے کمزری ہو جاؤں تو تم چلے جاؤ گے۔ بس اتنی ہی مختصری ملاقات کی اجازت ہے، پلیز اب چلے جاؤ۔“

میں اپنی جگہ دماغی طور پر واپس آیا۔ ہوئی کے کمرے میں کمری خاموشی تھی۔ میں دشمن خیال خوانی کرنے والے کی چالوں سے بچنے کے لئے اس معمول سے ہوئی میں آیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اسرائیلی اور امریکی ٹیلی بیٹھی جانے والوں کو نولتے ہوئے اس شخص تک پہنچ جائیں گا جو فرموتا کے ذریعے مجھے چھاننے اور قتل کرنے کی دوبارہ کام کو ششیں کر چکا ہے۔

اب اس کی جڑوں تک پہنچنا لازمی ہو گیا تھا۔ ورنہ تیسری بار وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ اس کے لئے میں پھر ایک بار علی تیمور کے پاس آیا۔ میں اور میرے ساتھی خیال خوانی کے وقت محتاط رہتے تھے کسی کے دماغ میں پہنچنے ہی سے مخاطب نہیں کرتے تھے جب وہ سانس روکنے لگا تو ہم گولڈن رزدا ادا کرتے تھے۔

علی کے دماغ میں پہنچ کر میں نے انتظار کیا۔ چند سیکنڈ میں معلوم ہو گیا کہ اب اس کے دماغ میں ہے۔ اسی لئے بیٹے میری سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کیا۔ وہ کہہ رہی تھی ”کارمن! (علی) تم مجھے دماغ میں آنے سے کیوں روکتے ہو۔ کیا مجھ سے بیزار سی ظاہر کرتے ہو؟“

اس نے کہا ”میں سانس روک رہا ہوں۔ فون پر باتیں کرو تمہاری باتوں کا جواب دوں گا۔“

اس نے سانس روک لی۔ اب اس کے ساتھ میں بھی اس کے دماغ سے نکل گیا۔ پھر واپس جا کر گولڈن رزدا کے۔ اس کے بعد کہہ ”ابھی آیا تھا، اب آتا ہے باتیں کر رہی تھی۔ اس سے فون پر مختصر گفتگو کرو۔ میں پانچ منٹ بعد آؤں گا۔“

”پاپا! آپ نہ جائیں۔ میں اس سے باتیں کروں گا۔ آپ میرے خیالات پڑھ کر گولڈن بریز کے متعلق تازہ ترین معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔“

فون کی گھنٹی سن کر اس نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے اب اس کی آواز سنائی دی۔ علی نے کہا ”میں تم سے بیزار نہیں ہوں، تمہاری آمد پر خوش ہوتا ہوں۔ کیونکہ تم ہمارے ملک کا سربراہ ہو محب وطن خیال خوانی کرنے والی ہو لیکن میں پرانی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی بے چین ہو جاتا ہوں۔ میں اپنے مزاج پر گراں گزرنے والی کوئی بات برداشت نہیں کر سکتا۔“

”چلو یہی کیا کہنے کہ فون پر برداشت کر رہے ہو۔“

”ابا! اب کام کی بات کرو۔“

”مغشیں بھی ہر وقت کام نہیں کرتیں۔ ہمیں بھی کبھی کبھی دوسری اور محبت کی باتیں کرنی چاہئیں۔“

”کسی کی مثال دو تو اس پر عمل بھی کیا کرو۔ مغشیں بے شک ہر وقت کام نہیں کرتیں اور جب کام نہیں کرتیں تو خاموش رہتی ہیں۔“

”یعنی مجھے خاموش رہنے کا مشورہ دے رہے ہو؟“

”کوئی ضروری نہیں کہ مشورہ پر عمل کرو۔ البتہ مجھے خاموش رہنے دو۔“

”یوں کترانے کی وجہ کیا ہے؟“

”مجھ سے پوچھ رہی ہو جب کہ یہ سمجھتی ہو کہ اپنے ملک کے تمام خیال خوانی کرنے والوں کی طرح ہم بھی دوپٹے رہتی ہو۔ اگر مجھ میں دلچسپی لوگی، مجھ سے ملوگی اور ظاہر ہو جاوے گی تو کوئی دشمن

میرے ذریعے تمہیں ٹرپ کرے گا۔“

”میں سوچ سمجھ کر تمہاری طرف بڑھ رہی ہوں۔ تم لوگ کا ماہر ہو۔ دلہن اور فواد ہی ہو۔ آج کل میں گولڈن بریز کا عمدہ حاصل کرنے والے ہو۔ میں آزادی سے کسی روک ٹوک کے بغیر تم سے مل سکوں گی۔“

”کس تعلق سے ملو گی؟“

”ہمارا تعلق محبت سے شروع ہو گا۔“

”وہ تو شروع ہو چکا ہے۔ میں پامیلا کولڈ و جان سے چاہتا ہوں اس کے پیار میرے اعداد کو دھوکا نہیں دوں گا۔“

”تم نے مجھے دیکھا نہیں ہے۔ دیکھو گے تو ایسی باتیں کرنا بھول جاؤ گے۔“

”جو عورت اچھی باتیں بھلا دے اس کی طرف دیکھنا ہی نہیں چاہئے۔“

”کیوں مجھے تنگ کر رہے ہو؟“

”میں صاف اور سیدھی بات کرتا ہوں۔ پامیلا کا حق تمہیں نہیں دوں گا مگر تمام عمر تم سے دوستی کرتا رہوں گا۔“

”چلو دوستی ہی سہی۔ سنا ہے محبت سے دوستی بڑھتی ہے اور دوستی سے محبت پیدا ہوتی جاتی ہے۔“

”ہماری دوستی سے وطن کی محبت اور فرائض کی ادائیگی میں استحکام پیدا ہو گا۔“

”تم بات کو ٹھنڈا خوب جانتے ہو۔“

”ابا! ابھی تک تم نے کام کی بات نہیں کی ہے۔“

”کچھ ایسی باتیں باتیں ہیں جو فون پر نہیں کی جاسکتیں۔“

”کیا دماغ میں آکر کرنا چاہتی ہو؟“

”دماغ میں آنے سے تم بے چینی اور ناگوار محسوس کرتے ہو۔“

”سمجھ گیا۔ ملاقات کرنا چاہتی ہو۔“

”دل سے نہیں بلاؤ گے تو ملاقات کا خاک مزہ آئے گا۔“

”فرائض کی ادائیگی کے لئے تمہیں دل سے بلا رہا ہوں۔ بتاؤ کہاں ملاقات ہو گی؟“

”شیرین کے ڈائننگ ہال میں۔“

”میں تمہیں کیسے پہچانوں گا؟“

”میں پہچان لوں گی۔“

”کس وقت؟“

”ٹھیک رات کے نو بجے آؤں گی۔“

”اوکے سو فار۔“

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس دوران میں علی کے خیالات دھڑکتا رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ اس کے سر راجر موس نے خود کو گولڈن بریز کی حیثیت سے اس کے سامنے ظاہر کر دیا ہے اور یہ خبر سنائی ہے کہ ایڈمرل سلوسن کو حراست میں رکھا گیا ہے۔ چونکہ وہ

ناراضی میں جان لیوڑا کا معمول بن گیا تھا۔ اس لئے اسے غدار تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ اس کا برین واٹھ کر کے اس کے دماغ سے جان لیوڑا کو بھگایا جائے گا۔ اس وقت تک کے لئے علی تیمور کو قائم مقام گولڈن برین بنایا جائے گا۔

یہ علی تیمور کے لئے آزمائشی مدت ہوگی۔ اس مدت میں وہ مزید ذہانت کا ثبوت دے گا تو ایگزیکٹو سلسلے کے واپس آنے کے بعد علی کو مستقل طور پر ساتواں گولڈن برین کا عہدہ دیا جائے گا۔

علی نے ریسپورر رکھا تو میں نے کہا "بیٹا! تم مجھ دار ہو۔ پھر بھی تمہیں سمجھانا ہوں۔ الپا کسی خاص مقصد سے تمہاری ذات میں دلچسپی لے رہی ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں بابا! ابھی اس کا تو ذکر رہا ہوں۔"

وہ اپنے کمرے میں تھا۔ وہاں سے اندھ کر راجر مونس کے کمرے کے سامنے آیا۔ دو ازبے پردہ بند دی "اندھے سے آواز آئی۔"

"مکمل ازل۔"

وہ دو ازبہ کھول کر اندر آیا۔ راجر مونس نے کہا "مالی سن! میں نے تمہیں آرام کرنے کو کہا تھا۔ مگر تم بھر کسی کام سے آئے ہو۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا "کام بہت ضروری تھا سرا۔"

"تم مجھے سرکہ رہے ہو؟ میں گھر میں تمہارا قادر لیان لا ہوں مجھے بیشک کی طرح اٹکل کو۔"

"بے شک آپ میرے اٹکل ہیں لیکن سرکاری فرائض ادا کرتے وقت آپ کو سرکہ کے مخاطب کرنا پڑے گا۔"

"ابھی کون سا سرکاری فرض ادا کرنے آئے ہو؟"

"سرا! الپا میری ذات میں دلچسپی لے رہی ہے۔ آج رات نو بجے شیرٹن کے ڈائننگ ہال میں مجھ سے ملنے آئے گی۔"

راجر مونس نے کہا "عجب ہے! الپا ایسی غیر ذمہ دار تو نہیں ہے۔"

"میں میں سوچ رہا ہوں کہ عشق نے اسے سوچنے بجھنے کے قابل نہیں رکھا ہے کوئی دشمن اسے میرے ساتھ دیکھ سکتا ہے۔ یا کوئی دشمن خیال خوائی کرنے والا مجھے کسی طرح دماغی طور پر کمزور بنا کر الپا کی شہ رگ تک پہنچ سکتا ہے۔"

"درست کہتے ہو۔ کیا اس نے خیال خوائی کے ذریعے تم سے ملنے کا وعدہ کیا ہے؟"

"تو سرا! یہ اس کی دوسری حماقت ہے کہ اس نے فون بر ملاقات کی جگہ اور وقت کا تعین کیا ہے۔ فون پر ہونے والی گفتگو کوئی دوسرا بھی سن سکتا ہے۔"

"میں ابھی الپا سے وضاحت طلب کروں گا۔"

"اگر وہ بنجیدگی سے مجھے چاہتی ہے تو میری شکایت کو اپنی توہین سمجھے گی۔ اسے محبت کا جواب میری محبت سے نہیں ملے گا تو وہ مخالفانہ رویہ اختیار کر سکتی ہے۔ دوسرے تمام گولڈن برینز کو مجھ سے بدظن کر سکتی ہے۔"

"ہاں! یہ ممکن ہے۔ مجھے یہ سن کر حیرانی ہو رہی ہے کہ وہ تم سے عشق کر کے عقل کھو رہی ہے۔ ہم اپنے خیال خوائی کرنے والوں میں سے مورگن اور الپا کو سب سے زیادہ ذہین اور قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں الپا کا حصار کروں گا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ علی کو اپنے ساتھ لے کر ایک اسٹور روم میں پہنچا پھر بولا "آج میں تمہیں اپنا خفیہ کمرہ دکھانے گا۔ یہ تمہارے سامنے محض ایک پرانے ڈیزائن کی الماری ہے لیکن اس الماری کے اندر سے ایک چور راستہ میرے خفیہ کمرے کی طرف جاتا ہے۔"

وہ علی کو خفیہ راستے کی ایک ایک تفصیل بتاتے ہوئے اس کمرے میں آیا جہاں ہم پہلی ہی اس کی بیوی کو معمول بنا کر خیال خوائی کے ذریعے پہنچ گئے تھے۔ اس نے ملٹی کمپیوٹر کے ذریعے گولڈن برین ممبر یاڈلے سے رابطہ کیا پھر کمپیوٹر کھر کے ذریعے کہا "تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ الپا عشق و محبت کے موڈ میں ہے۔ مگر کارمن ہیراڈے عشق کر رہی ہے۔"

ممبر یاڈلے نے کہا "معلوم ہوتا ہے یہ معاملہ سرکاری نہیں ذاتی ہے۔ تمہیں یہ شکایت ہے کہ الپا تمہارے داماد کو تمہاری بیٹی سے چھین لیتا چاہتی ہے۔"

"ممبر! اس کمپیوٹر کے ذریعے میری گفتگو صرف سرکاری ہوتی ہے۔ اگر ذاتی ہوتی تو میں کارمن کو اپنا داماد کہہ کر بیٹی کے سماں کا واسطہ دے کر الپا کے خلاف شکایت کرتا۔"

"سوری نمونہ! میں بات سمجھ گیا۔ الپا کارمن سے یا کسی سے بھی عشق کرے گی تو اس کا محبوب اس کی ذاتی مصروفیات میں دلچسپی لے گا اس طرح اسے ہماری مصروفیات کا علم ہو رہا ہے۔"

"صرف یہی نہیں۔ یہ بھی اندیشہ ہے کہ الپا کے محبوب کے ذریعے کوئی دشمن ملٹی بیٹھی جائے والا ہمارا سراغ لگا سکتا ہے۔ آج رات نو بجے الپا شیرٹن ہوئی میں کارمن سے ملاقات کرے گی۔"

کیا الپا کو اس طرح پبلک پلس میں جانا چاہئے؟

"ہرگز نہیں۔ کیا یہ باتیں تمہارے داماد کارمن نے بتائی ہیں؟"

"ہاں! اسے بھی یہ تشویش ہے کہ الپا عشق میں اندھے ہو کر پبلک پلس میں آنے کی تو کوئی دشمن اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"نمبرون! تمہارا داماد ایک مستقل مزاج اور اصول پسند شخص ہے۔ میرے حکم کے مطابق الپا اسے آزمائشی ہے۔ ہم نے کارمن کو مختلف پبلوڈس سے آزمایا اسے ذہین اور دیگر تسلیم کیا ہے۔ اب ہم اسے دماغی اور جسمی پولو سے بھی آزمایا جاتا ہے۔"

اسی لئے الپا نے اسے ہوٹل میں بلایا ہے۔"

"ممبر! تم کسی دوسری حینہ سے بھی کارمن کو آزمائے گا کام لے سکتے تھے؟"

"دوسری میں اور الپا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ ملٹی بیٹھی جاتی ہے۔ کوئی بھی شخص اس سے صرف خفیہ معاملے ہی میں نہیں ملتی بیٹھی کے معاملے میں بھی دلچسپی لے گا۔"

"تم الپا کی طرف سے بھی غور کرو۔ اگر وہ جیج بنجیدگی سے کارمن پر عاشق ہو جائے گی تو کیا ہو گا؟"

"نمبرون! اسے جیج عاشق ہونے دو۔ اس میں ہمارا فائدہ ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟ میری بیٹی پامیلا پر سوکن لانے کی بات کر رہے ہو؟"

"نمبرون! یہ تمہاری ہی حکم ہے کہ اپنے ذاتی معاملات کو سرکاری معاملات پر قربان کر دیا کرو۔ الپا کے ملنے میں سرکاری معاملہ ہے یہ کہ وہ ہمارے سنے گولڈن برین کارمن (علی) کی دوست بن کر رہے گی تو پھر کوئی دشمن اسے دوست بن کر نہیں بھینسے گا۔ جیسا کہ باقی میں پاس نے اسے پھنسا تھا۔"

"تم درست کہہ رہے ہو لیکن میں کارمن کو ایک عرصے سے جانتا ہوں وہ انتہائی شریف نوجوان ہے۔ ہوس پرستی سے دور رہتا ہے۔ اسے اس دلدل میں لانا مناسب نہیں ہے۔"

"الپا کے جذبات کو گلام دینے اور اس کو محب وطن ملٹی بیٹھی جاننے والی کو کسی غیر کی جھولی میں جانے سے روکنے کے لئے یہ ضروری ہے۔ اگر نہیں اعتراض ہے تو یہ مسئلہ تمام گولڈن برینز کے سامنے پیش کیا جائے گا۔"

"نہیں! ممبر! میں سرکاری معاملات پر اعتراض نہیں کروں گا۔ خواہ اعتراض نہ کرنے سے میری جان جائے یا میری بیٹی کا دل ٹوٹا رہے۔ دیش آل۔"

راجر مونس نے رابطہ ختم کر دیا۔ علی اس کے پاس بیٹھا اسکرین پر وہ تحریری گفتگو پڑھتا رہا تھا۔ گفتگو کا آخری حصہ ایسا تھا کہ وہ سر اور داماد ایک دوسرے سے نظریں نہیں ملارہے تھے۔

میں نے علی سے کہا "راجر مونس تمہیں گولڈن برین کے عہدہ پر پہنچا کر اب بچھتا رہا ہے۔ الپا اس کی بیٹی کا آدمی حاصل کرے گی۔"

"بابا! آپ میرے مزاج سے واقف ہیں۔ یہ میرے لئے بھی ایک مسئلہ ہے۔ میں الپا یا کسی بھی دوسری لڑکی سے دلچسپی لیتا نہیں چاہتا۔"

"انسان کے دل چاہنے کے باوجود حالات اسے چاہنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ کبھی تم پامیلا سے شادی کر کے اسے دھوکا نہیں دیتا چاہتے تھے مگر اب اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزار رہے ہو۔"

میں نے کہنے کی جگہ رک گیا۔ راجر مونس نے سراغ کر علی سے کہا۔

"پامیلا میری ایک ہی اولاد ہے۔ میں اسے جان سے زیادہ چاہتا ہوں۔ جب اسے معلوم ہو گا کہ تم کسی دوسری سے ملے ہو تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔"

"اٹکل! مجھے پامیلا کی زندگی عزیز ہے۔ میں گولڈن برین کا عہدہ قبول نہیں کروں گا۔"

"عہدہ قبول نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ دراصل الپا ایک مسئلہ ہے۔ وہ جوان اور حسین ہے۔ ہمیں یہ اندیشہ رہتا ہے کہ پاس کی طرح پھر کوئی دشمن اسے عشق کے جال میں نہ پھانس لے۔ وہ تمہاری محبوبہ بن کر رہے گی تو ہم تمام گولڈن برینز مطمئن رہیں گے۔"

"یعنی آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ میں یہ کروا گھونٹ پانی لوں؟"

"میں فرض کی ادائیگی کے لئے یہی چاہتا ہوں۔"

وہ دونوں خفیہ کمرے سے باہر آگئے۔ پامیلا اپنے کمرے میں سو گوار بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنی ماں کی موت کا صدمہ برداشت کر رہی تھی۔ علی نے کہا "پامیلا! یہ پچھلی رات سے جاگ رہی ہے، آپ اسے سلا دیں۔"

میں پامیلا کے دماغ میں آیا۔ اسے بستر لے گیا۔ وہ سونا نہیں چاہتی تھی۔ خوب رونا چاہتی تھی۔ میں نے اس کی آنکھیں بند کر دیں پھر خیال خوائی کی ذریعے اسے کمری نیند میں پھنسا دیا۔

میں نے علی کے پاس آکر فریوٹا آندروف اور انجینی خیال خوائی کرنے والے کے متعلق تفصیل سے واقعات بتائے پھر کہا۔

"مجھے شبہ ہے کہ وہ انجینی خیال کے یہودی خیال خوائی کرنے والوں میں سے کوئی ہے۔"

اس نے کہا "الپا اور بے مورگن انتہائی وفادار اور ذمہ دار خیال خوائی کرنے والے افراد ہیں۔ یہ دونوں صرف ملکی معاملات میں گولڈن برینز کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں۔ تیسرا ملٹی بیٹھی جاننے والا یہی ہو گا۔ اس پر شبہ کیا جاسکتا ہے کہ یہودیوں نے اسے آپ کے پیچھے لگا دیا ہے۔ چوتھا ملٹی بیٹھی جاننے والا جزل پارکن قیدی کی زندگی گزار رہا ہے۔ شاید اس کا برین واٹھ گیا ہے۔"

میں نے کہا "الپا! بے مورگن اور یہی ہو گن شاید گولڈن برین ممبر یاڈلے کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ اس لئے نمبرون گولڈن برین راجر مونس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ الپا ممبر یاڈلے کے حکم پر تم سے دوستی کر رہی ہے۔"

"جی ہاں۔ یہ خیال خوائی کرنے والے ممبر یاڈلے کے ماتحت ہیں اور شاید ممبر نے ہی یہی ہو گن کو آپ کے پیچھے لگایا ہے۔ مجھے کسی طرح ممبر یاڈلے کی یہی ہو گن کو کمزور بنانا ہو گا۔ اس مقصد کے لئے ان کا چٹھکا معلوم کرنا ضروری ہے۔"

"تم اس ملنے میں کو شش کرو۔ میں امریکی خیال خوائی کرنے والوں کو ٹوٹنے لگا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ جان لیوڑا نے اپنے کسی ماتحت کو میرے پیچھے لگایا ہو۔ میں پھر آؤں گا۔"

اس سے رخصت ہو کر میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ اسرائیل

میں علی تجوز تھا جس کے ذریعے میں دشمن خیال خوانی کرنے والے کو بے نقاب کرنا چاہتا تھا۔ امریکا میں سونیا خانی تھی جو ہمارے عمومی عمل کے باعث خود کو بھولی ہوئی تھی اور اپنے آپ کو سلوان کے نام سے پہچانتی تھی۔

وہ جان لیوڈا کی سرپرستی میں ملری ہیڈ کوارٹر کے ایک ٹریننگ سینٹر میں پہنچائی گئی تھی۔ پہرا ستر اور جان لیوڈا کا ارادہ تھا کہ ایک دن اسے ٹرانسفارمر مشین سے گزار کر ٹیلی بیٹھی کا علم دیا جائے گا۔ سلوان عرف سونیا خانی نے ابتدا ہی سے اپنے کارناموں کے ذریعے جان لیوڈا وغیرہ کو بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔ وہ بچپن سے سونیا کے سامنے میں رہ کر زبردست ٹریننگ حاصل کر چکی تھی۔ تقریباً دو سہری سونیا بن گئی تھی اس لئے اسے سونیا خانی کہا جاتا تھا۔

جب اس نے ملری ٹریننگ سینٹر میں بھی سونی صدارتس حاصل کر کے تربیت دینے والے ٹرینر کو حیران کیا تو یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ پندرہ دنوں تک اسے میڈیکل اور بروریشن میں رکھنے کے بعد ٹرانسفارمر مشین سے گزارا جائے گا۔

میں خانی کے داغ میں جا کر چپ چاپ یہ خیالات بڑھ رہا تھا اور یہ انکشاف ہو رہا تھا کہ ایک ٹرانسفارمر مشین پہرا ستر کے پاس موجود ہے۔ یاد دہانہ تیار کی گئی ہے اور پندرہ دن بعد خانی ٹیلی بیٹھی کا علم حاصل کرنے والی ہے۔

میں نے سلمان کو مخاطب کر کے اسے سونیا خانی کے متعلق بتایا۔ اس نے خوش ہو کر کہا ”میرے لئے بہت بڑی خوش خبری ہے۔ ہماری فہم میں ایک ٹیلی بیٹھی جاننے والی کا اضافہ ہونے والا ہے۔“

میں نے کہا ”آج سے تمہاری اور سلطانہ کی یہ ڈیوٹی ہے کہ باری باری خانی کے پاس موجود رہو گے۔ آج سے پندرہویں دن یہ ضرور معلوم کرنا کہ اس کے داغ میں جان لیوڈا وغیرہ کب تک موجود رہتے ہیں۔ ان کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر خانی پر عمومی عمل کو اور اسے اپنی اصلی شخصیت یاد دلاؤ تاکہ وہ ٹرانسفارمر مشین سے گزرنے کے بعد ہماری ہی رہے غفلت کو گورے تو وہ سلوان کی حیثیت سے ان کی ٹیلی بیٹھی جاننے والی بن جائے گی۔“

میں تمام باتیں سمجھا کر پھر خانی کے پاس آگیا۔ میں خانی کے ذریعے کسی ایسے فرد کو پہچانا چاہتا تھا جسے آلہ کار بنا کر جان لیوڈا یا پہرا ستر ہوں جن کے قریب رہ سکیں۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ لیوڈا کی ایک بیٹی بھی ٹریننگ سینٹر میں ہے اس کا نام کانووانا لیوڈا تھا۔

میں اپنی داستان میں کانووانا کا ذکر کر چکا ہوں۔ لیوڈا چاہتا تھا اس کی بیٹی بھی ٹریننگ کے نتیجے میں اسے گریڈ حاصل کر کے اور ٹرانسفارمر مشین سے گزار کر ٹیلی بیٹھی کا علم حاصل کرے۔ کانووانا ذہن تھی لیکن اسے گریڈ حاصل کرنے والی ذہانت اس کے پاس نہیں تھی۔ وہ پھر پور کو شش کر رہی تھی۔ جان لیوڈا نے سلوان

(خانی) سے کہا تھا ”میری بیٹی کو گائیڈ کرو۔ اسے اپنے ساتھ رکھا کرو۔ تمہاری ذہانت سے یہ بہت کچھ سیکھ لے گی۔“ تب سے کانووانا اور سلوان انہیں میں سیلیاں بن گئی تھیں۔ جب ان کے درمیان بے تکلفی بڑھنے لگی تو ایک دن کانووانا نے اپنے دل کی بات بتائی کہ اسے ایک گورے امریکی جوان سے محبت ہو گئی ہے۔

سلوان نے پوچھا ”کیا وہ بھی تمہیں چاہتا ہے؟“

”اں! وہ جان سے چاہتا ہے۔“

”لیکن تم ٹیکرو ہو۔ کیا وہ تم سے شادی کرے گا اور کرے گا تو تمہارے سیاہ فام ہونے کا طعنہ نہیں دے گا۔“

”میں اسے کالے اور گورے کا جھگڑا دیتا ہے اس کے باوجود بعض کالے گوری عورتوں سے اور گورے مرد کالی عورتوں سے شادیاں کرتے ہیں۔“

”کیا اس نے شادی کا وعدہ کیا ہے؟“

”اں! وہ میرے ڈیوٹی کا احسان مند ہے۔ ڈیوٹی نے اسے یہاں ٹریننگ سینٹر میں داخل کر لیا تھا۔ وہ مجھ سے ایک سال سینئر تھا۔ اے گریڈ حاصل کر کے یہاں سے جا چکا ہے۔“

”یعنی ایک برس پہلے ٹرانسفارمر مشین سے گزر چکا ہے۔“

”شاید اس نے ٹیلی بیٹھی کا علم حاصل کر لیا ہے۔ ڈیوٹی راز کی باتیں اپنی اولاد کو بھی نہیں بتاتے ہیں۔“

خانی نے کہا ”میرا خیال ہے اس نے علم حاصل نہیں کیا ہے اگر کرتا تو تمہارے داغ میں آکر تم سے ضرور باتیں کرتا۔“

”اں۔ میں اکثر سوچتی ہوں کہ اے گریڈ حاصل کر کے جانے کا مطلب یہی ہے کہ وہ ٹرانسفارمر مشین سے گزر چکا ہے۔ پھر مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کرتا ہے۔“

”ہو سکتا ہے کہ تمہارے ڈیوٹی کی طرح سخت اصول پسند ہو اور پہرا ستر کے حکم کے مطابق غیر ضروری خیال خوانی سے پرہیز کرتا ہو اسی لئے تمہارے پاس نہ آتا ہو۔“

”کاش ایسا ہی ہو۔ وہ فرائض کی ادائیگی کے باعث مجھ سے رابطہ نہ رکھتا ہو۔ لیکن وہ مجھ سے محبت کرتا ہے، ایک دن ضرور میرے پاس آئے گا۔“

”تم نے اس کا نام نہیں بتایا۔“

”اس کا نام جین تھرمال ہے مختصر طور پر بی بی تھرمال کہلاتا ہے میں اسے صرف تھرمال کہتی ہوں۔“

یہ انکشاف ہوتے ہی میں نے اطمینان کی ایک امریکی سانس لی۔ خانی کے چور خیالات بڑھنے سے مشکل آسان ہو گئی تھی۔

اگرچہ میں نے تھرمال کا نام پہلے کسی نہیں سنا تھا لیکن وہ ٹیلی بیٹھی سیکھنے کے بعد اچانک کم ہو گیا تھا۔ اپنی محبوبہ سے بھی رابطہ نہیں کر رہا تھا۔ کانووانا نے اپنے باپ لیوڈا کو اس سلسلے میں مگر مند نہیں پایا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ لیوڈا نے صرف مجھے قتل

کرانے کے لئے تھرمال کو چھپا کر رکھا ہے۔ ہماری دنیا میں جتنے ٹیلی بیٹھی جانتے والے ہیں ان کی فہمت میں لیوڈا نے تھرمال کا نام نہیں آئے دیا۔ صرف اس لئے کہ میں مختلانہ ہو جاؤں اور تھرمال کا نام معلوم ہوتے ہی اسے کہیں سے ڈھونڈ نہ نکالوں۔

ہزار راز داری کے باوجود میں نے اسے کسی حد تک تلاش کر لیا، صرف اس کا ٹھکانا معلوم کرنا یہ تھا۔ میں نے علی سے کہا

”دشمن خیال خوانی کرنے والے کا نام بی بی تھرمال ہے۔ جان لیوڈا سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ میں اس سے نمٹ لوں گا۔ تم اپنے معاملات پر توجہ دو۔“

میں فرموتا کہ پاس آیا۔ وہ سرفراز خان کے ساتھ اس کے گھر آئی تھی۔ سرفراز خان کی ماں نے اس سے پوچھا ”بی بی! تمہاری اور ہماری تہذیب میں بڑا فرق ہے۔ کیا ہمارے ساتھ گزارہ کر سکتی ہو؟“

سرفراز نے ماں کی پشتو زبان کا ترجمہ کیا۔ فرموتا کہ ”ماں! میں آپ کو مانگتی ہوں اور ساری دنیا کی ماؤں کی تہذیب ایک اس کا دودھ ایک اور اس کی مٹا ایک ہوتی ہے۔“

پھر وہ سرفراز کے بازو کو تھام کر بولی ”آپ کے بیٹے نے مجھے تحفظ دیا ہے اور ہر عورت اسی تہذیب سے محبت کرتی ہے جہاں اسے تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ اں! میں آپ کی زبان سیکھوں گی پھر آپ سے خوب باتیں کیا کروں گی۔“

اسی وقت تھرمال نے اس کے داغ میں کہا ”بہت خوش ہو رہی ہو“

”میرا مجھے چھوڑ کر یہاں گھر بساؤ گی؟“

وہ پریشان ہو کر بولی ”سرفراز! وہ پھر میرے اندر آکر بول رہا ہے۔“

سرفراز کے کچھ کہنے سے پہلے میں نے فرموتا کے داغ میں کہا۔

”بیو تھرمال! ذرا جلدی یہ حساب کر لو کہ تمہاری سانسیں کتنی رہ گئی ہیں۔“

جواب میں خاموشی رہی۔ فرموتا نے پریشان ہو کر کہا ”کوئی کسی تھرمال کو اپنی سانسوں کا حساب کرنے کو کہہ رہا ہے۔ پتا نہیں یہ میرے داغ میں کیا ہو رہا ہے۔ میں باہل ہو جاؤں گی۔“

میں نے کہا ”فرموتا! جو طے سے کام لو۔ جو فرہاد تمہیں پریشان کر رہا ہے اس سے تمہیں جلدی نجات مل جائے گی۔“

سرفراز ”فرموتا کی پیشانی کو دیکھ کر کہہ رہا تھا ”تم کون ہو؟ کیوں میری فرموتا کے داغ میں آکر پریشان کر رہے ہو؟“

میں نے کہا ”فرموتا! اپنے محبوب سے کہہ دو۔ میں تمہارا مددگار ہوں۔ میرے آتے ہی فرہاد تمہارے داغ سے بھاگ گیا۔ میں چاہوں تو ابھی اسے پکڑ سکتا ہوں لیکن مجھے چاہے جی کا کھیل پسند ہے۔ میں اس چہرے کو وہ ڈاؤنڈا کرادوں گا۔“

یہ آخری فقرے میں نے تھرمال کو سناتے کے لئے کہے۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ خاموشی سے موجود ہے۔ یہ بہت بعد میں معلوم ہوا تھا کہ وہ اپنا نام سننے ہی بھاگ گیا تھا۔ اپنی جگہ دائمی طور پر حاضر

ہو کر حیرانی اور پریشانی سے سوچ رہا تھا کہ مجھے اس کا نام کیسے معلوم ہو گیا؟

میرے متعلق دشمن کہتے تھے کہ میں شیطان ہوں! اچانک کہیں سے ہنر سرب سوار ہو جاتا ہوں اور یہ خوش فہمی ختم کر دیتا ہوں کہ ان کے اہم اسرار تک نہیں پہنچ سکتا۔

وہ اندیشوں میں گہرا سوچ رہا تھا کہ میں کیسے بھی موت بن کر پہنچ سکتا ہوں۔ جب نام معلوم ہو چکا ہے تو ٹھکانا بھی معلوم ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ معلوم ہو چکا ہو۔ وہ یا اس کا خیال خوانی کرنے والا ساتھی دوری دور سے مجھے دیکھ رہا ہو۔

اس نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ جان لیوڈا کے پاس آکر کوڈورڈز ادا کے پھر کہا ”سرا مصیبت ہو گئی! فرہاد مجھے جانتا ہے۔“

اس نے حیرانی سے پوچھا ”کیسے جانتا ہے؟“

”میں کیا بتاؤں سرا! میری کچھ بھی نہیں آتا کہ اس کے ذرائع کیا ہیں؟ اس کا شیطان طریقہ کار کچھ بھی نہیں آتا۔ ہم سمجھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور وہ شہر تک پہنچ جاتا ہے۔“

”یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ تمہیں جانتا ہے؟“

”میں تو بڑی دیر پہلے فرموتا کے پاس تھا۔ میرے بچھائے ہوئے جال کے مطابق فرہاد فرموتا کا دیوانہ ہو گیا ہے۔ سرفراز خان کے ہمیں میں اس سے دلچسپی لے رہا ہے۔ میں نے فرموتا کو دھمکی دی کہ وہ میرا ساتھ نہیں دے گی تو سرفراز خان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکے گی! ایسے ہی وقت فرہاد نے فرموتا کے داغ میں آکر مجھے نام لے کر مخاطب کیا! اس نے کہا ”بیو تھرمال! ذرا جلدی یہ حساب کر لو کہ تمہاری سانسیں کتنی رہ گئی ہیں۔“

جان لیوڈا نے کہا ”اس فقرے کے پیچھے یہ یقین چھپا ہوا ہے کہ اس کے ساتھی تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ تمہاری سانسوں کا رشتہ تم سے توڑ سکتے ہیں۔ وقت برباد نہ کرو۔ فوراً وہ ہائیکل گاڑ چھوڑ دو۔“

ٹھیک دس منٹ کے بعد ٹھک۔ ہمارے جاسوس اپنی گاڑیوں میں تمہارے آس پاس رہیں گے۔“

”مجھے کہاں جانا چاہیے؟“

”فی الحال اپنی ذرا بیکر کرتے رہو تاکہ ہم تمہارا تعاقب کرنے والوں کو روک سکیں۔“

وہ ایک دستی بیگ میں ضرورت کی چیزیں رکھنے لگا۔ ٹھیک دس منٹ کے بعد لیوڈا نے اس سے کہا ”باہر جاؤ اور اپنی کار مسلسل ڈرائیو کرتے رہو۔“

وہ واقفیت میں تھا۔ اپنی کار میں بیٹھ کر مختلف سڑکوں سے گزرتا چاہتا تھا۔ لیوڈا نے کہا ”شعری مصروف شاہراہوں پر تعاقب کرنے والے مشکل سے پہچانے جاتے ہیں۔ سیامی کی شاہراہ پر چلو! اس ہائی وے پر فرہاد کے آدمی پہچانے جائیں گے۔“

وہ اس ہائی وے کی سمت جانے لگا۔ میں نے نائب پہرا ستر کو مخاطب کر کے کہا ”اپنے اسرار اور لیوڈا سے کو فرہاد آیا ہے۔“

نائب نے مخصوص سیکٹل کے ذریعے سپراسٹر ہولی میں اور جان لیوڈا کو اطلاع دی۔ سپراسٹر نے کپیڈ ٹرک کے ذریعے مجھے بلو کما میں نے جوا پکا "جان لیوڈا میری آمد کو خوب سمجھ رہا ہے اور سپراسٹر شاید تم بھی سمجھ رہے ہو۔"

سپراسٹر نے کہا "وقت ضائع نہ کرو۔ پھیلان نہ بھجواؤ" اپنی آمد کا مقصد بیان کرو۔"

"وقت قوتاب ضائع ہوتا رہے گا سپراسٹر! تمہاری ایک ٹرانزفارمر مشین کو تباہ کرنے کے بعد ہم نے سوچا تھا کہ اب تمہارے ملک کی طرف نہیں دیکھیں گے، تمہیں مزید کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے لیکن لیوڈا نے قہرمان کو میرے لئے موت کا فرشتہ بنا کر مت بڑی حماقت کی ہے۔"

"تمہیں غلط فہمی ہے۔ جان لیوڈا کسی قاتل قہرمان سے واقف نہیں ہے۔"

"میں لیوڈا کا جواب سنتا چاہتا ہوں۔"

وہ کپیڈ ٹرک کے ذریعے بولنے لگا۔ نائب اسکرین کے سامنے بیٹھا وہ تجزیہ پڑھ رہا تھا اور میں نائب کے دماغ سے بہتا جا رہا تھا۔ لیوڈا نے کہا "سٹریٹوگراہم تم سے پیچھے چھا کر نہ چاہئے۔ تم اپنی جگہ خوش رہو، ہم اپنے ملک میں سکون سے ہیں۔ اگر کوئی قہرمان نامی قاتل تمہاری نظروں میں آیا ہے تو اس کے متعلق ہمیں کچھ بتاؤ۔ ہم اسے سزا دیں گے۔"

میں نے پوچھا "کیا تم یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ میں قہرمان کو کس حد تک جانتا ہوں؟ کیا تم قہرمان کو دور دیکھنے اور چھپانے کی کوشش نہیں کر رہے ہو؟"

یہ آخری فقرہ میں نے انداز سے کہا۔ میرا خیال تھا جو فرمون کے دماغ سے بھاگ گیا تھا وہ لیوڈا کے پاس ضرور گیا ہو گا اور وہ اسے خفیہ اور پراسرار ٹیلی بیٹھی جانے والے کو پناہ دینے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔

جان لیوڈا میری اس بات پر بدحواس ہو گیا تھا کیونکہ قہرمان کو ہائی دے پر دوڑا رہا تھا اس کی ہائش گاہ تبدیل کر رہا تھا۔ لیوڈا نے سنبھل کر کہا "جب تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم قہرمان کو جانتے ہو اور میں اسے کیس چھاپ رہا ہوں تو اس کے چھپنے سے پہلے اسے گولی کیوں نہیں مارتے؟"

"اسے گولی مارنے سے میرا مقصد پورا نہیں ہوگا۔ میں اس کے ذریعے کہاں پہنچ رہا ہوں؟ جب یہ انکشاف ہو گا تو تمہارے اور سپراسٹر کے ہوش اڑ جائیں گے۔"

سپراسٹر نے کہا "ہمیں دھمکی نہ دو۔ دوستانہ طریقہ اختیار کرو۔ چند ماہ سے ہمارے درمیان مسلح اور سکون تھا، تم ہر پائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے آئے ہو۔"

میں نے کہا "اٹنا چور کو تال کو ڈانٹنے۔ چلو کوئی بات نہیں۔ میں جہیں چور ثابت کر کے قہرمان کے ساتھ تم دونوں کو جہنم میں

پہنچاؤں گا۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ اب وہ دونوں تشویش میں مبتلا ہو گئے ہوں گے۔ یہ اندیشہ پیدا ہو گیا ہو گا کہ میں قہرمان کو ایک ذریعہ بنا کر ان دونوں کی خفیہ رہائش گاہوں تک پہنچ سکتا ہوں۔

آدمی اندیشوں میں گہر جانے تو تشویش میں مبتلا ہو کر پریشانی کے دوران کوئی غلطی کر بیٹھا ہے ان سے بھی اب غلطی سرزد ہونے والی تھی۔ اس کا علم مجھے بعد میں ہوا۔ جان لیوڈا نے قہرمان کے پاس جا کر کہا "فراڈ کو ہماری ایک ایک حرکت کا علم ہے وہ جانتا ہے کہ میں تمہیں کیس چھپانے کے لئے دور لے جا رہا ہوں۔"

قہرمان نے کہا "یہ رپورٹ فراڈ کو وہ لوگ دے رہے ہوں گے جو اس وقت میرا تعاقب کر رہے ہیں۔"

"بے شک وہ تمہارا تعاقب کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

ہائی دے پر کافی گاڑیاں آگے پیچھے دوڑ رہی تھیں وہ سسے ہوئے ذہن سے سوچ رہے تھے کہ ان میں سے کسی نے کسی گاڑی میں فراڈ کے ساتھی یا آلہ کار موجود ہیں۔

جان لیوڈا نے کہا "گاڑی واپس موڑلو۔ کنکشن اسٹریٹ کے دسویں بنگلے میں جاؤ۔ وہاں ایک بوڑھے میاں بیوی ہیں، وہ تمہیں ایک خفیہ دروازے سے وہ خانے میں پہنچائیں گے۔ وہاں تم میک اپ کے ذریعے اپنا طیلہ دلباس بدل لو گے اور میری طرح سیاہ فام نیگرو بن کر گٹرنگ کے ذریعے آگے جاؤ گے پھر ایک دوسرے بنگلے میں پہنچ جاؤ گے۔"

اس نے گاڑی واپس موڑ لی تھی۔ وہ لیوڈا کی ہدایت کے مطابق چلا رہا تھا۔ لیوڈا کہہ رہا تھا "میری بیٹی کانوٹا تمہیں یاد کرتی رہتی ہے۔ میں اسے بتاؤں گا کہ تم نیگرو کے روپ میں ہو۔ اور آج اس سے کہیں ملنے والے ہو۔"

یہ میرا برسوں کا تجربہ ہے۔ لوگ گھبراہٹ اور پریشانیوں میں غلطیاں ضرور کرتے ہیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ قہرمان مجھے بدل کر کبھی کانوٹا سے ملنے والا ہے لیکن آگے جا کر یہ سب کچھ معلوم ہونے والا تھا۔

○●○

ایسے ڈیوڈ عرف ابوداؤد تنظیم "را" کا چیف اپنی کار میں بیٹھا دور حیرا کی کوٹھی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حیرا پہلے ہی دن سے اس کے دل دماغ پر چھا کر تھی۔ وہ اتنے اہم اور بڑے دارمحدے پر فائز تھا کہ عیاشی کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا لیکن بعض اوقات سوچ اور سنجیدگی پر جذبات غالب آجاتے ہیں۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ حیرا ایک بیٹھنے کے لئے گوشہ نشینی سے نکلا پڑے گا۔ ایسے اپنی خفیہ رہائش گاہ میں اغوا کر کے لانا ہو گا۔ دونوں ہی صورتوں میں بے نقاب ہونے کا اندیشہ تھا۔

کوئی حسینہ پسند آجائے تو وہ کسی تیسری جگہ اس کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ اس کے خاص ماتحت خفیہ طور سے اس کی نگرانی کرتے

رہتے تھے۔ ایسے معاملات میں اس کا خاص رازدار وحید رانا تھا۔ ابوداؤد نے کہا تھا کہ کبھی وہ مارا جائے یا بے نقاب ہو جائے تو فوراً ہی پاکستان چھوڑ کر چلا جائے گا پھر اس کی جگہ وحید رانا سنبھال لے گا۔ وحید خوش ہو کر اس کی بخشور میں لگا رہتا تھا اور حسین عورتوں کی دلہلی کر رہتا تھا۔

اس بار ابوداؤد نے کہا "میں حیرا کو اپنے خیالوں سے نکالنا چاہتا ہوں۔ مگر وہ نہیں نکلتی ہے۔ میں نے اسے نظر انداز کرنے کے لئے دوسری تیسری سے دل بہلایا لیکن یہ دل انہی کے لئے چل رہا ہے۔"

وحید نے کہا "سرا حسین عورتوں کی نہیں ہے۔ لیکن آپ دیکھتے آ رہے ہیں کہ حیرا دوسری لڑکیوں سے مختلف ہے، وہ کسی کو اپنے سامنے کے قریب بھی آنے نہیں دیتی ہے۔"

"اس کی بی ضد میرے لئے پہنچ گئی ہے۔"

"بے شک جس کی طلب ہو اور وہ حاصل نہ ہو تو طلب میں شرت اور دیوانگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی دیوانگی آپ کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔"

"نیکو وحید! صرف حیرا کی طرف سے اندیشہ ہے کہ وہ ہمیں بچانے کے لئے تو اتنا غماغ تنظیم کو نقصان پہنچائے گی۔ لہذا ایسی چال چلی جائے کہ وہ ہمیں بچانے نہ سکے۔"

"یعنی نقاب پوش بن کر اسے اغوا کیا جائے اور آپ نقاب میں رہ کر اس کی خنثائی میں جائیں۔"

"ہاں اسے اس کی کوٹھی میں ہی محصور رکھا جائے یہ تاثر دیا جائے کہ اس کے تینوں باڈی گارڈز خرید لئے گئے ہیں۔ فون کا کار کاٹ دیا جائے۔ وہ انہی کوٹھی سے باہر نہیں نکل سکے گی۔ اتنی احتیاط کے بعد بھی پہلے تم نقاب میں اس کے پاس جاؤ گے۔ میں کوٹھی سے ذرا دور حالات کا جائزہ لیتا رہوں گا۔ جب تم ڈائریٹر کے ذریعے میدان صاف ہونے کا یقین دلاؤ گے تو میں کوٹھی کے اندر آؤں گا پھر اس حسینہ کی یہ قسم توڑوں گا کہ وہ کسی محوسے زیر نہیں ہوگی۔"

جو لوگ نہایت سنجیدگی اور داناائی سے اپنے کھیل کھیلتے رہتے ہیں، وہ عام طور سے حسن پرست ہوتے ہیں۔ ان کے ذہنی سکون اور تفریح کا ذریعہ عیاشی ہوا کرتی ہے۔ چونکہ عیاشی پردے میں ہوتی ہے اس لئے ان کی اصلیت کبھی بے پردہ نہیں ہوتی۔

منصوبے کے مطابق حیرا کو کوٹھی میں محصور کر دیا گیا تھا۔ اس کی بے بسی کا پورا یقین ہو گیا تھا۔ یہ اندیشہ نہیں رہا تھا کہ اس کا کوئی یا دودگاہ ہو سکتا ہے۔ ابوداؤد کو یقین تھا کہ آج وہ جوانی کی بارود سے بھرے ہوئے بدن کو حاصل کر لے گا۔

وہ اپنی کار میں حیرا کی کوٹھی سے ذرا دور انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ وحید رانا اس کے سامنے کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوا تھا۔ وہ خفاقی اختفات کا جائزہ لینے گیا تھا۔ اس کے جانے کے

چند سیکنڈ بعد کوئی دوسرا بھی اس احاطے میں داخل ہوا تھا۔ ابوداؤد نے ڈائریٹر کے ذریعے تینوں باڈی گارڈز سے رابطہ کرنا چاہا۔ کوٹھی کے چاروں طرف الرٹ رہنے والے باڈی گارڈز کی طرف سے جواب نہیں مل رہا تھا۔ ڈائریٹر سیکٹل کے جواب میں ان کی خاموشی بتا رہی تھی کہ وہ موت کی خاموشیاں ہیں۔

پھر کوٹھی کے اندر سے وحید رانا نے موبائل فون پر کہا "راستہ صاف ہے، حیرا یہاں اکیلی ہے۔ باہر ہمارے تینوں وفادار بہت ہوشیار ہیں۔"

ابوداؤد نے کہا "موت کے سامنے ہوشیاری کام نہیں آتی۔ باہر تینوں وفادار موت کی نیند سو گئے ہیں۔ تم باہر نکل کر دیکھو۔" یہ کہہ کر وہ وحید کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا لیکن وہ کوٹھی سے نہیں نکلا۔ ابوداؤد کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہاں رخسانہ اور حماد (پارس) پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے وحید کو بے نقاب کیا تھا۔ پھر وہ حماد کی ہنگام پہنچ گئی تھی۔ اداس پاگل مگر محب وطن خاتون نے کوٹھی کے اندر ہونے والے ڈرامے کا دل پھاڑ دینے والا ڈراپ سین کیا تھا۔ اس المیہ ڈرامے کی روداد میں تفصیل سے پہلے ہی بیان کر چکا ہوں۔

ابوداؤد نے دو منٹ تک انتظار کیا۔ جب وہ کوٹھی کے باہر نہیں آیا تو سمجھ میں آیا کہ کام بگڑ گیا ہے۔ دوسرا منٹ ختم ہونے سے پہلے ہی ایک گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ گولی محب وطن خاتون نے وحید کی پیشانی پر ماری تھی۔

ابوداؤد فائرنگ کی آواز سننے ہی کا اشارت کر کے ذرا دور چلا گیا۔ وہ سوچ رہا تھا "وحید نے شاید کسی مجبوری سے فائر کیا ہے ابھی کسی خطرے سے منت کر آجائے گا۔ لیکن وہ واپس نہیں آیا۔ دور جا کر رات کے سناٹے میں دوسری گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ دوسری گولی خاتون نے اپنی پیشانی پر ماری تھی۔ کوٹھی کے اندر کیا ہو رہا ہے؟ ابوداؤد کو معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے پریشان ہو کر موبائل فون کے ذریعے رابطہ کیا۔ ادھر مر وہ وحید کی جیب سے فون سیکٹل کی آواز آ رہی تھی۔ پارس وہاں رخسانہ اور حیرا کے ساتھ موجود تھا۔ وحید اور دو ڈی خاتون کی لاش کو دیکھ کر کہہ رہا تھا "حیرا! یہ دونوں لاشیں تمہارے لئے مصیبت بن جائیں گی۔ پولیس تھانے اور عدالتوں کے چکر میں پڑ جاؤ گی۔"

حیرا بھی پریشان ہو کر یہی سوچ رہی تھی۔ اسی وقت موبائل فون نے انہیں متوجہ کیا۔ پارس نے آگے بڑھ کر اس کی جیب سے فون کو نکالا۔ پھر بن بن بک وحید کی آواز بناتے ہوئے اور کراہتے ہوئے بولا "مم۔ مجھے کوئی لگ گئی۔ لیکن میں نے بھی دشمن کو ہلاک کر دیا ہے، پلیر میرا انتظار کریں، میں آ رہا ہوں۔ مجھے فوری طبی امداد کی ضرورت ہے۔"

دوسری طرف سے داؤد نے کہا "طبی امداد کے لئے آہنی گاڑی میں سرجن ہسپتال شامی کے پاس جاؤ۔ میں بعد میں رابطہ کروں

پارس نے جلدی سے کہا ”غصہ“ یہ حیرا کا کیا کروں
میں نے اسے نشانے پر رکھا ہے۔“
داؤد ذرا سوچ میں پڑ گیا۔ پارس نے اس کی دھمکی رگ پر ہاتھ
رکھا تھا۔ یہ سارا جھگڑا حیرا کے لئے ہوا تھا۔ اس جھگڑے میں اس
کا حصول دشوار ہو گیا تھا اور اب آسانی ہی آسانی تھی۔ اس نے
پوچھا ”جیشہ! راکوٹ بننے کے لئے کون آیا تھا۔ تم نے کسے گولی
باری ہے؟“

پارس نے کہا ”میرے سامنے اس کی لاش ہے میں اسے
چرے سے نہیں پہچانتا ہوں۔ میرے خیال سے یہ وہی طارق ہے جو
صوفیہ کا محافظ بن کر رہتا تھا۔“
ابوداؤد نے کہا ”جہاں گولیاں چل چکی ہیں وہاں میرا اتنا
مناسب نہیں ہے۔ تم بھی وہاں سے فوراً نکل جاؤ۔ حیرا کو زندہ نہ
چھوڑو۔ اسے گولی مار دو۔“

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ اس دوران پارس فون پر بات کرتا
ہوا چپچپا چپا ناگوشی سے باہر آیا تھا اور دور تک نظریں دوڑا رہا تھا
تاکہ اسے داؤد کی جگہ معلوم ہو جائے۔
کوٹھی کے احاطے کے باہر آتے ہی ابوداؤد نے رابطہ ختم کر دیا
تھا۔ رات کے سنانے میں کارا اشارت ہونے کی بجلی کی آواز سنائی
دی۔ پارس نے اوپر دوڑ لگائی۔ گاڑی کی پچھلی سرخ روشنی حرکت
میں آگئی تھی پھر وہ روشنی آگے جانے لگی، رفتار بڑھ رہی تھی۔
پارس بھی پوری تیز رفتاری سے دوڑتا جا رہا تھا۔ پھر اس نے
چٹانوں کی طرف مڑ کر پھرتے ہوئے ایک فائرنگ کیا۔
اس کے ساتھ ہی پچھلا ایک پھردھماکے سے پھٹ گیا۔ تیزی سے
جانے والی کار بلیکٹ گھوم گئی۔ کچی سڑک چھوڑ کے کچے ڈھلان پر
نہر کی طرف جاتے ہوئے ایک درخت سے ٹکرائی۔

پارس سڑک پر سے اٹھ کر دوڑتا ہوا کار کے پاس آیا۔
اشیئرنگ سیٹ خالی تھی۔ ابوداؤد نہر میں چٹانوں کی طرف تیز رفتاری سے
دوسری طرف جا رہا تھا۔ پارس نے بھی ریوڑ کو جب میں ٹھونس
کر چٹانوں کی گادی۔ تیرتے ہوئے اس کا تعاقب کرنے لگا۔
میں خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ پارس کی موجودگی
میں مجھے مدخلت کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نے حیرا کی سوچ میں کہا۔
”ہمیں یہاں سے فوراً جانا چاہئے۔ ورنہ پولیس والے مصیبت بن کر
آجائیں گے۔“

حیرا نے میری مرضی کے مطابق رخسانہ سے کہا ”میںاں سے
چلو۔“
رخسانہ نے کہا ”رک جاؤ۔ حمار کو واپس آئے دو۔“
”حمار کے واپس آنے تک پولیس والے آجائیں گے۔“
”حیرا! یہاں سے جانے کے باوجود تم پکڑی جاؤ گی کیونکہ
کوٹھی کے اندر دو لاشیں اور باہر تین باؤزی گاڑیوں کی لاشیں پڑی

ہیں۔ تم بے گناہ ہو، یہ قتل تم نے نہیں کئے ہیں۔ اس لئے حمار
سے پولیس والوں کا انتظار کرو۔“
حیرا تیزی سے چلتی ہوئی کوٹھی کے باہر آئی۔ رخسانہ پریشان
ہو گئی۔ کوٹھی کی مالکین جاری تھیں، ایسے میں تمام قتل کے الزامات
اس پر لگائے جاتے۔ وہ دوڑتی ہوئی اپنی کار کی طرف آئی۔ حیرا
اس وقت تک کار میں بیٹھ کر کوٹھی کے احاطے سے نکل گئی تھی۔
میں اسے آگئی جی کے پاس لے جا رہا تھا تاکہ اسے قانونی تحفظ
حاصل ہو جائے۔

آئی جی اکبر درانی کی کوٹھی قریب ہی تھی۔ میں نے حیرا کو
وہاں پہنچا کر کہا ”آپ اس کا بیان سنیں اور قانونی تحفظ دیں۔ یہ
لوٹی ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ میں ابھی آؤں گا۔“
میں پارس کے پاس آیا۔ اس نے نہر میں تیرتے ہوئے ابوداؤد
دشمن کو دیکھ لیا تھا۔ دونوں میں برابری جنگ جاری تھی۔ ابوداؤد
چو کا ماہر اور اچھا فائرنگ تھا۔ پارس کا ایک ہی فلولادی ہاتھ کھار کچھ
گیا تھا کہ اس جنگ میں صرف بچاؤ کی کوشش کرنی چاہئے۔ ورنہ
دوسرا ہاتھ برداشت نہیں کیا جائے گا۔

اس نے لڑتے ہوئے پوچھا ”جوان تم کون ہو؟“
وہ خود کو چھڑا کر پانی میں ڈوبتا جا رہا تھا تاکہ پانی کے اندر ہی
اندر چھپ کر نکل جائے۔ پارس نے اس کے بالوں کو کوٹھی میں جکڑ
کر پانی کی سطح کے اوپر لاتے ہوئے کہا ”میں تمہاری تنظیم کا حمار
ہوں، کیا بھول گئے ہو ابوداؤد؟“

”نہں۔۔۔ نہیں۔ تم حمار نہیں ہو۔ وہ کبھی اتنا اچھا فائر نہیں
رہا۔ تمہارے ہاتھ فلولادی ہیں۔ مجھ سے سودا کرو۔ میں تمہیں مالا
مال کر دوں گا۔ ابھی ایک گھنٹے کے اندر ادائیگی کر دوں گا۔“

”کیا ابھی مجھے ایک لاکھ روپے دے سکتے ہو؟“
”ایک لاکھ کچھ بھی نہیں ہیں میں اس سے زیادہ دوں گا۔“
اس نے اسی طرح بالوں کو کوٹھی میں جکڑ کر کنارے کی طرف
لے جاتے ہوئے کہا ”چلو اگر تم نے دھوکا نہیں دیا اور مجھے رقم
دی تو پھر تمہارے لئے بھی کام کروں گا۔“

وہ جھانک دے کر اسے کنارے پر لے آیا تاکہ مارہیت میں
وقت ضائع نہ ہو۔ پھر کنارے پر آتے ہی اس نے ایک زوردار ہاتھ
اس کے منہ پر رسید کیا۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ ایسی ہی لگا
جیسے لوہے کی سلاخ منہ پر پڑی ہو۔ ناک اور منہ سے خون نکلنے لگا تھا۔
وہ گہری گہری سانس لے رہا تھا۔ پارس نے کہا ”پاپا! شکار ہانپ رہا
ہے۔ آپ کو داغ میں آنے سے نہیں روک سکے گا۔“

میں ابوداؤد کے اندر پہنچ گیا۔ اس نے مجھے محسوس کرتے ہی
سانس روکنے کی کوشش کی لیکن ہانپنے کی وجہ سے نہ روک سکا۔
میں نے داغ میں زلزلہ پیدا کیا۔ وہ چیخ مار کر اچھلا اور نہر کے
کنارے گھاس پر گر کر تریے لگا۔
پارس اسے میرے حوالے کرنے کے بعد بولا ”پاپا!۔۔۔“

آپ کو شش کریں کہ یہ حمار کی حیثیت سے مجھے بھول جائے ورنہ
مجھے حمار کے خول سے لکنا ہوگا۔“

”طہینا رکھو یہ تمہیں بھول جائے گا۔“
پارس چلا گیا۔ ابوداؤد پرانی دار و درازے کے پہلے جھکے
سے شیش لگایا تھا۔ میں نے دوسرا بڑا جھکا پچھلیا تو وہ ذبح ہونے
والے بکسے کی طرح حلق سے آوازیں نکالتے اور ترپنے لگا۔ اس
کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔ داغ چھوڑنے کی طرح دھک
رہا تھا۔ میں اس کے خفیہ اڈوں اور اہم ماتحتوں کے متعلق
معلومات حاصل کرنے لگا۔

پھر میں نے آئی جی کو وہ تمام اڈے اور بڑے بڑے شریف
بزموں کے نام اور پتے بتائے اور کہا ”ابھی وہاں ریڈ نہ کریں۔
کس کو گرفتار بھی نہ کریں۔ میں ان کے چیف کو آپ کے پاس لا رہا
ہوں۔“

جب تک میں یہاں آئی جی سے باتیں کرتا رہا ”ادھر ابوداؤد
شعلتا رہا۔ داغ پھوڑا بن جائے تو تکلیف نہیں جاتی ویسے تکلیف
کی شدت ختم ہو جاتی ہے، وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر نہر کے
کنارے سے چلتا ہوا سڑک پر آیا تھا۔

فائرنگ کی آوازوں نے اور کار کے حادثے نے سونے والے
پردیوں اور علاقے کے لوگوں کو دنگا دیا تھا۔ پولیس والے آگئے
تھے۔ ایک پڑوسی کی نشان دہی پر حیرا کی کوٹھی میں گئے تھے۔ کچھ کار
کی طرف آئے تھے۔ ابوداؤد ان سے دور نہر کے دوسری طرف تھا،
کسی سپاہی کے روکنے کو نہ پھلے ایک رکتا میں بیٹھ کر جا رہا
تھا۔

داغ اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ وہ میری سوچ کی لہروں کو
محسوس نہیں کر رہا تھا۔ خود کو سمجھا رہا تھا کہ دائمی توانائی بحال ہو گئی
ہے کوئی داغ میں نہیں آئے گا اگر وہ آئے تو میں محسوس کر لوں
گا۔

اس نے رکتے والے کو ماڈل ٹائون چلنے کے لئے کہا تھا۔ وہ
اپنی خفیہ ہائیکس گاڑی کی طرف جا رہا تھا جو ہمارے لئے خفیہ نہیں رہی
تھی۔ اس نے اپنی کوٹھی میں چند ہتھیاروں کے علاوہ کچھ ایسی
دوا بھی رکھی تھیں جو ضرور سامان تھیں۔ دشمنوں کو خاموشی سے
ہلاک کر سکتی تھیں یا انہیں اعصابی کمزوریوں میں مبتلا کر سکتی
تھیں۔

میں اسے کوٹھی میں پہنچا کر وہ دوا میں کھلا کر اسے مزید کمزور
بناسکتا تھا لیکن اس کی موجودہ کمزوری بہت تھی۔ وہ میری مرضی کے
مطابق اپنی خواب گاہ میں آکر بستر پر لیٹ گیا۔ اس کے بعد میں نے
اسے تھک تھک کر سلا دیا۔

اس کے ساتھ آدھے گھنٹے تک مصروفیت رہی۔ میں اس پر
عمل کرتا رہا اور وہ میرا معمول بنتا رہا۔ میں نے آخر میں ہدایت دی
کہ وہ خوشی خند سے بیدار ہونے کے بعد یہ بھول جائے گا کہ اس

کے داغ میں کوئی کیا تھا اور کسی نے دائمی اذیتیں پہنچائی تھیں۔
اسے اتنا یاد رہے گا کہ نہر میں کسی سے مقابلہ ہوا تھا اور وہ اس سے
جان چھڑا کر آیا تھا۔ نہ کسی نے اس کا تعاقب کر کے اس کی
رہائش گاہ دیکھی ہے اور نہ ہی کوئی اس کے داغ میں آسکا ہے۔ یہ
بھی یاد نہیں رہے گا کہ اس نے وہاں حمار کو دیکھا تھا۔

میں اسے خوشی خند سلا کر آئی جی کے پاس آیا۔ اسے بتایا کہ
میں نے اس پر تبدیلی عمل کیا ہے۔ آئی جی نے پوچھا ”کیا اسے
قانون کے حوالے نہیں کرو گے؟“

میں نے کہا ”وہ بھارت کی ایک خطرناک تنظیم کا مقامی چیف ہے۔
ایک بہت بڑے عہدے پر ہے۔ میں اس کے اندر رہ کر اس تنظیم
کے اندر کی اہم باتیں معلوم کر رہا ہوں گا۔ ہمیں ان غدار پاکستانی
باشعروں کے چرے نظر آئیں گے جو دولت حاصل کرنے اور امریکا
کا گرین کارڈ حاصل کرنے کے لئے اپنے ہی ملک کو کمزور بنانے میں
مصروف رہتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے اس طرح تمام غیر ملکی جاسوسی بھی ہماری نظروں
میں رہا کریں گے۔ میں نے حیرا کی روداد سن لی ہے اس سلسلے میں
کیا چاہتے ہو؟“

”آپ اس کی رپورٹ درج کرادیں۔ عدالت سے اس کی
منانت حاصل کر لیں۔ اور رسمی طور پر پانچوں افراد کے قتل کی
تفتیش کراتے رہیں۔ حیرا کو پہلے کی طرح آزادی سے زندگی
گزارنے دیں۔ وہ ہمارے بہت کام آئے گی۔“

پھر میں نے پارس کے پاس آکر اسے ابوداؤد اور حیرا کے
متعلق بتایا۔ اس نے کہا ”پاپا! یہ اچھا ہوا۔ آپ اس کے اندر رہ کر
اس تنظیم کے چیف رہیں گے۔ ان کا جو اتنا ان کے منہ پر ادریں
گے۔ ویسے آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟“

میں نے کہا ”میدویوں کی تنظیم کو ماساد دہلی میں ہے اس کے
جاسوس وہاں سے یہاں آتے ہیں۔ بھارت اور اسرائیل ایک
دوسرے کے گٹھ جوڑ سے ہماری قوم اور حکومت کے خلاف
سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ میری پہلی کوشش یہی ہوگی کہ تم یہاں
سے دہلی جاؤ گے اور ماساد تنظیم کی جڑیں وہاں سے
اکھاڑ پھینک گے۔“

”را“ تنظیم کے اہم افراد نے جیشہ رانا کی موت کا بہت اثر
لیا تھا۔ وہ ابوداؤد کا دست راست سمجھا جاتا تھا۔ ادھر پچھلے دو چار
دنوں سے تنظیم کے ایسے ہی اہم افراد قتل ہو رہے تھے یا حادثے کا
شکار ہو گئے تھے۔ حساب یہ خیال قائم ہو رہا تھا کہ تنظیم کے اہم فرد
ششاد علی کو حادثہ پیش نہیں آیا تھا۔ بلکہ نیلی بیگم نے اسے ہلاک
کیا تھا۔ حیرا کی کوٹھی میں بیگم ششاد اور جیشہ رانا کا قتل اور تین
باؤزی گاڑیوں کی لاشیں بھی بیگم ششاد کی لاشیں تھیں۔ اس لئے پاکستان
میں اب زیادہ متبادرہ کر کام کرنے کے سلسلے میں غور کیا جا رہا تھا۔
دوسرے دن اس مقصد کے لئے ایک خفیہ اجلاس منعقد کیا

گیا تھا۔ بھارت کی "را" تنظیم کے ہیڈ کوارٹر سے دلش پانڈے نامی ہیڈ انچارج آیا تھا۔ اس ہیڈ انچارج دلش پانڈے کو بھی یہ خوف تھا کہ فرادہ کہیں اس کے دماغ میں بھی نہ پہنچ جائے۔ ابوداؤد نے کہا تھا "میں یوگا کا ماہر ہوں" فرادہ میرے قریب بھی نہیں آسکتا۔ تم میری رہائش گاہ میں رہو گے اور تنظیم کے لئے مرنے والوں کے مسئلے میں تفتیش کرو گے۔ پھر ہم فرادہ کے خلاف نئے منصوبوں پر عمل کریں گے۔"

اس تنظیم کے اعلیٰ عہدیداروں کو پورا یقین تھا کہ ابوداؤد کا دماغ میری خیال خوانی سے محفوظ ہے۔ اسی لئے دلش پانڈے نے منصوبے بناتے چلا آیا تھا۔ اس نے تاکید کی تھی کہ تنظیم کے بھی کسی فرد کو یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کس دن کس فلاٹ سے لاہور پہنچ رہا ہے اور یہ بھی کہ وہ کیا تھا کہ کسی کے ہاں کھانا کھائے گا نہ پانی پئے گا۔ ابوداؤد کا باورچی بھی یوگا کا ماہر تھا۔ اس پر مجبور کیا جانا تھا۔ کوئی خیال خوانی کرنے والا باورچی کے دماغ میں نہ جاسکتا تھا اور نہ ہی اس کے ذریعے اعصابی کمزوری کی کوئی دوا اکل سکتا تھا۔

اس باورچی کو ٹرپ کرنا ضروری نہیں تھا۔ اس نے دلش پانڈے کے سامنے صبح کھانا لا کر رکھا تھا۔ میں نے ابوداؤد کے ذریعے اس میں دوا ملا دی جس کے نتیجے میں وہ کمزوری محسوس کرنے لگا۔ میں نے اس کے اندر پہنچ کر اسے اس کمزوری کا اظہار نہیں کرنے دیا۔ اس نے کھانے کے بعد میری مرضی کے مطابق ابوداؤد سے کہا "میں ذرا لیت کر سڑکی پر ٹھکنے دوڑ کر آ جاتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم شام کو اہم معاملات پر گفتگو کریں گے۔"

ابوداؤد اسے ایک بیڈ روم میں چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اسے بستر پر پہنچا کر اس کے یوگا کی ایسی کی ایسی کر دی۔ اسے بھی اپنا معمول بتایا۔ یہ سب کچھ بظاہر آسان نظر آتا تھا لیکن کوئی کام آسان نہیں ہوتا۔ اسے آسان بنایا جاتا ہے۔ ابوداؤد اور دلش پانڈے تک پہنچنے میں کئی مہینے لگ گئے۔ میں آیا تھا اپنے بھائی کے قاتل کو سزا دینے پھر ایک کے بعد ایک گرہ کھلتی گئی۔ ہمارے ملک میں یہودیوں کی منافع خوری، بھارت کی جاسوسی اور امریکا کی دغلی پالیسی ظاہر ہوتی گئی اور میں اچھے اچھے اور معاملات سلجھاتے سلجھاتے آج "را" تنظیم کے دو خاص عہدیداروں تک پہنچا تھا۔

دلش پانڈے تو کئی مہینے سے بیدار ہونے کے بعد اعصابی کمزوری اور نخری عمل کو بھول گیا۔ شام کو ابوداؤد کے ساتھ گفتگو شروع کرتے ہوئے بولا "میرا کی کوئی شے میں جو کچھ ہوا اس سے صاف ظاہر ہے کہ فرادہ اس لڑکی کے دماغ میں رہتا ہے۔"

ابوداؤد نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ خود خیرا کا دیوانہ ہو کر اس کو بھی میں جانتے والا تھا اور اسے والی موت جوشید رانا کو اپنی تھی۔ اس نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا "جی ہاں۔ یہ جوشید کی حماقت تھی۔ اگر وہ اپنی دیوانگی مجھے بتا دیتا تو میں اسے حیرا

کے حصول سے باز رکھتا اور یہ تو میں اپنے خاص ماتحتوں کو سختی سے کتا رہتا ہوں کہ کبھی کسی عورت کے چکر میں نہ پڑ لیکن انھوں نے دیوانے بھی اداؤں کی بات نہیں سمجھتے۔"

"تم نے میرا کے مسئلے میں کیا کیا ہے؟"

"اپنی تنظیم کے تمام افراد کو تاکید کی ہے کہ وہ میرا سے دور رہیں اور اسے اپنی آواز بھی نہ سنائیں۔ آج کل یہاں کے ان کی جی کی اس پر خاص توجہ ہے ہمارے آدمی موٹے کی تلاش میں ہیں۔ اسے کہیں بھی کوئی مادری جانے گی۔"

"ہماری تنظیم میں حیرا کے علاوہ بھی ایسے افراد ہوتے ہیں جو ناوا شکی میں فرادہ کے آلا کار بن چکے ہوں گے۔"

"جی ہاں۔ لیکن ہم فرادہ کے کسی آلا کار کو پہچان نہیں سکتے اس لئے حیرا کو بھی پہچان نہیں پاتے تھے۔"

"تنظیم کے ہیڈ کوارٹر دہلی میں اس مسئلے پر بحث ہوئی تھی۔ وہاں سب کی مشفقہ رائے یہ ہے کہ پاکستان میں تنظیم کو زیادہ پھیلانا نہ جائے۔ چند سراغ رساں کی اگلاں یہاں کام کریں، باقی تمام کو قاصر کر دیا جائے۔"

"اور میری رائے یہ ہے کہ یہاں ہم میں سے کوئی نہ رہے۔ ہماری جگہ نئے لوگ آکر سنے طریقہ کار سے کام کریں۔ فرادہ پرانے لوگوں کو تلاش کرتا رہے گا اور نئے لوگ خاموشی اور راز داری سے اپنا کام کرتے رہیں گے۔"

"یہ اچھا آئیڈیا ہے لیکن پرانے وقاداروں میں تم سب سے اہم ہو۔ یہاں کے تمام معاملات کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔ تمہیں یہاں رہنا چاہئے۔"

ابوداؤد نے کہا "میرا ایک دست راست ہے اس کا نام حماد علی ہے۔ سب سے ہی صلاحیت اور حاضر دماغ ہے۔ میں چاہتا ہوں وہ چند ماہ کی ٹریننگ کے لئے دہلی ہیڈ کوارٹر میں جائے۔ وہ ٹریننگ کے بعد چیف کا عہدہ سنبھالنے کے قابل ہو جائے گا۔"

"تم اتنی بڑی ضرورت سفارش کر رہے ہو تو حماد روک دیا جائے گا۔ آج رات دس بجے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ ہو گا تو میں حماد کے لئے اجازت حاصل کر لوں گا۔"

دلش پانڈے بھی میری منی میں تھا۔ پھر بھلا اجازت کیسے حاصل نہ کرنا۔ اس نے بھی حماد کی طرف میں اتنے کن گائے کہ اس نے جو ان کو دہلی روانہ کر دینے کا حکم مل گیا۔ وہ دونوں رات کے دس بجے کمپین شرا سے ٹرانسپیر پتا میں گرہے تھے۔ میں ان کے درمیان موجود تھا۔ اور اپنے مطلب کی باتیں ان کی زبان سے کھلوا رہا تھا۔

کمپین شرا نے کہا "اگر حماد ایسا ذہین اور قابل ہے جیسا کہ بیان کیا جا رہا ہے اور ایسا وقادار ہے جیسا کہ ریکارڈ سے ظاہر ہے تو اسے کل ہی قاتل ٹریننگ کے لئے بھیج دو۔"

ابوداؤد نے پوچھا "سراؤہ کہاں رپورٹ کرے گا؟"

"اس ٹرینر میں رنجیت سنگھ کلاہی میں مادام سروجنی کو حاضری دے گا۔ مادام سروجنی فیملہ کریں گی کہ حماد دہلی ہیڈ کوارٹر میں ٹریننگ حاصل کرنے کے قابل ہے یا نہیں؟"

ان کی گفتگو سے ظاہر تھا کہ حماد (پارس) کو مختلف آزمائشوں سے گزار کر دہلی جانے کی اجازت دی جائے گی۔ میں نے پارس کے پاس آکر اسے تفصیل سے تمام باتیں سمجھا دیں۔ اس نے کہا "یہ لوگ تنظیم کے پرانے نمک خواروں کو قاصر کریں گے اس کا مطلب ہے رخسانہ، رحمانہ اور دوسرے وہ لوگ جو ہماری نظروں میں آچکے ہیں، وہ اب بے کار مرے بن چکے ہیں۔"

"ہاں "را" تنظیم کی بساط پر کچھ نئے مرنے آ رہے ہیں۔ میں ان سے نمٹ لوں گا۔"

"ایسا! یہ رخسانہ میری حقیقت جانتی ہے کہ میں حماد نہیں ہوں۔ اسے اچانک چھوڑ کر جاؤں گا تو راز کسی کے سامنے بھی اگل دے گی۔"

"وہ ایسا نہیں کرے گی۔ آج رات میں اس پر عمل کر کے تمہیں اس کی یادداشت سے ہم کر دوں گا۔ وہ ایسے بھول جانے کی جیسے تم اس کی زندگی میں بھی نہیں آئے تھے۔ تم یہ باب بند کر دو اور باپ ہندوستان کھولو۔"

یہ سب پایا تھا کہ دلش پانڈے حماد کو ساتھ لے کر یہاں سے امرتسر جاکے گا۔ وہاں حماد کو مادام سروجنی کے سامنے پیش کر کے خود بھی چلا جائے گا۔ دوا لگی سے قتل انہوں نے مادام سروجنی سے رابطہ کیا اسے بتایا کہ وہ شام چار بجے تک اس کی کوئی شے میں پہنچنے والے ہیں۔

دلش پانڈے کے چور خیالات یہ سب معلوم ہوا تھا کہ مادام سروجنی بڑی سخت اور گرم مزاج ہے۔ کئی بدعاش ہے۔ اسے شراب میں بلیک ڈاگ اور مردوں میں جوان چھو کر پسند ہیں۔ پولیس والے اس کی بی ضرورت کرتے ہیں اور بڑے بڑے قاتل بدعاش اس کے آگے کھٹکے نیک دیتے ہیں۔

شراب سے شغل کرنے والی یوگا کا بھر نہیں جان سکتی تھی۔ میں بڑی آسانی سے اس کے اندر پہنچ گیا۔ میں نے سوچا تھا وہ جو بھی آزمائشی حربہ استعمال کرے گی، میں پارس کو اس سے آگاہ کر دوں گا۔ سروجنی کے دماغ سے ان حربوں کا توڑ بھی معلوم کر لوں گا لیکن یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں تھا۔

مادام سروجنی کے خیالات بے بنیاد تھے۔ وہ ایسی عورتوں اور مردوں پر غم و نقد کرتی ہے جو بھارت کے خلاف جاسوسی کرتے ہیں۔ اس تنظیم میں یوگا جاننے والے بہت کم تھے اور جو تھے ان کی اکثریت پاکستان میں تھی تاکہ وہ میری ٹیلی فنی کو بے اثر کرتے رہیں۔ اب امرتسر میں دو اور دہلی میں تین یوگا کے ماہر تھے۔ ابتدا میں پارس کا سابقہ ان سے ہی پڑنے والا تھا۔

ان میں سے ایک یوگا کے ماہر کا نام جلاؤد تھا۔ عورتوں کے

معاہ میں میں بھی جلاؤد تھا، اسی لئے سروجنی سے کمرے تعلقات تھے۔ وہ جلاؤد کے متعلق بہت کچھ جانتی تھی۔ اس کی سوچ نے یہ بتایا آج کل وہ سکھوں کے جذبہ آزادی سے بہت پریشان تھا۔ وہ خود کہہ تھا لیکن بھارت سرکار کا وقادار تھا۔ آزادی کے لئے جنگ کرنے والے سکھوں کے خلاف جاسوسی کرتا تھا۔ جس کے نتیجے میں ہم سکھ قوم کے افراد سے لطف و سلامت کرتے رہتے تھے۔

چوں کہ وہ جاسوس تھا اس لئے کوئی سکھ اسے اپنے گھر کے دروازے پر دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ جس گلی میں سے گزرتا تھا۔ لوگ متاؤد ہو جاتے تھے ایسے میں وہ سرکار کے خلاف تحریک کاری کرنے والے سکھوں کا سراغ نہیں لگا سکتا تھا لیکن وہ بڑا چالبااز تھا۔ اس نے چند مخالف سکھوں کو خرید لیا تھا۔ وہ بظاہر مخالفت کرتے تھے اور درپردہ اس کے لئے تجویز کرتے تھے۔ خالصتان بنانے والی سکھ تنظیم کی آئندہ کارروائیوں کی رپورٹ جلاؤد سکھ تک پہنچا دیا کرتے تھے۔ وہ پوری سکھ قوم کی نظروں میں کانٹوں کی طرح چپنے کے باوجود بڑی کامیابی سے جاسوسی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔

جب پارس وہاں پہنچا تو سروجنی ایک صوفیہ پر جلاؤد سکھ کے پہلو میں بیٹھ بیٹھ ڈاگ لپ رہی تھی۔ اس نے پارس کو سرے پاؤں تک ایسے دیکھا جیسے پوچھا پوچھا لپٹائی ہوئی نظروں سے جوانی کو دیکھتا ہے۔ وہ بولی "دلش پانڈے تم نے شام چار بجے آنے کو کہا تھا۔ گھڑی دیکھو آج کتنے بج رہے ہیں۔"

دلش پانڈے نے کہا "حماد کو سرحد پار کرنا تھا۔ میں پاسپورٹ سے آیا ہوں اور یہ غیر قانونی طور پر اس لئے دیر ہو گئی۔"

وہ ناگوار سے بولی "تم جانتے ہو۔ یہ میرے چپنے کا وقت ہے اس جوان کو گیسٹ ہاؤس پہنچاؤ۔ میں رات کے کھانے پر لوں گی۔"

جلاؤد سکھ نے پوچھا "تمہارا نام حماد ہے؟"

پارس نے جواب دیا "میں بھی مسٹر پانڈے نے مجھے حماد کہا ہے کیا اونچا جانتے ہو؟"

وہ غرا کر بولا "شٹ اپ! بھتا پوچھا جانے اتنی ہی جواب دو۔"

"میں صرف اپنے سینئر کے آگے جوابدہ ہوں اور ان کی بھی تک یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ میرا سینئر کون ہے۔"

وہ اپنا سینئر ٹھونک کر بولا "میں ہوں اور تم میرے ماتحت ہو۔ پارس نے قہقہہ لگا کر کہا "تم میرے ماتحت بننے کے قابل نہیں ہو اور سینئر بننے کی بات کرتے ہو۔"

وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ دلش پانڈے نے فوراً ہی درمیان میں آکر کہا "جلیز جلاؤد سکھ! یہ تمہیں جانتا نہیں ہے۔ اسے میں سمجھا ہوں۔"

وہ گرج کر بولا "تم سمجھائے بغیر اس گھر کو کیوں لائے ہو؟"

”گدھے کی آنکھ سے دیکھو کہ تو دوسرے گدھے ہی نظر آئیں گے“
”میں گدھے کی آنکھ سے دیکھ رہا ہوں؟ تو مجھے گدھا کھ رہا ہے؟“

وہ اچھل کر آیا۔ راستہ روکنے والے دیش پانڈے کو ایک ہاتھ مار کر ہٹایا۔ پھر اس نے پارس کو کرائے کا ہاتھ مارا۔ وہ ہاتھ خالی گیا اس نے بیٹرا بدل کر دوسرا ہاتھ آزمایا۔ پھر تیسرا ہاتھ۔ اس کے بعد گھوم کر کلک ماری۔ مادام سروجی اور دیش پانڈے دم بخود ہو کر دیکھ رہے تھے اور ہر حملے پر سوچ رہے تھے اس بار حماد نہیں بچے گا لیکن وہ بڑی صفائی سے بچ رہا تھا۔ بڑی مہارت سے اس کے حملوں کو ناکام بنانا تھا۔ خود حملہ نہیں کر رہا تھا۔ اسے تھکا جا رہا تھا۔

جلاد گدھے کے بارے میں مشورہ تھا کہ اس کا ایک ہاتھ کھانے والا خون ٹھوکنے لگتا ہے اور وہ ایک ہاتھ ہی مارنے کے جنون میں پاگل ہو رہا تھا۔ ہر ناکا پر غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ دماغ پوری طرح گرم ہوتا جا رہا تھا۔ سروجی کے سامنے ناکام اور کٹر ہونے کی توہین برداشت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے باقاعدہ حملے ناکام ہونے لگے تو بے قاعدہ بے گنے حملے کر کے کسی طرح اسے ایک ہاتھ مار کر کم از کم ایک پوائنٹ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کیا بد بختی آئی تھی کہ ایک پوائنٹ بھی حاصل نہیں ہو رہا تھا۔

وہ کئی بار حملہ کرنے کے نتیجے میں دیوار سے کرایا۔ کئی بار فلائنگ کل مارنے کی خوش قسمتی میں اچھل کر فرش پر گرا اور ہریار زخمی ہوتا رہا۔ چونچ لگتی رہیں۔ نہڑیاں ترختی رہیں۔ مقابل سے مار کھائے بغیر لوہان ہوتا رہا۔ جب سارے داؤ اور ہتھکنڈے آزمائے اور وہ مقابل کا پتہ نہ لگا تو راز انک روک کی چیزیں اٹھا کر اس کی طرف پھینکنے لگا۔ گدھان، کرسیاں، میز کی کوئی چیز نہیں چھوڑی اور کوئی چیز بھی پارس کے جسم کو چھو نہ سکی۔ اور ایک طرف جگ کا بھی نتیجہ اسے پاگل کر دینے کے لئے کافی تھا۔

جب میں نے دیکھا کہ وہ بری طرح زخمی ہو گیا ہے تو اس کے غصے سے ٹھوکنے ہوئے دماغ پر قبضہ نہ کیا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق ایک بڑک ماری۔ پھر کہا ”میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اسے مار ڈالوں گا یا مر جاؤں گا۔“
یہ کہتے ہی اس نے دو ٹوٹے ہوئے جاکر سر کو دیوار سے ٹکرایا، دھڑام کی آواز کے ساتھ ٹکرا کر پیچھے آیا۔ پھر آگے جا کر دیوار سے ٹکرایا اور اسی طرح پیچھے جا کر فرش پر پارس کے قدموں کے قریب گر پڑا۔

جلاد گدھے کے مسلح گارڈز بڑی دیر سے وہاں آئے ہوئے تھے انہیں سروجی نے آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ اس نے اور دیش پانڈے نے ایسی جگہ پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پارس صحیح سلامت کھڑا ہوا تھا اور اس پر حملے کرنے والا اور زبردست سمجھا

جانے والا اپنے لوہیں ڈوبا ہوا اس کے قدموں میں پڑا تھا۔ مادام سروجی نے گارڈز کو حکم دیا۔ اسے اٹھا کر لے جاؤ۔ اور مہر مہی کر دو۔“

وہ لوگ اسے اٹھا کر لے گئے۔ سروجی نے دیش پانڈے سے کہا ”تم پاکستان سے اچھا داند لائے ہو۔ یہ شہ زوری کے پلو سے خوب ہے اسے باقی پلوں سے بھی آزمایا جائے گا۔ اسے میرے پاس چھوڑ دو اور تم جاؤ۔“

دیش پانڈے چلا گیا۔ پارس نے سروجی سے پوچھا ”تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں شہ زور ہوں؟“
”تم نے ناقابل شکست سمجھ جانے والے شہ زور کو شکست دی ہے۔“

”میں نے کوئی زور نہیں آزمایا۔ اس پر حملہ نہیں کیا اس کے خلاف اپنی طاقت نہیں آزمائی پھر تم نے مجھے پھلون کیسے مان لیا؟“
وہ مسکرا کر بولی ”واقعی تم اپنی تکنیک سے بچتے رہے۔ تم نے اس پر ایک انگلی نہیں رکھی۔ پھر بھی وہ لوہان ہو گیا۔ تم بہت چالاک اور پھرتیلے ہو۔“

وہ قریب آکر اس کے بازو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی ”بڑی بلڈر ہو۔ یہ چنانچہ جسامت تار ہے کہ بہت طاقتور ہو“ کسی کو دیر نہ لودو وہ پھر پھرا کر رو جائے۔“

وہ ایک ہانے کے ساتھ اور قریب ہوئی۔ پارس نے دور ہو کر پوچھا ”مائی! مجھے کام بتاؤ یا آرام کی جگہ بتاؤ۔“
وہ ایک دم سے بھڑک کر چیختی ہوئی بولی ”کیا؟ تم نے مائی کس کو کہا ہے؟“

پارس نے کہا ”میں اور تو کوئی نہیں ہے۔“
وہ پوری قوت سے چیخ کر بولی ”میں تمہارا منہ تو زودوں گی، فوراً معذرت چاہو اور مجھے مادام کو۔“

وہ بولا ”جب کوئی عورت مس (کنواری) نہیں رہتی اور کسی کی مسز بھی نہیں رہتی۔ اور جب وہ جوان نہیں رہتی اور بوڑھی کھلتا نہیں چاہتی تو اس کا مجرم رکھنے کے لئے اسے مادام کہا جاتا ہے۔ کیا میں بھی تمہارا مجرم رکھنے کے لئے مادام کہوں؟ اس انگریزی لفظ مادام کا ہندی ترجمہ مائی ماں ہے۔“

وہ غصے سے پھر کر بولی ”تم نے مجھے پھر مائی کہا، تم سڈر کے بیچے۔“

پارس نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے سے دونوں جیزوں کو اپنے پیچھے میں جکڑ لیا۔ پھر کہا ”سڈر کا پیچہ نہیں ہوتا۔ دیکھ یہ شیر کے پیچھے کا پیچہ ہے۔“

سروجی کے دیدے پھیل گئے۔ حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کی نہڑیاں ترخ رہی ہیں اور دانت ٹوٹ کر باہر آنے والے ہوں۔ پارس نے اسے چھوڑ دیا اسے دھکا دے

کر صوفے پر پھینکتے ہوئے بولا ”دیش پانڈے کو بلاؤ۔ میں اس کے ساتھ آیا ہوں۔ وہ صحیح معنوں میں انسان ہے۔ میں صرف اس کا حکم مانوں گا۔“

دیش پانڈے نے دروازے پر آکر کہا ”شاہاش حماد! تم ایسے کیزے کو زوں کے ماتحت نہیں رہو گے۔ میری سرپرستی میں نہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا میرے ساتھ آؤ۔“

پارس اس کے ساتھ جانے لگا۔ سروجی سہمی ہوئی صوفے پر پڑی تھی۔ اپنے منہ سے بننے والے خون کو پیچھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی ”حماد! میں تجھے نہیں چھوڑوں گی۔ یہ دیش پانڈے تجھے میری کوٹھی سے لے گیا ہے لیکن امر ترسے نہیں لے جائے گا۔“

میں نے اس کے خیالات پڑھ کر پارس کو بتا دیا۔ دیش پانڈے کے ساتھ کار میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ انٹیلیجنس کے دفتر کی طرف جارہے تھے پارس نے کہا ”سٹریٹ پانڈے! آپ کو سروجی کے خلاف میری حمایت نہیں کرنا چاہیے تھی۔ پنجاب کے لوگ ہندو سرکار کے خلاف ہیں۔ سروجی اور جلاد گدھے سمجھ ہیں وہ مجھ سے انتقام لینے کے لئے سکھوں کو میرے اور تمہارے خلاف بھڑکا سکتے ہیں۔“

پانڈے نے کہا ”ایسا نہیں ہوگا۔ مادام سروجی اور جلاد گدھے تنظیم کے دھادار ہیں۔ آپس کی لڑائی میں وہ تنظیم کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔“

میں پھر سروجی کے پاس آیا۔ وہ ہیڈ کوارٹر کے اعلیٰ افسر کیپٹن نرکا کے نام حماد کے خلاف رپورٹ لکھ رہی تھی۔ اس نے لکھا تھا

”پاکستان سے آنے والا نیا نگر وٹ ڈائل ہے اس میں ذہانت نہیں ہے۔“

اس نے اتنا ہی لکھا تھا، آگے لکھنے والی تھی کہ میں اس سے لکھوانے لگا ”اس نے یہاں آتے ہی جلاد گدھے کو بری طرح زخمی کر دیا ہے۔ پھر میری عزت پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ میں کسی طرح اس سے بچ گئی۔ دیش پانڈے خواہ اس کی حمایت کر رہا ہے۔ وہ غیر قانونی طور پر یہاں آیا ہے۔ ہم اسے پاکستانی جاسوس قرار دے کر گولی مار دیں گے۔ مجھے امید ہے کہ آپ میرے اس اقدام سے اتفاق کریں گے۔ میں اپنی اسلٹ برواشت نہیں کروں گی۔ اگر آپ نے بھی پانڈے کی طرح حماد کی حمایت کی تو میں سکھوں کی بغاوت میں شامل ہو جاؤں گی۔ حماد اور پانڈے کو یہاں سے جانے نہیں دوں گی۔ مجھے آدھے گھنٹے کے اندر جواب دو۔“

لکھ کر اس نے اس تحریر کو فیکس کیا۔ پھر جواب کا انتظار کرنے لگی۔ فیکس مشین کے پاس ہی ٹیلیفون رکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے امر ٹرا انٹیلیجنس کے چیف سے رابطہ کرنے پر مائل کیا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیا۔ پھر رابطہ ہونے پر بولی ”میں سروجی بول رہی ہوں، چیف کو بلاؤ۔“

چند سیکنڈ کے بعد چیف کی آواز سنائی دی۔ ”ہیلو مادام! میں حاضر ہوں۔ کوئی خدمت؟“

وہ بولی ”دیش پانڈے ایک مسلمان نوجوان کو میرے گھر سے لے گیا ہے، شکر کی ناگہ بندی کراؤ۔ ان دونوں کو شہر سے باہر نہیں جانا چاہئے۔“

بدنام ترین مجرم چارلس سو بھراج کے جرائم کی مکمل تفصیل

چارلس سو بھراج کی سرگزشت

میں ملاحظہ فرمائیں

اپنے قریبی بگ اسٹال سے طلب فرمائیں یا براہ راست ہم سے حاصل کریں

کتابیات سپلی کیشنز © پوسٹ بکس ۲۳ کراچی ۱

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سرجنی یوں یک لخت تابود
ہو جائے گی۔ کیا شان و شوکت سے جی رہی تھی۔ ہند سرکار کو اپنے

اسی تخی اور اعتقاد کے باوجود اندیشے ختم نہیں ہوتے تھے۔
انٹرویوٹ کے عملے میں تمام کچھ ملازم تھے۔ سمجھنا ممکن نہیں تھا کہ ان میں سے کون باغی ہے اور کس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟ کوئی بھی ملازم دھماکا فیزاؤد چھپا کر کسی طیارے کو یا مسافروں سے بھربے ہوئے لائونج کو تباہ کر سکتا تھا۔ ایسے باغی خرب کار ملازموں کو

ماتحت نے کہا ”سرا! میں یہ ہم اس کی طرف اچھالوں گا اور وہ سچ نہیں کرے گا تو یہ فرش پر گر کر پھٹ جائے گا۔“

”تم گدھے ہو۔ یہ دہائی کا پانچواں نہیں ہے کہ زمین پر گر کر

فازنگ کے باعث وہاں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ لاڈو اسپیکر کے ذریعے اطمینان دلایا جا رہا تھا کہ بریٹانی کی بات نہیں ہے۔ ایک مجرم کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس سخت کو قانونی کارروائی کی لئے



حراست میں لایا گیا تھا۔ ایک اعلیٰ افسر اسے شاباشی دیتی ہوئے کہ رہا تھا۔ تم نے مسافروں اور یہاں کے عملے کی جانیں بچائی ہیں۔ تمہیں ضروری کارروائی کے بعد رہا کر دیا جائے گا۔“

جلاد سمجھ کر جس طرح پارس نے بھان کیا تھا اس کے پیش نظر جلاد سمجھ رہا تھا کہ حماد اس کے ماتحتوں سے بھی بچ نکلے گا۔ وہ قسم کھا چکا تھا کہ اسے بچ کر نہیں جانے دے گا۔ اس نے سیکورٹی افسر راجپال کو یہ ذمہ داری سونپ کر اطمینان حاصل نہیں کیا تھا۔ بے چین ہو کر خود گھر سے نکل پڑا تھا۔ ایک بجے میں اس کے ضروری کاغذات اور ریو الوور وغیرہ تھے۔ اسے ہنگامی فراغت ادا کرنے کے لئے امرتسر سے دہلی تک سفر کرنے کی اجازت تھی۔ ٹھیکانوں کی ہر پرواز میں اس کے اور دوسرے فوجیوں کے لئے دس سیٹیں ریو الوور رکھی تھیں۔

جلاد سمجھتا تھا کہ اس پہلو سے سوچ رہا تھا کہ کدو اور دوسری خفیہ تنظیم کی ایک اہم عہدیدار تھی۔ اس کی موت پر دیش پانڈے کو یہاں رکنا چاہئے تھا لیکن سرودھنی کے کرایہ کرم سے پہلے ہی وہ جا رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سرودھنی کی موت سرکاری پالیسی کے مطابق ہوئی ہے۔

جلاد سمجھ کر جو دوسری بات غصہ دلادی تھی وہ یہ تھی کہ ایک نئے مسلمان رگھو کے باعث وہ زخمی ہوا تھا اور اس رگھو کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔ ان حالات کو دیکھ کر وہ ہندو سرکار سے نفرت کر رہا تھا۔ وہ سرودھنی کی طرح مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اب بلکہ تحریک میں شامل ہو کر سرکاری قاتلوں سے محفوظ رہ سکتا تھا۔

اس نے روانگی سے پہلے سمجھ کر تحریک کے سربراہ کو فون پر کہا ”تمہارے دو بڑے کارکن دہلی سنٹرل جیل میں ہیں۔ اگر میں انہیں رہائی دلاؤں تو کیا مجھے ہندو سرکار کے خلاف پناہ دو گے؟“

”جلاد سمجھ! ہماری تحریک کو تمہارے جیسے دلیر آدمیوں کی ضرورت ہے، دہلی سنٹرل جیل میں ہمارے اہم کارکنوں کی تعداد بچیں ہو گئی ہے۔“

”میں بچیں کو رہائی دلاؤں گا۔ انتظار کرو۔“

اس نے اٹھ پورٹ پہنچ کر اپنا شناختی کارڈ دکھایا۔ اس کے لئے دہلی جانے والی فلائٹ میں سیٹ مخصوص ہو گئی۔ سیکورٹی گارڈز نے اس کے ریو الوور پر اعتراض نہیں کیا۔ کیوں کہ وہ بہت بڑی سرکاری تنظیم کا ایک اہم افسر تھا۔ وہ جہاں سے گزر گیا۔ مسلح فوجی اسے سلام کرتے رہے۔

ٹھیکانوں میں چار فوجی جوانوں کی سیٹیں آگے تھیں اور چھ فوجی جوان پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ باقی تمام درمیانی سیٹوں پر تھے۔ جب ٹھیکانہ پرواز کرنے لگا تو وہ سیٹ بلیٹ کھول کر اٹھ گیا۔

ٹھیکانے کے انداز میں سیٹوں کے درمیانی راہداری سے گزرتے لگے۔ آگے راہداری کے سرے پر پارس اور دیش پانڈے بیٹھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

وہ ٹھیکانہ ہوا سانسے آیا تو پارس سے نظریں ملیں۔ دونوں ایک دوسرے کو گھور کر دیکھنے لگے۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی جلاد کو یوں لگا جیسے سانپ آکھیں مارا ہو۔ یہ پارس کی فطرت بن گئی تھی۔ وہ سانپ کی طرح پلکیں نہیں بچھکا تا تھا۔ ان آنکھوں میں ایسی ذہریلی کشش تھی کہ جلاد نے فوراً نظریں پھیر لیں۔

وہ پلٹ کر پائلٹ کپتین کی طرف جانے لگا۔ سوچنے لگا ”یہ دشمن پر اسرار قوت کا مالک نظر آ رہا ہے۔ کم بخت لگا ہوں سے دس رہا تھا۔ میری جگہ کوئی کرکروڑ کا آوی ہو تا تو اس کی قدموں پر گر پڑتا۔ نہ جانے کتنی حسنا میں اس پر مٹی ہوں گی مگر آج تو یہ مرے گا۔“

وہ دروازہ کھول کر کپتین میں آیا۔ وہاں پائلٹ اور کوپا پائلٹ اپنی ڈیوٹی میں مصروف تھے۔ جلاد سمجھنے لگا ”ہیلو کپتین!“

کوپا پائلٹ نے کہا ”ہیلو آفسر! یہ پرواز کیسی لگ رہی ہے؟“

”اچھی ہے۔ اگر یہ ٹھیکانہ اسی طرح پرواز کرتے ہوئے جالندھر کے رن وے پر اتر جائے۔“

”وہ تو آفسر ہے تو ڈائریکٹ دہلی کی فلائٹ ہے۔“

جلاد سمجھنے لگا کہ ریو الوور ٹھیکانہ کی کپتین سے لگاتے ہوئے کہا ”یہ میرا حکم ہے۔ جالندھر میں لینڈ کرو گے۔“

وہ پریشان ہو کر بولا ”آفسر! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟“

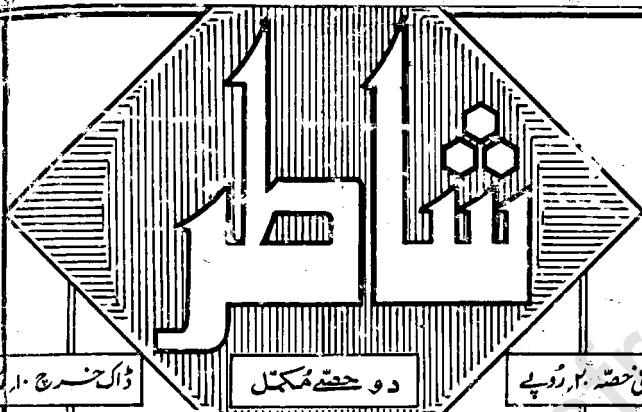
”دبی کر رہا ہوں جو دیکھ رہے ہو۔ کنٹرول ٹاور سے رابطہ کرو۔“

رابطہ ہو گیا۔ پائلٹ نے یہ بری خبر سنائی کہ ٹھیکانہ ہائی بیک کیا جا رہا ہے اور جرائی کی بات ہے کہ ایک سرکاری افسر ایسا کر رہا ہے۔ افسر نے ایک ہاتھ مائیک لے کر کہا ”میں جلاد سمجھ آفسر آن ایڈیٹل ڈیوٹی سوارنگ دے رہا ہوں۔ اگر ٹھیکانہ کو جالندھر میں نہ اترایا تو ایک بھی مسافر زندہ نہیں ملے گا۔“

ٹاور سے کہا گیا ”تم ایک ذمہ دار افسر ہو کر ایسی باتیں کر رہے ہو۔ آخر اس حرکت کا مقصد کیا ہے؟“

”یہ جالندھر پہنچ کر بتاؤں گا۔ میرے حکم کی تعمیل کرو۔ ورنہ۔۔۔“





سید ابوالفتح محمد بن ابی طالب